بادشاہ کا خواب

ایک تھا بادشاہ

میں اُن دنوں پانچ چھ سال کا تھا۔ ایک دن ایک مہمان آئے۔ 70-72 سال کی عمر، سفید ڈاڑھی، سُرخ و سفید چہرہ۔ لوگ انھیں سیّد صاحب سیّد صاحب کہتے تھے۔ سیّد صاحب کے سامان میں بیس پچیس موٹی موٹی کتابیں بھی تھیں ایک کتاب کا وزن کم سے کم دو ڈھائی سیر تو ضرور ہوگا۔ میں ان کتابوں کو دیکھ کر بڑا حیران ہوا بھلا انھیں کون پڑھتا ہو گا۔ ایک ہی کتاب کو ختم کرنے میں برسوں لگ جاتے ہوں گے۔

پہلے ہی دن رات کو کھانا کھانے کے بعد گھر کے سب لوگ دالان میں جمع ہوئے۔ چاندنی کا فرش بچھایا گیا۔ ایک جانب سیّد صاحب کے لیے تخت بچھا۔ اس پر گاؤ تکیہ لگا۔ گاؤ تکیے

کے آگے ایک چھوٹی سی چوکی لگائی گئی اور اس چوکی پر اُنھی موٹی موٹی کتابوں میں سے ایک کتاب سیّد صاحب نے کھول کر رکھ لی اور اپنی میٹھی اور سُریلی آواز میں پڑھنے لگے۔

میں بھی ایک طرف بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سُننے والے واہ وا، سُبحان اللہ کے نعرے لگاتے۔ کہیں کہیں قہقہے بھی بُلند ہوتے۔ وہ نہ جانے کب تک کتاب پڑھتے رہے۔ مجھے یاد نہیں، کیوں کہ میں سو گیا تھا لیکن یہ واقعہ میرے ذہن پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نقش ہو گیا۔

اگلے روز میں نے گھر کے کئی لوگوں سے پُوچھا کہ وہ کتاب کون سی ہے اور اس کا کیا نام ہے جو سیّد صاحب رات کو پڑھ رہے تھے؟ کسی نے جواب دیا اور کسی نے نہ دیا۔ ہاں یہ معلوم ہو گیا کہ اس کتاب کا نام "داستانِ امیر حمزہ" ہے۔

پھر کئی سال بیت گئے۔ میں اب اس قابل ہو گیا تھا کہ اردو کی بڑی بڑی کتابیں خود پڑھ سکتا تھا۔ داستانِ امیر حمزہ کی موٹی موٹی جلدیں مجھے خُوب یاد تھیں۔ لیکن انھیں ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتا

تھا۔ آخر ایک دن جب میں لائبریری گیا تو اللہ کا نام لے کر اس کتاب کو پڑھنا شروع کر دیا اور پھر کیا ہُوا؟

پھر یہ ہُوا کہ میں سب کچھ بھُول گیا۔ یہاں تک کہ کھانا پینا بھی ——— اب زندگی کی اتنی منزلیں طے کرنے کے بعد ——— اور ہزار ہا کتابیں پڑھنے کے بعد بھی ——— یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے داستانِ امیر حمزہ سے زیادہ دل چسپ، حیرت انگیز اور ہوش اُڑا دینے والی کوئی اور کتاب نہیں پڑھی۔ اب پتا چلا ہے کہ پُوری کتاب 46 جلدوں میں ہے اور اس کے صفحوں کی تعداد 48 ہزار کے لگ بھگ ہے۔ یعنی دو سو صفحے روزانہ پڑھو، تب کہیں آٹھ مہینے میں پُوری داستانِ امیر حمزہ ختم ہو گی۔

پہلے زمانے میں نہ سینما، نہ تھیٹر۔ لوگ تفریح کے لیے کہانیاں گھڑتے اور ایک دُوسرے کو سُناتے۔ آہستہ آہستہ بڑی بڑی داستانیں لکھی جانے لگیں۔ بادشاہوں کے ہاں کہانیاں کہنے اور داستانیں سُنانے والے مُلازم تھے اور ان کی بڑی عزت کی جاتی تھی۔

داستانِ امیر حمزہؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سُلطان محمُود غزنوی کے زمانے میں لکھی گئی اور پھر گزشتہ نو سو برسوں میں بہت سے لوگوں نے نئی نئی کہانیاں شامل کیں۔ یہاں تک کہ اس کی 46 جلدیں تیار ہو گئیں۔ ان 46 جلدوں کو پڑھنے کے لیے آج کس کے پاس وقت ہے؟ اس لیے اب بازار میں اس کے خُلاصے بکتے ہیں۔ لیکن چُونکہ یہ بڑوں کے لیے ہیں اس لیے ان کی زبان بہت مُشکل ہے۔ بچّے نہیں سمجھ سکتے۔

میں نے اس کتاب کا خُلاصہ لکھتے وقت صرف وُہی باتیں لی ہیں جن سے بچّوں کو دل چسپی ہو سکتی تھی۔ زبان اتنی آسان کر دی ہے کہ پانچویں جماعت کا بچّہ بھی آسانی سے پڑھ سکتا ہے۔

یہ کتاب "داستانِ امیر حمزہ" کا پہلا حصّہ ہے پُوری داستان دس حصّوں میں شائع ہو گی۔ مُجھے امید ہے کہ آپ اِسے بہت پسند کریں گے۔

مقبُول جہانگیر

جواہرات کا خزانہ

سینکڑوں برس گزرے، ایران کے مُلک پر ایک بادشاہ 'قباد کامران' حکومت کرتا تھا۔ شہر مدائن اس کا دارالحکومت تھا۔ اس کی حکومت میں رعیّت خوش حال تھی۔ امیر غریب سب چین کی بنسری بجاتے تھے۔ قباد بڑا بہادر اور انصاف کرنے والا بادشاہ تھا۔ اُسے رعایا کی بہتری اور آرام کی ہر وقت فکر رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ سب اس سے خوش تھے اور اس کی سلامتی اور لمبی عمر کی دعائیں مانگا کرتے۔

قباد کے چالیس وزیر تھے۔ وزیر اعظم یعنی سب سے بڑے وزیر کا نام القش تھا۔ یہ بہت عقل مند تھا اور بادشاہ حکومت کے کام اسی کے مشورے سے کرتا تھا۔ وزیروں کے علاوہ بادشاہ کے دربار

میں سات سو عالم اور سات سو نجومی بھی تھے۔
یہ لوگ بادشاہ کو دانائی کی باتیں بتاتے تھے۔
اُنھی دنوں شہر مدائن میں حضرت دانیال علیہ السّلام کی اولاد میں سے ایک نہایت نیک اور سیدھا سادا شخص بھی رہتا تھا۔ اس کا نام خواجہ بخت جمال تھا۔ وہ نجوم میں اس قدر ماہر تھا کہ لوگ دُور دُور سے اس کے پاس اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے کے لیے آتے تھے۔ بخت جمال جو کچھ بتاتا، وہ سب سچ نکلتا۔ اگر وہ چاہتا تو اپنے اس ہُنر کی بدولت چند روز کے اندر اندر مال دار بن جاتا لیکن وہ لالچی نہ تھا۔ کبھی کسی سے کچھ نہ مانگتا۔ ہاں، جو کوئی اسے اپنی مرضی سے کچھ دیتا وہ شُکریے کے ساتھ لے لیتا۔
آہستہ آہستہ خواجہ بخت جمال کے عِلم کی شہرت وزیر القَش کے کانوں تک بھی پہنچی اور اس کے دل میں بخت جمال سے مِلنے کی آرزو کروٹیں لینے لگی۔ اس نے اپنے ایک غُلام کو بخت جمال کے گھر بھیجا تاکہ وہ اُسے اپنے ساتھ محل میں لے آئے لیکن بخت جمال نے غلام کے

ساتھ جانے سے اِنکار کر دیا اور کہا "اگر وزیر اَلقَش مُجھ سے مِلنا چاہتے ہیں تو انھیں میرے گھر آنا چاہیے۔ مجھے ان سے مِلنے کی خواہش نہیں۔ میں ان کے محل میں نہیں جاؤں گا۔"

غُلام نے یہی بات اَلقَش سے جاکر کہہ دی۔ اَلقَش پہلے تو غصّے سے لال پیلا ہُوا کہ ایک معمُولی آدمی کی یہ جُرأت کہ وہ وزیر کے بلانے پر نہ آئے اور ٹکا سا جواب دے دے۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر وہ خود ہی اس کے ہاں پہنچ گیا۔ بخت جمال نے اس کو بڑی عزّت سے اپنے پاس بٹھایا، خاطِر تواضُع کی اور کہا:

"جنابِ والا! میں ایک غریب آدمی ہُوں۔ میرے گھر آپ کا آنا میری خوش نصیبی ہے۔ فرمائیے کہ میں آپ کی کیا خِدمت کر سکتا ہُوں؟"

"ہم نے سُنا ہے کہ تمھیں نجُوم میں کمال حاصل ہے۔ تُم غیب کی باتیں بتاتے ہو۔ کیا تُم ہمیں یہ کمال سِکھاؤ گے؟"

یہ سُن کر خواجہ بخت جمال چند لمحے چُپ رہا

پھر کہنے لگا:
"جناب، میں کیا اور میرا کمال کیا۔ بزرگوں سے جو کچھ مجھ تک پہنچا ہے، اسے میں نے اپنے سینے میں محفوظ رکھا ہے۔ اگر آپ یہ عِلم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو مجھے کیا اِنکار ہے۔ لیکن جناب کو اس کے لیے میرے ہی گھر آنا ہو گا۔"
"ہمیں تمھاری یہ شرط منظور ہے" وزیر القش نے کہا اور پھر خواجہ بخت جمال کا اِمتحان لینے کے لیے اُس سے چند باتیں پُوچھیں، جن کا اس نے حساب لگا کر ایسا جواب دیا کہ القش حیرت سے اس کا مُنہ تکنے لگا کیوں کہ یہ وہ باتیں تھیں جنھیں خود القش کے سِوا دُنیا میں کوئی اور شخص نہیں جانتا تھا۔
القَش روزانہ بخت جمال کے گھر جاتا اور اس سے علم نجُوم سیکھتا۔ آہستہ آہستہ ان دونوں میں بہت محبّت ہو گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اگر کسی روز ان کی مُلاقات نہ ہوتی تو دونوں بے چین رہتے۔
بخت جمال نے اپنے دوست وزیر القَش کو

بڑی محنت سے نجوم کی تعلیم دی اور القش سب کچھ بہت جلد سیکھ گیا۔ اب وہ بھی دوسروں کی قسمت کا حال بتایا کرتا اور اس کی بتائی ہوئی باتیں سچی نکلتیں۔

ایک روز القش نے اپنے دوست بخت جمال کی تقدیر کا حساب لگایا تو اُسے معلوم ہُوا کہ آنے والے چالیس دن بخت جمال کے لیے سخت منحوس ہیں۔ اگر وہ ان چالیس دنوں میں گھر سے باہر نکلا تو اس کی جان کو خطرہ ہے۔ یہ دیکھ کر وہ بخت پریشان ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے حساب میں غلطی نہیں ہوسکتی۔ وہ اُسی وقت بخت جمال کے گھر گیا اور اسے بتایا کہ آیندہ چالیس دن اس کی زندگی میں بھاری گزریں گے۔ ان دنوں میں وہ ہرگز ہرگز گھر سے باہر نہ نکلے۔ یہ سُن کر بخت جمال فکرمند ہوا۔ اس نے بھی اپنے بارے میں حساب لگایا تو یہی معلوم ہوا کہ القش سچ کہتا ہے۔

"اب میں جاتا ہوں۔ انشاءاللہ چالیس دن کے بعد ملاقات ہوگی۔" القش نے کہا۔

"بہت بہتر۔ جو خدا کی مرضی۔" بخت جمال نے

جواب دیا "میں چالیس دن تک گھر ہی میں رہوں گا اور امّید تو یہی ہے کہ میری جان سلامت رہے گی۔ آگے اللہ جانے۔"

القش کے جانے کے بعد بخت جمال نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اور آپ ایک گوشے میں بیٹھ کر عبادت کرنے لگا۔

دن ایک ایک کر کے گزرنے لگے۔ یہاں تک کہ اُنتالیسواں دن بھی خیریت سے گزر گیا۔ اب بخت جمال کو اِطمینان ہوا کہ منحوس گھڑیاں ٹل گئیں۔ چالیسویں روز وہ صُبح سویرے بیدار ہوا نہا کر کپڑے پہنے اور یہ سوچ کر گھر سے نکلا کہ القش سے ملاقات کرنی چاہیئے۔ وہ بے چارہ ہمیشہ میرے گھر آتا رہا ہے اور میں ایک مرتبہ بھی اس کے ہاں نہیں گیا۔ القش سے ملاقات کی خوشی میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ چالیسواں دن پورا نہیں گزرا ہے اور ابھی آفت کی گھڑی اس کے سر پر کھڑی ہے۔ اس نے حساب لگانے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی اور القش کے محل کی جانب روانہ ہو گیا۔

الفقش کے محل کی طرف دو راستے جاتے تھے۔ ایک شہر
میں سے اور دوسرا دریا کے ساتھ ساتھ۔ بخت جمال نے
سوچا کہ شہر کے راستے سے جانا ٹھیک نہیں۔ راہ
میں بہت سے لوگ ملیں گے اور طرح طرح کی
باتیں پوچھ کر وقت ضائع کریں گے اس لیے دریا
کی طرف سے جانا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ اسی راستے
پر چل پڑا۔ چلتا گیا۔ چلتا گیا۔ یہاں تک کہ دوپہر
ہو گئی اور سُورج اس کے سر پر چمکنے لگا۔ تب
اسے احساس ہوا کہ وہ راستہ بھُول کر ایک بیابان
میں آنکلا ہے۔ ہر طرف گہرا سنّاٹا تھا۔ دُور دُور
تک کوئی آدمی دکھائی دیتا تھا نہ جانور۔ ہاں کچھ
فاصلے پر اسے ایک بہت پُرانی لیکن عظیمُ الشّان
عمارت کے بھیانک کھنڈر ضرور دکھائی دیے۔
تھوڑی دیر سستانے کے لیے بخت جمال اُنھی
کھنڈروں کی جانب چلا۔ وہ اصل میں یہ معلُوم کرنا
چاہتا تھا کہ یہ کھنڈر کس عمارت کے ہیں اور
ہو سکتا ہے کوئی آدمی ان میں رہتا بھی ہو۔
جب وہ اس پُرانی حویلی کے کھنڈروں میں داخل
ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ عمارت ہزاروں برس پُرانی

ہے کیونکہ اس کی اینٹیں کالی اور بوسیدہ ہو چکی تھیں دیواروں پر سے جگہ جگہ مسالا جھڑ چکا تھا۔ کھنڈروں کے اندر بڑے بڑے کمرے اور کوٹھڑیاں نظر آئیں جن کے اندر اندھیرا تھا اور دیواروں پر مکڑیوں نے بے شمار جالے تن رکھے تھے۔ چھتوں پر ہزار ہا چمگادڑیں بھی اُلٹی لٹکی ہوئی تھیں۔ بخت جمال یہ منظر دیکھ کر کسی قدر خوف زدہ ہوا لیکن تھکا ہوا ہونے کی وجہ سے کچھ دیر آرام کرنا بھی چاہتا تھا اس لیے ایک بند دروازے کے ساتھ پیٹھ لگا کر بیٹھ گیا۔

یکایک اس کی نگاہ دروازے میں لگے ہوئے تالے پر پڑی۔ تالا بہت بڑا تھا۔ لیکن اسے زنگ کھا چکا تھا۔ بخت جمال نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر تالے کو چھوا اور ذرا زور لگایا تو وہ ٹوٹ گیا۔ تالا توڑنے کے بعد اس نے دروازے کو دھکا دے کر کھول دیا۔ ہلکے سے شور کے ساتھ دیمک لگی ہوئی لکڑی کا یہ بھاری دروازہ کھل گیا۔ اس نے جھانک کر دیکھا تو ایک تہہ خانہ سا نظر آیا جس میں اُترنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔

وہ سوچنے لگا خدا معلوم اس تہہ خانے میں کیا ہے۔ دیکھنا تو چاہیے۔ دھڑکتے ہوئے دِل سے وہ آہستہ آہستہ اس تاریک تہہ خانے میں اُترنے لگا۔

اب اُس نے اپنے آپ کو ایک لمبے چوڑے ہال کمرے میں پایا جس کی چھت کو اونچے ستونوں نے سہارا دے رکھا تھا۔ یہاں ہر طرف گردو غُبار جما ہوا تھا۔ ایک عجیب قسم کی بدبُو پھیلی ہوئی تھی۔ ہال کے ایک گوشے میں کچھ چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ اُدھر گیا۔ یہ لوہے کے بڑے بڑے صندُوق تھے اور ان سب میں تالے لگے تھے لیکن انھیں بھی زنگ کھا چکا تھا اس لیے بخت جمال کے لیے قفُل کھولنا کچھُ دشوار نہ تھا۔ چند منٹ کے اندر اندر اس نے سارے قُفل توڑ ڈالے۔

اس نے جُونھی پہلے صندُوق کا ڈھکنا اُٹھایا تو مارے حیرت کے اس کا جسم سُن ہو گیا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آتا تھا۔ یہ صندُوق جواہرات سے لبالب بھرا ہُوا تھا۔ بخت جمال نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دُوسرا صندُوق کھولا۔ اس میں

بھی ہیرے ، اشرفیاں اور سونے کے زیور بھرے ہوئے تھے۔ اب اس نے صندوقوں کو گنا۔ ان کی تعداد سات تھی اور سب کے اندر بے شمار دولت تھی۔

اس خزانے کو پا کر خواجہ بخت جمال کے ہوش اُڑ گئے۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آخر یہ خزانہ اب تک لوگوں کی نظروں سے اوجھل کیوں رہا۔ وہ اتنا بدحواس ہو چکا تھا کہ اپنے علم کے ذریعے بھی اس راز کا حل پانے میں ناکام رہا۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ وزیر القفش کو اس کے بارے میں بتانا چاہیے۔ یہ دولت میرے کس کام کی۔ میں اسے القفش کو دے دوں گا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکلا۔ تہہ خانے کا دروازہ بند کیا اور کھنڈروں سے باہر آ گیا۔ سورج اب بھی آسمان سے آگ برسا رہا تھا۔ لیکن خواجہ بخت جمال کو اس کی کوئی پروا نہ تھی۔ خزانہ پالینے کی خوشی میں وہ دوڑتا ہوا شہر کی طرف گیا اور پھر وہاں سے القفش وزیر کے محل کا راستہ لیا۔

القش کو جب اس کے خادِم نے بتایا کہ خواجہ بخت جمال ملاقات کے لیے آیا ہے تو وہ بڑا حیران ہوا۔ اس کے حساب سے ابھی چالیسواں دن پورا نہیں ہوا تھا اور خواجہ بخت جمال کی جان سورج غروب ہونے تک خطرے میں تھی۔ وہ جلدی سے محل کے دروازے پر آیا اسے بڑی عزت سے اپنے ساتھ اندر لے گیا اور کہنے لگا:

"خواجہ صاحب، آپ نے کیوں تکلیف کی۔ میں تو خود مغرب کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کر رہا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ آج چالیسواں دن ہے۔"

"ہاں بھئی، آج چالیسواں دن ہے اور انتالیس دنوں کی طرح یہ دن بھی خیریت سے گزر جائے گا۔ لیکن تعجب ہے کہ یہ چالیسواں دن میری زندگی کا سب سے مبارک دن ثابت ہوا" خواجہ نے کہا۔

"وہ کیسے؟" القش نے پوچھا۔

اور تب خواجہ بخت جمال نے خزانہ ملنے کا تمام واقعہ القش کو سنایا اور آخر میں بولا:

"یہ خزانہ آپ ہی کو مبارک ہو۔ میں بھلا اتنی دولت کا کیا کروں گا۔ ہاں، اگر آپ کا جی چاہے تو اس میں سے کچھ مجھ کو بھی دے دیجیے گا۔ میرے لیے وہی بہت ہو گا۔"

القش نے جلدی سے دو گھوڑے منگوائے۔ ایک پر خود سوار ہوا اور دوسرے پر خواجہ بخت جمال کو سوار کر دیا۔ پھر دریا کو جانے والی سڑک پر گھوڑا ڈال دیا۔

اسی پرانی عمارت کے کھنڈروں کے نزدیک جا کر گھوڑوں سے اُترے اور سیدھے تہہ خانے میں گئے۔ بخت جمال نے ساتوں صندوق باری باری کھول کر القش کو دکھائے۔ جواہرات کا خزانہ دیکھ کر القش کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور اب اس کے دل میں بے ایمانی آئی۔ اس نے سوچا: ایسا نہ ہو کہ بخت جمال کسی اور سے ذکر کر دے۔ پھر یہ بات بادشاہ تک پہنچ جائے۔ ایسا ہوا تو اس خزانے پر بادشاہ قبضہ کر لے گا اور میرے ہاتھ کچھ نہ آئے گا اس لیے ضروری ہے کہ بخت جمال کا کام تمام کر دیا جائے تاکہ خزانے کا راز کسی اور پر ظاہر نہ

ہو سکے۔

یہ سوچ کر القش نے بخت جمال کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا اور آپ اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ بخت جمال اپنے دوست کی اس حرکت پر سخت حیران ہوا اور کہنے لگا:

"اے القش، یہ کیا بات ہے؟ کیا مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہے؟"

"ہاں، تو نے بہت بڑی خطا کی ہے۔" القش نے کہا اور کمر سے بندھا ہوا چمک دار خنجر نکال لیا "تیری خطا یہ ہے کہ تو نے اس خزانے کا ذکر مجھ سے کیا اور اب میں ڈرتا ہوں کہ اگر تو نے اس کا پتا کسی اور کو بتا دیا تو بات بادشاہ قباد کامران تک پہنچے گی اور بادشاہ اس پر قبضہ کرے گا۔ تیری زبان ہمیشہ کے لیے بند کرنے کی صورت یہی ہے کہ تجھے موت کے گھاٹ اتار دوں۔"

یہ سن کر خواجہ بخت جمال کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ وہ عاجزی سے کہنے لگا "میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس خزانے کے بارے میں کسی سے ذکر نہ کروں گا۔"

القش نے قہقہہ لگایا اور بولا "بکواس بند کر
رہے ۔ تُو اپنی جان بچانے کے لیے قسمیں کھا
رہا ہے۔ مجھے تیری قسم کا کوئی بھروسا نہیں۔ تجھے
اب مرنا ہے۔ تیار ہو جا۔"
خواجہ بخت جمال نے بہتیری خوشامد کی مگر بے رحم
القش کو ذرا ترس نہ آیا۔ اس کے سر پر شیطان سوار
تھا اور دولت کی چمک دمک نے اسے اندھا کر دیا
تھا۔
جب خواجہ نے دیکھا کہ جان بچنے کی کوئی صورت
نہیں اور یہ ظالم اس کا خون بہائے بغیر باز نہیں
آئے گا تو اس نے کہا "میری ایک وصیت ہے
اگر اسے پورا کرنے کا وعدہ کرو تو بیان کروں؟"
"بتاؤ۔ کیا ہے وہ وصیت؟" القش نے کہا۔
"میرے گھر میں عنقریب بچہ ہونے والا ہے"
خواجہ بخت جمال نے کہا "اگر لڑکا پیدا ہوا تو
میری بیوی سے کہنا کہ اُس کا نام بُزرجمہر رکھے۔
میرے مرنے کی خبر میری بیوی کو نہ دینا۔"
"بہت اچھا۔ میں تمھاری یہ وصیت پوری
کروں گا۔" القش نے کہا اور یہ کہہ کر خواجہ بخت

جمال کو مار ڈالا۔

اس کے بعد القش باہر نکلا اور خواجہ بخت جمال کے گھوڑے کو بھی مار ڈالا۔ پھر اس نے گھوڑے اور خواجہ کی لاشیں اسی عمارت کے ایک گوشے میں گھسیٹ کر ڈال دیں۔ دریا پر جا کر ہاتھ پیر دھوئے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر محل کی طرف چلا گیا۔ اسے اب یہ اطمینان تھا کہ کوئی دوسرا اس خزانے پر قبضہ نہیں کر سکے گا۔

محل میں جا کر اس نے غلاموں اور سپاہیوں کو جمع کیا اور رات کی تاریکی میں سارا خزانہ وہاں سے اُٹھا کر محل میں لے آیا۔ اس کے بعد اس نے مُلک کے بہترین راجوں کو بُلایا اور اس پُرانی عمارت کو گرا کر اس کی جگہ ایک نئی عمارت اور باغ بنانے کا حُکم دیا۔ ہزار ہا راج، بڑھئی لوہار اور باغبان دن رات کام کرنے لگے اور چند مہینوں کے اندر اندر انھوں نے دریا کے کنارے ایک عالی شان محل بنا کر کھڑا کر دیا۔ القش محل اور اس کے باغ کو دیکھ کر بے حد خوش ہُوا اور اس کا نام "باغِ بے داد" رکھا۔

اس عرصے میں اس نے خواجہ بخت جمال کی
بیوی سے کہہ دیا تھا کہ اس کے شوہر کو ایک ضروری
کام کے لیے چین بھیج دیا گیا ہے اور جاتے ہوئے
وہ کہہ گیا ہے کہ گھر میں لڑکا پیدا ہو تو اس کا
نام بُزرج مہر رکھنا۔ کچھ دن بعد خواجہ بخت جمال
کے گھر ایک چاند سے لڑکے نے جنم لیا تو اس کی
ماں نے اس کا نام بُزرج مہر رکھا۔

عجیب لڑکا

بُزرج مہر جب پیدا ہُوا تو اس کی ماں خواجہ بخت جمال کو یاد کر کے بہت روئی۔ عرصے سے اس کی خیر خبر معلوم نہیں ہوئی تھی اور نہ وزیر القش ہی نے اس بارے میں اور کچھ بتایا تھا۔ بد نصیب عورت کئی مرتبہ وزیر کے محل کی طرف گئی مگر غلاموں اور دربانوں نے اسے دھکّے دے کر نکال دیا۔ وہ دُکھیا قسمت پر صبر شکر کر کے گھر میں بیٹھ گئی اور محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بچّے کا پیٹ پالنے لگی۔

ننّھا بُزرج مہر جتنا خُوب صُورت تھا اتنا عقل مند بھی تھا۔ ایسی ایسی باتیں کرتا جنھیں سُن کر بڑے بُوڑھے دانتوں میں اُنگلیاں دبا

ھتے۔ جب وہ پانچ برس کا ہُوا تو اُس کی
ں اسے لے کر اپنے محلّے کے ایک اُستاد
کے پاس گئی۔ اس اُستاد کے پاس محلّے بھر
کے بچّے پڑھنے آتے تھے۔ ایک زمانے میں
زرج مہر کے باپ خواجہ بخت جمال نے
س اُستاد کو پڑھایا تھا اور یہ بات بزُرج مہر
ماں کو معلُوم تھی۔ اس نے اُستاد سے کہا
بچّہ تمھارے اُستاد کا بیٹا ہے۔ تمھارے
ستاد کو وزیر القش نے کسی کام سے چین
یجا ہے۔ وہ ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا۔
وہ ہوتا تو اپنے بچّے کو خود پڑھاتا۔ مگر
ب تُم یہ فرض ادا کرو۔"

اُستاد نیک آدمی تھا اُس نے بزُرج مہر
و پیار کیا اور کہا کہ میں اسے محبّت اور
وق سے پڑھاؤں گا۔ اس کے بعد بزُرج مہر
قاعدہ اُستاد کے پاس پڑھنے کے لیے جانے
گا اور چند روز کے اند اندر تمام بچّوں سے
گے نکل گیا۔ جو بچّے ایک سبق دو دن
یں یاد کرتے، اسی سبق کو بزُرج مہر ایک

گھنٹے میں یاد کر لیتا تھا۔ ابھی وہ دس برس
ہی کا تھا کہ اس نے کئی عِلم اور فن سیکھ
لیے اور ان میں خُوب ماہر ہو گیا۔
ایک روز شام کو بزرجمہر چُھٹی کے بعد
گھر گیا تو اس کی ماں بستر پر لیٹی تھی۔ اُس
نے پُوچھا "امّاں لیٹی کیوں ہو؟"
"مُجھے بُخار ہو گیا ہے بیٹا" ماں نے کہا
"آج تم بُھوکے ہی سو گے بیٹا! میں مزدوری
نہیں کر سکی۔ اس لیے کھانے کے لیے گھر
میں کُچھ نہیں ہے!"
یہ سُن کر بزرجمہر بے حد فکر مند ہُوا۔
اپنی بُھوک سے زیادہ اُسے ماں کی بیماری کا
دُکھ تھا۔ وہ کہنے لگا: "امّاں، کیا گھر میں
کوئی چیز ایسی نہیں جسے بازار میں بیچ آؤں
اور کُچھ رقم مل جائے؟"
"نہیں بیٹا۔ اب ایسی کوئی چیز باقی نہیں
رہی جو بازار میں بِک سکے۔ پہلے ہی تمام
چیزیں ایک ایک کر کے بِک چُکی ہیں۔
ہاں، طاق کے اُوپر تُمھارے نانا' حکیم حاماسن

کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک بہت پرانی کتاب پڑی ہے۔ کوشش کرو۔ شاید یہ کتاب کوئی مدد دے۔"

بزرجمہر نے طاق میں جھانکا تو کونے میں ایک موٹی سی کتاب پڑی دیکھی، جس پر موٹے حروف میں لکھا تھا: "حاماس نامہ —— تصنیف حاماس —— جو شخص اس کتاب کو غور سے پڑھے گا اور سمجھے گا اس پر اگلی پچھلی تمام باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔"

کتاب بے حد پرانی تھی اور اس کے ورق نہایت بوسیدہ تھے۔ کہیں کہیں الفاظ بھی دھندلے پڑ گئے تھے۔ بزرجمہر یہ کتاب دیکھ کر اسے پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ چلا چلا کر رونے لگا مگر ساتھ ساتھ کتاب بھی پڑھتا جاتا تھا۔ پھر یکایک وہ ہنسا اور قہقہے لگانے لگا۔ بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر ماں اپنی بیماری بھول گئی اور کہنے لگی "کتاب پڑھ کر کہیں تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا؟ ابھی تم دہاڑیں مار مار

کر رو رہے تھے اور اب قہقہے لگا رہے ہو؟"

بزرجمہر نے کتاب بند کر دی اور ماں سے کہا: "یہ عجیب و غریب کتاب ہے۔ اسے پڑھ کر مجھے پتا چل گیا ہے کہ ایک ظالم شخص نے کس طرح میرے بے گناہ باپ کو ہلاک کیا۔ یہی وجہ تھی کہ میں رو دیا۔ اور ہنسا یوں کہ میں انشاء اللہ اس ظالم سے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

بزرجمہر کی ماں نے جب یہ سنا کہ خواجہ بخت جمال کو ہلاک کر دیا گیا ہے اور یہ خون وزیر القش نے کیا ہے تو وہ بھی خوب روئی لیکن بزرجمہر نے اسے دلاسا دیا اور کہا کہ اماں، اب رنج نہ کرو۔ میں بہت جلد وزیر سے انتقام لوں گا۔ یہ کتاب بتاتی ہے کہ بادشاہ مجھے اپنا وزیر بنائے گا۔ میرے باپ کا ڈھانچا ابھی تک اسی جگہ موجود ہے جس جگہ القش وزیر نے نیا محل بنوایا ہے۔ اچھا اب

میں بازار جا کر کھانے پینے کی چیزیں لاتا ہوں۔
"لیکن چیزیں خریدنے کے لیے تمھارے پاس پیسے کہاں ہیں؟ کیا کسی سے اُدھار لو گے؟"
"نہیں اماں، اُدھار لینا ٹھیک نہیں۔ اِس کتاب نے مجھے ایک ایسا طریقہ بتا دیا ہے جس سے میں کھانے پینے کی چیزیں پیسوں کے بغیر ہی لے آیا کروں گا، تم فکر نہ کرو۔"
اور اپنی والدہ کو حیران پریشان چھوڑ کر بزرج مہر گھر سے نکلا، سیدھا بنیے کی دکان پر گیا اور کہنے لگا "تم مجھے پہچانتے ہو؟"
"ہاں۔" بنیے نے جواب دیا "تم خواجہ بخت جمال کے لڑکے ہو۔"
"وزیر نے میرے بے گناہ باپ کو قتل کر دیا ہے۔" بزرج مہر نے کہا۔ "اور میں اپنے باپ کے خون کا بدلہ لوں گا۔"
دُکان دار یہ سُن کر حیران ہوا اور کہنے لگا "تم وزیر سے کیسے اِنتقام لو گے؟ وہ تمھیں بھی مروا دے گا۔"
بزرج مہر ہنسا اور بولا "وزیر میرا بال بھی

بیکا نہیں کر سکتا۔ اچھا، اب تم ایسا کرو کہ روزانہ دو سیر آٹا، ایک سیر شکر، آدھ سیر گھی، پانچ سیر کوئلے میرے گھر بھجوا دیا کرو۔"
"لیکن پیسے؟" بنیے نے پوچھا۔
بزرج مہر نے آنکھیں نکال کر بنیے کو گھورا اور کہا "تو مجھ سے پیسے مانگتا ہے؟ میں جانتا ہوں کہ ابھی پچھلے مہینے ایک کسان کئی سو من گیہوں بیچنے کے لیے تیرے پاس لایا تھا، اور تو نے اس کو دھوکا دے کر اس کے گیہوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور اگر یہ بات ابھی جا کر بادشاہ کی عدالت میں کہہ دوں، تو وہ تیری بوٹیاں چیل کوّوں کو کھلانے کا حکم دے دے گا۔"
بزرج مہر کے منہ سے یہ بات سن کر بنیا تھر تھر کانپنے لگا۔ سچ مچ اس نے پچھلے مہینے ایک کسان کو دھوکے سے لوٹ لیا تھا اور اس کے سارے گیہوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ حیران تھا کہ یہ راز بزرج مہر کو کیسے معلوم ہوا۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا:

"خدا کے لیے یہ بات کسی سے نہ کہنا۔ میں
ہر طرح سے تمھاری خدمت کے لیے حاضر ہوں۔
جتنی چیزیں تم نے کہی ہیں، روزانہ تمھارے
گھر بھجوا دیا کروں گا۔"

اب بزرجمہر قصائی کی دکان پر گیا۔ وہ
چھریاں اور کلہاڑے تیز کر رہا تھا۔ بزرجمہر
نے اس سے کہا "تم مجھے پہچانتے ہو؟"
"ہاں، تم خواجہ بخت جمال کے لڑکے ہو۔
کیا کام ہے مجھ سے؟" قصائی نے سختی سے
کہا۔ اس کا خیال تھا کہ لڑکا یا تو گوشت
ادھار لینے آیا ہے یا کچھ پیسے مانگے گا۔

بزرجمہر نے کہا "تم روزانہ ایک سیر
گوشت میرے گھر بھجوا دیا کرو۔"

"ایک سیر؟" قصائی نے حیرت سے کہا
"اور پیسے کون دے گا؟"

بزرجمہر ہنسا اور کہنے لگا "ارے ظالم
تو مجھ سے پیسے مانگتا ہے؟ کیا بھول گیا کہ
پچھلے ہی مہینے تو نے بکریاں بیچنے والے ایک
تاجر سے کئی سو بکریاں خریدیں اور جب وہ

قیمت لینے کے لیے تیرے مکان میں آیا تو تُو نے اسے مار کے اپنے مکان کی ایک اندھیری کوٹھڑی میں گاڑ دیا۔ ابھی جا کر بادشاہ سے کہتا ہوں۔"

یہ بات سُن کر قصاب کا تو دم ہی نکل گیا۔ ہونٹ خشک ہو گئے اور چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ حیران تھا کہ اس دس برس کے لڑکے کو یہ بات کیسے معلوم ہو گئی۔ اس نے جلدی سے کہا:

"بیٹا، مجھے معاف کر دو۔ میں ایک سیر کی بجائے دو سیر گوشت تمہارے گھر بھجوا دیا کروں گا، لیکن تاجر کو مار ڈالنے کا قصّہ کسی سے نہ کہنا۔"

یہاں سے بزرج مہر ایک یہودی صرّاف کے پاس پہنچا جس کے بارے میں سارے محلّے میں مشہور تھا کہ بے حد کنجوس اور بد دماغ آدمی ہے اور اس نے بے انتہا دولت جمع کر رکھی ہے۔ وہ لوگوں کو سُود پر قرض دیتا اور دس روپے کی جگہ بیس روپے وصول کرتا

تھا۔ بزرجمہر کو دیکھتے ہی وہ کہنے لگا۔
"آؤ خواجہ بخت جمال کے بیٹے۔ کیا گھر کی کوئی چیز بیچنے کے لیے لائے ہو یا کچھ رقم اُدھار چاہیے؟ لیکن یہ سوچ لو کہ میں سُود دُگنا وصول کرتا ہُوں۔"
بزرجمہر نے قہقہہ لگایا اور بولا "سُن او لالچی بڈھے! میں نہ کوئی قیمتی چیز بیچنے آیا ہوں اور نہ سُود پر روپیہ لینے۔ اگر تم جان کی سلامتی چاہتے ہو تو روزانہ سو روپے کی تھیلی ہمارے گھر بھجوا دیا کرو۔"
یہُودی یہ بات سُن کر غُصّے سے لال پیلا ہو گیا اور اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ اس بدتمیز لڑکے کو مار پیٹ کر یہاں سے نکال دو۔ مُلازم بزرجمہر کی طرف بڑھ ہی رہے تھے کہ بزرجمہر نے صرّاف کے کان میں کہا:
"کیوں تیری شامت آئی ہے۔ ابھی بادشاہ کی عدالت میں جا کر کہتا ہوں کہ تُو نے پچھلے مہینے دو مالدار بیوہ عورتوں کا زیور دھوکے سے

چھین لیا تھا۔"

یہ سُن کر یہودی صرّاف غش کھا کر گرا اور اُس کے مُلازم بزُرج مہر کو چھوڑ کر اپنے آقا کو ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگے۔ چند لمحے بعد وہ ہوش میں آیا تو برسوں کا بیمار نظر آتا تھا۔ اس نے بزُرج مہر کو ایک طرف بُلا کر بڑی عاجزی سے کہا:

"یہ بات بادشاہ سے ہرگز نہ کہنا۔ میں روزانہ ایک سو رُوپے کی تھیلی تمہارے گھر بھجوا دیا کروں گا۔"

"اگر کسی دن ناغہ کیا تو تمہاری خیر نہیں۔" بزُرج مہر نے کہا اور اُچھلتا کُودتا اپنے گھر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد بنیے کی دُکان سے اُس کا نوکر گیہُوں کا آٹا، شکر، گھی اور کوئلے لے کر آیا۔ پھر قصائی کا نوکر گوشت دے گیا۔ اس کے بعد صرّاف خود آیا اور ایک سو روپے کی تھیلی دے کر خاموشی سے چلا گیا۔ بزُرج مہر کی ماں یہ سامان دیکھ کر حیران تھی۔ کہنے لگی:

"بیٹا، یہ کیا معما ہے؟ تم نے یہ سامان کتنے روپے کا خریدا اور رقم کہاں سے آئی؟"

"اماں، یہ بات نہ پوچھو" بزرج مہر نے ہنس کر کہا "یہ سب میرے نانا حکیم حاماس کی اسی پرانی کتاب کا کرشمہ ہے۔"

دو سال گزر گئے۔ اس عرصے میں بزرج مہر کھانے پینے کی فکر سے آزاد ہو کر اپنے نانا حکیم حاماس کی لکھی ہوئی کتاب پڑھنے اور سمجھنے میں لگا رہا۔ جوں جوں وہ کتاب کو پڑھتا گیا سینکڑوں اور ہزاروں باتیں اسے معلوم ہوتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ غیب کے علم میں وہ ایسا کامل ہوا کہ راہ چلتے آدمیوں کے دل کی بات بوجھ لیتا اور کبھی ایسا نہ ہوا کہ اس کی زبان سے نکلی ہوئی کوئی بات غلط ثابت ہوئی ہو۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ لڑکا اپنے باپ خواجہ بخت جمال سے بھی زیادہ ذہین اور باکمال ہے۔

ایک روز بزرج مہر کی ماں نے کہا "بیٹا، میرا جی میتھی کا ساگ کھانے کو چاہتا ہے۔ لیکن شہر میں میتھی کا ساگ نہیں ملتا۔ میں نے سنا

ہے کہ وزیر القش کے باغِ بے داد میں میتھی کا ساگ موجود ہے۔ کسی کو بھیج کر وہاں سے منگواؤ۔"

وزیر القش کا نام سن کر بزرج مہر کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ حکیم حاماس کی کتاب نے اسے اپنے بے گناہ باپ کے خون کا بدلہ لینے سے غافل کر دیا تھا۔ اب ماں نے وزیر کا نام لیا تو اس نے کتاب ایک طرف پھینک دی اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا:

"بہت اچھا ماں! میتھی کا ساگ لینے میں خود باغِ بے داد جاتا ہوں۔"

جب بزرج مہر باغ کے پاس پہنچا تو اس کا دروازہ بند تھا۔ اس نے باغ بان کو آواز دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک موٹا تازہ آدمی دروازے پر آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ بارہ تیرہ سال کا ایک بھولا بھالا لڑکا کھڑا ہے۔

"کیا بات ہے؟ کیا چاہیے؟" باغبان نے بزرج مہر سے پوچھا۔

"میری ماں کا دل میتھی کا ساگ کھانے کو چاہتا

ہے"۔ بزرجمہر نے کہا "اور میتھی کا ساگ سوائے اس باغ کے اور کہیں نہیں ہے، تمہاری مہربانی ہو گی اگر تھوڑا سا ساگ دے دو۔"
باغبان سخت ناراض ہوا اور کہنے لگا:
"صرف اتنی سی بات کے لیے تو نے مجھے آواز دی۔ کیا میں نے کنجڑے کی دکان کھول رکھی ہے جو تجھے ساگ دیتا پھروں۔ مجھے تیرے بھولپن پر ترس آتا ہے ورنہ اتنا پیٹتا کہ ساری زندگی یاد کرتا۔ جا دفع ہو جا"
یہ کہہ کر وہ دروازہ بند کرنے کے لیے آگے بڑھا اور قفل کو ہاتھ لگانا ہی چاہتا تھا کہ بزرجمہر نے چلّا کر کہا "خبردار، قفل بند نہ کرنا۔ کل تو نے جو سانپ مارا تھا اس کی مادہ تجھے ڈسنے کے لیے اس قفل کے سوراخ میں چھپی بیٹھی ہے۔"
یہ سن کر باغبان حیران رہ گیا۔ اس نے جھک کر قفل کے سوراخ میں جھانکا تو سچ مچ سیاہ رنگ کے ایک باریک سے دھاگے کی طرح کا ایک سانپ اس میں چھپا ہوا تھا۔ باغبان نے فوراً

اسے ہلاک کیا اور دل میں کہنے لگا کہ یہ لڑکا تو بڑے کمال کا ہے۔ میں نے خواہ مخواہ اسے بُرا بھلا کہا۔ وہ بزرجمہر سے پوچھنے لگا "تمھیں کس طرح پتا چلا کہ میں نے کل ایک سانپ مارا تھا اور آج اس کی مادہ میرے ڈسنے کو اس قُفل کے اندر چھپی بیٹھی ہے؟"

"تمھیں ان باتوں سے کیا۔" بزرجمہر نے کہا "میتھی کا ساگ دینا ہے تو دے دو ورنہ میں جاتا ہوں۔"

باغبان عاجزی سے بولا "آؤ میرے ساتھ باغ میں چلو۔ میں تمھیں بہت سا ساگ دوں گا۔ لیکن کسی سے ذکر مت کرنا کہ یہ ساگ میں نے تمھیں دیا ہے۔ وزیر القش نے سُن لیا تو میری گردن اُڑا دے گا۔"

بزرجمہر ہنسا اور کہنے لگا "تم القش کی فکر مت کرو۔ اس کی زندگی کے دن بھی تھوڑے ہی رہ گئے ہیں۔"

بزرجمہر جب باغ کے اندر گیا تو اس کی خوب صورتی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ سینکڑوں قسم

کے پھول اور پودے یہاں لگے ہوئے تھے۔
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور جا بجا اُونچے
فوّاروں میں سے دُودھ کی مانند سفید پانی اُبل
رہا تھا۔ درختوں کی شاخوں پر ہزاروں خوبصورت
اور حسین پرندے بیٹھے چہچہا رہے تھے۔ باغ
کے بالکل درمیان میں سنگِ مرمر کی بنی ہوئی
ایک عالی شان بارہ دری تھی جس کی دیواروں
اور فرش پر ہیرے جواہرات جڑے گئے تھے
اور ان کی چمک اتنی تھی کہ آنکھ نہیں ٹھہرتی تھی۔
باغبان نے بزرج مہر کو باغ کے اندر الماس
کے بنے ہوئے ایک تخت پر بٹھایا اور آپ
میتھی کا ساگ توڑنے کے لیے دُوسری طرف
جانے ہی لگا تھا کہ وزیر القش بھی ٹہلتا ہُوا
اُدھر آ نکلا۔ اس نے بزرج مہر کو دیکھا تو
باغبان سے پوچھا "یہ کون ہے؟" باغبان نے
ہاتھ باندھ کر کہا "حضور، یہ لڑکا عجیب و غریب
باتیں کرتا ہے جنھیں سُن کر میری عقل تو دنگ
ہے۔" پھر اُس نے قفل میں چھپے ہوئے سانپ
کی داستان سُنائی۔

وزیر القش بہت حیران ہوا اور غور سے بزرجمہر کو دیکھنے لگا پھر اس نے باغبان کو وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا اور بزرجمہر کو بارہ دری میں لے گیا۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد القش نے بزرجمہر سے پوچھا:

"لڑکے تیرا نام کیا ہے اور تجھے یہ علم کہاں سے حاصل ہوا؟"

"میرا نام بزرجمہر ہے۔ میرے باپ کا نام خواجہ بخت جمال اور نانا کا نام حکیم جاماس تھا۔ میں نے یہ علم اپنے نانا کی ایک کتاب "جاماس نامہ" سے حاصل کیا ہے۔"

خواجہ بخت جمال کا نام سن کر القش گھبرایا اور خوف سے کانپ اُٹھا لیکن پھر سنبھل کر بولا:

"تیرے باپ کو میں جانتا ہوں۔ وہ بہت نیک اور اچھا آدمی ہے اور اسے میں نے ایک کام سے ملکِ چین بھیجا ہے۔"

یہ سن کر بزرجمہر کا رنگ غصے سے سرخ ہو گیا۔ کہنے لگا:

"آپ غلط کہتے ہیں۔ میرا باپ اس دُنیا میں نہیں ہے۔ اُسے ایک ظالم اور سنگ دِل شخص نے دولت کے لالچ میں قتل کر دیا ہے۔ اب میں اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کی فِکر میں ہوں۔"

القش کے ہوش اُڑ گئے۔ سمجھ گیا کہ اس لڑکے کو سب کچھ معلوم ہو چکا ہے اور یہ مجھ سے بدلہ لے گا۔ اس نے دل میں فیصلہ کیا کہ اسے کسی فریب سے ٹھکانے لگا دینا چاہیے۔ کہنے لگا:

"افسوس کہ تمہارے باپ کو کسی نے قتل کر دیا۔ مجھے اب تک یہ بات معلوم نہ تھی۔ خیر، تم رنج نہ کرو۔ میں اُس پاپی کو اپنے ہاتھ سے سزا دوں گا۔ اب یہ بتاؤ کہ تم اس باغ میں کیسے آئے؟"

"میری ماں نے مجھے میتھی کا تھوڑا سا ساگ لینے بھیجا تھا جو سوائے اس باغ کے شہر میں کہیں اور نہیں مِلتا۔"

"اچھا، تم یہیں بیٹھو۔ میں ابھی کسی غلام سے

کہتا ہوں کہ تمہارے بلیے میتھی کا ساگ توڑ کر لائے۔"

یہ کہہ کر القش ایک طرف چلا گیا اور اپنے خاص غلام کو تنہائی میں بلا کر کہنے لگا "ایک لڑکا بارہ دری میں بیٹھا ہے۔ اُسے تہہ خانے میں لے جا کر بند کر دو۔ وہ وہاں بھوکا پیاسا مر جائے گا۔ اگر تم نے یہ کام کر دیا تو میں تمہاری دلی آرزو پوری کر دوں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔"

غلام نے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر سر جھکایا اور بارہ دری کی طرف چل دیا۔ اُس نے جاتے ہی بزرج مہر کو پکڑ لیا۔ ایک ہاتھ سے اس کا گلا دبایا دوسرے ہاتھ سے اس کا منہ بند کیا اور کندھے پر ڈال کر ایک تہہ خانے میں لے گیا۔ وہ بزرج مہر کو فرش پر پٹخ کر باہر سے دروازہ بند کرنے ہی لگا تھا کہ بزرج مہر نے زور کا قہقہہ لگایا اور کہا "اے حبشی غلام یہ کیا کرتا ہے؟ القش تیرے دل کی آرزو کبھی پوری نہ کرے گا۔ اس نے تجھ سے جھوٹا وعدہ کیا ہے۔ یاد رکھ۔ اگر تو نے مجھے مارا

تو القش تجھے بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔"

غُلام نے اپنا ہاتھ روک لیا اور حیرت سے بُزرج مہر کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا "بھلا تجھے کیوں کر پتا چلا کہ القش نے مجھ سے کیا کہا اور میرے دل کی آرزو کیا ہے؟"

بزُرج مہر نے کہا "اے حبشی غلام' میں سب کچھ جانتا ہوں۔ القش مجھے اس لیے مارنا چاہتا ہے کہ وہ میرے باپ کا قاتل ہے اور اسے ڈر ہے کہ کہیں میں اپنے باپ کا بدلہ نہ لُوں خیر' ان باتوں کو چھوڑ۔ میں بتاتا ہوں کہ تیرے دل کی آرزو کیا ہے۔ کیا تُو القش کی لڑکی سے شادی کرنا نہیں چاہتا؟"

حبشی غُلام نے یہ سُنتے ہی بزُرج مہر کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا اور بولا "ہاں یہی آرزو ہے میری"

"میں تیری شادی القش کی بیٹی سے کرا سکتا ہوں' اور وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے جب کہ القش کو میری ضرورت پڑے گی لیکن تُو اس وقت تک میرا پتا اسے نہ بتانا جب

تک وہ تیرے مُنہ پر تین طمانچے نہ مارے۔"
"لیکن القش نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمھیں اس تہہ خانے میں بند کر دُوں۔" غُلام نے کہا۔
"تُو اس سے کہہ دینا کہ میں نے اسے بند کر دیا ہے اور وہ وہاں بھُوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔" بزُرج مہر نے کہا۔

حبشی غُلام نے بزرج مہر کو چھوڑ دیا۔ بزُرج مہر نے اس سے میتھی کا ساگ لیا اور اپنے گھر چلا گیا۔ اس کے بعد غلام القش کے پاس گیا اور اُس سے کہا کہ میں اس لڑکے کو اندھیرے تہہ خانے میں بند کر آیا ہوں۔ القش بے حد خُوش ہُوا اور دل میں کہنے لگا کہ خواجہ بخت جمال کا لڑکا تو اپنے باپ سے بھی زیادہ باکمال اور ہوشیار نکلا۔ اگر اسے چھوڑ دیا جاتا تو وہ ضرور مجھ سے اِنتقام لیتا۔

بادشاہ نے خواب دیکھا

جس دن وزیر القش نے برج مہر کو تہ خانے میں بند کروایا تھا، اسی دن بادشاہ قباد کامران نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔ لیکن صبح آنکھ کھلی تو اُسے یاد نہ رہا کہ وہ خواب کیا تھا۔ اب تو وہ سارے کام بھول گیا اور اس کے ذہن میں یہی اُلجھن بڑھتی گئی کہ آخر وہ خواب کیا تھا۔ اسی اُدھیڑ بُن میں وہ دربار میں گیا اور شاہی تخت پر آن بیٹھا۔ لیکن اس کا جی کسی بات میں نہ لگتا تھا۔

بادشاہ کو فکر مند دیکھ کر ایک وزیر نے ہاتھ باندھ کر عرض کی "جہاں پناہ، حضور کے دشمنوں کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔ کیا شاہی طبیب کو طلب کیا جائے؟"

"نہیں، میری طبیعت ٹھیک ہے۔ ہاں ایک بات ایسی ہوئی ہے جس نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔" بادشاہ نے کہا۔

"وہ کون سی بات ہے عالی جاہ؟ زبانِ مبارک سے اِرشاد فرمائیے۔ ممکن ہے میں اس کا کوئی حل پیش کر سکوں۔" القش نے گردن جھکا کر کہا۔

"بات یہ ہے کہ کل رات ہم نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ لیکن جب صُبح آنکھ کھُلی تو ہم یہ خواب بھُول چکے تھے۔ اس وقت سے طبیعت پریشان ہے۔ خواب کسی طرح یاد نہیں آتا۔ تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو یہ بتائے کہ ہم نے کیا خواب دیکھا اور اس کی تعبیر کیا ہے؟"

یہ سُن کر دربار میں سنّاٹا چھا گیا اور ہر شخص حیرت سے ایک دُوسرے کا مُنہ تکنے لگا۔ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا جواب دے۔ آخر ایک وزیر نے عرض کی:

"جہاں پناہ، یہ بات تو نامُمکن ہے کہ آپ کا دیکھا ہوا خواب کوئی اور بتائے۔ ہاں یہ مُمکن ہے کہ خواب آپ اپنی زبان مُبارک

ے ارشاد فرمائیں اور اس کی تعبیر ہم میں سے
ئی شخص عرض کر دے۔"
بادشاہ کو یہ جواب سُن کر اس قدر غُصّہ آیا
اس کے مُنہ سے جھاگ نکلنے لگے۔ امیر اور
زیر بادشاہ کو اس غضب ناک حالت میں دیکھ
تھر تھر کانپنے لگے اور انھیں خوف ہُوا کہ
دشاہ سب کو سُولی پر لٹکا دے گا۔ وہ گھٹنوں
ے بل جُھکے اور جان کی امان چاہنے لگے۔ لیکن
دشاہ نے گرج کر کہا:
"میں نے سُنا ہے کہ سکندرِ اعظم کے دربار
یں ایسے ایسے عالی دماغ وزیر تھے کہ اگر بادشاہ
واب بھُول جاتا تو وہ یاد دلا دیتے اور اس
واب کی تعبیر بھی بتا دیتے۔ ایک تُم لوگ ہو
سے ہمیشہ مال و دولت حاصل کرتے ہو اور
نا سا کام نہیں کر سکتے۔ یاد رکھو اگر کسی
نے میرا خواب اور اس کی تعبیر بیان نہ کی
سب کو زمین میں گاڑ کر شکاری کُتّے
چھڑوا دُوں گا۔ جاؤ۔ تمھیں چالیس دِن کی مُہلت
دیتا ہُوں۔ اس عرصے میں معلُوم کرو کہ میں نے

کیا خواب دیکھا تھا اور اس کی تعبیر کیا ہے"۔
یہ کہہ کر بادشاہ نے دربار برخاست کیا اور
اپنے محل میں چلا گیا۔
جب چالیس دن گزر گئے تو بادشاہ نے
پھر اپنے وزیروں کو بلایا اور اِن سے پُوچھا کہ
خواب اور اس کی تعبیر بتائیں۔
کوئی شخص جواب نہ دے سکا۔ سب بڈّھے
شرم سے گردنیں جُھکالیں۔ آخر بادشاہ نے
القش کی طرف دیکھا اور کہا:
"ہمارے تمام وزیروں میں تُم سب سے
زیادہ دانا اور علمِ نجُوم کے ماہر ہو۔ بتاؤ ہم نے
کیا خواب دیکھا تھا؟"
القش ہاتھ باندھ کر جُھکا اور کہنے لگا:
"حضُور میں نے اپنے علم کے ذریعے آپ
کا خواب معلُوم کر لیا ہے۔ آپ نے دیکھا
تھا کہ آسمان سے ایک بہت بڑا پرندہ اُڑتا
ہوا آیا، اس نے آپ کو اپنے پنجوں میں پکڑا
اور آگ کے ایک بہت بڑے الاؤ میں
ڈال دیا۔ آپ اس کی دہشت سے جاگ

ٹھے اور خواب بھول گئے۔۔۔اس کی تعبیر۔۔"
یکایک بادشاہ غصّے میں چلّایا اور بولا "اے گدھے۔ اس عقل اور اسی علم پر ناز کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نجُومی ہوں۔ یہ خواب جو تو نے بیان کیا، میں نے ہرگز نہیں دیکھا۔ تجھے دو دن کی مُہلت اور دیتا ہُوں۔ اگر دو دن بعد تُو نے میرا خواب صحیح بیان نہ کیا تو تجھ کو آگ میں زندہ جلا دوں گا۔" یہ کہہ کر دربار برخاست کیا اور محل میں چلا گیا۔
بادشاہ کے یہ الفاظ سُن کر القش سخت خوف زدہ ہُوا اور اُسے یقین ہو گیا کہ اگر بادشاہ کا خواب بیان نہ کیا گیا تو وہ مجھے آگ میں جلا دے گا۔ وہ حیران پریشان اپنے محل میں آیا اور سوچنے لگا کہ اس مصیبت سے کیونکر چھٹکارا ملے، مگر کوئی تدبیر ذہن میں نہ آتی تھی۔
یکایک اسے خواجہ بخت جمال کے لڑکے بزرجمہر کا خیال آیا۔ دل میں افسوس کرنے لگا کہ ناحق اس کو مروا دیا۔ وہ زندہ ہوتا تو بادشاہ کا خواب ضرور بتا دیتا۔ پھر اُسے یہ بھی خیال آیا

ممکن ہے وہ زندہ ہو اور غلام نے اسے چھوڑ دیا ہو۔ یہ خیال آتے ہی القش نے اپنے حبشی غُلام کو طلب کیا جس کا نام بختیار تھا اور اُس سے کہنے لگا:

"بہت دن ہُوئے، میں نے ایک لڑکا تیرے حوالے کیا تھا اور کہا تھا کہ اس کو تہ خانے میں بند کر دے۔ وہ لڑکا بڑا دانا اور ہوشیار تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تیرے ہاتھ سے بچ کر بھاگ گیا ہو گا۔ اسے ڈھونڈ کر لا۔"

حبشی غُلام نے ہاتھ جوڑے اور جواب دیا:

"اے آقا! یہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ غُلام نے آپ کے حُکم کے مطابق اس لڑکے کو تہ خانے میں بند کر دیا تھا۔ اب تو اس کی ہڈیاں بھی خاک ہو گئی ہوں گی۔"

یہ سُن کر القش کے طیش کی حد نہ رہی۔ اس نے غلام کے مُنہ پر زور سے تین طمانچے مارے اور کہا "تُو جھُوٹ بولتا ہے۔ لڑکا زندہ ہے۔ ابھی جا اور اسے اپنے ساتھ لے کر آ۔"

غلام نے روتے ہوئے کہا "بہت اچّھا حضُور

لڑکا ابھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔"
القش ایک دم خوش ہو گیا۔ لیکن حیرت سے
کہنے لگا " بد بخت، تُو نے یہ بات پہلے ہی کیوں
نہ بتا دی خواہ مخواہ مجھ سے مار کھائی۔"
غُلام نے سر جُھکا کر کہا " حضُور، یہ بات مجھے
اسی لڑکے نے بتائی تھی اور ہدایت کی تھی کہ جب
تک وزیر القش تیرے مُنہ پر تین طمانچے نہ
مارے، اُسے یہ مت بتانا کہ میں زندہ ہُوں۔"
بختیار غُلام تھوڑی دیر بعد بزُرجمہر کو ساتھ
لے کر القش کے محل میں آیا۔ القش نے اس
کی بہت خاطر تواضع کی اور اپنے قصُور کی
معافی بھی مانگی۔ پھر کہنے لگا:
" بیٹا، میں نے تجھے اس لیے بُلایا ہے
کہ بادشاہ ایک خواب دیکھ کر بھُول گیا
ہے۔ اگر اس کا خواب بتایا نہ گیا تو وہ
سارے درباریوں کو آگ میں جلا دے گا۔
اب ہماری جانیں تیرے اختیار میں ہیں۔ تُو
اپنے علم کے ذریعے بتا کہ وہ خواب کیا تھا
اور اس کی تعبیر کیا ہے؟"

بزرج مہر ہنس پڑا اور بولا " اے التقش، کسی کی جان لینا یا بچانا نہ میرے اختیار میں ہے نہ بادشاہ کے۔ یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ خیر، آپ صبح بادشاہ کے دربار میں جائیے اور کہیے کہ میرا ایک شاگرد ہے۔ اجازت ہو تو وہ آپ کا خواب اور اس کی تعبیر دربار میں آ کر عرض کرے۔ اگر بادشاہ اجازت دے دے تو کسی آدمی کو میرے گھر بھیج دینا۔ میں آ کر سب معاملہ سنبھال لوں گا۔ اب مجھے گھر جانے دیجیے۔" یہ کہہ کر وہ اپنے گھر چلا آیا۔

اگلے روز منہ اندھیرے التقش بادشاہ کے محل میں گیا اور اس سے کہا " حضور میرا ایک شاگرد ہے۔ اجازت ہو تو دربار میں آ کر آپ کا خواب اور اس کی تعبیر بیان کرے۔"

بادشاہ حیران ہوا اور کہنے لگا " تم استاد ہو کر خواب بیان نہیں کر سکے اور تمہارا شاگرد بیان کرے گا۔ لعنت ہے ایسی استادی پر۔"

" حضور، میں بھی عرض کر سکتا ہوں مگر درباریوں کا امتحان بھی تو لینا تھا کہ دیکھوں کون یہ

اب بیان کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ سب جاہل
عقل کے کورے ہیں۔"
"خیر خیر۔ تم ابھی کسی آدمی کو بھیجو اور اپنے
گرد کو بلواؤ۔" بادشاہ نے کہا "اور درباریوں
سے کہو کہ وہ بھی حاضر ہوں۔"
القش نے فوراً اپنے غلاموں کو بزرج مہر کے
دوڑایا۔ اتنی دیر میں بادشاہ تیار ہو کر دربار
پہنچ گیا۔ درباری بھی اپنی اپنی جگہ ہاتھ باندھے
ے تھے۔ یکایک القش کے غلام حیران پریشان
بار میں آئے۔ بزرج مہر اُن کے ساتھ نہیں

القش نے غلاموں سے کہا "میرا شاگرد کہاں
ہے؟ وہ کیوں نہیں آیا؟"
جناب والا۔ وہ آنے کے لیے تیار ہے لیکن
سے کوئی سواری پسند نہیں آتی۔" ایک غلام نے
"ہم اس کے لیے سجے سجائے گھوڑے بھی
لے گئے اور ہاتھی بھی۔ مگر وہ کہتا ہے کہ میں
ن جانوروں پر بیٹھ کر نہیں آ سکتا۔"
یہ سُن کر القش کا رنگ غصے سے سُرخ ہو

گیا۔ کہنے لگا "پھر اس کے لیے کون سی سواری بھیجی جائے؟"

"جناب ...... وہ ..... وہ ..... کہتا ہے ..... کہ ......"

غلام نے ہکلاتے ہوئے کچھ کہنا چاہا۔

"کہو کہو۔ کیا کہتا ہے وہ؟" بادشاہ نے غلام سے کہا۔

"جہاں پناہ۔ وہ کہتا ہے کہ میرے لائق دنیا میں صرف ایک ہی سواری ہے اور وہ ہے وزیر القش۔ اس کی پیٹھ پر زین کسوا کر بھیج دیں تو آ جاؤں گا۔"

بادشاہ نے قہقہہ لگایا اور اپنے بادشاہ کو ہنستے دیکھ کر سب درباری بھی ہنسے۔ القش کے غصّے کی انتہا نہ رہی۔ لیکن کر ہی کیا سکتا تھا۔

بادشاہ نے القش کی طرف دیکھ کر کہا "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اپنے اس شاگرد کو کوئی تکلیف پہنچائی ہے جس کا بدلہ وہ تم سے لینا چاہتا ہے۔"

"جہاں پناہ، میں نے اُسے کوئی تکلیف

پہنچائی۔ نہ معلوم وہ مجھے بے عزّت کرنے
کیوں تُل گیا ہے۔"
خیر، ہم حُکم دیتے ہیں کہ القش کی پیٹھ پر
کسی جائے تاکہ اس کا شاگرد اپنی پسندیدہ
پر بیٹھ کر ہمارے دربار میں آسکے۔" بادشاہ
غُلاموں کو حُکم دیا۔
القش چیختا چلاّتا اور مِنّت سماجت کرتا رہا،
کسی نے ایک نہ سُنی اور اس کی پیٹھ پر
کس کر بزُرج مہر کے گھر کی طرف لے
لوگوں نے وزیر القش کو اس عجیب حال
دیکھا تو اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور
القش بزُرج مہر کے گھر پہنچا تو ہزاروں
غُل غپاڑہ کرتے ہوئے ساتھ تھے۔
بزرج مہر القش کو اس حال میں دیکھ کر خُوش
ہاتھ میں کوڑا سنبھالا اور اس کی پیٹھ پر
ہو کر بولا "اے لوگو! گواہ رہو کہ آج
نے اپنے باپ کے قاتل کو پکڑ لیا ہے۔"
کہہ کر ایک کوڑا القش کی ٹانگوں پر مارا اور
"چل بادشاہ کے دربار میں۔"

غرض بزرجِ مہر اسی طرح دربار میں آیا اور اُس نے القش کی پیٹھ سے اُتر کر بادشاہ کو سلام کیا۔ بادشاہ نے اسے اپنے قریب ہی ایک کرسی پر بٹھالیا اور پھر اس سے پوچھا:

"اے لڑکے، یہ بتا کہ القش نے تیرے ساتھ کیا بُرائی کی جو تُو نے اس سے یہ سلوک کیا؟"

"جہاں پناہ! اس نے میرے بے گناہ باپ خواجہ بخت جمال کو ہلاک کیا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اس سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لوں۔"

"حضور، یہ غلط کہتا ہے۔" القش چلّایا "میں نے اس کے باپ کو قتل نہیں کیا بلکہ ایک کام سے چین بھیجا ہے۔"

"جہاں پناہ، میرے باپ کی لاش کا ڈھانچا اور اس کے گھوڑے کی لاش کا ڈھانچا القش کے بنائے ہوئے باغِ بے داد میں موجود ہے آپ اجازت دیں تو میں ان ڈھانچوں کو وہاں سے نکال کر لا سکتا ہوں۔"

بادشاہ یہ قصّہ سُن کر سخت پریشان ہوا۔ کبھی بُزرج مہر کی طرف دیکھتا، کبھی القش کی طرف آخر اس نے کہا کہ میں اس واقعہ کی چھان بین کروں گا اور اگر تمہارا اِلزام دُرست نکلا تو القش کو سزا دی جائے گی۔ لیکن اس سے پہلے تُم وہ خواب بیان کرو جو میں نے دیکھا تھا۔"

"بہت بہتر عالی جاہ" بُزرج مہر نے ہاتھ باندھ کر ادب سے کہا۔ پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا:

"حضُور آپ نے خواب میں دیکھا کہ مشرق کی جانب سے ایک بہت بڑا عقاب آیا۔ اس کی چونچ میں انگوُروں کا ایک خوشہ تھا جس میں سات دانے لگے تھے۔ عُقاب نے یہ خوشہ آپ کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ آپ یہ انگوُر کھانا ہی چاہتے تھے کہ مغرب کی طرف سے سیاہ رنگ کا ایک بَد صورت کوّا آیا اور آپ کے ہاتھ سے انگوُروں کا خوشہ چھین کر اُڑ گیا۔"

"واہ وا۔ سبحان اللہ۔ یہی خواب میں نے دیکھا

تھا۔" بادشاہ خوشی سے چیخ اُٹھا "اے لڑکے
تجھ پر آفرین ہے۔ اب اس کی تعبیر بھی بیان
کر۔"

"جہاں پناہ، خواب کی تعبیر آپ کے سامنے
موجود ہے"۔ بزرجمہر نے القش کی طرف اشارہ
کیا۔ "اس شخص نے حضور کی امانت میں خیانت
کی ہے۔ اسے جواہرات سے بھرے ہوئے
سات صندوق میرے باپ خواجہ بخت جمال
نے دکھائے تھے۔ اس کی نیت بدل گئی۔ اس
نے راز کھل جانے کے خوف سے میرے
باپ کو قتل کیا، پھر اس کے گھوڑے کو مارا
پھر جواہرات سے بھرے ہوئے وہ ساتوں
صندوق اپنے محل میں اُٹھا لایا۔ ابھی چل کر اس
کے محل کی تلاشی لیجیے۔ یہی آپ کے خواب
کی تعبیر ہے۔"

بادشاہ کے حکم سے القش کو فوراً گرفتار
کر لیا گیا۔ اس کے محل کی تلاشی لی گئی تو جواہرات
کے ساتوں صندوق برآمد ہو گئے۔ اس کے بعد
باغ بے داد کا ایک حصّہ کھودا گیا تو وہاں

سے ایک انسانی ڈھانچا اور گھوڑے کی ہڈیاں بھی نکلیں۔ اب تو بادشاہ سخت جلال میں آ گیا۔ القش نے اپنے جُرم کا اِقرار کیا، اور معافی مانگنے لگا۔ بادشاہ نہ مانا۔ کہنے لگا:

"یہ میرے اِنصاف کے خلاف ہے کہ تجھ جیسے نمک حرام شخص کو زندہ چھوڑوں۔ سپاہیو، پکڑ لو اسے اور زمین میں آدھا گاڑ کر اس پر شکاری کُتّے چھوڑ دو۔"

اس حیرت انگیز واقعے سے بادشاہ بزرجمہر کے عِلم کا قائل ہو گیا اور بولا، جو تمھاری خواہش ہو بتاؤ۔ ہم اسے پُورا کریں گے۔ مال و دولت کی ضرورت ہے تو جتنا اُٹھا سکتے ہو اُٹھا لو۔ عالی شان محلوں میں رہنا چاہتے ہو تو جو محل پسند ہو، بتاؤ۔ تمھیں دے دیا جائے گا۔

بزرجمہر نے عرض کی "جہاں پناہ کا اقبال بلند ہو۔ مجھے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں صرف ایک حقیر سی درخواست ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حضُور اسے ضرور پُورا کریں گے۔"

"بیان کرو۔" بادشاہ نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں حبشی غُلام بختیار کی شادی
لقش کی بیٹی سے کر دی جائے۔"
بادشاہ یہ سُن کر حیران ہُوا، کہنے لگا" یہ تو
ست معمُولی بات ہے۔ القش کی بیوی کو حاضر
یا جائے۔"
فوراً ہی القش کی بیوی حاضر ہو گئی۔ بادشاہ
نے اس سے کہا" ہم تمھیں حکم دیتے ہیں کہ
ج ہی اپنی بیٹی کی شادی بختیار غلام سے
دو۔ کیا تمھیں یہ رشتہ منظور ہے؟"
منظور ہے عالی جاہ" القش کی بیوی نے کہا
اور اُسی وقت بختیار غُلام کی شادی القش
بیٹی سے ہو گئی۔ بزرج مہر نے بادشاہ سے
ارش کر کے وہ محل بھی بختیار اور اس کی
ں کو دلوادیا جو القش کے قبضے میں تھا۔
کے علاوہ بزُرج مہر نے بختیار سے وعدہ
یا کہ اگر تمھارے گھر لڑکا پیدا ہوا تو میں
سے خود تعلیم دُوں گا اور بادشاہ کا وزیر بنوا
دوں گا۔
اب بزُرج مہر نے بادشاہ سے گھر جانے

کی اِجازت طلب کی مگر بادشاہ ایک عجیب فیصلہ کرچکا تھا۔ اس نے کہا:

"اے لڑکے، تُو عمُر میں ابھی بہت چھوٹا ہے۔ لیکن عِلم اور دانائی میں میرے سب درباریوں سے بڑھا ہوا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تجھے ان سب درباریوں اور وزیروں کا سردار بناؤں"۔

بزُرجمہر نے ادب سے گردن جُھکا دی۔ بادشاہ نے اسی وقت وزارت کا قلم دان اس کے حوالے کیا اور اس کُرسی پر بیٹھنے کی اِجازت دی جس پر پہلے القش بیٹھا کرتا تھا۔

خوش نصیب لکڑہارا

بزرج مہر نے اپنی دانائی اور اچھی اچھی باتوں سے بادشاہ قباد کامران کا دل جیت لیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بادشاہ کو بزرج مہر کی تھوڑی سی دیر کی جدائی بھی پسند نہ تھی۔ سلطنت کے کاموں کی دیکھ بھال بھی بادشاہ نے بزرج مہر ہی کے سپرد کر دی تھی اور مقدموں کے فیصلے بھی بزرج مہر ہی کرتا تھا۔ اس کا انصاف ایسا تھا کہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملتا تھا اور رعایا اس سے خوش تھی۔

ایک روز بادشاہ نے شکار پر جانے کا ارادہ کیا اور اپنا لاؤ لشکر لے کر ایک گھنے جنگل کی طرف نکل گیا۔ بزرج مہر بھی بادشاہ کے ساتھ تھا۔ انھی دنوں بادشاہ کے محل میں ایک

لونڈی آئی تھی جس کا نام دِل آرام تھا۔ یہ نہایت ذہین اور حسین لڑکی تھی اور گانے بجانے میں ایسی بے مثال تھی کہ بادشاہ اس کے سوا کسی اور کا گانا سُننا پسند نہ کرتا تھا سفر میں وہ بھی ساتھ تھی۔

شکار کھیلتے ہُوئے ایک دوپہر کو بادشاہ، بزُرج مہر اور دل آرام ایک دریا کے کنارے پہنچے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ اس وقت جنگل میں ایک بُوڑھا لکڑ ہارا اپنے سر پر لکڑیوں کا گٹھا اُٹھائے گُزرا۔ وہ اتنا کم زور تھا کہ کئی بار گرا اور کئی بار اُٹھا۔ بادشاہ کو اس کی یہ حالت دیکھ کر ترس آیا، اشارے سے اپنے قریب بُلایا اور پُوچھا:

"اے لکڑ ہارے، تیرا کیا نام ہے؟"

"قباد کامران" لکڑ ہارے نے ادب سے جواب دیا۔

"قباد کامران؟" بادشاہ حیرت سے لکڑ ہارے کی صورت تکنے لگا۔ پھر بزُرج مہر سے کہا:

"یہ عجب ماجرا ہے۔ میرا نام بھی قباد کامران

ہے اور اس لکڑ ہارے کا بھی۔ لیکن میں اتنی بڑی سلطنت کا بادشاہ ہوں اور میرے پاس اتنا مال و دولت ہے جس کا کوئی حساب نہیں اور ایک یہ شخص ہے کہ کمزوری اور ناتوانی کے باعث دس قدم نہیں چلتا کہ گر پڑتا ہے۔ اس کے مُقدّر ہی میں جنگل سے لکڑیاں کاٹنا اور سر پر بوجھ اُٹھانا لکھ دیا گیا ہے۔ بزرجمہر تمہارے ذہن میں اس کی کوئی وجہ ہے تو بیان کرو۔"

"جہاں پناہ، آپ نے صحیح فرمایا۔ یہ اپنے اپنے مُقدّر کی بات ہے۔ آپ کی تقدیر میں بادشاہت ہے اور اس کی تقدیر میں لکڑیاں کاٹنا اور سر پر بوجھ اُٹھانا۔ نام سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"تم نے سچ کہا۔ تقدیر ہی سب کچھ ہے۔" بادشاہ کہنے لگا اور چاہتا تھا کہ لکڑ ہارے کو کچھ اشرفیاں دے کہ دل آرام نے کہا "جہاں پناہ، جان کی امان پاؤں تو میں بھی کچھ عرض کر دوں۔"

"کہو کہو، کیا کہنا چاہتی ہو۔ اجازت ہے" بادشاہ نے کہا۔

"جہاں پناہ، میں مانتی ہوں کہ تقدیر کا لکھا ضرور پُورا ہوتا ہے لیکن تقدیر ہی کو اِلزام دینا ٹھیک نہیں تدبیر بھی کوئی چیز ہے۔ انسان چاہے تو تدبیر کے ذریعے تقدیر کو بدل سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس لکڑ ہارے کی بیوی نہایت بد سلیقہ اور پھوہڑ عورت ہے جس کی وجہ سے اس کی حالت سُدھرنے نہیں پاتی۔"

بادشاہ یہ سُن کر سخت ناراض ہُوا اور دل آرام سے کہنے لگا:

"تُو نے جو کچھ کہا اس کی سزا تو یہی تھی کہ اِسی وقت تیری گردن اُڑا دی جاتی، لیکن تُو جان کی امان مانگ چکی ہے اس لیے ہم تجھے چھوڑ دیتے ہیں۔ تیرا خیال ہے کہ ہمیں بادشاہت یوں ہی مل گئی ہے۔ اس میں تقدیر کا کوئی دخل نہیں۔ اب تیری سزا یہ ہے کہ یہ شاہی کپڑے اُتار، معمولی کپڑے پہن۔ ہمارا سب زیور واپس کر دے اور اسی بوڑھے کنگال لکڑ ہارے کے ساتھ چلی جا۔ ہم بھی دیکھیں کہ تو اپنی تدبیر سے تقدیر کیونکر بدل سکتی ہے۔"

بادشاہ کے حکم کی دیر تھی کہ دل آرام کے تن سے شاہی کپڑے اور زیور اتار کر اسے سوت کے بنے ہوئے بھدے اور موٹے کپڑے پہنا دیئے گئے۔ بادشاہ اسے جنگل میں چھوڑ کر اپنے لشکر سے جا ملا۔

اب بے چاری دل آرام اس ویران اور خوفناک جنگل میں اکیلی رہ گئی لیکن وہ ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوئی۔ اسے خدا پہ پورا بھروسا تھا کہ وہ اس کی مدد کرے گا۔ وہ جنگل میں حیران اور پریشان کھڑی سوچ رہی تھی کہ کیا کرے اور کدھر جائے کہ اسے لکڑہارے کا خیال آیا۔ اس نے دل میں کہا لکڑہارا زیادہ دور نہیں گیا ہو گا۔ اب اسی کے ساتھ جانا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ دوڑتی ہوئی اس طرف گئی جدھر لکڑہارا گیا تھا۔ اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سن کر لکڑہارا رکا اور اس نے مڑ کر دیکھا تو حیران ہوا کہ ایک نوجوان لڑکی بھاگی چلی آتی ہے۔ جب وہ قریب آئی تو لکڑہارا پہچان گیا کہ یہ تو وہی لڑکی ہے جو کچھ دیر پہلے

بادشاہ کے ساتھ تھی اور نہایت زرق برق کپڑے اور زیور پہنے ہوئے تھی۔ اب اس پر کیا آفت آئی کہ ایسا گندہ اور پرانا لباس پہن کر میرے پیچھے آئی ہے۔ شاید بادشاہ اس سے ناراض ہوگیا ہے۔

اتنے میں دل آرام قریب آ گئی۔ اس نے لکڑ ہارے سے کہا "بابا! آج سے تو میرا باپ اور میں تیری بیٹی۔ مجھ کو اپنے گھر لے چل۔ ہمیشہ تیری خدمت کروں گی۔"

لکڑ ہارا یہ سن کر حیران ہوا اور کہنے لگا: "بیٹی، میں تجھے اپنے گھر لے تو چلوں مگر میں بہت غریب آدمی ہوں۔ میرا اور میرے بال بچوں کا گزارہ فاقوں پر ہوتا ہے۔ فاقے کرنا چاہتی ہے تو چلی آ۔"

"بابا، تو فکر نہ کر۔" اس نے کہا "تیرے گھر جو چٹنی روٹی میسر آئے گی، وہی کھاؤں گی اور اگر تیرے بال بچے فاقہ کریں گے تو میں بھی کروں گی۔"

یہ سن کر بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو آ

گئے۔ وہ شفقت سے دل آرام کے سر پہ ہاتھ
ھیر کر بولا" اچھا بیٹی، آ میرے ساتھ چل،
تقدیر میں لکھا ہے پورا ہوگا۔"
جب لکڑ ہارا دل آرام کو ساتھ لے کر اپنی
نپڑی میں پہنچا تو اس کی بد مزاج بیوی
پنے شوہر کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھ کر
ت ناراض ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ لکڑ ہارا
س کو بیوی بنا کر گھر میں لایا ہے لیکن
ب دل آرام نے قسم کھا کر اسے بتایا کہ
اس بوڑھے کو اپنا باپ سمجھتی ہے تب
بڑھیا کو یقین آیا۔ اس نے دل آرام کو
پنے پاس بٹھایا اور بولی، جب تک تمہارا جی
ہے اس گھر میں رہو۔
دل آرام بوڑھے لکڑ ہارے کی جھونپڑی میں
ہنے لگی۔ اس نے دیکھا کہ لکڑ ہارا جتنی لکڑیاں
نگل سے کاٹ کر لاتا ہے، انھیں بازار میں
یچنے کے بعد پکی پکائی روٹیاں خرید لاتا ہے
یہ روٹیاں اس کے بال بچے چھین جھپٹ کر
س طرح کھاتے ہیں کہ کسی کو آدھا ٹکڑا مل گیا

اور کسی کو پورا۔ پیٹ کسی کا نہیں بھرتا۔
ایک دن جب لکڑ ہارا جنگل کی طرف جانے
لگا تو دل آرام نے کہا "بابا، میری ایک بات
مانو۔ لکڑیاں بازار میں بیچ کر پکّی پکائی روٹیاں
مت لانا بلکہ گیہوں خرید لانا۔"
"بہت بہتر بیٹی، جیسا تم کہتی ہو، وہی کروں
گا۔" لکڑ ہارے نے کہا۔
شام کو لکڑ ہارا گیہوں لے کر آیا۔ اس کے
پڑوس میں ایک بڑھئی رہتا تھا اور اس کے
ہاں ایک چکّی تھی۔ دل آرام نے پڑوس میں جا کر
چکّی پر گیہوں پیسے اور پھر روٹیاں پکا پکا کر
لکڑ ہارے کے بچّوں کو کھلائیں۔ یہ آٹا تین روز
تک کام آیا اور سبھوں نے پیٹ بھر کر روٹی
کھائی۔ اس عرصے میں جتنے پیسے بچے دل آرام
نے لکڑ ہارے سے ریشم منگایا، پھر اس
ریشم کی باریک اور خوب صورت ڈور بٹی۔
اُس نے تین چار روز میں ریشم کی ایک لمبی
سی ڈوری تیار کر کے لکڑ ہارے کو دی اور کہا
کہ اسے بازار میں جا کر بیچو اور جتنے روپے

ہیں وہ لا کر مجھے دے دو۔ لکڑ ہارے نے
ایسا ہی کیا۔
روپے لے کر دل آرام نے لکڑ ہارے سے
کہا "بابا! اب تم بازار جاؤ اور ایک گدھا خرید و
لکڑیاں اسی پر لاد کر لایا کرو۔ اس سے یہ
فائدہ ہو گا کہ لکڑیاں بھی زیادہ لا سکو گے اور تمہیں
بوجھ بھی نہیں اٹھانا پڑے گا۔"
لکڑ ہارا یہ سُن کر بے حد خوش ہوا اور اسی
وقت ایک گدھا خرید لایا۔
اسی طرح ایک برس گزر گیا۔ دِل آرام
نے نہ صرف لکڑ ہارے کے گھر کی شکل صورت
بدل دی بلکہ اسے پانچ غُلام اور بیس گدھے
بھی خرید کر دیئے۔ اب وہ سب پیٹ بھر کر
کھانا بھی کھانے لگے اور اچھّے اچھّے کپڑے بھی
بازار سے لے آئے۔
ایک روز دل آرام نے لکڑ ہارے سے کہا:
"بابا! ایک کام کرو۔ ابھی گرمیوں کا موسم ہے
جنگل سے جتنی لکڑیاں کاٹ سکتے ہو خُود بھی کاٹو اور
غُلاموں سے بھی کٹواؤ۔ پھر پہاڑ کے قریب ایک

بڑا سا غار تلاش کر کے یہ سب لکڑیاں اس میں بھر دو۔ سردیوں میں زیادہ قیمت پر بکیں گی۔"

لکڑہارا دل آرام کی بات دل و جان سے مانتا تھا۔ اس نے ایسا ہی کیا اور چند روز کے اندر بہت سی لکڑیاں کاٹ کر غار میں بھر دیں۔

وقت گزرتا گیا۔ آخر سردیوں کا موسم آ گیا۔ انھی دنوں بادشاہ قباد کامران ایک باغی سردار کو سزا دینے کے لیے اپنے لاؤ لشکر سمیت اُدھر سے گزرا۔ رات کے وقت اس کی فوج نے اُس پہاڑ کے نزدیک پڑاؤ کیا۔ رات کو ایسی زور کی برف باری ہوئی کہ سپاہی تھر تھر کانپنے لگے اور ان میں سے کئی مر گئے۔ تب بادشاہ نے حکم دیا کہ جنگل میں جاؤ اور لکڑیاں کاٹ لاؤ۔ سپاہی گئے اور ابھی انھوں نے لکڑیاں کاٹنی بھی شروع نہ کی تھیں کہ ایک سپاہی نے وہ غار دیکھ لیا جس میں لکڑہارے نے لکڑیوں کا بڑا ذخیرہ کر رکھا تھا۔ انھوں نے

لکڑیاں وہاں سے اٹھانے کے بجائے یہ کیا کہ سارے لاؤ لشکر کو وہیں بلا لیا۔ پھر ان لکڑیوں پر آگ لگا دی اور یُوں سپاہیوں نے اپنی جانیں بچائیں۔ وہ لکڑیاں ایک دن اور ایک رات جلتی رہیں اور تیسرے دن جب آگ ٹھنڈی ہو گئی تو لشکر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

کئی دن بعد لکڑ ہارا وہاں آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ تمام لکڑیاں جل کر راکھ ہو گئی ہیں۔ اس نقصان کا اُسے اتنا صدمہ ہوا کہ غار کے قریب بیٹھ کر خُوب رویا۔ جب دل کی بھڑاس نکل گئی اور کچھ سکُون ہوا تو راکھ کریدنے لگا۔ اسے معلُوم ہُوا کہ راکھ کے نیچے خُوب صُورت پتھروں کی بہُت سی سِلیں اور ٹکڑے دبے ہوئے ہیں۔ اس نے کئی سلیں اور ٹکڑے وہاں سے نکالے اور گدھے پر لاد کر گھر لے آیا۔ دل آرام نے جب لکڑیوں کے جل کر راکھ ہو جانے کی خبر سُنی، تو اُسے بھی بے حد رنج ہُوا لیکن اس نے بوڑھے کی ہمّت بندھاتے ہوئے کہا "بابا

فکر نہ کرو، مجھے یقین ہے کہ خدا نے اِس
میں بھی تمہارے لیے کوئی بہتری کی ہوگی
تم دوبارہ جنگل میں جاؤ اور لکڑیوں کا ایک
اور ذخیرہ کرو۔"

"ٹھیک ہے۔" لکڑہارے نے کہا۔ "میں
تمہارے لیے پتھّر کی کئی سلیں اس غار
سے لایا ہُوں۔ نہایت خُوب صُورت پتھر
ہے۔ اس پر مسالا اچھی طرح پسے گا۔"
یہ کہہ کر اس نے وہ پتھّر لاکر دل آرام
کے سامنے رکھ دیے۔ دل آرام نے انھیں
اُٹھا کر ایک کونے میں رکھ دیا اور آپ مُنہ
لپیٹ کر ایک طرف لیٹ گئی اور سوچنے
لگی کہ یہ تو بہت بڑا نقصان ہوا لیکن اس
میں ضرور کوئی بھلائی ہے جو آگے چل کر کبھی
معلُوم ہوگی۔ جب اندھیرا ہُوا تو کیا دیکھتی
ہے کہ پتھر کی وہ سلیں چمک رہی ہیں اور
ان میں سے روشنی کی کرنیں پھُوٹ رہی
ہیں۔ دل آرام بڑی حیران ہوئی۔ اُس نے
اُٹھ کر کپڑے سے ان سِلوں کو صاف کیا

اور چھُری سے کھُرچا تو اندر سے چمک دار سُنہری
رنگ کا سونا نِکلا۔ اب تو اس کی خوشی کی
کوئی انتہا نہ رہی۔ لیکن اس نے کِسی سے
ذِکر نہ کیا اور چُپ ہو رہی۔

اصل میں اُس غار میں سونے کی کان
تھی۔ لکڑیاں جب جلیں تو آگ کی تپش سے
کان کا سونا پگھل کر باہر آ گیا اور آگ
بجھنے کے بعد ٹھنڈا ہو کر سِلوں اور بڑے
بڑے ڈلوں کی صُورت میں جم گیا۔ پھر ڈلوں
کے اُوپر راکھ اس طرح جمی کہ وہ پتھر نظر
آنے لگے۔

صُبح سویرے ہی دِل آرام نے لکڑ ہارے
کو جگایا اور اس سے پُوچھا:

”بابا! کیا اس غار میں ایسے اور بھی پتھر
پڑے ہیں؟“

”ہاں بیٹی۔ کوئی ایک دو پتھر، وہاں تو
انبار لگے ہیں۔“

”بس تو تم فوراً جا کر وہ تمام پتھر جمع
کرو اور گدھوں پر لاد کر یہاں لے آؤ۔ یہ

پتھّر تو بے حد قیمتی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اچھّے داموں بک جائیں گے۔"

لکڑہارا یہ سن کر اپنے سب گدھے غار میں لے گیا اور سونے کی تمام سلیں ان پر لاد کر گھر میں لے آیا۔ دل آرام نے دیکھا کہ یہ سب سلیں بھی سونے کی ہیں۔ اس نے چند سلیں چھوڑ کر باقی تمام سونا صحن میں ایک بڑا سا گڑھا کھدوا کر دبوا دیا اور گھر میں سب سے کہہ دیا کہ ان پتھّروں کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہنا۔

چند روز بعد دل آرام نے لکڑہارے سے کہا:

"بابا! اب تم سفر کی تیّاری کرو۔ خدا نے چاہا تو تمہارا یہ سفر بہت مبارک ثابت ہو گا اور تمہاری کایا پلٹ دے گا۔ یہ ایک خط ہے جو میں نے بصرے کے ایک سنار فضیل کے نام لکھا ہے۔ وہ میرا منہ بولا بھائی اور بہت ایمان دار آدمی ہے۔ پتھّر کی یہ سلیں اسے دے دینا۔ اس

کے بدلے میں وہ تمھیں سونے کی بہت سی
اشرفیاں دے گا۔ ان اشرفیوں کو احتیاط سے
گھر لے آنا۔ لیکن خبردار، راستے میں کسی کو
نہ تو یہ سلیں دکھانا اور نہ اُس سے اشرفیوں
کا ذِکر کرنا۔"
لکڑ ہارا بصرے گیا اور فُضَیل سُنار کو تلاش
کر کے دل آرام کا خط اور سونے کی سلیں
اس کے حوالے کیں۔ سُنار نے اس سونے
کی کئی لاکھ اشرفیاں بنا کر لکڑ ہارے کو دے
دیں اور وہ یہ اشرفیاں لے کر اپنے گھر
آیا۔ غرض اسی طرح چند مہینوں کے اندر
اندر دل آرام نے لکڑ ہارے کو کئی بار
سونے کی سلیں دے کر فُضَیل سُنار کے
پاس بھیجا اور اس کی اشرفیاں بنوائیں —
یہاں تک کہ سارا سونا ختم ہو گیا اور دل آرام
کے پاس کئی کروڑ اشرفیاں جمع ہو گئیں۔
اب دل آرام نے خط دے کر لکڑ ہارے
کو شہر مدائن بھیجا اور کہا کہ وہاں سے سُہیل
نامی راج کو بُلا لائے۔ یہی وہ راج تھا جس

نے بادشاہ قباد کامران کا محل اور وزیر القش کے حکم سے باغِ بے داد بنایا تھا۔ دل آرام کا خط دیکھتے ہی سُہیل فوراً نکڑ ہارے کے ساتھ اس کے گھر آیا۔

دل آرام نے سُہیل سے کہا:

"میں چاہتی ہوں کہ اس جھونپڑی کی جگہ ایک عالی شان محل بنواؤں اور ایک شان دار باغ بھی کہ جس کے مقابلے میں باغِ بے داد کی کچھ حقیقت نہ ہو۔ رُوپے پیسے کی فکر نہ کرنا دُوگنی مزدوری کام کرنے والوں کو ملے گی لیکن محل ایسا خوب صُورت اور عالی شان ہونا چاہیئے کہ جو دیکھے عش عش کر اُٹھے اور کہے کہ ہاں، محل اِسے کہتے ہیں۔"

"آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔" سُہیل نے ادب سے جواب دیا۔ "لیکن کچھ رقم پیشگی ادا ہو تاکہ میں مزدوروں اور کاری گروں کو جمع کر سکوں۔"

دل آرام نے کئی لاکھ اشرفیاں اس کے سامنے رکھ دیں۔ سُہیل یہ اشرفیاں دیکھ کر

دنگ رہ گیا اور اسے کچھ اور پوچھنے کی جُرأت نہ ہوئی۔ اس نے چند دن کے اندر اندر ملک کے مشہور اور اعلیٰ درجے کے معمار اور کاری گر جمع کیے اور محل بنانا شروع کر دیا۔ محل کے چاروں طرف ایک باغ لگانے کے لیے بے شمار باغ بان بھی بُلوائے گئے اور انھوں نے دیکھتے ہی دیکھتے طرح طرح کے خُوش رنگ پودے اور حسین درخت لگا دیے۔ جنگل میں منگل ہو گیا۔ ہزاروں آدمی دن رات کام کرنے لگے ایک سال کے اندر اندر لکڑہارے کی جھونپڑی کی جگہ ایک عظیمُ الشّان محل کھڑا ہو گیا جس میں ایک ہزار بڑے بڑے کمرے، دالان، برآمدے اور صحن تھے۔ اور اس کی چھت آسمان سے باتیں کرتی تھی۔ محل کا ہر کمرہ قیمتی ساز و سامان سے سجایا گیا تھا، اور ہر کمرے میں مصوّروں نے ایسی عُمدہ تصویریں بنائی تھیں کہ شُبہہ ہوتا ابھی مُنہ سے بول پڑیں گی۔

اس محل اور باغ کی تیاری پر دس کروڑ اشرفیاں خرچ ہوئیں لیکن جو بھی دیکھتا' حیرت سے دانتوں میں اُنگلیاں دبا لیتا اور اکثر لوگ کہتے کہ ایسا محل اور ایسا باغ تو بادشاہ قباد کامران کا بھی نہیں ہے۔

دل آرام نے قباد لکڑ ہارے کے لیے ایسے کپڑے سِلوائے جن میں ہیرے جواہرات ٹنکے ہوئے تھے اور ہر لباس کی قیمت کئی لاکھ اشرفیوں کے برابر تھی۔

ایک روز اس نے لکڑ ہارے کو سب سے قیمتی لباس پہنایا اور بے شمار غلاموں اور نوکروں کے ساتھ شہر مدائن کی طرف روانہ کیا۔ دل آرام نے اسے سمجھا دیا تھا کہ سیدھے بادشاہ کے وزیر بزرج مہر کے پاس جانا اور اس سے کہنا کہ میرا نام قباد ہے اور میں سوداگر ہوں۔ بادشاہ سے ملاقات کی خواہش ہے۔ بزرج مہر ضرور بادشاہ سے ملاقات کرائے گا۔ جب تم بادشاہ سے مِلنا تو ادب سے سلام کرنا اور ہاتھ باندھ کر کھڑے

ہنا اور یاد رکھنا کہ دربار میں داخل ہوتے
ہوئے دایاں پیر پہلے رکھنا اور بایاں بعد
میں۔ بادشاہ تمہیں جو کچھ دیں اسے ادب
سے لینے کے بعد سات مرتبہ جُھک کر سلام
کرنا۔ پھر اُن سے عرض کرنا کہ غلام کی یہ
آرزو ہے کہ آپ کسی روز غریب خانے پر
تشریف لائیں اور میری دعوت قبول کریں۔ بادشاہ
ہماری دعوت ضرور قبول کرے گا۔"
یہ سب باتیں دل آرام نے اچھی طرح
لکڑہارے کو سمجھا دیں اور اس نے وعدہ کیا
کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ اس کے بعد لکڑہارا
بڑی شان سے مدائن کی طرف روانہ ہوا۔ تمام
راستے اشرفیاں لُٹاتا گیا اور جب شہر میں پہنچا
تو اس کی سخاوت کے قصّے وہاں پہلے ہی
پہنچ چُکے تھے۔ وہ سیدھا بزرجمہر کے گھر
گیا۔
بزرجمہر نے اسے بہت عزّت سے
بٹھایا اور پوچھا "آپ کیسے تشریف لائے اور
کہاں کا ارادہ ہے؟"

"میرا نام قباد سوداگر ہے" لکڑ ہارے نے جواب دیا۔ "بادشاہ سلامت کی ملاقات کو آیا ہوں۔ آپ مہربانی کریں اور مجھے بادشاہ کے حضور میں لے چلیں۔"

بزرج مہر کبھی اس کے قیمتی لباس کی طرف حیرت سے دیکھتا اور کبھی اس کی شکل کو گھورنے لگتا۔ لیکن وہ بالکل نہیں پہچان سکا کہ یہ وہی قباد لکڑ ہارا ہے جس سے بہت دن پہلے جنگل میں ملاقات ہوئی تھی۔ اُس نے کہا:

"میں آپ کی ابھی بادشاہ سے ملاقات کراتا ہوں۔ آیئے میرے ساتھ چلیے۔"

بزرج مہر نے اپنی سواری منگوائی اور اِدھر قباد لکڑ ہارا اپنے ہاتھی پر سوار ہوا۔ دونوں بادشاہ کے محل کی طرف روانہ ہوئے۔ بازار میں سے گزرتے ہوئے قباد لکڑ ہارے نے اپنے غلاموں کو اِشارہ کیا اور انھوں نے اشرفیاں لٹانی شروع کر دیں۔ لوگ اسے دُعائیں دیتے اور کہتے کہ ایسا سخی اور مال دار سوداگر

پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔
بزرجمہر نے لکڑہارے کو محل کے
ایک کمرے میں بٹھایا اور خود بادشاہ کو
اطلاع دینے گیا۔ بادشاہ اس وقت اپنے
خاص محل میں آرام کر رہا تھا۔ بزرجمہر کو
آتے دیکھا تو گھبرا کر اٹھا اور کہنے لگا:
"خیر تو ہے؟ تم اس وقت کیسے آئے؟"
"حضور، ایک سوداگر آپ کی خدمت میں
حاضر ہونا چاہتا ہے۔ میں اُسے اپنے ساتھ
لے کر آیا ہوں۔ ایسا عمدہ لباس اس کے
بدن پر ہے کہ اس کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں
کیا جا سکتا۔ پھر اس کے ساتھ بے شمار غلام
ہیں اور وہ بازاروں میں اشرفیاں لٹاتے
ہوئے آئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس
سوداگر کے پاس بے انداز دولت ہے لیکن
چال ڈھال اور بات چیت سے پتا چلتا ہے
کہ بالکل ان پڑھ اور بے وقوف ہے۔ سمجھ
میں نہیں آتا کہ اس کے پاس اتنی دولت
کہاں سے آئی۔ سوچ رہا ہوں کہ علم نجوم

کے ذریعے اس کے حالات معلوم کروں۔"
"تعجب ہے۔" بادشاہ نے کہا۔ "خیر، اُسے
اندر لے آؤ۔ ہم بھی دیکھیں کون ہے۔"
بزرجمہر باہر گیا اور قباد لکڑ ہارے سے
کہا " آئیے۔ بادشاہ سلامت آپ کو یاد
فرماتے ہیں۔"
دل آرام نے لکڑ ہارے کو سمجھایا تھا کہ
جب بادشاہ کے حضور میں حاضر ہونا تو پہلے
دایاں پاؤں آگے بڑھانا لیکن لکڑ ہارا ایسا
بد حواس ہوا کہ یہ بات بھول گیا کہ کونسا
پاؤں آگے بڑھائے۔ دل میں کہا کہ دونوں
پاؤں ملا کر ایک دم اندر چلا جاؤں تاکہ
دائیں بائیں کا جھگڑا ہی نہ رہے۔ یہ سوچ
کر اُچھلا اور بادشاہ کے کمرے میں داخل
ہوا لیکن سنگ مرمر کے فرش پر پیر پھسل
گئے اور وہ لڑھکتا ہوا دور تک چلا گیا۔
پھر جلدی سے کپڑے جھاڑتا ہوا اُٹھا اور
بادشاہ کو سات سلام عرض کیے۔ لکڑ ہارے
کی یہ حرکت دیکھ کر بادشاہ کو ہنسی آئی۔ مگر وہ

ضبط کر گیا، لکڑ ہارے کو قریب بُلا کر بٹھایا اور پُوچھا:

"کیا نام ہے تُمہارا؟"

"جہاں پناہ، میرا نام قباد ہے۔ سوداگر ہوں۔"

"خُوب خُوب، تم تو ہمارے ہم نام نکلے" بادشاہ نے کہا اور سونے کی طشتری میں سے مصری کی ایک ڈلی اُٹھا کر لکڑ ہارے کو دی۔ لکڑ ہارے نے کبھی بادشاہ کا دربار دیکھا ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ وہاں کے ادب آداب کیا ہیں۔ اس کی تو عُمر لکڑیاں کاٹتے گزری تھی۔ اس نے بڑی بد تمیزی سے مصری کی ڈلی منہ میں ڈالی اور کچر کچر چبا گیا۔

یہ دیکھ کر بادشاہ ہنسا اور بزرجمہر کے کان میں کہنے لگا:

"یہ کس جانور کو پکڑ لائے؟ چاہیے تھا کہ اسے پہلے کچھ تمیز سکھاتے اور پھر میرے پاس لاتے۔"

بزرجمہر اپنے دل میں شرمندہ ہوا اور

اشارے سے لکڑ ہارے کو باہر لے گیا۔ پھر اپنے گھر لے جا کر بڑی محبت اور پیار سے چند باتیں اسے سمجھائیں اور کہا "بادشاہ جب کوئی چیز عطا کرے تو سلام کرکے اسے سر پر رکھنا چاہیے۔ تم نے یہ کیا حرکت کی کہ مِصری کی ڈلی اسی وقت مُنہ میں ڈال کر گائے بھینسوں کی طرح چبانے لگے۔ آیندہ ایسا نہ کرنا۔"

"بہت اچھا جناب، مجُھ سے خطا ہوئی۔ معاف کر دیجیے۔" لکڑ ہارے نے کہا "آیندہ آپ کی ہدایت کے مطابق کرُوں گا۔ لیکن میری خواہش یہ ہے کہ بادشاہ سلامت کی اپنے گھر دعوت کرُوں۔"

"یہ بات تُم خُود بادشاہ سے کہنا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمُھاری دعوت قبول کرلیں گے۔" بزُرج مہر نے کہا۔

اگلے روز بزُرج مہر لکڑ ہارے کو لے کر بادشاہ کے محل میں گیا۔ بادشاہ اس وقت دستر خوان پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

قباد لکڑ ہارے کو دیکھ کر خوش ہوا، کیوں کہ اسے کل کا واقعہ یاد آ گیا تھا۔

"آؤ قباد، ہمارے پاس آ کر بیٹھو"۔ بادشاہ نے کہا۔

لکڑ ہارا آلتی پالتی مار کر بد تمیزی سے سلام کیے بغیر بادشاہ کے پاس جا بیٹھا اور اجازت لیے بغیر کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ بادشاہ پھر ہنسا لیکن کچھ نہ کہا بلکہ اپنے ہاتھ سے شوربے کا پیالہ اٹھا کر اس کو دیا۔ لکڑ ہارا چاہتا تھا کہ پیالہ منہ سے لگا کر شوربا پیے کہ بزرج مہر کی نصیحت یاد آئی کہ بادشاہ جب کوئی چیز دے تو سلام کر کے اسے سر پر رکھنا چاہیے۔ یہ خیال آتے ہی اس نے بادشاہ کو بائیں ہاتھ سے سلام کیا اور دائیں ہاتھ سے پیالہ اپنے سر پر الٹ لیا۔ یہ دیکھ کر ہنسی کے مارے بادشاہ لوٹ پوٹ ہو گیا۔

لکڑ ہارے نے کہا۔ "حضور میں نے بزرج مہر کی نصیحت پر عمل کیا ہے۔ انھوں نے

کہا تھا کہ بادشاہ جب کوئی چیز عطا کرے تو اسے سر پر رکھنا چاہیے۔ اچھا حضور، اب میری درخواست یہ ہے کہ آپ ہمارے غریب خانے پر تشریف لے چلیں اور اس غلام کی دعوت قبول فرمائیں۔"

"ہم ضرور تمہارے گھر آئیں گے۔" بادشاہ نے وعدہ کر لیا "مگر یہ تو بتاؤ کہ ہمیں کھلاؤ گے کیا؟"

"حضور، میں غریب آدمی ہوں مگر میری ایک بیٹی بہت عمدہ کھانا پکاتی ہے۔ آپ کھائیں گے تو خوش ہوں گے۔"

"اچھا۔ ہم پرسوں تمہارے گھر آئیں گے اپنا پتا بزرجمہر کو بتاتے جاؤ۔" بادشاہ نے کہا۔

لکڑہارا سلام کر کے محل سے باہر چلا آیا اور اسی روز شام کے وقت بزرجمہر کو اپنے مکان کا پتا بتا کر گھر لوٹ آیا۔

دل آرام نے جب یہ سنا کہ بادشاہ پرسوں آ رہا ہے تو اس کی خوشی کا کوئی

ٹھکانا نہ رہا۔ اسی وقت نئے سرے سے محل کی سجاوٹ کا حکم دیا اور مُصوّروں کو بُلا کر محل کے دروازے اور اندر کمروں میں ایسی تصویریں بنوائیں جن میں وہ منظر دکھایا گیا تھا جب بادشاہ نے دل آرام کے قیمتی کپڑے اُتروا کر اسے میلے کُچیلے لباس میں جنگل میں چھوڑ دیا تھا۔ پھر اس نے کھانا پکانے کے لیے طرح طرح کے مسالے، اعلیٰ درجے کا گوشت اور سبزیاں منگائیں اور بادشاہ کا انتظار کرنے لگی۔

ٹھیک تیسرے دن بادشاہ اپنے وزیروں اور امیروں سمیت قباد لکڑ ہارے کے مکان پر آیا۔ اس نے اس مکان اور اس کے ارد گرد پھیلے ہوئے حسین باغ کو دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ اتنا عالی شان محل اور باغ تو اس کے پاس بھی نہ تھا۔ حیرت سے ادھر اُدھر دیکھتا اور بزرج مہر کے کان میں کُھسر پُھسر کرتا ہُوا وہ محل میں داخل ہُوا۔ قباد لکڑہارے نے بڑھ کر اس کا

اِستقبال کیا۔ اب بادشاہ کی نظر اُن تصویروں پڑی جو دل آرام نے بنوائی تھیں۔ انھیں دیکھ کر حیران ہُوا لیکن سمجھ میں نہ آیا کہ اِن تصویروں کا مطلب کیا ہے۔ تب بزرجمہر نے یاد دلایا کہ یہ تصویر اس وقت کی ہے جب آپ نے دل آرام کو اکیلا جنگل میں چھوڑ دیا تھا۔

دل آرام کی یاد آتے ہی بادشاہ غم گین ہُوا اور کہنے لگا "افسوس کہ میں نے اتنی عقلمند لونڈی کو یُوں جنگل میں چھوڑا۔ نہ معلوم اُس پر کیا بیتی ہو گی؟"

اتنے میں قباد لکڑ ہارے نے دستر خوان بچھوایا اور ایک سو قسم کے لذیذ کھانے بادشاہ کے سامنے چُن دیے۔ بادشاہ ہر کھانے کو چکھتا اور اس کی تعریف کرتا۔ مگر اسے رہ رہ کر دل آرام کی یاد آتی تھی دل آرام اُس وقت نفیس پوشاک پہنے، جس میں ہزاروں ہیرے ٹکے ہوئے تھے، دروازے کی اوٹ میں کھڑی تھی۔ بادشاہ نے اُس کی

ایک جھلک دیکھی تو حیران ہُوا کہ دل آرام کی ہم شکل یہ عورت کہاں سے آئی۔ اس نے قباد سے کہا "یہ عورت کون ہے جو دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہے؟"

"حضُور، یہ میری بیٹی ہے" لکڑ ہارے نے جواب دیا۔

اتنے میں دل آرام دروازے کی اوٹ سے نِکل کر کمرے میں آئی اور بادشاہ کو جُھک کر سلام کیا۔ بادشاہ حیرت سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چلّا کر بولا۔ "دل آرام تُو یہاں کیسے آئی؟"

"جہاں پناہ، آپ نے اس کو نہیں پہچانا؟ یہ وہی قباد لکڑ ہارا ہے جسے بہت عرصہ پہلے جنگل میں دیکھا تھا۔ خواجہ بزرجمہر کا خیال تھا کہ اس کی قسمت ہی بُری ہے۔ لیکن میں نے عرض کیا تھا کہ شاید اس کے گھر میں کوئی پھوہڑ عورت ہے جو اس کی حالت بہتر نہیں ہونے دیتی۔ اس بات پر حضُور سخت ناراض ہوئے اور مجھے جنگل میں اکیلا چھوڑ

گئے۔ اب ملاحظہ فرمائیے، یہ وہی لکڑ ہارا ہے"۔
بادشاہ نے شرمندہ ہو کر کہا "دل آرام، مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمھیں دُکھ پہنچایا"۔
دل آرام نے ہاتھ جوڑے اور سر جھکا کر کہا "حضور اس بات کا خیال بھی نہ فرمائیں۔ لونڈی آپ کے لیے جان بھی قربان کر دے تو آپ کا حقِ نمک ادا نہیں ہو سکتا"
بادشاہ نے لکڑ ہارے کو گلے سے لگایا اور کہا کہ یہ مال دولت تمھیں مبارک، ہم دل آرام کو ساتھ لیے جاتے ہیں۔
چند روز بعد بادشاہ نے دل آرام سے شادی کرلی اور ایک ماہ تک ملک میں خوشیاں منائی گئیں۔

شہزادہ نوشیرواں

دل آرام سے شادی کے بعد بادشاہ نے
رج مہر کو حکم دیا کہ علم نجوم کے ذریعے
وم کرو کہ ہمارے تخت و تاج کا وارث
ب پیدا ہو گا۔ بزرج مہر نے حساب لگایا
بادشاہ کو خوش خبری سُنائی کہ اسی سال
زادہ پیدا ہو گا۔ اس کی سلطنت بہت
ی ہوگی اور وہ سو برس تک نہایت شان و
کت سے حکومت کرے گا۔ دُنیا کی بہت
سلطنتیں اور بادشاہ اُسے خراج ادا کریں
۔ بادشاہ قباد یہ باتیں سُن کر بے حد
ش ہُوا۔

کچھ عرصے بعد بادشاہ کے ہاں ایک خُوب
رت شہزادہ پیدا ہُوا۔ بادشاہ نے یہ خبر

سُنی تو تمام مُلک میں سات روز تک جشن
منانے کا حُکم دیا۔ ہزاروں قیدی رہا کیے
گئے۔ غریبوں کو کھانا کھلایا گیا اور خُوب خیرات
کی گئی۔ رات کو سارے مُلک میں چراغاں
ہُوا اور خوشی کے شادیانے بجائے گئے۔

جب شہزادہ پیدا ہوا تو اُسی وقت شہر
مدائن کے قریب ایک خُشک چشمے میں خُودبخُود
پانی جاری ہو گیا۔ اس چشمے سے بادشاہ کے لیے
کسی زمانے میں پینے کا پانی لے جایا جاتا تھا۔
بادشاہ نے بزرجمہر سے کہا کہ شہزادے کا
نام تجویز کرو۔ اس نے کہا:

"حضوُر، شہزادہ بہُت خوش قسمت اور مُبارک
قدم ہے۔ اس کے آتے ہی خُشک چشمہ رواں
ہُوا۔ اس لیے میں اس کا نام نوشیرواں رکھتا ہُوں۔"

بادشاہ نے یہ نام بہت پسند کیا اور بزُرجمہر
کا منہ موتیوں سے بھر دیا۔

نوشیرواں کی پیدائش کے گیارہ روز بعد
بزُرجمہر کو معلوم ہوا کہ حبشی غُلام بختیار
کے گھر میں بھی لڑکا پیدا ہُوا ہے۔ یہ لڑکا

یہ القش کا نواسا تھا۔ بزرج مہر بختیار کے
گیا۔ لڑکے کو دیکھا اور اس کا نام بختک
تھا۔

جب نوشیرواں چار برس کا ہوا تو بادشاہ نے
رج مہر سے کہا کہ اب شہزادے کی
یم کا بندوبست ہونا چاہیے اور یہ کام تم
ے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ نوشیرواں کو بزرج
کے حوالے کر دیا گیا اور اس نے شہزادے
پڑھانا شروع کیا۔ چند روز بعد بزرج مہر
ے بختیار کے بیٹے بختک کو بھی پڑھانے
ے لیے بلوایا اور ان دونوں کو چند برس کے
ر اتنے علم سکھا دیے کہ بڑے بڑے
لم فاضل حیران رہ گئے۔

لیکن نوشیرواں اور بختک میں فرق تھا۔ نوشیرواں
ایت ذہین، فرماں بردار، خوش اخلاق اور
ب صورت تھا اور بختک بد صورت، بد تمیز
ر بد مزاج تھا۔ اس کا دماغ بھلائی کے
موں کی بجائے برائی کے کاموں میں زیادہ
تا تھا۔ اپنے استاد بزرج مہر کی بے عزتی

کرنے میں اُسے بڑا مزہ آتا۔ جان جان کر ایسی حرکتیں کرتا کہ بزرُجمہر کو صدمہ پہنچے۔ مگر وہ خاموش رہتا۔ کوئی نصیحت بختک پر کارگر نہ ہوتی اور وہ من مانی کرتا۔ وہ اپنی ماں سے کہا کرتا کہ بزرجمہر نے میرے نانا کو مروایا ہے۔ میں اس سے بدلہ ضرور لوں گا۔ نوشیرواں سے بھی اُس نے بزُرجمہر کی شکایتیں کیں، لیکن اس نے ہمیشہ اس کو جھڑک دیا اور ناراض ہُوا۔

وقت گزرتا گیا اور نوشیرواں نے بچپن کی منزلیں طے کر کے جوانی کی سرحد میں قدم رکھا۔ اب بادشاہ قباد بہت بوڑھا ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ سلطنت نوشیرواں کے حوالے کر کے اپنی بقیہ زندگی ایک کونے میں بیٹھ کر اطمینان سے گزارے۔ اس نے بزُرجمہر سے مشورہ کیا۔ اس نے بھی بادشاہ کی یہ رائے پسند کی، لیکن یہ مشورہ بھی دیا کہ پہلے نوشیرواں کی شادی ہو جائے۔

اُنھی دنوں چین سے سوداگروں کا ایک قافلہ

مدائن آیا اور ان میں سے ایک سوداگر کی ملاقات بزرجمہر سے ہوئی۔ باتوں باتوں میں سوداگر نے ذکر کیا کہ چین کے بادشاہ کی بیٹی اتنی خوب صورت ہے کہ کیا کوئی پری ہو گی۔ کیا ہی اچھا ہو کہ نوشیرواں جیسے عقلمند خوب صورت اور عالم فاضل شہزادے کی شادی چین کے بادشاہ کی بیٹی سے ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے ان دونوں کو ایک دوسرے کے لیے بنایا ہے۔

سوداگر نے شہزادی کی اتنی تعریفیں کیں کہ بزرجمہر سوچنے لگا کہ چین کا بادشاہ بھی بہت بڑی سلطنت کا مالک ہے اور شان و شوکت میں کسی طرح ہمارے بادشاہ سے کم نہیں۔ اگر ان میں رشتے داری ہو جائے تو بہت اچھا ہو۔

یہ سوچ کر وہ قباد بادشاہ کے محل میں گیا اور اس سے یہ بات کہی۔ بادشاہ نے بھی اس کی رائے پسند کی اور حکم دیا کہ تم فوراً چین جانے کی تیاری کرو اور نوشیرواں

کی شادی کا پیام چین کے بادشاہ کو دو۔ بادشاہ نے بے شمار ہاتھی گھوڑے اور ہیرے جواہرات تحفے کے طور پر بزرج مہر کے ساتھ کر دیے ان کے علاوہ ایک ہزار حبشی غلام اور سپاہی بھی اس کے ہمراہ روانہ کیے۔

چین کے بادشاہ کو خاقانِ اعظم کہتے تھے۔ اسے جب پتا چلا کہ ایران کے بادشاہ کا وزیر آ رہا ہے تو وہ بہت خوش ہوا اور اس کے اِستقبال کے لیے اپنے فوجی سرداروں اور چار بیٹوں کو بھیجا۔ ان لوگوں نے بڑے ادب اور اِحترام سے بزرج مہر کا استقبال کیا اور اسے خاقانِ اعظم کے دربار میں لے گئے۔ بزرج مہر نے بادشاہ کو جھک کر سلام کیا اور جو تحفے لایا تھا پیش کیے۔ خاقانِ اعظم نے اسے اپنے قریب بٹھایا اور باتیں کرنے لگا۔

بزرج مہر نے خاقانِ اعظم سے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اور نوشیرواں کی اتنی تعریفیں کیں کہ وہ اس سے اپنی بیٹی کی شادی کرنے

کے لیے رضا مند ہو گیا اور کہا کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ نوشیرواں جیسا شہزادہ میرا داماد ہو۔ اس نے اسی وقت اپنے درباریوں اور سرداروں کو حکم دیا کہ شادی کی تیاری کی جائے۔

بزرجمہر خاقانِ اعظم سے رخصت ہو کر اپنے ملک میں آیا اور بادشاہ قباد کو یہ خوش خبری سنائی کہ چین کا بادشاہ اپنی بیٹی سے نوشیرواں کی شادی کرنے پر آمادہ ہے قباد بہت خوش ہوا اور یہاں بھی شادی کی زور و شور سے تیاریاں ہونے لگیں۔ ملک میں ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

تین ماہ بعد نوشیرواں کی شادی بڑی دھوم دھام سے چین کی شہزادی مہر انگیز کے ساتھ ہو گئی۔ چین کے بادشاہ نے اپنی بیٹی کو جہیز میں سونے چاندی کے اتنے زیور اور برتن دیے کہ جن کا شمار ممکن نہ تھا۔ اس کے علاوہ اعلیٰ درجے کے ریشم کی دس ہزار پوشاکیں بھی دیں۔ ایک ہزار لونڈی غلام بھی شہزادی

کی خدمت کے لیے چین سے بھیجے گئے۔ دونوں ملکوں میں کئی ماہ تک شادی کا جشن ہُوا۔

ایک دن قباد بادشاہ نے بزُرج مہر کو بُلایا اور کہا:

"تم دیکھ رہے ہو کہ میں بہت بوڑھا ہو گیا ہُوں۔ حکومت کا کام سنبھالنا میرے لیے مشکل ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہُوں کہ حکومت اپنے بیٹے نوشیرواں کے سپُرد کر دوں۔ تمھاری کیا رائے ہے؟"

"مجھے حضُور کی رائے سے اِتّفاق ہے" بزُرج مہر نے ادب سے جواب دیا "نوشیرواں کو تخت پر بٹھا دیجئے اور سلطنت کا کام انھیں سنبھالنے دیجیے ——— لیکن ایک بات میں کہنا چاہتا ہوں۔ اِجازت ہو تو عرض کرُوں"

"ہاں ہاں، بڑے شوق سے کہو" بادشاہ نے کہا۔

"میں چاہتا ہُوں کہ تخت پر بٹھانے سے پہلے نوشیرواں کے ہاتھوں میں ہتھکڑی اور پاؤں

ہیں بیڑی پہنا کر اس کو چالیس دن قید خانے
کی تنگ اور اندھیری کوٹھڑی میں رکھا جائے"
یہ سُن کر بادشاہ قباد سخت حیران ہُوا۔
اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ آخر اس حرکت کا
مطلب کیا ہے۔ کہنے لگا "میں جانتا ہوں کہ
تمھاری کوئی بات بھی دانائی سے خالی نہیں
ہوتی۔ اس میں بھی نوشیرواں کے لیے کوئی
بھلائی اور بہتری ہوگی۔ تمھیں پُورا اختیار ہے
جو چاہو کرو۔"
بزُرج مہر نے بادشاہ سے اجازت پا کر
اُسی روز شہزادہ نوشیرواں کا شاہی لباس اُتروا
کر اُسے قیدیوں کے سے کپڑے پہنائے،
ہاتھوں میں لوہے کی ہتھکڑیاں اور پاؤں میں
بیڑیاں ڈالیں اور قید خانے میں بھجوا دیا۔
چالیس دن تک شہزادے کے ساتھ قید خانے
میں وہی سلُوک ہُوا جو دُوسرے قیدیوں کے
ساتھ ہوتا تھا۔ اکتالیسویں دن بزُرج مہر گھوڑے
پر سوار ہو کر وہاں آیا۔ شہزادے کو قید خانے
سے نکالا اور حُکم دیا کہ وہ گھوڑے کے آگے

گے پیدل چلے۔ اسی طرح بازاروں میں اُسے
گھماتا پھراتا بادشاہ کے محل پر آیا۔ پھر کوڑا منگا
ر زور زور سے تین کوڑے شہزادے کی پیٹھ
پر مارے۔ تکلیف اور درد سے نوشیرواں کے
آنسو نکل آئے۔ لیکن اپنے اُستاد کا اتنا رُعب
اس کے دل میں تھا کہ ذرا بھی چوں نہ کی۔
اس کام سے فارغ ہو کر بُزرجمہر نے
تلوار نکال کر شہزادے کو دی اور ادب سے
گردن جُھکا کر کہا "اے شہزادے، یہ گردن
حاضر ہے۔ میں نے آپ کی شان میں جو گستاخی
کی ہے اس کی سزا یہ ہے کہ اس تلوار سے
میری گردن اُڑا دی جائے۔"
نوشیرواں ہنس پڑا۔ بزرجمہر کو گلے سے لگایا
اور کہنے لگا:
"آپ میرے اُستاد ہیں۔ آپ کے مجھ پر اتنے
احسان ہیں کہ ان کا بدلہ میں زندگی بھر چکا نہیں
سکتا۔ اگر آپ نے مجھے چالیس دن قید خانے
میں رکھا، بازاروں میں پیدل پھرایا اور کوڑے
مارے تو ضرور اس میں میری ہی کوئی بہتری

ہے۔ لیکن میں نہ سمجھ سکا۔"

بزرجمہر نے نوشیرواں کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا:

"میں نے یہ کام اس لیے کیا کہ تم عنقریب اپنے باپ کی جگہ اس سلطنت کے مالک بننے والے ہو۔ تخت و تاج تمھارے حوالے کر دیا جائے گا اور تم بادشاہ کہلاؤ گے۔ میں نے تمھیں قید میں اس لیے رکھا کہ تمھیں معلوم ہو کہ قید خانے میں کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور تم کسی بے گناہ کو قید نہ کرو۔ دوسرے یہ کہ جو غلام اور خادم خدمت کریں اور تمھاری سواری کے آگے آگے دوڑیں اُن کی قدر کرو۔ تیسرے یہ کہ کسی کو بے قصور مت مارو۔ تم نے خود کوڑوں کی مار کا مزہ چکھ لیا ہے اس لیے مجھے یقین ہے کہ آیندہ کسی بے گناہ کو کوڑوں کی سزا نہ دو گے۔"

چند روز بعد نوشیرواں نہایت دھوم دھام سے تخت پر بیٹھا۔ بادشاہ قباد نے اپنے ہاتھ سے شاہی تاج اس کے سر پر رکھا اور دُعا

دی۔ تمام فوجی سرداروں، امیروں اور وزیروں
نے نذریں پیش کیں اور وفاداری کا حلف
اٹھایا۔

نوشیرواں نے بزرج مہر کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا
اور عہد کیا کہ بزرج مہر سے مشورہ کیے بغیر کوئی
کام نہ کرے گا۔ بزرج مہر کو اب حبشی غلام
بختیار سے کیا ہوا وعدہ یاد آگیا کہ اگر تمہارے
گھر بیٹا پیدا ہوا تو اسے وزیر بنوا دوں گا۔ وہ
بختک کو لے کر آیا اور اسے بھی سفارش کر کے
وزیر بنوا دیا۔

جب تک نوشیرواں کا باپ قباد زندہ رہا
نوشیرواں انصاف سے حکومت کرتا رہا۔ رعایا
خوش حال تھی لیکن جونہی قباد کی آنکھیں بند
ہوئیں نوشیرواں عیش و عشرت میں پڑ کر سلطنت
کے کاموں سے غافل ہو گیا۔ ہر طرف رشوت
اور ظلم ہونے لگا۔ سرکاری افسر غریب لوگوں
کو پریشان کرنے لگے۔ چوریاں اور ڈاکے عام
ہو گئے۔ بختک وزیر نے نوشیرواں پر کچھ ایسا
جادو کر دیا تھا کہ وہ اسی کی بات پر عمل کرتا

اور ہر کام میں اسی سے مشورہ لیتا تھا۔ بزُرج مہر یہ سب کچھ دیکھتا اور کُڑھتا۔ کئی بار اُس نے نوشیرواں کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن بختک نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ آخر بزُرج مہر مایُوس ہو کر چُپ ہو رہا۔

اُنھی دنوں ایک بڑا مشہور خُونی اور ڈاکو گرفتار کر کے نوشیرواں کے دربار میں لایا گیا۔ بادشاہ نے اس کا مُقدمہ سُنا اور حُکم دیا کہ ڈاکو کی گردن تلوار سے اُڑا دی جائے۔ جب جلّاد اسے مارنے کے لیے جانے لگے تو ڈاکو نے کہا:

"حضُور! میں مرنے کو تیّار ہوں لیکن میرے سینے میں ایک ایسا عجیب علم ہے جو دُنیا میں میرے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ اگر میں مر گیا تو یہ علم بھی دُنیا سے مٹ جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے یہ علم کسی کو سکھا دُوں۔"

نوشیرواں یہ بات سُن کر حیران ہوا اور کہنے لگا: "بیان کر وہ کون سا علم تیرے پاس ہے

جو تمام رُوئے زمین پر اور کسی کے پاس نہیں۔"
"جہاں پناہ' میں جانوروں کی بولیاں سمجھ لیتا ہوں۔" ڈاکو نے کہا۔
"یہ تو بہت بڑا علم ہے۔" نوشیرواں نے کہا اور بزُرج مہر کو حکم دیا "اس ڈاکو کو اپنے گھر لے جایئے اور جانوروں کی زبان سیکھنے کے بعد اس کی گردن اُڑا دیجیے۔"
"بہت بہتر عالی جاہ!" بزُرج مہر نے کہا اور اسے اپنے گھر لے گیا۔
بزُرج مہر کے گھر پہنچ کر ڈاکو کہنے لگا:
"میری شرط یہ ہے کہ چالیس روز تک مجھے اچھے اچھے کھانے کھلاؤ، بہترین کپڑے پہناؤ، میری ہر خواہش پُوری کرو۔ اس کے بعد میں تمھیں جانوروں کی زبان سکھاؤں گا۔"
بزُرج مہر نے اس کی یہ شرط منظُور کی اور ڈاکو کی خواہش کے مطابق اس کو چالیس روز تک مزے دار کھانے کھلائے اور اچھے اچھے کپڑے پہنائے۔ اِکتالیسویں روز بزُرج مہر نے اس سے کہا:

"تیری شرط میں نے پوری کی۔ اب مجھے جانوروں کی زبان کا علم سکھا۔"

یہ سن کر ڈاکو نے قہقہہ لگایا اور بولا "اے بزرگ مہر۔ تو اتنا عقل مند آدمی ہو کر دھوکا کھا گیا۔ کیا کبھی تو نے سنا ہے کہ کوئی انسان جانوروں کی زبان سمجھتا ہو؟"

بزرگ مہر شرمندہ ہوا اور کہا "اس کا مطلب یہ ہے کہ تو جانوروں کی زبان بالکل نہیں سمجھتا۔"

"بالکل نہیں۔"

"پھر تو نے جھوٹ کیوں بولا؟ جھوٹ چالیس دن کی زندگی کے لیے؟"

"ہاں، میں نے سوچا کہ مرنا تو ہے ہی پھر کیوں نہ خوب کھا پی کر اور اپنے دل کی خواہشیں پوری کرنے کے بعد مروں" ڈاکو نے ہنس کر جواب دیا۔

بزرگ مہر حیرت سے اس کی طرف تکنے لگا۔ ایسے آدمی سے اس کا پالا کبھی نہ پڑا تھا۔ وہ بولا۔ "اگر تو سچے دل سے وعدہ کرے کہ آیندہ کبھی ڈاکا نہیں مارے گا اور نہ خدا کی

مخلوق کو ستائے گا تو میں تیری جان بخشی کے لیے تیار ہوں۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ آیندہ سے یہ تمام بُری حرکتیں چھوڑ کر محنت مزدوری سے روزی کماؤں گا۔" ڈاکو نے جواب دیا۔

"اچھا، اب تُو جہاں چاہے چلا جا۔ میں تجھے چھوڑتا ہوں۔"

ڈاکو بزرجمہر کو دُعائیں دیتا ہُوا چلا گیا۔

اس واقعے کے چند روز بعد نوشیرواں شکار کھیلنے کے لیے نکلا اور ایک ویرانے کی طرف جا پہنچا۔ اس وقت بادشاہ کے ساتھ بزرجمہر اور بختک کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ نوشیرواں اس ویرانے کو دیکھ کر بزرجمہر سے کہنے لگا:

"کیسی خوفناک جگہ ہے۔ دُور دُور تک آدمی نظر نہیں آتا اور نہ کہیں سبزے ہی کا نام و نشان ہے۔"

بزرجمہر ابھی جواب دینے نہ پایا تھا کہ اُلوؤں کا ایک جوڑا کہیں سے اُڑتا ہُوا آیا اور

ایک ایسے درخت پر بیٹھ گیا جس کی کوئی شاخ بھی ہری نہ تھی۔ آدمیوں کو اپنے قریب دیکھ کر اُلّو ہُو، ہُو ہُو کرنے لگے۔

نوشیرواں نے پوچھا: "کیا تم نے اس ڈاکو سے جانوروں کی زبان سمجھنے کا علم سیکھ لیا تھا؟"

"جی ہاں حضور سیکھ لیا تھا" بزرجمہر نے کہا۔

"ہمیں بتاؤ کہ یہ اُلّو آپس میں کیا باتیں کر رہے ہیں؟"

"حضور، یہ آپس میں رشتے دار ہیں۔ بڑا اُلّو چھوٹے اُلّو سے کہہ رہا ہے کہ اگر تو اپنے بیٹے کی شادی میری بیٹی سے کر دے تو میں جہیز میں ایسے ہی تین ویرانے دُوں گا۔ چھوٹا اُلّو کہہ رہا ہے کہ تین نہیں دس ویرانے لُوں گا تب شادی کروں گا۔ یہ سُن کر بڑا اُلّو بولا کہ گھبراتے کیوں ہو۔ نوشیرواں کی بادشاہی قائم رہی تو دس کی جگہ سو ویرانے دوں گا۔"

بزرجمہر کے منہ سے یہ باتیں سُن کر نوشیرواں کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ اُدھر بختک دل میں خوش ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ

اب نوشیرواں بزرجمہر کو ہرگز زندہ نہ چھوڑے گا کیوں کہ اس نے بادشاہ کی شان میں گستاخی کی ہے لیکن نوشیرواں سمجھ گیا کہ اُستاد بزرجمہر نے اسے اُلّوؤں کی باتیں سمجھانے کے بہانے نصیحت کی ہے کہ اگر میں نے سلطنت کی طرف دھیان نہ دیا تو ایک دن پورا مُلک ہی ویرانہ بن جائے گا۔ اس نے آگے بڑھ کر بزرجمہر کو سینے سے لگا لیا اور کہا "اُستاد بزرجمہر، آپ نے میری آنکھیں کھول دیں۔ میں اپنا فرض بھول گیا تھا۔ اب عہد کرتا ہوں کہ آیندہ غفلت نہ کروں گا۔"

اس نے مدائن میں آتے ہی اعلان کرا دیا کہ بادشاہ ہر فریادی کی فریاد خود سُنا کرے گا اور ظلم کرنے والے کو سزا دے گا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی بادشاہ نے عدل و انصاف کے تخت پہ بیٹھ کر ایسے فیصلے کیے کہ لوگ اسے نوشیروانِ عادل کہہ کر پکارنے لگے۔ چند دن کے اندر اندر ساری بُرائیاں مِٹ گئیں اور لوگ بادشاہ کی جان و مال کو دُعائیں دینے لگے۔

امیر حمزہ کی پیدائش

کئی برس گزر گئے۔ اس مدت میں بزرج مہر کے گھر میں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام خواجہ سیاش اور دوسرے کا خواجہ دریادل رکھا گیا۔ نوشیرواں کے ہاں تین بچے ہوئے۔ ان میں دو لڑکے تھے، ایک لڑکی۔ بڑے لڑکے کا نام شہزادہ ہرمز، چھوٹے کا شہزادہ فرامرز اور شہزادی کا نام مہر نگار رکھا گیا۔ اتفاق کی بات کہ اسی زمانے میں بختک کے گھر میں بھی لڑکا پیدا ہوا۔ بزرج مہر نے اس کا نام بختیار رکھا۔

نوشیرواں نے ایک رات بڑا عجیب خواب دیکھا۔ جب آنکھ کھلی تو یہ خواب اُسے اچھی طرح یاد تھا۔ اب وہ اس کی تعبیر جاننے کے لیے

بے چین ہُوا۔ بزُرج مہر کو فوراً بُلایا اور اس
سے اپنا خواب یُوں بیان کیا:
" کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک ہرے بھرے
میدان میں کھڑا ہوں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل
رہی ہے۔ صُبح کا وقت ہے۔ میں شاہی لباس
پہنے ہوئے ہوں اور میرے سر پر تاج بھی
رکھا ہے۔ یکایک مشرق کی جانب سے ایک
بہت بڑا اور خوف ناک صُورت کوّا اُڑتا ہوا
آیا اور میرے سر پر سے تاج اُتار کر لے گیا۔
ابھی میں پریشان کھڑا اُس کوّے دیکھ ہی رہا
تھا کہ مغرب کی جانب سے ایک بہُت
خُوب صُورت، کوّے سے دوگنا بڑا، سُنہری
پَروں والا عُقاب آیا اور کوّے کی طرف لپکا
وہ اسے مار کر تاج اپنی چونچ میں اُٹھا کر
لایا، میرے سر پر رکھا اور جدھر سے آیا تھا
اُدھر اُڑ کر نظروں سے غائب ہو گیا۔ اب
تم بتاؤ کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟"
بزُرج مہر دیر تک سر جُھکائے خاموش بیٹھا
رہا۔ پھر اس نے کچھ حساب لگایا، اس کی

آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ ہاتھ باندھ کر کہنے لگا:

"جہاں پناہ، آپ نے بڑا مبارک خواب دیکھا ہے۔ اب اس کی تعبیر عرض کرتا ہوں۔ حضور، مشرق کی طرف خیبر نام کا ایک شہر ہے۔ وہاں ایک شخص پیدا ہو گا جس کا نام عشام رکھا جائے گا۔ یہ شخص جوان ہو کر بڑی قوت اور نام وری پائے گا اور آہستہ آہستہ ایک طاقت ور فوج تیار کر کے ایران پر حملہ کر دے گا۔ اس جنگ میں حضور کی فوج شکست کھا جائے گی۔ عشام آپ کا تخت اور تاج چھین لے گا ـــــ لیکن انھی دنوں مغرب کی جانب مکے کے پاک شہر سے امیر حمزہ نام کا ایک جوان آئے گا۔ اس کی عشام سے لڑائی ہو گی۔ وہ اس ظالم کو مار ڈالے گا اور تخت دوبارہ حضور کے حوالے کر دے گا۔"

نوشیرواں نے جب خواب کی تعبیر کا پہلا حصہ سنا تو سخت گھبرایا لیکن امیر حمزہ کے آنے، عشام سے جنگ کر کے اسے ہلاک

کر دینے اور تاج و تخت واپس مل جانے کی خوش خبری سُنی تو بزرج مہر سے کہنے لگا:

"خواجہ، میں چاہتا ہُوں کہ تُم جلد سے جلد مکّے روانہ ہو جاؤ۔ وہاں کے سردار خواجہ عبدالمُطّلِب سے جا کر ملو۔ مُمکن ہے وہ بچّہ جس کا نام تُم نے امیر حمزہ بتایا، اب تک پیدا ہو چُکا ہو۔ اسے تلاش کر کے اس کے ماں باپ کو خُوب مال و دولت دینا اور کہنا کہ اس کی پرورش اچھّی طرح کریں۔"

"میں آج ہی سفر کی تیاری کرتا ہُوں۔" بزرجمہر نے کہا "خُدا نے چاہا تو میں اُس بچّے کو تلاش کر لُوں گا۔"

بادشاہ سے رُخصت ہو کر بزرجمہر اپنے گھر آیا، سفر کا سامان باندھا، مکّے کے امیروں اور دوسرے لوگوں کے لیے قیمتی تحفے بھی ساتھ لیے اور پانچ سو غُلاموں اور سپاہیوں کو لے کر مکّے کی جانب روانہ ہو گیا۔

یہ قِصّہ اِسلام سے پہلے کا ہے۔ اُس وقت ایرانی آگ کی پُوجا کرتے تھے اور عرب

بُتوں کو پُوجتے تھے۔
بزُرج مہر مکّے سے کچھ فاصلے پر رہ گیا تو ایک جگہ رُک کر ایک خط مکّے کے سردار خواجہ عبدالمُطّلب کے نام لکھا اور اپنے خاص غُلام کے ذریعے بھیج دیا۔ اس خط میں لکھا تھا:
"جنابِ عالی! آپ پر خُدا کی سلامتی ہو۔ میرا نام بزُرج مہر ہے اور میں ایران کے بادشاہ نوشیروان عادل کا وزیرِ اعظم ہوں۔ میں ایران کے لوگوں کی طرح آگ کو اپنا خدا نہیں مانتا بلکہ اس دین پر ایمان رکھتا ہوں جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام لائے تھے اور وہی دین آپ کا بھی ہے۔ اب میری آرزو ہے کہ خانۂ کعبہ کی زیارت کروں اور آپ سے مُلاقات کی سعادت بھی حاصل ہو۔ اگر اجازت ہو تو شہر میں داخل ہو جاؤں؟"
خواجہ عبدالمُطّلِب نے بزُرج مہر کا خط پڑھا اور بہت خُوش ہوئے۔ وہ اس سے پہلے بھی بزُرج مہر کا نام سُن چکے تھے۔ انھوں نے

اسی وقت مکّے کے کئی معزّز آدمیوں کو ساتھ لیا اور شہر سے باہر گئے جہاں بزُرج مہر اور اس کے سپاہی پڑاؤ ڈالے پڑے تھے۔ بزُرج مہر اور خواجہ عبدالمُطّلِب پُرانے دوستوں کی طرح ایک دُوسرے سے گلے ملے اور پھر جلُوس کی صُورت میں مکّے کے اندر داخل ہوئے۔ بزُرج مہر نے سب سے پہلے خانۂ کعبہ کی زیارت کی اور اس کے گِرد سات چکّر لگائے۔ پھر خواجہ عبدالمُطّلِب اسے اپنے گھر لے گئے اور خُوب خاطر کی۔

جب سُورج غرُوب ہوا اور دُوسرے لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو بزُرج مہر خواجہ عبدالمُطّلِب سے کہنے لگا:

"جناب خواجہ صاحب، آپ سے مِل کر میں بہت خُوش ہُوا ہُوں۔ آپ نے جیسی محبّت کا سلُوک کیا ہے اُس نے مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کا غُلام بنا دیا ہے۔ میں نے عربوں کی مہمان نوازی کے قِصّے سُنے تھے اور ان پر یقین نہ آتا تھا، لیکن اب اپنی آنکھوں

سے دیکھ چُکا ہُوں۔ واقعی جو کُچھ سُنا تھا سب سچ ہے۔ آپ کو اس سے بھی بڑھ کر پایا۔"
خواجہ عبدالمطّلب نے کہا "بھائی، آپ کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا تب بھی ہم اُس کی ایسی ہی عزّت کرتے۔ میں آپ کی ہر طرح خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ میرے گھر کو اپنا ہی گھر سمجھیے اور جب تک آپ کا جی چاہے یہاں رہیے۔"
دیر تک اِسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ آخر بُزرج مہر نے خواجہ عبدالمُطّلب کو نوشیرواں کا خواب اور اس کی تعبیر کا قِصّہ سُنایا اور کہا "وہ لڑکا مکّے کے کِسی گھر میں پیدا ہونے والا ہے بادشاہ نے مجھے حُکم دیا ہے کہ اس کی پیدائش تک مکّے ہی میں رہُوں اور جب وہ پیدا ہو جائے تو اُس کا نام امیر حمزہ رکھوں۔ یہ وہ لڑکا ہے جس کا نام ساری دُنیا میں مشہُور ہو گا۔ بڑے بڑے بادشاہوں کو لڑائی میں شکست دے کر ان سے خراج وصُول کرے گا اور اس کی طاقت کے سامنے کوئی پہلوان

ٹھہر نہ سکے گا۔"
خواجہ عبدالمُطّلب یہ سُن کر حیران ہوئے اور کہا: "آپ نے عجیب داستان سُنائی لیکن یہ تو بتایئے کہ آپ اس لڑکے کو پہچانیں گے کیسے؟"
"اُس کی پیشانی دیکھ کر۔" بُزرج مہر نے جواب دیا "میں عِلم نجُوم جانتا ہوں اور اسی کے ذریعے میں بتا سکتا ہوں کہ آیندہ مُلکِ عرب میں جتنے بچّے پیدا ہوں گے ان میں سے امیر حمزہ کون ہو گا۔"

بُزرج مہر کو مکّے میں آئے ہوئے بیس روز گُزر گئے۔ اس عرصے میں کسی نہ کسی گھر میں لڑکا پیدا ہوتا اور اسے بُزرج مہر کے پاس لایا جاتا مگر وہ اس کی شکل دیکھتے ہی کہہ دیتا کہ یہ امیر حمزہ نہیں ہے۔ آخر اکیسویں دن خواجہ عبدالمُطّلب صبح صبح بُزرج مہر کے پاس آئے اور کہنے لگے:
"خُدا کے فضل سے آج میرے گھر میں

لڑکا پیدا ہُوا ہے۔ آپ دیکھنا چاہیں تو لے آؤں۔"

"ہاں، ہاں ضُرور لائیے۔" بُزرج مہر نے کہا۔
چند لمحے بعد خواجہ عبدُالمُطّلب ایک خُوب صُورت بچّے کو کپڑے میں لپیٹے بُزرج مہر کے پاس لائے۔ بُزرج مہر نے جُونھی بچّے پر نظر ڈالی، اس کا دل زور سے دھڑکا۔ فوراً تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا "خواجہ عبدُالمُطّلب مُبارک ہو۔ یہ دولت تُجھی کو ملی۔ یہ وہی لڑکا ہے۔" پھر جُھک کر ننّھے امیر حمزہ کی پیشانی کو چُوما۔ انھیں اپنی گود میں لیا اور دیر تک دیکھتا رہا۔ اس کے بعد خانۂ کعبہ کی طرف مُنہ کر کے امیر حمزہ کی سلامتی کے لیے دُعا مانگی۔ پھر اشرفیوں اور جواہر سے بھری ہوئی بہت سی تھیلیاں خواجہ عبدُالمُطّلب کے سپُرد کیں اور کہا "یہ دولت نوشیرواں نے امیر حمزہ کے لیے بھیجی ہے اور کہا ہے کہ اسی سے اس کی پرورش کی جائے۔"
خواجہ عبدالمُطّلب نے شکریہ ادا کر کے وہ تھیلیاں لے لیں۔ اس کے بعد شربت تیّار

کرنے کا حکم دیا۔ لوگ شربت پینا چاہتے تھے کہ بزرجمہر نے ہاتھ کے اِشارے سے روکا اور کہنے لگا:

"ذرا رُک جائیے۔ مجھے دو اور لڑکوں کا انتظار ہے۔ انھیں بھی آلینے دیجیے۔ یہ دونوں لڑکے امیر حمزہ کے وفا دار دوست ہوں گے اور زندگی بھر اکٹھے رہیں گے۔"

ابھی بزرجمہر نے یہ باتیں پوری نہ کی تھیں کہ خواجہ عبدالمطّلب کا ایک خادم جس کا نام بشیر تھا، اپنی گود میں ایک لڑکے کو لیے ہوئے آیا اور ادب سے کہنے لگا:

"آقا، میرے گھر میں بھی آج صبح یہ بچّہ پیدا ہُوا ہے۔ دُعا کے لیے آپ کی خدمت میں لایا ہوں۔"

بزرجمہر نے جلدی سے اس بچّے کو گود میں لیا۔ اس کی پیشانی بھی چُومی اور کہا "ہم اس کا نام مُقبل وفادار رکھتے ہیں۔ یہ لڑکا تیراندازی کے فن میں یکتا ہو گا اور اس کی کمان سے نکلا ہوا تیر کبھی خالی نہ جائے گا۔"

بزرجمہر نے بشیر کو بھی اشرفیوں کی تھیلیاں دیں اور وہ خوشی خوشی اپنے گھر چلا گیا۔ راستے میں اس کی ملاقات اُمیہ ضمیری سے ہوئی جو اونٹ چرایا کرتا تھا۔ اُمیّہ نے دیکھا کہ بشیر بڑا خوش ہے اور اشرفیوں کی تھیلیاں ہوا میں اُچھالتا جا رہا ہے۔ حیرت سے پوچھنے لگا:

"یہ اشرفیاں کہاں سے چُرا کر لایا ہے؟ سچ سچ بتا، ورنہ ابھی جا کر خواجہ عبدُالمطّلب سے کہتا ہوں۔"

"میرے گھر میں آج لڑکا ہوا ہے۔ بزرجمہر نے اسی لیے انعام میں یہ اشرفیاں دی ہیں خواجہ عبدُالمطّلب کے ہاں بھی لڑکا ہوا ہے، بزرجمہر نے انھیں بھی بہت سی اشرفیاں دی ہیں۔ اگر تیرے گھر میں لڑکا ہوا ہے تو تو بھی اُسے وہاں لے جا۔ دیر نہ کر ورنہ اشرفیاں ختم ہو جائیں گی۔"

یہ سُن کر اُمیہ نے اونٹوں کو وہیں چھوڑا اور دوڑتا ہوا گھر کی طرف گیا۔ رات کو اس کے ہاں بھی لڑکا پیدا ہوا تھا اور لڑکے

کی ماں کچھ دیر بعد مر گئی تھی۔ اب اُمیّہ پریشان تھا کہ لڑکے کی پرورش کس طرح ہوگی، کیوں کہ اس کے پاس اتنا روپیہ نہیں تھا کہ کسی عورت کو دُودھ پلانے کے لیے رکھتا۔ گھر آ کر جلدی سے روتے ہوئے بچّے کو کپڑے میں لپیٹا اور بھاگم بھاگ خواجہ عبدالمطّلب کے پاس آیا۔

بزرجمہر نے اس لڑکے کی شکل دیکھی تو بے اختیار ہنس پڑا اور خواجہ عبدالمُطّلب سے کہا "یہ وہ بچّہ ہے جو چالاکی، پھُرتی اور عیّاری میں بے مثال ہو گا۔ بڑے بڑے بادشاہ سپہ سالار اور پہلوان اس سے ڈریں گے اور جو یہ کہے گا، وہ مانیں گے۔ ایسے ایسے حیرت انگیز اور مشکل کام یہ اکیلا ہی کرے گا جو کسی اور سے نہ ہوں گے۔ یہ امیر حمزہ پر ہر وقت اپنی جان نثار کرنے کے لیے تیّار ہو گا میں اس کا نام عَمرو رکھتا ہُوں۔ قیامت تک اسے عَمرو عیّار کہہ کر پُکارا جائے گا..."

ابھی بزرجمہر نے بات پُوری نہ کی تھی

کہ عَمرو رونے لگا اور ایسا گلا پھاڑ کر رویا کہ کوشش کے باوجود چُپ نہ ہُوا۔ آخر بزُرج مہر نے اپنی اُنگلی چوُسنے کے لیے اس کے مُنہ میں دی تب چُپ ہُوا۔ مگر اُس نے چُپکے سے بزُرج مہر کی اُنگلی سے ہیرے کی ایک قیمتی انگوُٹھی اُتار کر اپنے دائیں گال میں دبالی۔

اب خواجہ عبدُالمطّلب کے اشارے پر خادم سب کو شربت پلانے لگے۔ شربت پیتے وقت بزُرج مہر کی نظر اپنی اُنگلی پر پڑی تو انگوٹھی غائب۔ سخت پریشان ہوا کہ انگوٹھی کہاں گئی۔ اِدھر اُدھر ڈھونڈا۔ دیکھا بھالا۔ مگر کہیں پتا نہ چلا۔ آخر بے چارہ صبر کرکے خاموش ہو رہا اور انگوٹھی کے کھو جانے کا ذکر کسی سے نہ کیا۔ شربت کا پیالہ دوبارہ اُٹھا کر پینے لگا تو خیال آیا کہ چند قطرے ننھے عَمرو کے مُنہ میں بھی ٹپکائے جائیں۔ اس کا مُنہ کھولا تو دیکھا کہ دائیں گال میں انگوٹھی دبی ہُوئی ہے بزُرج مہر نے خواجہ عبدُالمطّلب کو سارا قصّہ

سنایا اور کہا:
"دیکھ لیجیے۔ یہ اس کی پہلی شرارت ہے۔"
بزرج مہر نے اشرفیوں سے بھری ہوئی کئی
تھیلیاں عمرو کے باپ اُمیّہ کو دیں اور کہا کہ
اپنے بیٹے کو لے جا اور اچھی طرح اس کی
پرورش کر۔ جب یہ اشرفیاں خرچ ہو جائیں
تو خواجہ عبدُالمطّلب سے کہنا، وہ تجھے
اور دے دیں گے۔
یہ سُن کر اُمیّہ نے ہاتھ باندھ کر ادب
سے کہا "جناب، اس کی تو ماں مر گئی ہے۔
اب مجھ سے اس کی دیکھ بھال کیسے ہو گی۔"
ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ خواجہ عبدُالمطّلب
کا خادم بشیر دوبارہ اپنے بیٹے کو لے کر
آیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے
کہنے لگا "حضور، اس بچّے کی ماں نے ابھی
ابھی انتقال کیا۔ اب بتائیے میں اسے کیسے
پالوں گا۔"
خواجہ عبدُالمطّلب بھی بول اُٹھے "میں نے
آپ کو اس لیے نہیں بتایا تھا کہ رنج ہو گا۔

ورنہ سچ بات تو یہ ہے کہ حمزہ کی ماں بھی اس کی پیدائش کے فوراً بعد مرگئی تھی۔ یہ تینوں بن ماں کے بچّے ہیں۔ کوئی ایسا انتظام ہونا چاہیے کہ ایک ہی عورت انھیں دُودھ پلائے اور ان کی پرورش کرے۔"

بزُرجمہر نے اسی وقت علمِ نجُوم کے ذریعے معلُوم کیا اور خواجہ عبدالمطّلب سے کہا: "آپ کے ملک میں معدی کرب نام کا ایک زبردست پہلوان ہے۔ اس کی ماں کا نام عادیہ ہے۔ اس عورت کے سوا ان بچّوں کو کوئی اور عورت دُودھ نہیں پلا سکتی۔ عادیہ بڑی نیک عورت ہے۔ آپ اسے بُلوا کر بچّوں کو اس کے حوالے کر دیں۔"

خواجہ عبدالمُطّلب نے اسی وقت آدمی بھیج کر عادیہ کو بُلوایا اور امیر حمزہ، عَمرو اور مُقبلِ وفادار کو اس کے سپُرد کیا۔

چھ دن بعد بزُرجمہر نے خواجہ عبدالمُطّلب سے کہا کہ آج رات آپ امیر حمزہ کا پنگوڑا اپنے مکان کی چھت پر رکھوا دیجیے۔ کوہ قاف

کے پیچھے پریوں اور دیووں کے بادشاہ کی
کومت ہے۔ اس بادشاہ کا نام شہ پال ہے
ہ امیر حمزہ کو دیکھنا چاہتا ہے۔ ڈرنے کی
ت نہیں۔ وہ امیر حمزہ کو کوئی نقصان نہ پہنچائے
گا۔ کل صبح کو آپ کا بیٹا پنگوڑے سمیت
کان کی چھت پر واپس آجائے گا۔
خواجہ عبدالمطّلب نے ایسا ہی کیا اور اگلے
وز صُبح امیر حمزہ کا پنگوڑا مکان کی چھت پر
کھوادیا اور سب سے کہہ دیا کہ خبردار کوئی
شخص چھت پر نہ جائے۔

اب تھوڑا سا حال دیووں اور پریوں کے
بادشاہ شہ پال کا سُنیئے۔ وہ حضرت سلیمان
کے تخت پر بیٹھا حکومت کرتا تھا۔ اٹھارہ
بادشاہ اسے خراج ادا کرتے اور اس کا
حکم مانتے تھے۔ اس کے علاوہ لاکھوں جن
پریاں اور دیو اس کے غُلام تھے۔ اس کی
قوّت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا لیکن ان تمام باتوں
کے باوجُود وہ کسی پر ظُلم نہ کرتا۔ ہر ایک

سے انصاف کرتا۔ وہ بڑا نیک اور عبادت گزار بادشاہ تھا۔

ایک دن بادشاہ شہ پال کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام آسمان پری رکھا گیا۔ بادشاہ نے اپنے سب سے بڑے وزیر عبدالرحمان کو طلب کیا اور کہا کہ اس لڑکی کی قسمت کا حال بتاؤ۔ عبدالرحمان نے علم نجوم کے ذریعے لڑکی کی قسمت کا حال معلوم کیا اور بادشاہ سے کہا:

"حضور! یہ لڑکی بڑی مبارک قدم ہے اور خوش نصیب بھی۔ آپ کے بعد یہ اٹھارہ برس تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کرے گی اور کسی کو سر اٹھانے کا موقع نہ دے گی۔ مگر اٹھارہ برس کے بعد اسے ایک پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دوسرے بادشاہ اور سردار سب اس کے دشمن ہو جائیں گے اور چاروں طرف سے حملہ کر کے اس کا تخت چھین لیں گے۔ تب ایک آدم زاد یہاں آئے گا۔ وہ شہزادی کے دشمنوں سے

جنگ کر کے سب کو موت کے گھاٹ اُتارے
گا اور تخت دوبارہ شہزادی کو ملے گا۔"
بادشاہ شہ پال یہ سُن کر خوش ہُوا اور عبدالرحمان
سے کہنے لگا: "اب یہ معلوم کرو کہ وہ آدم زاد
پیدا ہُوا یا نہیں؟ اگر پیدا ہُوا تو کس
مُلک میں ہے؟"
عبدالرحمان نے دوبارہ حساب لگایا اور خوش
ہو کر بولا:
"جہاں پناہ، مُبارک ہو۔ مُلکِ عرب کے
ایک شہر میں خواجہ عبدُالمطّلب کے گھر وہ
لڑکا پیدا ہو چکا ہے اور ابھی ابھی اس کا
پنگوڑا مکان کی چھت پر رکھا گیا ہے۔"
بادشاہ نے تالی بجائی۔ فوراً پریوں کا ایک
گروہ حاضر ہُوا۔ بادشاہ نے حُکم دیا:
"ابھی مُلکِ عرب کے شہر مکّے جاؤ ——
خواجہ عبدُالمطّلب کے مکان کی چھت پر پنگوڑا
رکھا ہوگا۔ اس میں ایک بچّہ لیٹا ہوا ہے
اسے حفاظت سے یہاں لے آؤ۔"
پریاں سلام کر کے رخصت ہوئیں اور پلک

جھکتے میں امیر حمزہ کا پنگوڑا بادشاہ شہ پال کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ ایک نہایت خوب صورت لڑکا لیٹا انگوٹھا چوس رہا ہے۔ اُسے محبت سے اٹھایا پیشانی چومی، سلیمانی سُرمہ منگوا کر بچّے کی آنکھوں میں لگایا اور کہا "یہ بچّہ جوان ہو کر ایسا شہ زور اور بہادر نکلے گا کہ کسی سے خوف نہ کھائے گا بلکہ سب اس سے ڈریں گے" عبدالرحمان نے کہا "حضور نے سچ کہا اور اب میرا علم بتاتا ہے کہ اس بچّے کی شادی بھی آپ کی بیٹی شہزادی آسمان پری سے ہوگی"

اب تو بادشاہ شہ پال کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ بار بار امیر حمزہ کو سینے سے لگا کر پیار کرتا۔ حکم دیا کہ ایک نیا پنگوڑا اس بچّے کے لیے بنایا جائے۔ وہاں کیا دیر تھی، چند لمحوں میں ایک خوب صورت پنگوڑا آگیا۔ اس کے پائے زمرد اور پٹیاں یاقوت کی تھیں اور طرح طرح کے سینکڑوں ہیرے جواہرات

اس کے چاروں طرف جھالر میں لگائے گئے تھے۔ شہ پال نے امیر حمزہ کو اس پنگوڑے میں لٹایا اور بہت سے ہیرے جواہرات ریشم میں لپیٹ کر امیر حمزہ کے سرہانے رکھے۔ اس کے بعد پریوں کو حکم دیا گیا کہ یہ پنگوڑا جہاں سے لایا گیا ہے، وہیں لے جا کر رکھ دیا جائے۔ پریوں نے امیر حمزہ کا پنگوڑا دوبارہ ان کے مکان کی چھت پر لے جا کر رکھ دیا۔

دوسرے دن صبح کو خواجہ عبدالمطلب مکان کی چھت پر گئے تو ایک نیا پنگوڑا نظر آیا۔ امیر حمزہ اس میں لیٹے تھے۔ انھوں نے والد کی صورت دیکھی تو لگے کلکاریاں مارنے۔ خواجہ عبدالمطلب پنگوڑے کو دیکھ کر حیران ہوئے لیکن کسی سے کچھ نہ کہا۔ ہاں بزرجمہر سے ضرور ذکر کیا۔ اس نے بھی پنگوڑا دیکھا اور کہا کہ یہ کوہ قاف کے بادشاہ شہ پال نے امیر حمزہ کے لیے بنوایا ہے۔ آپ اسی میں اپنے

بیٹے کو لٹایا تھا۔

چند دن بعد بزرجمہر نے خواجہ عبدالمطلب سے اجازت لی اور ایران کی طرف روانہ ہوا۔

عمرو کی شرارتیں

امیر حمزہ، مقبل وفادار اور عمرو تینوں لڑکے
اب عادیہ اور خواجہ عبدالمطلب کی نگرانی میں
پرورش پانے لگے۔ اسی طرح دو سال گزر گئے۔
تینوں بچے اب گھٹنیوں چلنے لگے تھے۔ عمرو نے
یہ کام شروع کیا کہ چپکے سے پاس پڑوس
کی عورتوں کے زیور چراتا اور عادیہ کے
صندوقچے میں چھپا دیتا۔ بے چاری عورتیں شور
مچاتیں کہ ہمارا زیور چوری ہو گیا۔ کوئی کہتی
میری انگوٹھی گم ہو گئی اور کوئی کہتی کہ کان
کی بالی کسی نے اتار لی۔ جب تلاش کرتیں
تو ساری چیزیں عادیہ کے صندوقچے سے نکل
آتیں۔ وہ شرمندہ ہوتی اور قسمیں کھاتی کہ میں
نے یہ زیور نہیں چرائے۔ مگر کسی کو عادیہ

اس قسم کا یقین نہ آتا۔ آخر وہ سب میں چور مشہور ہو گئی۔

پانچ سال کی عمر تک عمرو ایسی ہی شرارتیں اور چوریاں کرتا رہا۔ اپنے سے دگنی عمر کے بچوں سے لڑ پڑتا۔ کبھی خود پٹتا اور کبھی ان کو لہو لہان کر کے آتا۔ اس کی شرارتوں کی وجہ سے سب پریشان تھے مگر خواجہ عبدالمطلب کی وجہ سے اس کو کوئی کچھ نہ کہتا تھا۔

ایک دن بڑھیا نے خواجہ عبدالمطلب سے کہا "تینوں لڑکے بڑے ہو گئے ہیں۔ اب ان کی پڑھائی لکھائی کا بندوبست کیا جائے۔" یہ تجویز خواجہ عبدالمطلب کو پسند آئی۔ محلے میں ایک چھوٹا سا مدرسہ تھا جہاں ایک موٹا تازہ بدصورت استاد بچوں کو پڑھایا کرتا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ جو بچہ سبق یاد نہ کرتا اسے بے دردی سے مارتا پیٹتا۔ اس کے علاوہ وہ بچوں سے اپنے گھر کے تمام کام بھی کرایا کرتا تھا۔

خواجہ عبدالمطلب تینوں لڑکوں کو صاف ستھرے

کپڑے پہنا کر مدرسے میں لے گئے اور اُستاد کے حوالے کر دیا۔ اس روز تمام بچّوں میں مٹھائی بانٹی گئی۔ اُستاد نے پہلے امیر حمزہ اور مُقبل وفادار کو سبق پڑھایا اور اُنھوں نے فوراً سبق پڑھ کر یاد کر لیا۔ اب عمرو کی باری آئی۔ اُستاد نے اس دُبلے پتلے لڑکے کو دیکھا۔ اسے اس لڑکے کی آنکھوں اور چہرے پر شرارت کے آثار نظر آئے، لیکن عمرو ادب سے گردن جُھکائے بیٹھا رہا آخر اُستاد نے کہا:

"پڑھو بیٹا الف"

عمرو نے بھی کہا "پڑھو بیٹا الف"

یہ سُن کر سب لڑکے ہنسے۔ اُستاد نے اُنھیں زور سے ڈانٹا پھر عمرو کی طرف دیکھ کر کہا:

"کہو بیٹا، الف"

"کہو بیٹا الف" عمرو نے بھی اسی طرح اُستاد کی نقل اُتاری۔ اب تو اُستاد سخت ناراض ہُوا۔ سمجھ گیا کہ لڑکا بے حد شریر ہے۔

جی چاہا کہ بید مارے مگر کچھ سوچ کر نرمی سے کہا: "ہاں، کہو الف۔"

"ہاں، کہو الف" عمرو نے کہا اور شرارت سے اُستاد کی طرف دیکھ کر ہنس پڑا۔

یہ حرکت اُستاد کو طیش میں لانے کے لیے کافی تھی۔ اُس نے اُلٹے ہاتھ کا ایسا طمانچہ عمرو کے گال پر مارا کہ وہ لڑھکتا ہُوا دُور جا گرا۔ پھر جو اس نے حلق پھاڑ کر رونا شروع کیا ہے تو ایک گھنٹے تک روتا رہا۔ آخر اس کے رونے سے اُستاد بھی تنگ آ گیا اور لگا خوشامد کرنے۔ مگر وہ جتنی خوشامد کرتا، عمرو کے رونے کی آواز اتنی اُونچی ہو جاتی۔ آخر اُستاد نے امیر حمزہ اور مُقبل وفادار سے کہا:

"تم اپنے اس دوست کو سمجھاؤ۔ اِس نے رو رو کر سارا مدرسہ سر پر اُٹھا لیا ہے۔ راہ چلتے لوگ بھی کھڑے ہو گئے ہیں اور میری طرف گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں۔ اگر عمرو چُپ نہ ہُوا تو لوگ مجھے آ کر ماریں

گے اور اپنے بچّوں کو بھی مدرسے سے اُٹھا کر لے جائیں گے۔"

اُستاد کے کہنے سے امیر حمزہ اور مُقبل نے عمرو کو سمجھایا۔ تب اس نے رونا بند کیا اور ایک کونے میں بیٹھ کر دُوسرے بچّوں کا مُنہ چِڑانے لگا۔ بچّوں نے اُستاد سے شکایت کی کہ عمرو ہمارا مُنہ چِڑاتا ہے اُستاد اسے مارنے کے لیے اُٹھا تو عمرو نے چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر اُستاد دانت پیستا ہوا اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

کئی دن گزر گئے۔ عمرو نے اُستاد کی کوشش کے باوجود سبق نہ پڑھا بلکہ ایسی شرارتیں کیں کہ امیر حمزہ، مُقبل وفادار اور دُوسرے بچّوں کی پڑھائی میں بھی رکاوٹ ڈال دی۔ مدرسے کے بچّوں نے جب دیکھا کہ عمرو کو شرارتوں پر کوئی سزا نہیں ملتی تو وہ بھی اس کی دیکھا دیکھی گستاخ اور شریر ہو گئے۔ اب تو اُستاد سخت پریشان ہُوا۔

سیدھا خواجہ عبدالمطّلب کے پاس پہنچا اور کہنے لگا:

"جناب، اُمیّہ کا بیٹا عمرو بڑا شریر ہے۔ اس نے شرارتیں کر کر کے مجھے پاگل کر دیا ہے۔ خود پڑھتا ہے نہ دوسروں کو پڑھنے دیتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اُسے نہ بھیجا کریں۔"

غریب اُستاد کی فریاد سُن کر خواجہ عبدالمطّلب اُٹھے اور اُن کے ساتھ مدرسے میں آئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ عمرو ادب سے بیٹھا سبق یاد کر رہا ہے۔ انھوں نے اُستاد سے کہا:

"آپ تو کہتے تھے کہ عمرو خود پڑھتا ہے نہ کسی کو پڑھنے دیتا ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ وہ تو سبق یاد کر رہا ہے۔"

"جناب، حال ہی میں اس کا شرارت سے جی بھر گیا تو جھوٹ موٹ سبق یاد کرنے لگا۔ آپ لڑکوں سے پوچھ لیجیے وہ کیسی کیسی شرارتیں کرتا ہے۔"

خواجہ عبدالمطّلب نے لڑکوں سے عمرو کے

بارے میں پُوچھا۔ سب نے کہا کہ یہ بہت شیطان ہے۔ سوائے کھیل کُود اور مار دھاڑ کے کچھ نہیں کرتا۔

اب تو خواجہ صاحب کو بھی غُصّہ آیا۔ دو تھپّڑ عمرو کے مارے اور اسے مدرسے سے گھسیٹ کر لے جانا چاہا۔ مگر امیر حمزہ اور مُقبل وفادار خواجہ صاحب کی ٹانگوں سے لپٹ گئے اور رو رو کر کہنے لگے:

"اگر آپ ہمارے بھائی عمرو کو لیے جاتے ہیں تو ہم بھی نہیں پڑھیں گے۔"

خواجہ صاحب نے امیر حمزہ اور مُقبل وفادار کو بڑا سمجھایا لیکن وہ عمرو سے الگ ہونے کے لیے کسی طرح آمادہ نہ ہوتے۔ آخر مجبُور ہو کر انھوں نے اُستاد سے کہا کہ اب کیا کیا جائے۔ یہ لڑکے تو رو رو کر ہلکان ہوئے جاتے ہیں۔ عمرو کان دبائے الگ کھڑا تھا۔ خواجہ عبدالمطّلب نے اس سے کہا:

"عمرو شرارتیں چھوڑ دے اور بھلا آدمی بن جا، ورنہ مار مار کر چمڑی اُدھیڑ دُوں گا۔"

عمرو نے اپنے اُستاد اور خواجہ صاحب سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ آیندہ شرارت نہ کروں گا اور پڑھنے لکھنے میں دھیان دوں گا۔ خواجہ چلے آئے۔

کئی دن خیریت سے گزر گئے۔ عمرو نے کوئی شرارت نہ کی بلکہ محنت سے سبق یاد کیا۔ اُستاد کو اطمینان ہو گیا کہ اب یہ شرارت نہیں کرے گا۔ مگر اس بے چارے کو کیا خبر کہ عمرو دل ہی دل میں نئی نئی شرارتیں سوچ رہا ہے۔

مدرسے میں پڑھنے والے لڑکے اپنے گھروں سے کھانا لاتے اور جب دوپہر کو دو گھنٹے کی چھٹی ملتی تو ایک گھنٹے تک سوتے اور جاگنے کے بعد کھا کر پھر پڑھائی میں لگ جاتے۔ ایک دن عمرو نے یہ حرکت کی کہ لڑکوں کو خراٹے لیتا دیکھ کر اُٹھا۔ سب کا کھانا اُستاد کے حُجرے میں اس کے بستر کے پیچھے چھپا کر چلا آیا اور خود بھی سو گیا۔ ایک گھنٹے بعد لڑکے جاگے اور انھوں نے کھانا تلاش کیا تو سب برتن غائب۔ انھوں نے اُستاد سے

سے شکایت کی۔ وہ بڑا حیران ہُوا۔ کہنے لگا "یہ عمرو کی شرارت ہے۔ اس کے علاوہ ایسی حرکت کوئی نہیں کر سکتا۔" لیکن عمرو کہنے لگا "مجھے کیا خبر۔ میں تو سو رہا تھا۔" پھر اس نے لڑکوں سے کہا کہ اُستادِ صاحب کی کوٹھڑی میں دیکھو۔ کھانا وہیں ملے گا۔ یہ کہہ کر خود بھی اُٹھا اور اور سیدھا اُستاد کی کوٹھڑی میں جا گھسا۔ لڑکے اس کے ساتھ ساتھ تھے۔ اِدھر اُدھر سامان الٹ پلٹ کر کے اُستاد کا بستر دیکھا بھالا تو کھانے سے بھرے ہوئے سب برتن وہاں موجود تھے لڑکوں نے یہ دیکھ کر شور مچایا کہ اُستاد خود چوری کرتے ہیں اور دُوسروں کا نام لگاتے ہیں — لڑکوں کا شور سُن کر چند راہ گیر بھی آ گئے اور انھوں نے پُوچھا کیا بات ہے؟ عمرو جھٹ سے بول اُٹھا:

"ہمارے اُستاد بھی عجیب آدمی ہیں۔ خود لڑکوں کا کھانا چُرا کر اپنے بستر میں چھپا دیتے ہیں اور نام میرا لیتے ہیں کہ میں نے یہ حرکت کی ہے۔"

بے چارہ اُستاد ہکّا بکّا کھڑا عمرو کی شکل

دیکھ رہا تھا۔ راہ گیروں نے بھی اسے شرمندہ کیا اور کہا " اُستاد ہی چوری کرے گا تو شاگرد تو پکے ڈاکو نکلیں گے۔"

اُستاد نے قسمیں کھائیں کہ کھانا میں نے ہرگز نہیں چُرایا اور یہ عمرو کی شرارت ہے مگر کسی نے اس کا اعتبار نہ کیا۔ آخر وہ طیش میں آیا اور بید لے کر عمرو کی طرف لپکا۔ ابھی تین چار بید ہی مارے تھے کہ عمرو نے اپنا قصور مان لیا اور کہا " یہ حرکت میں نے ہی کی تھی۔"

عمرو اب اُستاد کا دُشمن ہو گیا اور ہر وقت بدلہ لینے کی فکر میں لگا رہتا۔ ایک دن موقع مِل گیا۔ چپکے سے اُستاد کی قیمتی پگڑی اٹھائی اور سیدھا حلوائی کی دُکان پر پہنچا۔ اس سے کہا کہ اُستاد نے اپنی پگڑی بھیجی ہے اور کہا ہے کہ پانچ روپے کی مٹھائی دے دو۔ کل پیسے دے کر پگڑی واپس منگوا لوں گا۔ حلوائی نے پگڑی لے کر مٹھائی ایک ٹوکری میں رکھی اور عمرو کے حوالے کی۔ عمرو ٹوکری لے کر مدرسے میں آیا دوپہر ہو چکی تھی۔ سب لڑکے اور اُستاد گھری

نیند سو چکے تھے۔ عمرو نے ٹوکری اُستاد کے سرہانے رکھی اور خود بھی سو گیا۔

تیسرے پہر آنکھ کھلی تو اُستاد نے اپنے سرہانے مٹھائی کی ٹوکری دیکھی۔ قریب ہی عمرو بیٹھا تھا، اس سے پوچھا۔ "کیوں عمرو، تمھیں معلوم ہے یہ ٹوکری کون لایا ہے؟"

"جناب، میرے والد لائے تھے۔ بہت دیر بیٹھے رہے مگر آپ سو رہے تھے۔ آخر مجھ سے کہہ کر چلے گئے کہ اپنے اُستاد کی خدمت میں پیش کر دینا۔"

یہ سُن کر اُستاد صاحب بہت خوش ہوئے ٹوکری کھولی تو مُنہ میں پانی بھر آیا۔ انھوں نے ایک ایک دانہ لڑکوں کو دیا اور دو تین دانے خود کھا کر ٹوکری اپنی کوٹھڑی میں لے جا کر رکھ دی کہ شام کو گھر لے جائیں گے۔

شام ہوئی تو اُستاد صاحب نے لڑکوں کو چھٹی دے دی اور خود بھی گھر جانے کی تیاری کرنے لگے۔ مگر اب جو پگڑی تلاش کرتے ہیں تو کہیں نہیں ملتی۔ اِدھر ڈھونڈا اُدھر دیکھا،

مگر پگڑی کہیں نظر نہ آئی۔ بڑے پریشان ہوئے
لڑکوں کو پہلے ہی چھٹی دے چکے تھے، پوچھتے
کس سے۔ آخر ایک چادر سر سے لپیٹی اور
گھر کی طرف چلے۔ مٹھائی کی ٹوکری ہاتھ میں
تھی۔ بازار میں سے گزرے تو حلوائی نے آواز
دی:

"جناب اُستاد صاحب، اِدھر تشریف لائیے
آپ سے ایک بات کہنی ہے۔"

"کیا بات ہے؟" اُستاد نے حلوائی سے پوچھا۔
حلوائی نے پگڑی نکال کر سامنے رکھی اور
کہنے لگا: "حضور، آپ پر ہمیں پورا پورا
اعتبار ہے۔ پگڑی بھیجنے کی کیا ضرورت تھی
جب چاہے مٹھائی منگا لیا کیجیے۔"

اُستاد صاحب نے اپنی پگڑی دیکھی تو اُن
کا خون کھول اُٹھا۔ کہنے لگے:

"بھائی، یہ تو بتاؤ کہ پگڑی تمہارے پاس
کون لایا تھا اور تم نے مٹھائی کتنے کی دی
تھی؟"

"جناب، آپ کا ایک شاگرد پگڑی لایا۔ اس

کا نام شاید عمرؔو ہے۔ اُمیّہ کا لڑکا ہے۔ پانچ روپے کی مٹھائی ٹوکری میں بندھوا کر لے گیا تھا۔"

اُستاد نے کچھ اور نہ کہا۔ جیب سے پانچ روپے نکال کر حلوائی کو دیے، پگڑی سر پر رکھی اور دل ہی دل میں عمرؔو کو کوستے ہوئے گھر پہنچے۔

ساری رات غم اور غصّے کے مارے اُستاد کو نیند نہ آئی۔ کئی بار بیوی نے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے۔ لیکن انھوں نے کچھ نہ بتایا۔ اگر اس وقت عمرؔ ان کے ہاتھ لگ جاتا تو نہ جانے اُس کے ساتھ کیا سلوک کرتے۔ رہ رہ کر دانت پیستے اور بڑبڑاتے تھے:

"ٹھہر جا، بچّو، جاتا کہاں ہے۔ صُبح مدرسے میں کسی طرح آجا۔ پھر تیری وہ دُرگت بناؤں کہ ساری عُمر یاد رکھے۔"

عمرؔو سے انتقام لینے کی دُھن میں اُستاد مُنہ اندھیرے مدرسے میں آپہنچے۔ آہستہ آہستہ سب لڑکے بھی آتے۔ پھر خواجہ عبدُالمُطّلب کے ساتھ امیر حمزہ مقبل وفادار اور عمرؔو بھی آتے دِکھائی دیے۔

خواجہ صاحب کے اشارے پر عمرو نے جُھک کر اُستاد کے پاؤں پکڑ لیے اور اپنی خطا کی معافی مانگی۔ خواجہ عبدُالمُطّلِب نے جیب سے دس روپے نکال کر اُستاد کو دیے اور کہا: "پانچ روپے مٹھائی کے اور پانچ روپے میری جانب سے قبول فرمایئے۔ میں حمزہ کی سفارش پر آیا ہوں۔ عمرو نے سارا قِصّہ اپنے دوستوں کو سُنایا، انھوں نے مجھ سے کہا کہ اب اُستاد عمرو کی بُری طرح ٹھکائی کریں گے، اس لیے میں ساتھ چل کر عمرو کو معافی دلا دُوں۔ اسے معاف کر دیجیے۔ آیندہ شرارت کرے گا تو میں خود اس کی ہڈیاں توڑ دوں گا۔" غرض انھوں نے ایسی باتیں کیں کہ اُستاد کا سارا غصّہ جاتا رہا۔ انھوں نے عمرو کو معاف کیا اور کہا اس دفعہ خواجہ صاحب کی سفارش پر سزا دیے بغیر چھوڑ دیتا ہُوں لیکن آیندہ ہرگز معاف نہ کروں گا۔

پندرہ روز گزر گئے عمرو نے اس دوران میں کوئی شرارت نہ کی، بلکہ ایسا نیک اور سیدھا

بن گیا کہ اُستاد کو اس کی یہ حالت دیکھ کر حیرت ہُوئی۔ شرارت کرنا تو ایک طرف رہا وہ دُوسرے شریر بچّوں کو بھی روکتا تھا۔ اب اُستاد اس سے بہت خُوش ہُوئے اور انھوں نے آہستہ آہستہ عمرو سے اپنے گھر کے کام لینے شرُوع کیے۔

ایک دن کسی لڑکے کا باپ نہایت عمدہ کھانا پکوا کر اُستاد کے لیے لایا۔ اُستاد نے عمرو کو بلایا اور کہا "عمرو، اِدھر آ، دیکھ یہ کپڑے میں بندھی ہُوئی ایک ٹوکری ہے، اسے ہمارے گھر لے جا۔ خبردار، راستے میں ہرگز نہ کھولنا۔ اس میں مُرغا بند ہے اگر تُو نے کھولا تو نکل کر بھاگ جائے گا۔"

"جناب، میں اتنا بے وقوف نہیں ہُوں کہ ٹوکری کھول کر مُرغے کو بھگا دُوں۔" عمرو نے نے جواب دیا۔ "آپ اطمینان رکھیے۔ میں یہ سامان حفاظت سے آپ کے گھر پہنچا دُوں گا۔"

یہ کہہ کر باہر نکلا اور اُستاد کے گھر کی

طرف چلا۔ کچھ دُور جا کر اس نے ٹوکری کھولی۔ کھجوروں کے حلوے اور بُھنے ہُوئے گوشت کی خوشبُو ناک میں پہنچی۔ بے چین ہو گیا۔ سوچے سمجھے بغیر سارا کھانا جھٹ پٹ ہڑپ کیا۔ کچھ ہڈیاں بوٹیاں باقی بچیں تو وہ آوارہ کُتّوں کے آگے ڈالیں۔ پھر ٹوکری کو اُسی طرح کپڑے میں باندھا اور اُستاد کے گھر کا دروازہ جا کھٹکھٹایا۔ اُستاد کی بیوی دروازے پر آئی اور پُوچھنے لگی:

"اے لڑکے کہاں سے آیا ہے اور تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟"

"امّاں جان، میں مدرسے سے آیا ہوں۔ عمرؔو میرا نام ہے۔ اُستاد نے یہ کھانا بھیجا ہے اور کہا ہے کہ جب تک میں نہ آجاؤں ' اسے ہرگز نہ کھولنا۔ اور ہاں ' انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ آج شام کا کھانا پکانے کی ضرورت نہیں۔"

اُستاد کی بیوی نے ہاتھ بڑھا کر ٹوکری لے لی۔ عمرؔو نے سلام کیا اور چلا آیا۔ مدرسے

میں پہنچ کر اُستاد سے کہا کہ ٹوکری گھر پہنچا دی ہے۔
"تو نے اُسے کھولا تو نہیں تھا؟" اُستاد نے عمرو کی طرف غور سے دیکھ کر پُوچھا۔
"نہیں جناب، میں بھلا کیوں کھولتا۔" عمرو نے معصوم چہرہ بنا کر جواب دیا۔
"اچھا آج تیری چھٹی۔" اُستاد نے کہا اور عمرو اُچھلتا کُودتا باہر چلا گیا۔
شام کو اُستاد نے وقت سے کچھ پہلے ہی لڑکوں کو چھٹی دے دی اور خود مزے دار کھانے کی دُھن میں جلدی جلدی گھر پہنچے۔ بُھوک کے مارے بُرا حال تھا۔ بیوی سے پُوچھا:
"آج کیا پکایا ہے؟"
"کچھ نہیں پکایا۔ تُم نے کہلا بھیجا تھا کہ آج کچھ مت پکانا۔"
"میں نے کہلا بھیجا تھا؟" اُستاد نے حیرت سے کہا۔
"اُفوہ، تُم بھی عجیب باتیں کرتے ہو۔ خُود ہی تو عمرو کو ٹوکری دے کر بھیجا اور کہلایا کہ کھانا

مت پکاتا اور اب ایسی اُلٹی بات کر رہے ہو۔"

اُستاد نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ سمجھ گئے کہ عمرو نے شرارت کی ہے۔ مگر اِس جھوٹ میں فائدہ ہی رہا۔ کھانا پکتا تو خواہ مخواہ ضائع جاتا۔ ٹوکری خاصی بھاری ہے۔ اس میں ضرورت سے زیادہ کھانا ہوگا۔

"اچھا، تم اس ٹوکری میں سے کھانا نکال کر گرم کرو۔ میں اِتنے میں ہاتھ مُنہ دھو لوں۔" اُستاد نے کہا۔

"تُم خود ہی گرم کرلو۔" بیوی نے ناراض ہو کر کہا "میں تو ٹوکری کو ہاتھ تک نہ لگاؤں گی، تُم نے یہ کیوں کہلایا تھا کہ میرے آنے سے پہلے ٹوکری ہرگز نہ کھولی جائے؟ کیا میں اتنی ندیدی ہوں کہ کھانا چُرا کر کھا جاتی؟"

"تُم سمجھتی تو ہو نہیں۔ بے کار لڑتی ہو۔" اُستاد نے جھلا کر کہا۔ "وہ تو میں نے ایک چال چلی تھی۔ تمھیں معلوم ہے کہ عمرو کیسا شریر ہے۔ راستے میں ٹوکری ضرور کھولتا اور کھانا

ہڑپ کر جاتا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ ٹوکری میں مُرغا بند ہے۔ اگر اسے کھولا تو مُرغا نکل کر بھاگ جائے گا۔"

یہ کہہ کر اُستاد نے ٹوکری اُٹھائی تو وزن میں کچھ ہلکی محسوس ہُوئی۔ دل دھک دھک کرنے لگا۔ کانپتے ہاتھوں سے اس پر بندھا ہوا کپڑا کھولا اور برتن دیکھے تو سب خالی ــــــ اپنا سر پیٹ لیا اور برتن اس زور سے اُٹھا کر دیوار پر مارے کہ کچی دیوار دھڑام سے گر گئی۔ پڑوسیوں نے سمجھا کہ زلزلہ آ گیا۔ سب چیختے چلّاتے باہر گلی میں نکل آئے۔ آخر اُستاد نے انھیں بتایا کہ زلزلہ نہیں آیا۔ خالی برتن دیوار پر دے مارے تھے۔ اس سے دیوار گر گئی۔

اُس وقت تک بازار بھی بند ہو چکا تھا، ورنہ کھانا بازار سے آ جاتا۔ ساری رات بیچارے اُستاد بھوک سے بلبلاتے اور عمرو کو بُرا بھلا کہتے رہے۔

دن نکلا تو اُستاد بازار سے ناشتا کر کے مدرسے گئے۔ دیکھا کہ عمرو سب سے پہلے آیا

ہُوا ہے اور مدرسے میں جھاڑو دے رہا ہے
اُس نے اُستاد کو دیکھ کر ادب سے سلام کیا
اور اُن کے جُوتے اُتارنے کو دوڑا۔ اُستاد نے
عمرو کے کان پکڑ کر کہا:
"کل تُو نے مجھے بھُوکا مارا۔ سارا کھانا کھا گیا
اور خالی برتن میرے گھر دے آیا۔"
"جناب، میں نے تو کچھ نہیں کھایا۔" عمرو نے
جواب دیا۔ "آپ ہی نے تو فرمایا تھا کہ ٹوکری
ہر گز نہ کھولنا۔ اس میں مُرغا بند ہے۔ بھاگ
جائے گا۔ کیا میں مُرغے کو کچّا چبا گیا؟"
اُستاد نے دل میں سوچا کہ یہ لڑکا میرے
بس کا نہیں۔ میں اسے پڑھانے سے باز آیا۔
ابھی جا کر خواجہ صاحب سے کہتا ہوں کہ اسے
مدرسے نہ بھیجا کریں۔ یہ فیصلہ کر کے وہ
اُٹھے اور خواجہ عبدالمطّلب کے مکان کا رُخ
کیا۔
عمرو سمجھ گیا کہ اُستاد خواجہ صاحب سے
شکایت کرنے جا رہے ہیں۔ وہ بھاگا بھاگا
امیر حمزہ کے پاس پہنچا اور بولا۔ "میں تو

یہاں سے بھاگتا ہوں۔ اب گھر نہیں جاؤں گا زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔"

امیر حمزہ اور مقبل وفادار یہ سن کر رو پڑے انھیں عمرو سے بڑی محبّت تھی اور ایک لمحے بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ کہنے لگے:

"عمرو، اگر تو شہر چھوڑ کر جاتا ہے تو ہم بھی تیرے ساتھ چلیں گے۔"

یہ کہہ کر دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے ساتھ دس بارہ لڑکے اور بھی اُٹھے اور یہ گروہ شہر سے نکل کر پہاڑوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک سنسان پہاڑ کے غار میں سب لڑکے چھپ کر بیٹھ گئے۔ جب شام قریب آئی اور سورج مغرب کی طرف جھکنے لگا تو بھوک کے مارے سب کا بُرا حال ہوا۔ امیر حمزہ نے عمرو سے کہا:

"یار، تیری وجہ سے ہم یہاں آ گئے اور تو اطمینان سے بیٹھا ہے۔ ہمارے کھانے پینے کا کچھ انتظام کر۔"

"یہ کون سی بڑی بات ہے۔" عمرو نے کہا: "میں ابھی شہر جا کر کھانا لاتا ہوں" اور وہ غار سے نکل کر دوڑتا ہوا شہر کی جانب چلا۔ ایک قصائی کی دُکان کے پچھواڑے چھیچھڑے اور ہڈیاں پڑی تھیں۔ اس ڈھیر میں سے اُونٹ کی ایک باریک آنت تلاش کی اور زُبیدہ نام کی ایک بُڑھیا کے مکان پر پہنچا۔ اس بُڑھیا نے بُہت سی مُرغیاں پال رکھی تھیں اور ان کے انڈے بیچ کر گزر اوقات کرتی تھی۔

عمرو دیوار پر چڑھ کر صحن میں کُود گیا۔ کچھ فاصلے پر کئی مُرغیاں دانہ دُنکا چُگ رہی تھیں اور بُڑھیا پیٹھ پھیرے بیٹھی تھی۔ عمرو دبے پاؤں مُرغیوں کے قریب گیا اور اُونٹ کی لمبی آنت کے ایک سرے پر گرہ لگا کر مُرغیوں کی طرف پھینکی۔ آنت کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں پکڑے رکھا۔ ایک مُرغی دانہ چُگتے چُگتے اِدھر آئی اور آنت کو نگلنے کی کوشش کرنے لگی عمرو نے جھٹ آنت کا دوسرا سرا اپنے مُنہ میں دبایا اور پھُونک ماری۔ آنت میں ہوا بھری

تو وہ پھول گئی اور گرہ کا پھندا مُرغی کے گلے میں اٹک گیا۔ مُرغی کے گلے سے آواز تک نہ نِکلی۔ عمرو نے بڑھ کر اُسے پکڑا اور قمیص کے نیچے چھُپا کر دیوار پھاند کر باہر نِکل گیا۔ پھر مکان کے پچھواڑے جا کر چار پانچ پتھر صحن میں پھینکے بُڑھیا گھبرا کر مکان سے باہر نِکلی۔ عمرو پھر مکان میں کوُدا اور انڈوں کی ایک ٹوکری اُٹھا کر بھاگ گیا۔

یہاں سے وہ سیدھا ایک کبابی کی دُکان پر پہنچا۔ مُرغی اور انڈے اس کے حوالے کیے اور کہا:

"اس مُرغی کے کباب اور ان انڈوں کا حلوا جلدی تیاّر کر دے۔ دو رُوپے کی روٹیاں اور کُلچے بھی لگا دے۔ میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ خواجہ عبدُالمُطلِب کے ہاں چند مہمان آ گئے ہیں۔ ان کی دعوت کرنی ہے۔ اپنا ایک نوکر میرے ساتھ بھیج دے۔ وہ پیسے لے کر آ جائے گا۔"

بے چارے کبابی نے خواجہ عبدُالمُطلِب کا

نام سن کر سب کام چھوڑا اور جلدی جلدی مرغی ذبح کرکے اس کے کباب بنائے۔ پھر انڈوں کا حلوا تیار کیا۔ روٹیاں اور کلچے اس کے پاس پہلے سے تیار تھے۔ سارا کھانا ایک بڑے سے تھال میں لگا کر اپنے نوکر کے سر پر رکھوایا اور کہا کہ اس لڑکے کے ساتھ خواجہ عبدالمطلب کے گھر چلا جا۔ کھانا وہاں دے کر جتنے پیسے وہ دیں، لے کر آ جانا۔

عمرو جب خواجہ عبدالمطلب کے گھر کے قریب پہنچا تو نوکر سے کہا:

مہمان دیوان خانے میں بیٹھے ہیں۔ لا کھانے کا تھال میرے سر پر رکھ دے اور تو خود مکان کے پچھلے دروازے سے اندر چلا جا۔ وہاں خواجہ صاحب ہوں گے۔ ان سے پیسے لے لینا۔"

نوکر نے ایسا ہی کیا۔ عمرو نے دوڑ لگائی اور غار میں آ کر دم لیا۔ سب لڑکوں نے مزے دار کھانا خوب پیٹ بھر کر کھایا اور اطمینان سے پیر پھیلا کر سو گئے۔

اب ذرا اُدھر کی سُنیے کہ خواجہ عبدُالمُطّلِب کے گھر میں کیا ہُوا۔

اُستاد خواجہ کے پاس بیٹھا رو رو کر اپنی داستان سُنا رہا تھا اور خواجہ صاحب غصّے سے کانپ رہے تھے کہ اتنے میں مُرغیاں بیچنے والی بُڑھیا بھی آ پہنچی اور شکایت کی کہ اُمیّہ کا بیٹا عمرو میرے گھر میں آن کُودا اور ایک مُرغی اور انڈوں کی ٹوکری اُٹھا کر بھاگ گیا۔ خواجہ عبدُالمُطّلِب نے مُرغی اور انڈوں کی قیمت بُڑھیا کے حوالے کی اور ابھی وہ دُعائیں دیتی ہوئی گھر سے باہر نکلی ہی تھی کہ کبابی کا نوکر آن پہنچا۔

"کیا بات ہے؟ کہاں سے آئے ہو؟" خواجہ صاحب نے پُوچھا۔

"جنابِ والا۔ میں کبابی کا نوکر ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے اُمیّہ کا لڑکا عمرو ہماری دُکان پر ایک مُرغی اور انڈوں کی ٹوکری لے کر آیا اور کہا کہ خواجہ عبدُالمُطّلِب کے ہاں چند مہمان آ گئے ہیں۔ ان کے لیے اس مُرغی کے کباب

اور انڈوں کا حلوا تیار کر دو۔ اس کے علاوہ دو رُوپے کے گلچے اور روٹیاں بھی دے دو۔ ہم نے جلدی جلدی کھانا تیار کیا اور عمرؔو میرے سر پر کھانے کا تھال رکھوا کر یہاں تک آیا اور پھر تھال خود لے گیا اور مجھے آپ کے دیوان خانے میں بیٹھنے کی ہدایت کی۔ اب پتا چلا کہ ہے کہ یہ چیزیں آپ نے نہیں منگوائی تھیں۔"

"خُدا اُمیّہ کے لڑکے کو غارت کرے۔کم بخت چھلاوا ہے چھلاوا۔ اپنے ساتھ میرے لڑکے حمزہ کو بھی برباد کر رہا ہے۔" خواجہ عبدُالمطّلب نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ پھر کبابی کے نوکر کو بھی پیسے نکال کر دیئے۔ وہ سلام کر کے رُخصت ہُوا۔ اب اُستاد نے کہا:

"جناب، میں اس لڑکے کو پڑھانے سے باز آیا۔ آپ امیر حمزہ اور مُقبل کو مدرسے میں بھیج سکتے ہیں۔ لیکن عمرؔو کو میں کسی قیمت پر نہیں پڑھاؤں گا۔" یہ کہہ کر اُستاد صاحب رونے لگے۔

"مُلّا جی، اب تو آپ گھر جایئے۔" خواجہ صاحب نے کہا "رات ہو گئی ہے۔ اس وقت عمرو اور اس کے دوستوں کو ڈھونڈنا مشکل ہے۔ صبح مدرسے کے لڑکوں کو بھیجیے۔ وہ ان کو پکڑ کر لائیں گے۔ پھر دیکھیے گا میں اس عمرو کی کیا گت بناتا ہوں۔"

اگلے روز اُستاد نے پچاس ساٹھ لڑکوں سے کہا کہ وہ لکڑیاں اور ڈنڈے لے کر پہاڑ کی طرف جائیں۔ وہاں، عمرو، امیر حمزہ، مُقبل وفادار اور دُوسرے لڑکے چھپے ہوئے ہیں۔ انھیں جا کر پکڑ لائیں۔ لڑکے فوراً روانہ ہو گئے۔ عمرو اس وقت پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا تھا۔ اس نے لڑکوں کی فوج کو آتے دیکھا تو خُوب ہنسا اور امیر حمزہ سے کہنے لگا:

"مُلّا جی نے ہمیں پکڑنے کے لیے فوج بھیجی ہے۔ آؤ ذرا ان سے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔"

یہ سُن کر مُقبل نے اپنی چھوٹی سی کمان اور تیر نکال لیے۔ عمرو نے پتھروں کا ڈھیر جمع کر لیا امیر حمزہ کو اپنے بازوؤں کی قوّت پر بھروسا تھا

وہ جانتے تھے کہ کوئی لڑکا اُن سے کُشتی میں نہیں جیت سکتا۔ جو بھی اِدھر آئے گا اُسے اُٹھا کر زمین پر دے ماریں گے۔

لڑکوں کی فوج نے عمرو اور امیر حمزہ کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی تو عمرو نے پتھروں کی بارش برسا دی اور مُقبل کی کمان سے تیر نکلنے لگے۔ حملہ کرنے والے سب لڑکے گرتے پڑتے وہاں سے بھاگے۔ کئی لڑکوں کے تو کپڑے پھٹ گئے تھے اور کئی زخمی ہو گئے۔ اُستاد نے اپنے شاگردوں کا یہ حال دیکھا کہ عمرو اور حمزہ کو پکڑنے کے بجائے اپنی ہی مرمّت کروا آئے ہیں تو انھیں لے کر سیدھا خواجہ عبدُالمُطّلِب کے پاس پہنچا اور سب حال کہا۔ خواجہ صاحب نے اپنا سونٹا سنبھالا اور اُستاد کو ساتھ لے کر پہاڑوں کی طرف چل پڑے۔

عمرو اور اس کے ساتھی اپنے مورچوں میں دبکے ہوئے تھے۔ انھیں سان و گمان بھی نہ تھا کہ خواجہ عبدُالمُطّلِب خود آ جائیں

گئے۔ سب سے پہلے عمرو نے خواجہ صاحب اور اُستاد کو آتے دیکھا۔ کہنے لگا:

"یار حمزہ، غضب ہو گیا۔ تمہارے والد آ گئے۔ بھائی، میں تو اب بھاگتا ہوں۔ زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔"

یہ کہہ کر اس نے بھاگنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ حمزہ نے ہاتھ پکڑ لیا۔ خواجہ صاحب کے خوف سے عمرو تھر تھر کانپ رہا تھا۔ حمزہ کی بڑی منّت سماجت کی کہ مجھے چھوڑ دے۔ مگر حمزہ نے ایک نہ سُنی۔

جب خواجہ صاحب پہاڑ کے قریب آ کر اُونٹ پر سے اُترے تو امیر حمزہ غار سے نِکل کر اپنے والد کے اِستقبال کو آئے اور اُن کے قدموں پر گر پڑے۔ خواجہ صاحب نے اپنے چہیتے بیٹے کو سینے سے لگایا، مُقبِل وفادار کے سر پر محبّت سے ہاتھ پھیرا اور کہنے لگے:

"وہ شریر کہاں ہے؟ آج اس کی خیر نہیں۔ میں اس کے کرتوتوں سے تنگ آ گیا

ہُوں۔ سارے شہر میں اس کی وجہ سے میری بدنامی ہو رہی ہے۔"

"ابّا جان اُسے معاف کر دیجیے۔" امیر حمزہ نے ادب سے کہا۔ "میں آپ سے وعدہ کرتا ہُوں کہ عمروؔ اب کوئی شرارت کرے گا تو میں خُود اُسے سزا دُوں گا۔"

عمروؔ کو لڑکوں نے ایک بڑے سے پتّھر کے پیچھے چھُپا رکھا تھا۔ امیر حمزہ گئے اور عمرو کو لا کر خواجہ صاحب کے قدموں پر گرا دیا۔ خواجہ صاحب کا جی تو چاہتا تھا کہ اس کی اچھّی طرح مرمّت کریں لیکن اپنے بیٹے کی سفارش سے کچُھ نہ کہا۔ اُستاد کو سو رُوپے کی تھیلی دی اور تینوں لڑکوں کو لے کر گھر واپس آ گئے۔ عمرو کا مدرسے جانا بھی ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

اس واقعے کے کچُھ دن بعد کا ذکر ہے۔ اُس دن مدرسے میں چھُٹّی تھی۔ امیر حمزہ اور مُقبل گھر میں بیٹھے تھے کہ عمرو باہر سے آیا اور کہنے لگا:

"تم یہاں بیٹھے ہو اور باہر بڑا سہانا موسم ہے۔ آؤ آج باغ کی سیر کریں۔"

تینوں دوست باغ کی سیر کرنے کے لیے نکلے۔ مکے سے کچھ فاصلے پر کھجوروں کا ایک چھوٹا سا باغ تھا۔ یہ وہیں پہنچے اور اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ آخر امیر حمزہ اور مُقبل تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئے اور عَمرو ایک درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑنے لگا تھوڑی دیر بعد بہت سی کھجوریں اپنی جھولی میں بھر کر لایا اور الگ بیٹھ کر کھانے لگا۔ امیر حمزہ نے کہا:

"عَمرو، یہ کیا بدتمیزی ہے۔ لاؤ تھوڑی سی کھجوریں ہم کو بھی دو۔"

"بھائی صاحب، میں اتنی محنت سے درخت پر چڑھا اور کھجوریں توڑ کر لایا ہوں۔ تمہیں شوق ہے تو تم بھی توڑ لاؤ۔ میں نہ دوں گا۔"

عَمرو کی یہ بات سُن کر امیر حمزہ کو غصّہ آیا۔ بڑ بڑاتے ہوئے اُٹھے اور ایک درخت

پر چڑھنے لگے۔ عمرو نے ہنس کر کہا:
"واہ وا، کیا بہادری ہے۔ ارے بھائی درخت
پر چڑھنا تو ہم جیسے دُبلے پتلے لوگوں کا کام
ہے۔ تم پہلوان ہو۔ درخت اکھاڑ کر کھجوریں
کھاؤ۔"
اب تو امیر حمزہ کے غُصّے کی حد نہ رہی
سوچے سمجھے بغیر زور لگایا اور درخت اُکھاڑ
کر پھینک دیا۔
یہ دیکھ کر عمرو اور مُقبل حیران رہ گئے
لیکن عمرو نے فوراً کہا:
"اجی یہ تم نے کیا کمال کیا؟ ایسا کم زور
درخت تو میں بھی اُکھاڑ سکتا تھا۔"
امیر حمزہ اب دُوسرے درخت کی طرف
بڑھے اور اسے بھی اُکھاڑ کر پھینک دیا۔
عمرو نے پھر قہقہہ لگایا اور بولا:
"بس دیکھ لی آپ کی طاقت۔ اس درخت
کی جڑیں تو پہلے ہی کم زور ہو چکی تھیں۔"
امیر حمزہ تیسرے درخت کی طرف گئے اور
زور لگا کر اسے بھی جڑ سے اُکھاڑ دیا۔ پھر

چوتھے اور سب سے بڑے درخت کو گرایا پانچویں درخت کی جانب چلے ہی تھے کہ عمرو نے ڈانٹ کر کہا:

"خواجہ عبدُالمُطّلِب کے بیٹے، کیا تُو دیوانہ ہو گیا ہے؟ سارے باغ کو اُجاڑنے کا ارادہ ہے؟"

امیر حمزہ یہ سُن کر شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے "خُدا تجھے نیکی کی ہدایت دے۔ میں تیری باتوں میں آ کر سارا باغ ہی اُجاڑنے لگا تھا"

اتنے میں باغ کا مالک بھی آن پہنچا۔ چار درخت گرے ہُوئے دیکھے تو سخت پریشان ہُوا۔ عمرو سے پُوچھنے لگا:

"کیوں میاں صاحبزادے، یہ درخت کِس طرح گرے؟"

"بڑی تیز آندھی آئی تھی، اسی کی وجہ سے ان درختوں پر آفت آئی ہے" عمرو نے جواب دیا

"آندھی؟" مالک چلّا اُٹھا۔ "یہ کیا بکواس ہے۔ آندھی آئے اور مجھے پتا نہ چلے"

امیر حمزہ اور مُقبل ہنس پڑے۔ آخر مالک

نے خوشامد کی۔ تب امیر حمزہ نے بتایا کہ عمرو کی وجہ سے یہ حرکت مجھ سے ہوئی۔ اب تو ہمارے ساتھ چل۔ ہر درخت کے بدلے ہم تجھے ایک سُرخ اونٹ دیں گے"

باغ کا مالک یہ سُن کر خوش ہوا اور اس کا سارا رنج دُور ہو گیا۔ امیر حمزہ اُسے اپنے ساتھ لے کر آئے۔ غلاموں کو حکم دیا کہ ہمارے ابّا جان کے ایک ہزار سُرخ اُونٹوں میں سے چار اُونٹ اس شخص کو دے دو۔ غلاموں نے اُسی وقت حکم کی تعمیل کی۔ امیر حمزہ اور مُقبل تو گھر چلے گئے لیکن عمرو اس شخص کے پیچھے پیچھے چلا۔ اِس کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی کہ کھجوروں کے چار درختوں کے بدلے میں اتنے قیمتی چار اُونٹ یہ ہتھیا کر لے گیا۔ تھوڑی دُور جا کر اُسے روکا اور کہنے لگا:

"او بھائی تُو بڑا خراب آدمی ہے۔ تُو نے حمزہ کی خوشامد کر کے یہ اُونٹ ہتھیا لیے ابھی جا کر خواجہ صاحب سے تیری شکایت

کرتا ہوں"
یہ سُن کر وہ بے چارہ سخت گھبرایا۔ گڑ گڑا کر کہنے لگا: "حمزہ نے بھی تو میرے باغ کے چار درخت اُکھاڑ ڈالے ہیں۔"
"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن یہ کہاں کی شرافت ہے کہ چار درختوں کے بدلے میں تُو کئی ہزار رُوپے کے اُونٹ لے جائے؟" عمرو نے کہا۔
"پھر تُم ہی کچھ بتاؤ۔" اِس نے کہا۔
"ان میں سے ایک اُونٹ مجھے دے دے۔" عمرو نے مُسکرا کر کہا —— باغ کا مالک ڈرتا تھا کہ اگر عمرو نے خواجہ عبدُالمُطّلب سے شکایت کر دی تو شاید وہ سبھی اُونٹ چِھین لیں۔ اُس نے کچھ کہے بغیر ایک اُونٹ عمرو کے حوالے کر دیا۔
اب عمرو سیدھا منڈی میں پہنچا۔ ایک ہزار رُوپے میں اُونٹ بیچا اور ہنستا کھیلتا گھر آیا۔ امیر حمزہ نے ہزار رُوپے کی تھیلی عمرو کے پاس دیکھی تو کہنے لگے:

"سچ سچ بتا یہ رقم کہاں سے آئی؟ یاد رکھ اب میں تجھے ابا جان کے ہاتھ سے نہیں بچا سکتا۔"

"بھائی صاحب، یہ میری محنت کی کمائی ہے" عمرو نے جواب دیا اور پھر مزے لے لے کر ساری کہانی حمزہ اور مقبل کو سنائی۔ وہ خوب ہنسے اور کہا:

"خدا کی پناہ! کم بخت کسی پر تو ترس کھایا کر۔ اس غریب شخص سے ایک اونٹ چھینتے ہوئے تجھے ذرا شرم نہ آئی۔"

"وہ ایسا کون سا شریف تھا۔" عمرو نے کہا "وہ تم کو بے وقوف سمجھ کر چار اونٹ ہتھیانا چاہتا تھا۔"

مُقدّس تحفے

وقت پر لگا کر اُڑتا رہا۔ امیر حمزہ، مُقبل وفادار اور عمرو نے بچپن کی حدیں طے کر کے جوانی کی منزل میں قدم رکھا۔ اُن کی آپس میں محبّت روز بہ روز بڑھتی گئی۔ عمرو کی شرارتیں، عیّاریاں اور چالاکیاں ختم ہونے میں نہ آتی تھیں۔ اب اس میں ایک خاص بات یہ پیدا ہو گئی تھی کہ وہ ہر وقت کسی نہ کسی طرح دولت حاصل کرنے کے لیے بے چین رہتا۔ اس معاملے میں دوست دُشمن اور چھوٹے بڑے کا خیال بھی نہ کرتا

ایک دن جب کہ تینوں دوست اپنے گھر کی چھت پر بیٹھے بازار کی رونق دیکھ رہے تھے کہ ایک

جلوس آیا اور شہر سے باہر جانے والے راستے پر چل پڑا۔ امیر حمزہ نے عمرو سے کہا:

"ذرا معلوم تو کرو کہ یہ لوگ شہر سے باہر کس لیے جا رہے ہیں؟"

"ابھی پتا کر کے آتا ہوں۔" عمرو نے کہا اور باہر نکل کر جلوس کے ساتھ ہو لیا۔ پھر آدھ گھنٹے بعد واپس آ کر امیر حمزہ سے کہنے لگا:

"ہم یہاں بیٹھے ہیں اور شہر کے باہر زبردست میلا لگا ہے۔ مُلک مُلک کے سوداگر آئے ہوئے ہیں۔ سینکڑوں خیمے لگے ہیں بڑی رونق ہے۔ ایک سوداگر گھوڑے لے کر آیا ہے۔ خدا بہتر جانتا ہے ایسے خوبصورت اور طاقت وَر گھوڑے میں نے کبھی نہیں دیکھے۔"

عمرو نے گھوڑوں کی ایسی تعریف کی کہ امیر حمزہ میلے میں جانے کے لیے بے چین ہو گئے۔ اُنھیں بچپن ہی سے گھڑ سواری کا

شوق تھا اور جوان ہو کر تو وہ بڑے ماہر شہ سوار بن گئے تھے۔ سارے عرب میں اُن جیسا شہ سوار کوئی اور نہ تھا۔ انھوں نے اُسی وقت عمرو اور مُقبل کو ساتھ لیا اور میلے میں پہنچ گئے۔

تینوں دوست سب سے پہلے اُس سوداگر کے خیمے کی طرف گئے جو گھوڑے لایا تھا۔ اس کے گھوڑے ایک باڑے میں کھڑے تھے۔ امیر حمزہ نے ان گھوڑوں کو دیکھا اور کہا بہت خُوب صُورت اور عُمدہ جانور ہیں۔ ہم ان میں سے چند گھوڑے ضرور خریدیں گے۔

وہ گھُومتے پھرتے ایک شامیانے کے قریب پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شان دار ابلق گھوڑا شامیانے کے نیچے زنجیروں سے بندھا کھڑا ہے اس کا جسم اتنا خوب صُورت تھا کہ امیر حمزہ دیکھتے ہی بے چین ہو گئے اور سوداگر سے کہا۔" اس گھوڑے کی کیا قیمت ہے؟"

سوداگر نے امیر حمزہ کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور ہنس کر بولا:

"صاحبزادے، ابھی جوان ہو۔ دُنیا نہیں دیکھی

جاؤ، اپنے ماں باپ کے کلیجے سے لگ کر بیٹھو تم اس گھوڑے کی سواری کے لائق نہیں۔ کیا تمھیں نظر نہیں آتا کہ اسے میں نے زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے؟ یہ کسی کو اپنے نزدیک نہیں آنے دیتا۔ سواری کرنا تو درکنار، اب تک کتنے آدمیوں کو دُوسری دُنیا میں پہنچا چکا ہے۔"

یہ باتیں سُن کر امیر حمزہ تو چُپ رہے لیکن عمرو کو طیش آ گیا۔ آنکھیں نکال کر بولا:

"اے سوداگر، اگر تو ہمارا مہمان نہ ہوتا تو ابھی تیری لاش پھڑکتی ہوئی نظر آتی۔ جانتا بھی ہے کہ تُو کس سے بات کر رہا ہے؟ یہ مکّے کے سردار خواجہ عبدُالمُطّلِب کے لڑکے امیر حمزہ ہیں جن کی بہادری اور شہ سواری کا سارا عرب قائل ہے۔"

سوداگر یہ تقریر سُن کر ہنسا اور کہنے لگا:

"ممکن ہے تم صحیح کہتے ہو۔ لیکن میں تو جب مانوں کہ امیر حمزہ صاحب اس گھوڑے پر سواری کر کے دکھائیں۔ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ کام یاب ہو گئے تو گھوڑا مُفت میں دے

دُوں گا۔"

سوداگر کے یہ الفاظ سُن کر عمرو کے دل میں لالچ نے سر اُبھارا۔ سوچنے لگا، اگر میں اس پر سواری کر کے دِکھا دُوں تو اتنا قیمتی گھوڑا مُفت ہاتھ آ جائے گا۔ دس بارہ ہزار سے کم میں نہ بِکے گا۔ یہ سوچ کر سینہ پُھلایا اور سوداگر سے کہا:

"اے شخص سُن، یہ مریل گھوڑا امیر حمزہ جیسے پہلوان کی سواری کے لائق نہیں۔ ہاں مجُھ جیسا خادِم ضرور اس پر چڑھ سکتا ہے۔ پرے ہٹ میں اس پر سوار ہوتا ہُوں۔"

عمرو کی شکل دیکھ کر سوداگر حیران ہُوا۔ کہنے لگا:

"اے لوگو! یہ لڑکا خواہ مخواہ اپنی جان کا دُشمن ہُوا ہے۔ گھوڑے نے اگر ہلکی سی بھی لات ماردی تو سِیدھا بُحیرۂ عرب میں جا گرے گا۔ اسے سمجھاؤ ورنہ میں اس کی زندگی کا ذمّہ دار نہیں۔"

لوگوں نے عمرو کو اس اِرادے سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔ لیکن اس نے سب کو ڈانٹ دیا

پھر گھوڑے کے چاروں طرف چکر لگایا۔ گھوڑے نے بھی لال لال آنکھوں سے عمرو کو گھورا اور نتھنے پھلائے۔ عمرو نے جونہی اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا، وہ اچھلا اور اس زور سے ہنہنایا کہ عمرو لڑھکنیاں کھاتا ہوا امیر حمزہ کے قدموں میں آن گرا۔ امیر نے اسے اٹھا کر کپڑے جھاڑے اور چپکے سے کہا:

"آ میرے ساتھ چل۔ میں تجھے گھوڑے پر بٹھاتا ہوں۔"

"خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔" عمرو نے کہا "میرے باپ کی توبہ جو میں کبھی اس بدمعاش گھوڑے کے نزدیک جاؤں۔ آپ ہی سواری کا شوق پورا کیجیے۔ بندہ تو یہاں سے رخصت ہو کر خواجہ صاحب کی خدمت میں جاتا ہے اُن کو بتا تو دوں کہ حمزہ خودکشی کا ارادہ کر رہے ہیں۔"

"خبردار جو تم یہاں سے ہلے۔ دیکھتے جاؤ۔ میں ابھی یہ گھوڑا حاصل کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر امیر حمزہ گھوڑے کے قریب گئے

اور اس کی زنجیریں کھولنے کا حکم دیا۔ سوداگر کی اجازت سے اس کے نوکروں نے زنجیریں کھول دیں۔ امیر حمزہ نے اس کی لگام تھامی گھوڑے نے اپنے آپ کو زنجیروں سے آزاد پایا تو شوخیاں کرنے لگا، لیکن امیر حمزہ نے ایسا زور دار گھونسا اس کی گردن پر مارا کہ وہ تھرا گیا۔ لوگوں نے زندہ باد کے نعرے لگائے اتنے میں حمزہ نے رکاب میں پاؤں رکھا اور اُچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ گئے۔

چند منٹ تک گھوڑا خوب اُچھلا کُودا اور پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو کر اُس نے امیر کو گرانے کی کوشش کی لیکن حمزہ اس کی پیٹھ پر اس طرح جم گئے تھے جیسے گھوڑے کے جسم ہی کا ایک حصّہ ہیں۔ پھر پلک جھپکتے میں گھوڑا امیر حمزہ کو لے کر صحرا کی طرف چلا اور آناً فاناً بیس تیس کوس دُور نکل گیا۔ امیر حمزہ نے اسے روکنے کی بُہت کوشش کی مگر وہ کسی طرح نہ رُکا۔ آخر ایک خندق کو پار کرتے ہوئے اس نے ٹھوکر کھائی اور اس نے گرتے ہی دم دے

دیا۔

اب امیر حمزہ سخت پریشان ہوئے۔ چاروں طرف وحشت ناک بیابان مُنہ پھاڑے کھڑا تھا۔ ہر طرف ریت ہی ریت، خُشک جھاڑیاں اور بھُورے رنگ کے پہاڑ۔ وہ اس سے پہلے کبھی اِدھر نہ آئے تھے اور نہ اُن کو اندازہ تھا کہ شہر کا راستہ کِس طرف ہے۔ آخر خُدا کا نام لے کر ایک طرف چل پڑے۔ چلتے چلتے پیروں میں چھالے پڑ گئے اور پیاس کی وجہ سے زبان سُوکھ گئی۔ دُھوپ کی گرمی سے بچنے کے لیے کہیں سایہ نہ ملا جب چلنے کی ہمّت نہ رہی تو ایک خشک جھاڑی کے قریب نڈھال ہو کر بیٹھ گئے۔

اچانک ایک نقاب پوش سوار مغرب سے نمُودار ہُوا۔ اس کے جسم پر سبز رنگ کا قیمتی لباس تھا اور وہ کالے رنگ کے ایک خُوبصُورت اور طاقت وَر گھوڑے پر سوار تھا۔ امیر حمزہ اُسے دیکھ کر خُوش ہوتے۔ وہ پُراسرار سوار قریب آ کر رُکا۔ گھوڑے سے اُترا اور بولا:

"خواجہ عبدالمُطّلب کے بیٹے! اُٹھ تیری قسمت

جاگ گئی۔ یہ گھوڑا میں تیرے لیے لایا ہوں۔ اس پر کبھی حضرت اسحاق علیہ السّلام سواری کیا کرتے تھے۔ کوئی اس گھوڑے سے آگے نہ نکل سکے گا اور نہ کوئی پہلوان تجھے کشتی میں ہرا سکے گا۔ اُٹھ اور اُس پہاڑی کے پیچھے جا۔ وہاں زمین کھود۔ ایک صندُوق ملے گا۔ اس میں پیغمبروں کے ہتھیار رکھے ہیں۔ وہ سب تجھے دیے جاتے ہیں۔"

امیر حمزہ نے پہاڑی کے پیچھے ایک جگہ ریت کھودی تو لوہے کا ایک بہت پُرانا اور بھاری صندُوق نظر آیا۔ صندُوق کھولا تو اس میں بہت سی چیزیں رکھی تھیں۔ نقاب پوش بزرگ نے ایک ایک کر کے تمام چیزیں باہر نکالیں

"یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کا کُرتا ہے۔ اسے پہن لو۔

"یہ حضرت داؤد علیہ السّلام کے ہاتھ کی بنی ہُوئی زرہ ہے۔ اسے گلے میں ڈالو۔ دُشمن کا کوئی ہتھیار تمھیں نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

"یہ حضرت ہُود علیہ السّلام کی لوہے کی ٹوپی

ہے۔ اسے سر پر پہن لو۔ تمہارا سر محفوظ رہے گا۔

"یہ یوسف علیہ السّلام کے دستانے ہیں۔ یہ صالح علیہ السّلام کے موزے اور یہ یعقوب علیہ السّلام کا کمر بند ہے۔ یہ الیاس علیہ السّلام کی دو تلواریں، رستم پہلوان کا خنجر، زیال پہلوان کا گرز اور سہراب پہلوان کا پنجہ ہے۔"

آخر میں اُن بزرگ نے حضرت نوح علیہ السّلام کا نیزہ نکال کر امیر حمزہ کو دیا اور اپنے ہاتھ سے یہ تمام ہتھیار ان کے بدن پر لگائے پھر سیاہ گھوڑے پر سوار کیا اور کہا اس گھوڑے کا نام قیطاس ہے۔ یہ بڑا وفادار اور جاں باز ہے۔ اچھا، اب میں رخصت ہوتا ہوں۔

"یا حضرت، اپنا نام تو بتاتے جائیے۔" امیر حمزہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میرا نام خضر ہے۔" یہ کہہ کر وہ بزرگ غائب ہو گئے۔

قیطاس گھوڑے پر سوار ہوتے ہی امیر حمزہ کی ساری تھکن اور بھوک پیاس دور ہو چکی

تھی۔ گھوڑا اپنے سوار کو لے کر خُود بخُود اس راستے پر چل پڑا جو مکّے کو جاتا تھا۔

جب سوداگر کا گھوڑا امیر حمزہ کو لے کر صحرا کی طرف بھاگا اور وہ دیر تک واپس نہ آئے تو عمرو سخت بے چین ہُوا۔ مُقبل سے کہا کہ میں حمزہ کی تلاش میں جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اندھا دُھند صحرا کی طرف دوڑنا شروع کیا۔ میلوں دُور نِکل گیا اور اب اس کی بھی وہی حالت ہُوئی جو امیر حمزہ کی ہوئی تھی۔ پیروں میں بڑے بڑے آبلے پڑ گئے اور پیاس سے تالُو چٹخنے لگا آخر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ بُہت دیر بعد ہوش آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ سبز لباس پہنے ہوئے ایک نقاب پوش سرہانے کھڑا ہے حیرت سے پُوچھنے لگا:

"آپ کون ہیں؟"

"میرا نام خِضر ہے اور تمہیں اس مُصیبت سے نِکالنے آیا ہوں۔" نقاب پوش نے کہا۔ "اُٹھ عمرو خُدا نے تجھ پر کرم کی نظر کی۔ تیرا نام رہتی دُنیا تک زندہ رہے گا اور تجھ سے بڑے بڑے

چالاک اور عیّار لوگ خوف کھائیں گے۔ اُٹھ اور یہاں سے نکل جا۔ دوڑنے میں کوئی تجھ سے آگے نہ نکل سکے گا۔"

یہ کہہ کر وہ بزرگ جن کا نام خضر تھا، غائب ہو گئے۔

عمرو خوشی خوشی اُٹھا اور ایک جانب دوڑنے لگا۔ اُسے یُوں محسُوس ہو رہا تھا جیسے اس کے جسم میں بجلی بھر دی گئی ہو۔ دوڑتے دوڑتے آناً فاناً سینکڑوں کوس دُور نکل گیا اور کوئی تھکن نہ ہوئی۔ بھُوک پیاس بھی مٹ چکی تھی۔ ایک جگہ کیا دیکھتا ہے کہ امیر حمزہ سیاہ گھوڑے پر بیٹھے اور طرح طرح کے ہتھیار جسم پر سجائے چلے آتے ہیں۔ عمرو انھیں صحیح سلامت دیکھ کر بہت خوش ہُوا۔ کہنے لگا:

"حمزہ، اُس سوداگر کا گھوڑا کہاں ہے اور یہ گھوڑا اور یہ ہتھیار کس کے اُڑا لائے ہو؟"

امیر حمزہ ہنسے، سارا قِصّہ سنایا اور آخر میں کہا:

"یہ گھوڑا جس پر میں سوار ہُوں اِسحاق علیہ السّلام

کا ہے۔"

"مجھے تو جب یقین ہو کہ یہ گھوڑا دوڑ میں مجھ سے آگے نکل جائے۔" عمرو نے کہا۔

"اچھا، یہ بات ہے۔ تو آؤ دوڑ لگا لو۔" امیر حمزہ نے کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ عمرو بھی گھوڑے کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگا۔ نہ گھوڑا آگے نکل سکا اور نہ عمرو۔ عمرو کی یہ رفتار دیکھ کر حمزہ حیران ہوئے، کہنے لگے:

"او اُمیہ کے بیٹے، تُو نے یہ ہُنر کس سے پایا؟"

"اُسی سے جس نے تمہیں یہ گھوڑا اور پیغمبروں کے ہتھیار دیے۔" عمرو نے جواب دیا۔

وہ باتیں کرتے ہوئے مکے کے قریب پہنچ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ شہر کے سارے مرد عورت ایک جگہ جمع ہیں۔ خواجہ عبدُالمُطّلِب بھی حیران پریشان کھڑے رو رہے ہیں۔ حمزہ اور عمرو کو دیکھتے ہی سب لوگ خوشی سے نعرے لگانے لگے اور خواجہ صاحب نے آگے بڑھ کر باری باری حمزہ اور عمرو کو گلے سے لگایا۔

مُقبل وفادار کو جب معلوم ہُوا کہ خِضر علیہ السّلام

نے امیر حمزہ کو مقدس تحفے دیے ہیں اور عمرو کو بھی دوڑنے کی قوت عطا فرمائی ہے تو وہ دل میں کہنے لگا' میں بڑا بدنصیب ہوں۔ مجھے کچھ بھی نہ ملا۔ اب یہاں رہنا بیکار ہے۔ میں اپنے دوستوں کی نظر میں گر جاؤں گا۔ بہتر یہی ہے کہ چپ چاپ یہاں سے نکل کر ایران کی طرف چلو اور نوشیرواں کے پاس حاضری دو۔ وہ قدر کرے گا۔

یہ سوچ کر مقبل کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ رات کے اندھیرے میں گھر سے نکلا۔ امیر حمزہ اور عمرو بے خبر سو رہے تھے۔ مقبل نے دل ہی دل میں رخصتی سلام کیا اور مدائن کو جانے والے راستے کی طرف ہو لیا۔ ایک دن اور ایک رات چلتا رہا۔ آخر پیروں میں چھالے پڑ گئے۔ تھک کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور موت کی آرزو کرنے لگا۔ پھر خیال آیا کہ اس طرح تو موت آنے سے رہی، کیوں نہ درخت پر چڑھ کر نیچے چھلانگ لگا دوں۔ یہ سوچ کر درخت پر چڑھا۔ سب سے اونچی شاخ

پر پہنچ کر آنکھیں بند کیں اور نیچے کود گیا۔ لیکن یہ کیا! اُسے یوں محسوس ہوا جیسے پھولوں کے ڈھیر پر آن گرا ہو۔ آنکھیں کھولیں تو اپنے قریب ایک نقاب پوش کو کھڑے پایا۔ نقاب پوش نے مُقبل کو سینے سے لگایا، پیار کیا اور کہا:

"بیٹا، خُدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیے میرا نام خِضر ہے۔ یہ تیر کمان لے۔ اس کمان کو تیرے سوا دُنیا میں کوئی اور نہ کھینچ سکے گا۔ تیرا تیر کبھی خطا نہ جائے گا اور نہ اس ترکش میں کبھی تیر ختم ہوں گے۔"

یہ کہہ کر وہ بزرگ غائب ہو گئے۔ مُقبل کمان اور تیروں سے بھرا ہوا ترکش لے کر بہت خوش ہوا اور واپس مکّے کی طرف چلا اب اس کے پیروں میں نہ چھالے تھے اور نہ بھوک پیاس لگتی تھی۔ اُدھر امیر حمزہ اور عمرو اپنے دوست کی جُدائی سے پریشان تھے اور اُسے ہر طرف ڈھونڈ رہے تھے۔ آخر شہر سے باہر ان کی مُلاقات مُقبل سے ہوئی۔ تینوں

دوست ایک دوسرے سے لپٹ کر آنسو بہانے لگے۔ مقبل نے انھیں کمان اور تیروں کا ترکش دکھایا اور کہا کہ یہ تحفہ خضر علیہ السّلام نے عطا کیا ہے تو امیر حمزہ اور عمرو خوشی سے ناچنے لگے۔

یمن کی فتح

ایک دن امیر حمزہ، عمرو اور مقبل وفادار بازار کی سیر کر رہے تھے کہ ایک دم لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ دکانداروں نے اپنی دکانیں بند کیں اور جدھر جس کا منہ اٹھا، بھاگ نکلا۔ امیر حمزہ نے ایک شخص سے پوچھا:

"کیا معاملہ ہے بھائی۔ کیوں بھاگے جا رہے ہو؟"

"یمن کی فوج آ گئی ہے۔" اس نے جواب دیا۔ یہ سن کر امیر حمزہ کو غصہ آیا۔ لوگوں کو بھاگنے سے روکا۔ کہنے لگے "تمہیں شرم آنی چاہیے کہ ایک غیر علاقے کے سپاہی یہاں آ کر لوٹ مار کریں اور تم لوگ بزدلوں کی طرح بھاگ اٹھو۔ میں ان حملہ آوروں سے لڑوں گا۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ یمن کی فوج کے کئی سپاہی گھوڑوں پر سوار وہاں آ نکلے۔ اُنہیں دیکھتے ہی امیر حمزہ نے بُلند آواز سے پُکارا اور کہا:

"ان سپاہیوں کو گھیرے میں لے کر وہ سارا سامان چھین لو جو انھوں نے تمہاری دُکانوں سے لُوٹا ہے۔"

مُقبل وفادار نے کمان سنبھالی اور تیر چلانے شروع کیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے یمن کے کئی سپاہی زخمی ہو کر گھوڑوں سے گر پڑے اور مر گئے۔ یہ دیکھ کر لوگوں کا حوصلہ بڑھا اور وہ بھی خنجر اور تلواریں نکال کر حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑے۔ ایسی خونریز جنگ ہوئی کہ بازاروں اور گلیوں میں پانی کی طرح خُون بہہ نکلا۔ امیر حمزہ اپنے قیطاس نامی گھوڑے پر سوار تلوار ہاتھ میں لیے دُشمن کے سپاہیوں کو گاجر مُولی کی طرح کاٹ رہے تھے۔ ان کی تلوار جس پر بھی پڑتی، اُسے قتل کیے بغیر نہ چھوڑتی۔

تھوڑی ہی دیر میں میدان صاف ہو گیا۔ یمن کے سپاہیوں میں سے دس بارہ آدمی جان بچاکر بھاگے اور اپنے سردار کو خبر دی کہ ایک عرب نوجوان نے سب سپاہیوں کو مار ڈالا اور سارا مال چھین لیا۔ یمنی سردار کا نام سُہیل تھا اور وہ بڑا بہادر پہلوان تھا، یہ خبر سُن کر غُصّے سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اُسی وقت بدن پر ہتھیار لگا، گھوڑے پر سوار ہُوا اور بازار کی طرف چلا۔

ابھی آدھے راستے ہی میں تھا کہ سامنے سے امیر حمزہ، عمرو اور مُقبل وفادار آتے دکھائی دیے۔ ان کے پیچھے پیچھے بے شمار عرب نوجوان نعرے لگاتے آرہے تھے۔ سُہیل کے ساتھ اب بھی کئی ہزار سپاہی تھے لیکن وہ کچھ خوف زدہ نظر آرہے تھے۔

سُہیل یمنی نے امیر حمزہ کو دیکھتے ہی اپنے ایک آدمی سے پوچھا:

"یہ خُوب صُورت نوجوان کون ہے؟ اس کا گھوڑا بھی بڑا قیمتی اور بہترین نسل کا ہے۔"

"جناب، اس کا نام حمزہ ہے۔ مکّے کے سردار

خواجہ عبدُالمُطّلِب کا بیٹا ہے۔ بڑا بہادُر اور طاقتور ہے۔ سارے عرب میں اس کی دھاک بیٹھی ہُوئی ہے۔ اسی نے یمنی سپاہیوں کو قتل کیا ہے۔"

سُہیل نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھایا امیر حمزہ کے قریب پہنچا۔ تھوڑی دیر تک اُنھیں اُن کے ہتھیاروں اور گھوڑے کو غور سے دیکھا پھر کہنے لگا:

"اے نوجوان، مُجھے تُجھ پر ترس آتا ہے۔ تُو نے ابھی دُنیا میں کُچھ نہیں دیکھا۔ یہ گھوڑا اور ہتھیار میرے حوالے کر۔ ورنہ تُجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

امیر حمزہ یہ سُن کر ہنسے اور کہا "یہی بات میں تُجھ سے کہنے آیا ہُوں۔ اگر تُو نے آئندہ ہماری زمین پر اپنے ناپاک قدم رکھے تو تلوار سے تیرے جسم کے دو ٹکڑے کر دُوں گا۔ خیر اسی میں ہے کہ اپنے بچے کُھچے سپاہیوں کو لے کر یہاں سے چلا جا۔"

اب تو سُہیل یمنی کے غُصّے کی انتہا نہ رہی میان سے تلوار نکال کر امیر حمزہ کی طرف جھپٹا

ان کی ڈھال پر تلوار ماری لیکن ڈھال کا کچھ بھی نہ بگڑا، اُلٹی اسی کی تلوار ٹوٹ گئی۔ امیر حمزہ نے قہقہہ لگایا اور کہا:

"اے سُہیل، ان کھلونوں سے تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ کوئی اور ہتھیار نکال۔"

سُہیل نے اب اپنی کمر سے بندھا ہوا خنجر نکالا۔ اس کی چمک ایسی تھی کہ نگاہ نہ ٹھہرتی تھی خنجر کا دستہ ہاتھ میں پکڑ کر اس انداز میں امیر حمزہ کی طرف پھینکا کہ اگر وہ فوراً گھوڑے سے کُود نہ جاتے تو یہ خنجر ان کا سینہ توڑتا ہوا نکل جاتا امیر حمزہ نے چیتے کی طرح چھلانگ لگائی اور سُہیل کو گھوڑے سے اُتار کر زمین پر پٹخ دیا۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ انھوں نے اس کی پیٹی پکڑ کر سر سے اُونچا اُٹھایا اور ایک مکان کی دیوار پر دے مارا۔ سُہیل کی چیخیں نکل گئیں اور اس سے پہلے کہ اس کے سپاہی امیر حمزہ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کریں، عمرو نے لپک کر اپنا خنجر سُہیل کے گلے پر رکھ دیا اور چلّا کر کہا:

"خبردار، اگر کسی نے تلوار چلانے یا نیزہ پھینکنے

کی کوشش کی تو سُہیل کا سر تن سے الگ کر دُوں گا۔"

یمنی سپاہی وہیں رُک گئے۔ اِدھر سُہیل نے اپنے گلے پر خنجر کی دھار محسوس کی تو خوف سے رگوں میں خون جم گیا۔ رحم طلب نظروں سے عمرو کو دیکھا اور کہنے لگا:

"خنجر میرے گلے سے ہٹا لو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ یہاں نہ آؤں گا۔"

عمرو نے کہا "اور یہ بھی وعدہ کر کہ امیر حمزہ کو ہمیشہ اپنا سردار مانے گا۔"

"آج سے میں اور میرے تمام سپاہی امیر حمزہ کے خادم اور وفادار ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں

عمرو نے خنجر اس کے گلے سے ہٹایا تو سُہیل اُٹھ کھڑا ہُوا لیکن شرم کے مارے امیر حمزہ سے نظریں نہ ملاتا تھا۔ یہ دیکھ کر امیر حمزہ گھوڑے سے اُترے، سُہیل کو گلے سے لگایا اور کہا:

"آج سے تُو میرا بھائی ہے اور تیرے تمام سپاہی میرے مہمان ہیں۔"

اس کے بعد سب لوگ خُوشی خوشی شہر میں

آئے اور ہر طرف امن و امان ہو گیا۔
امیر حمزہ نے سُہیل کی خوب خاطر تواضع کی۔ کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ آخر ایک دِن سُہیل نے بڑے ادب سے کہا "میں اب یمن جاتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ بادشاہ مجھ سے پُوچھے گا کہ عرب سے کِتنا مال لُوٹ کر لائے ہو تو کیا جواب دُوں گا؟ آپ سے دوستی کے جُرم میں وہ مجھے فوراً قتل کرا دے گا۔"
"تم فِکر نہ کرو۔ ہم تمہارے ساتھ چلیں گے" امیر حمزہ نے کہا "اگر بادشاہ نے جنگ کی تو اس کو مزہ چکھا دیں گے۔"
سُہیل نے خوش ہو کر امیر حمزہ کے پاؤں کو بوسہ دیا اور روانگی کی تیاری کرنے لگا۔
امیر حمزہ نے اپنے والد سے یمن جانے کی اجازت لی اور کئی ہزار عرب نوجوانوں کی ایک فوج لے کر روانہ ہوئے۔ عمرو اور مُقبل ان کے ساتھ تھے۔ امیر حمزہ نے سُہیل کو ایک دن پہلے ہی روانہ کر دیا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے منزلیں طے کرتے ہوئے ایک جنگل میں داخل ہوئے۔ اپنی

فوج کو ایک دُوسرے راستے سے بھیجا اور خُود عمرو اور مُقبل کو لے کر جنگل کی سیر کے لیے ایک طرف چل پڑے۔

ایک ندی کے کنارے پر پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خوف ناک شکل کا شخص شیر کی کھال پہنے بیٹھا ہے اور اس کے قریب ہی ایک زبردست شیر بھی کھڑا ہے۔ شیر کی گردن اور پیروں میں لوہے کی مضبُوط زنجیر پڑی ہوئی تھی۔ اِن کو اپنی جانب آتے دیکھ کر شیر غرّایا اور اُچھلنے کُودنے لگا۔ مگر خوف ناک شکل والے آدمی نے اِس کی گردن پر گھُونسا مارا اور وہ بلّی کی مانند دبک کر درخت کے قریب بیٹھ گیا۔

اتنے میں امیر حمزہ، عمرو اور مُقبل قریب آ گئے۔ اُنھیں حیرت تھی کہ اس شخص نے جنگل کے بادشاہ کو کیسے قابُو میں کیا۔ امیر حمزہ نے اُس سے پُوچھا:

"اے پہلوان تُو کون ہے اور اس شیر کو زنجیروں میں کیوں جکڑ رکھا ہے؟"

اس شخص نے اس زور کا قہقہہ لگایا کہ عمرو ڈر کر امیر حمزہ سے جا چمٹا۔

"میرا نام جبران ہے۔ یہ شیر میرا غلام ہے۔ جو مال دار آدمی اس جنگل سے گزرتا ہے، اُس پر شیر کو چھوڑ دیتا ہوں۔ شیر اس کی تِکا بوٹی کر کے اپنا پیٹ بھرتا ہے اور میں اس کا سامان لے جا کر بازار میں بیچتا ہوں۔ اسی پر میری گزر بسر ہے بہت دن سے کوئی شکار نہیں ملا تھا۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ تم تینوں کے پاس خاصا مال و دولت ہے۔ لاؤ یہ سب میرے حوالے کر دو ورنہ میں شیر کو چھوڑتا ہوں۔"

امیر حمزہ گھوڑے سے اُترے اور جبران کے قریب جا کھڑے ہوئے۔ وہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا اور حیرت سے امیر حمزہ کو دیکھنے لگا جو کبھی شیر کی طرف دیکھتے کبھی جبران کی طرف۔ ان کے چہرے پر خوف کی کوئی علامت نہ تھی۔ اُنھوں نے جبران سے کہا:

"میں تو سمجھا تھا کہ تُو کوئی بہادر اور شریف انسان ہوگا۔ لیکن تیرے کرتوت تو اُچکوں اور ٹھگوں جیسے

ہیں۔ خُدا نے تجھے ایسا ڈیل ڈول اور اتنی طاقت عطا کی ہے۔ تو اُس سے نیک کام کیوں نہیں لیتا؟"

"تُم پہلے آدمی ہو جو نہ مجُھ سے ڈرے نہ میرے شیر سے۔" جبران نے کہا "اور میں تمہاری اس جرأت سے خوش ہُوا۔ اسی لیے تمہاری جان بخشی کرتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ اپنا گھوڑا اور کُل سامان میرے حوالے کر دو۔"

"اگر مجھے تیری شرط منظُور نہ ہو تو؟" امیر حمزہ نے پُوچھا۔

"پھر میں اس شیر کو تُم پر چھوڑ دُوں گا اور یہ آناً فاناً تُم کو اور تُمہارے دونوں ساتھیوں کو ہڑپ کر جائے گا۔"

"بہتر ہے کہ تُم یہ ارمان بھی نکال لو۔" امیر حمزہ نے کہا اور نیزہ تان لیا۔ اُدھر جبران نے شیر کی زنجیریں کھولیں اور اِدھر عمرو چیختا چلاتا ایک درخت کی طرف بھاگا۔ ساتھ ساتھ امیر حمزہ کو بھی آوازیں دیتا جاتا تھا کہ پاگل ہوئے ہو جو شیر کا مقابلہ کرتے ہو؟ کہاں آدمی کہاں درندہ۔ کوئی مقابلہ بھی ہے لیکن امیر حمزہ نے اس کی طرف دھیان نہ دیا۔

شیر آزاد ہوتے ہی اس زور سے گرجا کہ زمین تھرا گئی اور درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندے خوفزدہ ہو کر اُڑنے لگے۔ امیر حمزہ اپنی جگہ چٹان کی طرح جمے کھڑے رہے۔ شیر کی دُم تیزی سے گردش کر رہی تھی اور اس کا جبڑا بھیانک انداز میں کھلا تھا۔ ایک چھوٹا سا چکر کاٹ کر وہ چند قدم حمزہ کی جانب بڑھا۔ اب اس کا پیٹ زمین کو چھو رہا تھا اور اس نے اگلے دونوں پنجے مٹی میں گاڑ دیے تھے۔ امیر حمزہ نے بھی نیزے کو حرکت دی اور دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔ شیر ایک بار پھر دہاڑا اور امیر حمزہ پر چھلانگ لگائی لیکن انھوں نے شیر کا وار خالی دیا اور پوری قوت سے نیزہ اس کے پیٹ میں مارا۔ نیزے کا چمک دار اور تیز پھل شیر کا پیٹ چھیدتا ہُوا پیٹھ سے نکل گیا۔

زخمی ہونے کے بعد شیر کٹے ہوئے بکرے کی طرح زمین پر تڑپنے لگا۔ جبران نے اپنے پالتو شیر کو مرتے دیکھا تو اُسکی آنکھوں سے چنگاریاں اُڑنے لگیں۔ تلوار کھینچ کر امیر حمزہ کی طرف لپکا اور چاہتا تھا کہ تلوار مار کر ان کے دو ٹکڑے کر دے کہ امیر حمزہ نے ایسا ہاتھ مارا کہ جبران کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر دُور جا گری اور وہ ہکا بکا رہ گیا۔ امیر حمزہ نے تلوار کی نوک اس کے سینے پر رکھ دی اور کہا:

"تجھ جیسے بزدل کو مار کر مجھے خوشی نہ ہوگی۔ لیکن تجھے

چھوڑنا بھی خطرناک ہے۔ کیوں کہ تُو خُدا کی مخلُوق کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ وعدہ کر کہ آئندہ یہ حرکت نہ کرے گا اور محنت مشقّت کر کے روزی کمائے گا۔"

"وعدہ کرتا ہوں۔" جبران نے شرمندہ ہو کر کہا۔

امیر حمزہ نے اسے گلے سے لگایا اور کہا:

"اب تُو میرا بھائی ہے۔ میں اپنی فوج کے ساتھ یمن پر حملہ کرنے جا رہا ہُوں۔ آج سے تو میری فوج کا جھنڈا اُٹھا کر آگے آگے چلے گا۔"

عمرو اور مُقبل نے بھی جبران سے ہاتھ ملایا اور خُوشی خُوشی اسے ساتھ لے کر اپنے لشکر میں آئے۔

اُدھر یمن کے بادشاہ منظر شاہ کو یہ خبر ملی کہ امیر حمزہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں اور اُن کے ساتھ سُہیل بھی ہے تو منظر شاہ کو بہُت غصّہ آیا۔ اُس نے اپنے بیٹے نُعمان کو بُلا کر حُکم دیا کہ دس ہزار جوان لے کر شہر سے باہر امیر حمزہ کو روکو۔ لیکن نعمان اگلے ہی روز آدھی سے زیادہ فوج امیر حمزہ کے ہاتھوں کٹوا کر واپس بھاگ آیا۔

اب تو منظر شاہ کے ہوش بھی اُڑ گئے۔ اُسے اپنے بیٹے نعمان پر بڑا ناز تھا۔ لیکن جب اس کے مُنھ سے

شکست کی بات سُنی تو امیر حمزہ اور اس کی فوج کا خوف اس کے دل پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی بچی کھچی فوج کو حُکم دیا کہ شہر چھوڑ کر قلعے میں پناہ لے۔

تین دن بعد امیر حمزہ کا لشکر یمن کے قلعے کے نزدیک پہنچا۔ قلعے کا دروازہ بند تھا۔ فصیلوں اور بُرجیوں پر منظر شاہ کے سپاہی تیر کمان اور نیزے لیے کھڑے تھے۔ حمزہ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔

کئی دن گزر گئے۔ اس دوران میں قلعے کے اندر خوراک اور پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ منظر شاہ کے سپاہی اور رعایا بھوکی مرنے لگی۔ آخر تنگ آ کر اس نے صُلح کا پیغام بھیجا۔ امیر حمزہ نے یہ شرط لگائی کہ منظر شاہ خود حاضر ہو۔

یہ دیکھ کر منظر شاہ اپنے سرداروں اور بیٹوں کے ساتھ قلعے سے باہر نکلا اور امیر حمزہ کے قدموں پر آن گرا۔ انھوں نے اس کی عزت کی، اپنے خیمے میں لے گئے اور کہا کہ اگر تم آئندہ جنگ نہ کرنے کا عہد کرو تو یمن کا قلعہ اور شہر تمھارے ہی پاس رہنے دیا جائے گا۔ منظر شاہ اور اس کا بیٹا امیر حمزہ کے اچھے اخلاق اور عُمدہ سلوک سے بہت خوش ہوئے اور انھوں نے

ایک زبان ہو کر کہا:
"ہم آپ کے غلام ہیں۔ جہاں آپ جائیں گے، ہم بھی جائیں گے۔"
اُن کی ضد سے مجبور ہو کر امیر حمزہ نے منظر شاہ اور اور نعمان کو بھی لشکر میں شامل کیا اور واپس مکّے کی جانب روانہ ہوئے۔

ختم شد

پُراسرار جزیرہ

نوشیرواں کا تخت

حشام عرب کے ایک شہر خیبر میں پیدا ہوا تھا۔ اُس کا باپ علقمہ اپنے زمانے کا بڑا نامی گرامی لٹیرا تھا۔ لوگ اس کی حرکتوں سے پریشان اور خوف زدہ رہتے۔ کئی بار یہ شخص پکڑا گیا اور اس کی پیٹھ پر کوڑے برسائے گئے لیکن اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا اور اُس نے اپنے بیٹے حشام کو بھی ایک خوف ناک ڈاکو بنانے کے لیے دن رات تربیت دینی شروع کر دی۔

حشام اپنے باپ سے بھی زیادہ پتھر دل اور

بے رحم نکلا۔ اُسے کسی پر ترس نہ آتا۔ جب
وہ چھوٹا تھا تو غُلیل یا تیر کمان لے کر
جنگل میں نکل جاتا اور معصوم پرندوں کو مارتا۔
اس میں اُسے بڑا مزا آتا۔ جوان ہُوا تو اِنسانوں
کو مارنے لگا۔ بے گناہ لوگوں کا مال اسباب
لُوٹتا اور اُن کے ناک کان کاٹ کر بھاگ جاتا۔
علقمہ مر گیا تو اُس کی جگہ حشّام نے لے لی۔
اُس نے اپنے ہی جیسے بدمعاشوں اور اُچکّوں کو
جمع کر کے ایک بہُت بڑا گروہ بنا لیا اور
بے دھڑک تاجروں کے قافلوں کو لُوٹنے لگا۔
تھوڑے ہی عرصے میں اس کے ظُلم و ستم کی
کہانیاں سارے مُلک میں پھیل گئیں۔ ایران کے
بادشاہ نوشیرواں تک شکایت پہنچی کہ حشّام ڈاکو
نے لوگوں کی نیندیں حرام کر دی ہیں تو اُس
نے کئی بار اپنی فوج بھیجی کہ حشّام کو گرفتار
کر لائے۔ مگر وہ ہر بار کوئی نہ کوئی چَل دے
کر صاف نِکل جاتا۔ اُس زمانے میں خیبر حکومتِ
ایران کے ماتحت تھا اور خیبر کے لوگ ایرانی
بادشاہ کو خراج یا ٹیکس دیا کرتے تھے۔

اب حشّام کی جُرأت اتنی بڑھی کہ اپنے گروہ کے ساتھ دِن کی روشنی میں شہر کے اندر آ جاتا اور جس سے جو چاہتا کرا لیتا۔ دُکان دار اُسے دیکھتے ہی تھر تھر کانپنے لگتے اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اُس کے سامنے چوں بھی کرے۔

ایک دِن جب کہ حشّام شہر میں گھوم رہا تھا، نوشیرواں کی فوج کے سپاہی بھی وہاں آ گئے۔ اُن کا مقصد اُس وقت حشّام کو پکڑنے کا نہ تھا۔ وُہ خیبر کے لوگوں سے اپنا سالانہ خراج وصُول کرنے آئے تھے۔ حشّام کو پتا چلا تو وُہ اپنے آدمیوں کو لے کر اُسی وقت شاہی فوج کے مُقابلے میں آ گیا اور ایسا حملہ کِیا کہ فوج کے بہُت سے سپاہی مارے گئے، اور جو بچے وُہ بھاگ نکلے۔ حشّام نے خیبر کے لوگوں کو جمع کیا اور یوُں تقریر کی:

"اے بھائیو! تمُ مجھے ڈاکوُ یا قاتل جو کچُھ بھی سمجھو، بجا ہے۔ میں نے تمُ پر بڑے ظُلم کیے ہیں، مگر نوشیرواں کے سپاہی بھی کچُھ کم ظُلم نہیں کرتے۔ میں

چاہتا ہوں کہ تمھیں نوشیرواں کی غلامی
سے آزاد کراؤں - اس کے لیے ضروری
ہے کہ تم اب وہ خراج مجھے ادا کرو
جو نوشیرواں کو ادا کرتے ہو تاکہ میں اُس
رُوپے سے ایک بڑی فوج تیّار کر کے
نوشیرواں سے جنگ کروں۔"
خیبر کے لوگ نوشیرواں کے سپاہیوں سے بھی
اُتنے ہی تنگ تھے جتنے حشّام ڈاکو سے، لیکن
اُنھوں نے صرف اس خیال سے کہ وہ دونوں
طرف سے لُٹنے کے بجائے ایک ہی طرف سے
لُٹتے رہیں، حشّام کو دِل کھول کر روپیہ دیا -
چند دِن کے اندر اندر حشّام نے پچاس ہزار
جوانوں کی ایک فوج تیّار کر لی اور اُس کو
بہترین ہتھیاروں سے لیس کر کے ایران کے
دارالحکومت مدائن کی جانب روانہ ہوا - راستے
میں جتنی بھی بستیاں اور گاؤں ملے، سب کو
جی بھر کر لُوٹا، آگ لگائی اور قتلِ عام کیا۔
حشّام کے آنے کی خبر نوشیرواں کے کانوں
تک پہنچی تو وہ بڑا فکر مند ہوا۔ اُس نے اپنے

وزیروں سے مشورہ کیا۔ اُنھوں نے رائے دی کہ حشّام کے مُقابلے کے لیے خود بادشاہ کو فوج لے کر نِکلنا چاہیے مگر وزیرِ اعظم بزرجمہر نے کہا:

"جہاں پناہ، اِس غُلام کی رائے میں یہ مشورہ صحیح نہیں۔ آپ اِتنی بڑی سلطنت کے بادشاہ ہیں اور حشّام ایک گھٹیا درجے کا لُٹیرا ہے۔ آپ کو یہ ہرگز زیب نہیں دیتا کہ ایک ڈاکُو کے مُقابلے کے لیے جائیں۔ فرض کیجیے آپ کو فتح بھی ہُوئی تو لوگ کہیں گے، ایک ڈاکُو کو شکست دے کر آپ نے کیا کمال کیا۔ اور اگر آپ ہار گئے تو یہ بڑی شرم کی بات ہو گی۔"

نوشیرواں نے اِس بات پر غور کیا تو اُسے بزرجمہر کی اس دلیل میں وزن محسُوس ہُوا۔ کہنے لگا "بے شک تمھارا کہنا ٹھیک ہے۔ حشّام کے مُقابلے میں ہمارا جانا اچھّا نہیں ہو گا۔ لیکن اِس مُصیبت سے نجات پانے کی کوئی تدبیر بھی ہونی چاہیے۔"

"تدبیر یہ ہے عالی جاہ کہ کِسی بہادر پہلوان

کو مدائن کے قلعے کی حفاظت کے لیے مقرر کیجیے۔ آپ شکار کے ارادے سے جنگل میں نکل جایئے اور اعلان کر دیجیے کہ آپ چالیس دن تک جنگل میں رہیں گے۔ میں نے علمِ نجوم سے حساب لگایا ہے کہ یہ چالیس دن آپ کے لیے سخت منحوس ہیں۔ آپ کو شہر میں نہیں رہنا چاہیے۔"

نوشیرواں نے اُسی وقت غشر فیل نام کے ایک پہلوان کو بُلایا۔ وہ مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہُوا آیا اور بادشاہ کے تخت کو بوسہ دے کر کھڑا ہو گیا۔ نوشیرواں نے اُس سے کہا:

"دیکھو، ہم شکار کھیلنے جنگل میں جا رہے ہیں۔ چالیس دن کے بعد واپس آئیں گے۔ سارا شہر اور قلعہ تمھاری حفاظت میں ہے۔ اگر ہمارے پیچھے دشمن شہر پر حملہ کرے تو سب شہریوں اور فوج کو قلعے میں لے جانا اور ہرگز ہرگز قلعے سے باہر نکل کر مت لڑنا۔"

غشر فیل پہلوان نے عرض کیا "جہاں پناہ کا حکم سر آنکھوں پر۔ میں حضور کی ہدایت پر عمل

کروں گا اور قلعے سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ نہ کروں گا۔"

نوشیرواں نے بزرجمہر اور دوسرے سرداروں کو ساتھ لیا اور جنگل کی جانب چلا گیا۔ اب مدائن شہر اور قلعے پر عشر فیل پہلوان کی حکومت تھی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ پہلوان بہت بہادر تھا لیکن اس کی کھوپڑی میں عقل کی جگہ بھس بھرا ہوا تھا۔ جب کوئی اس کی تعریف کرتا تو وہ گدھے کی طرح پھول جاتا۔ نوشیرواں کے جانے کے دس دن بعد حشّام اپنی فوج کو لیے ہوئے مدائن کے نزدیک آن پہنچا۔ عشر فیل نے قلعے کے دروازے بند کر لیے اور فصیل پر سے تیروں اور نیزوں کی ایسی بارش برسائی کہ حشّام کے کئی ہزار آدمی مارے گئے۔ یہ دیکھ کر حشّام کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ بار بار اپنے سپاہیوں کو قلعے کا دروازہ توڑنے اور فصیل پر چڑھنے کے لیے للکارتا، لیکن جونہی اس کے سپاہی آگے بڑھتے، فصیل پر سے تیروں کی بوچھاڑ آتی اور بہت سے سپاہی مارے جاتے۔ آخر حشّام نے

اپنے سپاہیوں کو جنگ بند کرنے کا حکم دیا۔
ساری رات اُسے غصّے کے مارے نیند نہ آئی۔
دل میں کہتا تھا کہ اگر اِسی طرح میرے سپاہی
موت کے منہ میں جاتے رہے تو میں لڑوں گا
کیسے ؟ کوئی ترکیب ایسی کی جائے کہ عشر فیل
پہلوان اپنے سپاہیوں کو لے کر قلعے سے باہر نکلے۔
سوچتے سوچتے خاصی دیر گزر گئی مگر کوئی ترکیب
ذہن میں نہ آئی ۔ آخر اپنے غلام سے کہا کہ ایسے
شخص کو تلاش کر کے لاؤ جو کبھی مدائن کے قلعے
میں رہ چکا ہو اور عشر فیل پہلوان کو بھی جانتا ہو۔
غلام یہ حکم پا کر اپنے لشکر میں گیا اور پوچھ گچھ
شروع کی ۔ اُسے بہت جلد ایک ایسا شخص مِل گیا
جو کسی زمانے میں عشر فیل پہلوان کا دوست رہ
چکا تھا اور اب اُس سے ناراض ہو کر حشّام
کے سپاہیوں میں بھرتی ہو گیا تھا ۔ غلام نے اُس
آدمی کو حشّام کی خدمت میں پیش کیا۔ حشّام نے
سر سے پاؤں تک اُس کو دیکھا اور کہا :
"کیا تم عشر فیل پہلوان کو جانتے ہو ؟"
"ہاں جناب ، میں اور وہ برسوں ایک ہی مکان

میں رہے ہیں۔"
"خوب، تب تو تمھیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ اس پہلوان میں خوبیاں کون سی ہیں اور خامیاں کون سی؟"
"میں سب کچھ جانتا ہوں جناب عالی۔"
"پہلے غشرفیل کی خوبیاں بیان کرو۔" حشّام نے کہا۔
"جناب، وہ بڑا بہادر، بے خوف اور طاقت ور آدمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا نام نوشیرواں نے اپنے ایک ہاتھی کے نام پر رکھا ہے۔ لڑنے بھڑنے میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"
"اور خامیاں کیا ہیں؟"
"جنابِ والا، اس میں خامیاں تو بہت سی ہیں، مگر ایک خامی ایسی ہے جس پر وہ کسی طرح بھی قابو نہیں پا سکتا۔ وہ خامی یہ ہے کہ وہ اپنی تعریف اور خوشامد سے بڑا خوش ہوتا ہے۔ اکثر لوگ جھوٹی سچّی تعریف کر کے بہت سی دولت اس سے اینٹھ لیتے ہیں۔"
"واہ وا۔ یہ تو بڑے کام کی بات تم نے بتائی۔" حشّام نے خوش ہو کر کہا۔ "ایسے آدمی

پر قابو پانا کچھ مشکل نہیں۔" یہ کہہ کر اُس کو انعام دے کر رُخصت کیا۔

صبح سویرے حشّام نے اپنی فوجوں کو تیاری کا حکم دیا لیکن حملے سے پہلے خود گھوڑا دوڑا کر قلعے کی فصیل کے قریب پہنچا اور وہاں کھڑے ہُوئے سپاہیوں کو بلند آواز سے پُکار کر کہا:

"میرا نام حشّام ہے۔ میں غشرفیل پہلوان سے بات کرنی چاہتا ہُوں۔"

سپاہیوں نے فوراً پہلوان کو خبر کی اور اپنی جانب سے نمک مرچ لگا کر کہنے لگے:

"شاید آپ کی بہادری کا رُعب حشّام پر بیٹھ گیا ہے۔ تبھی وہ صُلح کی درخواست لے کر آیا ہے۔"

یہ سُن کر غشرفیل کی کھوپڑی میں کھُد بُد شرُوع ہُوئی۔ دِل میں خوش ہُوا، سینہ پھُلا، دانت نِکال، قلعے کی فصیل پر آن کھڑا ہُوا اور اپنی گرج دار آواز میں حشّام سے کہنے لگا:

"میرا نام غشرفیل ہے۔ کہو کیا اِرادے ہیں

لڑو گے یا اُلٹے قدموں واپس جانے کی تیّاری ہے؟"

"جناب، میرے باپ دادا کی توبہ جو میں آپ سے لڑنے کی جُراُت کروں۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ قلعے میں آپ موجود ہیں۔ میں آپ کا نام اور کارنامے سُن چکا ہُوں اور مُجھے آپ سے مُلاقات کا بڑا شوق تھا۔ مگر افسوس کہ اِن حالات میں مُلاقات ہُوئی۔ میری خطا مُعاف فرمایئے۔ میں آج شام یہاں سے رُخصت ہو جاؤں گا۔ آپ سے لڑنے کی ہمّت نہیں۔ جی چاہے تو تھوڑی دیر کے لیے قلعے سے باہر تشریف لایئے تاکہ میں آپ کے قدم چُوم لُوں۔"

عنتر نیل نے حشّام کے مُنہ سے یہ خوشامدانہ جُملے سُنے تو خُوشی کے مارے سب کُچھ بھُول گیا۔ اُسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ نوشیرواں نے کیا ہدایت کی تھی۔ اُسی وقت فوج کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے باہر نِکل آیا تاکہ حشّام کو اپنے پاؤں چُومنے کا موقع عطا کرے۔

حشّام صبر سے اپنی جگہ کھڑا رہا اور جب اس نے دیکھا کہ پہلوان اپنی فوج کو پوری طرح میدان میں لے آیا ہے تو اُس نے یکایک زبردست نعرہ لگا کر اپنے سپاہیوں کو ہلّا بولنے کا حکم دیا۔ حشّام کے سپاہی بھوکے شیروں کی طرح عنتر فیل پہلوان کی فوج پر ٹوٹ پڑے اور تھوڑی ہی دیر میں لاشوں کے انبار میدانِ جنگ میں نظر آنے لگے۔ پہلوان سمجھ گیا کہ حشّام نے چکما دے کر بلایا تھا۔ وہ جان بچانے کے لیے قلعے کی طرف بھاگا مگر حشّام نے اُسے بھاگنے کا موقع نہ دیا۔ اُس نے پہلوان کے سینے میں اس زور سے نیزہ مارا کہ اس کی انی سینہ توڑتی ہوئی نکل گئی۔ ایک ہولناک چیخ کے ساتھ پہلوان زمین پر گرا اور تڑپنے لگا۔ اُسی لمحے حشّام نے تلوار سے اس کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا دیا۔

پہلوان کی فوج نے جب اپنے سپہ سالار کا یہ حشر دیکھا تو اُس کے پاؤں اُکھڑ گئے اور حشّام "آناً فاناً" شہر کے اندر جا گھسا۔ کئی ہزار لوگوں

کو قتل کیا اور اُن کے مکان لوٹ لیے۔ پھر بادشاہ کے محل کا رُخ کیا، اُسے بھی جی بھر کر برباد کیا اور نوشیرواں کے تخت اور تاج پر بھی قبضہ جما لیا۔ اب اس کے ظلم کی کوئی حد نہ رہی۔ لوگ اُسے دیکھتے ہی سجدے میں گر جاتے۔ نوشیرواں کی فوج کے وہ سپاہی جن کی جانیں بچ گئی تھیں، اب حشّام کی فوج میں شامل ہو چکے تھے۔

مدائن کو تہس نہس کرنے کے بعد حشّام نے وہاں سے کوچ کیا اور ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں دو راستے نکلتے تھے۔ ایک راستہ خیبر کو اور دوسرا مکّے کو جاتا تھا۔ حشّام فتح اور طاقت کے نشے میں چُور تھا، اِس لیے خیبر جانے کے بجائے اُس نے مکّے کا راستہ اختیار کیا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا:

"میں نے سُنا ہے کہ مکّے میں ایک ایسا شخص پیدا ہُوا ہے جو عرب کے تمام پہلوانوں کو ہرا چکا ہے۔ اُس نے بہت بڑی فوج تیار کی ہے اور حال ہی میں یمن کے بادشاہ کو

بھی شکست دی ہے۔ میں اس شخص سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتا ہوں۔"

اس کے ساتھیوں نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور پھر ایک لاکھ سپاہیوں کا ایک لشکر مکّے کو تباہ کرنے کی نیّت سے روانہ ہُوا۔

اُدھر خواجہ عبدُالمطّلب کے کانوں تک بھی خبر پہنچ گئی کہ حشّام ڈاکو ایک زبردست فوج لے کر مکّے پر چڑھائی کے ارادے سے آ رہا ہے۔ اس خبر سے مکّے کے لوگوں کے ہوش اُڑ گئے اور وُہ حشّام کے خوف سے تھر تھر کانپنے لگے۔ خواجہ عبدُالمطّلب سیدھے خانہ کعبہ میں گئے اور رو رو کر خدا سے دُعا مانگنے لگے کہ اے خدا، دُشمن تیرے گھر کو برباد کرنے کی نیّت سے اِدھر آ رہا ہے۔ اب تو ہی اس کے حملے سے اپنے گھر اور اس شہر میں رہنے والوں کی حفاظت کر سکتا ہے۔

خواجہ عبدُالمطّلب کی دُعا خدا نے قبول کی اور اُسی روز امیر حمزہ مُلکِ یمن کو فتح کرنے کے بعد اپنی فوج کے ساتھ واپس آ گئے۔ خواجہ صاحب

نے اپنے بہادر بیٹے کو سینے سے لگایا اور یمن کی فتح پر مبارک باد دی مگر پھر فوراً ہی اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ابیر حمزہ بے چین ہو کر کہنے لگے:

"ابا جان! آپ ہنسنے کی بجائے روتے کیوں ہیں؟ کیا میری کسی بات سے رنج پہنچا ہے؟"

"نہیں بیٹا، رنج کیسا۔ میں تو اس لیے روتا ہوں کہ حشام ڈاکو ایک لاکھ سپاہیوں کی فوج لے کر مکے کی طرف آ رہا ہے۔ وہ خدا کی مخلوق کا قتل عام کرنے کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ کو بھی برباد کرے گا۔"

ابیر حمزہ مسکرائے۔ انھوں نے کہا:

"بس اتنی سی بات پر آپ فکر مند ہو گئے۔ یہ تو اچھا ہی ہوا کہ حشام خود ادھر آ رہا ہے ورنہ مجھے اس کے پیچھے جانا پڑتا۔ اُسے آنے دیجیے، خدا نے چاہا تو وہ میرے ہاتھ سے بچ کر نہیں جانے گا۔"

"بیٹا، تم نہیں جانتے کہ وہ کیسا ظالم اور بے رحم شخص ہے۔" خواجہ عبدالمطلب نے کہا "جب اس

نے نوشیرواں جیسے طاقت ور بادشاہ کو شکست دے دی تو تم کیا کر لو گے؟ بہتر یہی ہے کہ ہم لوگوں کو ہمارے حال پر چھوڑ دو اور خود ملکِ حبشہ کی جانب چلے جاؤ۔ میں حبشہ کے بادشاہ کو خط لکھے دیتا ہوں۔ وہ تمہیں اپنے مُلک میں حفاظت سے رکھے گا۔"

"ابّا جان! آپ کیسی باتیں کرتے ہیں" امیر حمزہ نے کہا۔ "اپنے عزیز شہر اور اِس شہر کے لوگوں کو دُشمن کے رحم پر چھوڑ کر میں حبشہ ہرگز نہ جاؤں گا۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کے بیٹے کو بُزدلی کے طعنے دیں؟ آپ بالکل فکر نہ کیجیے۔ شکست اور فتح خُدا کے ہاتھ میں ہے اور مجھے اُس کی ذات سے اُمید ہے کہ وُہ ہمیں حشّام کے مقابلے میں کبھی ذلیل نہ ہونے دے گا۔"

بہادُر بیٹے کی یہ باتیں سُن کر خواجہ عبدالمطّلب کو کچھ تسلّی ہُوئی۔ امیر حمزہ نے اُن کے ہاتھ چُومے اور کہا:

"آپ اب گھر جا کر آرام فرمایئے۔ حشّام اگر

آیا تو میں اس سے نبٹ لوں گا۔"

خواجہ عبدالمطلب نے بیٹے کو سینے سے لگایا پھر دونوں سیدھے خانہ کعبہ میں گئے اور خدا سے اس جنگ میں کامیابی کی دعائیں مانگنے لگے۔

شام کے وقت امیر حمزہ کی فوج کے چند سوار شہر میں آئے اور انھوں نے خبر دی کہ حشام کا لشکر آن پہنچا اور اس وقت مکّے سے کوئی دس میل کے فاصلے پر پڑاؤ کر رہا ہے۔ امیر نے اسی وقت اپنی فوج میں سے تین ہزار جان باز سپاہی چن لیے اور جب سورج چھپ گیا اور رات کے اندھیرے تیزی سے پھیلنے لگے تو تین ہزار کا یہ دستہ امیر حمزہ کی سپہ سالاری میں مکّے سے باہر نکلا۔ ان کے گھوڑے آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور کوئی شخص ایک دوسرے سے بات نہ کرتا تھا۔ امیر حمزہ نے فیصلہ کیا تھا کہ آدھی رات کو جب حشام کے تھکے ماندے سپاہی بے خبر پڑے سو رہے ہوں گے ان پر اچانک حملہ کیا جائے۔ اسے دشمن پر شب خون مارنا کہتے ہیں۔

جب امیر حمزہ اور ان کا فوجی دستہ مکّے سے

دس میل دور پہنچا تو ایک ویران پہاڑ کے دامن میں حشّام کا لشکر پڑاؤ کیے ہوئے نظر آیا۔ گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں صاف آ رہی تھیں اور کہیں کہیں چربی سے جلنے والی مشعلیں بھی روشن تھیں۔ لشکر کے اکثر سپاہی خرّاٹے لے رہے تھے اور ان کی حفاظت کرنے والے پہرے دار بھی اونگھ رہے تھے۔ لشکر کے عین درمیان میں ایک اونچے ٹیلے پر بہت بڑا خیمہ لگا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہی خیمہ حشّام کا ہے۔ امیر کے ساتھیوں کی رائے تھی کہ دشمن اس وقت بے خبر سویا پڑا ہے۔ فوراً ہلّہ بول دیا جائے۔ لیکن انھوں نے اس رائے کو نہیں مانا۔ کہنے لگے کہ سوتے ہوئے دشمن پر حملہ کرنا بہادری نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اسے پہلے خبردار کر دیا جائے۔ یہ کہہ کر انھوں نے اپنے ساتھیوں کو حشّام کے لشکر کے گرد گھیرا ڈالنے کا حکم دیا اور پھر اپنا گھوڑا آگے بڑھا کر ایک ٹیلے پر جا کھڑے ہوئے یہاں سے حشّام کا لشکر دور دور تک نظر آتا تھا۔ اپنے سپہ سالار کے اشارے پر جبران نے لوہے کا بنا ہوا ایک قرنا (بگل)

نکال کر منہ سے لگایا اور اس زور سے بجایا
کہ اس کی آواز سے حشّام کے سپاہی ہڑبڑا
کر اُٹھ بیٹھے۔ اِتنے میں امیر حمزہ نے گرج دار
آواز میں نعرہ لگایا اور کہا:
"حشّام کے سپاہیو اور سردارو، سُن لو اور
جان جاؤ کہ میرا نام حمزہ ہے اور میں مکّے
کے سردار خواجہ عبدُالمطّلب کا بیٹا ہُوں۔ اب تُم
پر حملہ کرتا ہُوں۔ ہوشیار اور خبردار ہو جاؤ۔"
یہ سُن کر حشّام کے سپاہیوں میں دہشت
کی ایک لہر دوڑ گئی۔ چیخ پکار اور ہنگامہ
برپا ہُوا۔ بھاگتے ہُوئے سپاہی ایک دُوسرے
سے ٹکراتے لگے اور آپس میں گتھّم گتھّا ہو گئے
اُدھر امیر حمزہ نے حملے کا حُکم دیا اور اُن
کے تین ہزار سپاہی بجلی کی مانند دُشمن پر
گرے۔ رات بھر تلوار چلتی رہی، حشّام کے
سپاہی کٹ کٹ کر گرتے رہے۔ ہر طرف
لاشوں کے ڈھیر لگے تھے اور خُون کی ندی
بہہ رہی تھی۔ لیکن حشّام اس ہنگامے سے
بے خبر اپنے خیمے میں پڑا سو رہا تھا۔

صبح جب مشرق سے سُورج نِکلا اور روشنی
پھیلی تو حشّام کو خبر مِلی ۔ وُہ غصّے سے
کانپتا ہُوا خیمے سے باہر آیا اور اپنے ایک
سردار سے پُوچھنے لگا :
"ہمارے لشکر پہ کِس نے حملہ کرنے کی
جُراَت کی ہے ؟"
"حضُور ، یہ حرکت امیر حمزہ کی ہے ۔ اُس نے
رات کی تاریکی میں ہمارے لشکر پہ شب خوُن
مارا اور بیس ہزار سِپاہی قتل کر ڈالے ۔"
حشّام کی آنکھیں کبُوتر کے خوُن کی مانند
سُرخ ہو گئیں ۔ چِلاّ کر کہا :
"اس کا مطلب یہ ہے کہ امیر حمزہ کی موت
اُسے خُود ہی ہمارے پاس گھسیٹ لائی ہے ۔
اچھا ، ابھی اُس کی خبر لیتا ہُوں ۔"
یہ کہہ کر مُنہ سے جھاگ اُڑاتا ہُوا اپنے خیمے
میں گیا اور ہتھیار بدن پر سجا کر اور ایک
وحشی گینڈے پر سوار ہو کر میدانِ جنگ میں
آیا ۔ اُس وقت جس نے بھی اس کو دیکھا ،
کانپ گیا ۔ اس کے سر پر چمکدار فولادی خود

دھرا تھا جس پر کسی جانور کے خوب صورت بال لپٹے ہوئے تھے۔ جسم پر فولادی زِرہ، پیٹی میں کئی کئی خنجر، دائیں ہاتھ میں تلوار، پُشت پر کمان اور زہریلے تیروں سے بھرا ہوا ترکش۔ گینڈے کی گردن سے بندھا ہوا لمبا نیزہ اور دُم سے لٹکا ہوا بڑا کلھاڑا۔ وہ نعرے مارتا ہوا میدانِ جنگ میں آیا اور کہنے لگا:

"میرا نام حشّام ہے اور میں علقمہ ڈاکو کا بیٹا ہوں۔ نوشیرواں کو میں نے شکست دی اور میرے نام سے سارا جہان تھر تھر کانپتا ہے۔ میں اپنے وقت کا رُستم ہوں۔ جس کو موت کی آرزو ہے، میرے سامنے آئے۔"

امیر حمزہ نے گھوڑا بڑھایا اور میدان میں پہنچ گئے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ ایک دیو جیسا شخص جس کے چہرے کا رنگ توے کی مانند کالا ہے وحشی گینڈے پر سوار، ہتھیار بدن پر سجائے، میدانِ جنگ میں گھوم رہا ہے۔

"یا امیر یہی حشّام ہے۔" عَمرو نے ڈر کر کہا۔

اُس سے مُقابلہ کرنا آسان نہیں۔"
"فِکر نہ کرو۔ دیکھتے جاؤ اس کا کیا حشر ہونا
ہے۔" امیر حمزہ نے کہا اور بُلند آواز سے
حشّام کو آواز دی،
"او ڈاکو کے بچّے۔۔ اِدھر آ۔۔ میں امیر حمزہ
ہُوں اور تیری موت بن کر یہاں آیا ہُوں
۔۔ یاد رکھ اگر تُو نے میری اِطاعت قبُول
نہ کی اور میرے قدموں پر سر نہ رکھا تو تیرا
سر میری ٹھوکروں میں ہو گا۔"
حشّام نے یہ آواز سُنی، پلٹ کر دیکھا اور
گینڈے کو بھگاتا ہُوا امیر حمزہ کے نزدیک
آ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سیاہ رنگ کے ایک
شاندار گھوڑے پر ایک عرب نوجوان بیٹھا
ہے اور اس کا چہرہ چاندی کی مانند سُورج
کی دھوپ میں چمکتا ہے۔ اس کے لبوں پر
مُسکراہٹ ہے اور چہرے پر ایسا اطمینان
ہے، جیسے میدانِ جنگ میں نہیں، کسی پُرفضا
باغ میں سَیر کرنے آیا ہے۔
حشّام نے امیر حمزہ، اُن کے گھوڑے اور

ہتھیاروں کو دیکھنے کے بعد نرم آواز میں کہا:
"اے عرب نوجوان۔ مجھے تیری خوب صورتی اور جوانی پر ترس آتا ہے۔ اگرچہ تو نے میری شان میں گستاخی کی ہے، لیکن میں تجھے اس شرط پر معاف کر دوں گا کہ اپنا یہ گھوڑا اور تمام ہتھیار میرے حوالے کر دے اور میری اطاعت قبول کر۔ ورنہ تو میری قوّت اور ہیبت سے واقف ہے۔ میرے سامنے جب نوشیرواں جیسا شان و شوکت والا بادشاہ نہ ٹھہر سکا تو تیری ہستی کیا ہے۔ یاد رکھ، انکار کرے گا تو نہ صرف تجھے اور تیری فوج کو، بلکہ تیرے شہر کے ایک ایک بچّے کو قتل کر ڈالوں گا۔ مکانوں کو جلا کر راکھ کر دوں گا۔ اور تمہاری لاشوں پر رونے والا بھی کوئی نہ ہو گا۔"
حسّام نے ابھی یہ الفاظ کہے ہی تھے کہ عمرو بول اٹھا:
"واہ میرے شیر، کیا تقریر کی ہے۔ میں تو سمجھتا تھا کہ تو واقعی بہادر آدمی ہو گا۔ مگر

اب پتا چلا ہے کہ تو صرف باتیں بنانا ہی جانتا ہے۔ ابھی تیری سب قلعی کھل جاتی ہے۔"

"یہ کون بد نصیب ہے؟" ھشّام عمرو کی طرف دیکھ کر بولا۔ پاس کھڑے ہوئے ایک شخص نے بتایا کہ یہ امیر حمزہ کے دوستوں میں سے ہے۔ عمرو اس کا نام ہے۔ اس کی چالاکی اور عیّاری سے سب پناہ مانگتے ہیں۔"

"میں نے اس کا نام سُنا ہے۔ مگر اب لوگ اسے بھول جائیں گے۔ کیوں کہ یہ اس کی زندگی کا آخری دن ہے۔" ھشّام نے چلّا کر کہا اور تلوار نکال کر عمرو کی طرف جھپٹا مگر امیر حمزہ نے اس کا راستہ روک لیا اور کہا: "ارے بُزدل، اُدھر کہاں جاتا ہے؟ ہمّت ہے تو مجھ سے مُقابلہ کر۔"

ھشّام کو طیش آیا، گینڈے کی گردن پر اِس زور کا ہاتھ مارا کہ گینڈا تھرّا گیا اور اس تیزی سے دوڑ کر امیر حمزہ کی طرف آیا کہ زمین کانپنے لگی۔ امیر حمزہ نے پھرتی سے اپنے

گھوڑے کو پرے ہٹایا اور حشّام کا گینڈا اپنے ہی زور میں دُور تک دَوڑتا چلا گیا اور وہاں سے پھر پلٹا۔

"یہ تیرا گینڈا ہے یا خرگوش؟" عمرو نے قہقہہ لگا کر کہا۔

اب تو حشّام کا رنگ تانبے کی طرح سُرخ ہو گیا۔ نیزہ تان کر امیر حمزہ کی جانب لپکا۔ امیر نے بھی اپنا نیزہ سنبھال لیا اور حشّام کے نیزے پر پُوری قوّت سے مارا۔ نیزہ اُس کے ہاتھ سے چھُوٹ کر دُور جا گرا۔ اب اُس نے تلوار سُونت لی اور پھر دونوں میں ایسی تلوار بازی ہُوئی کہ دوست اور دُشمن، سبھی عَش عَش کر اُٹھے۔

کبھی امیر حمزہ حشّام کو دھکیلتے ہُوئے دُور تک لے جاتے اور کبھی حشّام امیر حمزہ کو دھکیل کر میدانِ جنگ کے کنارے لے جاتا۔ آخر دونوں پسینے میں تر ہو گئے اور ہانپنے لگے۔ مگر ہار جیت کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ یکایک امیر حمزہ نے اللہ اکبر کا ایسا نعرہ مارا کہ حشّام کی بوٹی بوٹی

کانپ اُٹھی اور تلوار اُس ظالم کے ہاتھ سے چھُوٹ کر زمین پر چھن سے گری۔ اسی وقت امیر نے اُس کے سر پر پُوری طاقت سے تلوار ماری جو اُس کی فولادی ٹوپی کو کاٹتی ہُوئی کھوپڑی میں اُتری اور پھر کھوپڑی کو دو حصّوں میں تقسیم کر کے سینے تک پہنچی۔ ہشّام دھڑام سے زمین پر آن گرا۔ اپنے سردار کو مرتا دیکھ کر اُس کے لشکر میں غُل مچا اور سپاہی بھاگنے لگے۔ مگر امیر حمزہ کے آدمیوں نے انھیں بھاگنے کا موقع نہ دیا اور گاجر مُولی کی طرح کاٹنے لگے۔ آخر اُنھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔

ہشّام نوشیرواں کا تاج اور تخت مدائن سے لایا تھا۔ وہ امیر حمزہ نے حاصل کیا۔ اس کے علاوہ اُن تمام قیدیوں کو رہائی دِلائی جنھیں ہشّام غلام بنا کر مدائن سے پکڑ لایا تھا۔ یہ لوگ امیر حمزہ کی جان کو دُعائیں دیتے ہُوئے اپنے وطن کی جانب روانہ ہُوئے۔

امیر حمزہ اِس عظیمُ الشّان فتح کے بعد خوشی

کے شادیانے بجاتے ہوئے مکّے میں واپس آئے۔
مکّے کے لوگوں نے ان کا شان دار استقبال
کیا۔ رات کو سارے شہر میں چراغاں ہُوا اور
مٹھائی تقسیم کی گئی۔ نوشیرواں کا قیمتی تخت اور
تاج خواجہ عبدالمطّلب نے اپنے گھر میں حفاظت
سے رکھوایا۔ اگلے روز ایک خط لکھ کر
مُقبل وفادار کو دیا کہ نوشیرواں کے حضور
میں لے جائے۔ اس میں لکھا تھا کہ امیر حمزہ
نے حشّام کو قتل کر کے آپ کا تخت اور
تاج اُس سے چھین لیا ہے۔ اگر حکم ہو تو
یہ سب سامان مدائن روانہ کیا جائے۔ مُقبل وفادار
نے اسی وقت سفر کی تیّاری کی۔ خواجہ صاحب
نے اسے نوشیرواں کے لیے بے شمار قیمتی تحفے
دیے اور یہ قافلہ مدائن کی طرف روانہ ہو گیا۔

حیرت انگیز کارنامہ

چالیس دن جنگل میں رہنے کے بعد جب نوشیرواں مدائن میں آیا تو شہر کا عجیب حال دیکھا۔ سارا شہر ویران اور برباد پڑا تھا اور قلعے میں ہر طرف سپاہیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ زخمیوں کی کوئی گنتی نہ تھی۔ لاشوں کو کتے اور گدھ نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ بادشاہ کا محل لٹ چکا تھا اور سارا قیمتی سامان غائب تھا۔ دشمن، نوشیرواں کا تخت اور تاج بھی لے گیا تھا۔

اس تباہی اور بربادی کو دیکھ کر نوشیرواں

کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہی حال بزرجمہر کا تھا۔ معلوم ہوا کہ عنتر فیل پہلوان نے بادشاہ کی ہدایت پر عمل نہ کیا اور قلعے سے باہر نکل کر حشّام سے لڑنے چلا گیا۔ آخر اس نے دھوکے سے پہلوان کو قتل کیا اور مدائن شہر میں آن کر لوٹ مار اور قتلِ عام کیا۔

نوشیرواں نے بزرجمہر سے کہا:

"میں نے جو خواب دیکھا، وہ بالکل سچ نکلا۔ مگر اِس خواب کی جو تعبیر تم نے بتائی تھی، وہ اب تک سامنے نہیں آئی۔ تم نے کہا تھا کہ حشّام قتل ہو گا اور میرا تخت و تاج واپس مل جائے گا؟"

"حضور، زیادہ رنج نہ کریں۔ خُدا نے چاہا تو آپ کے خواب کی تعبیر بہت جلد پوری ہو گی۔"

نوشیرواں نے زبان سے کچھ اور نہ کہا مگر اُس کے تیوروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ بزرجمہر کی بات سے اُس کے دل کو اطمینان نہیں ہوا۔ بادشاہ کی یہ حالت دیکھ کر بختک وزیر کے

دِل میں شیطان نے ڈیرا جمایا۔ سوچنے لگا کہ اِس وقت بادشاہ بُزرجمہر سے ناراض ہے۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر بُزرجمہر کے خلاف بادشاہ کو بھڑکانا چاہیے۔

اس نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو جمع کیا۔ یہ ساسانی نسل کے تھے۔ بختک نے اِن سے کہا:

"بھائیو، یہ سب بُزرجمہر کی نالائقی کی وجہ سے ہُوا کہ حشّام جیسا ڈاکو شہر پہ چڑھ آیا اور اس نے تمھارے مکان لُوٹے، تمھارے آدمیوں کو قتل کیا اور تمھاری عورتوں اور بچّوں کو غُلام بنا کر لے گیا۔ بادشاہ اگر شہر میں ہوتا تو حشّام کو اس کا مُقابلہ کرنے کی جُرأت ہی نہ ہوتی۔ بُزرجمہر نے بادشاہ کو مشورہ دِیا تھا کہ شہر چھوڑ کر جنگل کو چلا جائے۔ اصل میں یہ شخص ہماری قوم کا دُشمن ہے۔ اب موقع آیا ہے کہ بادشاہ سے اس کی شکایت کی جائے۔ تم لوگ روتے پیٹتے اور سَروں پر خاک ڈالتے ہُوئے محل کی طرف جاؤ اور بادشاہ سے فریاد کرو۔ میں بھی وہاں پہنچتا ہوں۔"

بختک نے لوگوں کو خوب سکھا پڑھا کر
ایک جلوس کی صورت میں نوشیرواں کے محل
کی جانب روانہ کر دیا اور آپ اُن سے پہلے
محل میں پہنچ کر نوشیرواں کے سامنے ہاتھ باندھ
کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد بادشاہ نے
محل کے باہر بہت سے لوگوں کے رونے
پیٹنے اور چیخنے چلّانے کی آوازیں سُنیں۔ حیران
ہوا اور بختک سے کہنے لگا:
"معلوم کرو کہ یہ لوگ کیوں روتے ہیں اور
یہاں کس لیے آئے ہیں؟"
بختک محل کے جھروکے پر گیا اور چند
منٹ بعد واپس آ کر بادشاہ سے کہا:
"جہاں پناہ، قومِ ساسانی کے کچھ لوگ اپنی
مصیبت کی کہانی کہنے آئے ہیں۔ باہر تشریف
لا کر ان کی تسلّی کر دیجیے۔"
نوشیرواں یہ سُن کر اُٹھا اور محل کے جھروکے
پر جا کھڑا ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ کئی ہزار مرد
عورتیں اور بچّے باہر کھڑے چھاتی پیٹ پیٹ
رہے ہیں اور اُن کی زبانوں پر بُزرجمہر

کا نام ہے ۔ ہر شخص چلّا چلّا کر کہہ رہا ہے:
"بُزرجمہر غدّار ہے ... نمک حرام ہے ...
اس نے دُشمن کو یہاں بُلایا.. ۔اسے پھانسی
پر لٹکا دیا جائے ۔"
بادشاہ نے یہ نعرے سُنے اور بُزرجمہر کی
جانب دیکھا جو چُپ چاپ کھڑا تھا۔آخر
بادشاہ نے ہاتھ اُوپر اُٹھایا ۔ ماتم کرنے والے
لوگ خاموش ہُوئے ،تب بادشاہ نے پُوچھا:
"تم لوگ کیا چاہتے ہو اور بزرجمہر نے
تمھیں کیا نُقصان پہنچایا ؟"
"جہاں پناہ کا اِقبال بُلند ہو.." ہجُوم میں سے
ایک شخص چلّایا" بُزرجمہر آپ کا اور ہمارا
دُشمن ہے ۔ اگر یہ شخص حضُور کو شہر چھوڑ کر
جنگل میں جانے کا مشورہ نہ دیتا تو حشّام
کبھی اِدھر آ کر ہمارے آدمیوں کو موت کے
گھاٹ نہ اُتارتا اور نہ اُسے حضُور کا تخت اور
تاج چھین کر لے جانے کی جُرأت ہوتی ۔یہ
سب کِیا دھرا اُسی بزرجمہر کا ہے جو بہت
عقل مند بنتا ہے ۔قوم اور مُلک سے غدّاری

کرنے والے کی سزا موت ہے، اِس لیے بزرجمہر کو اسی وقت ہمارے سامنے ہلاک کیا جائے۔ ورنہ جہاں پناہ۔ ہم کو اجازت دیں کہ ہم یہ شہر ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلے جائیں۔"

یہ کہہ کر اُن شریر لوگوں نے سروں پر خاک اُڑانی شروع کی اور سینے پیٹ پیٹ کر رونے لگے۔ نوشیرواں نے غضب کی نظر سے بزرجمہر کو دیکھا اور کہنے لگا!

"بولو، جواب دو۔ یہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ اگر تم نے اپنی صفائی پیش نہ کی تو ہم تمھیں زندہ دفن کرا دیں گے۔"

"جہاں پناہ! میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ آپ ذرا صبر سے کام لیں۔ اِن لوگوں کی باتوں پر نہ جائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ یہاں خود نہیں آئے۔ اِنھیں سِکھا پڑھا کر لایا گیا ہے۔"

یہ سُن کر بختک کے ہوش اُڑے۔ دِل میں ڈرا کہ شاید کِسی ذریعے سے بزرجمہر کو اِس سازش کا پتا چل گیا ہے جو میں نے

اپنی قوم کے لوگوں سے مل کر کی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ نوشیرواں اپنی رائے بدل دے۔ یہ سوچ کر آگے بڑھا، نوشیرواں کے آگے جھک گیا اور کہنے لگا:

"جہاں پناہ، آپ اِن بد نصیبوں کی فریاد پر غور کیجیے۔ ان کا سب کچھ لُٹ گیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے یتیم اور سینکڑوں عورتیں بیوہ ہو گئی ہیں۔ یہ لوگ آپ سے اِنصاف طلب کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اِن لوگوں کی نظروں میں مُجرِم ہے تو آپ اُسے سزا دِیے بغیر نہ چھوڑیں۔"

ابھی نوشیرواں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ شہر میں کچھ شور و غُل مچا اور پھر ایک جلُوس آتا دِکھائی دِیا۔ چند لمحے بعد گھڑ سواروں کا یہ جلُوس محل کے نیچے آن کر رُکا۔ سب سے آگے آنے والا ایک فوجی سِپاہی جلدی سے گھوڑے سے نیچے کُودا اور گھٹنوں کے بل جُھک کر بادشاہ کو سلام کیا اور پھر سیدھا کھڑا ہُوا اور کہنے لگا:

"حضور، یہ غلام ایک خوش خبری لایا ہے۔ حشام ڈاکو اور اُس کی فوج کو امیر حمزہ نے قتل کر دیا ہے اور جن ہزاروں آدمیوں کو وہ مدائن سے قید کر کے لے گیا تھا، وہ سب لوگ بھی آزاد ہو ہو کر واپس آ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ امیر حمزہ نے حضور کا تخت اور تاج بھی حشام سے چھین لیا ہے اب اُن کا ایک وفادار دوست جس کا نام مُقبل ہے، حضور کے نام مکّے کے سردار خواجہ عبدالمطّلب کا خط لے کر آیا ہے اور مدائن سے چار میل دُور اُترا ہے۔ اجازت ہو تو امیر حمزہ کا ایلچی دربار میں حاضر ہو کر خط پیش کرے۔"

نوشیرواں کا چہرہ خُوشی سے کِھل اُٹھا۔ اُسی وقت بُزرجمہر کو گلے لگا لیا اور کہا "اے اُستاد میرا قصُور مُعاف کرو۔ میں نے تمھاری شان میں گستاخی کی تھی اور یہ سب کچھ اِس بدمعاش بختک کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔ اسے ایسی سزا دُوں گا کہ اس کی سات پُشتیں

یاد کریں گی

بزرجمہر نیک اور شریف آدمی تھا۔ اس نے یہ سن کر بختک کا قصور معاف کرا دیا۔ پھر نوشیرواں سے کہا کہ فوج کا ایک دستہ مقبل وفادار کے استقبال کے لیے روانہ کیا جائے تاکہ وہ اسے دھوم دھام سے شہر میں لائے۔

اگلے روز صبح نوشیرواں نے دربار کیا اور مقبل وفادار بادشاہ کے حضور میں آیا۔ اس نے پہلے دو زانو ہو کر بادشاہ اور پھر بزرجمہر کو سلام کیا۔ اس کے بعد ہاتھی دانت کا بنا ہوا ایک نہایت خوب صورت صندوقچہ کھول کر اس میں سے خواجہ عبدالمطلب کا خط نکالا جو سبز ریشم کی ایک تھیلی میں بند تھا یہ خط ایک خوشبودار اور پتلے چمڑے پر لکھا گیا تھا۔ بادشاہ نے خط پڑھا اور خوش ہوا۔ مقبل وفادار اور اس کے ساتھیوں کو انعام سے نوازا اور حکم دیا کہ ہر روز دربار میں آیا کریں اور دوپہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیں۔

ایک روز بڑا عجیب واقعہ ہوا۔
لوگوں نے دیکھا کہ سُرمئی رنگ کی ایک خوب صورت اور ننھّی منّی فاختہ آئی اور نوشیرواں کے محل کی سب سے اونچی برجی کے کلس پر جا بیٹھی۔ یہ کلس سونے کا بنا ہوا تھا۔ فاختہ کی گردن میں سیاہ رنگ کا ایک باریک، مگر بے حد زہریلا سانپ لپٹا ہوا تھا۔

اُسی وقت نوشیرواں کو خبر مل گئی۔ بادشاہ اپنے وزیروں، امیروں اور پہلوانوں کے ساتھ باہر نکلا اور کلس کی جانب دیکھنے لگا۔ لوگوں نے ٹھیک کہا تھا۔ فاختہ کی گردن میں سانپ لپٹا ہوا نظر آ رہا تھا۔ نوشیرواں نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا "یہ فاختہ اپنی فریاد لے کر ہمارے محل میں آئی ہے۔ مگر افسوس کہ ہم اِس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

ایک پہلوان آگے بڑھا اور عرض کی اجازت ہو تو غلام اپنے تیر سے اِس سانپ کو ہلاک کر دے؟"

نوشیرواں اُس کی طرف دیکھ کر ہنسا اور کہا:
"لیکن یہ سوچ لو کہ اگر تمھارے تیر سے سانپ کے بجائے فاختہ ہلاک ہو گئی تو ہم تمھیں بھی زمین میں گڑوا کر تیروں سے چھلنی کرا دیں گے۔"

یہ سن کر پہلوان کانپتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

اب نوشیرواں نے اپنے سب سپاہیوں اور نشانچیوں سے کہا کہ جو شخص فاختہ کو نقصان پہنچائے بغیر سانپ کو ہلاک کرے گا، اُسے ہم اپنے گلے کی مالا عطا کریں گے۔ اِس مالا میں اٹھارہ موتی ہیں اور ہر موتی کبوتر کے انڈے کے برابر ہے۔ ایسی قیمتی مالا دُنیا میں کسی اور بادشاہ کے پاس نہیں ہے۔

اتنے اِنعام کا وعدہ بادشاہ کی طرف سے کیا گیا، مگر کوئی بھی سُورما اسے حاصل کرنے کی جُرأت نہ کر سکا۔ آخر مُقبل وفادار آگے بڑھا اور ادب سے کہا:

"حضور، اِجازت ہو تو یہ غلام قِسمت آزمائے؟"

"اجازت ہے۔ لیکن فاختہ کو ہلکی سی خراش بھی نہ آئے" بادشاہ نے کہا۔

"جہاں پناہ کے اقبال سے ایسا تیر ماروں گا جو سانپ کو فاختہ کی گردن سے اس طرح نکال لے گا جس طرح مکھن میں سے بال نکالا جاتا ہے۔" مُقبل نے کہا اور تیر کمان لے کر محل کے صحن میں آیا۔ ہزاروں لوگ محل کے اندر اور باہر کھڑے یہ تماشا دیکھتے تھے اور ہر طرف ایک گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

سانپ فاختہ کی گردن میں کئی بل ڈالے بیٹھا تھا۔ مُقبل نے ایک لمبا سا نیزہ منگوایا، اس کے ساتھ ایک بڑا سا آئینہ باندھا اور نیزے کو اس رُخ سے اونچا کیا کہ سانپ کو اس میں اپنی شکل نظر آنے لگے۔ ایسا ہی ہُوا۔ سانپ نے آئینے میں جونہی ایک دوسرے سانپ اور دوسری فاختہ کو دیکھا، سر اوپر اٹھا کر غُصّے سے پھن پھیلا دیا۔ مُقبل نے اسی وقت تیر کمان میں جوڑا اور ایسا تاک کر مارا کہ سیدھا سانپ کے پھن میں جا کر لگا

اور سانپ کو اپنی نوک میں پروتا ہوا آسمان کی جانب نکل گیا۔ سانپ لپٹی ہوئی رسّی کی طرح آناً فاناً فاختہ کی گردن سے الگ ہوا اور فاختہ آزاد ہو کر پھر سے ایک جانب اُڑ گئی۔

لوگوں نے خوشی سے نعرے لگائے اور اس عرب نوجوان کے گرد جمع ہو گئے جس نے یہ حیرت انگیز کارنامہ دکھایا تھا۔ نوشیرواں نے آگے بڑھ کر مُقبل کو گلے سے لگایا، اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اپنے گلے سے موتیوں کی مالا اُتار کر اُس کے گلے میں ڈال دی۔ اُس دن سے بادشاہ مُقبل سے اور زیادہ محبت کرنے لگا۔ لیکن بختک اندر ہی اندر حسد کی آگ میں جل رہا تھا اور سوچتا تھا کہ بزرجمہر اور مُقبل سے کس طرح انتقام لیا جائے؟ آخر اُسے جلد ہی ایک موقع مل گیا۔

مُقبل کو بادشاہ کے پاس آئے ہوئے بہت دن ہو چکے تھے اور اب وہ امیر حمزہ اور

عمرو سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔ اُس نے ایک روز رخصت ہونے کی اجازت مانگی۔
بادشاہ نے کہا:
"تمھیں امیر حمزہ اور عمرو سے ملنے کا جس قدر شوق ہے، اس سے کہیں زیادہ شوق ہمیں ہے۔ میں آج ہی اپنے ایلچی امیر حمزہ کے پاس بھیجتا ہوں اور انھیں یہاں آنے کی دعوت دیتا ہوں۔"
یہ کہہ کر بزرجمہر کو حکم دیا کہ امیر حمزہ کے نام ایک خط لکھا جائے کہ ہم تم سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ اِس لیے فوراً ہمارا تاج اور تخت لے کر مدائن چلے آؤ۔"
بزرجمہر نے خط لکھا۔ بادشاہ نے بختک وزیر سے کہا کہ اس پر ہماری مُہر لگا کر فوراً مکے روانہ کرو اور اپنے دو چچاؤں کو ایلچی بنا کر امیر حمزہ کے پاس بھیجو۔ بختک کے اِن چچاؤں کے نام بہمن سگاں اور بہمن خراں تھے اور یہ بھی اپنے بھتیجے بختک کی طرح بڑے مکار اور چالاک تھے۔ بختک نے بادشاہ

کا اصل خط اپنے پاس رکھا اور ایک اور خط خود لکھ کر اپنے چچاؤں کے حوالے کیا کہ یہ امیر حمزہ کو دے دینا۔ اس خط میں لکھا تھا:

"اے عبدالمطلب کے بیٹے۔ میرا ارادہ تو یہ تھا کہ تجھے اور تیری ساری قوم کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں۔ مگر تو نے میرے دشمن عشّام کو ہلاک کر کے میرا یہ ارادہ بدل ڈالا ہے۔ میرا تاج اور تخت فوراً مدائن روانہ کر دے، ورنہ میرے قہر و غضب کی آگ تجھے جلا کر راکھ کر دے گی۔

نوشیرواں

ادھر تو یہ تماشا ہو رہا تھا اور اُدھر امیر حمزہ اپنے لشکر کے ساتھ مُلک مُلک کی سیر کر رہے تھے۔ جب سیر سے جی بھر گیا تو مکّے کی طرف واپس چلے۔ راستے میں ایک پُر فضا مقام پر پڑاؤ کیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دو سرسبز پہاڑ ہیں جن کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی

ہیں۔ ہر طرف رنگ برنگے پھول کثرت سے کھلے ہُوئے ہیں۔ جابجا چشمے بہتے ہیں جن کا پانی ٹھنڈا اور میٹھا ہے۔ درختوں پر ہزاروں حسین پرندے چہچہا رہے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سرزمین جنّت کا کوئی حِصّہ ہے۔ ایک پہاڑ کی چوٹی پر قلعہ بھی دِکھائی دِیا۔

امیر حمزہ بہُت خُوش ہُوئے۔ ساتھیوں سے پُوچھا کہ اِس عِلاقے کا کیا نام ہے اور یہاں کون رہتا ہے؟ کِسی نے بتایا کہ پہاڑ کی چوٹی پر جو عظیمُ الشّان قلعہ ہے، اُسے سنگِ رداحل کہتے ہیں اور یہاں عادی کرب نام کے ایک پہلوان کی حکومت ہے جس کے پاس اٹھارہ ہزار فوجی سپاہی ہیں۔ عادی کرب کے اٹھارہ سگے بھائی بھی پہلوان ہیں۔ اِن سب کا پیشہ لُوٹ مار ہے۔ قافلوں کو لُوٹتے ہیں اور جو شخص ان کے مُقابلے میں آنے کی کوشش کرتا ہے اُسے مار ڈالتے ہیں۔

افسوس کہ ایسی خوُب صوُرت سرزمین میں

ایسے ظالم اور لٹیرے بستے ہیں۔" امیر حمزہ نے کہا۔" میں چاہتا ہوں کہ اس پہلوان سے ملوں اور اس کو سمجھاؤں کہ اللہ کی مخلوق کو تنگ کرنا اور ستانا چھوڑ دے۔"

"بے شک ایسے ظالموں کو روکنے کی تدبیر کرنی چاہیے۔" عمرو نے کہا۔" اجازت ہو تو میں پہلوان کو آپ کے آنے کی خبر پہنچاؤں؟"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ پہاڑ کی چوٹی پر سے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ سب نے گردنیں اوپر اٹھا کر دیکھا۔ سرخ رنگ کے گھوڑے پر ایک شخص سوار پہاڑ سے نیچے اتر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ امیر حمزہ اور ان کے ساتھیوں کے قریب آ کر رکا۔ آنے والے نے اپنا آدھا چہرہ سیاہ رنگ کی نقاب میں چھپا رکھا تھا اور صرف اس کی آنکھیں اور پیشانی دکھائی دیتی تھی۔

امیر حمزہ اور ان کے ساتھیوں کو خوب غور سے دیکھنے بھالنے کے بعد آنے والے نے بڑے رعب سے کہا:

"تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"
"میرا نام حمزہ ہے اور میں مکّے کے سردار خواجہ عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ تمہارا کیا نام ہے؟"
"میرا نام اسد ہے۔" اس نے کہا "تم ہی وہ شخص ہو جس نے ہمارا شکار چھینا ہے؟"
"شکار؟ کیسا شکار؟ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا؟" امیر حمزہ نے حیرت سے کہا۔
"سمجھنے کی کوشش کرو۔" اسد نے کہا "ہمارے سردار عادی کرب کو معلوم ہوا تھا کہ حشام ڈاکو نوشیرواں کا محل لوٹ کر اور اس کا تاج و تخت لے کر اِدھر آ رہا ہے۔۔۔ ہم اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہی ہمارا شکار تھا جو تم نے چھین لیا۔ اب بتاؤ وہ مال دولت اور تخت اور تاج کہاں ہے جو تم نے حشام سے چھینا تھا۔ سب سامان ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ یہاں سے زندہ سلامت نہ جاؤ گے۔"
"او، بد زبان، ذرا دیکھ بھال کر بات کر۔ ورنہ ابھی تیری زبان گدّی سے کھینچ لوں گا۔

جانتا نہیں کِس سے بات کر رہا ہے۔" عمرُو نے کہا۔

اسد نے اپنی لال لال آنکھوں سے عمرُو کو گھُورا اور کہا:

"یہ مینڈک کون ہے؟ ابھی ایک ہاتھ مارُوں تو پانی نہ مانگے۔"

"ابے جا، بڑے دیکھے ہیں ہاتھ مارنے والے۔" عمرُو نے للکار کر کہا "ہمّت ہے تو آ جا مُقابلے میں۔ ذرا دوڑ لگا کر دیکھ لے۔ اگر تُو مجھ سے آگے نِکل گیا تو دس ہزار روپے دُوں گا اور ہار گیا تو بیس ہزار تجھ سے وصُول کروں گا۔ بول، شرط منظور ہے؟"

اسد نے قہقہہ لگایا اور کہا:

"دوڑنے بھاگنے کی شرطیں بُزدِل لگایا کرتے ہیں۔ میں خرگوش یا ہرن کا بچّہ نہیں ہُوں کہ دوڑتا پھرُوں۔ میں پہلوان ہُوں، کُشتی لڑنا جانتا ہُوں۔ جی چاہے تو مجھ سے کُشتی لڑ لو۔ اگر تم نے مجھے پچھاڑ دِیا تو بیس کی بجائے چالیس ہزار رُوپے دُوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ گھوڑے سے اُترا اور چاہتا تھا کہ ہاتھ بڑھا کر عمرو کی گردن پکڑے کہ امیر حمزہ نے ایک گھونسا اُس کی گردن پر ایسا مارا کہ لڑھکنیاں کھاتا ہُوا دُور جا گرا اور درد کے مارے بُری طرح چیخنے لگا۔ اس کی چیخوں کی آواز قلعے تک پہنچی اور دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے آدمی پہاڑ کی چوٹی پر سے اُترے۔ امیر حمزہ اور اُن کے ساتھی اپنی جگہ اطمینان سے کھڑے رہے۔ اُوپر سے آنے والوں میں سب سے آگے ایک پہلوان تھا۔ قد سات فٹ اُونچا، جسم سیاہ اور ٹھوس جیسے لوہے کا بنا ہُوا ہو۔ چہرہ پھولا ہُوا۔ بڑی بڑی مُونچھیں۔ اُس کے داہنے ہاتھ میں پانچ چھ من وزنی فولاد کا گرز تھا جسے وہ ایک چھڑی کی طرح اِدھر سے اُدھر ہلاتا ہُوا آ رہا تھا۔ باقی سب لوگ اس کے پیچھے تھے۔

اس نے قریب آن کر ایک نظر امیر حمزہ اور اُن کے ساتھیوں کی طرف دیکھا، پھر اسد کی طرف گیا جو ابھی تک تکلیف سے چلّا رہا تھا۔

"میرے بھائی، تجھے کِس نے مارا"؟ کالے پہلوان نے اُس سے پُوچھا۔"دیکھ، میں ابھی تیرا بدلہ لیتا ہُوں۔"

اسد نے اُنگلی سے امیر حمزہ کی طرف اشارہ کیا اور کالا دیو پہلوان دانت نِکالتا ہُوا اُن کی طرف بڑھا۔

"اے جوان! خدا کو یاد کر کہ اب تیری موت آنے والی ہے۔" اس نے غُصّے سے گرج کر کہا۔ امیر اپنی جگہ ڈٹے رہے۔ صِرف اِتنا کہا؛ "میں خدا کو ہر وقت یاد رکھتا ہُوں۔ اُسی کے ہاتھ میں میری زندگی اور موت ہے۔"

"تُو نے شاید میرا نام نہیں سُنا۔" پہلوان نے کہا۔"اگر نہیں سُنا تو اب سُن لے کہ مجھے عادی کرب کہتے ہیں۔ عرب کی سرزمین نے آج تک مجھ سے زیادہ بہادر اور طاقت ور پہلوان پیدا نہیں کیا۔"

امیر حمزہ یہ سُن کر ہنسے اور یوں جواب دیا۔ "تُو نے بھی شاید میرا نام نہیں سُنا۔ اگر نہیں سُنا تو اب سُن لے کہ مجھے حمزہ کہتے

ہیں اور میں مکے کے رئیس خواجہ عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ ابھی چند روز ہوئے میں نے حشام کو جہنم رسید کیا ہے۔ اب تیری باری ہے۔"

"آہا۔ میں تیری ہی تلاش میں تھا۔ تو نے حشام کو مجھ سے چھین لیا۔ اگر تو وہ ساری دولت میرے حوالے کر دے جو تو نے حشام ڈاکو سے چھینی ہے تو میں تیری گستاخی معاف کر دوں گا۔"

"اے عمادی، میرے پاس جو کچھ ہے، سب تیرے حوالے کر دوں گا مگر شرط یہ ہے کہ تو میری اطاعت قبول کر لے اور یہ وعدہ بھی کرے کہ آئندہ کسی قافلے کو نہ لوٹے گا۔"

عمادی زور سے ہنسا اور اس کے ہنسنے سے حمزہ کو یوں محسوس ہوا جیسے بادل گرج رہے ہوں۔

"اے حمزہ، آج تک یہ بات کسی نے مجھ سے نہ کہی تھی۔ جی تو نہیں چاہتا کہ تجھے ماروں، مگر تو نے مجبور کر دیا ہے۔ اچھا، سنبھل جا،

میں وار کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر عادی نے اپنا چھ من وزنی فولاد گرز ہوا میں گھمایا۔ اس کے گھومنے سے شائیں شائیں کی آواز پیدا ہوئی۔ عمرو ڈر کر ایک درخت کے پیچھے جا چھپا اور دل ہی دل میں حمزہ کی سلامتی کی دعائیں مانگنے لگا۔ عادی نے گرز گھما کر امیر حمزہ کے سر پر مارنے کی کوشش کی۔ امیر حمزہ اچھل کر پرے ہٹ گئے اور گرز دھائیں کی آواز سے ایک بڑے پہاڑی پتھر پر لگا۔ پتھر ریزہ ریزہ ہو گیا۔

اس سے پہلے کہ عادی پہلوان دوسرا وار کرے، امیر حمزہ نے آگے بڑھ کر ایک ٹکر پوری قوت سے اس کے پیٹ میں ماری۔ عادی کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اسی ایک ٹکر سے دم دے دیتا۔ لیکن وہ دیو اس ٹکر کو برداشت کر گیا۔ مگر اتنی ہی دیر میں اسے امیر حمزہ کی طاقت کا اندازہ ہو چکا تھا۔ ہانپتے ہوئے کہنے لگا:

"واہ وا۔۔ مزہ آ گیا۔ جیتے رہو حمزہ۔ واقعی

تم بھی پہلوان ہو۔"

اب وہ کھلی جگہ میں آ گیا تھا۔ اُس کے ساتھی چاہتے تھے کہ ایک دم حمزہ پر حملہ کر دیں، مگر اُس نے انھیں روک دیا اور کہا کہ خبردار کوئی شخص قدم آگے نہ بڑھائے۔ میں اکیلا ہی لڑوں گا۔ چند لمحے پینترے بدلنے اور داؤ مارنے کے بعد عادی نے گرز پھینک دیا اور ایک دس من وزنی پتھر اُٹھا کر حمزہ کی طرف پھینکا۔ یہ پتھر حمزہ کو تو نہ لگا، البتہ اُس درخت سے ٹکرایا جس کے پیچھے عمرو چھپا ہُوا تھا۔ پتھر لگتے ہی درخت اپنی جگہ سے اُکھڑا اور دھم سے زمین پر آن گرا۔ عمرو نے پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر اپنی جان بچائی اور چلّایا:

"اے حمزہ، خُدا کے واسطے اِس موذی کو جلد قابو میں لاؤ ورنہ یہ مجھے مار ڈالے گا۔"

اب امیر حمزہ اور عادی میں کشتی ہونے لگی۔ حمزہ نے طرح طرح کے داؤ کیے، لیکن عادی ہر مرتبہ بچ جاتا۔ آخر حمزہ نے اِس کا لنگوٹ

پکڑ کر زور لگایا اور اُس کو سر سے اُونچا اُٹھا کر ایک ٹیلے پر مارنا چاہتے ہی تھے کہ اُس نے گڑگڑا کر کہا:

"اے حمزہ، مجھے معاف کر۔ آج سے تُو میرا آقا، میں تیرا غلام۔"

یہ سن کر امیر نے عادی کو آہستہ سے زمین پر رکھ دیا۔ عادی نے اپنے اٹھارہ بھائیوں سے کہا کہ امیر حمزہ کو سلام کرو۔ پھر اپنی فوج کی سلامی دلوائی اور امیر حمزہ، عمرو وغیرہ کو قلعے میں لے جا کر کئی دن تک خوب خاطر تواضع کی۔ آخر ایک روز امیر حمزہ نے مکے جانے کا ارادہ کیا۔ تب عادی نے بھی درخواست کی کہ اُسے اور اُس کی فوج کو بھی ساتھ لے لیا جائے۔ امیر حمزہ نے اُس کی یہ درخواست منظور کی اور سب لوگ مکے کی طرف چلے۔

چند دن بعد جب امیر حمزہ کو پتا چلا کہ عادی پہلوان عادیہ بانو کا سب سے بڑا بیٹا ہے تو وہ بہت خوش ہوئے اور اس سے

کہنے لگے کہ تُو ہمارا دُودھ شریک بھائی ہے۔
اب عادی کی پہلے سے بھی زیادہ خاطریں
ہونے لگیں۔ اُس کی خُوراک اِتنی تھی کہ عام
آدمی دنگ رہ جاتے تھے۔ صُبح اُٹھتے ہی اُونٹ
کے ایک بچّے کی یخنی، دوپہر کو پندرہ سیر
بُھنا ہُوا گوشت، پانچ سیر کھجُوریں اور شام
کے وقت بیس سیر خالص دُودھ۔ یہی حال
اُس کے بھائیوں کا تھا۔ ایسا معلُوم ہوتا
تھا کہ اگر یہ سب کے سب چند برس تک
مکّے میں رہے تو تمام بھیڑیں، بکریاں اور
اُونٹ ہڑپ کر جائیں گے۔ لیکن خدا نے
خواجہ عبدُالمُطّلِب کے ہاں ایسی برکت دی تھی
کہ اِن مہمانوں کی خاطِر تواضع میں کوئی کمی
آنے نہ پاتی تھی۔

امیر حمزہ اور نوشیرواں

ایک روز امیر حمزہ اپنے تمام دوستوں اور پہلوانوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ ایک خادِم نے آن کر عرض کی "جناب، بادشاہ نوشیرواں کی طرف سے دو قاصِد آئے ہیں۔ اِجازت ہو تو اُنھیں لایا جائے"

امیر حمزہ نے حکم دیا کہ اُن کو فوراً پیش کیا جائے۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھا کہ دو آدمی جن کے چہروں پر پھٹکار برستی ہے، مریل سے ٹٹوؤں پر سوار چلے آتے ہیں۔ اُن کے پیچھے پیچھے مکّے کے شریر لڑکوں کی ایک فوج

تالیاں پیٹتی ہوئی آ رہی تھی۔

"یقین نہیں آتا کہ یہ قاصد نوشیرواں کی طرف سے آئے ہیں؟" امیر حمزہ نے حیرت سے کہا۔ اتنے میں وہ دونوں خواجہ عبدالمطّلب کے گھر کے دروازے تک آ پہنچے۔ امیر حمزہ نے اُٹھ کر اُن کا اِستقبال کیا۔ دسترخوان پر بٹھا کر کھانا کِھلایا۔ پھر پُوچھا۔

"آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں اور آپ کا نام کیا ہے؟"

"میرا نام بہمن خراں ہے اور یہ میرا بھائی بہمن سگاں ہے۔ ہم دونوں نوشیرواں کے وزیر بختک کے چچا ہیں۔ بادشاہ نے ایک خط آپ کے لیے بھیجا ہے۔"

یہ کہہ کر بہمن خراں نے اپنی جیب سے ایک پھٹی پرانی تھیلی نکالی۔ اس میں سے نوشیرواں کا خط نکال کر امیر حمزہ کو دیا۔ انھوں نے خط پڑھا اور غصّے کے مارے چہرہ سُرخ ہو گیا۔ خواجہ عبدالمطّلب بھی حیران ہوئے کہ آخر بادشاہ ناراض کیوں ہوا۔ امیر حمزہ

کو طیش میں دیکھ کر انھوں نے کہا:
"بیٹا، غم نہ کرو۔ بادشاہوں کا حال ایسا ہی ہوتا ہے۔ کبھی گالی دینے سے خوش ہو جاتے ہیں اور کبھی سلام کرنے سے ناراض ۔ مجھے شک ہے کہ بادشاہ کے کان میں کسی نے غلط سلط باتیں ڈال دی ہیں۔"

خواجہ عبدالمطلب نے بہمن خراں اور بہمن سگاں کو اپنے ہی مکان میں ٹھہرایا اور عرب کی مہمان نوازی کے مطابق ان کی خوب خاطر تواضع کی۔ عمرو کو جب نوشیرواں کے خط کا پتا چلا تو اُسے بھی بڑا غصہ آیا۔ دِل میں سوچنے لگا کہ ضرور کسی کی شرارت ہے۔ اس لیے ان قاصدوں کی خبر لینی چاہیے۔

رات کے وقت جب دسترخوان بچھا اور سب لوگ کھانے پر بیٹھے تو عمرو اپنے سر پر دو خوان اٹھا کر لایا جن کے اُوپر خوب صورت کپڑا ڈھکا ہُوا تھا۔ بہمن خراں اور بہمن سگاں کے سامنے پہنچ کر عمرو نے دو خالی پلیٹیں ان کے آگے رکھ دیں۔ سب لوگ حیران تھے کہ

عمرو مہمانوں کی ضیافت کے لیے نہ جانے کون سا لذیذ کھانا پکوا کر لایا ہے۔ اتنے میں عمرو نے ایک خوان کھولا اور اس میں سے تازہ ہری ہری گھاس نکال کر بہمن خراں کی پلیٹ میں رکھی، پھر دوسرا خوان کھولا اور اس میں سے بکری کی ہڈیاں نکال کر بہمن سگاں کی پلیٹ میں رکھیں۔

خواجہ عبدالمطلب نے عمرو کی یہ حرکت دیکھ کر غصے سے کہا "یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

"جناب خواجہ صاحب، میں نے مہمانوں کی پسندیدہ غذائیں ہی ان کے سامنے پیش کی ہیں۔ آپ شاید بھول گئے کہ ان میں سے ایک صاحب کا نام بہمن خراں ہے اور دوسرے کا بہمن سگاں۔ خراں یعنی گدھوں کے لیے گھاس اور سگاں یعنی کتوں کے لیے ہڈیوں سے زیادہ لذیذ اور دل پسند خوراک اور کون سی ہو سکتی ہے۔" عمرو نے جواب دیا اور دسترخوان پر بیٹھے ہوئے سب لوگ قہقہے مارنے لگے۔ خواجہ عبدالمطلب بھی اپنی مسکراہٹ دبا نہ سکے۔

اتنے میں عمرو نے ایک اور حرکت کی۔ اپنے ایک نوکر کو اشارہ کیا اور اُس نے گدھے کی پالان لا کر پہلے بہمن خراں کی پیٹھ پر ڈالی، پھر کُتّے کی جھول نکال کر سگاں کو اُڑھائی۔ اب تو لوگوں نے مارے ہنسی کے پیٹ پکڑ لیے۔

بہمن سگاں اور بہمن خراں نے جب اپنی دُرگت بنتے دیکھی تو اُنھوں نے خنجر نکال لیے اور چاہا کہ عمرو کو ہلاک کریں کہ طوق بن جبران نے ان سے خنجر چھین لیا اور اتنے گھونسے مارے کہ سب کھایا پیا باہر آ گیا۔ آخر خواجہ عبدالمطّلب نے چھڑایا اور اگلے روز انھیں مکّے سے چلے جانے کی ہدایت کی۔

بہمن خراں اور بہمن سگاں جب خواجہ عبدالمطّلب کے مکان سے نکلے تو عمرو پہلے ہی سے شریر لڑکوں کی ٹولی لیے راستے میں موجود تھا۔ اُنھوں نے بہمن خراں اور بہمن سگاں پر گندے انڈوں، کیچڑ اور پتّھروں کی بارش برسا دی اور اتنا تنگ کیا کہ وُہ بدنصیب روتے ہوئے عمرو کے قدموں میں گر گئے۔ تب عمرو نے انھیں معاف کیا اور

جانے کی اجازت دی۔

بعد ازاں امیر حمزہ نے نوشیرواں کے نام ایک خط لکھ کر قاصد کے ہاتھ روانہ کیا۔ اس خط میں لکھا تھا:

"میں بادشاہ کا دوست اور جان نثار ہوں میں نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر حشام سے آپ کا تخت اور تاج چھینا جس کا انعام مجھے آپ کی طرف سے یہ دیا گیا کہ آپ نے میری قوم اور شہر کو تہس نہس کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی دشمن نے آپ کے کان بھرے ہیں۔ آپ تو نوشیروانِ عادل کہلاتے ہیں۔ کیا یہی انصاف ہے؟"

اس کے ساتھ ہی امیر حمزہ نے نوشیرواں کا وہ نقلی خط بھی واپس بھیجا جو بختک وزیر نے لکھا تھا۔

بہمن سگاں اور بہمن خراں نوشیرواں کے دربار

میں پہنچے اور اپنی بے عزتی کی داستان سنائی۔
بادشاہ اپنے سفیروں کی یہ حالت دیکھ کر غصے سے کانپ اُٹھا اور بزرجمہر سے کہنے لگا،
اے خواجہ، تم نے ان کی حالت دیکھی اور باتیں سنیں؟ تم تو کہتے تھے کہ حمزہ میرا بڑا فرماں بردار اور جان نثار ہے۔ لیکن اس کے یار عمرو نے مار مار کر میرے ایلچیوں کا حلیہ بگاڑ دیا۔ شاید امیر حمزہ کو اپنی طاقت اور بہادری پر گھمنڈ ہے۔ میں بہت جلد اس کا یہ گھمنڈ توڑوں گا۔"
بزرجمہر بے حد عقل مند اور ہوشیار تھا۔ سمجھ گیا کہ ضرور کسی طرف سے شرارت ہوئی ہے ورنہ حمزہ اور اس کا باپ ایسے آدمی نہیں ہیں۔ اُس نے نوشیرواں سے کہا،
"حضور، میں خود حیران ہوں کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ حمزہ آپ کی شان میں ایسی بے ادبی ہرگز نہیں کر سکتا۔ وہ بڑا سعادت مند اور شریف نوجوان ہے۔"
مکار بختک بھی ایک طرف کھڑا یہ سب

باتیں سُن رہا تھا۔ وہ دِل ہی دِل میں خوش تھا کہ بادشاہ کے دِل میں امیر حمزہ اور بُزرجمہر کے خلاف نفرت کا بیج بونے میں کامیاب رہا۔ لیکن اس کی یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی۔ کیونکہ دُوسرے ہی دن امیر حمزہ کا بھیجا ہوا قاصِد دربار میں پہنچ گیا اور اُس نے دونوں خط بادشاہ کے سامنے پیش کر دیے۔ نوشیرواں نے اِن خطوں کو ایک نظر دیکھا اور دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہ سب کارستانی بختک کی ہے۔ اُس نے حُکم دیا کہ بختک کو پیش کیا جائے۔ بختک تھرتھر کانپتا ہوا بادشاہ کے سامنے آیا۔ نوشیرواں نے اُس پہ حقارت کی نظر ڈالی اور کہا:

"تیری یہ جُرأت کہ تُو نے ہمارا اصل خط چھُپایا اور اپنی طرف سے یہ جعلی خط بنا کر حمزہ کو بھیجا۔ اب بول تجھے کیا سزا دی جائے؛ کوئی ایسی سزا اپنے لیے تجویز کر جس سے موت کی تکلیف تجھے زیادہ سے زیادہ محسوس ہو۔"

بختک روتا ہُوا بادشاہ کے قدموں میں گِرا اور اپنے قصُور کی مُعافی مانگنے لگا مگر نوشیرواں نے اُس کے سر پر ٹھوکر مار کر کہا کہ تجھ جیسے غدّاروں کی سزا یہی ہے کہ آگ میں زندہ جلا دِیا جائے۔ یہ سُن کر بُزرجمہر آگے بڑھا اور نوشیرواں سے سفارِش کر کے بختک کی جان بخشی کرائی۔

اُسی وقت نوشیرواں نے ایک خط امیر حمزہ کے نام لِکھا کہ یہ بدمعاشی بختک کی تھی جس نے ہمارا اصل خط بھیجنے کی بجائے تمھیں جعلی خط بھیجا۔ ہمیں تُم سے ملنے کا بے حد شوق ہے۔ جس قدر جلد ہو سکے مدائن پہنچو۔ بادشاہ نے یہ خط اپنے ہاتھ سے لِکھ کر اپنی بیٹی شہزادی مہر نگار کو دیا کہ بادشاہ کی مُہر لگائے اور بزرجمہر کو دے دے۔ وہ اپنے بیٹے خواجہ بُزرگ اُمید کے ہاتھ یہ خط امیر حمزہ کو بھیجیں تاکہ اِس مرتبہ کوئی غلط فہمی نہ ہو۔

بُزرجمہر نے امیر حمزہ کی حفاظت کے لیے ایک

طلسم بنایا۔ اس کی شکل ایک ہیبت ناک اژدہے کی تھی۔ اِس اژدہے میں خوبی یہ تھی کہ جب ہوا اس کے پیٹ میں داخل ہو کر منہ کے راستے باہر نکلتی تو تین مرتبہ امیر حمزہ۔ امیر حمزہ امیر حمزہ۔ کی آواز اِس زور سے نِکلتی کہ جنگل اور بیابان گونج اُٹھتے اور زمین کانپنے لگتی۔ دشمن اگر اس آواز کو سُنتا تو اس پر امیر حمزہ کا خوف چھا جاتا اور دوست سُنتا تو اس کے دِل میں امیر حمزہ کی محبت پیدا ہوتی۔ خواجہ بُزرجمہر نے جادُو کے اِس اژدہے کا نام "طلسمِ اژدہا پیکر" رکھا۔

اس کے بعد اُس نے عمرُو کے لیے بھی چند عجیب و غریب طلسماتی چیزیں تیار کیں اور انھیں استعمال کرنے کے طریقے بھی اپنے بیٹے بُزرگ اُمید کو بتائے اور کہا کہ عمرُو کو اچھی طرح سمجھا دینا۔ یہ سب سامان لے کر بزرگ امید مکے کی جانب روانہ ہو گیا۔

ایک دن عمرُو کا جی چاہا کہ شہر سے باہر نکلے اور سیر و تفریح کرے۔ وہ کسی کو ساتھ

لیے بغیر شہر سے نِکلا اور دوڑتا دوڑتا صحرا کی طرف چلا گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ گھوڑے پر سوار ایک شخص آ رہا ہے۔ عَمرو اس کے نزدیک پہنچا اور پُوچھنے لگا:

"کیوں صاحب، آپ کون ہیں اور کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟"

گھڑ سوار عَمرو کو دیکھ کر خُوب ہنسا، پھر بولا:

"جیسا سُنا تھا، اُس سے بڑھ کر پایا" یہ کہہ کر گھوڑے سے اُتر کر عَمرو کو گلے سے لگا لیا۔ بے چارہ عَمرو حیران پریشان کہ نہ جانے کون ہے۔ پہلے تو کبھی نہیں دیکھا۔ آخر اجنبی نے بتایا:

"ڈرو مت۔ میں تمھارا دوست ہُوں۔ بزرجمہر کا بیٹا۔ میرا نام بُزرگ اُمید ہے۔ نوشیرواں کا خط امیر حمزہ کے نام لایا ہُوں اور والد صاحب نے تم دونوں کے لیے تحفے بھی بھیجے ہیں۔"

عَمرو یہ سُن کر خُوش ہُوا لیکن مُنہ بنا کر کہنے لگا:

"قبلہ، آپ باتوں میں وقت ضائع نہ کیجیے اور خواجہ بزرجمہر نے جو چیزیں میرے لیے بھیجی ہیں، فوراً میرے حوالے کیجیے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کسی اور کو دے بیٹھیں۔"

بزرگ امید نے کہا "اچھا بھائی اچھا۔ تم بھی کیا یاد کرو گے۔" یہ کہہ کر ایک بقچی میں سے ایک خوب صورت اور رنگ برنگا لباس نکالا۔

"کہو پسند آیا؟" بزرگ امید نے پوچھا۔ "لیکن شرط یہ ہے کہ اپنے کپڑے میرے سامنے اتار کر یہ لباس پہنو۔ اس میں بے شمار خوبیاں ہیں جو بعد میں بتاؤں گا۔"

عمرو نے جلد جلد اپنے کپڑے اتار دیے۔ بزرگ امید نے یہ کپڑے سمیٹ کر اپنے تھیلے میں بھرے، گھوڑے پر سوار ہوا اور عمرو سے کہا "لو بھائی ہم جاتے ہیں۔ پھر ملیں گے۔"

بے چارہ عمرو بالکل ننگا شرم سے منھ چھپائے کھڑا تھا۔ بزرگ امید کی یہ بات سنی تو سخت گھبرایا، دوڑ کر ان کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا:

"صاحب، یہ اچھا مذاق ہے۔ لائیے، میرے کپڑے واپس کیجیے۔ مجھے آپ کے یہ تحفے نہیں چاہییں۔"

بزرگ اُمید نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔

"بڑے پھنسے اُستاد۔ بولو، اب مجھے کیا دوگے؟ بہت ہوشیار اور چالاک بنتے تھے نا؟"

"جناب، میری توبہ" عمرو نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔"اس فن میں میں آپ کا شاگرد اور آپ میرے اُستاد۔ کان پکڑتا ہوں۔ میرا قصور معاف کیجیے۔"

بزرگ اُمید کو عمرو پر ترس آیا۔ اور زیادہ پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ایک خوش نما لباس اُسے پہنایا۔ بھیس بدلنے کی بہت سی ترکیبیں بتائیں۔ اس کے علاوہ ایک عجیب و غریب طلسمی چادر بھی اس کو دی۔ اس میں یہ خوبی تھی کہ جس کو چاہو، باندھ لو۔ پھر ایک ڈبیا نکالی۔ اس میں خوشبودار روئی بھری تھی۔ اِس رُوئی میں یہ خاصیت تھی کہ پانی میں بھگو کر یہ پانی جسے پلا دیں وہ فوراً بے ہوش

ہو جائے۔

عمرو یہ تحفے لے کر بے حد خوش ہُوا۔ بزرگ امّید کو سلام بھی نہ کیا اور دوڑتا ہُوا امیر حمزہ کے پاس پہنچا۔ اُنھوں نے اُسے ایسا شان دار لباس پہنے دیکھا تو حیران ہُوئے اور پُوچھا:

"یہ کپڑے کس سے چھینے ہیں؟"

"مجھے تم نے کوئی اُچکا یا اُٹھائی گیرا سمجھا ہے؟" عمرو نے اکڑ کر کہا۔ "نوشیرواں کے بڑے لڑکے شہزادہ ہرمز نے اپنے پاس بُلایا ہے اور بھاری تنخواہ پر نوکر رکھ لیا ہے۔ اب میں مدائن جاتا ہُوں۔ تم سے رُخصت ہونے آیا ہُوں۔ کہا سُنا مُعاف کر دینا۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگے:

"میں نے ہمیشہ تجھے اپنا بھائی سمجھا اور تُو نے یہ اِنعام دیا؟ مجھے چھوڑ کر شہزادہ ہرمز کی نوکری کرنے مدائن جاتا ہے؟ میں تجھے دُگنی تنخواہ دینے کو تیّار ہُوں۔"

امیر حمزہ کو روتے دیکھ کر عمرو بے چین ہُوا۔ بولا
"بھائی، میں تو مذاق کر رہا تھا اور تم سچ
سمجھے۔ رُوئے زمین کے خزانے بھی میرے سامنے
ڈھیر کر دے تو تمھاری دوستی نہ چھوڑوں گا۔"
یہ کہہ کر بزرگ اُمّید کے آنے اور تحفے لانے
کا قِصّہ سُنایا۔ اب تو امیر حمزہ بھی خوش ہُوئے۔
اِتنے میں بزرگ اُمّید وہاں آن پہنچا۔ اس نے
بزرجمہر کا خط اور طلسم اژدہا پیکر امیر حمزہ کے
حوالے کیا اور مُبارک باد پیش کی۔ امیر حمزہ نے
بزرجمہر کا خط پڑھا تو اصل حال معلوم ہُوا۔ چند
روز بعد سفر کی تیّاری کی اور اپنی فوج کے
ساتھ بڑی شان و شوکت سے مدائن کی
جانب روانہ ہُوئے۔ عادی پہلوان کے ہاتھ میں
لشکر کا جھنڈا دیا۔ وہ سب سے آگے تھا۔
راستے میں امیر حمزہ کو ایک گھنے جنگل میں
سے گزرنا پڑا۔ یہاں دِن کو بھی رات کا سا
سماں تھا۔ درخت آسمان سے باتیں کرتے دکھائی
دیتے تھے۔ ہزارہا قِسم کے پرندے اور درندے
اِس جنگل میں رہتے تھے اور ڈر کے مارے کوئی

اس میں نہ جاتا تھا۔ عادی پہلوان نے امیر حمزہ کو بتایا کہ اس جنگل میں بہت عرصے سے ایک آدم خور شیر رہتا ہے۔ یہ موذی اب تک کئی سو آدمیوں کو چیر پھاڑ کر ہڑپ کر چکا ہے۔ اور کسی طرح قابو میں نہیں آتا۔

یہ سن کر امیر حمزہ کو بڑا افسوس ہوا۔ کہنے لگے۔ "اب ہم اِس شیر کو مارے بغیر یہاں سے نہ جائیں گے۔ اگر یہ درندہ اسی طرح آدمیوں کو کھاتا رہا تو ایک دِن آئے گا کہ یہاں آدمی کا نام و نشان بھی نہ ملے گا۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دو آدمی روتے اور چیختے چلّاتے ہوئے آئے۔ اُنھوں نے بتایا کہ تھوڑی دیر پہلے آدم خور شیر اُن کے ایک ساتھی کو اُٹھا کر لے گیا ہے۔ اب تو امیر حمزہ کو سخت غصّہ آیا۔ اُسی وقت گھوڑے سے اُترے اور پیغمبروں کے ہتھیار لگا کر آئے۔ عادی پہلوان کو حکم دیا کہ تم لشکر کو دُوسرے راستے سے مدائن کی طرف لے جاؤ۔ ہم اس شیر کو مار کر آتے ہیں۔

جب اُنھوں نے شیر کی تلاش میں جنگل کے اندر جانے کا اِرادہ کیا تو عمرو نے کہا:

"اِجازت ہو تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟ میں نے آج تک شیر ہی نہیں دیکھا کہ کیسا ہوتا ہے؟"

امیر حمزہ، عمرو کی یہ بات سُن کر ہنسے اور اُسے بھی ساتھ لے لیا۔

یہ دونوں گھوڑے دوڑاتے ہُوئے جنگل کے ایسے حِصّے میں پہنچے جہاں ایک ندّی بہتی تھی۔ اس ندّی کے کنارے شیر کے پنجوں کے تازہ نِشان اور خُون کے دھبّے دِکھائی دیے۔ کچھ فاصلے پر جھاڑیوں کے اندر اِنسانی لاش کے ٹکڑے بھی پڑے تھے۔ شیر نے جی بھر کر پیٹ بھرا تھا اور بچی کُھچی ہڈّیاں، کھوپڑی اور آنتیں چھوڑ گیا تھا۔

اِنسانی کھوپڑی دیکھ کر ڈر کے مارے عمرو کی گِھگھی بندھ گئی۔ اِتنے میں کُچھ فاصلے سے شیر کی گرج سُنائی دی۔ وہ خُوب پیٹ بھرنے کے بعد جھاڑی کے اندر بیٹھا آرام

کر رہا تھا۔ امیر حمزہ اور عمرو نے اس کے آرام میں خلل ڈالا تو وہ ناراض ہو کر غرّایا اور پھر گرجتا ہوا باہر نکلا۔ اس کی آنکھیں تاروں کی مانند چمک رہی تھیں اور کھلے ہوئے بھیانک جبڑے پر خون لگا ہوا تھا۔

شیر کو دیکھتے ہی عمرو امیر حمزہ کو وہیں چھوڑ کر ایک درخت پر جا چڑھا اور چلایا "بھائی حمزہ، تم بھی اپنی جان بچاؤ۔ بھاگو اور کسی درخت پر چڑھ جاؤ۔"

لیکن انھوں نے عمرو کے چیخنے چلانے کی کوئی پروا نہ کی اور اپنی جگہ جمے کھڑے رہے۔ انھوں نے اتنا بڑا اور ایسا طاقت ور شیر اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

شیر نے فوراً حملہ نہیں کیا۔ شاید اس لیے کہ وہ بھوکا نہ تھا۔ بس اپنی جگہ کھڑا دُم ہلاتا رہا۔ ایک دو مرتبہ اُس نے ایسی آواز بھی حلق سے نکالی جیسے ڈکار لے رہا ہو۔ پھر اگلے پنجوں سے مٹّی کُریدنے لگا۔ لیکن اس کی نظریں ابھی تک امیر حمزہ پر جمی

ہوئی تھیں۔ اتنے میں امیر حمزہ کا گھوڑا ہنہنایا اور اُچھلنے لگا۔ عمرو کا گھوڑا اپنے مالک کی طرح پہلے ہی ڈر کر نہ جانے کدھر بھاگ گیا تھا۔ یکایک شیر نے ایک ہولناک دہاڑ کے ساتھ چھلانگ لگائی اور دایاں پنجہ گھوڑے کو مارا مگر امیر حمزہ کا گھوڑا بڑا ہوشیار تھا۔ وہ اُچھل کر ایک طرف ہٹ گیا اور شیر اپنے ہی زور میں لڑھکتا ہوا ایک درخت سے جا ٹکرایا۔ اب تو اُس کے غصّے کی انتہا نہ رہی۔ مٹّی میں لوٹ پوٹ کر اُٹھا اور دوبارہ حملہ کیا۔ امیر حمزہ نے میان سے تلوار نکال لی اور جوں ہی شیر قریب آیا، تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اُس کا دایاں ہاتھ زخمی ہو گیا۔ وہ تڑپ کر پرے ہٹا۔ اب وہ خون میں بُری طرح لت پت ہو چُکا تھا۔ مگر اُس نے ہمّت نہ ہاری۔ پھر اُٹھا اور ایسی چھلانگ لگائی کہ امیر حمزہ کو گھوڑے سے زمین پر گرا دیا۔

یہ منظر دیکھ کر عمرو کے ہوش اُڑ گئے۔

دِل میں کہا کہ اب اس آدم خور سے امیر حمزہ کو خُدا کے سوا اور کوئی نہیں بچا سکتا اور اگر مر گیا تو میرا جینا بے کار ہے - یہ سوچتے ہی وُہ درخت سے نیچے کُود گیا - ایک لمحے کے لیے شیر کی توجّہ عمرؔو کی طرف ہُوئی اور اُس نے گردن گھما کر کُودنے والے کو دیکھا - بس اِتنا ہی موقع کافی تھا - امیر حمزہ نے زمین پر لیٹے لیٹے ہی اس زور سے تلوار ماری کہ وہ اس کا پیٹ چیرتی ہُوئی گردن تک نِکل گئی - شیر کے حلق سے آخری چیخ نِکلی اور تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد وہ ٹھنڈا پڑ گیا - عمرؔو نے لشکر میں جا کر چند آدمی جنگل میں بھیجے جو شیر کی لاش اُٹھا کر لے آئے - عمرؔو نے شیر کی کھال میں بھُس بھرا اور پھر اس نقلی شیر کو ایک بڑی سی گاڑی پر بِٹھا کر یہ لشکر مدائن کی طرف چل پڑا -

اب اُدھر کا قِصّہ سُنو - صبح مُنھ اندھیرے

مدائن شہر کا بڑا دروازہ کھلا اور مزدور
کام کاج کرنے کے ارادے سے باہر نکلے
ان میں لکڑہارے بھی تھے اور گھسیارے
بھی۔ جب یہ لوگ شہر سے باہر جنگل کے
نزدیک پہنچے تو ایک شخص کی نظر ایک اونچے
سے ٹیلے پر پڑی اور وہ چیخیں مارتا ہوا
بھاگ اٹھا۔ اسے بھاگتے دیکھ کر دوسرے
لوگ حیران ہوئے مگر تھوڑی دیر بعد اُن کی
حالت بھی وہی ہوئی جو اُن کے ساتھی کی
ہوئی تھی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ٹیلے کے اُوپر
ہیبت ناک شکل کا ایک طاقت ور شیر
بیٹھا ہے۔ یہ لوگ چارے چیختے چلّاتے شہر
میں پہنچے اور اُدھم مچا دیا کہ جنگل میں
رہنے والا آدم خور اب شہر کے قریب آن
پہنچا ہے اور ٹیلے پر بیٹھا آرام کر رہا ہے۔
اس خبر سے شہر میں کہرام مچ گیا۔ فوراً شہر
کا دروازہ بند کر دیا گیا اور ہزاروں آدمی
آدم خور شیر کو دیکھنے کے لیے قلعے کی فصیلوں
پر چڑھ گئے۔ نوشیرواں کے کانوں تک بھی یہ

خبر پہنچی۔ وہ فوراً محل کے بُرج پر گیا۔ بُزرجمہر اور بختک بھی اُس کے ساتھ تھے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ واقعی ایک شیر ٹیلے پر بیٹھا ہے۔ اِتنے میں مُقبِل وفادار بھی آ گیا۔ اُس نے بادشاہ سے کہا:

"حضُور، اجازت ہو تو میں اسے قریب سے جا کر دیکھوں؟"

"ہاں ضرُور جاؤ اور اپنے ساتھ پچاس ساٹھ سپاہیوں کو بھی لے جانا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس مُوذی کو تُم جلد سے جلد ٹھکانے لگا دو تاکہ لوگوں کا خوف دُور ہو۔" بادشاہ نے کہا۔

مُقبِل وفادار اُسی وقت سواروں کا ایک دستہ لے کر شہر سے باہر نِکلا اور ٹیلے کی طرف بڑھا۔ اُس نے دیکھا کہ شیر بالکل حرکت نہیں کرتا۔ چُپ چاپ بیٹھا ہے۔ اب تو مُقبِل کے ذہن میں شک پیدا ہُوا۔ سواروں کو ایک جگہ ٹھہرنے کا حُکم دے کر اکیلا ٹیلے کے نزدیک گیا۔ چند لمحے بعد ساری حقیقت اُسے معلوم ہو گئی۔ مُردہ شیر کی

کھال کے اندر گھاس بھری ہوئی تھی۔ سوچنے لگا کہ یہ حرکت کس نے کی؟ یکایک خیال آیا کہ امیر حمزہ مدائن کے قریب پہنچ چکے ہوں گے۔ اُنھی نے اس آدم خور کو جنگل میں مارا ہو گا اور یہ شرارت عمرو کے سوا کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔

یہ سوچتے ہی مُقبل بے اِختیار ہنسا اور سیدھا نوشیرواں کے پاس آیا۔ بادشاہ نے یہ قِصّہ سُنا تو حیران ہُوا اور عمرو کی اس عیّاری کی داد دی۔ فوراً حُکم دیا کہ شہر کو سجایا جائے۔ خوشی کے شادیانے بجائے جائیں اس کے ساتھ ہی اُس نے اپنے تمام وزیروں، امیروں اور سرداروں کو حُکم دیا کہ امیر حمزہ کے اِستقبال کے لیے مدائن سے باہر جائیں اور اُنھیں عزّت کے ساتھ شہر میں لائیں۔ مُقبل وفادار نے بادشاہ سے درخواست کی کہ مُجھے بھی امیر حمزہ کے اِستقبال کے لیے جانے کی اِجازت دی جائے۔ بادشاہ نے اس کی درخواست قبُول کر لی۔

مُقبِل گھوڑے پر سوار ہو کر شہر سے نِکلا۔ دُوسرے لوگ بہت پیچھے تھے مُقبِل چاہتا تھا کہ سب سے پہلے امیر حمزہ کے پاس پہنچے۔ ایک جگہ پہنچ کر کیا دیکھتا ہے کہ عَمرو دوڑتا ہُوا چلا آتا ہے۔ مُقبِل نے اُسے آواز دی۔ عَمرو اپنے پُرانے دوست کو دیکھ کر خُوشی سے پھُولا نہ سمایا۔ فوراً اُس کی طرف آیا۔ اس کا خیال تھا کہ مُقبِل گھوڑے سے اُتر کر گلے سے لپٹ جائے گا۔ لیکن مُقبِل امیر حمزہ کو دیکھنے کے لیے اِتنا بے چین تھا کہ اس نے عَمرو سے سلام دُعا بھی نہ کی۔ بس اِتنا کہا،

"تُو یہاں کیا کر رہا ہے؟ امیر حمزہ اور اُن کا لشکر کہاں ہے؟"

عَمرو کو یہ بات بہت بُری لگی۔ غُصّے سے لال پیلا ہو کر کہنے لگا،

"اے غلام زادے، تیرے ہوش بھی ٹھکانے ہیں؟ تجھے تو امیر حمزہ نے بادشاہ کے حضور میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ تُو نے اُن کا حکم

کیوں نہ مانا ؟"

"زیادہ بک بک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" مُقبل نے بھی ناراض ہو کر کہا۔ "جلد بتا کہ امیر حمزہ کہاں ہیں ؟ میں بادشاہ کی طرف سے اُن کے اِستقبال کو آیا ہُوں۔"

اب تو عَمرُو کے لیے ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ ایک پتھر اُٹھا کر اس زور سے مارا کہ مُقبل کی پیشانی لہُو لہُان ہو گئی۔ مُقبل نے گھوڑے سے اُتر کر عَمرُو کو پکڑنے کا اِرادہ کیا مگر عَمرُو تو چھلاوہ تھا۔ کہاں ہاتھ آتا۔ آخر مُقبل اُسی طرح روتا پیٹتا امیر حمزہ کی تلاش میں چلا۔ دو تین میل دُور گیا تھا۔ کہ ایک لشکر آتا دِکھائی دیا۔ تھوڑی دیر بعد مُقبل امیر حمزہ کے سامنے کھڑا تھا۔ حمزہ نے اپنے دوست کو گلے سے لگا لیا لیکن پھر اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گئے اور بولے "بھائی ، جلدی بتاؤ کِس نے تمھیں زخمی کیا ؛ میں اُس سے بدلہ لُوں گا۔"

"جناب ، یہ سب عَمرُو کی کارستانی ہے۔" یہ

کہہ کر مُقبل نے سارا قِصّہ سُنایا۔ امیر حمزہ نے قہقہہ لگایا اور کہا "اچھا، آنے دو، اس کو۔ اس سے پُوچھوں گا۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ عُمرو بھی آن پہنچا۔ مُقبل کو دیکھ کر زور سے ہنسا اور امیر حمزہ سے کہنے لگا:

"بادشاہ کے پاس رہ کر اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ آدمی کو آدمی نہیں سمجھتا۔ ذرا پُوچھیے تو اس سے کہ میں اس کا نوکر ہُوں یا غُلام ہُوں؟ اس نے مجھ پر حُکم کیوں چلایا۔ مجھ سے مِلنے کے لیے گھوڑے سے بھی نیچے نہ اُترا۔ نہ سلام نہ دُعا۔ یہ کہاں کی شرافت ہے؟ سچ کہا ہے بُزرگوں نے کہ خُدا کم ظرف کو کچھ دیتا ہے تو وہ اپنی اوقات کو بھول جاتا ہے۔"

امیر حمزہ نے بڑی مُشکل سے مُقبل اور عُمرو کی صُلح کرائی اور دونوں کو سمجھایا کہ ایسی باتیں دوستوں کو زیب نہیں دیتیں۔ مُقبل نے عُمرو سے اپنے قصُور کی مُعافی مانگی اور دونوں گلے

رہ گئے۔ اس کے بعد مُقبل نے امیر حمزہ سے
کہا کہ بادشاہ بے چینی سے آپ کا اِنتظار
کر رہا ہے اور اُس نے آپ کے استقبال
کے لیے اپنے تمام وزیروں، امیروں، اور
فوجی سرداروں کو روانہ کیا ہے۔

نوشیرواں کے بھیجے ہوئے تمام آدمی امیر حمزہ
کے لشکر میں آئے اور سب نے جھک جھک
کر سلام کیا۔ اُدھر خواجہ بُزرجمہر نے نوشیرواں
کو سمجھایا کہ مکّے کے رئیس کا بہادر بیٹا آپ کی
مُلاقات کو آ رہا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ حضور
بھی شہر سے باہر تشریف لے جا کر اس کا
اِستقبال کریں۔ یوں بھی حمزہ نے بڑا کارنامہ
دکھایا ہے۔ اس نے حشّام ڈاکو کو مار کر
اُس سے آپ کا تاج اور تخت چھینا ہے
اس کے علاوہ اس نے مدائن کے بے شمار
بے گناہ آدمیوں کو حشّام کی قید سے چھڑایا
اُسے اُمید ہو گی کہ آپ بھی قلعے سے چند
قدم باہر جا کر اُسے اپنے شہر کے اندر لے
جائیں گے۔

نوشیرواں اُسی وقت اپنے ہاتھی پر سوار ہُوا
اور بڑی شان و شوکت سے امیر حمزہ کے
لشکر کی جانب چلا۔ شہر کے لوگوں نے بھی
اپنی جانب سے بڑی تیاریاں کیں۔ بچے اور
جوان گاتے بجاتے اور ناچتے پھر رہے تھے۔
عورتوں کے ہاتھوں میں پھولوں سے بھری
ہُوئی ٹوکریاں تھیں۔ جا بجا ڈھول تاشے اور
باجے بج رہے تھے۔

مدائن سے تین میل کے فاصلے پر نوشیرواں
اور امیر حمزہ کی مُلاقات ہُوئی۔ بادشاہ نے
دیکھا کہ ایک عرب نوجوان جس کا چہرہ
چودھویں کے چاند کی مانند چمکتا ہے، سیاہ
گھوڑے پر سوار ہے۔ اس کے جسم پر بڑا
خوب صورت لباس ہے۔ نوشیرواں ہاتھی سے
اُترا۔ اُدھر امیر حمزہ نے بھی بادشاہ کو پہچان
لیا۔ جلدی سے گھوڑے سے اُترے اور
نوشیرواں کا بھاری تخت جو پندرہ آدمی بھی
مُشکل سے اُٹھا سکتے تھے، اکیلے ہی اُٹھا
کر اپنے سر پر رکھ لیا اور آگے بڑھے۔ اہل

میں وہ نوشیرواں پر یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے
کہ میں طاقت میں کسی طرح بھی ایران کے
مشہور پہلوان رُستم سے کم نہیں ہوں۔ ایک
بار ایسا ہُوا تھا کہ رُستم نے بھی بادشاہ کا
تخت سر پر اُٹھایا تھا اور اُس کے اِس
کارنامے کی دُھوم مچی ہُوئی تھی۔ اب دُوسری
مرتبہ کوہی تخت امیر حمزہ نے اُٹھایا تو نوشیرواں
اُن کی قوّت دیکھ کر حیران رہ گیا۔

امیر حمزہ بادشاہ کا تخت سر پر اُٹھا کر
چالیس قدم چلے۔ اِتنے میں نوشیرواں نے اپنے
پہلوانوں کو اِشارہ کیا اور اُنھوں نے بڑے
ادب سے تخت امیر حمزہ کے سر سے اُٹھایا
اور زمین پر رکھ دیا۔ اب نوشیرواں اپنے
ہاتھی سے اُترا اور آگے بڑھ کر امیر حمزہ
کو گلے سے لگا لیا، اُن کی پیشانی پر بوسہ
دیا اور دُعائیں دیں، اپنے بیٹوں شہزادہ ہُرمُز
اور فرامُرز سے ملاقات کرائی۔ امیر حمزہ نے
سب سے ہاتھ مِلایا۔ اس کے بعد باری
باری اپنے ساتھیوں کو بادشاہ کے سامنے پیش

کیا اور منظر شاہ یمنی ، نعمان بن منتظر ، طوق بن
جبران ، عادی کرب بادشاہ کو سلام کر چکے
تو امیر حمزہ نے عمرو کو آگے بڑھا دیا ۔
نوشیرواں نے عمرو کو دیکھا تو بے اختیار ہنس
پڑا اور اپنا ہاتھ بڑھایا ۔ عمرو نے ہاتھ کو
بوسہ دیا اور چپکے سے بادشاہ کی ایک قیمتی
انگوٹھی اتار لی اور موقع پا کر بختک کے
کوٹ کی جیب میں ڈال دی ۔ بادشاہ نے
امیر حمزہ کو اپنے ساتھ ہاتھی پر بٹھایا اور
مدائن کی طرف واپس ہوا ۔

رستم کی کرسی

نوشیرواں نے مدائن پہنچ کر دربار کا حکم دیا۔
امیر حمزہ کے دوستوں اور ساتھیوں کو اپنے دائیں
جانب رکھی ہوئی سونے چاندی کی کرسیوں پر
بٹھایا۔ بائیں جانب ایرانی وزیر اور امیر بیٹھے۔
عمرو کو شہزادہ ہرمز کے برابر جگہ ملی اور وہ
بڑی شان سے تکیہ لگا کر بادشاہوں کی طرح
کرسی پر بیٹھ گیا۔ نوشیرواں نے امیر حمزہ سے کہا،
"تمھارے لیے اس دربار میں جگہ کی کوئی قید
نہیں۔ جہاں تمھارا جی چاہے بیٹھو۔"
یہ بہت بڑا اعزاز تھا جو اس سے پہلے

کسی اور کو نہیں بلا تھا۔ بختک، امیر حمزہ کی
یہ آؤ بھگت اور عزت افزائی دیکھ کر جل بھن
رہا تھا مگر کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ امیر حمزہ
نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ
نوشیرواں کے تخت کے بالکل برابر ایک شان دار
کرسی رکھی ہے۔ اس کے اوپر مخمل کی چھت
پڑی تھی جس کی جھالروں میں لعل، یاقوت،
اور نیلم ٹکے ہوئے تھے۔ پایوں کی جگہ سونے
کے بنے ہوئے چار شیر تھے۔ ان شیروں کی
آنکھوں میں بھی ایسے قیمتی ہیرے جڑے تھے
جن میں سے روشنی کی کرنیں پھوٹتی تھیں۔
امیر حمزہ سیدھے اس کرسی کی طرف بڑھے
اور سات مرتبہ بادشاہ کو سلام کرنے کے بعد
بیٹھ گئے۔ جونہی وہ کرسی پر بیٹھے، بختک چپ
نہ رہ سکا اور اس نے بادشاہ سے کہا:
"حضور، امیر حمزہ سے کہیے کہ کسی اور کرسی
پر تشریف رکھیں۔ یہ کرسی رستم پہلوان کی ہے
اور اس کی اولاد کے سوا کسی اور کو اس
پر بیٹھنے کا حق نہیں۔"

یہ سُن کر عمرو کو سخت غصّہ آیا - اپنی جگہ سے اُٹھا اور بادشاہ سے عرض کی :

"جہاں پناہ کا اِقبال بلند ہو - دوست شاد، دُشمن برباد ہوں - بختک نے آپ کی اور آپ کے مہمان کی شان میں گستاخی کی ہے - اسے یہ بات کہنے کی جُرأت کیوں ہُوئی جب کہ حضُور خود اپنی زبانِ مُبارک سے حمزہ کو اِجازت عطا فرما چُکے ہیں -"

نوشیرواں نے لال پیلی آنکھوں سے بختک کو دیکھا - بختک بادشاہ کو جلال میں دیکھ کر کانپ گیا - اسی وقت گردن جُھکائی اور اپنے قصُور کی مُعافی مانگی - امیر حمزہ نے سفارش کی اور بادشاہ نے بختک کو مُعاف کر دیا -

اب بادشاہ کے حُکم سے اشرفیوں کے بھرے ہُوئے کئی تھال لائے گئے جن کے اُوپر سُرخ ریشمی کپڑا پڑا تھا - یہ سب اشرفیاں امیر حمزہ کے سر پر سے نِچھاور کی گئیں - غریب اور فقیر جھولیاں بھر بھر کر لے گئے - اس کے بعد شیشے کے بڑے بڑے پیالوں میں خوشبودار

شربت آیا اور مہمانوں میں تقسیم ہونے لگا۔ نوشیرواں نے اپنے ہاتھ سے امیر حمزہ کو شربت پلایا۔ پھر بڑے بڑے نامی گرامی گوئیے اور ساز بجانے والے حاضر ہوئے۔ انھوں نے اپنے کمال سے سب کو خوش کیا اور انعام پا کر رخصت ہوئے۔

اتنے میں امیر حمزہ نے نوشیرواں سے کہا:
"عالی جاہ، ہم نے ایرانی گویّوں اور سازندوں کے کمالات دیکھے۔ واقعی یہ لوگ صاحبِ کمال ہیں۔ لیکن میں آپ سے درخواست کروں گا کہ تھوڑی دیر کے لیے عمرو کا گانا بھی سن لیجیے۔"

نوشیرواں نے عمرو کو گانے کا حکم دیا۔ پہلے تو وہ انکار کرتا رہا۔ مگر جب امیر حمزہ نے ڈانٹا کہ بادشاہوں کے روبرو ایسی گستاخی ٹھیک نہیں تو اس نے فوراً اپنے سامان میں سے حضرت داؤد علیہ السلام کا بنایا ہوا ایک ساز نکالا جس میں گھوڑے کی دُم کے دو بال بندھے ہوئے تھے۔ اِن تاروں پر اس نے انگلیاں پھیریں تو بادشاہ اور سب درباری جھومنے

لگے۔ اس کے بعد عمرو نے عربی زبان میں ایک گیت گایا جس میں بادشاہ کی تعریف کی گئی تھی۔ ہر طرف سے واہ وا اور آفرین کے نعرے بلند ہونے لگے۔

بادشاہ اتنا خوش ہوا کہ عمرو کو اپنے قریب بلایا اور انگلی سے انگوٹھی اتار کر انعام میں میں دینے کا ارادہ کیا۔ مگر جب انگلی کو دیکھا تو اس میں انگوٹھی نہ تھی۔ یہ انگوٹھی بادشاہ کو بے حد عزیز تھی۔ کیوں کہ یہ اس کے والد بادشاہ قباد نے اسے عطا کی تھی اس کے اندر ایک نگینہ کالے رنگ کا جڑا ہوا تھا جس کی قیمت کا نگینہ کسی اور سلطنت میں نہ تھا۔ اس انگوٹھی کے گم ہو جانے سے نوشیرواں کو بڑا رنج ہوا۔ بزرجمہر سے کہنے لگا:

"ہماری سیاہ نگینے کی انگوٹھی گم ہو گئی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہماری انگلی میں موجود تھی۔ اعلان کرو کہ جس شخص نے ہماری انگوٹھی پائی ہو، وہ فوراً حاضر کر دے ورنہ تلاشی کے بعد

جس کے پاس سے انگوٹھی نکل آئی، ہم اُس کا زن بچّہ کولھو میں پلوا دیں گے۔"

"حضور، اگر اجازت ہو تو میں آپ کے سب درباریوں کی تلاشی لوں؟" عمرو نے بادشاہ سے کہا "میرا خیال ہے کہ آپ کی انگوٹھی انھی میں سے کِسی کے پاس ہے۔"

بادشاہ نے اجازت دے دی۔ عمرو ایک ایک شخص کے پاس گیا اور اس کے کپڑوں اور جیبوں کو ٹٹولنے لگا۔ تین چار آدمیوں کی تلاشی لینے کے بعد بختک وزیر کے پاس جا کھڑا ہوا اور اس سے کہا کہ تلاشی دو۔ عمرو کی اِس حرکت پر بختک کو پہلے ہی غصّہ آ رہا تھا۔ دانت پیس کر کہا:

"بدمعاش۔۔ کیوں تیری شامت آئی ہے۔ بھلا ہم بادشاہ کے وزیر ہو کر انگوٹھی چرائیں گے؟"

"صورت تو تمھاری چوروں کی سی ہے" عمرو نے کہا۔

اب تو بختک کے غصّے کی حد نہ رہی۔ عمرو

پر ہاتھ اُٹھانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ عمرو نے چلّا کر بادشاہ سے کہا:

"دیکھیے حضور، یہ وزیر صاحب تلاشی نہیں دیتے۔"

"اے گستاخ ۔ ہمارے حکم کی تعمیل کر۔" نوشیرواں نے گرج کر کہا "اگر تجھے عمرو کو تلاشی دیتے ہوئے شرم آتی ہے تو اِدھر آ ۔ ہم خود تیری تلاشی لیتے ہیں۔"

بختک لرزتا، کانپتا نوشیرواں کے قریب پہنچا۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے اس کے کوٹ کی جیبیں ٹٹولیں اور اُوپر کی جیب سے انگوٹھی نکل آئی ۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا اور مُنہ سے جھاگ اُڑنے لگے ۔ بختک کا حال یہ تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہُو نہیں ۔ کبھی انگوٹھی کو دیکھتا اور کبھی بادشاہ کے چہرے کی طرف ۔ آخر نوشیرواں نے کہا:

"بدبخت، ہم نے تجھے اپنا وزیر بنایا لیکن تُو تو غلاموں سے بھی بدتر نکلا ۔ ہماری انگوٹھی

پر ہاتھ صاف کیا اور پھر عمرو کو اسی ڈر سے تلاشی بھی نہیں دینا تھا۔" یہ کہہ کر بزرجمہر کی جانب دیکھا اور کہا:

"فوراً جلاد کو حاضر کرو کہ اس منحوس کی گردن اڑا دے۔ یہ شخص زندہ رہنے کے قابل نہیں ہے۔"

بادشاہ کا حکم۔ آن کی آن میں جلاد حاضر ہو گیا۔ بختک نے موت کا فرشتہ سر پر منڈلاتے دیکھا تو بے اختیار روتا ہوا بادشاہ کے قدموں میں گرا اور قسمیں کھانے لگا کہ اس نے انگوٹھی ہرگز نہیں چرائی۔ یہ ضرور کسی کی شرارت ہے۔"

بختک کے یہ الفاظ جب امیر حمزہ نے سنے تو انھیں فوراً خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ عمرو کی کارستانی ہے۔ اسی نے بادشاہ کی انگوٹھی انگلی سے اتاری اور بختک کی جیب میں ڈال دی ہو گی۔ اس موقع پر خاموش رہنا ٹھیک نہ تھا۔ کیوں کہ جلاد بختک کے سر پر کھڑا تھا۔

امیر حمزہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور نوشیرواں کے کان میں سب ماجرا کہا۔ نوشیرواں پہلے تو حیران ہُوا، پھر عمرو کی طرف دیکھ کر ہنسا اور کہا:

"تمھارا یہ دوست تو بڑا خطرناک آدمی ہے۔ ابھی بختک میرے ہاتھ سے مارا جاتا۔"

نوشیرواں نے بختک کی جان بخشی کی اور عمرو کو وُہی انگوٹھی انعام میں دے دی۔ پھر دربار برخاست کیا اور امیر حمزہ کو لے کر اپنے محل کی جانب روانہ ہُوا۔

اُسی روز شام کے وقت ایک آدمی عمرو کے پاس رُقعہ اور اشرفیوں کی تھیلی لے کر آیا اس رُقعے میں بختک نے لِکھا تھا:

"پیارے بھائی عمرو

آج تم نے میرے ساتھ ایسا مذاق کیا کہ بادشاہ میری گردن مارنے کو تیار ہو گیا۔ میرا قصُور معاف کرو۔ تم میرے اُستاد اور میں تمھارا شاگرد۔ پانچ سو اشرفیاں خالص سونے کی تمھارے

لیے بھیج رہا ہوں۔ پانچ سو اشرفیاں
چند روز بعد پیش کروں گا۔"
آپ کا بھائی بختک"

عمرو یہ خط پا کر بڑا خوش ہوا۔ دِل میں
کہنے لگا آج کا دِن بڑا مبارک رہا کہ پانچ سو
اشرفیاں مُفت میں مِلیں اور پانچ سو اشرفیاں چند
دِن بعد مِلیں گی۔ اُسی وقت خط کا جواب لِکھ
کر بختک کے آدمی کو دیا جس میں لکھا تھا
کہ اگر تُم نے وعدے کے مُطابِق پانچ سو
اشرفیاں اور بھجوا دیں تو میری جانِب سے کوئی
اندیشہ نہ کرنا۔

اُدھر بادشاہ نے امیر حمزہ کی ایسی خاطِر تواضع
کی کہ درباری، وزیر اور پہلوان امیر حمزہ کی جان
کے دُشمن ہو گئے۔ اُنھیں یہ حسد تھا کہ ہم
اِتنے دِن سے بادشاہ کی خِدمت میں رہتے
ہیں، بادشاہ نے آج تک ہم میں سے کِسی
کی اِتنی عِزّت نہیں کی اور یہ کل کا چھوکرا
جو عرب کے ریگستان سے آیا ہے، ہم سے
آگے نِکل گیا ہے اور اس نے اپنے پھندے

میں نوشیرواں کو پھانس لیا ہے۔ رستم جیسے عظیم پہلوان کی کرسی پر بیٹھتا ہے اور کوئی اُسے ٹوکنے والا نہیں۔ روز سب مل کر تدبیریں سوچتے کہ کسی طرح نوشیرواں کی نظر سے امیر حمزہ کو گرائیں۔ مگر کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی۔

ایک دن نوشیرواں دربار میں بیٹھا تھا اور مقدموں کے فیصلے کر رہا تھا کہ ایک پہلوان دربار میں آیا۔ بادشاہ، شہزادوں اور امیر حمزہ کے سوا سب درباری، امیر، وزیر اور پہلوان اُسے دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اُٹھے اور جُھک جُھک کر سلام کرنے لگے۔ اس پہلوان نے نوشیرواں کے قریب جا کر اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اکڑتا ہوا شہزادہ ہرمز کے قریب رکھی ہوئی ایک کرسی پر جا بیٹھا۔ امیر حمزہ اس کو غور سے دیکھا۔ اُس کا قد تقریباً سات فٹ لمبا تھا اور جسم بڑا طاقت ور۔ آنکھیں سُرخ اور گھنی مونچھوں کی نوکیں اوپر کو مُڑی ہوئی تھیں۔

امیر حمزہ کو دیر تک گھورنے کے بعد اُس نے

کہا "اے شخص، تو کون ہے اور تجھے یہ جرأت کیوں کر ہوئی کہ رستم کی کرسی پر بیٹھے؟ کیا تجھے کسی نے یہ نہیں بتایا کہ اب اِس کرسی پر میرا باپ گستم پہلوان بیٹھتا ہے؟ جان کی سلامتی چاہتا ہے تو اِس کرسی سے اُٹھ جا اور کِسی دُوسری جگہ بیٹھ۔"

امیر حمزہ خاموش رہے اور اس کی بکواس کا کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر پہلوان نے نوشیرواں سے کہا:

"حضور، یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے مجھے لڑائی کے واسطے کابل بھیجا اور میرے باپ گستم کو چین روانہ کیا اور ہماری غیرحاضری میں اِس عرب نوجوان کو رستم کی کرسی پر بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ اب اسے حکم دیجیے کہ فوراً یہاں سے اُٹھ جائے۔ ورنہ میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔"

اب تو امیر حمزہ کے غصّے کی اِنتہا نہ رہی۔ اُنھوں نے نوشیرواں سے کہا "جہاں پناہ، یہ کون ہے جسے دربار کے آداب کی بھی پروا نہیں؟"

"اس کا نام فولاد پہلوان ہے اور یہ گستم پہلوان کا بیٹا ہے۔" نوشیرواں نے جواب دیا۔ "گستم میرے مُلک کا سب سے بڑا پہلوان ہے۔ میں نے اُسے ایک مُہم پر چین بھیجا ہے۔ چند روز تک واپس آ جائے گا۔ وہ اسی کرسی پر بیٹھتا ہے جس پر تُم بیٹھے ہو۔"

امیر حمزہ یہ سُن کر ہنسے اور کہا:

"حضور، اگر اِجازت ہو تو میں فولاد کو سبق دُوں تاکہ آیندہ ایسی بد تمیزی کی جُرأت نہ کرے۔"

اُنھوں نے یہ جُملہ آہستہ سے کہا مگر فولاد نے سُن لیا۔ مُٹھیاں بھینچ کر اُٹھا اور گرج دار لہجے میں کہنے لگا:

"بادشاہ کے پاس بیٹھ کر ڈینگیں مارنا بُزدلوں کا کام ہے۔ بہادر ہو تو آن کر مجھ سے پنجہ ملاؤ۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہُوں۔" امیر حمزہ نے کہا اور اُٹھ کر فولاد کی جانب بڑھے۔ وہ مغرور اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور ہاتھ آگے کر دیا۔

امیر حمزہ نے اس کا پنجہ اپنے ہاتھ میں لے کر اِس زور سے دبایا کہ فولاد کے حلق سے چیخ نِکل گئی۔ تکلیف کی شدّت سے چہرہ پسینے میں نہا گیا۔ حمزہ نے جھٹکا دیا تو وہ مُنہ کے بل زمین پر گرا۔ اب اُنھوں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور کہا:

"میں گرے ہُوئے دُشمن پر ہاتھ اُٹھانا اچھّا نہیں سمجھتا۔ ہمّت ہے تو اُٹھو اور میرے سامنے آؤ۔"

یہ سُن کر فولاد نے اپنی کمر سے بندھا ہُوا خنجر نِکالا اور امیر حمزہ پر حملہ کیا۔ اُنھوں نے ایک طرف اُچھل کر وار بچایا اور فوراً ہی ایک ایسا گھونسا اس کی پسلیوں میں مارا کہ وہ درد سے دُہرا ہو کر شہزادہ ہُرمز کے اُوپر جا گِرا۔ شہزادے کو تاؤ آ گیا۔ اس نے فولاد کے پیٹ میں ٹھوکر ماری اور وہ گیند کی مانند لُڑھکتا ہُوا دوبارہ امیر حمزہ کی طرف آیا۔ اُنھوں نے پھر ایک گھونسا اُس کی ناک پر دیا۔ ناک سے خون کا فوّارہ

نکلا اور وہ چیختا چلاّتا باہر بھاگ گیا۔

"اگر اس کا کوئی اور حمایتی ہے تو میدان میں آئے۔" امیر حمزہ نے ایرانی پہلوانوں کی طرف دیکھ کر کہا مگر اُن سب کو سانپ سُونگھ گیا۔ کوئی شخص مقابلے میں نہ آیا۔

نوشیرواں نے امیر حمزہ کو شاباش دی اور کہا "بے شک رُستم کی کُرسی پر بیٹھنے کا تم نے حق ادا کر دیا۔ یہ فولاد اپنے آگے کِسی کو کچھ نہ سمجھتا تھا۔ اچھّا ہُوا تم نے اسے سبق سِکھا دیا۔" اِس واقعے سے سب مخالف پہلوانوں اور سرداروں پر امیر حمزہ کا رُعب بیٹھ گیا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ اُن کی عزّت کرنے لگے۔ مگر بختک وزیر دِل ہی دِل میں پیچ و تاب کھاتا اور جلتا بُھنتا رہتا تھا۔

ایک دِن خبر آئی کہ گستہم پہلوان چین کے باغی بادشاہ بہرام کو گرفتار کر کے لے آیا ہے اور مدائن سے کئی کوس دُور اس کا لشکر ٹھہرا ہے۔ اب وہ نوشیرواں کے حُکم کا مُنتظِر ہے کہ جب فرمان آئے، تو شہر میں داخل ہو۔

نوشیرواں یہ خبر سُن کر بے حد خُوش ہُوا۔ امیر حمزہ کو بُلا کر کہا کہ سب سرداروں کو لے کر جائیں اور گستم پہلوان کو عزّت سے شہر میں لائیں۔ یہ حکم پا کر امیر حمزہ نے اپنا لشکر تیّار کیا اور شہر سے باہر چلے۔ اُدھر بختک شیطان کے ذہن میں ایک تدبیر آئی۔ بہانہ کر کے امیر حمزہ کے ساتھ نہ گیا، بلکہ پہلے ہی سے گستم پہلوان کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اپنے عالی شان خیمے میں بیٹھا مُونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔ بختک کو آتے دیکھا تو خُوش ہو کر بولا:

"آیئے آیئے — میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ بادشاہ سلامت میرے استقبال کے لیے آپ ہی کو بھیجیں گے۔"

"اپنی ایسی قسمت کہاں۔" بختک نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے؟ آپ بہت پریشان دکھائی دیتے ہیں؟" گستم نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بس بھائی۔ خیر ہی نہیں ہے۔" بختک جھوٹ موٹ کے آنسو بہانے لگا۔ "آج کل ہمارے

بادشاہ سلامت عرب کے ایک شخص کے قبضے میں ہیں۔ جو وہ کہتا ہے، وہی کرتے ہیں اور اس کی بات کے سوا کسی اور طرف کان نہیں دھرتے۔ اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ وہ عرب تمھاری کرسی پر بیٹھتا ہے اور ابھی چند روز ہوئے اُس نے بھرے دربار میں تمھارے بیٹے فولاد کا مار مار کر بھُرکس نکال دیا تھا۔"

بختک کے منھ سے یہ کلمے سُن کر گستہم کی شکل ایسی ڈراؤنی ہو گئی کہ وہ غلام تھر تھر کانپنے لگے جو اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ وہ ایک دم اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چیخ کر بولا:

"کیا یہ بات سچ ہے؟ وہ کون بدبخت ہے؟ مجھے اس کا نام بتاؤ۔"

"اس کا نام حمزہ ہے۔ مکّے کے رئیس کا بیٹا ہے۔ سُنا ہے کہ اپنے آپ کو دُنیا کے تمام پہلوانوں اور بہادروں سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ اس نے حشام ڈاکو کو مار کر بادشاہ کا

تخت و تاج واپس دِلایا۔ اِسی لیے اُس کی اِتنی قدر کی جاتی ہے۔ اب حال یہ ہے کہ اُس کے دوست دربار میں دندناتے پھرتے ہیں اور کوئی اُن کی گردن ناپنے والا نہیں۔"

"گھبرایئے نہیں۔ اب میں آ گیا ہُوں۔ مگر یہ تو بتایئے کہ امیر حمزہ کیا واقعی بہُت زبردست پہلوان ہے؟"

"دیکھنے میں تو معمُولی آدمی ہے۔ لیکن نہ معلوم اُس کے اندر کون سی طاقت بھری ہُوئی ہے کہ جِسے چاہتا ہے، اُٹھا کر زمین پر دے مارتا ہے۔ بادشاہ نے اُسے تمھارے اِستقبال کے لیے روانہ کیا ہے۔ بس آتا ہی ہو گا۔ تُم ایسا کرنا کہ گلے مِلنے کے بہانے ذرا اس کی ہڈیاں پسلیاں سہلا دینا اور جب تک اس کی چیخیں نہ نکلیں، ہرگز نہ چھوڑنا۔ اسے پتا تو چلے کہ رُستم پہلوان کیا بلا ہے؟"

"یہی کرُوں گا۔" پہلوان نے خوش ہو کر کہا۔ "ذرا اُسے آنے تو دو۔ چھٹی کا دُودھ یاد نہ دِلا دیا ہو تو میرا کچھ اور نام رکھ دینا۔"

اتنے میں دُور سے نقّارہ بجنے کی آواز سُنائی دی۔ بختک نے گھبرا کر کہا:
"امیر حمزہ کی سواری آن پہنچی۔ یہ آواز اُسی کے نقّارے کی ہے۔ اب میں چلتا ہُوں۔ تم اُس کی ہڈّیاں توڑے بغیر نہ چھوڑنا۔"
غرض گستہم کو خوب سِکھا پڑھا کر بختک وہاں سے رفُو چکّر ہُوا اور امیر حمزہ کے لشکر سے جا مِلا۔ اِدھر گُستہم بھی جھٹ پٹ اپنی فوجی وردی پہن اور پُورے ہتھیار باندھ کر خیمے سے باہر نِکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ لشکر کے آگے آگے ایک حسین نوجوان عربی لباس پہنے سیاہ رنگ کے ایک گھوڑے پر سوار چلا آ رہا ہے۔ اس کے دائیں بائیں نوشیرواں کے کئی وزیر اور فوجی سردار ہیں۔ پہلوان بھی اس کے پیچھے پیچھے گردنیں جُھکائے چلے آتے ہیں۔ گستہم سمجھ گیا کہ یہی شخص امیر حمزہ ہے۔ وہ مکّاری سے خوش ہوتا ہُوا آگے گیا۔ امیر حمزہ فوراً گھوڑے سے اُترے اور گستہم سے بغل گیر ہُوئے۔ گستہم نے آہستہ آہستہ زور لگانا شروع

کیا۔ ساتھ ساتھ کہتا جاتا تھا:
"بھائی، مجھے تم سے ملنے کا بڑا شوق تھا۔ ابھی ابھی ایک شخص میرے پاس آیا تھا اور تمھاری تعریفیں کر رہا تھا۔ جیسا سُنا ویسا ہی پایا۔"
یہ کہہ کر امیر حمزہ کی کمر میں دونوں بازو ڈال کر اور زور لگایا۔ امیر حمزہ پہلے تو حیران ہوئے۔ پھر خیال آیا کہ اوہو یہ تو میری طاقت کا امتحان کر رہا ہے۔ اچھا ہے۔ امتحان کر لینے دو۔ گستم جب پوری طاقت صرف کر چکا اور امیر حمزہ کی کوئی ہڈی نہ چٹخی تو ہانپتا ہوا الگ ہو گیا۔ مگر اب امیر حمزہ اُسے کہاں جانے دیتے تھے۔ آگے بڑھ کر پھر لپٹ گئے اور کہنے لگے:
"بھائی گستم، ایک مرتبہ اور گلے ملو۔" یہ کہہ کر اس زور سے اُس کی پسلیاں دبائیں کہ اس کا پاخانہ نکل گیا۔ اُس نے امیر حمزہ سے کہا:
"بھائی، واقعی تم جواں مرد ہو۔ میں تمھارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مگر اتنی مہربانی کرنا کہ یہ بات

کِسی اور کو نہ بتانا۔"
امیر حمزہ یہ سُن کر ہنسے اور وعدہ کیا کہ
کِسی سے اس کا ذِکر نہ کریں گے۔"

خطرناک سازش

امیر حمزہ اور گستم پہلوان جب شہر مدائن کی جانب چلے تو عمرو عیّار نے امیر حمزہ کے کان میں کہا:

"میں نے ایک بہت بڑا صندوق دیکھا ہے جس کی حفاظت پہرے دار کر رہے ہیں اور کسی کو اس صندوق کے نزدیک نہیں آنے دیتے۔ معلوم کرنا چاہیے کہ اس صندوق میں کیا ہے؟"

یہ سن کر امیر حمزہ نے اپنے گھوڑے کا رُخ پھیرا اور گستم کی فوج میں گھس گئے۔ عمرو سچ کہتا تھا۔ چار ہزار سواروں کی حفاظت میں

لکڑی کا ایک صندوق گھوڑا گاڑی پر لدا تھا۔ امیر حمزہ کو قریب آتے دیکھ کر ان سواروں نے راستہ چھوڑ دیا۔

"یہ صندوق کس کا ہے اور تم کہاں سے لائے ہو؟" امیر نے پوچھا۔

"جناب، اس کے اندر چین کا باغی بادشاہ بہرام بند ہے۔ ہمارے سپہ سالار گستم پہلوان نے اسے گرفتار کیا ہے اور اب بادشاہ کے کے پاس لیے جا رہے ہیں۔"

"صندوق کے اندر ایک دشمن بادشاہ کو قید کرنا کہاں کی بہادری ہے" امیر حمزہ نے کہا۔ "فوراً صندوق کھولو۔"

محافظوں نے ڈرتے، جھجکتے صندوق کا ڈھکنا کھولا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک لمبا تڑنگا جوان، زنجیروں میں بندھا بے ہوش پڑا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کئی دن تک بھوکا پیاسا رہنے سے بے ہوش ہو گیا ہے۔ امیر حمزہ نے پانی منگا کر اس کے چہرے پر چھڑکا، کچھ حلق میں ٹپکایا، تب وہ ہوش میں آیا اور اس نے

آنکھیں کھولیں۔ امیر حمزہ کو اپنے اُوپر جُھکے ہُوئے دیکھ کر کہنے لگا:

"اے جوان، تُو کون ہے؟ تُو نے اِس وقت میرے ساتھ نیکی کی اور حلق میں پانی ٹپکایا، ورنہ میں تو اِس صندُوق میں پندرہ روز سے بھُوکا پیاسا قید ہُوں۔ جب کبھی پانی مانگا ان کم بختوں نے بے ہوشی کی دوا پلائی۔"

"میرا نام حمزہ ہے اور میں آج کل نوشیرواں کے دربار میں ہُوں۔ اچھّا، یہ تو بتاؤ کہ گستہم پہلوان نے تمھیں کِس طرح گرفتار کیا؟"

یہ سُن کر بہرام کے خشک ہونٹوں پر مُسکراہٹ نمُودار ہُوئی۔ کہنے لگا:

"گستہم کی کیا طاقت کہ مجھے گرفتار کرے۔ جب وہ مجھ سے لڑنے آیا تو پہلے ہی دِن میں نے اُسے اِتنا مارا کہ اس کی ناک اور کان سے خُون جاری ہُوا اور قریب تھا کہ میں اُسے مَوت کے دروازے تک پہنچاؤں کہ وہ میرے قدموں پر گر پڑا اور تمام عُمر میرا غُلام رہنے کا وعدہ کیا۔ میں نے اُسے

گلے سے لگایا اور اپنے پاس رکھا۔ ہم دونوں دوست بن گئے اور میں ہر سفر اور شکار میں اُسے ساتھ لے جانے لگا۔ ایک دِن ایسا ہُوا کہ جنگلی ہرن کے پیچھے بھاگتے ہُوئے ہم اپنی فوج سے الگ ہو کر ایک صحرا میں جا نکلے۔ غضب کی گرمی تھی۔ پیاس کے مارے میرے حلق میں کانٹے پڑ گئے۔ اِتفاق سے پانی بھی نہ مِلا۔ تب گستہم نے اپنی جیب سے ایک شیشی نِکالی اور کہا "میرے پاس آبِ حیات کے چند قطرے ہیں۔ انھیں اپنی پیاس بُجھانے کے لیے کام میں لائیے۔ میں نے سوچے سمجھے بغیر شیشی کا پانی منھ میں اُنڈیل لیا۔ کُچھ جان میں جان آئی مگر تھوڑی دُور جانے کے بعد ہی میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور گھوڑے سے گر پڑا۔ جب آنکھ کھُلی تو اپنے آپ کو اِس صندُوق میں بند پایا۔ یہ ہے داستان میری گرفتاری کی۔"

امیر حمزہ نے اُسی وقت مُحافِظوں کو حُکم دیا کہ بہرام کو آزاد کیا جائے۔ مُحافِظوں نے فوراً

گستہم کو خبر کی۔ پہلے تو وہ لڑائی جھگڑے پر آمادہ ہوا پھر بختک نے اُسے الگ لے جا کر سمجھایا کہ حمزہ جو کرتا ہے، کرنے دو۔ تُم نوشیرواں سے جا کر شکایت کر دینا کہ حمزہ نے ایک باغی دشمن کو قید سے آزاد کر دیا اور شاہی کام میں دخل دیا۔ نوشیرواں آگ بگولا ہو کر حمزہ کے قتل کا حکم جاری کر دے گا۔ گستہم کی کھوپڑی میں یہ تدبیر سما گئی اور امیر حمزہ کے پاس آ کر کہنے لگا:

"آپ اپنی ذمے داری پر بہرام کو رہا کر سکتے ہیں۔ بادشاہ اگر مجھ سے پُوچھے گا تو صاف صاف کہہ دوں گا کہ آپ نے بہرام کو میری قید سے چھڑایا ہے۔"

"ہاں، ہاں بڑے شوق سے کہنا۔ ہمیں دھمکانے کی ضرورت نہیں۔" عمرو نے بپھر کر جواب دیا۔ اب پہلی بار گستہم پہلوان نے عمرو کو دیکھا اور حیرت سے بول اُٹھا:

یہ مسخرہ کون ہے؟ قسم ہے اگر یہ حمزہ کا دوست نہ ہوتا تو ابھی اِس کا خون پی جاتا۔"

"مر گئے خون پینے والے۔" عمرو نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "بھیّا، اپنی جان کی خیر مناؤ اپنی جان کی۔"

یہ سن کر گستم کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ گھوڑے سے چھلانگ لگا کر اترا اور عمرو کی طرف جھپٹا۔ مگر عمرو اُچھل کر پرے جا کھڑا ہوا اور منہ چڑانے لگا۔ گستم پھر اس کی طرف گیا لیکن عمرو بھلا اس کے ہاتھ کہاں آتا۔ غرض عمرو نے گستم کو دوڑا دوڑا کر بد حواس کر دیا۔

اِدھر امیر حمزہ نے بہرام کو ایک گھوڑے پر سوار کیا اور اپنے ساتھ لے چلے۔ شہر مدائن میں پہنچ کر بہرام کو بادشاہ کے محل لے جانے کے بجائے اپنے مکان پر لے گئے اور غلاموں کو حکم دیا کہ بہرام کو گرم پانی سے خوب مَل مَل کر نہلائیں۔ نہلانے کے بعد اس کے سامنے لذیذ کھانے چُن دیے گئے۔ وہ ہفتوں کا بھوکا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سب چٹ کر گیا۔ امیر حمزہ نے ایک آرام دِہ بستر اس کے

لیے لگوایا اور کہا کہ اطمینان سے سو جاؤ۔
خدا نے چاہا تو تمھارا کوئی بال بھی بیکا نہ
کر سکے گا۔

اِدھر تو امیر حمزہ بہرام کی خاطر تواضع میں
لگے ہوئے تھے۔ اُدھر گستہم پہلوان اور بختک
نے بادشاہ کے دربار میں پہنچ کر دُہائی دی
اور اتنا غُل غپاڑا کیا کہ نوشیرواں پریشان ہو گیا۔
آخر پتا چلا کہ حمزہ نے گستہم کے لشکر میں جا
کر اس کی بے عزتی کی ہے اور بہرام کو
زبردستی قید سے رہا کرا کے اپنے ساتھ لے
گیا ہے۔ اُنھوں نے یہ داستان ایسی نمک مرچ
لگا کر بادشاہ کو سُنائی کہ اُسے یقین آ گیا
اور وہ غصّے سے لال پیلا ہو کر چلایا:
"حمزہ کی یہ جرأت کہ ہمارے ایک دُشمن کو
آزاد کرا کے اپنے ساتھ لے جائے اور ہمارے
ایک سپہ سالار کی بے عزتی کرے۔ ابھی حاضر کرو!"
دم کے دم میں ہرکارے دوڑے ہوئے گئے
اور امیر حمزہ کو ساتھ لے آئے۔ اُنھوں نے
دربار میں داخل ہوتے ہی بھانپ لیا کہ گستہم

اور بختک کیا گُل کھلا چکے ہیں ۔ نوشیرواں زخمی درندے کی طرح ٹہل رہا تھا۔ امیر حمزہ نے قریب پہنچ کر سات سلام کیے ۔ بادشاہ نے گھورتے ہوئے کہا:

"اے عرب نوجوان ، ہم نے تیری بڑی عزت کی۔ تجھے اپنے مُلک میں بُلایا۔ اپنے قریب بِٹھایا۔ ہر طرح کا تجھے عیش و آرام نصیب ہے ۔مگر تُو نے ہمیں اس کا یہ صِلہ دیا کہ ہمارے ایک زبردست دُشمن کو جسے ہمارا سپہ سالار گستہم پہلوان اِتنی خون ریز لڑائی کے بعد گرفتار کر کے لایا تھا، چھوڑ دیا۔"

"جہاں پناہ کا اِرشاد سر آنکھوں پر۔لیکن سچ تو یہ ہے کہ میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے آپ کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو۔ بہرام کو گستہم نے دھوکا دے کر قید کیا اور یہ آپ جیسے عادِل بادشاہ کے سپہ سالار کی شان کے خِلاف ہے۔ اس میں آپ کی بڑی بدنامی ہے۔ دُوسرے بادشاہ جب سُنیں گے تو کیا کہیں گے۔ بہرام کہیں نہیں گیا۔میرے

پاس ہے، جب جی چاہے اُسے حاضر کر دوں گا۔"
نوشیرواں نے اب گستہم کی جانب دیکھا۔ امیر حمزہ کی بات سُن کر اُس کا رنگ اُڑ گیا۔ کہنے لگا:
"حضور، بہرام جھوٹ بولتا ہے۔ میں نے اُسے دھوکے سے نہیں پکڑا، بلکہ کئی دن کی جنگ کے بعد وہ قابو میں آیا ہے۔"
"بہرام کو فوراً حاضر کیا جائے۔" نوشیرواں نے حکم دیا۔
امیر حمزہ نے عمرو کو اشارہ کیا۔ وہ بجلی کی طرح گیا اور بہرام کو ساتھ لے کر آ گیا۔ نوشیرواں نے اس کی زبانی تمام واقعات سُنے تو بہت حیران ہوا۔ آخر میں بہرام نے کہا:
"اے نوشیرواں، تو بھی بادشاہ ہے اور میں بھی بادشاہ ہوں۔ بادشاہوں کو جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔ کئی دن تک بھوکا پیاسا رہنے کے باعث کمزور ہو گیا ہوں، مگر اب بھی گستہم پہلوان جیسے دو آدمیوں سے اکیلا ہی لڑ سکتا ہوں۔ گستہم سامنے موجود ہے، اُسے حکم دے کہ مجھ سے مقابلہ کرے۔ اگر اُس

نے مجھے پچھاڑ دیا تو اسی وقت تلوار سے میری گردن اُڑا دینا۔"

سب لوگوں کی نظریں گستم پر جمی ہوئی تھیں لیکن بہرام کی تقریر سُن کر وہ اتنا خوف زدہ ہوا کہ سامنے نہ آ سکا۔ تب نوشیرواں نے جان لیا کہ بہرام سچ کہتا ہے۔ اُسی وقت اُسے آزاد کیا اور کہا:

"تم چاہو تو اپنے وطن واپس جا سکتے ہو۔"

"اب میں حمزہ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔" بہرام نے جواب دیا "مجھے ان سے محبّت ہو گئی ہے اور میں انھیں بھائی سمجھتا ہوں۔"

بہرام کی یہ بات سُن کر امیر حمزہ خُوش ہوئے اور کہا کہ اب میں بھی تمھیں اپنا بھائی سمجھوں گا۔ اس کے بعد نوشیرواں نے جلّاد کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور اس سے کہا "ابھی ہمارے سامنے گستم بد بخت کو ہلاک کر کے اس کی بوٹیاں چیل کوّوں کو کھلا دو۔"

سب درباری خوف سے کانپنے لگے۔ خود گستم کی حالت یہ تھی کہ چہرہ ہلدی کی طرح زرد

پڑ گیا تھا۔ جلاد بادشاہ کے اشارے کا منتظر تھا۔ اچانک امیر حمزہ آگے بڑھے، بادشاہ کے تخت کو چوما اور ہاتھ باندھ کر کہا:

"حضور، جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔"

"اجازت ہے۔" نوشیرواں نے کہا۔

"حضور، گستہم کی خطا معاف کی جائے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ آیندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔"

امیر حمزہ کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر سب درباریوں اور پہلوانوں نے آفرین کہی۔ نوشیرواں بھی خوش ہوا۔ اُس نے گستہم سے کہا:

"دیکھ او بدبخت، حمزہ تیری سفارش کرتا ہے۔ اِس لیے ہم تیری جان بخشی کرتے ہیں، ورنہ تیرا قصور ایسا تھا کہ زندہ نہ چھوڑا جاتا۔"

گستہم دوڑ کر امیر حمزہ کے قدموں میں گر پڑا اور رونے لگا۔ امیر حمزہ نے اُٹھا کر سینے سے لگا لیا۔

امیر حمزہ نے گستہم پہلوان کی جان بچائی تھی۔ اُس کا فرض تھا کہ یہ اِحسان کبھی نہ بھولتا۔

لیکن دِل ہی دِل میں وہ امیر حمزہ کا دشمن بن گیا۔ اُسے اِس بات پر حسد تھا کہ امیر حمزہ نے دربار میں اس کی جگہ لے لی تھی اور بادشاہ اُن سے زیادہ کسی اور کی عزّت نہ کرتا تھا۔ بختک نے بھی گستم کے کان بھرنے شروع کیے۔ روزانہ اس کے پاس جاتا اور امیر حمزہ کی بُرائیاں کرتا۔ آخر گستم نے ایک دِن بختک سے کہا:

"امیر حمزہ سے لڑائی بھڑائی کرنا تو اپنے بس کی بات نہیں۔ وہ ہم سے زیادہ طاقت ور ہے۔ ہاں چالاکی اور مکّاری سے کام لے کر اِس کا قِصّہ پاک کیا جا سکتا ہے۔ آپ فِکر نہ کیجیے۔ میں نے ایک ایسی تدبیر سوچی ہے کہ حمزہ بچ کر نہ جائے گا۔"

اُنھی دِنوں امیر حمزہ نے اپنے والِد کے نام خط لِکھ کر عُمرو کو دیا اور کہا کہ مکّے جاؤ اور یہ خط پہنچا دو۔ عُمرو امیر حمزہ کو چھوڑ کر جانا نہ چاہتا تھا، مگر مجبور ہو کر خط لیا اور روانہ ہو گیا۔ بختک کو عمرو کے جانے

کی خبر ملی تو اسی وقت گستم کے پاس پہنچا اور کہنے لگا:

"امیر حمزہ کا عیّار دوست چلا گیا ہے۔ مجھے اس شخص سے بڑا ڈر لگتا تھا کہ نہ جانے کیا کر بیٹھے۔ آدمی کیا ہے آفت کا پرکالہ ہے۔ اب موقع اچھا ہے۔ امیر حمزہ سے بدلہ لو۔"

اگلے روز گستم امیر حمزہ کے مکان پر آیا۔ امیر حمزہ نے بڑی محبت سے اس کا اِستقبال کیا۔ اپنے برابر بِٹھایا اور خاطِر تواضع کے بعد پُوچھنے لگے:

"بھائی گستم، تمھارے آنے کی بڑی خوشی ہوئی کبھی کبھی آ جایا کرو۔"

"جناب، میں آپ کا غُلام ہُوں۔" گستم نے کہا "اور یہ عرض کرنے آیا ہُوں کہ کل کھانا میرے ساتھ کھائیے۔ شہر سے کچھ فاصلے پر میں نے ایک باغ لگوایا ہے۔ وہیں آپ کی دعوت ہو گی۔"

امیر حمزہ سوچ میں پڑ گئے کہ دعوت قبول کریں یا انکار کر دیں۔ لیکن گستم نے ایسی

خوشامد کی کہ اُن سے اِنکار نہ ہو سکا۔
"اچھا بھائی، ہم ضرور آئیں گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ ہمارے ساتھ بہرام اور مُقبل وفادار بھی ہوں گے۔"
"جی ہاں، اُنھیں بھی ساتھ لائیے۔ مجھے خوشی ہو گی۔" گستہم نے کہا اور سلام کر کے چلا گیا۔
اس کے جانے کے بعد امیر حمزہ نے بہرام اور مُقبِل وفادار سے دعوت کا ذِکر کیا۔ بہرام کہنے لگا:
"مجھے شک ہے کہ گستہم کے دِل میں بدی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی شرارت کرے۔"
"نہیں بھائی، ایسی بات نہ سوچو۔" امیر حمزہ نے کہا "بھلا وہ ہم سے بدی کیوں کرنے لگا۔"
دُوسرے دِن گستہم خود امیر حمزہ کو لینے آیا۔ مُقبِل وفادار اور بہرام دونوں امیر حمزہ کے ساتھ ساتھ چلے۔ گستہم اُنھیں ایک سرسبز باغ میں لے گیا۔ ایک خوش نُما بارہ دری

میں مہمانوں کو بٹھایا اور غلاموں کو حکم دیا کہ ان کا دل بہلائیں۔ طرح طرح کے کھیل تماشے شروع ہوئے۔ اس اثنا میں گستم نے باغ کے چاروں طرف اپنے سپاہی پھیلا دیئے اور انھیں سمجھا دیا کہ جب میں سیٹی بجاؤں، تم باغ کے اندر آ کر امیر حمزہ پر حملہ کر کے انھیں مار ڈالنا۔

سپاہیوں کو سمجھا بجھا کر گستم نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا۔ قسم قسم کے لذیذ کھانے مہمانوں کے لیے چُنے گئے۔ گستم نے سالن کی ایک پلیٹ میں بے ہوشی کی دوا ملائی اور یہ پلیٹ امیر حمزہ کے آگے رکھوا دی۔ کھانا شروع ہوا تو امیر حمزہ نے اس پلیٹ میں سے بھی تھوڑا سا سالن نکال کر کھایا اور کھاتے ہی انھیں نیند آنے لگی۔ گستم موقع کی تلاش میں تھا۔ فوراً سیٹی بجائی۔ چار سو سپاہی، جو باغ کے چاروں طرف گھاس میں چھپے ہوئے تھے، نعرے مارتے اور تلواریں چمکاتے ہوئے آ گئے۔

گستم نے بھی تلوار نکالی اور للکار کر کہا،
"اے حمزہ، ہوشیار ہو جا کہ تیری موت
آن پہنچی۔"
مُقبل وفادار اور بہرام یہ دیکھ کر بھونچکا
رہ گئے۔ لیکن دُوسرے ہی لمحے بہرام نے
اپنے آپ کو امیر حمزہ پر گرا دیا۔ ورنہ گستم
کی تلوار امیر حمزہ کا کام تمام کر چکی تھی۔
بہرام سخت زخمی ہوا۔ گستم کی تلوار اس کے
پیٹ میں تیر گئی تھی۔ اُدھر مُقبل نے اپنی
کمان سنبھالی اور اس تیزی سے سپاہیوں پر
تیر برسائے کہ اُن میں سے بُہت سے زخمی
ہو کر گرے اور ٹھنڈے ہو گئے۔ گستم
پہلوان یہ سمجھا کہ اس کے حملے سے امیر حمزہ
مارے گئے ہیں۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو
بھاگ جانے کا حُکم دیا اور خود بھی رفُو چکر
ہو گیا۔
مُقبل وفادار نے امیر حمزہ کو ہوش میں لانے
کی تدبیریں کیں۔ تھوڑی دیر بعد بے ہوشی کی
دوا کا اثر جاتا رہا تو انھوں نے دیکھا کہ

بہرام سخت زخمی ہے۔ باغ میں اور بارہ دری میں اِدھر اُدھر سپاہیوں کی لاشیں بکھری پڑی ہیں اور گستہم پہلوان غائب ہے۔ تب مُقبل نے سارا قصّہ سُنایا اور کہا،
"بھائی حمزہ، بہرام کی جلد خبر لیجیے، ایسا نہ ہو کہ یہ مر جائے۔"
"خدا کی قسم اگر بہرام مر گیا تو گستہم پہلوان کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔" امیر حمزہ نے کہا اور ان کے چہرے کا رنگ انار کی طرح سُرخ ہو گیا۔ اُنھیں کسی طرح یقین نہ آتا تھا کہ گستہم ایسی مکّاری بھی دِکھا سکتا ہے۔ غرض ان دونوں نے کسی نہ کسی طرح بے ہوش اور خون میں لت پت بہرام کو سنبھالا اور باغ سے باہر چلے۔
اِتنی دیر میں شہر مدائن کے اندر یہ خبر پھیل گئی کہ گستہم پہلوان نے امیر حمزہ کو مار ڈالا ہے۔ شہر میں کھلبلی مچ گئی۔ ہزاروں لوگ بادشاہ کے محل کی طرف جانے لگے۔ خواجہ بزرجمہر کو پتا چلا تو ان کی آنکھوں میں آنسو

آ گئے۔ فوراً نوشیرواں کے پاس گئے اور اس حادثے کی اِطّلاع دی۔ نوشیرواں کا سانس اُوپر کا اُوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ یکایک جلال میں آ کر اُٹھا اور ساطوُر نامی پہلوان کو بُلا کر حُکم دیا کہ تین ہزار سپاہیوں کو ساتھ لے جا کر گستہم کو گرفتار کر کے لا۔ ساطوُر سلام کر کے رُخصت ہُوا۔

خواجہ بزرجمہر بھی سب امیروں اور وزیروں کو لے کر گستہم کے باغ کی جانب روانہ ہُوئے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ امیر حمزہ صحیح سلامت ہیں، البتّہ بہرام سخت زخمی ہے۔

امیر حمزہ نے بزرجمہر سے کہا "گھبرانے کی بات نہیں۔ بہرام ٹھیک ہو جائے گا۔"

بزرجمہر نے جلدی سے بہرام کو ایسی دوا دی کہ وہ ہوش میں آ گیا۔ اس کے بعد اُنھوں نے اس کے زخموں کی مرہم پٹّی کی۔

اس کام سے فرصت پا کر نوشیرواں کو خبر دی گئی کہ امیر حمزہ خیریت سے ہیں صرف بہرام زخمی ہُوا ہے۔ نوشیرواں نے اس

خبر پر بڑی خوشی کی، غریبوں میں اشرفیاں اور
جواہرات تقسیم کرائے اور سارے شہر میں جشن
کا حکم دیا۔ خواجہ بزرجمہر نے بادشاہ سے کہا
کہ امیر حمزہ اور بہرام کو القش کے باغِ بے داد
میں بھیج دیا جائے تاکہ وہاں چند روز آرام
سے رہیں اور کوئی غیر شخص ان کے پاس
جانے نہ پائے۔ بادشاہ نے اس تجویز کو
منظور کیا۔ بہرام، امیر حمزہ اور مقبل وفادار
باغِ بے داد میں داخل ہوئے۔ پہرے کے
لیے عادی پہلوان بھی اُن کے ساتھ تھا۔
اُسے باغ کے دروازے پر بٹھا دیا گیا
اور کہہ دیا گیا کہ کِسی شخص کو اندر نہ آنے دے
امیر حمزہ نے باغ بے داد کو دیکھا تو
بہُت خوش ہُوئے۔ جا بجا خُوش نُما درخت
اور پودے تھے اور کیاریوں میں رنگ برنگے
پھُول کِھلے ہُوئے تھے۔ باغ کے چاروں کونوں
میں عالی شان بارہ دریاں بنی تھیں اور فواروں
میں پانی موتیوں کی مانِند اُچھل رہا تھا۔ طرح
طرح کے حسین پرندے درختوں کی شاخوں اور

ٹہنیوں پر بیٹھے چہچہا رہے تھے۔ پھل دار درختوں کی بھی کوئی گنتی نہ تھی۔ درختوں کی ٹہنیاں پھلوں کے بوجھ سے جھکی پڑتی تھیں۔

بادشاہ نے اپنے دونوں شہزادوں اور خواجہ بزرجمہر کو بھی حکم دے دیا تھا کہ باغِ بے داد میں جا کر رہیں اور حمزہ کا دل بہلائیں۔ چند دن کے اندر اندر بہرام کے زخم بھر گئے اور وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ گستہم پہلوان ایسا غائب ہوا کہ کسی طرح اس کا سُراغ نہ ملا۔ ساطور اس کی کھوج میں لگا ہوا تھا۔ مگر گستہم ایسا چالاک تھا کہ اُس نے کسی کو اپنی ہوا بھی لگنے نہ دی۔

اب عمرو کی سُنیے۔ اُس نے امیر حمزہ کا خط اُن کے والد خواجہ عبدالمطلب کو مکّے میں پہنچایا اور دوسرے ہی روز مدائن کی جانب واپس چل پڑا۔ اُسے امیر حمزہ سے اتنی محبت تھی کہ پل بھر کی جُدائی بھی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اتنی تیز دوڑا کہ دو دن کا راستہ ایک ہی دن میں طے کر لیا۔ مدائن

کے اندر داخل ہوا تو ہر طرف جشن کا سامان دیکھا۔ ایک شخص سے پوچھا کہ یہ جشن کس خوشی میں ہے؟ کیا بادشاہ کے ہاں کوئی اور شہزادہ پیدا ہوا ہے؟ اُس شخص نے یہ بات سُن کر قہقہہ لگایا اور کہنے لگا:

"معلوم ہوتا ہے تم اس شہر میں نئے نئے آئے ہو۔ ارے بھائی، امیر حمزہ گستہم کے ہاتھ سے بچ گئے اور اُن کی جگہ بہرام بے چارہ زخمی ہوا۔ بادشاہ نے امیر حمزہ کے بچ جانے کی خوشی میں رعایا کو جشن منانے کا حکم دیا ہے۔"

یہ سنتے ہی عمرو دوڑا اور سیدھا امیر حمزہ کی قیام گاہ پر گیا مگر وہاں معلوم ہوا کہ حمزہ، بہرام اور مقبل وفادار باغ بے داد میں ہیں اور کسی شخص کو باغ کے اندر گھسنے کی اجازت نہیں۔

"ہُنھ۔۔۔ دیکھتا ہوں کہ مجھے کون روکتا ہے۔" عمرو نے کہا اور باغ بے داد کی طرف

چلا ۔ اُس نے دُور ہی سے دیکھ لیا کہ عادی پہلوان دروازے پر بیٹھا ہے، بُھنے ہُوئے کئی سالم بکرے اُس کے آگے رکھے ہیں اور وہ دونوں ہاتھوں سے گوشت جھنجھوڑنے میں مصرُوف ہے ۔ عمرو اُس کے قریب پہنچا اور سلام کیا۔

"آہا۔۔ بھائی عمرو ہیں ۔۔ مکے سے کب آئے ؟ سب خیریت ہے نا ؟" عادی نے پُوچھا۔

"ہاں، ہاں سب ٹھیک ہے ۔ یہ تو بتاؤ حمزہ اور مُقبل کہاں ہیں ؟"

"باغ کے اندر ہیں ۔" عادی نے جواب دیا اور بکرے کی ران اُٹھائی۔

"اچھا، عادی بھائی، دروازہ تو کُھلواؤ ۔ میں حمزہ سے مِلنے جاؤں گا ۔"

"نہیں ۔ بادشاہ کی اِجازت نہیں ہے۔" عادی نے کہا۔

"یار، تم عجیب آدمی ہو ۔ آخر میں کوئی غیر تو نہیں ہُوں ۔" عمرو ناراض ہو کر چلّایا۔

"وہ تو ٹھیک ہے ۔ مگر میں مجبُور ہُوں ۔

باغ میں جانا ہے تو بادشاہ سے لکھوا لاؤ"
یہ سُن کر عمرو کو سخت تاؤ آیا مگر کر
ہی کیا سکتا تھا۔ عادی جیسے دیو سے
لڑنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ مایوس
ہو کر وہاں سے اُٹھا اور واپس شہر کی
طرف چلا۔ راستے میں ایک تدبیر سوجھ گئی۔
تھوڑی سی پسی ہوئی سُرخ مرچیں ایک پنساری
سے خرید کر جیب میں بھریں اور واپس باغ
کی جانب آیا۔ عادی اب بھی گوشت اور
ہڈیاں چبا رہا تھا۔ عمرو کو آتے دیکھا تو
کہنے لگا:

"کیوں بھائی، بادشاہ سے اِجازت نامہ لے
آئے؟"

"اجی لعنت بھیجو اِجازت وجازت پر۔ میں اِتنا
گِرا پڑا آدمی نہیں ہوں کہ حمزہ سے مِلنے کے
لیے بادشاہ کی خوشامد کرتا پھروں۔" عمرو نے
کہا۔

"لو یار تم بھی کھاؤ۔" عادی نے بکرے
کی ایک سِری اُٹھا کر عمرو کی طرف بڑھائی۔

عمرو آہستہ آہستہ بوٹیاں توڑ کر کھاتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد بولا:

"بھائی عادی، ابھی ابھی راستے میں ایک بہت قیمتی لعل میں نے خریدا ہے۔ ذرا تم بھی دیکھو اور بتاؤ کہ کہیں میں نے زیادہ قیمت تو نہیں دے دی۔"

عادی کی کھوپڑی میں گھاس بھری ہوئی تھی۔ اس نے سوچا کہ عمرو ایسا کہاں کا جوہری ہے کہ اُسے لعل خریدنے کی ضرورت پیش آئی۔ اُس نے اپنا بڑا سا ہاتھ آگے پھیلا کر کہا۔

"لاؤ، لعل دِکھاؤ۔ دیکھتے ہی بتا دوں گا کہ کِتنی قیمت کا ہے؟"

عمرو نے جیب میں ہاتھ ڈالا، مُٹھی بھر مرچیں نکالیں اور عادی کی آنکھوں میں جھونک دیں۔ عادی کے حلق سے ڈراؤنی چیخ نِکلی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے آنکھوں کو مسلنے اور گدھے کی طرح رینگنے لگا۔

"لو عادی بھائی، اب اِطمینان سے بیٹھے لعل کا مُعاینہ کرتے رہو۔ خادِم تو باغ کے

اندر جاتا ہے۔" عمرو نے قہقہہ لگا کر کہا اور ایک ہی چھلانگ میں باغ کی دیوار پر چڑھ کر پرلی طرف کود گیا۔

ایسا خوب صورت باغ عمرو نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ دیوانوں کی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ایک ایک چیز کو دیکھتا اور حیران ہوتا۔ ایک بارہ دری کے اندر سے قہقہوں اور گانے بجانے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ امیر حمزہ، بہرام، مقبل وفادار، بزرجمہر، شہزادہ ہرمز اور شہزادہ فرامرز سب وہاں موجود تھے۔ اتنے میں دروازے کی جانب سے شور و غل سنائی دیا۔ عمرو نے دیکھا کہ نوشیرواں بھی اپنے وزیروں اور پہلوانوں کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ امیر حمزہ اور ان کے ساتھیوں نے بادشاہ کی تعظیم کی اور سب لوگ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

عمرو درخت پر چڑھ گیا اور شاخوں میں اپنے آپ کو چھپا کر بلند آواز سے گانے

لگا۔ اس کی آواز ایسی سُریلی تھی کہ سُننے والے مست ہو گئے۔ یکایک امیر حمزہ نے آواز پہچان لی۔ مُقبل سے کہنے لگے:

"یہ تو عمرو کی آواز ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ مکّے سے آ گیا ہے۔ لیکن عادی نے اجازت کے بغیر اُسے باغ میں کیوں گھُسنے دیا؟ بلاؤ عادی کو۔ ہم اُس سے پُوچھیں گے۔"

اِتنے میں عادی خود ہی فریاد کرتا اور غُل مچاتا ہُوا آ گیا۔ اُس نے بتایا کہ عمرو نے پِسی ہُوئی مِرچیں میری آنکھوں میں ڈال دیں اور باغ کی دیوار پھاند کر اندر گھس گیا۔ نوشیرواں، عادی کی یہ حالت دیکھ کر خُوب ہنسا۔ امیر حمزہ اور مُقبل بھی مُسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ بادشاہ نے عادی کو سمجھا بُجھا کر واپس بھیجا اور امیر حمزہ سے کہا:

"تمھارا دوست عمرو تو بڑا خطرناک آدمی ہے۔ اسے جلد بُلاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی نیا گُل کھِلائے۔"

امیر حمزہ نے ایک غُلام سے کہا کہ عمرو کو

ڈھونڈھ کر لائے۔ غُلام گیا اور تھوڑی سی تلاش کے بعد عمرو کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ غُلام نے آواز دی اور کہا:

"عمرو صاحب، نیچے تشریف لایئے۔ بادشاہ سلامت آپ کو یاد فرماتے ہیں۔"

"جاؤ جاؤ، اپنا کام کرو۔" عمرو نے جواب دیا۔ "ہم فقیر آدمی۔ ہمیں بادشاہوں سے کیا کام۔ ہم یہیں خوش ہیں۔"

غلام نے یہی بات جا کر بادشاہ سے کہہ دی۔ نوشیرواں ہنس پڑا۔ امیر حمزہ سے کہنے لگا:

"آؤ، ہم خود عمرو کے پاس چلتے ہیں۔"

سب لوگ اُٹھے اور غُلام اُنھیں اُس درخت کے پاس لے گیا جس پر عمرو بیٹھا تھا۔ نوشیرواں اور امیر حمزہ کو آتے دیکھا تو عمرو جھٹ درخت سے اُترا اور دوڑ کر بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا۔ پھر امیر حمزہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور جھوٹ موٹ رونے لگا۔ نوشیرواں نے پُوچھا "روتے کیوں

ہو؟" جواب دیا "بغیر اِجازت باغ میں آ گیا ہوں ۔ اب حضور پھانسی پر لٹکائیں گے۔ اس لیے روتا ہوں۔"

بادشاہ نے تسلّی دی اور عمرو کا رونا تھما۔ اب عمرو نے دوبارہ گانا شروع کیا اور اس انداز میں گایا کہ سب لوگ بے اختیار رونے لگے۔ تھوڑی دیر بعد دوسرا گانا شروع کیا تو سب ہنسنے لگے۔ نوشیرواں نے خوش ہو کر اپنے گلے سے موتیوں کا قیمتی ہار اُتارا اور عمرو کے گلے میں ڈال دیا۔ رات ہوئی تو سب لوگ محل زر نگار میں آئے جو اسی باغِ بے داد میں بنا ہوا تھا اور کھانا کھا کر اپنے کمروں میں آرام کرنے چلے گئے۔

شہزادی مہر نگار

بختک کو جب یہ معلوم ہوا کہ عمرو عیّار عادی پہلوان کی آنکھوں میں مرچیں جھونک کر باغِ بے داد میں جا گھسا تو اُس کے سینے پر سانپ لوٹ گیا۔ دِل میں کہنے لگا کہ میں بادشاہ کا وزیر ہوں اور باغ میں نہیں جا سکتا۔ عمرو ایک ادنیٰ آدمی ہو کر یوں دندناتا ہوا چلا جائے۔ یہ ہرگز نہ ہو گا۔ میں بھی ہر قیمت پر باغ میں جاؤں گا۔

اُس نے بہت سی اشرفیاں تھیلیوں میں

بھریں، کئی تھان کم خواب اور مخمل کے خوب صورت کشتیوں میں لگا کر غلاموں کے سروں پر رکھے اور باغِ بے داد کے دروازے پر پہنچا۔ عادی پہلوان اُس وقت مرچیں تو صاف کر چکا تھا لیکن غُصّے کے مارے اُس کی آنکھوں میں خُون اُترا ہُوا تھا۔ اب جو بختک کی منحوس شکل دیکھی تو دِل ہی دِل میں بُرا بھلا کہنے لگا۔ بختک نے تاڑ لیا کہ پہلوان غصّے میں ہے۔ خوشامد سے کہنے لگا:

"عادی پہلوان، آفرین ہے تم پر ــــ کیا جسم بنایا ہے اور کیا طاقت ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اِس وقت تمھارے جوڑ کا پہلوان رُوئے زمین پر نہیں۔"

عادی نے اُوپر سے نیچے تک بختک کو گھُورا اور کڑوے لہجے میں کہا:

"آپ مطلب کی بات کیجیے۔ میں اِن باتوں کو خُوب سمجھتا ہُوں۔ اِتنا گدھا نہیں ہُوں۔"

"بڑی مہربانی ہو گی اگر آپ مجھے باغ کے

اندر جانے کی اِجازت دے دیں۔" بختک نے گڑگڑا کر کہا۔

"جی نہیں۔ پہلے بادشاہ سے اِجازت لے لو پھر باغ میں جانا مِلے گا۔" عادی نے کورا جواب دیا اور پاس رکھا ہوُا پانی کا ایک گھڑا اُٹھا، مُنہ سے لگا کر غٹ غٹ پی گیا۔

بختک نے اب اشرفیوں کی تھیلیاں ہلائیں اور غلاموں کو آگے بڑھایا جن کے سروں پر مخمل اور کم خواب کے تھان رکھے تھے۔

"کپڑے کے یہ تھان کِس لیے لائے ہو، اور اِن تھیلیوں میں کیا ہے؟" عادی نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ تھان اور سونے کی اشرفیاں آپ کے لیے لایا ہوُں، لیکن شرط یہ ہے کہ آپ مجھے باغ میں جانے دیں۔" بختک نے مُسکراتے ہوُئے جواب دیا۔

عادی پہلوان یہ سنتے ہی کھڑا ہو گیا۔ طیش کے مارے اُس کا بدن کانپ اُٹھا۔ اور مُنہ کے کناروں سے سفید جھاگ

اڑنے لگا۔ وُہ غرّا کر بولا:
"اگر تُو بادشاہ کا وزیر نہ ہوتا تو میں ابھی تیری ہڈّیاں سُرمہ کر دیتا۔ تو مجھے رِشوت دیتا ہے؟ بہتر یہی ہے کہ میری نظروں کے سامنے سے دُور ہو جا، ورنہ تیرا خون پی جاؤں گا۔"
بختک اور اس کے غُلام سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور اپنے گھر جا کر دم لیا۔ جب حواس بجا ہُوئے تو بختک سوچنے لگا کہ اب کیا تدبیر کی جائے۔ دروازے سے جانا تو ممکن نہیں۔ صرف یہی صُورت ہے کہ رات کے گُھپ اندھیرے میں کمند کے سہارے دیوار پر چڑھوں اور باغ کے اندر کُود جاؤں۔
آدھی رات کو بختک اپنے گھر سے نِکلا۔ چوروں کی طرح چُھپتا چھپاتا اور پہرے داروں کی نگاہ سے بچتا بچاتا باغ کی جانب چلا۔ دیوار خاصی اُونچی تھی اور نیچے کُودنے میں ہڈّیاں چٹخنے کا خطرہ تھا۔ اِس لیے بختک

نے ایک ایک کر کے اپنے تمام کپڑے اُتار
دیئے - پھر ان کپڑوں کی گٹھڑی بنائی اور
نیچے گھاس پر پھینک دی - اس کا ارادہ
تھا کہ کپڑوں کی گٹھڑی پہ گِروں گا تو
چوٹ نہیں لگے گی -

اِدھر بختک اپنی اِس کارروائی میں لگا ہُوا
تھا اور اُدھر عمرو عیّار کو نیند نہیں آ رہی
تھی - بستر پر کروٹیں لیتے لیتے تھک گیا -
آخر جھنجلا کر اُٹھا اور دل میں کہنے لگا کہ
باغ میں ٹہلنا چاہیے - ٹھنڈی ہوا
بدن کو لگے گی تو خُشکی دُور ہو جائے گی۔
یہ سوچ کر کمرے سے باہر نِکلا اور باغ
میں آیا - دیوار کے ساتھ ساتھ ٹہلتا ہُوا
جا رہا تھا کہ ایک دم اندھیرے میں سے
کوئی چیز آئی اور اُس کے قدموں میں
گِری - وہ ڈر کے مارے سُن ہو گیا مگر
پھر غور سے دیکھا تو کپڑوں کی گٹھڑی تھی
فوراً پہچان گیا کہ یہ کپڑے بختک وزیر کے
سوا کِسی اور کے نہیں ہو سکتے - اس کا

مطلب یہ ہے کہ وہ باغ میں چوری چھپے گھسنے کی کوشش کر رہا ہے۔

عمرو نے جھٹ کپڑوں کی گٹھڑی بغل میں دبائی اور ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا۔ چند منٹ بعد دھم سے کوئی آدمی گھاس پر گرا اور اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی یہ بختک تھا۔ کوشش کے باوجود وہ اپنی چیخ نہ روک سکا۔ اس کے گھٹنے اور کہنیاں چھل گئی تھیں۔ قسمت کو کوستا ہوا اٹھا اور گٹھڑی تلاش کرنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ اندھیرے کی وجہ سے گٹھڑی پر کودنے میں غلطی ہوئی ہے۔ لیکن اِدھر اُدھر دیکھنے کے باوجود جب گٹھڑی نہ ملی تو حیران ہوا اور کہنے لگا "یہ کیا مصیبت ہے۔ گٹھڑی کدھر غائب ہو گئی۔"

اتنے میں باغ کے دوسرے حصّے سے پہرے داروں کی ایک ٹولی باتیں کرتی ہوئی آئی۔ بختک بڑا گھبرایا۔ لپک کر اس چھوٹی سی نہر کے کنارے گھٹنوں میں سر دے کر

بیٹھ گیا جو باغ کے درمیان میں بہتی تھی۔
عمرو پھرتی سے آیا اور بختک کی کمر میں
اِس زور سے لات ماری کہ وہ لُڑھک
کر نہر میں جا گِرا اور ڈبکیاں کھانے لگا۔
اچانک اُسے خیال آیا کہ یہ حرکت ضرور کِسی
بھُوت کی ہے۔ اِس خیال کے آتے ہی حلق
پھاڑ پھاڑ کر چیخیں مارنے لگا۔

پہرے داروں نے یہ آواز سُنی تو دوڑتے
ہُوئے آئے۔ مشعل کی روشنی میں دیکھا کہ
ایک ننگ دھڑنگ نہر میں ڈبکیاں کھا رہا
ہے اور چیختا جاتا ہے۔ اُنھوں نے بختک
کو پانی سے باہر نِکالا اور کہا:

"کون ہے تُو؟ اور اِس باغ میں کیوں کر
آیا؟"

"م۔۔م۔۔میں۔۔میں بختک ہُوں۔۔
بادشاہ کا وزیر۔۔" بختک نے ہکلاتے
ہُوئے جواب دیا۔

"بختک؟ وزیر؟" — پہرے داروں میں
میں سے ایک نے حیرت سے چِلّا کر کہا۔

"ہم نہیں مان سکتے۔ بھلا وزیر کو اس حالت میں آدھی رات کے وقت باغ میں آنے اور نہر میں غوطے کھانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اس کا مطلب ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ تم لوگ مجھے نہیں پہچانتے ہو" بختک نے ناراض ہو کر کہا۔

پہرے دار ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے کہ کیا کریں۔ اتنے میں عمرو نے درخت کے پیچھے سے آواز دی:

"پہرے دارو، یہ شخص چور ہے۔ بری نیت سے باغ میں آن گھسا ہے۔ اسے پکڑ کر درخت سے باندھ دو اور صبح بادشاہ کو اطلاع دے دینا۔"

پہرے داروں نے "آناً فاناً" بختک کو پکڑا اور درخت کے تنے سے باندھ دیا۔ بختک نے عمرو کی آواز پہچان لی تھی۔ گڑگڑا کر کہنے لگا۔

"بھتیا عمرو، میری جان بچاؤ۔ زندگی بھر تمھارا احسان نہ بھولوں گا۔"

اب عمرو درخت کے پیچھے سے نکل کر سامنے آیا۔ بختک کو اس حالت میں دیکھا تو خوب ہنسا۔ کہنے لگا:

"افسوس کہ میں آپ کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ پہرے داروں نے آپ کو پکڑا ہے۔ وہی چھوڑنے کا حق رکھتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ بختک وزیر ہی ہیں۔ مگر۔۔"

"جناب، یہ وزیر چھوڑ وزیر اعظم ہی کیوں نہ ہوں۔ ہم انھیں ہرگز نہ چھوڑیں گے اور صبح بادشاہ کے سامنے پیش کریں گے۔"

پہرے داروں نے کہا۔

"اچھا بختک صاحب، بندہ تو اجازت چاہتا ہے۔ نیند آ رہی ہے۔" عمرو نے ہنس کر کہا اور چلنے کے لیے قدم بڑھایا۔

بختک نے روتے ہوئے کہا۔ "اچھا، اتنی مہربانی کرو کہ میرے کپڑے واپس کر دو۔"

"کپڑے؟ کون سے کپڑے؟" عمرو نے انجان بن کر کہا۔

اب تو بختک کا پارہ چڑھ گیا۔ عمرو کو

بُرا بھلا کہنے لگا۔ عمرؔو نے پہرے داروں سے کہا:

"افسوس، بے چارے کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کل بادشاہ سے کہہ کر اسے پاگل خانے بھجوانا پڑے گا۔ اِسے اِسی طرح بندھا رہنے دو۔"
یہ کہہ کر وہ پہرے داروں کو اپنے ساتھ لے گیا۔
صُبح مُنھ اندھیرے ہی عمَرو اُٹھا اور امیرحمزہ مُقبل اور بُزرجمہر کو جا کر اُٹھایا۔ اِتنے میں نوشیرواں اور دونوں شہزادے بھی بیدار ہو گئے عمَرو کہنے لگا:
"حضور، کیسی عُمدہ ہوا چل رہی ہے۔ باغ کی سیر کیجیے۔ لُطف آ جائے گا۔"
نوشیرواں خوش ہُوا اور سب لوگ باغ کی سیر کو چل پڑے۔ عمَرو بڑی مزے دار باتیں کرتا کرتا بادشاہ اور شہزادوں کو اُسی جگہ لے آیا جہاں پچھلی رات بختک وزیر کو درخت سے باندھا گیا تھا۔ نوشیرواں کی نظر جُوں ہی بختک پر پڑی، حیرت سے

چلّا اُٹھا:

"ہائیں! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں! بختک تو اِس حالت میں یہاں کیسے؟"

بختک نے شرم سے گردن جھکا لی اور کچھ جواب نہ دیا۔ عَمرو عیّار نے کہا: "حضور، باغ کے پہرے داروں کو بُلوا کر اُن سے پُوچھیے۔ شاید وہ کچھ بتا سکیں۔"

اسی وقت پہرے دار طلب کیے گئے اُنھوں نے بیان کیا کہ آدھی رات کے وقت یہ شخص ننگا دھڑنگا نہر میں ڈبکیاں کھا رہا تھا۔ اسے باہر نکالا تو کہنے لگا میں بختک وزیر ہوں۔ ہمیں یقین نہ آیا۔ بھلا وزیر کو اس حال میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اتنے میں خواجہ عَمرو آ گئے۔ اُنھوں نے بتایا کہ یہ شخص واقعی وزیر ہے مگر ممکن ہے کسی بُری نیّت سے آیا ہو۔ ہم نے اسے درخت سے باندھ دیا۔ اب جو حضور کا حکم ہو وہ کیا جائے۔"

اِتنے میں عادی پہلوان اُدھر آ نِکلا۔ اُس

نے رشوت دینے کی ساری داستان کہہ سُنائی۔
بادشاہ نے دانت پیس کر قہر کی نظر سے
بختک کو دیکھا اور کہا:
"یہ نالائق ہمارا وزیر بننے کے قابل نہیں
ہے۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہُوا ٹھیک ہے
آدھی رات کو بغیر اِجازت باغ میں گھُسنے کی
یہی سزا ہے۔ اِسے سارا دِن باغ میں
بندھا رہنے دو۔"
بختک نے رحم طلب نِگاہوں سے بزرجمہر
کی جانب دیکھا۔ بزرجمہر دیکھ ہی چکا تھا کہ
بادشاہ طیش میں ہے۔ اُسے سِفارش کرنے
کی جُرأت نہ ہُوئی۔ اُس نے امیر حمزہ کے
کان میں کہا کہ بختک بے چارے کو رِہائی
دِلواؤ۔ امیر حمزہ نے بادشاہ سے کہہ سُن
کر بختک کا قصُور مُعاف کرایا۔ عَمرو نے
کپڑوں کی گٹھڑی لا کر دی اور وہ بدنصیب
وہاں سے دُم دبا کر بھاگا۔

جب بہرام کا زخم بھر گیا اور بزرجمہر نے

کہہ دیا کہ بہرام تندرست ہو چکا ہے تو
بادشاہ نے اِس خوشی میں جشن کا حکم دیا
رات کو شہر میں چراغاں ہوا - آتش بازی
چھوڑی گئی - غریبوں میں اشرفیاں اور کپڑے
تقسیم کیے گئے - جگہ جگہ دعوتیں اور جلسے
ہوئے - بادشاہ نے امیر حمزہ اور اُن کے
تمام دوستوں کو اپنے خاص محل میں دعوت
دی - اِس محل کا نام چہل ستون تھا - اسے
چہل ستون یوں کہتے تھے کہ اس کی عظیم الشان
عمارت چالیس بڑے بڑے ستونوں کے
سہارے کھڑی تھی - ہر ستون سفید دودھ
پتھر کا بنا ہوا تھا جیسے سنگِ مرمر کہتے
محل چہل ستون کی چھت پر سے مدائن شہ
کا نظارہ بڑا بھلا معلوم ہوتا تھا - اس کے
کمروں کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ
تھی اور ہر کمرے میں کئی کئی لاکھ رو
کا قیمتی فرنیچر سجا ہوا تھا - برآمدوں، گیلریو
اور دروازوں پر سیاہ رنگ کے طاقت ور
حبشی غلام پہرا دیتے تھے جن کے کندھو

پر چمکتی ہوئی فولادی تلواریں دھری رہتی تھیں۔ محل کے باغیچوں میں چھوٹے چھوٹے خوب صورت حوض تھے جن میں گلاب کا عرق بھرا ہوا تھا اور بادشاہ صبح شام اسی عرق میں غسل کرتا تھا۔ اس کے علاوہ بے شمار فوارے دن رات چلتے تھے۔ پانچ دن تک امیر حمزہ اور ان کے دوست اسی محل میں رہے۔ چھٹے دن بادشاہ نے آرام کیا اور امیر حمزہ سے کہا کہ وہ اس محل میں جب تک جی چاہے رہیں۔

ایک دن امیر حمزہ اور مقبل وفادار محل کی چھت پر گئے اور شہر کا نظارہ کرنے لگے۔ قریب ہی ایک اور عالی شان عمارت آسمان سے باتیں کر رہی تھی۔ امیر حمزہ نے مقبل سے پوچھا:

"اس عمارت میں کون رہتا ہے؟"

"سنا ہے کہ یہ نوشیرواں کی بیٹی شہزادی مہر نگار کا محل ہے۔" مقبل نے کہا۔ "یہ شہزادی اتنی خوب صورت ہے کہ اس کے

سامنے چاند کی چاندنی بھی پھیکی پڑ جاتی ہے۔"
"اچھا!" امیر حمزہ نے مسکرا کر کہا: کاش ہم اس شہزادی کو کسی طرح دیکھ سکتے۔"
"یہی چیز تو مشکل ہے۔ بادشاہ نے شہزادی کی حفاظت کے کڑے انتظام کر رکھے ہیں۔ محل میں بغیر اجازت پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ اس کے علاوہ شہزادی مہر نگار ہر وقت اپنی سہیلیوں اور خادماؤں کے جھرمٹ میں گھری رہتی ہے۔ یہ عورتیں اُسے ذرا سی دیر کے لیے بھی اکیلا نہیں چھوڑتیں۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دوسرے محل کی چھت پر کچھ شور سا سنائی دیا۔ پھر بہت سی لڑکیاں نمودار ہوئیں۔ اُن کے درمیان میں شہزادی مہر نگار بھی تھی۔ وہ سب اس رونق شہر مدائن کا نظارہ کرنے چھت پر آئی تھیں امیر حمزہ نے شہزادی کو دیکھا اور شہزادی کی نگاہ بھی ان پر پڑی۔ اس نے اپنی ایک کنیز سے پوچھا:
"ہمارے ابّا جان کے محل چہل ستون کی چھت

پر یہ دو آدمی کون ہیں ؟"

"شہزادی صاحبہ، اِن میں سے ایک امیر حمزہ ہیں اور دُوسرے اُن کے دوست مُقبل وفادار"

"ہم نے سُنا ہے کہ عرب کے لوگ بڑے خوب صُورت ہوتے ہیں۔ آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔" شہزادی نے کہا۔

اِدھر امیر حمزہ نے مُقبل کا ہاتھ پکڑا اور چھت پر سے اُتر کر نیچے چلے گئے۔ اُس دِن سے طبیعت ایسی خراب ہوئی کہ کھانا پینا

سب چھوٹ گیا۔ ہر وقت چُپ چُپ رہنے لگے۔ بادشاہ نے بہت سے حکیموں اور طبیبوں کو علاج کے لیے بُلایا، مگر کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ امیر حمزہ کو کیا مرض ہے آخر ایک دِن عمرو عیّار اور مُقبِل وفادار نے موقع پا کر امیر حمزہ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور رونے لگے۔ امیر حمزہ کے بھی آنسو نِکل آئے۔ اپنے دوستوں کو اُٹھا کر سینے سے لگایا اور کہا:

"بھائیو، اب مجھے میرے حال پر چھوڑ دو ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ میں زیادہ دِن نہ جیوں گا۔ میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے"

"اے حمزہ، ایسی بات مُنھ سے نہ نِکالو" عمرو نے کہا "قسم ہے پیدا کرنے والے کی کہ ہم تم سے پہلے اپنی جان دے دیں گے ہمیں اپنے دِل کا راز بتاؤ کہ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ اگر ہمارے بس میں ہُوا تو ضرور تمھاری مدد کریں گے۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ تھوڑی دیر چُپ رہے

پھر آہستہ سے بولے "ہم چاہتے ہیں کہ شہزادی مہر نگار سے ہماری شادی ہو۔"
عمرو عیار روتے روتے ایک دم قہقہہ مار کر ہنسا اور کہنے لگا:
"واہ بھائی حمزہ، تم نے کمال کر دیا۔ اتنی سی بات تھی جس پر تم نے اپنی یہ حالت بنا لی۔ اگر تم پہلے ہی دن مجھے بتا دیتے تو اب تک شہزادی مہر نگار سے تمھاری شادی ہو بھی چکی ہوتی۔"
اب تو امیر حمزہ اور مقبل نے حیرت سے عمرو کو دیکھا اور پوچھنے لگے "آخر تمھارے پاس کون سا جادو ہے جس کے بل بوتے پر تم یہ شادی کرا دیتے؟"
"جادو وادو تو اپنے پاس نہیں ہے ہاں ایک تدبیر ایسی ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو شاید بادشاہ راضی ہو جائے۔"
"جلد بتاؤ وہ کیا تدبیر ہے؟"
"کیا مفت میں بتا دوں؟" عمرو نے کہا۔ "ایسی کچی گولیاں نہیں کھیلا۔"

"یار، تم آدمی سخت نا معقول ہو" امیر حمزہ نے جھلّا کر کہا "اچھّا، جاؤ ایک ہزار اشرفیاں تمھیں دیں۔ اب بتاؤ۔"

عمرو نے جب ہزار اشرفیوں کی تھیلی قبضے میں کر لی تو کہا "بات یہ ہے کہ نوشیرواں کو تم جیسا خوب صورت اور بہادر نوجوان مشکل ہی سے ملے گا۔ تم فوراً بزرجمہر سے کہو کہ وہ بادشاہ سے شہزادی مہر نگار کا رشتہ تمھارے لیے مانگے۔ مجھے یقین ہے کہ نوشیرواں انکار نہیں کرے گا۔"

"خدا تجھے غارت کرے۔ یہی تدبیر تھی جس کے لیے تو نے ہم سے ایک ہزار اشرفیاں اینٹھ لیں۔" امیر حمزہ نے ناراض ہو کر کہا اور منھ پھیر لیا۔ لیکن مقبل وفادار کے دل کو عمرو کی بات بھا گئی۔ امیر حمزہ کو دلاسا دیا، خود بزرجمہر کے پاس پہنچا اور اسے سارا حال کہہ سنایا۔

بزرجمہر یہ سن کر پریشان ہوا۔ کہنے لگا:
"بیٹا مقبل، تم اور تمھارا دوست حمزہ مجھے

اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ عزیز ہو۔ لیکن یہ معاملہ ایسا نازک ہے کہ اگر بادشاہ ناراض ہو گیا تو نہ میری خیر ہے نہ تمھاری۔ اچھا، خدا کا نام لے کر بادشاہ کی خدمت میں جاتا ہوں اور موقع پا کر اُس سے کہوں گا۔ مگر مجھے اُمید نہیں کہ وہ یہ بات مان لے؛

بزرجمہر جب نوشیرواں کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ سخت پریشانی کے عالم میں ٹہل رہا ہے۔ یہ دیکھ کر بزرجمہر کا ماتھا ٹھنکا۔ دِل میں کہا کہ شاید بادشاہ تک پہلے ہی یہ خبر پہنچ چکی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ میں اپنی زبان سے اس کا ذِکر نہ کروں۔ اُس نے بادشاہ کو سات سلام کیے اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ نوشیرواں نے اس کو دیکھا تو کہنے لگا:

"ہم آپ کو ابھی طلب کرنے والے تھے اچھّا ہُوا کہ آپ خود ہی آ گئے۔"

"جہاں پناہ کا اِقبال بُلند ہو۔ میں دیکھتا ہُوں کہ حضُور کچھ پریشان ہیں۔"

"پریشانی کی بات یہ ہے کہ ہندوستان کے
بادشاہ لندھور نے پیغام بھیجا ہے کہ آیندہ
وہ ہمیں خراج ادا نہیں کرے گا اور نہ
اب ہم اُسے اپنا ماتحت خیال کریں۔"
نوشیرواں نے کہا "ہم نے سُنا ہے کہ یہ
لندھور بڑا طاقت ور اور بہادُر جوان ہے۔
سات من کا فولادی گُرز لٹّو کی طرح گھُماتا
ہے اور ہندوستان کے دُوسرے بادشاہ اور
راجا اس سے تھر تھر کانپتے ہیں۔"
"جہاں پناہ کا اِرشاد بالکل صحیح ہے۔"
بُزرجمہر نے کہا۔ "لندھور کی طاقت اور بہادری
کا یہی حال ہے اور مجھے تو اس بات
کا خطرہ ہے کہ اگر اس کی طاقت کو کچلا
نہ گیا تو ایک دِن وہ مدائن پر حملہ کر
دے گا۔"
"ہاں خواجہ، تم ٹھیک کہتے ہو۔ مگر سوال
تو یہ ہے کہ لندھور کو کِس طرح قابو میں
کِیا جائے۔ ہمارے پاس اس کے مُقابلے
کا کوئی آدمی بھی نہیں۔"

"حضور، آدمی تو ہمارے پاس موجود ہے... لیکن ..." بزرجمہر کہتے کہتے رُک گیا۔

نوشیرواں نے تعجب سے بزرجمہر کی جانب دیکھا اور کہنے لگا "آپ کچھ کہتے کہتے رُک کیوں گئے؟ شاید آپ کا اشارہ حمزہ کی طرف ہے۔ مگر حمزہ اتنی دُور جا کر لندھور سے لڑنے پر رضامند ہو جائے گا؟"

"جہاں پناہ، اُس کی کیا مجال کہ آپ کا حکم نہ مانے۔ وہ تو سر کے بل جائے گا مگر اُس کے ساتھ ایک پریشانی یہ ہے کہ وہ شہزادی مہر نگار سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"کیا کہا؟ حمزہ ہماری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے؟" نوشیرواں نے گرج کر کہا۔ "اُسے ایسا سوچنے کی جُرأت کیسے ہوئی؟ وہ بھول گیا کہ ہم سات سلطنتوں کے بادشاہ کہلاتے ہیں اور وہ صرف مکّے کے رئیس کا لڑکا ہے۔ ہماری محبّت اور شفقت کا اس نے ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے۔ ہم ابھی

اُسے مُلک بدر کرنے کا حکم دیں گے۔"
نوشیرواں کے منہ سے غصے کے مارے جھاگ اُڑنے لگے۔ بزرجمہر اُسی طرح ہاتھ باندھے کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد بادشاہ کا غصہ کچھ اُترا تو بزرجمہر نے کہا:
"حضور، ذرا ٹھنڈے دل سے اس معاملے پر غور فرمائیں۔ میں خود بھی نہیں چاہتا کہ حمزہ اور شہزادی مہر نگار کی شادی ہو۔ کیونکہ حمزہ ہماری قوم کا آدمی نہیں۔ وہ عرب ہے اور ہم ایرانی۔ ہماری قوم کے لوگ اس شادی کو پسند نہ کریں گے۔ لیکن حمزہ کو ٹالنے کی ایک ہی صورت ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔"
"جلد بتاؤ وہ صورت کیا ہے؟ ہم اس پر عمل کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔" نوشیرواں کہا۔
"جہاں پناہ، آپ بھرے دربار میں سرداروں سے کہیے کہ جو شخص ہندوستان جا کر لندھور

سے لڑے اور اُس کا سر کاٹ کر لائے اُس کی شادی شہزادی مہر نگار سے کر دی جائے گی۔ جیسا کہ آپ نے خود فرمایا ہے ہمارے پاس لندھور کے مقابلے کا کوئی آدمی موجود نہیں۔ حمزہ ہی اس کام کے لیے تیار ہو گا۔ اگر وہ ہندوستان جا کر لندھور کے ہاتھوں مارا جائے تو خود بخود اس کا قصّہ پاک ہو جائے گا اور اگر وہ لندھور کا سر کاٹ کر لے آئے تو تمام ہندوستان آپ کے قدموں پر ہو گا۔ پھر ہماری قوم کے کسی آدمی کو یہ اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہو گی کہ شہزادی کی شادی ایک عرب سے کیوں کی گئی۔"

نوشیرواں کو یہ تدبیر اِس قدر پسند آئی کہ اُس نے بُزرجمہر کو گلے سے لگا لیا اور ایک قیمتی ہار اُسے عطا کیا۔

اگلے روز دربار میں نوشیرواں نے کھڑے ہو کر ایک تقریر کی اور اِعلان کیا کہ ہندوستان کا بادشاہ لندھور باغی ہو گیا ہے اور اُس نے خراج دینا بند کر دیا ہے ہم چاہتے

ہیں کہ ہمارے سرداروں اور پہلوانوں میں سے کوئی شخص لشکر لے کر ہندوستان جائے اور لندھور کا سر کاٹ کر ہمارے حضور میں پیش کرے۔ جو شخص یہ کارنامہ انجام دے گا، ہم شہزادی مہر نگار کی شادی اُس سے کر دیں گے۔"

خوف ناک جزیرہ

بادشاہ کے اِس اِعلان پر دربار میں سنّاٹا چھا گیا۔ بڑے بڑے نامی پہلوان اور بہادر فوجی سردار ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ آگے بڑھ کر بادشاہ سے کہے کہ میں اِس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ جب کوئی نہ بولا تو نوشیرواں نے رنج سے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا:

"افسوس! افسوس! آج معلوم ہوا کہ دُنیا بہادروں اور جی داروں سے خالی ہو گئی۔" بادشاہ کے منھ سے یہ بات نکلتے ہی امیر حمزہ اپنی جگہ

سے اُٹھ کھڑے ہُوئے اور بولے:
"جہاں پناہ! میں آپ کا ادنیٰ غُلام ہُوں اور میری خواہش ہے کہ اپنی جان آپ پر قربان کر دوں۔ مجھے بہادری اور جی داری کا دعویٰ نہیں ہے لیکن اِجازت دی جائے کہ ہندوستان جاؤں، لندھور سے لڑوں اور اس کا سر کاٹ کر آپ کے سامنے پیش کروں۔"
"آفرین! صد آفرین!" نوشیرواں نے خوش ہو کر کہا "اے حمزہ، ہمیں تُم سے یہی اُمّید تھی۔ ہم حُکم دیتے ہیں کہ ہمارے تین جنگی جہاز جن میں سے ہر جہاز پر ایک ایک ہزار سپاہی سوار ہو سکتے ہیں، تمہارے حوالے کر دیئے جائیں۔ اِس کے عِلاوہ تمھیں جن چیزوں کی ضرورت ہے، فوراً مہیّا کی جائیں۔ تُم ہندوستان کے سفر پر روانہ ہو جاؤ اور جلد سے جلد باغی لندھور کا سر لا کر ہمارے حضور میں پیش کرو۔ اگر تُم اِس مُہم میں کامیاب ہو گئے تو ہم اپنی بیٹی شہزادی

مہر نگار سے تمہاری شادی کر دیں گے۔"
امیر حمزہ نے آگے بڑھ کر بادشاہ کے تخت کو بوسہ دیا۔ پھر بادشاہ کی اجازت سے مہر نگار کے محل میں گئے۔ وہاں شہزادی کی والدہ ملکہ زر انگیز نے اُن کا استقبال کیا۔ انھیں اپنے ہاتھ سے شربت پلایا اور مہر نگار کی خاص انگوٹھی اُن کی انگلی میں پہنائی۔ امیر حمزہ نے اپنی انگوٹھی اُتار کر نشانی کے طور پر شہزادی مہر نگار کو دی اور خوش خوش واپس آ گئے۔ اِتنے میں بزرجمہر بھی وہاں آ گیا، امیر حمزہ کو محبت سے دیکھا اور کہنے لگا:

"جاؤ بیٹا، اللہ تمہارا نگہبان ہو۔ میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ صرف تمہارا دوست مُقبل وفادار موجود رہے، باقی لوگ چلے جائیں۔"

امیر حمزہ نے سب لوگوں کو کمرے سے باہر چلے جانے کا اشارہ کیا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ مُقبل وفادار ایک طرف بیٹھا

رہا۔ بزرجمہر دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا، پھر کہنے لگا:

"پیاس لگی ہے۔ اپنے ہاتھ سے شربت بنا کر ہمیں پلاؤ کہ ہمارا جی ٹھنڈا ہو اور تمھارے حق میں دعا کریں۔"

امیر حمزہ نے جلدی سے شربت بنایا۔ بزرجمہر نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک چھوٹی سی سُنہری رنگ کی ڈِبیا نِکالی۔ اِس ڈِبیا میں سُرخ رنگ کا کوئی مسالا سا تھا۔ اُس نے چُٹکی سے چُٹکی بھر مسالا امیر حمزہ کے شربت میں مِلا دِیا۔ مُقبل وفادار نے یہ دیکھ کر کچھ کہنا چاہا، مگر بُزرجمہر نے اُسے چُپ رہنے کا اِشارہ کیا۔ امیر حمزہ نے شربت پی لیا اور پیتے ہی انھیں زور کی چھینک آئی۔ پھر وہ بے ہوش ہو گئے۔

بُزرجمہر ہنسے اور مُقبل سے کہا "آؤ انھیں اُٹھا کر پلنگ پر لِٹا دیں۔"

"لیکن ۔۔۔ یہ آپ نے کیا کیا؟" مُقبل نے حیرت سے پُوچھا۔

"اب دیکھتے جاؤ کہ میں کیا کرتا ہوں" بزرجمہر نے کہا اور امیر حمزہ کے کرتے کا گریبان کھول دیا۔ پھر اپنی جیب سے ایک تیز دھار کا چمکدار خنجر نکالا۔ مُقبل یہ خنجر دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔

"کیا آپ پاگل ہو گئے ہیں؟ حمزہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں!" اُس نے کہا۔

بزرجمہر مُسکرایا اور کہنے لگا "بیٹا مُقبل، میں پاگل نہیں ہُوا بلکہ حمزہ کی زندگی بچانے کا سامان کر رہا ہوں۔ میں نے نجوم کے ذریعے معلوم کیا ہے کہ ہندوستان کا سفر تُم لوگوں کے لیے بے شمار خطرے اور حادثے لے کر آئے گا۔ لیکن تُم لوگ خُدا کے فضل و کرم سے محفُوظ رہو گے۔ مگر ایک دُشمن شخص امیر حمزہ کو زہر دینے میں کام یاب ہو جائے گا اور میں اسی زہر کا توڑ حمزہ کے جسم میں داخل کرنا چاہتا ہُوں تاکہ زہر کچھ اثر نہ کرے۔"

یہ کہہ کر اُنھوں نے کبُوتر کے انڈے کے

برابر ایک موتی نکالا اور مُقبل کو دِکھایا ۔
"اُسے شاہ مُہرہ کہتے ہیں ۔ دُنیا بھر میں
اس کے ساتھ کا کوئی مُہرہ نہیں ہے ۔ کِتنا
ہی خطرناک زہر ہو یہ اسے چند لمحے میں
چُوس لیتا ہے ۔ میں اسی مُہرے کو حمزہ کے
سِینے میں رکھنا چاہتا ہُوں ۔"
یہ کہہ کر اُنھوں نے امیر حمزہ کے کُھلے
ہُوئے سِینے پر کِسی روغن کی مالش کی ۔ پھر
خنجر سے ایک گہرا شگاف دِیا ۔ مُقبل یہ دیکھ
کر حیران ہُوا کہ خُون کا ایک قطرہ بھی
حمزہ کے سِینے سے نہیں نِکلا ۔ بُزرجمہر نے
شاہ مُہرہ اِس شگاف میں رکھا ۔ اس کے
بعد حضرت داؤد علیہ السّلام کا بنایا ہُوا مرہم
نکال کر زخم پر لگایا ۔ دیکھتے ہی دیکھتے سِینے
پر زخم کا نشان بھی نہ رہا ۔
"خبردار ، جب تک عُمرو عیّار تمھارے مُنھ پر
تین طمانچے نہ مارے ، اِس شاہ مُہرے کا
راز کِسی سے نہ کہنا ورنہ اس کی تاثیر جاتی
رہے گی ۔" بُزرجمہر نے مُقبل کو سمجھایا اور

مُقبل نے اِقرار کیا کہ جب تک عمرو کے تین طمانچے نہ کھائے گا، کسی سے اس کا ذِکر نہ کرے گا۔"

اب بزرجمہر نے مطمئن ہو کر پانی میں کوئی دوا مِلائی اور امیر حمزہ کے چہرے پر چھینٹا دیا۔ اُنھوں نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور کہنے لگے:

"تعجّب ہے کہ مجھے ایک دم نیند آ گئی۔ اچھّا، اب سفر کی تیاری کرتے ہیں۔"

بزرجمہر رُخصت ہُوا۔ امیر حمزہ نے اپنے تمام ساتھیوں اور فوجی افسروں کو بُلا کر حکم دیا کہ سب ہتھیار اور کھانے پینے کی چیزیں جہازوں پر لاد دی جائیں۔ ہم بہت جلد ہندوستان کی جانب روانہ ہو جائیں گے۔ سب لوگ اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔ لیکن عمرو اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ امیر حمزہ نے کہا "کیا بات ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے تیری؟"

"جناب، آپ اپنی فکر کیجیے۔ میری طبیعت ہمیشہ ٹھیک ہی رہتی ہے۔"

"خوب، خوب۔۔ اچھا تو آپ بھی چلنے کی تیاری کیجیے۔ وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔"
امیر حمزہ نے مسکرا کر کہا۔

"آپ جائیے ہندوستان۔ میں اپنے وطن جاتا ہوں۔ مجھے ضرورت نہیں کہ آپ کے ساتھ دھکے کھاتا پھروں اور سچ بات تو یہ ہے کہ میں چار چیزوں سے بہت ڈرتا ہوں۔ جنات، جادو، سمندر اور اژدہا۔ ان سے میری جان نکلتی ہے۔"

امیر حمزہ یہ سن کر بہت ہنسے اور کہنے لگے:

"تم تو خود جن ہو۔ جادو تم پر کیا اثر کر سکتا ہے۔ اب رہا سمندر تو اس سے ڈرنے کی کیا ضرورت۔ کوئی تیر کر تو جانا ہے نہیں۔ جہاز میں سیر کرتے ہوئے چلیں گے۔ باقی رہا اژدہا تو اس کی فکر نہ کرو۔ اگر کہیں مل گیا تو میں اسے مار ڈالوں گا۔"

"جی نہیں۔ میں ان چکنی چپڑی باتوں میں آنے والا نہیں ہوں۔" عمرو نے جواب دیا۔

میں کسی قیمت پر بھی آپ کے ساتھ نہ جاؤں گا۔ ہاں، خشکی خشکی چلیے تو خادم چلنے کے لیے تیار ہے۔"

امیر حمزہ دیر تک عمرو کو سمجھاتے رہے۔ مگر وہ کسی طرح نہ مانا۔ آخر اُنھوں نے دل میں کہا کہ اسے دھوکے سے لے چلنا چاہیے۔ یوں نہیں مانے گا۔ اُنھوں نے جھوٹ موٹ آنسو بہاتے ہوئے کہا:

"اچھا بھائی عمرو، تم مکے چلے جاؤ۔ میں تمھیں اپنے ساتھ جانے پر مجبور نہیں کرتا۔ لیکن میرا ایک کام تو کرو گے؟"

"ہاں ہاں، فرمائیے۔ میرے بس میں ہوا تو ضرور کروں گا۔" عمرو نے کہا۔

"میں کچھ تحفے اپنے ابا جان اور دوسرے لوگوں کے لیے بھیجنا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ ابا جان کے نام ایک خط بھی لکھ کر تمھیں دوں گا۔ یہ تحفے اور خط ان تک حفاظت سے پہنچا دینا۔"

"بہت اچھا۔ وعدہ رہا کہ یہ کام کروں گا۔"

عمرو نے کہا "اب مجھے اجازت دیجیے کہ میں اپنے سفر کی تیاری کروں اور آپ اپنے سفر کی تیاری میں مصروف ہوں۔"

اگلے روز صبح سویرے جہازوں کے ملاحوں اور ان کے افسروں نے امیر حمزہ کو خبر دی کہ سب سامان اور سپاہی جہازوں پر سوار ہو چکے ہیں۔ امیر حمزہ بھی اپنے دوستوں کو لے کر ساحل پر پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ تین بڑے بڑے جہاز سمندر میں لنگر انداز ہیں اور ان کے بادبان ہوا میں پھڑپھڑا رہے ہیں۔ یہ جہاز تین تین منزل اونچے تھے اور ان کے عرشوں پر چلتے پھرتے ملاح اور سپاہی ننھے ننھے بونے دکھائی دیتے تھے۔

امیر حمزہ اپنے جہاز پر پہنچ گئے۔ وہاں سے ایک آدمی کو کشتی میں بٹھا کر ساحل پر بھیجا کہ عمرو سے کہے کہ امیر حمزہ کا خط اور تحفے آ کر لے جائے۔ پہلے تو عمرو نے یہ بات نہ مانی مگر بعد میں جب اس شخص نے کئی ہزار اشرفیوں کا لالچ دیا تو مان گیا

اور کشتی میں بیٹھ کر اُس جہاز میں چلا آیا جس میں امیر حمزہ سوار تھے۔

عمرو آیا تو امیر حمزہ نے ڈھیر سارے تحفے اُس کے سپرد کیے۔ پھر خواجہ عبدالمطلب کے نام لکھا ہُوا ایک خط دیا۔ عمرو جب یہ چیزیں سنبھال کر واپس جانے کے لیے اُٹھا تو امیر حمزہ کہنے لگے:

"جاتے جاتے گلے تو مِل جاؤ۔ کیا خبر ہماری تمھاری مُلاقات دوبارہ ہو کہ نہ ہو۔"

یہ باتیں سُن کر عمرو کا جی بھر آیا۔ جھٹ امیر حمزہ سے چمٹ گیا اور آنسو بہانے لگا۔ امیر حمزہ نے جب اُسے اچھی طرح قابو میں کر لیا تو چلّا کر جہاز کے ملّاحوں کو حکم دیا "فوراً لنگر اُٹھاؤ۔"

روانگی کے گولے دھما دھم چھُوٹے، جہازوں کے لنگر اُٹھائے گئے، بادبان کھول دیے گئے اور تینوں جہاز آہستہ آہستہ ساحل سے دُور ہٹنے لگے۔ عمرو نے آزاد ہونے کے لیے ایڑی چوٹی تک کا زور لگا دیا مگر

امیر حمزہ کے فولادی بازوؤں سے نِکلنا محال تھا۔ وہ زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گیا اور غصّے میں امیر حمزہ کو جو جی میں آیا، بکا۔

امیر حمزہ نے جب اندازہ کیا کہ جہاز ساحِل سے خاصی دُور گہرے سمندر میں آ گئے ہیں، تب اُنھوں نے عَمرو کو چھوڑا۔ وہ چھُٹتے ہی جہاز میں اِس سِرے سے اُس سِرے تک دوڑنے لگا۔ ملّاحوں نے اِن تینوں جہازوں کو لوہے کی بڑی بڑی زنجیروں کے ذریعے آپس میں باندھ دِیا تھا تاکہ طوفان آئے تو جہاز ایک دُوسرے سے دُور نہ ہو جائیں۔ اِن زنجیروں کے ساتھ ساتھ ایک جہاز سے دُوسرے جہاز میں جانے کے لیے رسّیوں کے پُل بھی باندھ دیے گئے تھے۔ عَمرو اِن پُلوں پر اُچھلتا کُودتا ایک جہاز سے دُوسرے اور دُوسرے سے تیسرے میں گیا۔ لیکن زمین بہت دُور تھی۔ آخر مایوس ہو کر اُسی جہاز میں لوٹ آیا جس میں امیر حمزہ سوار تھے۔

کچھ دُور جا کر سمندر کے بیچوں بیچ خشکی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نظر آیا۔ کوئی بیس گز لمبا اور سات آٹھ گز چوڑا۔ عمرو اِس ٹاپو کو دیکھ کر خوش ہوا۔ دِل میں کہنے لگا چھلانگ لگا کر خشکی پر پہنچوں اور وہیں بیٹھ رہوں۔ یہاں تک مچھیروں کی کشتیاں تو آتی ہی ہوں گی۔ انھی کے ساتھ واپس ساحِل پر چلا جاؤں گا۔

یہ سوچ کر چھلانگ لگائی اور ٹاپو پر پہنچ گیا۔ لیکن جونہی اس کے قدم اس پر جمے، ٹاپو نے جُنبش کی اور اس کا آدھا حصّہ پانی میں غائب ہو گیا۔ عمرو دہشت سے چلّایا اور مدد مدد پکارنے لگا۔ اُس نے جسے خشکی کا ٹکڑا سمجھا، وہ اصل میں ایک بہت بڑی وہیل مچھلی تھی جو سانس لینے کے لیے سمندر کی سطح پر آ گئی تھی۔ اب جو اُس نے غوطہ لگایا تو عمرو کے ہوش اُڑے اور بے اختیار امیر حمزہ کو آواز دی کہ خُدا کے لیے مجھے بچاؤ۔ امیر حمزہ نے عمرو کی آواز سُن لی اور جلدی سے عرشے پر آئے۔ دیکھا کہ عمرو پانی کے

اندر غوطے کھا رہا ہے۔ قہقہہ مار کر ہنسے اور ملاحوں کو حکم دیا کہ اسے بچاؤ۔ خبردار، ڈوبنے نہ پائے۔

ملاح پلک جھپکتے میں عمرو کو پانی سے نکال لائے۔ عمرو نے گیلے کپڑے اُتار کر دوسرے کپڑے پہنے اور جہاز کے ایک کونے میں دبک کر بیٹھ گیا۔ داناؤں نے سچ کہا ہے کہ مصیبت میں پھنسنے کے بعد ہی عافیت کی قدر ہوتی ہے

امیر حمزہ کے جہاز ایک مہینے تک سمندر کی لہروں پر سفر کرتے رہے۔ ہر طرف پانی ہی پانی تھا اور خشکی کا کہیں پتا نہ تھا۔ آخر ایک دن دُور سُرمئی رنگ کی ایک لکیر سی نظر آئی۔ یہ ایک جزیرہ تھا۔ بڑا سرسبز اور خوب صورت۔ امیر حمزہ کے حکم سے لنگر ڈال دیے گئے اور سب کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرے کی جانب روانہ ہوئے۔ سفر کے دوران میں نہ کسی کو نہانے کا موقع ملا تھا اور نہ کسی نے کپڑے دھوئے تھے۔ اس کے علاوہ پینے کا

میٹھا پانی بھی ختم ہونے کے قریب تھا۔ امیر حمزہ نے کہا کہ اِس جزیرے پر ضرور پانی کے چشمے ہوں گے۔ یہاں سے تازہ پانی لے لیا جائے اور جو شخص نہانا یا کپڑے دھونا چاہے اُسے بھی اِجازت ہے۔

سب سے پہلے عَمرو نے جزیرے پر قدم رکھا۔ وہ اِتنا خوش ہُوا کہ ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتا ہُوا دُور نِکل گیا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور درخت پھلوں سے لدے کھڑے تھے۔ عَمرو حیران تھا کہ اِتنا بڑا اور خوبصورت جزیرہ ہے لیکن نہ آدمی نہ آدم زاد۔ بالکل وِیران پڑا ہے۔

تھوڑی دیر بعد عَمرو کو پیاس نے ستایا۔ اِدھر اُدھر پانی کا چشمہ تلاش کیا، مگر نہ مِلا۔ آخر مایوس ہو کر ایک درخت کے قریب پہنچا جس کی شاخوں پر سُرخ رنگ کے بڑے بڑے سنگترے لگے ہُوئے تھے۔ عَمرو نے چند سنگترے توڑے اور ان کے عرق سے پیاس بجھائی۔

ابھی پھل کھانے میں مصروف تھا کہ درخت

کے تنے میں سے ایک عجیب سی آواز آئی:
"ارے بیٹا عمرو، تم یہاں کب آئے؟"
عمرو نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا اور حیرت سے اُس کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔ درخت کے تنے کے ساتھ کوئی سو برس کا بُڈھا پیٹھ لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر بے شمار جھُرّیاں پڑی ہُوئی تھیں اور سر اور ڈاڑھی کے تمام بال برف کی مانند سفید تھے۔ بازُو نہایت قوی اور لمبے، لیکن ٹانگیں بہُت پتلی اور لکڑی کی کھپچیوں کی طرح سخت تھیں عمرو اِس بُڈھے کو یُوں بیٹھا دیکھ کر ڈرا اور سوچنے لگا کہ اِسے میرا نام کیوں کر معلوم ہُوا؟ اُسے چُپ پا کر بڈّھے نے پھر محبّت بھری آواز میں کہا:
"بیٹا عمرو، ڈرو مت، میرے نزدیک آؤ۔ میں کوئی غیر نہیں، تمھارا سگا چچا ہُوں۔ بہُت دِن ہُوئے جب تم چھوٹے سے تھے، تب میں گھر والوں سے لڑ جھگڑ کر ہندوستان کی طرف نکل گیا تھا۔ ہندوستان میں بہُت روپیہ کمایا

اور اس روپے سے طرح طرح کے قیمتی جواہرات خریدتا رہا۔ آخر ان جواہرات کا ایک بڑا خزانہ میرے پاس جمع ہو گیا۔ مجھے اپنے وطن سے نکلے ہوئے کئی برس ہو گئے تھے اور گھر والوں کی یاد میں دل تڑپ رہا تھا۔ اِس لیے میں ایک جہاز پر سوار ہو کر عرب کی طرف چلا۔ مگر راستے میں زبردست طوفان نے جہاز کو گھیر کر تباہ کر دیا۔ میں بڑی مشکل سے ایک تیرتے ہوئے تختے پر چڑھا اور جان بچائی۔ جواہرات کا صندوقچہ میرے پاس تھا۔ تیرتے تیرتے وہ تختہ اِس جزیرے پر آن لگا۔ اُس وقت سے اب تک یہیں ہوں۔"

بڈھے نے جواہرات کے صندوقچے کا ذکر کیا تو عمرو کے منھ میں پانی بھر آیا۔ سوچنے لگا کہ کسی طرح بڈھے سے یہ صندوقچہ ہتھیانا چاہیے۔ فوراً آگے بڑھا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا:

"ہاں چچا، میں نے آپ کو پہچان لیا۔ میں ایک لشکر لے کر ہندوستان فتح کرنے کے ارادے

سے جا رہا تھا۔ راستے میں یہ خوب صورت جزیرہ دیکھا تو جی مچل گیا۔ سوچا کہ چند دن یہاں کی سیر کی جائے۔ کیا خبر تھی کہ اتنی مدّت کے بچھڑے ہوئے چچا سے یوں ملاقات ہو گی۔ اب میں ہندوستان نہیں جانا۔ آپ کے ساتھ عرب جاؤں گا۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ وہ صندوقچہ کہاں ہے؟"

بڈھا یہ سن کر پوپلے منہ سے مسکرایا اور کہنے لگا:

"ارے بیٹا، ذرا چھری تلے دم تو لو۔ صندوقچہ تمھارا ہی ہے۔ میں تو اب قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں۔ آج مرا تو کل دوسرا دن۔ وصیت کر جاؤں گا کہ سب ہیرے جواہرات تمھی کو ملیں۔ اصل میں میں نے وہ صندوقچہ ایک جگہ زمین میں دبا رکھا ہے۔ جب یہاں سے چلیں گے تو اسے نکال لیں گے۔ تم فکر نہ کرو۔ اچھا، باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ مجھے سخت پیاس لگی ہے۔ پانی تو کہیں ملتا نہیں،

پھلوں کے رس ہی سے پیاس بجھاتا ہوں۔"
"ابھی لیجیے چچا جان، جتنے جی چاہے پھل کھائیے۔ میں توڑے دیتا ہوں۔" عمرو نے کہا۔
"نہیں بیٹا، آج تو میرا جی چاہتا ہے کہ پھل خود اپنے ہاتھ سے توڑ کر کھاؤں۔ تم دیکھتے ہو کہ بیماری سے میرے دونوں پاؤں لکڑی کی طرح سخت اور پتلے ہو گئے ہیں۔ بالکل چلا نہیں جاتا۔ اتنی مہربانی کرو کہ مجھے اپنی پیٹھ پر سوار کر لو۔ میں اپنا ہاتھ بڑھا کر خود پھل توڑوں گا۔"
"بہت اچھا، آئیے۔ یہ پیٹھ حاضر ہے۔" عمرو نے کہا اور گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ بڈھا بندر کی طرح اچک کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور اپنی دونوں ٹانگیں اس کی گردن میں ڈال کر اچھی طرح کس لیں۔ پھر ہاتھ میں پکڑا ہوا موٹا سا ڈنڈا اس کی ٹانگ پر مارا اور کہنے لگا:
"ہاں بیٹا، اب ذرا دوڑ تو لگا۔ دیکھوں تیری رفتار کیا ہے؟"

"چچا جان، یہ کیا مذاق ہے؟" عمرو نے ناراض ہو کر کہا۔

"مذاق وذاق کچھ نہیں۔ اب تم دوڑو۔" بڈھے نے عمرو کو ڈانٹا اور اپنی ٹانگوں سے اُس کی گردن اِس زور سے دبائی کہ اس کی آنکھیں اُبل پڑیں اور دم گھٹنے لگا۔ وہ چلّایا: "ارے چچا جان، یہ کیا کرتے ہو۔ دوڑتا ہوں ابھی دوڑتا ہوں۔"

یہ کہہ کر عمرو نے ہرن کی طرح زقند بھری اور میلوں تک دوڑتا چلا گیا۔ وہ خبیث بڈھا اس کے دوڑنے بھاگنے سے بڑا خوش ہوا اور کہنے لگا "بھئی واہ۔ کیا اچھا گھوڑا ملا ہے۔ رُکو مت۔ دوڑے جاؤ۔"

چند لمحے بعد عمرو نے کہا "چچا جان، میں تھک گیا ہوں۔ مہربانی ہو گی اگر آپ میری پیٹھ پر سے اُتر آئیں۔"

"ہا ہا۔" بڈھے نے ایسا خوف ناک قہقہہ لگایا کہ عمرو کا خون خشک ہو گیا۔ "کیا کہا تو نے؟ تیری پیٹھ پر سے اُتر جاؤں؟

ناممکن۔ بالکل ناممکن۔ جب تک تیرے جسم میں جان ہے اور تو دوڑنے کے قابل ہے میں تیری پیٹھ سے ہرگز نہیں اتروں گا۔"

اب تو عمرو کی سٹی گم ہو گئی۔ دل میں سوچنے لگا کہ خدا جانے یہ خبیث کون ہے۔ پوچھنا تو چاہیے۔

"چچا جان، سچ سچ بتائیے کہ آپ کون ہیں؟"

"ہم۔۔ ہم۔۔ اس جزیرے کی بد رُوح ہیں!" بڈھے نے قہقہہ لگایا "مجھ جیسی بد رُوحیں یہاں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں بستی ہیں۔ ہم سب شیطان کی اولاد میں سے ہیں۔۔ ہا ہا ہا۔۔ زیادہ بک بک نہ کر اور دوڑ لگا۔"

یہ کہہ کر بڈھے نے ڈنڈا عمرو کی ٹانگوں پر مارا اور گردن دبائی۔ عمرو پھر بھاگ اٹھا دوڑتے دوڑتے پھر ساحل کی طرف گیا۔ اس کا خیال تھا کہ امیر حمزہ یا مقبل وفادار سے اس بڈھے کو ہلاک کراؤں گا۔ لیکن وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہے کہ ویسی ہی

شکل و صورت کے ہزارہا بُڈھے جہاز کے ملاحوں اور سپاہیوں کی گردن پر سوار ہیں اور ان کو خوب دوڑا رہے ہیں۔ سب سے بُری حالت عادی پہلوان کی تھی۔ موٹا تازہ ہونے کے باعث اس سے دوڑا نہ جاتا تھا۔ چند قدم بھاگتا اور رُک کر ہانپنے لگتا۔ اس پر اس کا سوار ناراض ہو کر بے تحاشا ڈنڈے برساتا۔

امیر حمزہ نے عمرو کو دیکھا تو ہنسے اور کہنے لگے "عمرو، ان بلاؤں سے چھٹکارا پانے کی کوئی تدبیر کر ورنہ ہم دوڑتے دوڑتے مر جائیں گے۔"

"ترکیب تم خود کرو۔ مجھے تو اس بھاگ دوڑ میں مزہ آ رہا ہے۔" عمرو نے جواب دیا اور اتنا تیز دوڑا کہ سب سے آگے نکل گیا۔ عمرو کا یہ جواب سن کر بُڈھا خوش ہوا اور کہنے لگا:

"شاباش میرے گھوڑے، تو نے اس کو اچھا جواب دیا۔"

عمرو کا ذہن اس بلا سے رہائی پانے کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔ لیکن اس کے لیے ضروری تھا کہ بڈھے کو باتوں میں بہلایا جائے۔ وہ بھاگتے بھاگتے رُکا اور بڑی سُریلی آواز میں گانے لگا۔ گانا سُن کر بڈھا اور خوش ہوا۔ کہنے لگا:

"آہا، میرا گھوڑا تو گاتا بھی ہے۔ اب تو کسی قیمت پر اسے نہ چھوڑوں گا۔"

"چچا جان، مجھے بھی تم سے محبت ہو گئی ہے۔" عمرو نے کہا اور پھر دوڑنے لگا۔

ایک پہاڑ کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے دیکھا کہ جنگلی انگوروں کی بیلیں پھلوں سے لدی ہوئی ہیں اور انگوروں سے رس ٹپک ٹپک کر ایک بڑے سے پتھر کے پیالے میں گر رہا ہے۔ عمرو نے اس پیالے سے منہ لگا کر چند گھونٹ پیئے اور ہوا کی طرح کئی میل تک دوڑتا چلا گیا۔ بڈھا خبیث خوش ہو کر کہنے لگا:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِس عرق نے تمہارے

اندر قوّت بھر دی ہے۔"

"ہاں چچا، کیا کہنے ہیں اِس عرق کے۔ جواب نہیں۔ اب میں برسوں تک رُکے بغیر دوڑ سکتا ہوں۔ مگر ایک بات کہتا ہوں۔ تم انگوروں کا یہ رس کسی چیز میں بھر کر میدان میں رکھ دو۔ جب میں دوڑتے دوڑتے تھک جاؤں تو تھوڑا سا رس میرے حلق میں ٹپکا دینا۔ میں پھر تیز ہو جاؤں گا۔ مگر تم ہر گز نہ پینا۔"

بڈھا مان گیا۔ اُس نے انگوروں کا رس نکالا اور ایک بڑے سے کدو کو کھوکھلا کر کے اس میں بھر کر میدان میں رکھ دیا۔ رس دِن بھر دھوپ میں پڑا پڑا زہر ہو گیا۔ شام کو عمرو بڈھے کو لے کر واپس آیا تو اُس نے کدو اُٹھا کر رس پینا چاہا مگر بڈھے نے کدو اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ اُس نے اپنے دِل میں کہا کہ یہ خود تو مزے سے پیتا ہے اور مجھے منع کرتا ہے۔ ضرور اس میں

کوئی خاص بات ہے ۔ یہ سوچ کر اُس نے رس پینا شروع کیا ۔ عمرو جتنا منع کرتا ، اُتنا ہی وہ اور پیتا ۔ کچھ دیر بعد زہر اُس کی رگ رگ میں پھیل گیا اور وہ بے جان ہو کر عمرو کی پیٹھ سے زمین پر گر پڑا ۔

عمرو اُسی وقت اپنے ساتھیوں کی جانب دوڑا ۔ وہ بے چارے ابھی تک ان بلاؤں سے نجات نہ پا سکے تھے اور دوڑتے دوڑتے پاگل ہو رہے تھے ۔ عمرو کو آزاد پایا تو سب کے سب خوشامد کرنے لگے کہ ہمیں بھی اِن بھوتوں سے چھٹکارا دِلاؤ ۔ عمرو نے کہا :

"یہ کام محنت کا ہے اور میں مفت میں کیوں محنت کروں ؟ بولو ، مجھے کیا دو گے ؟"

سب نے اِقرار کیا کہ ہر شخص سو سو اشرفیاں دے گا ۔ تب عمرو نے اپنا خنجر نکالا اور ایک ایک کر کے تمام بڈھوں کے سر کاٹ ڈالے ۔ اس کے بعد وہ سب جہازوں پر سوار ہو کر ہندوستان روانہ ہو گئے ۔

اس کے بعد کیا ہوا ؟ یہ جاننے کے لیے اس دلچسپ داستان کا نمبر ا حصّہ "نوشیرواں کی بیٹی" ضرور پڑھیے ۔

نوشیرواں کی بیٹی

سکندر کا مینار

جزیرے کی تمام بلاؤں کو ختم کرنے کے بعد امیر حمزہ اور اُن کے ساتھیوں نے فیصلہ کیا کہ یہاں سے اب روانہ ہو جانا چاہیے۔ لیکن عُمرو نے کہا جانے سے پہلے اِس جزیرے کو تباہ کر دینا مُناسب ہو گا تاکہ پھر یہاں کبھی ایسی بلائیں پیدا نہ ہو سکیں۔ چنانچہ اُس نے جزیرے کے درختوں اور جھاڑیوں میں آگ لگا دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے شُعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اور آگ ایک سرے سے دُوسرے سرے تک پھیل گئی۔

اِس کے بعد سارے آدمی جہازوں پر سوار ہُوئے اور ایک بار پھر سمندر کی لہروں پر بہتے ہُوئے ہندوستان کی جانب روانہ ہُوئے۔ چند روز تک تو کوئی خاص بات نہ ہُوئی مگر چھٹے دِن ملّاحوں اور

جہاز رانوں نے چیخ پکار شروع کی اور لرزتے کانپتے امیر حمزہ کے پاس آئے۔

اُنھوں نے حیرت سے پوچھا: "کیا بات ہے، تم لوگ اِتنا شور کیوں مچا رہے ہو؟"

"جناب ایک بہت بڑی وھیل مچھلی سمندر میں دِکھائی دی ہے۔" اُن میں سے کسی نے جواب دیا۔ "اس کی لمبائی ہمارے اندازے کے مطابق دو میل کے لگ بھگ ہو گی۔ یہ مچھلی سمندر میں غوطے لگاتی ہوئی تیرتی ہے اور سیدھی ہمارے جہازوں کی طرف چلی آ رہی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر اُس کا رُخ تبدیل نہ کیا گیا تو وہ جہازوں کو تباہ کر ڈالے گی۔"

یہ سُن کر عمرو، مقبل اور بہرام کے ہوش اُڑ گئے لیکن امیر حمزہ کے چہرے پر پریشانی کے آثار دکھائی نہ دیے۔ وہ سب کو ساتھ لے کر جہاز کے عرشے پر پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دُور ــــ بہت دُور ــــ سمندر کے اندر اُونچی اُونچی لہریں اُٹھ رہی ہیں اور اِن لہروں کے اندر ایک پہاڑ جیسی مچھلی اُبھرتی ڈوبتی نظر آ رہی ہے۔ اِس

مچھلی کا سر اِتنا بڑا تھا جیسے ایک پہاڑی ٹیلا اور اُس کی بڑی بڑی آنکھیں آگ کی جلتی ہُوئی بھٹیوں کی مانند روشن تھیں۔ وہ سیدھی جہازوں کی طرف چلی آ رہی تھی۔ امیر حمزہ اور اُن کے ساتھیوں کو اُس وقت خُدا کی قُدرت یاد آئی اور دُعا کرنے لگے کہ یا الٰہی اِس مچھلی سے جہازوں کو محفُوظ رکھ۔ مگر مچھلی نہایت تیز رفتاری سے آ رہی تھی اور اب اُنھیں یقین ہو گیا کہ یہ ضرُور جہازوں کو غرق کر دے گی۔ یکایک اُنھیں حضرت اسحاق علیہ السلام کی کمان یاد آئی۔ امیر حمزہ نے فوراً وہ کمان نکالی اور تیروں کے ترکش سے ایک تیر نکال کر کمان میں جوڑا۔ اتنے میں وہ وھیل جہازوں کے نزدیک آ گئی۔ اُس وقت پانی میں بڑے بڑے بھنور پڑ رہے تھے۔ امیر حمزہ نے مچھلی کی دائیں آنکھ کا نشانہ لیا اور اللہ کا نام لے کر تیر چلا دیا۔ اِس تیر میں خُدا جانے کیا اثر تھا کہ جُونہی مچھلی کی آنکھ میں لگا ایک دھماکا ہُوا اور اُس کی آنکھ کی پُتلی غائب ہو

گئی۔ امیر حمزہ نے دُوسرا تیر چلایا اور مچھلی کی
بائیں آنکھ بھی پھوڑ دی۔ اب تو مچھلی اِس
طرح تڑپنے لگی جیسے ذبح کیا ہُوا بکرا تڑپتا
ہے۔ جہاز تنکے کی طرح سمندر میں اُچھلنے اور
ڈگمگانے لگے۔ مچھلی کے جسم سے خُون فوّاروں کی
مانند اُبلنے لگا اور سمندر کا پانی گہرا سُرخ
ہو گیا۔ دیر تک غوطے لگانے اور تڑپنے کے
بعد مچھلی سمندر میں ڈُوب گئی لیکن اُس کے
ڈوبنے سے سمندر میں ایسا طوفان آیا کہ جہاز
ایک دُوسرے سے ٹکرانے لگے۔ اُس وقت سُورج
بھی غرُوب ہو چکا تھا اور آسمان پر سیاہ
گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ بجلی چمک رہی تھی اور
بادل گرج رہے تھے۔ ساری رات یہ طُوفان
جاری رہا اور کسی کو کسی کی خبر نہ رہی۔
صُبح سویرے سب نے دیکھا کہ تین جہازوں
میں سے دو باقی رہ گئے ہیں اور ایک جہاز
غائب ہے۔ یہ وہ جہاز تھا جس میں بہرام
ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ سوار تھا۔ امیر حمزہ
تیسرے جہاز کو نہ پا کر بے حد غمگین ہُوئے۔

اُنھیں یقین تھا کہ بہرام کا جہاز سمندر میں ڈوب گیا ہے۔ بے اختیار رونے لگے۔ امیر حمزہ کو روتے دیکھ کر سب کے آنسو نکل آئے۔ لیکن مجبور تھے، کیا کر سکتے تھے۔ موسم ٹھیک ہوتے ہی دوبارہ سفر پر روانہ ہو گئے۔

اس حادثے کے ٹھیک سات دن بعد پھر ملاح اور جہازران روتے پیٹتے امیر حمزہ کے پاس آئے اور کہنے لگے "حضور، جزیرے کی بلاؤں، وھیل مچھلی اور طوفان کے ہاتھوں تو ہم بچ گئے لیکن اس مرتبہ ہم ایسی جگہ پھنس گئے ہیں کہ جہاں سے بچ نکلنا کسی طرح ممکن نہیں۔"

امیر حمزہ نے کہا "یہ کون سی جگہ ہے؟"

"جنابِ والا، اسے گردابِ سکندری کہتے ہیں۔ ہزاروں سال سے اس جگہ سمندر میں جہاز غرق ہوتے رہے ہیں۔ دراصل یہاں پانی میں بڑے بڑے بھنور پیدا ہوتے ہیں اور جہازوں کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ بھنور میں ایک بار پھنس جانے کے بعد جہاز چکر کھاتے کھاتے پانی میں غائب ہو جاتا ہے۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ جہازوں کی رفتار آپ ہی آپ بڑھ گئی اور یُوں نظر آنے لگا جیسے کوئی غیبی طاقت اُنھیں گھسیٹتی ہوئی لے جا رہی ہے۔

"حضور، ہمارے جہازوں کو بھنور نے کھینچ لیا ہے۔ اب ان کے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہی۔" ایک جہاز ران چلّایا۔ امیر حمزہ کے ساتھی خوف زدہ ہوئے اور چیخیں مارنے لگے۔ جہاز لٹو کی طرح پانی میں ایک ہی جگہ گھوم رہے تھے اور پانی کا شور اس قدر تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ سمندر کی لہریں جہازوں سے آ آ کر ٹکراتیں اور جہازوں کے گھومنے کی رفتار اور تیز ہو جاتی۔

یکایک امیر حمزہ نے پانی کے بیچوں بیچ ایک بلند مینار دیکھا۔ یہ مینار کالے رنگ کے پتھروں سے بنا ہوا تھا۔ اور بہت اونچا تھا۔ اس مینار کے اوپر ایک گنبد بھی تھا جس کے چاروں طرف سے زرد رنگ کی روشنی خارج ہو رہی تھی۔ امیر حمزہ نے ایک بوڑھے ملّاح سے پوچھا۔

"بابا، یہ مینار کیسا ہے اور اِسے یہاں کس نے بنوایا ہے؟"

"جناب ہم نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے کہ ہزاروں برس پہلے یہ مینار سکندر ذوالقرنین نے بنوایا تھا اور اِس میں ایک خاص طلسم بھی رکھا تھا۔ رات کے اندھیرے میں یہ گنبد چاند کی مانند چمکتا ہُوا دِکھائی دیتا ہے اور سینکڑوں میل دُور سے نظر آ جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر جہازران اپنے جہاز اِدھر نہیں لاتے لیکن دن کی روشنی میں سفر کرنے والے بعض بد قسمت جہاز راستے سے بھٹک کر اِدھر آ نکلتے ہیں اور بھنور میں پھنس کر ڈوب جاتے ہیں۔"

"عجیب بات ہے۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "سکندر ذوالقرنین نے جہازوں کی رہنمائی کے لیے تو یہ مینار بنوا دِیا لیکن ایسی ترکیب نہ کی کہ اگر کوئی جہاز بھنور میں پھنس جائے تو نِکلے کیسے؟"

"جناب، اِس کی ترکیب بھی موجود ہے۔" بُوڑھے ملاح نے کہا۔ "اِس گنبد کے اندر ایک بہت بڑا نقارہ رکھا ہے اور قریب ہی چوب دھری ہے

جو شخص گنبد میں پہنچ کر اس چوب سے نقارے پر ضرب لگائے گا، اُس کی آواز سے جہاز بھنور میں سے نکل جائیں گے۔ یہی طلسم ہے۔ اگر جہازوں کو بچانا ہے تو دیر نہ کیجیے۔ کیونکہ اس مینار کے گرد سات چکّر کھانے کے بعد جہاز ڈوب جاتے ہیں۔ فوراً گنبد پر پہنچ کر نقّارہ بجائیے۔"

یہ سن کر امیر حمزہ نے کپڑے اُتار کر لنگوٹ باندھا۔ مینار کی بلندی کا اندازہ لگایا اور جہاز کے مستول پر چڑھنے کے ارادے سے آگے بڑھے۔ اُن کا خیال تھا کہ مستول پر سے چھلانگ لگا کر مینار تک پہنچنا کچھ مشکل نہ ہو گا۔

اتنے میں عمرو سامنے آیا اور کہنے لگا۔

"اے حمزہ، میرے مقابلے میں تمھاری جان قیمتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم مینار تک پہنچنے کی کوشش میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو۔ پھر ہم کسے اپنا سردار بنائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمھاری بجائے میں مینار پر جاؤں اور نقّارہ بجا دوں۔"

امیر حمزہ حیرت سے عمرو کا منہ دیکھنے لگے۔ انہیں گوارا نہ ہوا کہ عمرو کو جانے کی اجازت دیں مگر مقبل نے سمجھایا کہ عمرو نہایت پھرتیلا اور چست چالاک ہے۔ وہ آسانی سے گنبد میں جا پہنچے گا۔ یہ سن کر امیر حمزہ نے عمرو کو اجازت دے دی۔ اب عمرو نے اپنی عادت کے مطابق کہا۔

"اے لوگو، دیکھو میں صرف تمہاری جانوں کی حفاظت کے لیے مینار پر جاتا ہوں۔ اگر میں کامیاب رہا اور خیریت کے ساتھ واپس آ گیا تو تم مجھے کیا دو گے؟"

سب نے کہا کہ ایک لاکھ اشرفیاں دیں گے۔

"بہت اچھا۔ بہتر یہ ہے کہ سب لوگ مجھے تحریر لکھ دیں تاکہ بعد میں مکرنے کی گنجائش نہ رہے۔"

امیر حمزہ، مقبل، عادی پہلوان وغیرہ سب نے تحریری وعدہ کیا کہ اگر عمرو کی کوششوں سے ہماری جانیں بچ گئیں تو اسے ایک لاکھ اشرفیاں دیں گے۔ یہ تحریریں اپنے پاجامے کے نیفے میں اڑس کر عمرو نے مینار کی بلندی پر نگاہ کی

اور دم سادھ کر ایسی چھلانگ لگائی کہ سیدھا گُنبد کی چوٹی پر پہنچا۔ لیکن گُنبد کا پتھر چکنا تھا۔ اُس کا ہاتھ پھسل گیا اور وہ نیچے گر پڑا۔

عُمرو کو گرتے دیکھ کر امیر حمزہ اور مُقبل چِلّائے اور دُعا کرنے لگے۔ خود عُمرو بھی گھبرایا اُس نے نیچے دیکھا کہ ایک مگر مچھ اپنا خوفناک جبڑا کھولے اُس کا منتظر ہے۔ اُس نے دہشت سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ جب وہ نیچے گرا تو اُس کے پیر مگر مچھ کے دانتوں سے ٹکرائے اُس نے پُوری قوّت سے ایک اور چھلانگ لگائی اور اِس مرتبہ گُنبد کے اندر پہنچ گیا۔ اُس کی اِس پھُرتی اور تیزی پر جہاز کے ہر شخص کے مُنہ سے تعریف کا کلمہ بُلند ہُوا۔

گُنبد کے اندر ایک نقّارہ اور اُسے بجانے والی چوب رکھی تھی۔ عُمرو نے ایک ہاتھ سے چوب اُٹھانے کی کوشش کی مگر وہ اِتنی بھاری تھی کہ کامیاب نہ ہُوا۔ آخر اُس نے دونوں ہاتھوں سے چوب اُٹھائی اور نقّارے پر دے ماری۔ چوب

کا نقارے پر پڑتا تھا کہ ایک ہولناک آواز پیدا ہوئی۔ عمرو وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ یہ آواز میلوں تک سُنی گئی۔ سمندر کی تہ میں رہنے والے لاکھوں جانور اور مچھلیاں سطح پر آ گئیں اور اُنھوں نے جہازوں کو بھنور سے نکال دیا۔ اِس کے بعد جہاز تیزی سے روانہ ہُوئے اور چند روز کے اندر اندر ایک خُوب صُورت جزیرے کے پاس پہنچ گئے۔ ملاحوں نے امیر حمزہ کو بتایا کہ اس جزیرے کو سراندیپ کہتے ہیں۔

اِس سے پہلے کہ ہم سراندیپ جزیرے کے دِل چسپ اور حیرت انگیز واقعات بیان کریں آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سکندر ذُوالقرنین کے بنائے ہُوئے گُنبد میں عمرو عیّار پر کیا گُزری۔

جب عُمرو کو ہوش آیا تو اُس نے اپنے آپ کو گُنبد کے فرش پر پڑا پایا۔ نقارہ وہیں رکھا تھا اور وزنی چوب عُمرو کے سینے پر دھری تھی۔ عُمرو نے بڑی مُشکل سے چوب کو سینے

سے ہٹایا اور اُٹھ کر گُنبد سے باہر جھانکا۔ دُور دُور تک چاروں طرف سمندر ہی سمندر تھا۔ پانی میں بڑا جوش تھا اور اُونچی اُونچی لہریں اُٹھ رہی تھیں۔ بعض وقت یہ لہریں آتیں اور مینار کی نچلی سطح سے اِس زور سے ٹکراتیں کہ سفید سفید جھاگ اُڑ کر گُنبد کی چوٹی تک پہنچتا اور مینار ہلنے لگتا۔

عُمرو نے امیر حمزہ کے جہازوں کو وہاں نہ پایا تو خُوش ہُوا کہ اُن کی جان بچ گئی، لیکن اُس کے دِل میں یہ خوف بھی تھا کہ وہ خُود اِس گُنبد سے کیونکر زندہ سلامت نِکلے گا۔ کِسی جہاز کے اِدھر آنے کا اِمکان ہی نہ تھا اور آ بھی جائے تو بھنور میں پھنس جائے گا۔ اور اگر عُمرو نقّارے پر چوٹ مار دے تو جہاز تو بچ جائے گا لیکن وہ پھر بھی گنبد ہی میں قید رہے گا۔

یہ سوچ کر عُمرو عیّار بے اِختیار رو پڑا اور دیر تک آنسُو بہاتا رہا۔ کتنی بار اُس نے گُنبد کو اچھّی طرح دیکھا بھالا کہ شاید اِس میں

کوئی خُفیہ راستہ مِلے مگر بے فائدہ۔ اب تو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بُھوکا پیاسا مرنے کے سِوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔

دِن ایک ایک کر کے گزرنے لگے۔ بُھوک اور پیاس کے ہاتھوں عُمرو کی حالت بگڑتی چلی گئی۔ پہلے تو اُٹھ کر گنبد کے اندر ہی چل پھر لیتا تھا، مگر کمزوری بڑھ جانے کے باعث ہر وقت گیلے فرش پر پڑا رہتا۔ کئی مرتبہ اُس نے سمندری جھاگ سے اپنی پیاس بُجھانے کی کوشش کی مگر اُس کا ذائقہ اِتنا کڑوا کسیلا تھا کہ اُس نے دوبارہ چکھنے کی جُراَت نہ کی۔ اُس کا پیٹ سُکڑ کر پیٹھ سے جا لگا اور جسم ہڈیوں کا ڈھانچا بن گیا۔

ایک روز شام کے وقت جب کہ عُمرو اپنی موت کی آخری گھڑیاں گِن رہا تھا کہ گنبد زور زور سے ہِلنے لگا اور پھر اُس کی ایک دِیوار پھٹ گئی۔ اُس میں سے روشنی کا ایک پَیکر نمُودار ہُوا۔ یہ پیکر کسی اِنسان کا تھا۔ اُسے دیکھ کر عُمرو کے دِل کی حرکت تیز ہو گئی۔ آنے والے

نے کہا۔

"اے اُمید کے لڑکے، تجھ پر سلام ہو۔"

اب تو خوف کے مارے عُمرو کی گھگھی بندھ گئی۔ دِل میں کہنے لگا کہ آخری وقت آن پہنچا۔ یہ ضرور موت کا فرشتہ ہے جو رُوح قبض کرنے آیا ہے۔ آنے والے نے دوبارہ سلام کِیا تو عُمرو نے جھلّا کر جواب میں کہا۔

"اگر آپ موت کے فرشتے ہیں اور میری جان لینے آئے ہیں تو جلدی سے اپنا کام کیجیے اور چلے جائیے۔ مُجھ سے مذاق کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں۔"

آنے والے نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔

"اے عُمرو، آفرین ہے تیری ہمّت پر۔ ارے بھائی، میں موت کا فرشتہ نہیں ہُوں۔"

یہ سُن کر عُمرو نے غور سے آنے والے کی طرف نظر کی۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک بڑے میاں جن کی برف جیسی لمبی ڈاڑھی ہے، محبّت کی نظروں سے اُسے دیکھ رہے ہیں۔ بڑے میاں کے

ہاتھ میں لکڑی کا ایک عصا تھا اور اُنھوں نے سر سے پیر تک سفید برّاق کپڑے پہن رکھے تھے۔ اُن کے چہرے پر نُور برس رہا تھا اور آنکھوں سے رُعب۔

عَمرو میں نہ جانے کہاں سے طاقت آ گئی کہ فوراً اُٹھ کر اُن بزرگ کے قدموں پر گِر پڑا اور پُوچھا۔ "اے خُدا کے بندے، تُو کون ہے اور یہاں کِس لیے آیا ہے؟"

بزرگ نے عَمرو کو اُٹھا کر گلے سے لگایا اور بولے۔

"میرا نام خِضر ہے۔ بھُولے بھٹکے کو راستہ بتاتا ہُوں اور اِسی کام پر خُدا نے مجھے مُقرّر کیا ہے۔ خُدا کا شُکر ادا کر کہ اُس نے مجھے یہاں بھیجا تاکہ تجھے اِس قید سے رہا کراؤں۔"

"حضرت، قید سے تو بعد میں نِکالیے گا، پہلے مجھے کچھ کھِلائیے پِلائیے۔ خُدا جانتا ہے کہ سات دِن سے بھُوکا پیاسا ہُوں۔" عَمرو نے کہا۔

حضرت خِضر ہنس پڑے۔ اُنھوں نے اپنی جیب سے میدے کا بنا ہُوا ایک چھوٹا سا کُلچہ نِکالا

اور عُمرو کو دیتے ہُوئے کہا۔ "لے اِسے کھا لے
پھر پینے کے لیے پانی بھی دُوں گا۔"
عُمرو نے مُنہ بنا کر کُلچے کو دیکھا جو ایک
نوالے سے زیادہ نہ تھا اور حضرت خِضر سے
کہنے لگا۔
"جناب ذرا مجھے دیکھیے اور اِس کُلچے کو مُلاحظہ
کیجیے۔ کہیں اِس سے میرا پیٹ بھر سکتا ہے؟"
"ارے بے وقُوف، اِسے کھا تو سہی۔ پھر خُدا
کی قُدرت کا تماشا دیکھ۔" حضرت خِضر نے کہا۔
"جس کھانے کی نیّت اپنے دِل میں کرے گا،
اُسی کا مزہ اِس کُلچے میں پائے گا۔"
عُمرو نے کُلچہ توڑ توڑ کر کھانا شُروع کیا
اور واقعی جس قِسم کے کھانے کا خیال دِل
میں کرتا، اُسی کھانے کا مزہ زبان پر پاتا۔
اُس نے خُوب پیٹ بھر کر کھایا، لیکن کُلچہ جُوں
کا تُوں رہا۔ اب تو عُمرو بڑا حیران ہُوا۔ اِس
کے بعد حضرت خِضر نے دُوسری جیب سے چمڑے
کا بنا ہُوا ایک مشکیزہ نِکالا۔ اُس کی لمبائی مُشکل
سے پانچ چھ اِنچ ہو گی۔ اُس میں پانی بھرا

ہُوا تھا۔ وہ عُمرو سے کہنے لگے۔

"لے اِس مشکیزے کو مُنہ سے لگا اور جتنا جی چاہے، پانی پی۔ اِس کا پانی کبھی ختم نہ ہو گا۔"

عَمرو نے جی بھر کر پانی پیا اور پھر جو دیکھا تو مشکیزہ ویسے کا ویسا ہی تھا۔ دل میں سوچنے لگا کہ یہ کُلچہ اور مشکیزہ دونوں کام آنے والی چیزیں ہیں۔ کسی طرح حضرت خضؑر سے ہتھیا لینی چاہییں۔ یہ سوچ کر عاجزی سے کہنے لگا۔

"حضرت، آپ کا بہت بہت شکریہ کہ میری بھوک پیاس بجھائی، لیکن آج تو آپ کام آ گئے۔ کبھی دوبارہ مُجھ پر ایسی ہی آفت آئی، تب کیا کروں گا؟"

حضرت خضؑر یہ سُن کر ہنسے اور وہ دونوں چیزیں عَمرو کو دیتے ہُوئے فرمایا۔

"ہم نے یہ کُلچہ اور مشکیزہ تُجھ کو عطا کیا انھیں سنبھال کر رکھیو۔ گُم نہ کیجیو۔ یہ تیرے بڑے کام آئیں گے۔ اور ہاں، یہ نقارہ اور

چوب بھی اُٹھا لے۔ یہ چیزیں در اصل سُلیمان علیہ السّلام کی ہیں جو سِکندر ذُوالقرنَین نے خُدا کے حُکم سے اِس گُنبد میں رکھی تھیں۔ اب ان کی ضُرورت نہیں رہی۔ تُو یہ نقّارہ اور چوب لے جا کر حمزہ کو دے دیجیو۔"

عَمرو نے تعجب سے حضرت خِضر کی جانب دیکھا اور بولا۔

"حضرت اِتنا وزنی نقّارہ اور اِتنی بھاری چوب ہیں تو کیا میرے باپ دادا بھی نہیں اُٹھا سکتے۔ اِنھیں اُٹھانے کے لیے عادی جیسے ایک ہزار پہلوان چاہییں۔"

حضرت خِضر علیہ السّلام نے تب اپنی چادر اُتاری اور عَمرو کو دیتے ہُوئے کہا۔

"یہ لے، سب سامان اس باندھ۔ تجھے ذرا بھی بوجھ محسُوس نہ ہو گا۔ جتنا جی چاہے وزن اِس چادر میں باندھ اور کچھ پروا نہ کر۔"

عَمرو نے جھٹ چادر سنبھال لی۔ اِسے نیچے بچھا کر فوراً نقّارہ اور چوب اس میں رکھ کر باندھا اور گٹھڑی بنا کر پیٹھ پر دھر لی۔

اب اِدھر آ اور آنکھیں بند کر کے میری پیٹھ پر ہاتھ رکھ۔ میں تجھے اسم اعظم بتاتا ہُوں وہ پڑھتا جا۔"
عَمرو نے اُن کے کہنے پر عمل کیا اور آنکھیں بند کر کے اسمِ اعظم پڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد خِضر علیہ السلام کی آواز کانوں میں آئی۔
"اے عَمرو، آنکھیں کھول اور دیکھ کہ تُو کہاں ہے۔"
عَمرو نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ دیکھا کہ نہ وہ سمندر ہے نہ گُنبد اور نہ خِضر علیہ السلام وہ ایک ویران اور بھیانک ریگستان کے کنارے کھڑا ہے۔ آدمی نہ آدم زاد۔ ہر طرف ریت ہی ریت اور خُشک جھاڑیاں ہی جھاڑیاں۔ دِل میں کہنے لگا اِسے کہتے ہیں آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔ واہ حضرت خِضر، کیا خُوب راہ بتائی سمندر سے نِکالا اور ریگستان میں لا کر پھینک دیا۔ اب جاؤں تو کِدھر جاؤں؟
اسی فِکر میں گُم تھا کہ ایک آواز کان میں آئی۔

"دیر نہ کر سیدھا مغرب کی طرف روانہ ہو۔ جلد اپنی منزل پر پہنچے گا۔"

یہ آواز حضرت خضر علیہ السّلام کی تھی۔ عمرو نے اطمینان کا سانس لیا اور مغرب کی جانب چلنے لگا۔ چلتے چلتے کئی دن گزر گئے۔ ریگستان ختم ہونے ہیں نہ آتا تھا۔ جب بھوک لگتی وہی کلچہ نکال کر کھاتا اور مشکیزے کے پانی سے پیاس بجھا لیتا۔ تمام ریگستان میں اُسے کہیں بھی پانی نظر نہ آیا۔ اگر کلچہ اور مشکیزہ اُس کے پاس نہ ہوتا تو کبھی کا مر چکا ہوتا۔

ساتویں دن تھکن سے چُور اور پاؤں کے چھالوں سے نڈھال ہو کر ایک چھوٹی سی بستی کے نزدیک پہنچا۔ بستی کے باہر ایک کچے مکان میں سے پانچ آدمی باہر نکلے۔ انھوں نے بڑا قیمتی لباس پہن رکھا تھا۔ اُن میں سے چار آدمی تو گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے گئے اور پانچواں پیدل رہ گیا۔ عمرو اُس کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔

"بھائی تُم کون ہو اور کہاں رہتے ہو؟ تمھارے

ساتھی گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے گئے، لیکن تمہارا گھوڑا کہاں ہے؟"

وہ شخص رو پڑا پھر کہنے لگا۔

"اے عمرو، ہم پانچوں شہید ہیں۔ خدائے واحد پر یقین اور ایمان رکھتے تھے۔ کافروں کے ساتھ جنگ میں شہید ہوئے۔ میرے چاروں ساتھی جب شہید ہوئے تو اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار تھے، اور میں پیدل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کو اِس زندگی میں بھی گھوڑے ملے ہیں اور میں پیدل ہوں۔ اگر تم مہربانی کر کے میرا ایک کام کر دو تو ممکن ہے خدا مجھے بھی گھوڑا عطا کر دے۔"

یہ کہانی سن کر عمرو سخت حیران ہوا اور دل میں کہنے لگا ضرور یہ شخص شہید ہے ورنہ اسے میرا نام کیسے معلوم ہوتا۔

"آپ کام بتائیے۔ وعدہ کرتا ہوں کہ ضرور کروں گا۔" عمرو نے کہا۔

"بھائی عمرو، یہاں سے بارہ کوس پر ایک اور بستی ہے۔ میں وہیں رہتا تھا۔ فلاں محلے میں میرا

گھر ہے۔ تُم اُس گھر میں بے دھڑک چلے جانا اور میرے عزیزوں سے کہنا کہ میں نے تمھیں بھیجا ہے۔ مکان کے صحن میں ایک درخت ہے اُس درخت کی جڑ کھودنا وہاں سے تمھیں دو ہزار اشرفیاں ملیں گی۔ یہ اشرفیاں میں نے محنت مزدوری کر کے حاصل کی تھیں اور اُنھیں احتیاط سے زمین میں گاڑ دیا تھا کہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔ مگر اِسی دوران میں کافروں سے لڑائی ہوئی اور میں شہید ہو گیا۔ اِن اشرفیوں کا راز اب میرے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ تُم اِن اشرفیوں کے تین حِصّے کرنا۔ ایک حِصّہ میرے عزیزوں کو دینا ایک حِصّہ خود رکھ لینا اور ایک حِصّے سے اچھّا سا گھوڑا خرید کر کسی محتاج کو خُدا کے نام پر دے دینا۔ اِسی صُورت میں مجھے گھوڑا مِل سکے گا۔"

عَمرو نے وعدہ کیا اور دِن رات چلتے چلتے اُس بستی میں پُہنچا۔ لوگوں سے پتا کیا کہ شہید کا مکان کِدھر ہے۔ پھر اُس محلّے میں گیا۔ درخت کی جڑ کھود کر اشرفیاں نکالیں۔ ایک حِصّہ شہید

کے رشتے داروں کو دیا۔ دُوسرا اپنے پاس رکھا۔ اور تیسرے حصے سے نہایت خُوب صُورت گھوڑا خرید کر خُدا کے نام پر ایک ایسے شخص کو دے دیا جس کی دونوں ٹانگیں بے کار ہو چُکی تھیں اور وہ بے چارہ گھسٹ کر چلتا تھا۔

اسی طرح کئی دن پھرتا رہا۔ آخر ایک دن اُسی شہید کی زیارت ہُوئی۔ وہ اُسی طرح کے گھوڑے پر سوار تھا جیسا گھوڑا عمرو نے خرید کر مُحتاج کو دیا تھا۔ شہید کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ عمرو کو دیکھ کر وہ بہت خُوش ہُوا اور کہنے لگا۔

"اے بھائی، تُو نے مجھ پر بڑا احسان کیا۔ اب خُوش ہو کہ تیری مُصیبت کے دن بھی گُزر گئے۔ امیر حمزہ اور اُن کے تمام دوست خیریت سے جزیرہ سراندیپ پر اُتر گئے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ تو مر چُکا ہو گا، اِس لیے وہ دن رات تیری موت کے غم میں روتے رہتے ہیں۔ جلد وہاں پہنچ اور اُن کو تسلّی دے۔"

جزیرہ سراندیپ یہاں سے کتنی دُور ہے؟" عمرو نے پُوچھا۔
"کوئی دو ہزار میل دُور ہو گا۔" شہید نے جواب دیا۔
یہ سُن کر عمرو رونے لگا اور کہا کہ اِتنی دُور میں کیونکر جا سکوں گا۔ میرے پیروں میں تو پہلے ہی چلتے چلتے چھالے پڑ چکے ہیں۔ تب اُس مردِ شہید نے عمرو کو تسلّی دی۔ گھوڑے کی پیٹھ سے ایک جال اور سبز رنگ کا ایک کمبل اُتار کر اُس کو دیا اور کہنے لگا۔
"یہ دو تحفے تجھے دیتا ہُوں۔ اس جال میں یہ خُوبی ہے کہ ہزاروں لاکھوں من بوجھ اُٹھا لے گا۔ لیکن تجھے بالکل محسُوس نہ ہو گا کہ تُو نے اِتنا بوجھ اُٹھا رکھا ہے۔ یہ جال الیاس علیہ السّلام کی زنبیل ہے۔ دُوسری چیز یہ سبز کمبل ہے۔ اِس میں یہ خاصیّت ہے کہ جب تُو اُسے اوڑھ لے گا تو تجھے کوئی نہ دیکھ دیکھ سکے گا اور تُو سب کو دیکھے گا۔ اب آنکھیں بند کر اور جب تک میں اِجازت نہ دُوں، ہرگز

نہ کھولیو۔"

عمرو نے آنکھیں بند کیں۔ اُسے یوں محسوس ہُوا جیسے اُس کا بدن ہلکا پھُلکا ہو کر رُوئی کے گالے کی طرح ہوا میں اُڑ رہا ہے۔ چند منٹ بعد آواز آئی، آنکھیں کھول۔ عمرو نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو سرسبز اور حسین جنگل میں کھڑا پایا۔ زنبیل اور سبز کمبل دونوں اُس کے پاس تھے۔ وہ جنگل میں گھُومنے پھرنے لگا۔ ناگہاں ایک شخص نظر آیا جو ایک چشمے کے پاس کھڑا پانی پی رہا تھا۔ عمرو نے اُس سے پُوچھا۔

"اِس جگہ کا کیا نام ہے؟"

"اِسے جزیرہ سراندیپ کہتے ہیں۔" اُس شخص نے جواب دیا۔ پھر عمرو کو غور سے دیکھ کر بولا۔ "لیکن تُم کہاں سے آئے ہو اور کون ہو؟ جلد بتاؤ ورنہ ابھی تلوار سے تُمھاری گردن اُڑا دُوں گا۔"

یہ کہتے ہی اُس نے اپنی کمر سے بندھی ہُوئی تلوار کھولی اور عمرو کی طرف لپکا۔ عمرو نے فوراً سبز کمبل اوڑھ لیا اور اُس شخص کی

نظروں سے غائب ہو گیا۔ عُمرو کو یوں غائب ہوتا دیکھ کر وہ شخص اِتنا ڈرا کہ تلوار پھینک کر چیختا چلاتا ایک جانب بھاگ نکلا۔ عُمرو بھی اُس کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگا۔ اِسی بھاگ دوڑ میں وہ میلوں دُور نکل گیا۔ ایک جگہ کیا دیکھا کہ امیر حمزہ کا لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے اور سب لوگوں نے ماتمی لباس پہن رکھا ہے۔

عَمرو عیّار کا بھُوت

عَمرو نے اپنا عیّاری کا سامان نکالا۔ چہرے پر ایک تیل ایسا ملا کہ جلد کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ اِس کے بعد نقلی مُونچھیں اور ڈاڑھی لگا کر امیر حمزہ کے لشکر میں گیا۔ وہاں اُسے کسی نے نہ پہچانا۔ عَمرو نے ایک سپاہی سے پُوچھا کہ یہ لشکر کس کا ہے اور سب لوگوں نے کالے رنگ کے کپڑے کیوں پہن رکھے ہیں۔ اُس سپاہی نے جواب دیا۔ "یہ لشکر امیر حمزہ کا ہے۔ ہندوستان کے بادشاہ لندھور سے لڑنے آیا ہے۔ امیر حمزہ کا ایک عزیز دوست جس کا نام عَمرو تھا، سمندر میں مر گیا اُسی کے غم میں سب نے کالے رنگ کے کپڑے پہنے ہیں۔"

یہ سُن کر عَمرو دِل میں خوب ہنسا اور کہنے

لگا، اِن لوگوں نے مجھے جیتے جی مار ڈالا۔ بدلہ لیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ گھومتا پھرتا وہاں پہنچا جہاں عادی پہلوان کھانے سے بھری ہوئی دیگیں غریبوں اور فقیروں میں بانٹ رہا تھا۔ عَمرو بھی فقیروں میں شامل ہو گیا۔ عادی نے اُس کی جھولی میں بھی ڈھیر سارے چاول ڈال دیے۔ عَمرو نے تھوڑے سے چاول کھائے باقی ایک شخص کو دے دیے اور دوبارہ فقیروں کی قطار میں آن گھسا۔ اپنی باری آنے پر عادی پہلوان کے سامنے جھولی پھیلائی۔ عادی نے ایک نظر اُسے دیکھا اور غصّے سے چِلّایا۔

"تُو بڑا لالچی فقیر ہے ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے تجھے جھولی بھر کر چاول دیے تھے۔ اب دوبارہ آ کر مجھے دھوکا دیتا ہے۔ چُپکے سے چلا جا ورنہ تیری ہڈیاں پسلیاں توڑ ڈالوں گا۔ یہ کھانا محتاجوں کے لیے پکوایا گیا ہے، تجھ جیسے ہٹے کٹے مُشٹنڈوں کے لیے نہیں۔"

یہ کہہ کر عادی نے عَمرو کی گردن میں ہاتھ دے کر قطار سے باہر نکال دیا۔ عَمرو کہنے

لگا۔

"او بدنصیب پہلوان، تُو نے ہماری توہین کی ہے۔ ہم تجھ سے بدلہ لیں گے۔"

"ابے جاتا ہے یا ڈنڈا ڈولی کراؤں۔" عادی پہلوان نے آنکھیں نکال کر کہا، "بڑا آیا ہے بدلہ لینے والا۔"

عَمرو چپ چاپ وہاں سے ہٹ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ رات ہوئی تو سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں سوئے۔ عَمرو نے سبز کمبل اوڑھا اور عادی پہلوان کے خیمے میں گھس گیا۔ دیکھا کہ ایک لمبی چوڑی مسہری پر پڑا خرّاٹے لے رہا ہے۔ اِرد گِرد خوب صورت کافوری شمعیں روشن ہیں۔

عَمرو اُچھل کر مسہری پر چڑھا اور عادی پہلوان کی چھاتی پر بیٹھ گیا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے اُس کا گلا دبانے لگا۔ عادی پہلوان نے آنکھیں کھول دیں۔ اسے محسوس ہُوا کہ چھاتی پر کچھ بوجھ سا رکھا ہے۔ ڈر کے مارے تھر تھر کانپنے لگا۔ یکایک عَمرو نے اپنی آواز کو خوفناک بناتے ہوئے کہا۔

"اُٹھو پہلوان، میں تجھے لینے آیا ہوں۔"

"کون ہو تم؟ اور مجھے کہاں لے جانے آئے ہو؟" عادی نے چلّا کر پوچھا۔

"ہاہاہا.... ہاہاہا"... عمرو نے قہقہہ لگایا۔ "میں موت کا فرشتہ ہوں.... اور تجھے جنت میں لے جانے کو آیا ہوں۔ چند روز پہلے تیرا ایک دوست عمرو مرا تھا۔ اُس کی رُوح کو جنّت میں لے جانے کا حُکم ہوا، لیکن وہ جنّت کے دروازے پر مچل گیا اور کہنے لگا کہ جب تک میرے دوست عادی پہلوان کو نہ لاؤ گے میں ہرگز جنّت میں نہ جاؤں گا۔ اِس پر خُدا نے مُجھے حُکم دیا کہ تیری رُوح قبض کر دوں۔"

عادی پہلوان خوف کے مارے ہکلانے لگا اور کہا "اے موت کے فرشتے.... میری جان بخشی کر.... میں کسی عمرو ومرو کو نہیں جانتا اور نہ اِس نام کا کوئی آدمی میرا دوست تھا۔ کسی نے غلط خبر دی ہے۔"

"ہاں، ایسا تو ہو سکتا ہے لیکن میں تجھے کیونکر چھوڑ دوں۔ البتہ ایک صُورت یہ ہے کہ تُو مجھے

کچھ مال دولت دے۔ تاکہ عمرو کو لے جا کر دے دوں۔ شاید اس لالچ میں آ کر وہ مجھے بھول جائے
"وہ سامنے ایک کرسی پر اشرفیوں کا صندوقچہ رکھا ہے۔ اسے لے جائیے اور مجھے معاف کیجیے" عادی نے گڑگڑا کر کہا۔

عمرو اس کی چھاتی سے اتر آیا اور صندوقچہ بغل میں دبا کر خیمے سے نکل گیا۔ اس کے بعد رات بھر عادی پہلوان کو نیند نہ آئی۔ دل میں عمرو کو برا بھلا کہتا تھا کہ کم بخت نے مرنے کے بعد بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ صبح منہ اندھیرے اٹھا اور امیر حمزہ کے پاس گیا۔ امیر حمزہ نے حیرت سے عادی کو دیکھا۔ اس کا چہرہ ہلدی کی طرح پیلا پڑ چکا تھا۔ پوچھنے لگے۔

"بھائی عادی خیر تو ہے، تم بیمار تو نہیں ہو گئے؟"

تب عادی نے انھیں الگ لے جا کر سارا قصہ سنایا۔ امیر حمزہ نے اسے سمجھا بجھا کر رخصت کیا اور دل میں کہنے لگے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلوان ضرورت سے زیادہ

کھانا کھا گیا ہے۔ یہ سب معدے کی گڑبڑ ہے کہ ڈراؤنے خواب نظر آئے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ موت کا فرشتہ آئے اور اشرفیوں کا صندوقچہ لے کر چلا جائے۔" اُنھوں نے دُوسروں کو جب یہ قِصّہ سُنایا تو سب زور زور سے ہنسے اور عادی پہلوان کا مذاق اُڑانے لگے۔ وہ بے چارہ بڑا کھسیانا ہُوا۔

اب سُنیے کہ اگلی رات کو عَمرو پھر آیا، لیکن اِس دفعہ مُقبل وفادار کے خیمے میں جا گھسا۔ اُسے بھی خُوب ڈرایا اور موتیوں کا ایک قیمتی ہار لے کے ٹلا۔ تیسری رات سُلطان بخت مغربی کے سِینے پر چڑھ گیا اور جب اُس کا گلا گھونٹا تو وہ اپنا تاج عَمرو کے حوالے کرنے پر تیار ہو گیا۔ مُقبل وفادار اور سُلطان مغربی نے بھی امیر حمزہ سے اِس حادثے کا ذِکر کِیا تو وہ فِکر مند ہُوئے اور کہنے لگے۔

"ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ اِس علاقے میں کِسی بُھوت کا اثر ہے۔ بہتر یہی ہے کہ پڑاؤ کِسی اور جگہ کِیا جائے۔" اُنھوں نے لشکر کے سرداروں

کو حکم دے دیا کہ یہاں سے خیمے اکھاڑ کر دوسری جگہ لگائے جائیں۔

چوتھی رات جب کہ امیر حمزہ اور اُن کے لشکر کا قیام نئی جگہ پر تھا، عمرو سبز کمبل اوڑھ کر آیا اور سیدھا امیر حمزہ کے خیمے میں جا گھسا وہ اپنے بستر پر لیٹے چین کی نیند سو رہے تھے جونہی عمرو نے امیر حمزہ کا گلا دبایا، اُن کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا کہ سینے پر خاصا بوجھ رکھا ہے مگر کوئی نظر نہیں آتا۔ خیال آیا کہ یہ ضرور کوئی شریر جن ہے، اسے پکڑنا چاہیے۔ ایک دم اُنھوں نے ہاتھ بڑھا کر عمرو کو پکڑ لیا اور پٹخنی دینا چاہتے تھے کہ عمرو اپنی اصل آواز میں بولا۔

"ارے بھائی حمزہ، یہ کیا کرتے ہو۔ میری ہڈیاں چٹخ جائیں گی۔"

امیر حمزہ نے عمرو کی آواز سنی تو حیران ہوئے سمجھے کہ وہ بے چارہ سکندر ذوالقرنین کے مینار پر مر چکا ہے اور اب اُس کی روح بھٹکتی پھر رہی ہے۔ کہنے لگے۔

"کیا تُو میرے دوست عَمرو کی رُوح ہے؟"

عَمرو نے اب زیادہ تنگ کرنا مُناسب نہ سمجھا۔ سبز کمبل اُتار دیا اور دوڑ کر امیر حمزہ کے قدموں سے لپٹ گیا۔ پھر ساری داستان سُنائی۔ امیر حمزہ عَمرو کو دیکھ کر بے حد خُوش ہُوئے اور اُسی وقت سارے لشکر میں مُنادی کرائی کہ عَمرو عیار صحیح سلامت آن پہنچا۔ سب نے خُوب خُوشیاں منائیں اور کئی روز تک جشن ہُوا۔

اب ہم آپ کو جزیرہ سراندیپ کے بارے میں بعض دِل چسپ باتیں بتاتے ہیں۔

امیر حمزہ کا لشکر جن دِنوں اِس جزیرے میں اُترا، اُن دِنوں وہاں سردیوں کا موسم تھا۔ اِسی موسم میں جزیرے کے اندر ایک خُوش نُما اور بُلند پہاڑ کے دامن میں بہت بڑا میلا لگتا تھا۔ اِس میلے میں شرکت کے لیے ہندوستان کے تمام راجے مہاراجے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ آیا کرتے تھے اور اِن سب کا راجہ ہندوستان

کا بادشاہ لندھور بھی وہاں بڑی شان و شوکت سے آتا تھا۔ پہاڑ کے دامن میں میلوں تک خیمے اور ڈیرے لگ جاتے اور ایک مہینے تک خوب رونق رہتی۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السّلام کو اللہ نے جنت سے نکال کر زمین پر بھیجا تو سب سے پہلے وہ اسی جزیرے سراندیپ میں اُترے تھے اور اُن کے قدم کا نشان اُس پہاڑ پر موجود تھا جس کے قریب ہر سال میلا لگا کرتا تھا۔

چار پانچ دن بعد عَمرو نے امیر حمزہ سے کہا "بندے کی خواہش ہے کہ پہاڑ کی سیر کرے اور آدم علیہ السّلام کے قدم کی زیارت بھی کرے۔ آپ کی اجازت درکار ہے۔"

"اجازت ہے لیکن دیر نہ لگانا۔ جلد واپس آنا" امیر حمزہ نے کہا۔

عَمرو وہاں سے خوشی خوشی چلا۔ پہاڑ کے دامن میں پہنچا۔ یہاں عجیب خدا کی قدرت کا تماشا نظر آیا۔ ایسا خوب صورت اور بے نظیر پہاڑ عَمرو

نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہر طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا اور جھومتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ پر نور کی بارش ہو رہی ہے۔ جابجا شفاف پانی کے چشمے رواں تھے اور میلوں تک طرح طرح کے پھولوں کے تختے پھیلتے چلے گئے تھے۔ اونچے اونچے پھل دار درخت جب ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے جھومتے تو ان کے اندر سے ایک نرالا نغمہ پھوٹتا تھا۔ شاخوں اور ٹہنیوں پر سینکڑوں قسم کے حسین پرندے بیٹھے چہچہا رہے تھے۔

عمرو جوں جوں پہاڑ پر چڑھتا، ایک سے ایک اعلیٰ اور خوب صورت منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آتا۔ یکایک ایک غار کے دہانے پر پہنچا اور اس میں جھانکا تو ایک بڈھے آدمی کو بیٹھے ہوئے پایا۔ اس کے ہاتھ میں ہزار دانوں کی تسبیح تھی۔ قد جھک کر کمان بن گیا تھا۔ ڈاڑھی مونچھیں، سر کے بال اور بھویں تک چاندی کی مانند سفید اور چمک دار تھیں۔

عمرو کے قدموں کی آہٹ پا کر اس بڈھے نے

گردن اُٹھائی اور کہا۔
"آؤ بیٹا عُمرو... میں تُمھارا ہی اِنتظار کر رہا تھا۔ تُم تو عیاروں کے بادشاہ ہو۔"
یہ سُن کر عُمرو کو جزیرے کی بد رُوحیں یاد آ گئیں جو بُڈھوں کے بھیس میں وہاں بیٹھی تھیں اور جنھوں نے گردنوں پر سوار ہو کر سب لوگوں کو خُوب ڈرایا تھا۔ یہ خیال آتے ہی عُمرو کا خُون کھول اُٹھا۔ سمجھ گیا کہ یہ بھی ویسی ہی کوئی خبیث بلا ہے۔ کسی دھوکے سے میری گردن پر سوار ہو کر دوڑائے گی۔ لیکن میں اب اِس کے فریب میں نہ آؤں گا۔ یہ سوچ کر خنجر نکالا اور کہنے لگا۔
"او خبیث بُڈھے... میں تُجھے خُوب پہچانتا ہُوں۔ ہوشیار ہو جا کہ تیری موت آن پُہنچی ہے۔"
"اے عُمرو ہوش کی دوا کر۔ کیا ہمیں بھی اُس جزیرے کی بد رُوح سمجھا ہے۔ ارے کم بخت میرا نام سام ہے اور میں حضرت نُوح علیہ السلام کا بیٹا ہُوں۔ اپنے دادا آدم علیہ السلام کے قدم کی زیارت کے لیے آیا ہُوں۔ کل رات میں نے

اُنھیں خواب میں دیکھا تھا۔ کہتے تھے عیاروں کا بادشاہ عمرو عیار آنے والا ہے۔ اُس کا اِستقبال کرنا اور کہنا کہ میرے قدم کی زیارت کو ضرور آئے اُسے بڑا فائدہ پہنچے گا۔ سو میں تمھارے اِنتظار میں بیٹھا ہوں۔"

عمرو یہ سُن کر شرمندہ ہُوا اور خنجر چُھپا لیا۔ سام نے ایک کُدال عمرو کو دی اور کہا "اُس جگہ جا کر زمین کھود، جو تیری قسمت میں ہے زمین سے نِکلے گا، لیکن زیادہ لالچ نہ کرنا۔"

عمرو وہ کُدال لے کر بتائی ہوئی جگہ پر پہنچا اور زمین کھودنے لگا۔ تین چار فٹ گہرائی میں سے لوہے کا ایک بڑا صندوق نِکلا۔ عمرو خوش ہوا کہ اِس صندوق میں سے خزانہ برآمد ہو گا، مگر جب ڈھکنا کھولا تو اُس میں ایک یاقوت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ بڑا مایوس ہوا۔ یاقوت کو تو جیب میں رکھا اور پھر کُدال اُٹھا کر کھودنے لگا۔ کھودتے کھودتے بازو شل ہو گئے اور ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے لیکن کچھ اور حاصل نہ ہوا تب ہانپتا کانپتا سام کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"بڑے میاں، مجھے صرف ایک یاقوت مِلا ہے جو میرے کِسی کام کا نہیں۔ کوئی اور طریقہ بتائیے جس میں زیادہ مال مِلنے کی اُمید ہو۔"

سام یہ بات سُن کر بہت ہنسے اور کہنے لگے۔ "بیٹا عَمرو، لالچ نے تجھے اندھا کر دیا ہے۔ آنکھیں کھول کر اِس یاقوت کو دیکھ۔ دُنیا بھر میں ایسا قیمتی پتھر کہیں اور نہ مِلے گا۔ سات سلطنتوں کی قیمت بھی اِس کے مُقابلے میں کم ہے۔ اچھا، خیر، اب تُو سیدھا اس پہاڑ کی چوٹی پر چلا جا۔ ممکن ہے تجھے کچھ اور مِل جائے مگر دیکھنا لالچ نہ کرنا۔"

عَمرو بڑی کوشش کے بعد پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے میں کامیاب ہُوا۔ اِتنی اُونچائی پر سے درخت چھوٹے چھوٹے پودے نظر آتے تھے اور مکان بچّوں کے بنائے ہُوئے گھروندے۔

پہاڑ کی چوٹی کے قریب ایک بہت بڑا غار نظر آیا جسے خوشبودار پھولوں کی بیلوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ اِس غار کے قریب ہی ایک حوض تھا جس میں پہاڑی چشمے کا پانی جمع ہو رہا تھا۔ عَمرو

نے اُس حوض پر بیٹھ کر مُنہ ہاتھ دھویا اور خُدا کا نام لے کر غار میں داخل ہو گیا۔ غار کے اندر عجیب طرح کی روشنی پھیلی ہوئی تھی لیکن کُچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ یہ روشنی کہاں سے آتی ہے۔

یکایک عَمرو نے ایک بُہت بڑا سفید پتّھر دیکھا جس پر کسی اِنسان کے قدم کا نشان بنا ہُوا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہی حضرت آدم علیہ السّلام کے قدم کا نشان ہے۔ بڑی عِزّت اور محبت سے عَمرو نے اس نشان کو بوسہ دِیا۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اِس پتّھر کے چاروں طرف لاکھوں قسم کے لعل، یاقُوت، الماس، فیروزے اور زمرّدوں کا ڈھیر لگا تھا اور اِنھی جواہرات سے روشنی پُھوٹ کر غار کو روشن کر رہی تھی۔

جواہرات کا اِتنا بڑا خزانہ یُوں کُھلے عام پڑا دیکھ کر عَمرو سام کی نصیحت بھُول گیا کہ لالچ نہ کرنا۔ جھٹ پٹ خِضر علیہ السّلام کی دی ہُوئی چادر بچھا کر سارا خزانہ اس میں باندھا اور کمر پر لاد کر واپس چلا، مگر چلتے چلتے کئی گھنٹے

بیت گئے اور غار کا مُنہ دکھائی نہ دیا۔ اب خیال آیا کہ یہ سب کچھ لالچ کا نتیجہ ہے۔ وہ واپس اُسی طرف چلا جدھر سے جواہرات لایا تھا وہاں پہنچ کر جواہرات جس جگہ سے اُٹھائے تھے وہیں رکھ دیے اور پلٹ کر دیکھا تو غار کا مُنہ دکھائی دینے لگا۔ سمجھ گیا کہ لالچ کی وجہ سے غار کا مُنہ نظر نہ آتا تھا۔ اپنی اس حرکت پر بے حد شرمندہ ہُوا اور وہیں پتھّر کے ساتھ بیٹھ کر رونے لگا۔ روتے روتے آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ پانچ بزرگ جن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہیں، غار میں داخل ہُوئے اور اُس کے قریب آ کر رُک گئے۔ پھر اُن میں سے ایک بزرگ نے جو عُمر میں باقی چاروں سے زیادہ بڑے نظر آتے تھے، عمرو کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

"میں آدم ہُوں۔ تیرے لیے یہ لباس لایا ہُوں اسے دلو جامہ کہتے ہیں۔ اس میں ایک زنبیل ہے۔ جو چیز اس زنبیل میں ڈال دے گا غائب ہو جائے گی اور جو کچھ طلب کرے گا، اس میں

سے نکل آئے گا۔ اِس زنبیل کی ایک خاصیت اور ہے جب اِس پر ہاتھ رکھے گا اور جس شکل میں آنا چاہے گا، تیری وہی شکل بن جائے گی اور جو زبان چاہے گا بولے گا۔ اِسے احتیاط سے رکھنا۔"

حضرت آدم علیہ السّلام نے یہ بے نظیر تحفہ عمرو کو دیا اور اُس نے نہایت ادب سے سلام کر کے لے لیا۔ اِس کے بعد دُوسرے بزرگ نے آگے بڑھ کر عمرو کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

"میرا نام اسحاقؑ ہے اور میں خُدا کا پیغمبر ہُوں۔ تجھ سے خُوش ہو کر یہ پیالہ تجھے دیتا ہُوں۔ اس پیالے میں یہ خاصیت ہے کہ اِس میں پانی بھر کر جس کسی پر ڈالے گا اس کی شکل ویسی ہی ہو جائے گی جیسی شکل تُو چاہے گا۔"

عمرو نے وہ پیالہ بھی سلام کر کے لے لیا۔ اِس کے بعد تیسرے بزرگ آگے بڑھے اور اُنھوں نے کہا۔

"اے عمرو، میرا نام داؤدؑ پیغمبر ہے۔ تجھے یہ ساز

دیتا ہُوں۔ اِسے دوتارا کہتے ہیں۔ اِس میں یہ خاصیت ہے کہ ہر وہ راگ جسے تو بجانا چاہے گا، اِس کے تاروں میں سے نِکلے گا اور دُنیا کا کوئی گویا تیرے مقابلے میں گانا نہیں گا سکے گا۔"

چوتھے بزرگ نے عَمرو کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

"میرا نام صالح نبی ہے۔ میں تجھے ایک خاص طاقت عطا کرتا ہُوں اور وُہ یہ کہ اپنی پیٹھ پر جتنا جی چاہے، وزن اُٹھا لے کبھی نہ تھکے گا اور نہ بوجھ محسُوس ہو گا۔"

پانچویں بزرگ نے آگے بڑھ کر ایک آئینہ عَمرو کو دیتے ہُوئے کہا۔

"میرا نام سکندر ذُوالقرنین ہے۔ اِس آئینے کو حفاظت سے رکھنا اِس میں یہ خُوبی ہے کہ ہر وہ چیز جو تیری نظروں سے اوجھل ہو، اِس میں دِکھائی دیا کرے گی۔"

عَمرو نے خُوشی خُوشی یہ سب چیزیں لے لیں۔ مگر فوراً ہی اُس کی آنکھ کھُل گئی۔ افسوس کرنے لگا کہ کاش یہ خواب نہ ہوتا، مگر جُونہی پتھر کی

دُوسری جانب نگاہ گئی، دیکھا کہ وہ سب چیزیں وہاں رکھی ہیں جو خُدا کے پاک پیغمبروں نے خوش ہو کر اُس کو خواب میں عطا کی تھیں۔

عَمرو نے ان چیزوں کو اُٹھایا اور غار سے نکل کر وہاں آیا جہاں حضرت نُوحؑ کے بیٹے سام بیٹھے ہوئے تھے۔ عَمرو نے یہ چیزیں سام کو دِکھائیں وہ بھی خُوش ہُوئے اور کہنے لگے۔

"اب تُم فوراً امیر حمزہ کے پاس جاؤ اور اُنھیں یہاں بھیج دو۔ مُجھے یقین ہے کہ حمزہ کو بھی کُچھ تحفے دیے جائیں گے۔"

عَمرو نے سام کو سلام کیا اور پہاڑ کی چوٹی سے اُترا۔ راستے میں اُسے شرارت سُوجھی۔ دِل میں کہنے لگا امیر حمزہ کے پاس اپنی اصلی صُورت میں جانا ٹھیک نہیں۔ کسی اور بھیس میں جاتا ہُوں دیکھیے وہ پہچانتے ہیں یا نہیں۔ یہ سوچ کر حضرت آدم علیہ السّلام کی دی ہُوئی زنبیل پر ہاتھ دھرا اور کہا۔

"میں چاہتا ہُوں کہ میرا قد لمبا اور چہرے کا رنگ کالا ہو جائے۔"

ابھی پورے الفاظ اُس کے مُنہ سے نکلے بھی نہ تھے کہ ویسی ہی صورت بن گئی۔ عمرو نے سکندر کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو ڈر گیا۔ دل میں سوچا ایسا نہ ہو کہ ہمیشہ کے لیے یہی صورت بنی رہے۔ زنبیل پر دوبارہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میں اپنی اصلی شکل میں آنا چاہتا ہُوں"

اِن الفاظ کے کہتے ہی وہ اصلی صُورت پر آ گیا۔ تب اطمینان ہُوا۔ غرض پھر وہی کالا چہرہ اور لمبا قد بنا کر چلا اور داؤد علیہ السّلام کا دوتارا نکال کر بجانے لگا۔ جس شخص کے کانوں میں بھی اِس ساز کی آواز پہنچی، مست ہو گیا اور جھومنے لگا۔ ہزاروں آدمیوں کا ہجوم اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

اُدھر امیر حمزہ کے خادموں نے اُنھیں اِطلاع دی کہ لمبے قد اور سیاہ چہرے والا ایک عجیب و غریب شخص آ رہا ہے جس کے ساتھ کئی ہزار آدمی ہیں۔ یہ شخص ایک ساز بجا رہا ہے اور اُس کی آواز نے لوگوں کو مست کر دیا ہے۔

اِتنے میں عمرو کے گانے اور دوتارا بجانے کی

آواز امیر حمزہ کے کانوں تک بھی پہنچی ۔ بے اختیار اپنی جگہ سے اُٹھے اور خیمے سے باہر نکل آئے ۔ عُمرو نے جونہی اُنھیں دیکھا، سیدھا اُن کی طرف آیا، جُھک کر سلام کیا اور کہنے لگا۔

"جناب، اگر اجازت ہو تو آپ کو گانا سُناؤں؟"

"ہاں، ہاں۔ ضرور سُناؤ۔ ہم تمھیں مُنہ مانگا انعام دیں گے۔" امیر حمزہ نے کہا۔

"خدا آپ کو جزا دے۔" عُمرو نے کہا اور جھوم جھوم کر گانے لگا۔ امیر حمزہ اور اُن کے تمام دوست اِس قدر خوش ہُوئے کہ سب نے اُس کے آگے سونے چاندی کی اشرفیوں کا ڈھیر لگا دیا۔ امیر حمزہ نے عُمرو سے پُوچھا۔

"جیسا گانا ہم نے آج سُنا، اس سے پہلے کبھی نہ سُنا تھا۔ تم واقعی باکمال گویّے ہو۔ تُمھارا نام کیا ہے اور رہنے والے کہاں کے ہو؟"

عُمرو نے جُھک کر سلام کیا اور عاجزی سے دانت نکال کر بولا۔

"جناب، اِس غُلام کو سیاہ تن کہتے ہیں۔ یہی میرا نام ہے ۔ اسی مُلک کا رہنے والا ہُوں۔ بڑے

بڑے بادشاہوں اور راجوں مہاراجوں کو گانا سُنانا اور اِنعام پانا میرا کام ہے۔ ہندوستان کا بادشاہ لندھور تو میرا بڑا قدردان ہے۔ جس قدر مانگتا ہُوں، اُس سے کہیں زیادہ دیتا ہے۔ لیکن آرزو یہ ہے کہ جتنا مال میں اُٹھا سکتا ہُوں اِتنا مال کبھی کسی نے نہیں دیا۔"

امیر حمزہ یہ سُن کر مُسکرائے اور کہنے لگے۔ "تُمھاری یہ آرزو آج پُوری ہو جائے گی۔"

یہ کہہ کر اُنھوں نے سُلطان بخت مغربی کو بُلایا اور اُس سے کہا کہ گویّے کو اپنے ساتھ ہمارے خزانے میں لے جاؤ اور جتنی دولت یہ خُود اُٹھا سکے، اسے اُٹھانے کی اجازت ہے۔

عَمرو نے پھر جُھک کر سلام کیا اور امیر حمزہ کو دُعائیں دیتا ہُوا سُلطان بخت مغربی کے ساتھ اُس خیمے میں گیا جہاں پہرے داروں کی حفاظت میں خزانہ رکھا ہُوا تھا اشرفیوں اور جواہرات سے بھرے ہُوئے سینکڑوں صندُوق تھے۔ عَمرو نے اپنی زنبیل نکالی اور اُس میں ایک ایک کر کے صندُوق بھرنے شُروع کیے۔ دیکھتے دیکھتے اُس نے تمام

صندوق زنبیل میں ڈالے اور زنبیل کو کندھے پر ڈال کر چلنے کے لیے تیار ہُوا۔ اُس کی یہ حرکت دیکھ کر پہرے دار اور سُلطان بخت مغربی کے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ دوڑے دوڑے امیر حمزہ کے پاس پہنچے اور کہا۔

"جناب والا، وہ انسان نہیں کوئی جن بھوت ہے۔ اُس نے خزانے کے تمام صندوق ایک تھیلے میں ڈال کر پیٹھ پر رکھ لیے ہیں اور اب جانے کی تیاری کر رہا ہے۔"

امیر حمزہ نے حیرت سے کہا: "سارے صندوق پیٹھ پر رکھ لیے! ناممکن.... بالکل ناممکن.... اچھا میں خود چل کے دیکھتا ہوں۔"

وہ فوراً ہی وہاں آئے۔ دیکھا کہ گویا ایک بڑا سا تھیلا پیٹھ پر اُٹھائے کھڑا ہے اور خیمے میں ایک بھی صندوق موجود نہیں۔ تعجب سے کہنے لگے۔

"عجب تماشا ہے۔ عقل کام نہیں کرتی۔ آخر ایک دُبلا پتلا شخص اِتنا وزن کیونکر اُٹھا سکتا ہے۔"
یکایک خیال آیا کہ یہ گویا کہیں اپنا یار عمرو تو

نہیں جو صورت بدل کر آگیا ہے۔ ضرور اسے کہیں سے کوئی عجیب تحفہ ملا ہے۔ یہ خیال آتے ہی امیر حمزہ نے کہا۔

"بھائی عمرو، ہم نے تمھیں پہچان لیا۔ اب بولو کیا کہتے ہو؟"

یہ سن کر عمرو عیار اپنی اصلی صورت پر آگیا اور امیر حمزہ کے قدموں پر گر پڑا۔ انھوں نے گلے سے لگایا اور اپنے ساتھ لے کر آئے۔ راستے میں عمرو نے بزرگوں سے ملنے اور طرح طرح کے تحفے دینے کی داستان سنائی۔ آخر میں کہا۔

"بھائی حمزہ، انھوں نے آپ کو بھی بلایا ہے آدم علیہ السلام کے قدم شریف کی زیارت کو تشریف لے جائیے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھی کچھ نہ کچھ ملے گا۔"

امیر حمزہ نے عمرو کی ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور پہاڑ پر جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔

لندھور کا گرز

تیسرے دن امیر حمزہ صبح صبح اُٹھے، فوج کے چند سرداروں اور عمرو عیّار کو ساتھ لیا اور پہاڑ کی طرف روانہ ہُوئے۔ اُنھوں نے ایک وسیع میدان کو پار کیا تو سامنے دریا نظر آیا۔ پہاڑ اِس دریا کے شمال میں تھا اور دُھوپ میں اُس کی برفانی چوٹی چمکتی دِکھائی دے رہی تھی۔

دریا کے کِنارے اُنھوں نے ایک عظیمُ الشّان عمارت دیکھی۔ یہ عمارت سُرخ پتھروں کی بنی ہُوئی تھی اور اُس کی دیواروں پر بے شُمار ہیبت ناک تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ یہ تصویریں دیوؤں اور بُھوتوں کی تھیں۔ کِسی تصوِیر میں دِکھایا گیا تھا کہ سیاہ رنگ کا ایک دیو سُرخ رنگ کے دیو سے کُشتی لڑ رہا ہے اور کِسی تصوِیر میں بہُت سے دیوؤں کو خوشی سے ناچتے

ہوئے دکھایا گیا تھا۔

امیر حمزہ نے حیرت سے اس عمارت اور تصویروں کو دیکھا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے۔

"تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ اس میں کون رہتا ہے؟"

سب نے انکار میں سر ہلایا۔ عمرو نے فوراً وہ مقدس آئینہ نکالا جو سکندر ذوالقرنین نے دیا تھا۔ اس نے جونہی آئینے پر نظر ڈالی، دیکھا کہ وہی عمارت اس میں نظر آتی ہے۔ اس کے اندر ایک بہت بڑا اکھاڑہ ہے جس میں بڑے بڑے وزنی ہتھیار رکھے ہیں اور بہت سے لڑاکا پہلوان زور کر رہے ہیں۔ یہ تماشا دیکھتے ہی عمرو عیار نے امیر حمزہ سے کہا۔

"اس کے اندر تو پہلوانوں کا اکھاڑا ہے۔"

"آہا.... مزہ آ گیا۔" حمزہ نے کہا۔ "آؤ ذرا ہم بھی اکھاڑے میں چلیں اور پہلوانوں کے کرتب دیکھیں۔"

عمرو نے انھیں روکنے کی بڑی کوشش کی مگر

امیر حمزہ نہ مانے اور آگے بڑھ کر عمارت کے بڑے دروازے میں گھس گئے۔ اندر جا کر دیکھا تو واقعی عمرو کا بیان صحیح نکلا۔ اکھاڑے کے کناروں پر کئی کئی من وزنی گرز، بلم، نیزے، برچھے، ڈھالیں، تلواریں اور مگدر پڑے تھے اور بہت سے پہلوان جو قد میں دیووں سے کم نہ تھے، ایک دوسرے کو داؤ پیچ سکھا رہے تھے۔ انھوں نے امیر حمزہ کو آتے دیکھا تو حیرت سے کہنے لگے کہ یہ شخص کون ہے جو اس طرح بغیر اجازت گھس آیا ہے۔ تب مقبل وفادار نے آگے بڑھ کر سب کا تعارف کرایا۔ اکھاڑے کے ایک استاد نے امیر حمزہ سے ہاتھ ملایا اور کہا۔

"یہ اکھاڑا ہندوستان کے راجا لندھور کا ہے اور یہاں جتنے پہلوان آپ دیکھ رہے ہیں، وہ سب کے سب لندھور کے ملازم ہیں۔"

"اگر اجازت ہو تو ہم بھی آپ کے اِن ہتھیاروں کو آزمائیں۔" امیر حمزہ نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں، ہاں۔ ضرور آزمائیے۔" اکھاڑے کے استاد

پہلوان نے جواب دیا۔

امیر حمزہ نے باری باری سب پہلوانوں سے زور کیا اور انھیں پچھاڑا۔ آخر میں اکھاڑے میں رکھے ہوئے بلموں، نیزوں، برچھوں، تلواروں اور گدروں کی باری آئی۔ امیر حمزہ نے یہ تمام ہتھیار آسانی سے اٹھا کر گھمائے اور رکھ دیے۔ کئی تلواریں اور نیزے اپنے پنجے سے دوہرے کر دیے۔ یہ تماشا دیکھ کر اکھاڑے کے تمام پہلوان خوف زدہ ہو گئے اور دل میں کہنے لگے کہ یہ شخص انسان نہیں جن ہے۔ دیکھنے میں تو معمولی سا آدمی ہی ہے، مگر اتنی قوت کسی آدمی میں نہیں ہوتی۔

یکایک اکھاڑے کا استاد بول اٹھا۔

"آفرین ہے اس ماں پر جس کے آپ بیٹے ہیں۔ آئیے آپ کو ایک اور چیز دکھاؤں۔"

وہ امیر حمزہ کو ایک بڑے سے کمرے میں لے گیا۔ اس کمرے میں فولاد کا ایک بہت بڑا گرز رکھا تھا۔ امیر حمزہ اور ان کے ساتھی اس گرز کو دیکھ کر حیران ہوئے، کیونکہ وہ بے حد

وزنی تھا اور اُس کا اُٹھانا کسی اِنسان کے بس کی بات نہ تھی۔

"جناب، یہ گُرز ہمارے بادشاہ لِندھور کا ہے" اکھاڑے کے اُستاد نے کہا۔ "وہ اِسے ایک کِھلونے کی طرح اُٹھا لیتے ہیں۔ آپ بھی کوشش کیجیے۔"

امیر حمزہ نے اِس گُرز کو اُٹھانے کی کوشش کی، مگر اُٹھانا تو ایک طرف وہ اُن سے ہِل بھی نہ سکا۔ یہ دیکھ کر امیر حمزہ اور اُن کے ساتھی سخت شرمندہ ہُوئے۔ اکھاڑے کے اُستاد اور دُوسرے پہلوانوں نے اُن پر آوازے کسنے شرُوع کِیے اور قریب تھا کہ آپس میں ہاتھا پائی ہو جائے کہ امیر حمزہ نے اپنے ساتھیوں کو منع کِیا اور وہاں سے نِکل آئے۔

اب عَمرو اُنھیں اُس جگہ لے گیا جہاں سام سے مُلاقات ہُوئی تھی۔ بڑے میاں ابھی تک وہیں بیٹھے تھے۔ امیر حمزہ کو دیکھ کر خُوش ہُوئے۔ محبّت سے سر پر ہاتھ پھیرا اور بہت سی دُعائیں دیں۔ امیر حمزہ کا اُترا ہُوا چہرہ دیکھا تو پُوچھنے لگے۔ "کیا بات ہے۔ تُم بڑے اُداس نظر آتے ہو؟"

تب امیر حمزہ نے ساری داستان کہہ سُنائی۔ سام یہ سُن کر ہنسے اور کہنے لگے۔

"بس اِتنی سی بات کی فکر ہے۔ اللہ نے چاہا تو ابھی یہ غم دُور ہُوا جاتا ہے۔ لِندھور کا وہ فولادی گُرز تمھاری قوّت کے سامنے کیا شے ہے۔ ایسے ایسے کئی گُرز تُم اُٹھاؤ گے۔ اچھا یہ کُدال سنبھالو اور یہاں سے دس گز کے فاصلے پر زمین کھودو۔"

امیر حمزہ خُوشی خُوشی اُٹھے اور کُدال سے زمین کھودنے لگے۔ خاصی گہرائی میں سے یاقُوت کا ایک دانہ برآمد ہُوا جس کا رنگ کبُوتر کے خُون کی طرح سُرخ تھا اور وہ انگارے کی مانند دہک رہا تھا۔ اُنھوں نے یاقوت کا یہ دانہ سام کو دکھایا تو وہ کہنے لگے۔

"اِسے حفاظت سے اپنے پاس رکھو۔ یہ پتّھر بے شُمار موقعوں پر تُمھیں فائدہ پُہنچائے گا۔ اب تُم اکیلے جا کر آدم علیہ السّلام کے قدم کی زیارت کرو۔ جب تک حضرت آدمؑ تُمھیں نظر نہ آئیں، وہاں سے نہ آنا۔"

امیر حمزہ یہ حکم پا کر آگے چلے۔ سام نے عمرو، مقبل اور عادی پہلوان وغیرہ کو اپنے لشکر میں واپس چلے جانے کی ہدایت کی اور کہا کہ امیر حمزہ کا انتظار نہ کریں۔ کچھ خبر نہیں کہ وہ کتنے دن بعد واپس آئیں۔

اُدھر امیر حمزہ نے آدم علیہ السلام کے قدم کی زیارت کی اور عبادت میں مصروف ہو گئے۔ دن ایک ایک کر کے گزرنے لگے لیکن حضرت آدم علیہ السلام دکھائی نہ دیے۔ اس دوران میں امیر حمزہ نے نہ کچھ کھایا نہ کچھ پیا۔ عبادت کرنے اور رونے کے سوا کوئی اور کام نہ تھا۔ ٹھیک دسویں دن جب وہ سو رہے تھے تو ایک عجیب خواب نظر آیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان پر ایک دروازہ نمودار ہوا اور اس دروازے میں سے ایک تخت نکلا۔ تخت پر نورانی شکل کے ایک بزرگ سوار تھے۔ آہستہ آہستہ یہ تخت زمین پر اترا اور اس میں سے لمبے قد کے ایک بزرگ نیچے اترے۔ ان کے سر کے بال داڑھی اور بھویں برف کی مانند سفید تھیں۔ وہ

امیر حمزہ کے پاس آکر رُکے اور نرم آواز میں کہا۔

"اے فرزند۔ تجھ پر سلام ہو۔ میں آدم ہوں۔"

امیر حمزہ فوراً اُن کے قدموں سے لپٹ گئے حضرت آدمؑ نے اُنھیں سینے سے لگایا اور کہنے لگے۔

"یہ بازو بند تمھارے لیے لایا ہوں۔ اِسے اپنے دائیں بازو سے باندھ لو۔ اِس کی برکت سے لڑائی میں تمھارے بازو نہ کبھی جُھکیں گے اور نہ تھکیں گے۔ ایک ہزار دُشمنوں پر بھی وار کرو گے تو سب ایک ہی حملے میں مارے جائیں گے۔ تُمھاری تلوار ایک سرے سے دوسرے سرے تک سب کو گاجر مُولی کی طرح کاٹ دے گی لیکن اِس کے ساتھ چند شرطیں بھی ہیں۔ وعدہ کرو کہ تُم اُن پر عمل کرو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔" امیر حمزہ نے کہا۔

"پہلی شرط یہ ہے کہ کسی کا دِل نہ دُکھانا۔ دُوسری شرط یہ ہے کہ جو شخص، چاہے دُشمن ہو چاہے دوست، تُم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دینا۔

انکار نہ کرنا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جو تمہارے سامنے سے بھاگ جائے، اُس کا پیچھا نہ کرنا۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ اپنے لشکر کے آگے ڈھول تاشے ہرگز نہ بجوانا۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ اپنے دُشمن پر کبھی پہلے وار نہ کرنا۔ پہلا وار اُسے کرنے دینا۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ خواہ مخواہ نعرہ مت مارنا، کیوں کہ تمہاری آواز میلوں تک جائے گی اور اُس کے اثر سے بعض بے گُناہ لوگ بھی مر جائیں گے۔ اگر تم نے اِن شرطوں میں سے ایک شرط کے بھی خِلاف کِیا تو یہ بازُو بند غائب ہو جائے گا اور تم اُسے دوبارہ کبھی نہ پا سکو گے۔"

یہ کہہ کر حضرت آدم علیہ السّلام اپنے تخت پر سوار ہُوئے اور آسمان کی جانب پُہنچ کر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

چند لمحے بعد امیر حمزہ کی آنکھ کھُلی۔ دیکھا کہ وہی بازُو بند اُن کے سرہانے دھرا ہے۔ اُسی وقت اُٹھا کر اپنے دائیں بازُو پر باندھ لیا اور خُوشی خُوشی وہاں سے چل کر سام کے پاس

پہنچے۔ وہ اُن کا انتظار کر رہے تھے۔ بازو بند دیکھ کر خُوش ہُوئے، پھر کہنے لگے۔
"بیٹا حمزہ، ہمارا کام ختم ہُوا۔ اب ہم رُخصت ہوتے ہیں۔ جب ہم مر جائیں تو اپنے ہاتھوں سے ہماری میت کو قبر کھود کر دفن کرنا"
یہ کہتے ہی اُن کا جسم بے جان ہو گیا۔
امیر حمزہ نے فوراً قبر کھود دی اور سام کی لاش کو دفن کرنے کے بعد لشکر کی طرف چل پڑے۔ راستے میں پھر وہی اکھاڑا دِکھائی دِیا۔ بے دھڑک اندر گھس گئے۔ لِندھور کے مُلازِم پہلوانوں نے اُنھیں آتے دیکھا تو قہقہے لگانے اور مذاق اُڑانے لگے، لیکن امیر حمزہ نے کسی کی طرف توجّہ نہ کی۔ سیدھے اُس کمرے میں گئے جس میں لِندھور کا گُرز رکھا تھا۔ اُنھوں نے جاتے ہی دائیں ہاتھ سے ایک تنکے کی مانند اُٹھا کر کندھے پر رکھ لیا اور باہر آ گئے۔ پھر اُنھوں نے اُسے ہوا میں اُچھال کر دوبارہ پکڑ لیا۔ لِندھور کے پہلوانوں کے مُنہ حیرت سے کُھلے کے کُھلے رہ گئے۔ آخر میں امیر حمزہ نے اِس گُرز کو دونوں

ہاتھوں میں دبا کر اس زور سے بھینچا کہ وہ موم کی طرح پگھل کر دوہرا ہو گیا۔ اُس مڑے تڑے گرز کو اُنھوں نے وہیں پھینکا اور ہنستے ہُوئے چل دیے۔ اپنے لشکر میں پہنچے تو سب نے خوشیاں منائیں اور کئی دن تک جشن رہا۔

اِس واقعے کی خبر مُخبروں نے لِندھور کو پہنچائی اور بتایا کہ ایک غیر مُلکی شخص اکھاڑے میں آیا اور اپنی طاقت کا تماشا دِکھا کر چلا گیا۔ اُس شخص نے نہ صِرف اکھاڑے میں رکھے ہُوئے تمام ہتھیاروں کو بے کار کیا بلکہ راجا کا خاص گُرز بھی توڑ دیا۔

لِندھور یہ قِصّہ سُن کر سخت حیران ہُوا۔ کہنے لگا۔ یقین نہیں آتا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ دُنیا میں میرے عِلاوہ اور کون ایسا ہے جو میرے گُرز کو اُٹھائے اور اُسے توڑ دے۔" وہ اُسی وقت محل سے نِکل کر اکھاڑے میں پہنچا اور اپنے گُرز کی حالت دیکھی تو حیرت سے اُنگلی دانتوں میں دبا لی۔ دل میں سوچا۔

یہ کام کسی اِنسان کا ہرگز نہیں ہو سکتا اور
اگر وہ کوئی اِنسان ہی ہے تو اُس پر ضرور
برکتوں اور رحمتوں کا سایہ ہے۔ میرا مُقابلہ اُس
سے ٹھیک نہ ہو گا۔

یہ سوچ کر اُس نے ساتھیوں سے کہا کہ
آیندہ وہ شخص اِس اکھاڑے میں آئے تو
اُسے بڑے ادب سے میرے پاس لے آنا۔ خبردار
اُسے کوئی رنج نہ پہنچانا، ورنہ مجھ سے بُرا
کوئی نہ ہو گا۔

اُدھر عمرو عیّار کے دِل میں کھُد بھُد ہوئی۔
امیر حمزہ سے کہنے لگا۔

"ذرا معلوم تو کرنا چاہیے کہ اپنے گُرز کی حالت
دیکھ کر لندھور پر کیا گزری۔ اِجازت ہو تو
میں اُس کے دربار میں جاؤں اور دیکھوں۔"

"ہاں ضرور جاؤ مگر کوئی ایسی حرکت نہ کرنا
جو شان کے خِلاف ہو۔" امیر حمزہ نے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں۔" عمرو عیّار نے مُسکراتے ہُوئے
جواب دیا۔ "لندھور بھی کیا یاد کرے گا کہ کِسی
سے پالا پڑا تھا۔"

عمرو، امیر حمزہ سے رخصت ہو کر لندھور کے کے دربار کی طرف چلا۔ راستے میں اپنی شکل تبدیل کی اور ایسا حلیہ بنایا کہ جو دیکھتا ہنستے ہنستے بل پڑ جاتے۔ اُس کے ہاتھ میں داؤد علیہ السلام کا دیا ہوا دوتارا تھا جسے وہ راستے میں بجاتا ہوا چلنے لگا۔ لوگ اُس کی آواز پر جمع ہو گئے اور عمرو کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

لندھور کے عظیم الشان محل کے دروازے پر پہنچ کر عمرو نے پہرے داروں سے کہا۔

"جاؤ، اپنے بادشاہ کو خبر کرو کہ ایک گویا آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔"

پہرے داروں نے لندھور کو اطلاع دی کہ ایک عجیب حلیے کا شخص محل کے دروازے پر آیا ہے۔ کہتا ہے کہ میں گویا ہوں اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ لندھور نے کہا کہ اُسے فوراً حاضر کیا جائے۔

عمرو جب دربار میں داخل ہوا تو اُس کی شکل دیکھ کر لندھور اور سب درباری بے اختیار ہنس پڑے۔

اُدھر عمرو نے لندھور کو دیکھا تو دہشت سے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک دیو جیسا شخص جڑاؤ تخت پر شیر کی طرح بیٹھا ہے۔ چہرے کا رنگ توے کی مانند سیاہ، بڑی بڑی سُرخ آنکھیں اور لمبے لمبے سفید دانت۔ قد کوئی سات فٹ ہو گا اور گردن گینڈے کی طرح تھی۔ لندھور نے ہاتھ کے اشارے سے عمرو کو آگے بُلایا اور پُوچھا۔

"تم کہاں سے آئے ہو اور تمھارا نام کیا ہے؟"

"جہاں پناہ، میں مدائن سے آیا ہُوں اور شہنشاہ نوشیرواں کے داماد امیر حمزہ کا نوکر ہُوں۔" عمرو نے جواب دیا۔

"خُوب، خُوب... تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔" لندھور نے کہا۔

"حضُور، اِس غُلام کو خُرد بُرد کہتے ہیں۔"

"خُرد بُرد؟ بھلا یہ کیا نام ہُوا؟" لندھور نے حیرت سے پُوچھا۔

"جہاں پناہ، کیا عرض کروں۔ شرم آتی ہے بتاتے

ہوئے ۔ دراصل مجھے بچپن ہی سے چوری اور اُچکے پن کی منحوس لت پڑی ہوئی ہے۔ جس کی جو چیز دیکھی، غائب کر دی۔ اسی لیے میرے باپ نے میرا نام خورد برد یعنی اُڑاؤ کھاؤ رکھ دیا۔"

لندھور نے قہقہہ لگایا اور عمرو کو یوں محسوس ہوا جیسے آسمان پر بادل گرج رہے ہوں۔" بھئی تم آدمی بہت مزے کے ہو۔ اچھا کچھ گانا وانا تو سناؤ۔"

عمرو نے جھک کر لندھور کو سلام کیا اور آگے بڑھ کر اُس کے ساتھ تخت پر جا بیٹھا۔ درباریوں کو اُس کی یہ حرکت بُری محسوس ہوئی۔ ایک معمولی گویّے کی یہ مجال کہ بادشاہ کے ساتھ برابری کرے ایک پہرے دار آگے بڑھا تاکہ عمرو کو وہاں سے ہٹائے لیکن لندھور نے اُسے منع کر دیا اور کہا۔" یہ گویّا ہمارا مہمان ہے اور جہاں اِس کا جی چاہے، اسے بیٹھنے دیا جائے۔"

عمرو نے پھر لندھور کو سلام کیا اور کہا کہ گانے کی اجازت دی جائے۔ لندھور نے گانے کی اجازت دی تو عمرو نے دوتارا بجانا شروع کیا

اس کے بعد ایسی سُریلی آواز میں گایا کہ لندھور اور اُس کے تمام درباری مست ہو کر جھومنے لگے۔ لندھور جس تخت پر بیٹھا تھا اُس کے چاروں کونوں پر زمُرد کے چار مور بنے ہُوئے تھے اور ہر مور کی چونچ میں کبُوتر کے انڈے کے برابر لعل دبا ہوا تھا۔ عُمرو نے جب ایسے بیش قیمت لعل دیکھے تو اُس کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ دِل میں فیصلہ کیا کہ جُونہی موقع مِلا یہ لعل چُرا لُوں گا۔

جب اُس نے دیکھا کہ گانا سُن کر لندھور بالکل مست ہو گیا ہے تو ہاتھ بڑھا کر ایک مور کی چونچ سے لعل نکال لیا اور جیب میں رکھنا ہی چاہتا تھا کہ لندھور نے دیکھ لیا اور حیرت سے کہنے لگا: "یہ کیا حرکت ہے؟"

"بشش.... چُپ.... کوئی دیکھ لے گا۔" عُمرو نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر لندھور کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ عُمرو کی اس حرکت پر لندھور بے اختیار ہنس پڑا اور بولا۔

"میری چیز میرے ہی سامنے چُراتا ہے، پھر کہتا ہے کہ میں چُپ رہُوں۔ جا، یہ چاروں لعل ہم

نے تجھے بخشے۔"

یہ سُن کر عَمرو نے فوراً باقی تین لعل بھی مُردوں کی چونچ سے نکالے اور جیب میں رکھ لیے۔

"گویّے، تُو نے آج ہمارا جی خُوش کر دیا بول تُجھے اور کیا عطا کریں"۔ لِندھور نے کہا۔

"جہاں پناہ کی عنایت سے میرے پاس سب کُچھ موجُود ہے۔ کِسی چیز کی حاجت نہیں، ہاں ایک خواہش یہ ہے کہ حضُور کو اپنے ہاتھ سے شربت کا ایک پیالہ پلاؤں۔"

لِندھور نے اُسی وقت مُلازِم کو شربت لانے کا حُکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد بلّور کی صُراحیاں اور شیشے کے خُوبصُورت پیالے آ گئے۔ عَمرو نے چُپکے سے اِن صُراحیوں میں بے ہوشی کی دوا ملائی، پھر سب کو پیالے بھر بھر کے دینے لگا۔ اس کے بعد گانا شُروع کیا۔ کُچھ گانے کی تاثیر اور کُچھ دوا کا اثر، چند لمحے بعد ہی لِندھور اور سب درباری بے ہوش ہو گئے۔ اب عَمرو نے جلدی جلدی دربار کا سارا قیمتی سامان اپنی زنبیل میں بھرنا شُروع

گیا۔ کوئی چیز باقی نہ چھوڑی۔ اس کے بعد اُس نے لندھور اور درباریوں کے کپڑے بھی اُتار لیے پھر ایک کاغذ پر چند سطریں لکھیں اور یہ کاغذ لندھور کے گلے میں ڈال کر رفو چکر ہو گیا۔

بہت دیر بعد لندھور اور اُس کے درباریوں کو ہوش آیا، آنکھ کھلی تو کیا دیکھا کہ سب لوگ فرش پر ننگ دھڑنگ پڑے ہیں اور دربار کا تمام قیمتی سامان غائب ہے۔ لندھور اپنی یہ حالت دیکھ کر سخت شرمندہ ہُوا اور سپاہیوں کو حُکم دیا کہ نیا لباس لائیں اور دربار کو فرش اور سامان سے دوبارہ آراستہ کریں۔

یکایک ایک ایلچی نے آ کر خبر دی کہ نوشیرواں بادشاہ کے داماد امیر حمزہ نے اپنا ایک سردار حضُور کی خدمت میں بھیجا ہے۔ لندھور نے فوراً اُس سردار کو طلب کیا۔ یہ عادی پہلوان تھا۔ اُس نے جُھک کر سلام کیا اور کہا۔

'جہاں پناہ، میں امیر حمزہ کا ایک پیغام لے کر آیا ہُوں۔ اُنھیں اس بات کا بڑا افسوس ہے کہ عُمرو عیار نے گویّے کے بھیس میں یہاں آ

کر شرارت کی اور دربار کا سارا سامان اُٹھا کر لے گیا۔ میں آپ کا سب سامان واپس لایا ہُوں۔ اُمید ہے آپ عَمرو عیّار کا قصُور مُعاف کر دیں گے۔"

لندھور نے پہلے ہی عَمرو کا نام سُن رکھا تھا۔ جب عادی پہلوان نے اُسے بتایا کہ گویّے کے بھیس میں عَمرو ہی تھا تو وہ بڑا خُوش ہُوا۔ کہنے لگا۔

"ہماری جانب سے امیر حمزہ کو سلام کہنا۔ یہ سب سامان واپس لے جاؤ اور عَمرو ہی کو دے دو۔ ہم نے اُس کا قصُور معاف کیا۔ اُس سے کہنا کہ کبھی وقت اصلی صُورت میں ہمارے پاس آئے۔"

"جہاں پناہ، عَمرو آفت کا پرکالہ ہے۔ اُسے یہاں آنے کی دعوت نہ دیجیے۔ کچھ اور گُل نہ کِھلائے۔ اگر اُس کی اصلی صُورت دیکھنے کا شوق ہے تو چُپکے سے ہمارے لشکر میں آ جائیے۔ امیر حمزہ بھی آپ سے مِل کر خُوش ہوں گے اور آپ عَمرو کو بھی دیکھ لیں گے۔"

"ہاں، یہ ترکیب ٹھیک ہے۔" لندھور نے کہا۔ "اچھا، ہم ابھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔"

لندھور اُسی وقت اپنے ہاتھی پر سوار ہوا اور عادی پہلوان کے ساتھ چل پڑا۔ اُدھر امیر حمزہ کو اُن کے جاسوسوں نے خبر دی کہ لندھور ملاقات کے لیے آ رہا ہے۔ امیر حمزہ نے فوراً اپنے سرداروں اور پہلوانوں کو استقبال کے لیے بھیجا۔ وہ بڑی عزت اور احترام سے لندھور کو لے کر آئے۔ امیر حمزہ نے کھڑے ہو کر اُس کی تعظیم کی اور سونے کی کرسی پر اپنے برابر بٹھایا۔

اتنے میں عمرو عیّار نے آ کر سلام کیا۔ لندھور اُسے دیکھ کر ہنسا اور کہنے لگا۔

"تُو واقعی خُورد بُرد ہے.... لیکن ہم تیرا گانا سُننے آئے ہیں۔"

تب امیر حمزہ کی اجازت سے عمرو نے گانا سُنایا۔ لندھور نے اپنے گلے سے ہیروں کی مالا اُتاری اور عمرو کے گلے میں ڈال دی۔ اِس کے بعد امیر حمزہ سے باتیں شروع ہوئیں۔ کہنے لگا۔ "میں آپ کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔

اُمید ہے آپ میری دوستی قبول کریں گے۔"
"مجھے آپ سے دوستی کر کے خوشی ہوتی لیکن
سچ بات یہ ہے کہ میں آپ سے جنگ کرنے
آیا ہوں۔" امیر حمزہ نے جواب دیا۔
"آخر میرا قصور کیا ہے؟" لندھور نے کہا۔
"قصور یہ ہے کہ آپ نے نوشیرواں کو خراج ادا
کرنا بند کر دیا ہے۔"
لندھور نے قہقہہ لگایا اور کہا۔"بے شک یہ بات
صحیح ہے۔ میں نوشیرواں کو خراج کیوں ادا کروں؟
وہ مجھ سے زیادہ طاقت ور نہیں۔ لیکن آپ حکم
دیں تو خراج ادا کر دیا کروں گا۔"
یہ سُن کر امیر حمزہ چند لمحے چُپ رہے۔ پھر
کہنے لگے۔"مگر مجھے تو بادشاہ نے حکم دیا ہے
کہ تمہارا سر کاٹ کر لے جاؤں۔"
لندھور نے اُسی وقت میان سے تلوار نکال کر
امیر حمزہ کے سامنے رکھی، اپنی گردن جھکائی اور
کہا۔
"لیجیے یہ تلوار بھی حاضر ہے اور گردن بھی۔"
امیر حمزہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ فوراً اُٹھ

کر لندھور کو گلے سے لگایا اور رونے لگے۔ لندھور کی آنکھیں بھی تر ہو گئیں۔ کہنے لگا۔
"نہ معلوم کیا بات ہے، آپ کو دیکھتے ہی مجھے یُوں محسُوس ہُوا جیسے میرا بچھڑا ہُوا بھائی مِل گیا ہے۔ میں کسی طرح بھی آپ سے جنگ نہ کرُوں گا۔ بلکہ حُکم دِیجیے تو اپنا لشکر لے کر آپ کے ساتھ ایران چلُوں اور نوشیرواں کو قتل کر کے آپ کو اُس کے تخت پر بٹھاؤں"
نہیں لندھور بھائی، ایسا خیال بھی دِل میں نہ لانا۔ نوشیرواں میرا محسن ہے اور محسنوں سے غداری کرنا نمک حراموں کا کام ہے۔"
"پھر آپ میرے پاس ہی رہیے۔ میں ہر طرح خِدمت کے لیے حاضر ہُوں"۔ لندھور نے کہا۔
"یہ بھی ممکن نہیں۔ مجھے مدائن واپس جانا ہے"۔ امیر حمزہ نے کہا۔

زہریلا شربت

امیر حمزہ اور لندھور کی دوستی اتنی بڑھی کہ دونوں کو ایک دوسرے کے بغیر چین نہ آتا۔ کبھی امیر حمزہ لندھور کی دعوت کرتے اور کبھی لندھور امیر حمزہ کو اپنے محل میں لے جاتا۔

اِدھر تو یہ تماشے تھے اور اُدھر ایک دن چپکے سے گستم پہلوان ایک چھوٹے سے لشکر سمیت سراندیپ میں آ پہنچا۔ جس دن سے چین کے بادشاہ بہرام پر حملہ کر کے فرار ہوا تھا، اُس دن کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ گستم پہلوان کی خبر آئی۔ اُسے در اصل نوشیرواں نے اِس حکم کے ساتھ بھیجا تھا کہ ہندوستان جائے اور کسی نہ کسی طرح امیر حمزہ کو ہلاک کرے تاکہ وہ شہزادی مہر نگار سے شادی نہ کر سکیں۔

نوشیرواں کو اوّل تو یہ یقین تھا کہ لندھور بڑا

زبردست پہلوان ہے۔ وہ امیر حمزہ کو زندہ نہ چھوڑے گا اور فرض کرو امیر حمزہ کے ہاتھوں لندھور مارا بھی گیا، تب گستم پہلوان کسی نہ کسی چالاکی سے امیر حمزہ کو ٹھکانے لگا دے گا۔

گستم کا لشکر جس روز ایک پہاڑ کے دامن میں اُترا، اگلی روز امیر حمزہ لندھور کی دعوت پر اُس کے محل میں گئے۔ مُقبل وفادار کو اپنے خیموں اور سامان کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑ دیا۔ گستم کے جاسُوسوں نے اُسے خبر پہنچائی کہ آج میدان بالکل خالی ہے۔ امیر حمزہ اپنے تمام سرداروں اور پہلوانوں سمیت لندھور کے محل میں ہیں۔ گستم یہ خبر سُن کر خُوش ہُوا۔ جھٹ اُن دو کنیزوں کو اپنے پاس بُلوایا جنھیں وہ مدائن سے ساتھ لے کر آیا تھا۔ یہ دونوں کنیزیں شہزادی مہر نگار کے محل کی تھیں اور اُنھیں امیر حمزہ اچھی طرح پہچانتے تھے۔ گستم نے شربت کی ایک بوتل منگائی اور اُس کے اندر ایسا تیز زہر مِلایا کہ اگر اُس کا ایک قطرہ بھی دریا میں گرے تو تمام مچھلیاں مر جائیں۔ شربت کی یہ بوتل اِن کنیزوں کے حوالے کی اور خُوب

بکھا بڑھا کر امیر حمزہ کے خیموں کی جانب روانہ کر دیا۔ گستہم نے اِن کنیزوں سے کہہ دیا تھا کہ اپنے سامنے امیر حمزہ کو یہ شربت پلانا اور کہنا کہ شہزادی مہر نگار نے خاص طور پر انھی کے لیے بھیجا ہے۔

یہ کنیزیں گھوڑوں پر سوار ہو کر امیر حمزہ کے لشکر میں آئیں۔ دیکھا کہ چار پانچ سپاہیوں اور مُقبل وفادار کے سوا وہاں کوئی اور موجود نہیں۔ اُنھوں نے مُقبل کو سلام کیا اور کہا۔

"ہم مدائن سے آئے ہیں۔ شہزادی مہر نگار نے امیر حمزہ کے نام ایک خاص پیغام اور تحفہ بھیجا ہے۔"

"امیر حمزہ یہاں نہیں ہیں۔ تم وہ تحفہ اور پیغام مجھے دے دو۔ میں امیر حمزہ تک پہنچا دوں گا۔" مُقبل نے کہا۔

"جی نہیں۔ شہزادی نے ہمیں تاکید کی تھی کہ امیر حمزہ کے سوا کسی اور کو نہ تحفہ دینا اور نہ پیغام سُنانا۔ آپ اُنھیں یہیں بُلوائیے۔"

اب تو مُقبل مجبور ہُوا۔ کنیزوں کو امیر حمزہ کے

خیمے میں بٹھا کر خود گھوڑے پر سوار ہوا۔ لندھور کے محل میں پہنچا اور امیر حمزہ کے کان میں کہا۔

"مدائن سے دو کنیزیں آئی ہیں۔ شہزادی مہر نگار نے انھیں بھیجا ہے۔"

امیر حمزہ نے پوری بات بھی نہیں سُنی اور فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ لندھور سے کہنے لگے۔

"میں ایک ضروری کام سے جاتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں آجاؤں گا۔" یہ کہہ کر وہ اُسی وقت مُقبل کے ساتھ اپنے خیموں کی طرف آئے۔ دیکھا تو واقعی دونوں کنیزیں شہزادی مہر نگار کے محل کی ہیں۔ مُقبل کو جانے کا اشارہ کیا اور ان کنیزوں سے بولے۔

"ہاں، اب بتاؤ شہزادی نے کیا کہا ہے اور ہمارے واسطے کون سا تحفہ بھیجا ہے؟"

"سرکار، شربت کی یہ بوتل شہزادی نے آپ کے لیے بھیجی ہے۔" ایک کنیز نے بوتل نکالتے ہوئے کہا۔ "یہ شربت شہزادی نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ اُنھوں نے کہا تھا کہ اپنے سامنے امیر حمزہ کو پلانا۔ جب آپ یہ شربت پی لیں گے، تب اُن

کا پیغام آپ کو بتایا جائے گا۔"

امیر حمزہ یہ بوتل دیکھ کر اس قدر خوش ہوئے کہ کچھ سوچے سمجھے بغیر ڈاٹ کھول کر بوتل منہ سے لگا لی۔ لیکن جونہی اس زہریلے شربت کا پہلا گھونٹ حلق سے نیچے اُترا، سر چکرایا۔ دھڑام سے فرش پر گرے اور بے ہوش ہو گئے۔ کنیزوں نے دیکھا کہ امیر حمزہ کا کام تمام ہوا تو خیمے کی پچھلی جانب سے نکل کر بھاگ گئیں۔

اُدھر جب خاصی دیر ہو گئی اور امیر حمزہ واپس نہ آئے تو بندھور بے چین ہوا۔ عمرو سے کہنے لگا۔

"جلدی جا اور امیر حمزہ کو ساتھ لے کر آ۔ اُن کے بغیر یہ مجلس سونی سونی نظر آتی ہے۔"

عمرو تو خود بہانے کی تلاش میں تھا کہ یہاں سے نکلے اور خبر لے کہ امیر حمزہ کے کان میں مُقبل نے کیا کہا تھا۔ دوڑتا ہوا خیموں کی جانب گیا۔ وہاں مُقبل وفادار موجود تھا۔ اُس سے پوچھا۔

"حمزہ کہاں ہیں؟"

"چُپ بے ادب.... دیکھتا نہیں وہ اپنے خیمے میں

ہیں اور شہزادی مہر نگار کی کنیزوں سے باتیں کر رہے ہیں۔" مقبل نے اُسے ڈانٹا۔
یہ سُن کر عَمرو کا ماتھا ٹھنکا۔ حیرت سے کہنے لگا۔
"شہزادی مہر نگار کی کنیزیں یہاں کیسے آ گئیں! تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا؟"
"زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں۔ تجھے اگر میری بات ہیں تجھ شک ہے تو جا کر دیکھ لے۔" مقبل نے ناراض ہو کر کہا۔
عَمرو چپکے چپکے امیر حمزہ کے خیمے کے پاس گیا اور کان لگا کر آواز سُننے کی کوشش کی۔ مگر وہاں تو سناٹا تھا۔ اب عَمرو نے خیمے کا پردہ اُٹھا کر اندر جھانکا تو کلیجا اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ امیر حمزہ فرش پر بے ہوش پڑے ہیں۔ بدن کا رنگ سر سے پیر تک توے کی مانند کالا پڑ گیا ہے۔ قریب ہی شربت کی ایک بوتل بھی ٹوٹی پڑی ہے اور اس کا شربت جس جس گرا ہے، وہاں زمین میں گڑھے سے پڑ گئے ہیں۔

اُس نے مُقبل کو بُلایا۔ مُقبل نے یہ حال دیکھا تو سر پیٹنے اور رونے لگا۔ عَمرو نے اُسے ڈانٹا۔

"خاموش رہ۔ شور نہ مچا۔ تُو یہاں پہرا دے، کسی کو خیمے کے اندر نہ آنے دینا۔ اگر لندھور کو پتا چل گیا تو شاید وہ بغاوت کر دے۔ پہلے میں اُن کنیزوں کو تو پکڑوں جنھوں نے زہر دیا ہے۔ اِس کے بعد حمزہ کو اچھا کرنے کی تدبیر کروں گا۔"

عَمرو خیمے سے نکل کر ایک طرف چلا۔ راہ میں ان دونوں کنیزوں کے قدموں کے نشان دکھائی دیے۔ کیونکہ وہ اپنے گھوڑوں کو وہیں خیمے کے آگے چھوڑ کر بھاگ نکلی تھیں۔ عَمرو نے اُنھیں کچھ فاصلے پر جا پکڑا اور خنجر نکال کر بولا۔

"سچ سچ بتاؤ کہ تم نے یہ حرکت کس کے اشارے سے کی ہے؟"

اُنھوں نے گستم کا نام لیا اور سارا قصہ سُنایا۔

اب عَمرو لندھور کے محل کی جانب گیا۔ وہ امیر حمزہ کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ عَمرو اسے ایک طرف لے

گیا اور کہا۔

"امیر حمزہ ایک ضروری کام میں لگ گئے ہیں اس وقت نہ آ سکیں گے۔ دراصل شہنشاہ نوشیرواں نے اپنے ایک سردار کو امیر حمزہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا ہے: "ہمیں شک ہے کہ تم نے لندھور پر قابو پا لیا ہے۔ ہمیں یقین اُس وقت آئے گا جب ہمارے اس سردار کے سامنے لندھور ایک قیدی کی طرح حاضر ہوگا" اب امیر حمزہ نے آپ کو طلب کیا ہے۔"

"یہ تو معمولی بات ہے۔ اگر امیر حمزہ میرا سر بھی طلب کریں تو اپنے ہاتھ سے کاٹ کر پیش کر دوں گا۔" لندھور نے کہا اور خود اپنے تمام فوجی سرداروں اور پہلوانوں کو بلا کر حکم دیا کہ میں چند روز کے لیے امیر حمزہ کی خدمت میں جاتا ہوں۔ خبردار کوئی شخص بھی مہمانوں کو تنگ کرنے یا اُن پر حملہ کرنے کا خیال دل میں نہ لائے۔ ورنہ سخت سزا دوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ڈلوائیں، گلے میں رسّی ڈالی اور

قیدی بن کر عمرو کے ساتھ چلا۔ عمرو نے آدھے راستے میں پہنچ کر پانی پلانے کے بہانے سے لندھور کو دوا کھلا کر بے ہوش کیا، پھر اُسے ایک صندوق میں بند کیا اور یہ صندوق اپنی زنبیل میں ڈال دیا۔

لندھور کی جانب سے بے پروا ہو کر عمرو امیر حمزہ کے پاس گیا۔ وہ اُسی طرح بے ہوش پڑے تھے، لیکن جسم کی رنگت کبھی سُرخ ہوتی اور کبھی سیاہ۔ ہونٹوں کے کناروں سے زرد رنگ کا جھاگ بھی نکل رہا تھا۔ یکایک دو آدمی گھوڑوں پر سوار وہاں آئے۔ عمرو نے اُن سے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں تو اُن میں سے ایک نے کہا۔

"میرا نام صابر ہے اور یہ میرا بھائی صبور ہے۔ ہم شہ پال ہندی کے بیٹے ہیں۔ ہمارا باپ بڑا ظالم اور سنگ دل راجا ہے۔ ظاہر میں وہ لندھور کا دوست لیکن حقیقت میں اُس کا دشمن ہے۔ کل ایران کا ایک پہلوان جس نام گستم ہے، اپنے لاؤ لشکر سمیت ہمارے علاقے

میں آیا۔ شہ پال نے اُس کی بڑی خاطر مدارات کی۔ باتوں باتوں میں گستم نے بتایا کہ اُس نے دو عورتوں کو سکھا پڑھا کر امیر حمزہ کے پاس بھیجا ہے تاکہ اُنھیں زہر دے دیا جائے۔ گستم کو یقین ہے کہ اگر یہ زہر امیر حمزہ کے جسم میں داخل ہو گیا تو اُنھیں دُنیا کی کوئی طاقت موت کے مُنہ سے نہیں بچا سکتی۔ ہم نے اُن کی گفتگو سُن لی اور اب امیر حمزہ کو خبردار کرنے آئے ہیں کہ اِن عورتوں سے بچیں۔"

یہ سُن کر عُمرو اور مُقبل رو پڑے۔ کہنے لگے "بھائیو، تُم دیر میں پہنچے۔ اُن عورتوں نے ہمارے امیر کو شربت میں زہر مِلا کر پلا دیا ہے اور اب اُن میں زندگی کے کوئی آثار دِکھائی نہیں دیتے۔"

صابر اور صبور نے امیر حمزہ کو دیکھا تو بے حد غمگین ہوئے۔ آخر اُنھوں نے کہا۔

"یہاں سے دس دن کی راہ پر ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جسے ناردن کہتے ہیں۔ اِس جزیرے میں اقلیموں نام کا ایک طبیب رہتا ہے۔ اپنے

وقت کا جالینوس اور افلاطون ہے۔ ہم اُس کو خط لکھے دیتے ہیں۔ اگر یہ طبیب آ جائے اور امیر حمزہ کا علاج کرے تو شاید شفا ہو جائے۔

عُمرو نے حساب لگایا۔ دس روز جانے کے، دس روز آنے کے اور چار پانچ روز طبیب کے چلنے کی تیاریوں میں لگ جائیں گے۔ گویا پورے پچیس دن لگیں گے۔ بھلا اتنی مدت میں حمزہ زندہ بچیں گے؟ لیکن اس کے بغیر اب چارہ بھی کیا ہے۔ شہ پال ہندی کے لڑکوں نے اقلیموس کے نام خط لکھ کر عُمرو کو دیا۔ عُمرو نے کہا کوئی ایسا آدمی بھی دو جو پہلے اس جزیرے نار دن میں جا چکا ہو۔ انھوں نے کہا، ہاں، ایسا آدمی ہمارے پاس موجود ہے۔ واپس جائیں گے تو اُسے بھیج دیں گے۔ اُس کا نام داراب ہے۔

شہ پال ہندی کے بیٹوں نے اپنے علاقے میں واپس جاتے ہی داراب کو بھیج دیا۔ عُمرو نے اُسے دیکھا تو حیران ہوا۔ آدمی کیا تھا نرا بھینسا تھا۔ خوب موٹا تازہ پلا ہوا۔ اُدھر عُمرو اُس کے مقابلے میں دُبلا پتلا ــ داراب نے عُمرو سے کہا۔

"بھائی صاحب، جزیرہ ناردن یہاں سے بہت
دُور ہے۔ پیدل چلنا میرے بس ہی نہیں۔ کسی
سواری کا بندوبست فرمائیے۔"

"لعنت ہے تجھ پر۔" عَمرو نے جھلا کر دِل
کہا۔ اب اِس کے لیے سواری ڈھونڈوں۔
اکیلا ہی جانا چاہیے۔ ہاں اُس سے طبیب اقلیموں
مکان کا اتا پتا پُوچھ لیتا ہُوں۔

اُس نے باتوں باتوں میں داراب سے سب
پُوچھ لیا۔ پھر کبابوں میں بے ہوشی کی دوا مِلا
اُسے کھِلائے تو وہ بے ہوش ہو گیا۔ اب عَمرو
نے اُسے ایک درخت سے باندھا اور خُود ہوا
طرح ناردن کی جانب روانہ ہُوا۔

عَمرو شام کے وقت ایک دریا کے کِنارے پہنچا
دیکھا کہ مُسافروں سے بھری ہوئی ایک کشتی دریا
میں چلی جا رہی ہے اور کِنارے سے کوئی دس
پندرہ فٹ دُور ہٹ گئی ہے۔ عَمرو نے دہیں
سے چھلانگ لگائی اور دھم سے کشتی میں آن کُودا۔
ملاح سخت خوف زدہ ہُوئے کہ یہ چھلاوا کہاں سے
آیا۔ کسی کو اُس سے کرایہ مانگنے اور کچھ پُوچھنے

جرأت نہ ہوئی۔ جب دُوسرا کنارہ دس پندرہ فُٹ
دُور رہ گیا تو عَمرو نے پھر جست کی اور زمین
پر پہنچ گیا۔

داراب نے بتایا تھا کہ دریا پار کر کے دائیں
ہاتھ وُہ گاؤں ملے گا جس میں طبیب اقلیموں
رہتا ہے۔ عَمرو جب اُس گاؤں میں پہنچا تو رات
ہو چکی تھی۔ گاؤں کیا تھا، اچھا خاصا شہر تھا۔
بازاروں میں لوگوں کا ہجُوم اور دُکانوں پر خریداروں
کے ٹھٹ لگے تھے۔ مکانوں اور گلیوں میں اِس
قدر تیز روشنی تھی کہ سُوئی گرے تو آسانی سے
تلاش کر لو۔ عَمرو نے اپنی شکل تبدیل کی اور
ایک راہ گیر سے پُوچھا۔

"کیوں بھائی، طبیب اقلیمُوں کہاں ملیں گے؟"
اُس شخص نے اُوپر سے نیچے تک عَمرو کو
دیکھا اور جواب دیا۔ "معلوُم ہوتا ہے اجنبی ہو۔
اقلیمُوں ہی اِس بستی کا حاکم ہے۔ وہ سامنے بڑا
سا دروازہ نظر آ رہا ہے نا! جہاں بہُت سے
لوگ بیٹھے ہیں۔ بس وہی اقلیمُوں کا مکان ہے۔"
عَمرو اس عالی شان مکان کے دروازے پر

پہنچا تو پہرے داروں نے روکا۔ عمرو نے
کر کہا۔ "میں سراندیپ سے آیا ہوں۔ اقلیموں
نام صابر و صبور کا خط لایا ہوں۔"
پہرے داروں نے اُسے فوراً اقلیموں کے پا
پہنچا دیا۔ عمرو نے دیکھا کہ سُرخ رنگ کا لبا
پہنے ایک ٹھنگنا سا شخص لوگوں کے درمیان گھ
بیٹھا ہے۔ کمرے میں چاروں طرف موٹی موٹی کتابو
اور دواؤں کے مرتبانوں اور شیشیوں کا انبار لگ
ہے۔ اقلیموں نے گھُور کر عمرو کو دیکھا اور سخت
سے پُوچھا۔
"کیا بات ہے! اتنا شور کیوں مچا رکھا ہے
"میں آپ کے لیے ایک ضروری خط لایا ہوں
عمرو نے یہ کہہ کر وہ خط اقلیموں کو دے
دیا۔ اس نے خط کو دیکھا، ناک بھوں چڑھائی
اور کہنے لگا۔
"میں وہاں ہرگز نہیں جا سکتا۔ مریض کو یہیں
لے آؤ۔"
یہ سُن کر عمرو سخت مایوس ہوا۔ اقلیموں کی
بڑی منت سماجت کی، مگر وہ ٹس سے مس نہ

ہُوا۔ آخر عَمرو نے کہا۔
اگر آپ میرے ساتھ چلے چلیں تو جواہرات سے بھری ہوئی ایک تھیلی پیش کروں گا۔"
یہ سُننا تھا کہ طبیب اقلیموں غُصّے سے لال پیلا ہو گیا۔ اپنے نوکروں کو آواز دے کر بُلایا اور کہا۔
"اِس شخص کی اچھّی طرح مرمّت کرو۔ یہ ہمیں دولت کا لالچ دیتا ہے۔"
اقلیموں کے ہٹے کٹّے نوکر عَمرو کی طرف لپکے لیکن عَمرو نے فوراً سبز کمبل اوڑھ لیا اور نظروں سے غائب ہو گیا۔ وہ لوگ اسے سارے مکان میں ڈھونڈتے پھرے لیکن عَمرو انھیں دکھائی نہ دیا حالانکہ وہ اقلیموں ہی کے کمرے میں دروازے کے قریب کھڑا تھا۔
رات ہوئی، سب لوگ چلے گئے اور اقلیموں اپنے کمرے میں اکیلا رہ گیا۔ تب عَمرو نے آگے بڑھ کر اُس کا ٹینٹوا دبایا۔ اقلیموں سمجھا کہ کسی جِن نے اسے پکڑ لیا ہے۔ اچانک عَمرو نے آواز دی اور کہا۔

"اب بول بڑا طبیب بنا پھرتا ہے۔ میرے ساتھ سراندیپ چلے گا یا نہیں تیرا گلا گھونٹ دوں"
"چلوں گا.... ضرور چلوں گا...." اقلیموں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

تب عمرو نے اقلیموں کو اپنی زنبیل میں ڈالا اُس کے کمرے کا کل سامان تمام کتابیں اور دوا کے مرتبان بھی زنبیل میں رکھے اور یہ پشتارہ پیٹھ پر اُٹھا کر باہر نکلا۔ دریا پر آ کر کشتی میں بیٹھا، دُوسرے کنارے پر آیا اور سورج نکلنے سے پہلے پہلے اُس درخت کے پاس پہنچ گیا جہاں داراب کو باندھ گیا تھا۔ دیکھا کہ وہ اُسی طرح بندھا ہُوا ہے۔ اُسے ہوش میں لایا۔ داراب نے عمرو کو دیکھتے ہی کہا۔

"تم عجیب آدمی ہو۔ ابھی تک یہیں کھڑے ہو۔ جزیرہ ناردن جانے کا ارادہ نہیں؟"

"ارے میاں، میں تو وہاں جا کر طبیب اقلیموں کو لے بھی آیا۔" عمرو نے جواب دیا اور زنبیل میں ہاتھ ڈال کر اقلیموں کو باہر نکالا۔ یہ دیکھ کر داراب کے ہوش اُڑ گئے۔ عمرو کے قدموں پر

گر پڑا اور التجا کی کہ آپ اُستاد میں شاگرد۔ یہ فن مجھے بھی سکھا دیجیے۔ عمرو نے اُسے دلاسا دیا کہ گھبراؤ نہیں، وقت آنے پر سب کچھ سیکھ جاؤ گے۔ اب ہمیں جلد سے جلد امیر حمزہ کے پاس جانا چاہیے۔

عمرو نے داراب کو بھی زنبیل میں ڈالا اور ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے لشکر کی جانب چلا۔

مہر نگار کی شادی

عَمرو نے اپنے خیمے میں پہنچ کر زنبیل سے اقلیمون کو نکالا، پھر تمام کتابیں اور دواؤں کے مرتبان اُسی طرح سجا دیئے جس طرح اقلیمون کے مکان میں سجے ہُوئے تھے۔ اِس کے بعد اُس نے رُوئی کی بتی بنا کر اقلیمون کی ناک میں ڈالی۔ چند لمحے بعد وہ چھینک مار کر اُٹھ بیٹھا۔ عَمرو اُس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

"جناب اب میرے ساتھ تشریف لے چلیے۔ مریض کی حالت بہت خراب ہے۔"

اقلیمون نے عَمرو کی صُورت دیکھی اور غضب ناک ہو کر اپنے نوکروں کو آواز دی "ارے کوئی ہے نکالو اِس بد معاش کو یہاں سے۔"

مگر وہاں کوئی نوکر ہوتا تو اُس کی آواز سُنتا۔

دیر تک چیخنے کے بعد اُس کو کچھ شک ہُوا اور پھر غور سے اپنے اِرد گِرد دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ اُس کا مکان نہیں ہے۔ اُس نے شرمندہ ہو کر عَمرو سے کہا۔

"مجھے مریض کے پاس لے چلو۔"

عَمرو اقلیمُوں کو امیر حمزہ کے خیمے میں لے گیا۔ اُس نے جُونہی امیر حمزہ کو دیکھا بے اختیار رونے لگا اور کہا: "اے عَمرو، حمزہ کا علاج دُنیا میں کسی کے پاس نہیں۔ ہاں، شہنشاہ نوشیروان کے خاندان میں کئی سو برس سے ایک پتّھر چلا آتا ہے اُسے شاہ مُہرہ کہتے ہیں۔ اگر کسی طرح یہ پتّھر مجھے لا دے تو حمزہ کے اچّھا ہونے کی اُمّید ہے۔"

یہ سُن کر عَمرو سخت پریشان ہُوا۔ رُومال سے آنسُو پُونچھتا ہُوا باہر نِکلا۔ وہاں مُقبل وفادار کھڑا تھا۔ وہ عَمرو سے کہنے لگا: "اقلیمُوں کیا کہتا ہے؟"

"کیا بتاؤں بھائی مُقبل، اِتنی مُصیبت سے اِس طبیب کو جزیرہ ناردن سے لایا لیکن وہ کہتا ہے کہ جب تک مدائن سے شاہ مُہرہ نہ آئے گا، زہر نہ اُترے گا۔ اب میں مدائن کو جاتا ہُوں۔ دُعا کرو

وہ مُہرہ مل جائے۔"

"جاؤ۔۔۔ خُدا حافظ، لیکن ٹھہرو۔ مدائن شہر کے دروازے کے پاس ایک بڑھیا رہتی ہے۔ اُسے میرا سلام کہہ دینا۔" مُقبل نے کہا۔

یہ سُن کر عُمرو کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ قریب آ کر تین طمانچے مُقبل کے مُنہ پر مارے اور کہا "یہاں جان پر بنی ہے اور تجھے مذاق سُوجھ رہا ہے۔"

اُس وقت مُقبل کو بزرجمہر کی نصیحت یاد آئی کہ جب تک عُمرو کے ہاتھ سے تین طمانچے نہ کھا لینا، اُس وقت تک اُسے شاہ مُہرہ کے بارے میں کُچھ نہ بتانا۔ تین طمانچے کھا لینے کے بعد وہ ہنسا اور کہنے لگا۔

"تُو مدائن کس لیے جاتا ہے، شاہ مُہرہ تو یہیں موجود ہے۔"

"پھر تُو نے مذاق کیا۔" عُمرو نے دوبارہ گھونسا تانا۔

"میں سچ کہتا ہوں۔ بزرجمہر نے میرے سامنے امیر حمزہ کے سینے میں رکھا تھا۔"

عَمرو نے جھٹ مُقبل کو گلے سے لگا لیا اور اقلیمُوں کے پاس پہنچا۔ وہ اُسے دیکھ کر بولا۔

"تُم ابھی یہیں ہو؟ میں سمجھا تھا کہ شاہ مُہرہ لینے مدائن چلے گئے ہو گے۔"

"مُہرہ تو امیر حمزہ کے سینے میں رکھا ہے۔" عَمرو نے جواب دیا۔

اقلیمُوں نے حیرت سے عَمرو کی جانب دیکھا پھر امیر حمزہ کے جسم کا مُعاینہ کیا۔ دیکھا کہ سارا بدن کالا پڑ چکا ہے، لیکن سینے کا وہ حِصّہ جس میں شاہ مُہرہ چُھپایا گیا تھا اپنی اصلی رنگت پر ہے۔ اقلیمُوں نے ایک خاص دوا نکال کر امیر حمزہ کے سینے پر ملی۔ پھر نشتر سے سینہ چیر کر شاہ مُہرہ نِکالا مُہرے میں سوراخ تھا۔ اقلیمُوں نے سوراخ میں ڈورا ڈال کر مُہرہ امیر حمزہ کے حلق میں اُتار دیا۔ اِس کے بعد کئی من دُودھ منگا کر ایک بڑے سے کڑھاؤ میں بھروایا اور امیر حمزہ کے حلق سے مُہرہ نِکال کر اِس دُودھ میں ڈالا۔ دیکھتے دیکھتے دُودھ برف کی مانند جم گیا۔ پھر اور دُودھ منگوایا گیا۔ اقلیموں نے اُسی طرح مُہرہ امیر حمزہ کے حلق میں ڈال کر

نکالا اور دُودھ میں پھینکا۔ دودھ پھر جم گیا۔ غرض سات مرتبہ ایسا ہی کیا اور دودھ ہر مرتبہ جم گیا۔ آٹھویں مرتبہ دُودھ نہیں جما۔

تب امیر حمزہ کو چھینک آئی اور اُنھوں نے آنکھیں کھول دیں۔ اقلیمُوں نے بہُت سے لحاف اور رضائیاں اُن کے اُوپر ڈال دیں "تاکہ خُوب پسینہ آئے۔ چند لمحے بعد امیر حمزہ کے رونگیں رونگیں سے پسینہ پھُوٹ نکلا اور اِس قدر بہا کہ تمام لحاف اور رضائیاں اس میں تر ہو گئیں۔

اب امیر حمزہ نے ایک ایک شخص کو غور سے دیکھا۔ آخر میں اقلیمُوں پر نظر پڑی۔ حیرت سے پُوچھنے لگے "یہ شخص کون ہے؟"

"اِس کا نام اقلیمُوں ہے۔ جزیرہ ناردن کا مشہور طبیب ہے۔ آپ کی طبیعت کچُھ خراب ہو گئی تھی۔ اِس لیے علاج کے لیے آیا ہے"۔ عُمرو نے جواب دیا۔

"لندھور کہاں ہے؟" امیر حمزہ نے عُمرو سے کہا۔

عُمرو اُسی وقت گیا۔ زنبیل سے لندھور کو نکال کر ہوش میں لایا اور اُسے ساری داستان کہہ سُنائی۔

آخر میں اِلتجا کی کہ امیر حمزہ کو اِس واقعے سے آگاہ نہ کیا جائے۔ لِندھور عُمرو کی اِس ہوشیاری اور چالاکی پر حیران رہ گیا اور کہا: آفرین ہے تُمہاری اِس وفاداری پر۔"

لِندھور لباس بدل کر امیر حمزہ کے پاس گیا۔ اور باتیں کرنے لگا۔ اِتنے میں شہ پال ہندی کے دونوں بیٹے آ گئے۔ عُمرو نے اُنھیں امیر حمزہ کے سامنے پیش کیا اور بتایا کہ گستہم پہلوان ایک لشکر لے کر آیا ہے اور شہ پال ہندی کے ساتھ مِل کر جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ یہ سُنتے ہی لِندھور کو جلال آ گیا۔ بادِل کی طرح گرج کر اُٹھا اور کہنے لگا۔

"میں ابھی جا کر اِن دونوں نابکاروں کو گُرز سے ہلاک کرتا ہُوں۔"

امیر حمزہ نے اُسے روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن لِندھور کسی طرح نہ مانا۔ شہ پال ہندی کے بیٹے صابِر اور صبُور بھی اُس کے ساتھ تھے۔ امیر حمزہ نے عُمرو اور مُقبل وفادار کو بھی اُن کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔

لندھور اپنی زبردست فوج لے کر اُس قلعے کی طرف چلا جس میں شہ پال اور گستم پہلوان موجود تھے اُنھوں نے جب لندھور کو آتے دیکھا تو اپنی فوج لے کر لڑنے کے لیے نکلے۔ بڑی زبردست جنگ ہوئی جس میں شہ پال لندھور کے ہاتھوں مارا گیا اتنے میں عمرو نے گستم پہلوان کو للکار کر کہا۔

"اگر کچھ دن اور جینا چاہتا ہے تو یہاں سے بھاگ جا ورنہ لندھور تجھے جیتا نہ چھوڑے گا"

گستم نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔

"یہ ڈراوا کسی اور کو دینا۔ میں نے حمزہ کو زہر دے کر مروا دیا ہے۔ لندھور کی میرے سامنے کیا حقیقت ہے"

اب عمرو نے قہقہہ لگایا اور کہا "حمزہ کو کون مار سکتا ہے۔ اُس پر تجھ جیسے ہزار آدمی قربان"

یہ سُن کر گستم کے پسینے چھوٹ گئے لیکن دل سنبھال کر بولا۔

"مجھے تیری بات پر یقین نہیں آتا۔ بہت دن ہوئے میرے اور حمزہ کے درمیان راز کی ایک بات ہوئی تھی جس کی ہم دونوں کے سوا کسی اور

کو خبر نہیں ہے۔ اگر حمزہ زندہ سلامت ہے تو اُس سے جا کر پوچھ کہ وہ راز کیا ہے، اگر تو نے بتا دیا تو میں سمجھوں گا کہ واقعی حمزہ زندہ ہے۔"

عمرو اُسی وقت امیر حمزہ کے پاس پہنچا اور ناراض ہو کر کہنے لگا۔

"کیوں جناب، یہ کیا ماجرا ہے، ہم آپ کے دوست ہیں یا گستہم پہلوان؛ آخر ایسا کون سا راز ہے جو آپ نے اب تک ہم سے چھپائے رکھا ہے؟"

عمرو کی یہ بات سن کر امیر حمزہ خوب ہنسے پھر بولے۔

"وہ راز یہ ہے کہ جب گستہم پہلوان عیاری سے کام لے کر چین کے بادشاہ بہرام کو گرفتار کر کے نوشیرواں کے پاس لایا تھا تو اُس روز اُس کے استقبال کو میں بھی گیا تھا۔ اُدھر بختک نے میرے خلاف گستہم کے کان پہلے ہی بھر دیے تھے۔ گستہم نے مجھ سے گلے ملتے ہوئے خوب زور لگایا تاکہ میری پسلیاں توڑ دے مگر کامیاب نہ

ہُوا۔ آخر میں نے اُسے پلٹا کر زور لگایا تو اُس کی چیخ نکل گئی۔ تب اُس نے مجھ سے کہا کہ اِس کا ذکر کسی سے نہ کرنا ورنہ میری بدنامی ہو گی۔ یہی ہے وہ راز جو میرے اور گستہم کے درمیان چلا آتا ہے۔"

عمرو نے جب گستہم کو یہ بات بتائی تو خوف سے اُس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ وہ اپنے لاؤ لشکر کو لے کر میدان سے نو دو گیارہ ہو گیا اور سیدھا سندھ کے صحرا میں جا کر دم لیا۔

امیر حمزہ نے اب مدائن جانے کا ارادہ کیا۔ لندھور بھی ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہُوا۔ اُس نے اپنے چھوٹے بھائی چینی پُور کو سلطنت کی باگ ڈور سونپی۔ امیر حمزہ نے شہ بال ہندی کے بیٹوں صابر اور صبُور کو اُن کے باپ کی گدّی پر بٹھایا۔ طبیب اقلیمُوں کو امیر حمزہ سے کچھ ایسی محبت ہُوئی کہ اُس نے اپنے وطن جزیرہ ناردن جانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں ہمیشہ امیر کے ساتھ رہُوں گا۔ آخر ایک دفعہ یہ

عظیم الشان قافلہ خشکی کے راستے ایران روانہ ہو گیا۔

گستم پہلوان دُم دبا کر بھاگ تو نکلا لیکن حسد کی آگ ابھی تک اُس کے دِل میں جل رہی تھی۔ وہ امیر حمزہ کو کسی صورت نیچا دِکھانے کے لیے بے چین تھا۔ آخر سوچ سوچ کر ایک تدبیر پر عمل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے لشکر میں دو آدمی ایسے تھے جن کی شکلیں اور حلیے امیر حمزہ اور لندھور سے ملتے جلتے تھے۔ گستم نے اُن دونوں کو ہلاک کر کے ان کے سر کاٹ لیے پھر نوشیرواں کے نام ایک خط لکھ کر یہ دونوں سر مدائن بھجوا دیے۔ خط میں اُس نے لکھا۔

"جہاں پناہ، امیر حمزہ کو لندھور نے میدانِ جنگ میں مار ڈالا اور اُس کا سر کاٹ کر اپنے قلعے کے دروازے پر لٹکا دیا۔ میں نے لندھور پر حملہ کیا۔ نہایت خوں ریز لڑائی ہوئی جس میں لندھور کی فوج کے بے شمار سپاہی مارے گئے۔ آخر تین دِن کی جنگ کے بعد میں نے لندھور کو مار ڈالا اور اُس کا سر کاٹ لیا۔ اب یہ دونوں

سر حضور کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔"
گستہم نے یہ خط نوشیرواں کو بھیجا اور دوسرا خط بختک کے نام لکھا کہ میں نے نوشیرواں کے پاس امیر حمزہ اور لندھور کے کٹے ہوئے جو سر بھیجے ہیں، وہ نقلی ہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ امیر حمزہ نے لندھور کو دوست بنا لیا ہے اور لندھور اب دن رات امیر حمزہ ہی کا کلمہ پڑھتا ہے تم نوشیرواں کو سکھا پڑھا کر مجبور کرو کہ وہ شہزادی مہرنگار کی شادی کسی اور سے کر دے۔ مجھے یقین ہے کہ امیر حمزہ جب یہ خبر سُنے گا کہ شہزادی کی شادی کسی اور سے ہو گئی ہے تو وہ اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا۔
گستہم کا قاصد جب دونوں سر اور خط لے کر نوشیرواں کی خدمت میں پہنچا تو لندھور کا سر دیکھ کر بادشاہ خوش ہوا اور امیر حمزہ کا سر دیکھ کر غمگین۔ اس کی خواہش یہ نہ تھی کہ امیر حمزہ یوں مارے جائیں۔
نوشیرواں نے اُسی وقت بزرجمہر کو بلا کر یہ دونوں سر اور گستہم کا خط دکھایا۔ بزرجمہر بڑا عقل مند

آدمی تھا۔ ایک نظر ان ہیروں کو دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ گستم نے نوشیرواں کو دھوکا دیا ہے لیکن اس نے نوشیرواں سے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔

اُدھر دُوسرا قاصِد جب گستم کا خط لے کر بختک کے پاس پہنچا تو وہ بہت خُوش ہُوا۔ امیر حمزہ کو شکست دینے کی ایسی تدبیر تو خود اُس کے دماغ میں بھی نہ آئی تھی۔ اگلے ہی روز نوشیرواں کو تنہا پا کر کہنے لگا۔

"جہاں پناہ، یہ اچھا ہُوا کہ امیر حمزہ ہندوستان میں مارا گیا۔ مہر نِگار سے اُس کی شادی کسی طرح بھی مُناسب نہ تھی۔ ہماری قوم اسے کبھی پسند نہ کرتی۔ اب آپ نے مہرنِگار کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"ہم چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد شہزادی کی شادی کسی عالی خاندان شہزادے سے کر دی جائے۔" نوشیرواں نے جواب دیا۔

"حضور کا یہ ارادہ بڑا مُبارک ہے۔ بختک نے کہا۔ "اِس وقت شہنشاہ کیکاؤس کی نسل میں ایک شہزادہ ہے جو مہر نِگار کا دُولہا بن سکتا ہے۔ اُس

کا نام اولاد ہے اور وہ شاہ مرزبان کا بیٹا ہے "

یہ سُن کر نوشیرواں خُوش ہُوا۔ کیکاؤس ایران کا ایک عظیم بادشاہ گزرا ہے۔ اُس کی نسل کے کسی شہزادے سے شہزادی مہر نگار کی شادی ہونا بہت ہی اچھی بات تھی۔ نوشیرواں نے بختک کو اجازت دے دی کہ شہزادہ اولاد کو مدائن بُلایا جائے تاکہ شہزادی مہر نگار کی شادی اُس سے کر دی جائے۔ بختک اپنی اِس تجویز کی کامیابی پر پُھولا نہ سمایا اُسی وقت شہزادہ اولاد کو خط لِکھا کہ فوراً مدائن پُہنچو۔ میں نے نوشیرواں کو اس بات پر راضی کر لیا ہے کہ تُمھاری شادی مہر نگار سے کر دی جائے۔

شہزادہ اولاد کے وہم و گُمان میں بھی نہ تھا کہ ایسی بات ہو سکتی ہے کیوں کہ اُس کے خاندان میں اب بادشاہت باقی نہ رہی تھی اور وہ مدائن سے بہت دُور ایک غیر آباد صوبے میں پڑا ہُوا تھا۔ وہ بختک کا خط مِلتے ہی اپنے چند دوستوں کو لے کر مدائن آ پہنچا۔ نوشیرواں نے اُس کی

بڑی آؤ بھگت کی اور اپنے محل میں ٹھہرایا۔ اگلے روز اُس نے عام اِعلان کرا دیا کہ امیر حمزہ ہندوستان میں لندھور کے ہاتھ سے مارے گئے ہیں اِس لیے اب مِہر نگار کی شادی شہزادہ اولاد مرزبان سے ہو گی۔

مدائن کے لوگوں نے جب یہ اِعلان سُنا تو اُن کے رنج اور غُصّے کی اِنتہا نہ رہی۔ امیر حمزہ کے اچھے اخلاق اور بہادری نے مدائن والوں کے دل جیت لیے تھے۔ اُن کے مارے جانے کی خبر سُنتے ہی لوگ دہاڑیں مار مار کر رونے اور سروں پر خاک ڈالنے لگے۔ اُدھر یہ خبر شہزادی مِہر نگار کے محل میں بھی پہنچی۔ شہزادی نے رو رو کر اپنا بُرا حال کر لیا۔ کنیزوں اور لونڈیوں نے اس بات کی اطلاع ملکہ مِہر انگیز کو دی۔ ملکہ نے خواجہ بزرجمہر کو بُلایا اور اُن سے سب حال کہا۔ وہ کہنے لگے۔

"اچھا، میں خُود شہزادی کے پاس جا کر اُسے سمجھاتا ہُوں۔"

خواجہ بزرجمہر جب شہزادی کے پاس گئے تو

دیکھا کہ صدمے سے اُس کا بُرا حال ہے۔ بزرجمہر نے شہزادی کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور چُپکے چُپکے اُس کو اصل قصّہ سُنایا اور کہا کہ فکر نہ کرو۔ یہ سب دُشمنوں کی شرارت ہے۔ امیر حمزہ کو گستم پہلوان نے مکّاری سے زہر دیا تھا لیکن وہ شاہ مُہرے کی وجہ سے محفُوظ رہے۔ خُدا نے چاہا تو آج سے چالیس دِن بعد وہ ایران واپس آ جائیں گے۔ اب تم رونا دھونا ختم کر کے بادشاہ سے کہو کہ چالیس دِن ٹھہر جائیں۔ اس کے بعد آپ کو اختیار ہے، جس سے چاہیں میری شادی کر دیں۔

شہزادی نے فوراً ہی نوشیرواں کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھے شہزادہ اولاد مرزبان سے شادی کرنے میں کوئی اعتراض نہیں لیکن چالیس دِن کے بعد یہ شادی ہو تو مناسب ہے۔ نوشیرواں نے شہزادی کی یہ بات منظور کر لی۔

بختک کو جب یہ خبر ملی تو اُس نے دِل میں کہا غضب ہو گیا۔ یہ شادی چالیس دن پر ٹل گئی۔ اگر اِس دوران میں امیر حمزہ مدائن آ پہنچے

تو میرے حق میں بہت بُرا ہو گا۔ کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہیے کہ شادی تو بے شک چالیس دن بعد ہو مگر شہزادہ اولاد مرزبان کسی طرح شہزادی مہرنگار کو مدائن سے اپنے ساتھ فوراً لے جائے۔

بختک بہت دیر تک دماغ لڑاتا رہا۔ آخر ایک تدبیر ذہن میں آئی۔ اولاد مرزبان کو اپنے پاس بُلایا اور کہا۔

"شہزادے، ایک راز کی بات تم سے کہتا ہوں اسے غور سے سُنو۔ امیر حمزہ کے مارے جانے کی خبر خود ہم نے اُڑائی ہے۔ حقیقت میں وہ زندہ سلامت ہے۔ ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ اُس کی شادی شہزادی مہرنگار سے ہو کیوں کہ وہ غیر قوم کا آدمی ہے اور ہمارے برابر کا نہیں ہے۔ تم ہر طرح شہزادی کے لائق ہو۔ مگر اب اُس بڈھے بزرجمہر نے شہزادی کو سکھا پڑھا کر چالیس دن کی مہلت لے لی ہے۔ بزرجمہر جانتا ہے کہ امیر حمزہ زندہ ہے اور اُسے یقین ہے کہ چالیس دن کے اندر اندر امیر حمزہ مدائن پہنچ جائے گا اور بادشاہ کو اپنے وعدے کے مطابق شہزادی کی

شادی اُس کے ساتھ کرنی پڑے گی۔"
یہ سُن کر شہزادہ اولاد مرزبان نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھا اور آنکھیں لال پیلی کر کے کہنے لگا: "امیر حمزہ کی کیا مجال کہ شہزادی سے شادی کر سکے۔ میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔"
بختک نے قہقہہ لگایا اور کہا: "شہزادے، ابھی تم نے امیر حمزہ کو دیکھا نہیں ہے۔ تبھی یہ بات مُنہ سے نکالنے کا حوصلہ ہُوا ہے۔ سچ پُوچھو تو میں بھی امیر حمزہ کی شُجاعت اور بہادری کا لوہا مانتا ہُوں۔ اُس سے مُقابلے کا خیال بھی دل میں نہ لانا ورنہ تُمھاری خیر نہیں۔ وہ تم جیسے ایک ہزار آدمیوں پر اکیلا ہی بھاری ہے۔ لڑائی بھڑائی سے اُس پر قابو پانا مُشکل ہی نہیں نا مُمکن ہے ہاں، چالاکی اور عیّاری سے کام لے کر اُسے زک پہنچائی جا سکتی ہے۔"
بختک کی زبان سے امیر حمزہ کی خُوبیاں سُن کر شہزادہ اولاد مرزبان کا کلیجہ بیٹھ گیا اور تلوار کے دستے پر رکھا ہُوا ہاتھ خُود بخُود ہٹ گیا۔ خُشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہنے لگا۔

"پھر آپ جلد مجھے کوئی تدبیر ایسی بتائیے کہ میں شہزادی مہر نگار سے شادی کر لوں اور امیر حمزہ سے مقابلہ کرنے کی نوبت نہ آئے۔"

"ہاں، اب تم نے عقل سے کام لیا ہے۔" بختک نے مسکرا کر کہا۔ "تم سیدھے نوشیرواں کی خدمت میں جاؤ اور عرض کرو کہ حضور، مجھے خدشہ ہے کہ امیر حمزہ کے حمایتی شہزادی مہر نگار کی جان لینا چاہتے ہیں۔ اگر وہ زیادہ دیر مدائن میں رہی تو دشمنوں کے ہاتھوں اسے نقصان پہنچے گا، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے فوراً میرے ساتھ رخصت کر دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ چالیس دن سے پہلے شہزادی سے شادی نہیں کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ بادشاہ تمھاری یہ درخواست قبول کر لے گا۔"

غرض بختک نے شہزادہ اولاد مرزبان کو اچھی طرح پٹی پڑھا کر نوشیرواں کے پاس بھیجا اور اس نے ایسی عاجزی اور مسکینی سے اپنی درخواست پیش کی کہ بادشاہ انکار نہ کر سکا۔ اسی وقت حکم دیا کہ شہزادی مہر نگار کے جہیز کا سامان تیار کیا

جائے۔ فوج کے بارہ ہزار جوان شہزادی کی حفاظت کے لیے ساتھ بھیجے گئے اور انھیں خوب سمجھا دیا گیا کہ چالیس دن تک شہزادہ اولاد مرزبان کو شہزادی مہر نگار کی صورت نہ دیکھنے دیں اور کوئی شخص شہزادی کی اجازت کے بغیر اس کے خیمے میں داخل نہ ہو۔ چالیس دن گزرنے کے بعد شہزادہ اولاد کو اختیار ہو گا کہ وہ شہزادی سے شادی کر لے۔

بادشاہ کے حکم کی دیر تھی، شہزادی مہر نگار کی رخصتی ہو گئی اور ایک عظیم لاؤ لشکر کے ساتھ شہزادہ اولاد مرزبان اپنے صوبے کی جانب روانہ ہوا۔ شہزادی کی حفاظت کے لیے بارہ ہزار فوجی سپاہی چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر حاضر رہتے تھے اور کسی پرندے تک کی مجال نہ تھی کہ شہزادی کے خیمے کے قریب پر بھی مار جاتا۔

ادھر شہزادی ایک ایک دن گنتی جاتی تھی۔ آخر انتالیس روز گزر گئے اور چالیسواں دن آیا۔ شہزادہ اولاد کا لشکر ایک خوش نما پہاڑ کے دامن میں اترا اور خیمے لگائے جانے لگے۔ شہزادے نے

اُدھر اپنی شادی کی خوشی میں ناچ رنگ کی محفلیں سجائیں اور اِدھر شہزادی دِل میں کہتی تھی کہ آج چالیسواں دن ہے اور بزرجمہر نے کہا تھا کہ چالیس دِن کے اندر اندر امیر حمزہ آ جائیں گے مگر افسوس کہ ایسا نہ ہُوا۔ خبر کچھ ہو۔ میں شہزادہ اولاد سے ہرگز شادی نہ کروں گی۔

عیّار نجومی

خُدا کی قُدرت دیکھیے کہ جس روز اولاد مرزبان کا لشکر پہاڑ کے دامن میں اُترا، عین اُسی روز امیر حمزہ اور لِندھور کا لشکر اِسی پہاڑ کی دُوسری جانب آیا۔ یہ ایسی حَسین اور سرسبز وادی تھی کہ امیر حمزہ یہاں چند روز ٹھہرنا چاہتے تھے۔ اُنھوں نے عادی پہلوان کو حکم دیا کہ پڑاؤ کیا جائے۔ دریا کے کِنارے امیر حمزہ نے اپنا خیمہ لگوایا اور اِدھر اُدھر گھُوم پھر کر قُدرت کے نظاروں کا تماشا کرنے لگے۔

طبیب اقلیمُوں نے عُمرو کو دیکھا کہ بے کار بیٹھا مکھیاں مارتا ہے۔ وہ اُس کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"اِس جنگل میں ایک ہرن ایسا مِلتا ہے جس کا گوشت زہر کا اثر دُور کرنے میں اکسیر ہے

اس ہرن کا رنگ سنہری ہے اور وہ اتنا تیز رفتار ہے کہ کسی کے ہاتھ نہیں آتا۔ تم جاؤ اور اس ہرن کو پکڑ کر لاؤ تاکہ میں اس کے کباب بنا کر امیر حمزہ کو کھلاؤں۔"

عمرو نے گھور کر اقلیموں کو دیکھا اور ناراض ہو کر بولا۔

"تمہیں مجھ سے خدا واسطے کا بیر ہے۔ کوئی نہ کوئی کام بتاتے ہی رہتے ہو۔ اگر امیر حمزہ کا خیال نہ ہوتا تو تمہیں اس وقت اپنی زنبیل میں بند کر کے وہیں جزیرہ ناردن پر جا کر چھوڑ آتا ——"

یہ کہہ کر اٹھا اور سنہری ہرن کی تلاش میں جنگل کی جانب روانہ ہوا۔ کچھ فاصلے پر دیکھا کہ چار ہرن گھاس میں ٹہل رہے ہیں اور ان میں ایک کا رنگ سنہری اور سورج کی دھوپ میں سونے کے پانی کی طرح چمکتا ہے۔ عمرو ان کی طرف بڑھا تو ہرن چوکڑیاں بھرتے ہوئے بھاگے۔ ایک مغرب کی طرف، دوسرا

مشرق کو، تیسرا شمال اور چوتھا جس کا رنگ سُنہری تھا، جنوب طرف بھاگ اُٹھا۔ عمرو نے بھی چوکڑیاں بھریں اور اس ہرن کے پیچھے دوڑا۔ آخر اُسے پہاڑ کے دُوسری جانب جا کر پکڑ لیا اور کندھے پر ڈال کر لے چلا۔ یکایک عمرو کی نظر اُن ہزاروں خیموں پر پڑی جو پہاڑ کے دامن میں دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ حیران ہو کر کہنے لگا، ایسا معلوم ہوتا ہے کوئی لشکر آن کر ٹھہرا ہے۔ ذرا معلوم تو کروں کہ یہ کون لوگ ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔

اُس نے سُنہری ہرن کو ایک غار میں بند کر اُس کے مُنہ پر پتھر رکھا اور خُود پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اُترا۔ ایک چھوٹے سے تالاب کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ دو آدمی فوجی وردی پہنے کھڑے ہیں۔ ایک کے ہاتھ میں سونے کا اور دُوسرے کے ہاتھ میں چاندی کا پیالہ ہے۔ عمرو نے بڑے ادب سے اُنھیں سلام کیا اور کہا۔

"جناب، آپ کون لوگ ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

اُن میں سے ایک نے عَمرو کو اُوپر سے نیچے تک غور سے دیکھا۔ پھر جواب میں کہا۔

"ہم شہنشاہ نوشیرواں کی بیٹی شہزادی مہر نگار کے غلام ہیں۔" یہ کہہ کر اُس نے امیر حمزہ کے ہندوستان جانے، لندھور کے ہاتھوں مارے جانے اور شہزادی مہر نگار کی شادی کا سارا واقعہ اُسے سُنایا۔ آخر میں کہنے لگا کہ آج چالیسواں دن ہے۔ کل مرزبان شہزادی سے شادی کرے گا۔

عَمرو یہ داستان سُن کر بدحواس ہو گیا۔ مگر خواجہ بزرجمہر کی دانائی اور دُور اندیشی پر دل ہی آفرین کہی۔ اب اُنھوں نے عَمرو سے پُوچھا کہ تُم کون ہو؟ عَمرو نے جواب دیا۔

"صاحب، میری کیا پُوچھتے ہو۔ نہایت مُفلس اور غریب آدمی ہُوں۔ ایک ہاتھ سے لُولا اور ایک پاؤں سے لنگڑا ہُوں۔ ہزاروں علاج کیے مگر کسی دوا سے فائدہ نہ ہُوا۔ آخر ایک

تجربہ کار طبیب نے یہ نسخہ بتایا ہے کہ اگر چاندی کے برتن میں پانی پیوں تو ہاتھ اچھا ہو اور سونے کے برتن میں پیوں تو پاؤں ٹھیک ہو۔ بھلا مجھ غریب کو سونے چاندی کے برتنوں میں پانی کون پلاتا۔ خدا کی قدرت ہے کہ اس وقت آپ سے ملاقات ہوئی۔ مہربانی کرو اور مجھے ان برتنوں میں پانی پینے کی اجازت دو۔ شاید میں اچھا ہو جاؤں۔"

عمرو نے اس عاجزی سے گفتگو کی کہ ان لوگوں کا دل پسیج گیا۔ پہلے شخص نے چاندی کا پیالہ عمرو کو دیا۔ اس نے چشمے میں سے پانی بھر کر پیا اور فوراً اپنا بایاں ہاتھ ہلا کر خوشی سے بولا۔

"میرا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ اب جلدی سے سونے کا پیالہ بھی مجھے دو کہ اس میں پانی پیوں۔"

دوسرے نے سونے کا پیالہ بھی عمرو کو تھما دیا۔ اس نے اس میں بھی پانی بھر کر پیا اور اپنی ایک ٹانگ کو حرکت دی۔ "آہا ۔ ۔ ۔ ۔

یہ بھی ٹھیک ہو گئی۔"

"لاؤ، میاں ہمارے پیالے ہمیں دو۔ تم ٹھیک ہو گئے۔" اُنھوں نے کہا۔ یہ سُن کر عُمرو نے چھلانگ لگائی اور دُور جا کھڑا ہُوا۔ وہ حیران ہُوئے کہ عجیب مسخرا ہے۔ عُمرو نے کہا۔ "میں اِتنا بے وقوف نہیں ہُوں کہ یہ پیالے تمھیں واپس دے دُوں۔ فرض کرو میرے ہاتھ پیر پھر بگڑ گئے تو میں سونے چاندی کے برتن کِس سے مانگتا پھروں گا۔"

وہ دونوں بُرا بھلا کہتے ہُوئے عُمرو کے پیچھے لپکے۔ مگر عُمرو اُن کے ہاتھ کہاں آتا تھا۔ دیر تک اُنھیں دوڑاتا رہا۔ آخر ہانپ ہانپ کر دونوں بے دم ہو گئے اور عُمرو اُن کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ یہ دونوں آپس میں لڑتے جھگڑتے اور ایک دُوسرے کو الزام دیتے اپنے لشکر میں واپس پہنچے۔ ایک جگہ کیا دیکھتے ہیں کہ زمین پر کپڑا بچھائے اور چند کتابیں اپنے آگے دھرے ایک نجومی بیٹھا ہے۔ بہت سے لوگ اُسے گھیرے ہُوئے

ہیں۔ نجومی ہر سوال کا جواب دیتا ہے اور ٹھیک ٹھیک باتیں بتاتا ہے۔ یہ دونوں بھی اُس کے پاس پہنچے۔ نجومی نے اُن سے سونے کی پانچ اشرفیاں لیں اور کہا۔"فرمائیے جناب کیا پُوچھنا چاہتے ہیں؟"

"نجومی تُم ہو کہ ہم؟" اُنھوں نے ناراض ہو کر کہا۔"تُم خُود بُوجھو کہ ہم کس لیے آئے ہیں؟"

نجومی نے کُچھ حساب لگایا، پھر کہا۔"آپ کی کوئی چیز کھوئی گئی ہے۔ شاید برتن ہیں۔ ایک چاندی کا۔ دُوسرا سونے کا ـــ" وہ دونوں حیرت سے ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ پھر بولے۔"ارے نجومی، آفرین ہے تیرے کمال پر۔ اچھا، یہ بتا کہ ہمارے وہ برتن ہمیں واپس مل جائیں گے؟"

نجومی نے پھر حساب لگایا اور بولا۔"میرا عِلم کہتا ہے کہ ضرور مل جائیں گے۔"

یہ سُن کر سپاہی بہت خوش ہُوئے اور سیدھے شہزادی مِہر نگار کے خیمے پر پہنچے

پہرے داروں سے کہا کہ ہمیں شہزادی سے کچھ کہنا ہے۔ شہزادی نے انھیں بُلا لیا۔ وہ سمجھی شاید امیر حمزہ کے بارے میں کوئی خبر لے کر آئے ہیں۔ لیکن انھوں نے نجومی کا ذکر کیا کہ بڑا با کمال شخص ہے۔ ممکن ہے وہ امیر حمزہ کے بارے میں کچھ بتا سکے۔

شہزادی مہر نگار نے انھیں تو رخصت کیا اور خود اس سوچ میں پڑ گئی کہ وہ نجومی کون ہے۔ یکایک خیال آیا کہ وہ عَمرو عیّار ہو گا اور اُسی نے ان بیچاروں کے برتن بھی ہتھیائے ہیں۔ یہ سوچ کر اُس نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ فوراً جاؤ اور اُس نجومی کو ہمارے پاس لے آؤ۔ حکم کی دیر تھی، نجومی حاضر ہو گیا۔

شہزادی مہر نگار نے پردے کے پیچھے سے دیکھا کہ ایک شخص جس کی ڈاڑھی مونچھیں سفید ہیں۔ لمبا سا جبّہ پہنے اور چند کتابیں بغل میں دبائے کھڑا ہے۔ وہ بھی

علمِ نجوم میں خواجہ بزرجمہر کی شاگرد تھی۔ اُسی وقت حساب لگایا تو معلوم ہُوا کہ یہ نجومی عمرو عیار کے سوا اور کوئی نہیں، شہزادی نے اُسے خیمے کے اندر بُلا لیا اور ہاتھ بڑھا کر اُس کی داڑھی کو ایسا جھٹکا دیا کہ وہ اُکھڑ کر ہاتھ میں آ گئی۔ اِس کے بعد شہزادی نے نجومی کی نقلی مونچھیں بھی اُکھاڑ ڈالیں۔ اب جو دیکھا تو عمرو کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اُس نے فوراً شہزادی کے پاؤں پر بوسہ دیا اور کہا۔

"معاف کیجیے شہزادی صاحبہ، آپ تک پہنچنے کے لیے مجھے یہ بھیس بدلنا پڑا۔

"میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ تمھارے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔" شہزادی نے ہنس کر کہا۔ "اچھا، یہ تو بتاؤ کہ امیر حمزہ کہاں ہیں؟"

"پہاڑ کی دوسری طرف اُترے ہیں۔ لندھور بھی اُن کے ساتھ ہی آیا ہے۔" عمرو نے جواب دیا۔ ابھی اتنی ہی باتیں ہوئی تھیں کہ یکایک

خیمے کے باہر گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سُنائی دی۔ عُمرو نے جلدی سے نقلی ڈاڑھی مونچھیں چہرے پر لگا لیں۔ پھر اپنی زنبیل سے سونے چاندی کے پیالے نِکال کر شہزادی کو دے دیے اور کہا۔

"یہ پیالے آپ کے غُلاموں کے ہیں۔ اُنھیں دے دیجیے۔"

اِتنے میں ایک غُلام خیمے میں داخِل ہُوا۔ جُھک کر شہزادی کو سلام کِیا اور بولا۔

"حضُور، اس نجُومی کو شہزادہ مرزبان نے طلب کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تُم جا کر شہزادے سے کہو کہ نجُومی تھوڑی دیر بعد اُن کے پاس آتا ہے۔"

شہزادی نے غُلام سے کہا اور وہ سلام کر کے اُلٹے قدموں لوٹ گیا۔

"عُمرو، ذرا ہوشیار رہنا۔ ہم نے سُنا ہے کہ یہ شخص جس کا نام شہزادہ اولاد مرزبان ہے بہُت مکّار ہے۔ کہیں تُمھیں نُقصان نہ پہنچائے۔"

"آپ فِکر نہ کیجیے۔ دیکھیے میں اُس کا کیا

حشر کرتا ہوں۔" عمرو نے کہا اور خیمے سے باہر نکل گیا۔

اولادِ مرزبان کے آدمیوں نے عمرو کو گھوڑے پر سوار کرایا اور شہزادے کے پاس لے گئے وہ ایک بڑے سے خیمے میں بڑی شان و شوکت سے بیٹھا تھا۔ عمرو نے جھک کر سلام کیا اور کہا۔

"جہاں پناہ کا اقبال بلند ہو۔ اس خادم کو کیوں یاد فرمایا ہے؟"

"اے نجومی، ہم نے تمھاری بہت تعریف سُنی ہے۔ یہ تو بتاؤ کہ شہزادی مہر نگار نے تم سے کیا پوچھا؟"

"جہاں پناہ، اُنھوں نے مجھ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا تھا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ میں نے حساب لگایا تو پتا چلا کہ وہ زندہ ہے مگر یہ بات میں نے شہزادی سے نہ کہی۔ اُن سے کہہ دیا کہ وہ شخص مر چکا ہے۔"

"خوب۔ تم نے ٹھیک کہا۔ اور کیا باتیں

ہو گئیں۔"

"حضور، میں نے شہزادی صاحبہ سے کہا ہے کہ شہزادہ اولادِ مرزبان سے فوراً شادی کر لو۔ کیونکہ یہی تمہاری قسمت میں لکھا ہے جسے بدلنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ میں نے انہیں ایسا سمجھایا کہ اب شاہزادی صاحبہ آپ سے شادی کرنے کے لیے بالکل تیار ہیں۔"

یہ سن کر شہزادہ مرزبان کی خوشی کی حد نہ رہی۔ غلاموں کو حکم دیا کہ نجومی کا منہ موتیوں سے بھر دیا جائے۔ عمرو نے شہزادے سے کہا۔

"حضور، اس خادم کے چار بیٹے ہیں اور چاروں اپنے فن میں طاق ہیں۔ ایک بیٹا فولادی گرز گھمانے میں ماہر ہے۔ دوسرا بیٹا پٹے بازی جانتا ہے۔ تیسرا ڈھول بجانے میں اُستاد ہے اور چوتھا نفیری ایسی بجاتا ہے کہ انسان تو انسان جانور تک جھومنے لگتے ہیں۔ اجازت ہو تو وہ کل آپ کی شادی کے مبارک موقع پر حاضر ہو کر اپنا اپنا

کمال دکھائیں۔

"اجازت ہے۔" اولاد مرزبان نے کہا۔

عمرو اُسے دُعائیں دیتا ہُوا خیمے سے باہر نکلا اور پہاڑ کی طرف چلا۔ غار میں سُنہری ہرن بند تھا۔ وہاں سے ہرن کو پکڑ کر اپنے لشکر میں آیا۔ ہرن کو اقلیموں کے حوالے کیا۔ پھر سیدھا مُقبل وفادار کے پاس پُہنچا اور اُس سے کہا عادی پہلوان سے کہو کہ فوراً لندھور کے خیمے میں پہنچے۔ میں بھی وہیں جا رہا ہُوں۔ تُم بھی عادی کو لے کر وہاں آؤ۔ ایک ضرُوری مشورہ کرنا ہے۔"

عمرو جب لندھور کے پاس گیا تو وہ کھانا کھا رہا تھا۔ عمرو کو آتے دیکھا تو خُوش ہو کر بولا "خُوب آئے۔ میں تمُھیں بلوانے ہی والا تھا۔ تمُھارا گانا سُنے بُہت دن ہو گئے ہیں۔ آج سُنے بغیر نہ جانے دُوں گا۔"

"جناب، آپ کو گانے کی سُوجھی ہے اور یہاں امیر حمزہ کی جان خطرے میں پڑی ہے۔"

عمرو نے منہ بنا کر کہا۔

یہ سنتے ہی لندھور کھانا پینا بھول گیا اور حیرت سے کہنے لگا۔

"کیا کہتے ہو؟ امیر حمزہ کی جان کو کس سے خطرہ ہے؟ فوراً مجھے بتاؤ تاکہ ابھی جا کر اُس کو تہس نہس کروں۔"

تب عمرو نے شہزادی مہر نگار اور شہزادہ اولاد مرزبان کی شادی کا سارا قصّہ لندھور کو کہہ سنایا۔

اب تو لندھور میں صبر کی تاب نہ رہی۔ اپنا فولادی گرز اُٹھا کر لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گیا مگر عمرو نے سمجھایا کہ اس وقت جانا ٹھیک نہیں ہے۔ کل صبح چلیں گے۔ اتنے میں عادی پہلوان اور مُقبل وفادار بھی آ پہنچے۔ عمرو نے انھیں بھی تمام حالات سے باخبر کیا۔ عادی پہلوان دل میں خوش ہوا کہ کل شہزادہ مرزبان کی شادی ہو رہی ہے۔ اُس نے طرح طرح کے کھانے پکائے ہوں گے۔ لندھور اور مُقبل تو لڑنے بھڑنے میں

لگے رہیں گے اور میں دیگوں کا صفایا کروں گا۔
اگلے روز صبح سویرے لندھور نے گُرز سنبھالا، عادی پہلوان نے گلے میں بڑا سا ڈھول ڈالا۔ مُقبل وفادار نے نفیری لی اور خود عُمرو ایک خُوب صُورت نوجوان کی شکل بن کر پٹا ہلانے لگا۔ اُس نے لندھور کو اچھّی طرح سمجھا دیا کہ شہزادہ مرزبان کو زندہ پکڑنا ہے۔
جب یہ چاروں شہزادے کے لشکر میں آئے تو وہاں شادی کا ہنگامہ برپا تھا۔ ایک عظیمُ الشان خیمے کے اندر شہزادہ مرزبان دُولہا بنا بیٹھا تھا۔ اُس نے جب نجومی کے چاروں بیٹوں کے آنے کا حال سُنا تو فوراً اپنے حضُور میں طلب کیا۔ عُمرو نے پٹے بازی کے کمالات دِکھائے۔ پھر عادی نے ڈھول بجایا اور مُقبل وفادار نے نفیری۔ آخر میں لندھور نے اپنا فولادی گُرز گھمانا شروع کیا۔ اُس کی آواز ایسی تھی کہ خیمہ کانپنے لگا اور لوگ دہشت زدہ ہو کر چیخنے چلّانے

لگے۔ شہزادہ اولاد مرزبان کی بھی گھگھی بندھ گئی۔ اُس نے اِشارے سے کہا کہ گرز گھمانا بند کرو۔ مگر اُسی وقت لندھور نے خیمے کی بلّیوں اور بانسوں پر گرز دے مارا اور خیمہ دھڑام سے گر گیا۔ اِس کے بعد لندھور نے ایک زبردست نعرہ مارا اور کہا۔

"جو مجھ کو جانتا ہے وہ بھی سُن لے اور جو نہیں جانتا وہ بھی جان لے کہ میرا نام لندھور ہے اور میں ہندوستان کا بادشاہ ہوں۔"

یہ سُننا تھا کہ شہزادہ مرزبان کے تمام ساتھی بھاگ نکلے اور کسی نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا کہ باقی بد نصیبوں پر کیا گزری۔ شہزادی مہر نگار کی حفاظت کرنے والے بارہ ہزار سپاہیوں کو عمرو نے روک دیا اور کہا کہ ہم امیر حمزہ کی طرف سے آئے ہیں۔ وہ زندہ سلامت ہیں۔ یہ سُن کر وہ سپاہی بھی مرزبان کی فوج پر پل پڑے اور مار مار کر اُن کا بُرا حال کر دیا۔

عادی پہلوان کا خیال ٹھیک نکلا۔ بہت سے باورچی ایک طرف قورمے اور پلاؤ کی دیگیں پکا رہے تھے۔ عادی نے سب کو بھگایا اور کھانے کے لیے بیٹھنے ہی والا تھا کہ اُس نے شہزادہ مرزبان کو ایک طرف چھپتے ہوئے دیکھ لیا۔ اُسی وقت اپنا ڈھول اُس کے سر اِس زور سے مارا کہ ڈھول کی جھلی پھٹ گئی اور شہزادہ ڈھول میں بند ہو گیا۔ عادی نے اِس ڈھول کو اپنے گھٹنے تلے دبایا اور پلاؤ پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔

اُدھر عمرو عیار کو شہزادہ کی تلاش تھی۔ لیکن اُس کا کہیں پتا نہ ملتا تھا۔ وہ اُسے ڈھونڈتا ڈھونڈتا عادی کی طرف آیا۔ وہ اطمینان سے پلاؤ کھا رہا تھا۔ اور چبائی ہوئی ہڈیوں کا ایک اُونچا ڈھیر اُس کے آگے لگ گیا تھا۔ عمرو کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اُس نے کہا۔

"ہم تو اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں اور تجھے پیٹ کا دوزخ بھرنے کے سوا اور

کوئی کام نہیں۔ کیا پہلوان ایسے ہی بُزدل ہوتے ہیں؟"

"اچھا، اچھا سُن لیا۔" عادی نے کہا۔ "آخر تُم چاہتے کیا ہو؟"

"چاہتا ہُوں اپنا سر۔" عمرو نے جل کر ایک دوہتڑ عادی کے سر پر مارا اور کہا۔ "اتنی دیر سے اولاد مرزبان کو تلاش کر رہا ہُوں مگر اُس کا کہیں پتا نہیں۔ معلوم ہوتا ہے آنکھوں میں دُھول جھونک کر بھاگ گیا۔"

یہ سُن کر عادی ہنسا اور ایک بڑی سی بھُنی ہُوئی ران چباتے ہُوئے بولا۔

"اِس ڈھول کے اندر جھانک کر دیکھو۔ شاید اولاد مرزبان کا پتا ملے۔"

عمرو نے ڈھول میں جھانکا تو اولاد مرزبان چُوہے کی طرح دُبکا بیٹھا تھا۔ گردن سے پکڑ کر باہر نکالا اور اُسی وقت رسّیوں سے جکڑ دیا۔ پھر عمرو نے شہزادی مہر نگار کو خوش خبری دی کہ مرزبان پکڑا گیا ہے۔

اِس کام سے فارغ ہو کر عَمرو امیر حمزہ کے پاس گیا۔ اُنھیں اب تک کچھ خبر نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔ عَمرو نے سارا قِصّہ سُنایا تو امیر نے خُوش ہو کر اُس کو گلے لگا لیا اور کہا کہ تُم نے دوستی کا حق ادا کر دیا۔ پھر اُنھوں نے سلطان بخت مغربی کو بُلایا اور حُکم دیا۔ "شہزادی مہر نِگار کو عزّت کے ساتھ نوشیرواں کے پاس لے جاؤ۔ اولاد مرزبان کو بھی لیتے جانا۔ بادشاہ اِس کے لیے جو مناسب سمجھے گا، کرے گا۔ ہماری طرف سے سلام کے بعد کہنا کہ ہم زندہ سلامت ہیں۔ دُشمنوں نے پہلے ہمیں زہر دِیا لیکن ہم بچ گئے۔ پھر دُشمنوں نے ہمارے مرنے کی جھُوٹی خبر اُڑا دی۔ ہم ہندوستان کے بادشاہ لِندھور کو بھی اپنے ساتھ لاتے ہیں اور چند روز تک مدائن پہُنچ جائیں گے۔"

جب سُلطان بخت مغربی چلا گیا تو عَمرو

نے حیرت سے کہا۔ "کیا آپ شہزادی مہر نگار
سے نہیں ملیں گے؟"
"نہیں" امیر حمزہ نے جواب دیا۔ "تم دیکھتے
ہو کہ جب سے ہمیں زہر دیا گیا ہے
پہلے جیسی حالت نہیں رہی۔ اب ہم ہڈیوں
کا ڈھانچا نظر آتے ہیں۔ مہر نگار ہمیں اس
حالت میں دیکھے گی تو اُسے رنج پہنچے گا۔
اُمید ہے مدائن پہنچتے پہنچتے ہماری صحت
درست ہو جائے گی۔ تب ہم مہر نگار کے
سامنے جائیں گے۔ تم اب مہر نگار کے
پاس جاؤ اور اُسے تسلی دو ۔۔ بلکہ بہتر یہی
ہے کہ سُلطان مغربی کے ساتھ تُم بھی مدائن
چلے جاؤ۔"
اقلیمُوں نے جب یہ سُنا کہ عمرو بھی مدائن
جا رہا ہے تو وہ فوراً اُس کے پاس
آیا۔ عمرو نے اُسے دیکھتے ہی آنکھیں نکالیں
اور بگڑ کر کہا۔ "آئیے، تشریف لائیے ۔۔۔
ضرور کوئی کام میرے سر پر لادنے کے لیے
آئے ہوں گے۔"

"ہاں کام تو ہے اور وہ یہ کہ نوشیرواں کے خزانے میں ایک خاص دوا موجود ہے اُسے انوش دارُو کہتے ہیں۔ اگر تم کسی طرح تین تولے انوش دارُو حاصل کر لو تو بہت اچھا ہو۔ اُس کے استعمال سے امیر حمزہ کی کھوئی ہوئی صحت جلد واپس آ جائے گی۔"

"آخر آپ طبیب کس بات کے ہیں"۔ عمرو نے جھنجلا کر کہا۔ "مانگے تانگے کی دواؤں سے تو آپ علاج کرتے ہیں۔ آج انوش دارُو کی فرمائش ہوئی ہے، کل کسی اور دوا کا نام بتا دیں گے۔ پرسوں کوئی اور دوا ــــ کیا آپ نے مجھے گھن چکر سمجھا ہے؟"

عمرو کی باتیں سن کر امیر حمزہ اور لندھور خوب ہنسے اور اقلیموں بے چارہ شرمندہ ہوا۔ مُتبل وفادار نے اقلیموں سے کہا۔ "آپ عمرو کی بکواس پر رنجیدہ نہ ہوں۔ یہ انوش دارُو ضرور لائے گا۔"

بہرام آتا ہے

سلطان بخت مغربی جب شہزادی مہر نگار اور اولاد مرزبان کو لے کر مدائن کے قریب پہنچا تو نوشیرواں خود اُس کے استقبال کو آیا اور بیٹی کو گلے لگایا۔ مگر جب امیر حمزہ کا پیغام سُنا تو دِل میں سخت خوف زدہ ہُوا اور اولاد مرزبان کی طرف حقارت کی نظر سے دیکھ کر کہنے لگا۔

"تم نے اپنے دادا شہنشاہ کیکاؤس کا نام بدنام کیا۔ ذرا غیرت مند ہوتے تو اِس حال میں میرے سامنے آنے کے بجائے وہیں کٹ مرے ہوتے۔ اب بہتر یہی ہے کہ میری نظروں کے سامنے سے دُور ہو جاؤ اور پھر کبھی مجھے اپنی منحوس شکل نہ دکھانا۔"

اِدھر تو یہ گفتگو ہو رہی تھی اور اُدھر

عمرو عیّار نے ایک بڈّھے دیہاتی کسان کا بھیس بدلا اور شہر مدائن میں داخل ہو کر سیدھا ایک قصائی کی دکان پر پہنچا۔ اس نے دو کھوٹے سکّے اس کے آگے پھینکے اور کہا۔ "مجھے الوش دارو چاہیے۔"

قصائی حیرت سے عمرو کو دیکھنے لگا۔ اس نے کبھی الوش دارو کا نام بھی نہ سنا تھا۔ اور پھر کھوٹے پیسے دیکھ کر سمجھا کہ کوئی پاگل ہے۔ اس نے پیسے اٹھا کر عمرو کے ہاتھ پر رکھے اور کہا۔ "بڑے میاں، الوش دارو میرے پاس نہیں ہے۔ کسی اور دکان پر جاؤ۔"

عمرو وہاں سے بنیے کی دکان پر گیا۔ اس نے بھی یہی جواب دیا۔ پھر ایک کنجڑے کے پاس پہنچا۔ اس نے بھی ٹال دیا۔ غرض یہ کہ شہر بھر میں پھرا یہاں تک کہ گلی کوچوں کے شریر بچے تالیاں پیٹتے ہوئے اس کے پیچھے لگ گئے۔ جدھر جاتا ، یہی آواز آتی۔

"بڑے میاں، انوش دارُو... بڑے میاں... انوش دارُو....."

اب تو عُمرو واقعی پاگل ہو گیا۔ جو شخص بھی اُسے انوش دارو کا نام لے کر چھیڑتا اُس کے پیچھے دوڑتا۔ دل ہی دِل میں اقلیموں کو بھی کوستا جاتا تھا کہ یہ سب اُسی کا کیا دھرا ہے۔ بدلہ نہ لیا تو میرا نام بھی عُمرو نہیں۔

وہ اِسی طرح مدائن کے گلی کوچوں میں گھوم رہا تھا کہ کسی نیک دِل شخص نے اُس کے کان میں کہا۔"بڑے میاں، انوش دارُو بڑی قیمتی دوا ہے اور صِرف بادشاہ کے ہاں سے مِلے گی۔ اُس کے محل کے باہر ایک زنجیر لٹک رہی ہے جا کر اُسے ہِلاؤ۔ بادشاہ فوراً تمھیں بُلائے گا۔ اُس سے درخواست کرنا۔ اُمّید ہے تمھیں انوش دارو مِل جائے گی۔"

عُمرو نے محل میں جا کر اِس زور سے زنجیر کو جھٹکا دِیا کہ ایک زلزلہ سا آیا۔ نوشیرواں اور اُس کے درباری گھبرا کر باہر

نکلے۔ دیکھا کہ ایک بڈھا دیہاتی کھڑا ہے۔
نوشیرواں نے کہا۔
"کیا بات ہے؟..... تم پر کس نے ظلم
کیا؟"
عمرو نے جھٹ وہ کھوٹے سکے بادشاہ کے
آگے پھینکے اور بولا۔"بادشاہ سلامت، یہ پیسے
سنبھالیے اور مجھے تین تولے انوش دارو دلوائیے
میرے بیٹے کو سانپ نے کاٹ لیا ہے۔
طبیب کہتا ہے کہ اس کا علاج صرف
انوش دارو سے ہو گا۔ میں نے شہر میں
سب دکانیں دیکھ ڈالیں۔ کسی نے انوش دارو
نہیں دیا۔ اب آپ کے پاس آیا ہوں۔"
یہ سن کر نوشیرواں اور اس کے درباری
بے اختیار ہنس پڑے۔ ایک وزیر نے وہ
کھوٹے سکے اٹھا کر عمرو کو دیے اور کہا
"بادشاہ سلامت، تمہیں مفت انوش دارو دیں گے
یہ پیسے اپنے پاس رکھو۔"
"نہیں جناب، میں غریب ضرور ہوں، مگر
مفت خورہ نہیں ہوں۔" عمرو نے سر ہلا کر

کہا۔" یہ پیسے تو آپ کو رکھنے ہی پڑیں گے۔"
نوشیرواں ہنسا، کہنے لگا۔"ہمارے ملک میں کیسے سادہ دل آدمی بستے ہیں۔ اِس بیچارے کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ کھوٹے سکے میرے کس کام کے ہیں۔ لیکن ہم اُس کی خودداری کو ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتے۔ اس لیے یہ سکے رکھے لیتے ہیں۔"

اس کے بعد نوشیرواں نے خواجہ بزرجمہر سے کہا:"آپ اِس کسان کو ہمارے خزانے میں لے جائیے اور تین تولے انوش دارُو دے دیجیے۔"

خواجہ بزرجمہر کسان کو خزانے میں لے گئے۔ سونے کے بنے ہوئے ایک ڈبّے کو کھول کر اُس میں چھ تولے انوش دارُو نکالی۔ تین تولے کسان کو دی اور تین تولے اپنی جیب میں رکھی۔ دراصل وہ عِلم نجوم سے معلوم کر چکے تھے کہ عَمرو کسی دن انوش دارُو لینے آئے گا۔ لیکن عَمرو جب کسان کے بھیس میں آیا تو بزرجمہر اُسے پہچان نہ سکے۔

صندوق بند کر کے بزرجمہر چلنے لگے تو کسان نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔

"وزیر ہو کر چوری کرتے ہو۔ یہ انوش دارُو جو تُم نے اپنی جیب میں رکھی ہے، فوراً میرے حوالے کر دو۔ ورنہ ابھی جا کر بادشاہ سے کہتا ہوں۔"

بزرجمہر کا خُون خُشک ہو گیا۔ اُسی وقت انوش دارُو نکال کر عمرو کے حوالے کر دی۔ اور دربار میں آئے۔ اِدھر بختک کے دِل میں کُھد بُد ہو رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ بزرجمہر نے امیر حمزہ کی خاطر انوش دارُو ضرور نکالی ہو گی۔ اُس نے نوشیرواں کے کان میں کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ خواجہ بزرجمہر نے انوش دارُو زیادہ مقدار میں نکالی ہے۔ کُچھ کسان کو دی ہو گی اور باقی اپنے پاس چُھپا لی ہو گی۔"

"یہ سُن کر نوشیرواں کو غُصّہ آ یا۔ حُکم دیا کہ بزرجمہر کی تلاشی لی جائے۔ بختک نے

تلاشی لی مگر انگوٹھی برآمد ہوتی تو ملتی۔ تب بادشاہ بختک پر ناراض ہوا اور جلاد کو بُلا کر حکم دیا کہ اس نابکار کو دس کوڑے لگاؤ۔ اس نے بزرجمہر پر چوری کی تہمت لگائی ہے۔ اِدھر تو بختک پر کوڑے برس رہے تھے اور اُدھر خواجہ بزرجمہر دِل ہی دِل عمرو کی عقلمندی پر عش عش کر رہے تھے۔ اب وہ سمجھ چکے تھے کہ کسان کے بھیس میں عمرو عیار ہی آیا تھا۔

اب ہم خاقانِ چین بہرام کا کچھ حال بیان کرتے ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ امیر حمزہ جب تین جہاز لے کر ایران سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے تھے تو سمندر میں طوفان آ گیا تھا اور بہرام کا جہاز غائب ہو گیا تھا۔ چھ مہینے تک یہ جہاز سمندر کی لہروں پر بھٹکتا رہا۔ اس عرصے میں بہت سے سپاہی مر گئے اور جو باقی بچے اُن کی حالت بہت خراب تھی۔ بھوک اور

پیاس کے مارے ہڈیاں نکل آئی تھیں اور کپڑے پھٹ کر تار تار ہو چکے تھے۔

چھ مہینے بعد اُن کا جہاز خود بخود خشکی پر آن کر رُکا۔ معلوم ہوا کہ یہ ہندھ کی کوئی بندرگاہ ہے۔ بہرام اپنے آدمیوں کو لے کر جب شہر میں داخل ہوا تو لوگوں نے بڑی آؤ بھگت کی اور ان مصیبت زدہ سپاہیوں کو کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے مہیا کیے۔ چند روز کے اندر اندر ان لوگوں کے تن بدن میں جان آ گئی۔

اب بہرام یہاں سے چل کر ایک اور شہر میں پہنچا۔ اس شہر میں برگد کا ایک بہت پرانا اور گھنا درخت تھا۔ اس درخت کے نیچے لکڑی کی چوکی پر بہت بڑی کمان اور ہزار اشرفیوں کی تھیلی رکھی تھی۔ بہرام نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کمان اور اشرفیوں کی تھیلی کس لیے رکھی ہے تو ایک شخص نے بتایا کہ اس شہر کے حاکم کا نام سرکش ہندی ہے اور اس کا بھائی کوہ لخت

ہندی بڑا زبردست پہلوان ہے۔ یہ کمان اُسی نے رکھی ہے اور چیلنج دیا ہے کہ جو شخص اِس کمان کو کھینچے، ہزار اشرفیوں کی تھیلی یہاں سے اُٹھا لے۔

بہرام نے ہنس کر کہا۔" ایسی ایک کمان کیا، میں دس کمانیں کھینچ سکتا ہوں:

یہ کہہ کر اُس نے کمان اُٹھا لی اور اِس زور سے کھینچی کہ وہ دوہری ہو گئی۔تماشائیوں کے ٹھٹ لگ گئے اور ہر شخص نے بہرام کی طاقت دیکھ کر دانتوں میں اُنگلی دبا لی۔ کسی آدمی نے سرکش ہندی کو بھی خبر پہنچائی کہ ایک اجنبی شخص شہر میں آیا ہے اور اُس نے اپنے زورِ بازو سے کوہ لخت ہندی کی کمان دوہری کر دی ہے۔ سرکش ہندی یہ سُن کر حیران ہُوا۔ فوراً اپنے سپاہیوں کا ایک دستہ روانہ کیا اور اُنھیں ہدایت کی کہ جس آدمی نے کمان موڑی ہے اُسے عزت کے ساتھ میرے پاس لے آؤ۔

سپاہی بہرام کو اپنے ساتھ لے گئے۔سرکش ہندی

نے اپنے تخت سے اُٹھ کر اس کا اِستقبال کیا اور پُوچھا۔"کیوں صاحب یہ کمان آپ ہی نے کھینچی تھی؟"

"جی ہاں۔" بہرام نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے سامنے اِس کمان کو کھینچ کر دِکھائیں"

"ابھی لیجیے۔" یہ کہہ کر بہرام نے کمان دوبارہ ہاتھ میں لی اور اِس مرتبہ ایسی طاقت سے کھینچی کہ اُس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

"اے نوجوان آفرین ہے تجھ پر" سرکش ہندی نے خُوش ہو کر کہا۔ پھر حُکم دیا کہ بہرام کے لیے ایک کُرسی لائی جائے۔ مگر بہرام اُس کے برابر ہی رکھی ہوئی ایک خُوش نما فولادی کُرسی پر بیٹھ گیا۔ اچانک ایک دیو جیسا شخص شیر کی کھال اوڑھے اور چمکتا ہُوا خنجر ہاتھ میں لیے بہرام کی طرف جھپٹا اور گرج کر بولا۔

"تُو نے میری کمان توڑی اور اب تیری یہ مجال کہ میری کُرسی پر بیٹھے"

یہ کوہ لخت ہندی تھا۔ بہرام نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اِس زور سے بل دیا کہ اُس کی چیخیں نکل گئیں اور خنجر ہاتھ سے چھُوٹ کر دُور جا گرا۔ اب بہرام نے اُس کی کمر پکڑی اور نعرہ مار کر ہاتھوں پر اُٹھایا، سَر سے اُونچا کیا اور سامنے دیوار پر دے مارا۔ یہ چوٹ ایسی تھی کہ کوہ لخت برداشت نہ کر سکا اور ایک بھیانک چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ اُس کے مُنہ اور پھٹے ہُوئے سر سے خُون بہہ رہا تھا۔

یہ دیکھ کر سب لوگ دہشت سے کانپنے لگے۔ بہرام نے بُلند آواز سے کہا۔

"کوئی اور صاحب اگر اپنی طاقت آزمانا چاہیں تو آگے آ جائیں"

مگر کِسی کو آگے بڑھنے کی جُرأت نہ ہوئی۔ بہرام پھر آ کر کُرسی پر بیٹھ گیا۔ اب سرکش ہندی نے غلاموں کو حُکم دیا کہ مہمان کے لیے کھانا لایا جائے۔ غرض دیر

تک بہرام اور اُس کے ساتھیوں کی تواضع ہوتی رہی۔ آخر سرکش ہندی نے بہرام سے کہا۔

"کیا میں پُوچھ سکتا ہُوں کہ جناب کا نام کیا ہے اور آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

"میرا نام بہرام ہے اور میں چین کا بادشاہ ہُوں۔" یہ کہہ کر بہرام نے سمندر میں سفر کرنے اور امیر حمزہ سے الگ ہونے کا سارا قصّہ سُنایا۔ سرکش ہندی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگا۔

"افسوس ہے کہ آپ بہت دیر سے آئے ورنہ حمزہ یُوں اپنی جان سے ہاتھ نہ دھوتا۔ کئی روز ہُوئے ایک شخص گستم پہلوان اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ یہاں آیا تھا لیکن میں نے اُسے شہر میں گھسنے کی اِجازت نہ دی۔ اُسی کی زبانی میں نے سُنا کہ لِندھور نے امیر حمزہ کو ہلاک کیا اور پھر گستم نے کسی طرح لِندھور کو بھی مار ڈالا اور ان دونوں کے سر

کاٹ کر نوشیرواں کے پاس بھیج دیے۔"

بہرام نے امیر حمزہ کے مارے جانے کی خبر سُنی تو بے اختیار رویا اور اپنا گریبان چاک کر ڈالا۔ پھر جوش میں آ کر اُٹھ کھڑا ہُوا اور تلوار نیام سے نکال کر بولا۔

"قسم ہے مجھ کو پیدا کرنے والے کی کہ جب تک امیر حمزہ کے قتل کا بدلہ نہ لے لُوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا۔ میرے پاس ابھی کئی ہزار سپاہی ہیں۔ ان کو لے کر اِسی دم مدائن جاتا ہُوں اور نوشیرواں کی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجاتا ہُوں۔"

سرکش ہندی نے بہرام کی ہر طرح مدد کی اور اُس کی فوج کے لیے ضروری ہتھیار اور سامان مہیا کیا۔ بہرام اپنے جہاز پر سوار ہُوا اور تیز رفتاری سے ایران کی طرف چلا۔ دو ماہ بعد ایک جزیرے پر پہنچ کر لنگر انداز ہُوا۔ اُدھر جاسُوسوں نے نوشیرواں کو خبر پہنچائی کہ بہرام آپ سے جنگ کرنے آتا ہے۔ نوشیرواں نے گستہم کے بیٹے اشک کو دس ہزار سپاہی

دے کر لڑنے بھیجا۔ لڑائی سے پہلے اشک نے ایک خط بہرام کو بھیجا جس میں لکھا کہ امیر حمزہ زندہ سلامت ہیں۔ انھیں کسی نے قتل نہیں کیا۔ تم جنگ سے باز آؤ اور چل کر نوشیرواں کی اطاعت کرو۔

بہرام نے جواب میں لکھا کہ میں تم لوگوں کے دھوکے اور فریب سے اچھی طرح واقف ہوں۔ مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو اور اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

یہ جواب ملا تو اشک کو غصّہ آیا۔ اسی وقت بہرام پر حملہ کر دیا۔ مگر بہرام کی فوج کے سامنے اشک کے سپاہی جم نہ سکے اور گاجر مُولی کی طرح کٹنے لگے۔ آخر اشک نے خود میدان میں آ کر بہرام کو مقابلے کے لیے للکارا۔ بہرام مست ہاتھی کی مانند جھومتا ہُوا سامنے آیا۔ اشک نے نیزہ بلند کر کے بہرام کے سینے میں مارنا چاہا مگر بہرام نے وہی نیزہ چھین کر اس زور سے اُس کی چھاتی میں مارا کہ سینہ توڑتا ہُوا پیٹھ سے

نکل گیا۔ اشک گھوڑے سے نیچے گرا اور اُسی وقت دم توڑ دیا۔

سپاہیوں نے جب اپنے سپہ سالار کو مرتے دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن بہرام کی فوج نے اُن کا پیچھا کیا اور اس بُری طرح قتلِ عام کیا کہ دس ہزار میں سے صرف پانچ سو سپاہی جانیں بچا کر مدائن پہنچ سکے۔

اِدھر بہرام نے ایران کے چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبوں میں تباہی مچا دی۔ بستیوں اور شہروں کو جلاتا اور لوگوں کو بے دریغ قتل کرتا ہوا مدائن تک آ پہنچا۔ نوشیرواں نے مجبور ہو کر قلعے میں پناہ لی۔ مگر بہرام نے قلعہ چاروں طرف سے گھیر لیا۔ نوشیرواں نے کئی بار قاصد بھیجے اور بہرام کو سمجھایا کہ اپنی حرکت سے باز آ جا، امیر حمزہ زندہ ہیں اور مدائن آنے والے ہیں، لیکن بہرام نے ایک نہ سُنی۔ اُس نے نوشیرواں کو پیغام بھجوایا کہ اپنی جان کی خیر چاہتا ہے تو اپنے آپ کو فوراً ہمارے حوالے کر دے

ورنہ مدائن کو ایسا تہس نہس کروں گا کہ دُنیا ہمیشہ یاد رکھے گی۔

اب تو نوشیرواں بہت گھبرایا۔ وہ اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ صحرا کی جانب سے گرد کا ایک بادل اُٹھا۔ پھر اُس گرد میں سے عَلَمِ اژدہا پیکر نمودار ہُوا اور طبلِ سکندری بجنے کی آواز آئی۔ نوشیرواں کی جان میں جان آئی۔ خُوش ہُوا کہ امیر حمزہ کا لشکر آ پہنچا۔

اِدھر بہرام کو بھی پتا چل گیا کہ امیر حمزہ آتے ہیں۔ بے اختیار اُن کی طرف دوڑا اور جاتے ہی اُن کے گھوڑے کی رکاب کو بوسہ دیا۔ امیر حمزہ گھوڑے سے اُترے اور بہرام کو سینے سے لگایا۔ پھر لندھور سے بہرام کی مُلاقات کرائی۔ ابھی یہ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ نوشیرواں کی جانب سے دو سوار یہ پیغام لے کر آئے کہ ہم آپ کو خُوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ اپنا لشکر وہیں ٹھہرائیں۔ ہم خُود قلعے سے باہر

آ کر استقبال کریں گے۔

تھوڑی دیر بعد قلعے کا بڑا دروازہ کھلا اور نوشیرواں بڑی شان و شوکت سے اپنے وزیروں، درباریوں، پہلوانوں اور فوجی سرداروں کے جھرمٹ میں نمودار ہوا۔ اِدھر سے امیر حمزہ بھی چلے اور دوڑ کر نوشیرواں کے ہاتھ چومے۔ بادشاہ نے امیر حمزہ کو دعائیں دے کر گلے لگایا۔ بہرام نے اُس وقت نوشیرواں سے اپنے قصور کی معافی مانگی اور بادشاہ نے اُسے معاف کر دیا۔

آخر میں بادشاہ نے امیر حمزہ سے کہا۔ "تم ابھی اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر ہی قیام کرو۔ مدائن والے تمہارے استقبال کے لیے شہر کو سجانے میں مصروف ہیں۔ جب اُن کی سجاوٹ مکمل ہو جائے گی تب تمہیں شہر میں آنے کی اجازت ملے گی۔"

"جو حضور کا حکم۔" امیر حمزہ نے کہا اور بادشاہ کو رخصت کر کے واپس آئے۔

نوشیرواں کے ساتھ بختک بھی آیا تھا۔ اُس نے

جب امیر حمزہ کی شان و شوکت، لندھور کی قوت اور بہرام کی بہادری دیکھی تو دل میں بے حد خوف زدہ ہُوا اور حسد کی آگ اُس کے سینے میں تیزی سے بھڑکنے لگی۔ سوچنے لگا کہ نوشیرواں کو امیر حمزہ کے خلاف بھڑکانے کی کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ آخر شیطان نے ایک راہ بتائی اور بختک خوشی سے اُچھل پڑا۔

آدھی رات کا وقت تھا کہ بختک نوشیرواں کے محل میں پہنچا۔ پہرے داروں سے کہا کہ مجھے فوراً بادشاہ کی خدمت میں لے چلو۔ ایک ضروری بات کہنی ہے۔ پہرے دار اُسے نوشیرواں کی خواب گاہ میں لے گئے۔ بادشاہ نیند سے بیدار ہُوا۔ دیکھا کہ بختک ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ اُس نے گھبرا کر پوچھا۔

"خیر تو ہے؛ اِس وقت کیسے آئے؟"

"جہاں پناہ، خیر ہی تو نہیں ہے۔ اِسی لیے غلام کو حاضر ہونا پڑا۔ اِس تکلیف کے لیے معافی چاہتا ہوں۔"

جلد کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"حضور، آپ امیر حمزہ کی جانب سے غافل نہ ہوں۔ پہلے وہ اکیلا تھا اب لندھور اور شاہ بہرام جیسے طاقت ور اور بہادر بادشاہ بھی اس کے ساتھ ہیں۔ امیر حمزہ انھیں ایران میں لے آیا ہے اور ان کے ساتھ زبردست فوجی طاقت بھی ہے۔ حضور، میرے منہ میں خاک۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ آپ کے خلاف سازش کریں اور تخت چھین لیں۔ اسی فکر کی وجہ سے میں گھلا جاتا ہوں۔"

بختک کی ان باتوں نے نوشیرواں کی نیند غائب کر دی۔ وہ اتنا بد حواس ہوا کہ اس کے منہ سے دیر تک کوئی لفظ نہ نکل سکا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بختک کی طرف دیکھنے لگا۔ نوشیرواں کی حالت خراب ہوتے دیکھ کر بختک دل میں خوش ہوا۔ پھر کہنے لگا۔

"جہاں پناہ، غلام کا جو فرض تھا وہ اس نے ادا کر دیا۔ اب اجازت چاہتا ہوں۔"

"ٹھہرو۔ ہم نے تمہاری بات پر غور کیا۔۔۔
بے شک سچ کہتے ہو۔ امیر حمزہ، بہرام
اور لندھور سے کچھ دور نہیں کہ ہمارا
تاج اور تخت چھین لیں۔ اب سوال یہ
ہے کہ ان سے کیونکر چھٹکارا حاصل کیا
جائے۔ تمہارے ذہن میں کوئی تدبیر آتی ہے؟"
"حضور! تدبیر یہی ہے کہ ان تینوں کو ایک
ایک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا
جائے۔" بختک نے کہا۔ "صبح حمزہ آپ کے
دربار میں آئے گا۔ اُس سے کہیے کہ ہم
نے تجھے ہندوستان اس لیے بھیجا تھا کہ
لندھور کا سر کاٹ کر لائے۔ مگر تُو نے
ہمارے حکم کی تعمیل نہ کی اور لندھور کا
سر لانے کے بجائے تُو اُسی کو لے کر
یہاں آ گیا۔ اب ہماری خوشی اسی میں
ہے کہ لندھور کا سر کاٹ کر حاضر کیا
جائے۔"

نوشیرواں یہ تدبیر سُن کر خوش ہوا۔ کہنے
لگا۔ "ہاں یہ بات کچھ دل کو لگتی ہے مگر حمزہ

سے ہم خود نہیں کہیں گے۔ ہماری طرف سے
تم کہنا۔ اب جاؤ۔"
بختک اپنی مکاری پر خوش ہو کر بغلیں
بجاتا ہوا واپس آیا۔
اگلے روز جب نوشیرواں دربار میں آیا تو
دیکھا کہ امیر حمزہ پہلے ہی سے موجود ہیں۔
اُنھوں نے بادشاہ کو سلام کیا مگر بادشاہ
نے جواب نہ دیا اور مُنہ پھیر لیا۔ یہ دیکھ
کر امیر حمزہ حیران ہوئے اور سوچنے لگے
یہ کیا مُعاملہ ہے۔ بادشاہ ایکا ایکی مُجھ
سے ناراض کیوں ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ کسی نے میرے خلاف اِس کے کان
بھرے ہیں۔
دربار کی کارروائی شروع ہوئی تو بختک وزیر
اپنی کُرسی سے اُٹھا اور اُس نے امیر حمزہ
سے کہا۔
"اے حمزہ، تمھیں بادشاہ سلامت نے ہندوستان
اِس لیے بھیجا تھا کہ لندھور کا سر کاٹ
کر لاؤ مگر تم نے ایسا نہ کیا بلکہ لندھور

کو دوست بنا کر یہاں لے آئے۔ اب بادشاہ سلامت یہ چاہتے ہیں کہ تم اپنا وعدہ پورا کرو یعنی جلاد سے کہو کہ لندھور کا سر کاٹ کر لائے اور شاہی محل کے بڑے دروازے پر لٹکا دے تاکہ ان سرداروں کو عبرت ہو جو سلطنت کے باغی ہونے کا ارادہ کر رہے ہیں۔"

بختک کی تقریر سُن کر امیر حمزہ کا چہرہ اُتر گیا۔ اُنھوں نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

"میرا ہندوستان جانے کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ لندھور کو اطاعت کے لیے مجبور کر کے اُس سے خراج وصول کروں — جب یہ مقصد پورا ہو چکا ہے تو کیا ضروری ہے کہ اُس کے خون سے ہاتھ رنگے جائیں۔"

"ہاں، اِس وقت ہماری نظر میں یہی ضروری ہے۔" نوشیرواں نے ناراض ہو کر کہا۔ "آج تمھاری وفاداری کا بھی امتحان ہے۔ دیکھنا ہے کہ تم اِس امتحان میں کامیاب ہوتے ہو یا نہیں۔"

"بہت بہتر عالی جاہ۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "لندھور کا سر ابھی خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔"

یہ کہہ کر عمرو عیّار کو بلایا اور اُس سے کہا کہ ابھی جاؤ اور لشکر میں جا کر لندھور سے کہو کہ تجھ کو ہم نے طلب کیا ہے۔ تیرے سر کی ضرورت ہے۔"

عمرو عیّار روتا ہوا لشکر میں گیا اور لندھور کو امیر حمزہ کا پیغام دے کر کہا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمنوں نے ہمارے خلاف کوئی سازش کی ہے اور وہ ایک ایک کر کے ہم سب کو مروا دینا چاہتے ہیں۔ پہلی باری آپ کی ہے۔ بولیے کیا کہتے ہیں؟"

"کہنا کیا ہے؟" لندھور نے سینہ تان کر کہا۔ "ہم تو طے کر چکے ہیں کہ امیر حمزہ کے قول پر جان دیں گے۔ اب جیسا اُنھوں نے حکم دیا ہے، ویسا ہی کروں گا اور تمھارے ساتھ امیر حمزہ کے پاس چلوں گا۔ اس کے بعد اُنھیں اختیار ہے۔ خواہ میری گردن کاٹیں

یا مجھے زندہ گاڑ دیں۔"

یہ کہہ کر لندھور اپنے سیاہ ہاتھی پر سوار ہُوا۔ کئی من وزنی فولادی گُرز کندھے پر رکھا اور عمرو کو اپنے پیچھے بٹھا کر مدائن شہر کے اندر گیا۔ لندھور کو دیکھنے کے لیے شہر میں تماشائیوں کا ہجُوم ہو گیا۔ جو اُسے دیکھتا خوف سے تھر تھر کانپتا۔ لندھور جب دربار میں داخل ہُوا تو اپنا گُرز ہوا میں اُچھالنا شرُوع کیا۔ یہ حرکت دیکھ کر بڑے بڑے پہلوان خوف سے لرز گئے اور چلّا اُٹھے کہ لندھور کو منع کیا جائے۔ اگر یہ گُرز اس کے ہاتھ سے چھُوٹ کر نیچے گِرا تو کئی آدمی کچل کر قیمہ بن جائیں گے۔

امیر حمزہ نے لندھور کو منع کیا تب وہ باز آیا۔ وہ امیر حمزہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہُوا اور بولا۔ "کہیے میرے لیے کیا حُکم ہے؟"

"تُم نے بادشاہ سلامت کو سلام نہیں کیا۔"

"میرے بادشاہ آپ ہیں۔ آپ کے سوا میں

کسی اور کو سلام نہ کروں گا۔ لندھور نے
جواب دیا۔
"خیر، میرا بادشاہ نوشیرواں ہے اور اُسے
تمھارے سر کی ضرورت ہے۔ اب تم
جلّاد خانے کے صحن میں جا کر بیٹھو اور جب
تک ہم اجازت نہ دیں، اپنا سر اُوپر نہ
اُٹھانا۔"
لندھور نے ادب سے سر جھکایا اور جلّاد
خانے کے صحن میں گیا۔ اپنا گرز نیچے رکھا
اور اُسی کا سہارا لے کر بیٹھ رہا۔
اب امیر حمزہ نے عادی پہلوان کو بُلا
کر حکم دیا۔ "تُو جا اور لندھور کا سر کاٹ
کر لے آ۔"
عادی پہلوان لرزتا کانپتا جلّاد خانے میں
پہنچا۔ تلوار اُس کے ہاتھ میں تھی۔ دیکھا کہ
لندھور گردن جھکائے بیٹھا ہے اور کہہ رہا
ہے: خدا کا شکر ہے کہ مجھے اپنے دوست
کے اوپر قربان ہونے کا موقع ملا۔ عادی پہلوان
نے جب یہ کلمہ سُنا، تلوار ہاتھ سے چھوٹ

کر گر پڑی۔ دل میں کہا۔ "میں لندھور کو ہرگز قتل نہ کروں گا۔" وہ لندھور کے قریب ہی جا کر بیٹھا اور کہنے لگا۔

"جو شخص تمھارا سر کاٹنے آئے گا، اُسے پہلے میرا سر کاٹنا ہو گا۔"

جب خاصی دیر ہو گئی اور عادی پہلوان لندھور کا سر لے کر حاضر نہ ہُوا تو امیر حمزہ نے عُمرو عیّار سے کہا کہ تُو جا اور دیکھ کہ عادی کہاں غارت ہو گیا۔ عَمرو جلاد خانے میں آیا۔ دیکھا کہ عادی پہلوان بھی وہیں بیٹھا ہے اور کہتا ہے کہ جلّاد پہلے میرا سر کاٹے، لندھور کی باری بعد میں آئے گی۔ میرے جیتے جی ایسا نہ ہو گا۔ عَمرو نے بھی خبر امیر حمزہ کو دی۔ اُنھیں طیش آیا۔ سلطان بخت مغربی کو حکم دیا کہ تُو جا اور لندھور کا سر لا۔ وہ آیا اور یہ کہہ کر لندھور کے قریب بیٹھ گیا کہ یہ خُون خرابہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ اب امیر حمزہ نے بہرام کو بھیجا۔ مگر وہ بھی وہیں بیٹھ رہا۔

غرض یہ کہ کئی پہلوان اور سردار لندھو کا سر لانے کے لیے بھیجے گئے مگر جو جاتا، وہ لوٹ کر نہ آتا۔ آخر بختک نے امیر حمزہ سے کہا۔ "اگر اجازت ہو تو شاہی جلاد کو بھیجا جائے۔"

"بادشاہ سلامت کو اختیار ہے۔ جسے چاہیں بھیجیں۔" امیر حمزہ نے جواب دیا۔

بختک نے نوشیرواں کی اجازت سے جلادوں کے سردار کو طلب کیا۔ وہ سات فٹ اونچا حبشی تھا۔ چیتے کی کھال اوڑھے اور ہاتھ میں ایک من وزنی کلہاڑا لیے ہوئے آیا اور آتے ہی بلند آواز سے کہا۔

"وہ کون بدنصیب ہے جو میرے ہاتھوں مارا جائے گا؟"

"جلاد خانے میں جا اور لندھور کی گردن تن سے الگ کر۔" نوشیرواں نے اسے حکم دیا۔

یہ سن کر وہ مست شیر کی طرح جلاد خانے میں گیا۔ عمرو نے اسے آتے دیکھا تو خوف

سے آنکھیں بند کر لیں۔ اِدھر بہرام، عادی پہلوان اور سلطان بخت مغربی اپنی اپنی تلواریں سونت کر کھڑے ہو گئے لیکن لندھور اُسی طرح گردن جھکائے بیٹھا رہا۔

یکایک نقارہ بجنے کی آواز سُنائی دی۔ عمرو نے دیکھا کہ نوشیرواں کی ملکہ کی سواری اُدھر سے گزر رہی ہے۔ ملکہ نے جلّاد خانے کے باہر لوگوں کا ہجوم دیکھا تو پُوچھا کہ کِس کی گردن ماری جاتی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ نوشیرواں کا حُکم ہے کہ لندھور کا سر پیش کیا جائے اور اب شاہی جلّاد اُس کا سر کاٹنے آیا ہے۔

یہ سُن کر ملکہ خُود جلّاد خانے میں آئی اور حبشی کو حُکم دِیا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں چلا جا ورنہ تیرے ناک کان کٹوا دُوں گی۔ جلّاد وہاں سے رفو چکر ہُوا۔ ملکہ نے لندھور کو اپنے ساتھ لے جانا چاہا مگر اُس نے اِنکار کر دِیا۔

اُدھر جلّاد نے بادشاہ کو خبر دی کہ ملکہ

نے لندھور کو بچا لیا ہے۔ یہ سنتے ہی امیر حمزہ کے چہرے پر رونق آ گئی اور بختک دل میں پیچ و تاب کھانے لگا۔ نوشیرواں نے جی میں کہا کہ ملکہ بڑی عقل مند اور دانا عورت ہے اس نے ضرور لندھور کے بچ جانے میں کوئی مصلحت دیکھی ہو گی۔ ہم اس سے دریافت کریں گے۔ اس نے دربار برخاست کیا۔ امیر حمزہ، لندھور، بہرام، عادی پہلوان، سلطان بخت مغربی، عمرو اور مقبل وفادار اپنے لشکر میں آ گئے۔

نیا فریب

اُسی روز رات کے وقت جب نوشیرواں اور ملکہ کھانا کھانے بیٹھے تو باتوں باتوں میں بادشاہ نے کہا۔"آج ہم نے جلّاد کو بھیجا تھا کہ لندھور کا سر کاٹ کر لائے مگر تم نے اُس کو بچا لیا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟"

ملکہ مُسکرا کر کہنے لگی:"آپ کا نام نوشیرواں عادل ہے اور آپ سات سلطنتوں کے بادشاہ ہیں۔ لندھور بھی ہندوستان جیسی بڑی سلطنت کا بادشاہ ہے اور بادشاہ بادشاہوں کو یوں نہیں مروایا کرتے۔ یہ کام آپ کی شان کے خلاف تھا۔ جو سُنتا آپ کو بدنام کرتا۔ پھر یہ بھی سوچیے کہ لندھور کو مار ڈالنے سے آپ کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ اصل

جڑ تو سلامت رہی۔ میرا مطلب امیر حمزہ سے ہے۔ قتل کرنا ہی ہے تو امیر حمزہ کو قتل کیجیے تاکہ سارا جھگڑا ختم ہو۔"

"ہم تمھاری عقل مندی کی داد دیتے ہیں۔" نوشیرواں نے کہا۔ "تم نے لندھور کو بچا کر اچھا کیا۔ مگر مصیبت تو یہ ہے کہ امیر حمزہ کو کیسے ختم کیا جائے؟"

"ہاں، اُسے مارنا خاصا مشکل کام ہے۔" ملکہ نے فکر مند ہو کر کہا۔

اتنے میں بختک کی ماں وہاں آ گئی۔ اُس کا نام سفر غار تھا۔ لومڑی کی طرح مکار اور چالاک تھی۔ اُس نے چھپکے چھپکے بادشاہ اور ملکہ کی باتیں سُن لی تھیں۔ جب امیر حمزہ کو قتل کرنے کی تدبیروں پر غور ہو رہا تھا۔ تو اِس عورت کے ذہن میں ایک انوکھی تدبیر آئی۔ اُسی وقت بادشاہ کے سامنے حاضر ہو کر کہنے لگی۔

"حضور ایک بات لونڈی کے ذہن میں آئی ہے جس سے سانپ بھی مر جائے گا اور

لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔ اجازت ہو تو عرض کروں۔"

"ہاں ہاں فوراً کہو" ملکہ نے خوش ہو کر کہا۔

"سرکار، تدبیر یہ ہے کہ شہزادی مہر نگار کو میں ایک تہہ خانے میں لے جاتی ہوں۔ آپ امیر حمزہ سے کہیے کہ شادی کی تیاریاں کرو۔ پانچ چھ دن بعد یہ خبر اُڑا دیجیے کہ شہزادی بہت بیمار ہے۔ اِس کے بعد کہہ دیں گے کہ اُس کا اِنتقال ہو گیا۔ مجھے یقین ہے کہ امیر حمزہ اِس صدمے کو برداشت نہ کر سکے گا اور اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا۔"

نوشیرواں یہ تجویز سُن کر بہت خوش ہُوا۔ سقرغار کو انعام دِیا اور کہا کہ آج ہی شہزادی مہر نگار کو محل کے سب سے نچلے تہہ خانے میں لے جا۔

دُوسرے روز امیر حمزہ دربار میں حاضر ہُوئے تو بادشاہ خِلافِ توقع بہت خوش اخلاقی اور

محبت سے پیش آیا۔ اُن کو سینے سے لگایا اور کہا۔

"لندھور کا سر کاٹنا ہمارا مقصد نہ تھا یہ تو صرف تمہارا اِمتحان تھا۔ ہم خوش ہیں کہ تم اِس اِمتحان میں پورے اُترے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد شہزادی کو تمہارے حوالے کر دیں۔ جاؤ شادی کی تیاریاں کرو۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ کی خُوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ بے اِختیار نوشیرواں کے ہاتھوں کو چُوما۔ اور ہنستے کھیلتے اپنے لشکر میں آئے۔ سب کو یہ خُوش خبری سُنائی۔ بہرام، لندھور اور سُلطان بخت مغربی نے مبارک باد پیش کی اور ہر طرف جشن منایا جانے لگا۔

اِدھر سفر غار شہزادی کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ شہزادی مُبارک ہو۔ بادشاہ سلامت نے امیر حمزہ سے تمہاری شادی طے کر دی ہے۔ اب تمہیں دُلھن بنانے کا حکم دیا ہے آؤ، میرے ساتھ چلو۔ مہر نگار خُوشی سے پھُولی

نہ سمائی اور سوچے سمجھے بغیر ستقرغار کے ساتھ چل دی۔ وہ مکار بڑھیا شہزادی کو ایک سجے سجائے تہہ خانے میں لے گئی۔ وہاں بہت سی لونڈیاں باندیاں موجود تھیں۔ اُس نے شہزادی کو دُلہن بنانا شروع کیا اور گانے بجانے کی محفل گرم ہوئی۔

کئی دن گزر گئے اِس دوران میں شہزادی مہرنگار کے بیمار ہو جانے کی خبر پھیل گئی۔ جس سے امیر حمزہ سخت پریشان ہوئے اور کھانا پینا تک چھوڑ دیا۔ ایک روز آدھی رات کے وقت شہر مدائن میں سے لوگوں کے رونے پیٹنے اور ماتم کرنے کی آوازیں سُنائی دیں۔ معلوم ہُوا کہ شہزادی مر گئی۔ یہ سُنتے ہی امیر حمزہ پچھاڑ کر زمین پر گر پڑے۔ بہرام اور لندھور انھیں سمجھانے لگے کہ خدا کی مرضی میں کسی کو کیا دخل ہے اب صبر کرنا چاہیے لیکن امیر حمزہ کو کسی کل چین نہ آتا تھا۔ عمرو سے امیر حمزہ کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ کہنے لگا۔

"خدا کے واسطے صبر کرو۔ میں شہزادی مہر نگار کے محل میں جا کر سب حال معلوم کرتا ہوں۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ شہزادی مر گئی ہو۔ ضرور اس میں بھی بھید ہے۔"

یہ سن کر امیر حمزہ کو بھی خیال آیا ممکن ہے دشمنوں نے کوئی چال چلی ہو۔ انھوں نے عمرو کو جانے کی اجازت دے دی۔

ادھر عمرو جب شہزادی مہر نگار کے محل شبستان کے قریب پہنچا تو خواجہ سراؤں نے ملکہ کو خبر دی کہ عمرو عیار محل کے آس پاس منڈلا رہا ہے۔ سقرغار نے ملکہ کے کان میں کہا۔ "عمرو کو محل کے اندر بلا لیجیے۔ وہ یہاں جب کنیزوں اور خادماؤں کا رونا دھونا دیکھے گا تو اس کے دل میں کوئی شک باقی نہ رہے گا۔"

ملکہ کے حکم سے عمرو کو محل کے اندر بلا لیا گیا۔ عمرو نے دیکھا کہ ہر طرف

شورِ ماتم برپا ہے۔ سب کنیزوں، لونڈیوں، باندیوں اور خادماؤں نے سیاہ لباس پہن رکھے ہیں اور ایک جگہ بیٹھی شہزادی مہرنگار کو یاد کر کر کے رو رہی ہیں۔ ملکہ بھی بار بار رُومال مُنہ پر رکھتی اور رونے کی آواز نکالتی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر عمرو کا کلیجہ بیٹھ گیا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ شہزادی کے مرنے کی خبر غلط نہیں ہو سکتی۔

اِتنے میں عمرو نے دیکھا کہ بختک کی بڑھیا ماں سفرغار ملکہ کے پاس آئی اور اُس کے کان میں کچھ کھُسر پھُسر کر کے چلی گئی۔ عمرو چوکنا ہو گیا۔ اُس نے دِل میں کہا کہ یہاں بختک کی مکّار ماں کا بھلا کیا کام! ضرور کوئی خاص بات ہے۔ اُسی وقت وہاں سے اُٹھا، اپنی شکل بڑھیا کی سی بنائی اور ہاتھ میں لکڑی لے کر ٹیکتا ٹیکتا سفرغار کے پیچھے چلا۔ وہ ایک تہہ خانے میں اُتری جہاں کسی قدر اندھیرا تھا عمرو نے پیچھے سے کہا۔

"اے بہن، ذرا آہستہ چلو۔ میں تو ہانپنے لگی۔"

سقر غار نے مڑ کر دیکھا کہ یہ کون عورت ہے تو عمرو نے اُسی وقت اُس کا گلا اِس زور سے دبایا کہ وہ آواز بھی نہ نکال سکی اور مر گئی۔ عمرو نے اُس کی لاش لے جا کر باغیچے میں چھپائی اور آپ اُسی کی شکل بنا کر دوبارہ تہہ خانے میں اُترا۔ تھوڑی ہی دُور چلا تھا کہ سامنے سے مہر نگار کی ایک کنیز ہاتھ میں شمع لیے آتی دکھائی دی۔ اُس نے عمرو کو سقر غار سمجھ کر کہا۔

"بڑی بی کہاں غائب تھیں؟ شہزادی کئی مرتبہ تمھیں پُوچھ چکی ہے۔ اب میں تمھیں بُلانے جا رہی تھی۔"

"اے بیٹی، غائب کہاں ہوتی۔ وہ مُوا عمرو عیار آیا تھا شہزادی کی خبر لینے —— میں ملکہ صاحبہ کے پاس بیٹھی تھی اِس لیے دیر ہو گئی۔"

عَمرو یہ جواب دے کر اُس کنیز کے ساتھ تہہ خانے میں اُترا۔ کیا دیکھتا ہے کہ شہزادی مہر نگار بال بال موتی پروئے دُلہن بنی بیٹھی ہے۔ عَمرو نے اُسے صحیح سلامت پا کر خُدا کا شُکر ادا کیا۔ شہزادی نے کہا۔

"امّاں، آپ کہاں چلی گئی تھیں؟ کیا امیر حمزہ آ گئے؟"

عَمرو نے جواب دینے سے پہلے کنیز کو ایک کام سے تہہ خانے کے باہر بھیجا پھر اپنی اصلی شکل میں آ گیا۔ شہزادی مہر نگار عَمرو کو یکایک اپنے سامنے پا کر سکتے میں آ گئی۔ اب عَمرو نے جلدی جلدی کہنا شروع کیا۔

"شہزادی صاحبہ، کیسی بارات اور کیسا دُولہا۔ شہر بھر میں آپ کے مرنے کی خبر پھیلی ہُوئی ہے۔ میں بڑی مُشکل سے ستفر غار کو ہلاک کر کے اور اُس کی صُورت بنا کر یہاں پہنچا ہُوں۔ اب جلدی سے ایک رُقعہ

اپنی خیریّت کا لکھ دو تاکہ میں امیر حمزہ کو دوں۔"

شہزادی نے عمرو کے کہنے کے مطابق رُقعہ لِکھ کر دیا۔ عمرو نے پھر شہزادی کو تسلی دی۔

"گھبرانا مت ــ ہم بہت جلد کسی ترکیب سے آپ کو لے جائیں گے۔ اچھا۔ خدا حافظ۔"

عمرو تہہ خانے سے باہر نِکلا اور اپنے لشکر کی جانب روانہ ہو گیا۔

اِس کے بعد کیا ہُوا؟

اِس حیرت انگیز داستان کا چوتھا حِصّہ
"امیر حمزہ میدانِ جنگ میں"

پڑھیے۔ نوشیرواں کے نئے نئے ہتھکنڈے۔ ہفت مُلک کی خطرناک مُہم اور دُوسرے دِل چسپ واقعات

امیر حمزہ میدانِ جنگ میں

بختک کی شرارت

عمرو عیّار نے جب امیر حمزہ کو یہ خبر دی کہ شہزادی مہر نگار زندہ سلامت ہے تو وہ بے حد خوش ہوئے۔ عمرو کو گلے سے لگایا اور دس ہزار اشرفیاں انعام میں دیں۔ اس کے بعد دوستوں سے مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے!

عمرو نے کہا۔

"آپ بالکل فکر نہ کریں۔ میں ان بدمعاشوں کی وہ دُرگت بناؤں گا کہ آئندہ ایسی حرکت کرنے کی جُرأت نہیں کریں گے۔ سب لوگ کالے رنگ کے ماتمی کپڑے پہن کر شہر مدائن کے اندر چلیں اور اپنی شکلیں ایسی بنا لیں کہ جو دیکھے یہ سمجھے کہ انہیں شہزادی کے مرنے کا بڑا رنج ہے۔ جب جنازہ آئے گا تب میں آپ کو تماشا دکھاؤں گا۔"

سب نے عمرو عیّار کی اس تدبیر کو پسند کیا ۔
امیر حمزہ ، لندھور ، بہرام ، سُلطان بخت مغربی ، عادی پہلوان اور مُقبل وفادار نے کالے کپڑے پہنے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے مدائن میں داخل ہُوئے ۔ دیکھا کہ شہر میں کہرام مچا ہُوا ہے ۔ دُکانیں اور بازار بند ہیں اور لاکھوں مرد ، عورتیں ، بچے بُوڑھے سڑکوں کے دونوں جانب جنازے کے انتظار میں کھڑے ہیں ۔ ہر طرف سے رونے دھونے کی اور بین کرنے کی آوازیں آ رہی ہیں ۔

امیر حمزہ اور اُن کے ساتھی نوشیرواں کے محل میں پہنچے تو وہاں بھی یہی حال تھا ۔ بادشاہ اور درباریوں نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا اور آنکھوں پر رُومال تھے ۔ نوشیرواں نے امیر حمزہ کو چھاتی سے لگایا اور بھرآئی ہوئی آواز میں کہا :

"صبر کرو ۔ ۔ ۔ قدرت کو یہی منظور تھا کہ شہزادی مہر نگار اس دنیا سے رُخصت ہو ۔ ہم تمہاری شادی کسی اور شہزادی سے کر دیں گے ۔"

امیر حمزہ گردن جُھکائے بیٹھے رہے لیکن دل ہی دل میں بادشاہ کی اس اداکاری پر ہنستے تھے ۔ تھوڑی

دیر بعد نوشیرواں نے محل میں حکم بھیجا کہ شہزادی کا جنازہ باہر لایا جائے۔

ملکہ کے پاس بادشاہ کا یہ حکم پہنچا تو اس نے مصنوعی جنازہ بھجوانے کی تیاریاں شروع کیں اور بختنک کی ماں سقرغار کو تلاش کرنے لگی۔ مگر اس کا کہیں پتا نہ ملا۔ آخر ایک لونڈی نے سقرغار کی لاش باغ کے اندر پتوں کے ڈھیر کے نیچے دبی ہوئی دیکھی اور ملکہ کو اطلاع دی۔ سقرغار کی لاش دیکھ کر ملکہ کے حواس گم ہو گئے۔ دل میں کہنے لگی یہ تو بہت برا ہوا۔ اس بڑھیا کو کس نے مارا ہے۔ ضرور اس میں کوئی بھید ہے۔ یکا یک ایک تدبیر اس کے ذہن میں آئی۔ شہزادی مہر نگار کی فرضی لاش کے لیے جو تابوت بنایا گیا تھا، ملکہ نے اس کے اندر سقرغار کی لاش کو بند کیا اور اس طرح مہر نگار کا جنازہ محل سے باہر آیا پھر ملکہ نے بختنک کو بلا کر اس سے کہا:

"تیری ماں سقرغار کو کسی دشمن نے مار ڈالا ہے اور ہم نے اسی کی لاش اس تابوت میں بند کر دی ہے۔"

یہ سن کر نجنک کے دل کی دھڑکن بند ہو گئی۔ سمجھ گیا کہ یہ حرکت سوائے عمرو عیار کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اگر کسی نے تابوت کھول کر دیکھا اور اس میں شہزادی مہرنگار کے بجائے سقر غار کی لاش پڑی پائی تو شہر میں غدر مچ جائے گا۔ اب ایسی ترکیب کروں کہ کوئی شخص تابوت کھولنے نہ پائے۔

اس نے اپنے قبیلے کے آدمیوں کو حکم دیا کہ تابوت کی حفاظت کریں اور کسی غیر شخص کو قریب نہ آنے دیں۔ نجنک کے آدمی ننگی تلواروں کی حفاظت میں تابوت کو بڑے بازار میں لے گئے اور نجنک خود سب سے آگے ماتم کرتا ہوا چلا۔

اُدھر عمرو نے جنازہ آتے دیکھا تو جھٹ ایک سپاہی کا بھیس بدلا اور بارود کی بنی ہوئی چھچھوندریں ایک بڑی سی ٹوکری میں چھپا کر نجنک کے آدمیوں میں گھل مل گیا۔ وہ دھکم پیل کرتا ہوا نجنک کے قریب جا پہنچا اور چپکے سے ایک چھچھوندر جلا کر اس کے گریبان میں ڈال دی۔ نجنک رونا پیٹنا سب بھول گیا۔ وہ آگ بجھانے کے لیے

بے تحاشا ایک حوض کی طرف دوڑا اور پانی میں کود گیا۔ اب عمرو نے جلدی جلدی کئی چھچھوندریں چھوڑیں۔ نجتک کے سپاہی اپنے کپڑوں کو آگ سے بچانے کے لیے تتر بتر ہو گئے اور انھوں نے تابوت بھی زمین پر پٹخ دیا۔ عمرو نے آگے بڑھ کر تابوت کا ڈھکنا کھولا اور لوگوں نے دیکھا کہ اس میں شہزادی مہرنگار کے بجائے نجتک کی ماں سفرغار کی لاش بند ہے۔ نوشیرواں اس لاش کو دیکھ کر ایسا بدحواس ہُوا کہ اس کے رُومال میں سے پیاز کی ایک گٹھی نکل کر زمین پر گر پڑی۔ اُس نے یہ گٹھی رُومال میں چھپا رکھی تھی۔ جب وہ رومال آنکھوں کے قریب لے جاتا تو اِن میں سے پانی بہنے لگتا۔ لوگ سمجھتے کہ بادشاہ رو رہا ہے۔ اُسے روتا دیکھ کر دوسرے بھی رونے لگتے۔

عمرو نے قہقہہ لگا کر کہا:

"بادشاہ سلامت یہ باتیں آپ کی شان کے خلاف ہیں۔"

نوشیرواں نے شرم سے گردن جھکالی اور

کہنے لگا:

"یہ سب اس بدمعاش بختک کی شرارت ہے۔"

عمرو عیار کچھ اور کہنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ امیر حمزہ نے اُسے ڈانٹا: "خبردار، بادشاہوں کے سامنے ایسی باتیں نہیں کرتے۔"

بادشاہ نے تابوت اٹھا کر بختک کے گھر بھیج دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ نوشیرواں نے امیر حمزہ کو خلعت عطا کی اور محل میں جا کر شہزادی مہرنگار کو گلے سے لگایا۔ عمرو نے شہر میں منادی کرادی کہ شہزادی زندہ سلامت ہے۔ بختک کی ماں ستر غار مر گئی ہے۔ جو لوگ رونا پیٹنا چاہیں وہ بختک کے مکان پر جائیں۔

اس واقعے کے کئی دن بعد امیر حمزہ نے نوشیرواں کی خدمت میں عمرو عیار کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ "اب شادی میں کیا دیر ہے؟" عمرو نے جب بادشاہ کو یہ پیغام دیا تو وہ سوچ میں پڑ گیا، پھر کہنے لگا:

"حمزہ سے کہو کہ چالیس دن بعد شادی کریں گے۔

ابھی ہمیں سامان تیار کرنا ہے"۔
یہ سن کر عمرو ہنسا اور ہاتھ باندھ کر بولا:
"عالی جاہ! آپ سات سلطنتوں کے بادشاہ کہلاتے ہیں۔ آپ کے خزانے میں کس چیز کی کمی ہے؟"۔
نوشیرواں نے بزرجمہر سے مشورہ کیا اور بزرجمہر نے ایک رقعہ امیر حمزہ کے نام لکھا کہ تیس دن بعد تمہاری شادی شہزادی مہرنگار سے کر دی جائے گی۔
امیر حمزہ یہ رقعہ پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور ایک ایک دن بے چینی سے گننے لگے۔
اُدھر بختک نامراد نے جب یہ خبر سُنی کہ بادشاہ ایک مہینے بعد شہزادی مہرنگار کی شادی امیر حمزہ سے کر دے گا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر نوشیرواں کے محل میں گیا اور کہنے لگا:
"حضور، اگر شہزادی کی شادی امیر حمزہ سے ہو گئی تو آپ ساری دنیا میں بدنام ہو جائیں گے۔ ہر ملک کا بادشاہ کہے گا کہ نوشیرواں نے ایک معمولی عرب سے اپنی بیٹی بیاہ دی۔ اس سے آپ کی

دھاک ختم ہو جائے گی اور ممکن ہے کہ رعایا بھی بغاوت کر دے۔"

غرض بختک نے ایسی باتیں کیں کہ نوشیرواں ڈر گیا۔ دل میں کہا کہ بختک واقعی سچ کہتا ہے۔ امیر حمزہ کی شادی کسی طرح بھی مہر نگار سے نہ ہونی چاہیے۔ اس میں میری بدنامی ہے۔ لیکن اب تو شادی کا وعدہ کر چکا تھا۔ اور وعدے سے پھر جانا بادشاہوں کی شان کے خلاف ہے۔ اس نے بختک سے کہا۔

"تم ہی کوئی تدبیر سوچو۔ میں تو امیر حمزہ کو زبان دے چکا ہوں۔"

"حضور، تدبیر میں نے سوچ لی ہے۔ آج سے تین دن بعد آپ دربار عام لگانے کا حکم دیں اور اس میں امیر حمزہ کو بھی بلائیں۔ میں اپنے چند آدمیوں کو سکھا پڑھا کر بھیجوں گا۔ وہ انصاف کی زنجیر ہلائیں گے۔ آپ اُن کو دربار میں بلا کر پوچھیے گا کہ تم کون ہو اور کس نے تم پر ظلم کیا ہے؟ وہ کہیں گے کہ ہم سلطنتِ ہفت ملک سے آئے ہیں۔ وہاں کے بادشاہوں نے یہ خبر سن کر کہ نوشیرواں ایک معمولی عرب کو اپنا داماد بنانا چاہتا ہے، آئندہ

خراج ادا کرنا بند کر دیا ہے اور کہتے ہیں کہ اب ہم نوشیرواں کی اطاعت نہیں کریں گے۔ اگر نوشیرواں ہم سے خراج لینا چاہتا ہے تو اپنے داماد حمزہ کو ہم سے جنگ کرنے کے لیے بھیجے۔ اگر حمزہ جیت گیا تو ہم ہمیشہ کے لیے نوشیرواں کے غلام بن جائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ حمزہ کا خون یہ باتیں سن کر غصّے سے کھول اُٹھے گا۔ اور وہ اِن باغی بادشاہوں سے جنگ کرنے کے لیے جائے گا۔ آپ خوشی اُسے اجازت دیجیے گا۔ اور اپنے فوجی سردار قارن کو بھی اس کے ساتھ بھیجیے گا۔ قارن امیر حمزہ کا جانی دُشمن ہے۔ میں اسے زہر کی شیشی دُوں گا اور کہوں گا کہ موقع ملتے ہی امیر حمزہ کو پلا دے۔ یہ زہر ایسا خطرناک ہے کہ اگر سو من دُودھ میں اس کا ایک قطرہ ڈال دیا جائے تو دودھ کا رنگ سیاہ پڑ جائے۔ اس کے علاوہ آپ ہفت مُلک کے بادشاہوں کے نام خط لکھ کر بھی قارن کو دیجیے گا۔ خط میں یہ مضمون ہو کہ موقع پاتے ہی حمزہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔"

نوشیرواں یہ سن کر بڑا خوش ہوا۔ بختک کی پیٹھ ٹھونکی اور وعدہ کیا کہ ہم ایسا ہی کریں گے۔

تیسرے دن بادشاہ نے ایک عام دربار لگایا امیر حمزہ اور ان کے دوستوں کو خاص طور پر بلایا گیا اور ان کی خوب آؤ بھگت کی گئی۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے شربت کا ایک پیالہ بھر کر امیر حمزہ کو دیا اور وہ اسے پینا ہی چاہتے تھے کہ زنجیر عدل کے ساتھ بندھی ہوئی گھنٹیاں زور زور سے بجنے لگیں۔ نوشیرواں نے کہا:

"فریادیوں کو فوراً ہمارے حضور میں حاضر کیا جائے۔"

چوبداروں نے پانچ آدمیوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔ ان کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے، سروں پر خاک پڑی ہوئی تھی اور ہاتھ پیروں پر زخموں کے نشان تھے۔ نوشیرواں کے سامنے یہ لوگ سجدے میں گر گئے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ بادشاہ نے کہا:

"تم لوگ کون ہو اور تمہاری یہ حالت کس نے

بتائی ؟ ہم اسے ایسی سزا دیں گے کہ اس کی سات پشتیں یاد رکھیں گی۔"

ان لوگوں نے کہا کہ ہم حضور کے حکم سے ہفت ملک گئے تھے اور وہاں کے بادشاہوں سے خراج مانگا تھا مگر انہوں نے خراج دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ تمہارا بادشاہ بہت ذلیل ہے۔ وہ اپنی شہزادی کی شادی ایک معمولی عرب سے کر رہا ہے۔ ایسے ذلیل بادشاہ کی اطاعت کرنے کے لیے ہم تیار نہیں ہیں۔ نکل جاؤ یہاں سے۔

نوشیرواں تخت سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس کے کھڑے ہوتے ہی تمام حاضرین بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ بادشاہ نے گرج کر کہا " فوجوں کو تیاری کا حکم دیا جائے۔ ہم خود ہفت ملک کے بادشاہوں کو سزا دینے کے لیے جائیں گے۔"

امیر حمزہ نے شربت کا پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور ادب سے بولے:

"عالی جاہ! جب تک آپ کا یہ خادم زندہ ہے، آپ کو خود کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے حکم دیجیے کہ لشکر لے کر جاؤں اور باغیوں

کو سزا دوں۔"

نوشیرواں نے امیر حمزہ کی طرف دیکھا اور کہا:
"نہیں۔ بار بار تمہیں لڑائی کے لیے بھیجتے ہوئے ہمیں شرم آتی ہے۔ تم اپنی شادی کا انتظام کرو۔ ہم جنگ کرنے جاتے ہیں۔"

"جہاں پناہ، یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ میری جان آپ پر قربان۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ جب تک ہفت ملک کے بادشاہوں کو خوف ناک سزا نہ دے لوں گا شادی نہ کروں گا۔ اور اگر میں لڑائی میں کام آ گیا تو حضور کو اختیار ہے کہ شہزادی کی شادی جس سے جی چاہے کر دیں۔"

نوشیرواں سر جھکا کر غور کرنے لگا۔ پھر بزرجمہر سے پوچھا: "آپ کیا کہتے ہیں؟ امیر حمزہ کو لڑائی پر بھیج دیا جائے؟"

"جی ہاں، یہی بہتر ہے۔" بزرجمہر نے جواب دیا "مگر یہ مناسب ہو گا کہ وہ اپنے کسی دوست کو مدائن میں چھوڑ جائیں تاکہ شہزادی کو دشمن کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکیں۔"

"میری بھی یہی خواہش ہے۔" امیر حمزہ نے خوش

ہو کر کہا "اگر جہاں پناہ اجازت دیں تو میں اپنے عزیز دوست بہرام کو مدائن میں چھوڑے جاتا ہوں۔"

بزرجمہر کی تجویز سے نوشیرواں گھبرا گیا۔ چور نظروں سے بختک کی جانب دیکھا۔ اس نے اشارہ کیا کہ اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیجیے۔ مگر بادشاہ انکار نہ کر سکا اور یہ تجویز مان لی کہ امیر حمزہ کی غیر حاضری میں بہرام، شہزادی مہر نگار کے محل کی حفاظت کرے گا اور بہرام کی اجازت کے بغیر کوئی غیر شخص محل میں قدم نہ رکھ سکے گا۔

اب نوشیرواں نے اپنے ایک فوجی سردار قارن کو طلب کیا۔ یہ چھ فٹ لمبا، موٹا تازہ سیاہ فام حبشی تھا۔ اپنے سوا دنیا میں کسی اور کو نہ بہادر سمجھتا تھا اور نہ پہلوان جانتا تھا۔ حبشی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا خوب صورت سمجھتا تھا۔ بادشاہ نے امیر حمزہ سے کہا:

"یہ ہمارا فوجی سردار قارن ہے یہ بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ آپ کے ساتھ جائے گا۔"

امیر حمزہ نے غور سے قارن کی طرف دیکھا اور کہا:

"مجھے یہ شخص مکّار اور دغا باز نظر آتا ہے
ایسا نہ ہو کہ راستے میں دھوکا کرے۔"
"تمھیں پورا اختیار ہے کہ ایسی صورت میں
جو سزا چاہو اسے دینا" نوشیرواں نے کہا۔
"ٹھیک ہے۔ مَیں اس کی دو خطائیں معاف
کر دوں گا۔ لیکن تیسری خطا معاف نہ کروں گا۔"
"مجھے منظور ہے جناب" قارن نے کہا "اگر
آپ فرمائیں تو مَیں لکھ کر دینے کو تیّار ہوں۔"
"ہاں، لکھ دو" عَمرو نے کہا اور قارن نے
اُسی وقت ہرن کی کھال پر یہ عبارت لکھ کر
امیر حمزہ کے حوالے کر دی کہ میری تیسری خطا
معافی کے قابل نہ ہو گی۔
اِس قول قرار کے بعد امیر حمزہ دوستوں کے
ساتھ اپنے لشکر میں آئے، سفر کی تیاریاں شروع
کیں اور چین کے بادشاہ بہرام کو مدائن شہر میں
شہزادی مہر نگار کی حفاظت کے لیے چھوڑا۔
اتنے میں عَمرو عیّار ایک عرضی لے کر امیر حمزہ
کے پاس آیا۔ اس میں لکھا تھا:
"بھائی حمزہ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے

دماغ میں پھر فتور آگیا ہے۔ کیا تم اتنا نہیں
سمجھ سکتے کہ یہ سب شرارت اُسی بدبخت بختک
کی ہے۔ اِس مرتبہ اس نے ایسی چال چلی ہے
کہ تمہارا دوبارہ مدائن میں آنا دشوار ہے اور
اگر تم آ بھی گئے تو اتنی دیر میں شہزادی مہرنگار
بڑھیا ہو جائے گی۔ ہفت ملک کا سفر اور وہاں
کے بادشاہوں سے لڑائیاں ایک آدھ دِن میں ختم
نہ ہوں گی۔ نہ جانے کتنے برس لگ جائیں۔
یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ کون جیے اور کون
مرے۔ اس لیے اِس خادم کو اجازت ہو کہ
اپنے گھر مکّے چلا جائے اور بقیہ وقت اللہ اللہ
کرنے میں گزار دے۔"

امیر حمزہ یہ عرضی پڑھ کر خوب ہنسے اور عمرو
کو سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ کسی طرح ساتھ جانے
کے لیے تیار نہ ہوا۔ آخر تنگ آکر امیر نے اُسے
مکّے جانے کی اجازت دے دی۔ عمرو نے اپنا سامان
باندھا اور سب سے گلے مل کر رخصت ہوا۔

موت کا کمرہ

امیر حمزہ اپنے لشکر کو لے کر ہفت ملک کی جانب روانہ ہوئے۔ قارن بھی بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ ان کے لشکر میں شامل تھا۔ آٹھویں دن یہ لشکر ایک ایسے ریگستان میں پہنچا جہاں آدم تھا نہ آدم زاد۔ نہ سایہ نہ پانی۔ زمین پہ ہر طرف ریت ہی ریت اور آسمان پہ چمکتا ہوا سورج۔

امیر حمزہ نے قارن سے پوچھا: "کیا ہمیں اس ریگستان میں سے گزرنا پڑے گا؟"

"یہ تو آپ کی مرضی پر ہے۔" قارن نے جواب دیا "آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں سے دو راستے ہفت ملک کی جانب جاتے ہیں۔ ایک راستہ بیس روز کا اور دوسرا تین روز کا ہے۔ دوسرے راستے پر چلیں تو ہم تین دن بعد ہفت ملک

کے پہلے شہر میں پہنچ جائیں گے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اِس راستے میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ ملے گا۔"

"پانی کا ذخیرہ تو ہمارے پاس کافی ہے" امیر حمزہ نے کہا "اس لیے بیس دن کیوں ضائع کیے جائیں۔ بہتر یہی ہے کہ تین روز والے راستے پر چلیں۔"

لشکر اسی راہ پر چلنے لگا۔ ریگستان ایسا اُجاڑ تھا کہ دل دہلتا تھا۔ قارن کا کہنا صحیح نکلا۔ واقعی اس راہ میں پانی کہیں بھی نہ ملا۔ امیر حمزہ اور ان کے ساتھیوں کو اُمید تھی کہ چوتھے دن ہفت ملک کے پہلے شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ لیکن چوتھا دن بھی گزر گیا اور وہ ہیبت ناک ریگستان ختم نہ ہُوا۔ لشکر والوں نے اس اُمید پر کہ چوتھے روز پانی مل جائے گا، دل کھول کر پانی پیا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا اور اب کسی کی چھاگل میں ایک قطرہ پانی بھی نہ تھا۔

آسمان سے سُورج آگ برسا رہا تھا۔ ہر شئے تپ کر تانبے کی مانند سُرخ ہو گئی تھی۔ سواروں اور ان کے گھوڑوں کی پیاس کے مارے بُری

حالت تھی۔ تالو چٹخ رہے تھے اور ہونٹ خشک تھے۔

امیر حمزہ نے قارن سے کہا:

"تو تو کہتا تھا کہ تین دن بعد ہفت ملک کے پہلے شہر میں پہنچ جائیں گے مگر آج چوتھا دن ہے اور صحرا ختم ہونے میں نہیں آتا۔ لشکر میں پانی کی ایک بوند بھی باقی نہیں رہی۔ اب بتا کیا جائے؟"

قارن نے ہاتھ باندھ کر جواب دیا: "جناب عالی، بندے کی اس میں کیا خطا ہے۔ بارہ برس پہلے جب میں اس راستے سے گزرا تھا تو تین دن بعد ہی ہفت ملک میں پہنچ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مدت میں راستے کی شکل بدل گئی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں پانی کی تلاش میں جاؤں۔"

"جاؤ ... لیکن جلدی آنا۔"

قارن دل میں خوش ہوتا ہوا اپنے جوانوں کے پاس آیا۔ انھوں نے اپنے پینے کے لیے پانچ دن کا پانی چھپا رکھا تھا اور وہ چپکے چپکے اپنی

پیاس بجھا رہے تھے۔ قارن نے ان سے کہا:
"گھوڑوں پر سوار ہو کر چلنے کے لیے تیار رہو
میں جا کر حمزہ کو زہر دیتا ہوں۔ جوں ہی تمہیں
خبر ملے کہ حمزہ کا کام تمام ہوا، اسی وقت اُس
کے لشکر پر ہلّا بول دینا۔ حمزہ کے سپاہی پیاس
سے تڑپ رہے ہیں۔ اُن میں لڑنے کی بالکل
سکت نہیں۔ وہ تمہارا حملہ سہ نہ سکیں گے۔"
وہ اپنے لشکر کو خوب سِکھا پڑھا کر امیر حمزہ کے
پاس واپس آیا۔ اس کے ہاتھ میں پانی کی چھاگل
تھی جس میں اس نے زہر ملا دیا تھا۔
"پانی کہیں سے ملا؟" امیر حمزہ نے پوچھا۔
"جناب، اِس علاقے میں پانی دُور دُور تک
نہیں ہے۔ ایک دن اور سفر کیجیے۔ مجھے یقین
ہے کہ اگلے پڑاؤ پر پانی ضرور مِل جائے گا۔ پانی
کے ایک دو گھونٹ میری چھاگل میں بچ رہے ہیں
اجازت ہو تو حاضر کروں؟"
یہ کہتے ہی اس نے پیالے میں پانی بھرا اور
امیر حمزہ کو پیش کر دیا۔ پیاس کے مارے امیر
کی حالت بڑی خراب تھی۔ بے اختیار پیالہ ہاتھ

میں پکڑ لیا مگر ہونٹوں سے لگاتا چاہتے تھے کہ ایک خیال آیا۔ دل میں کہنے لگے یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ میں تو اپنی پیاس بجھا لوں اور میرے دوست پیاسے رہیں۔ یہ سوچ کر پیالہ لندھور کی طرف بڑھایا اور کہا:

"بھائی لندھور، یہ پانی تم پیو۔ میں تو صحرا ہی کا باشندہ ہوں۔ پیاس برداشت کر سکتا ہوں۔ مجھ سے زیادہ تم کو پیاس لگ رہی ہو گی۔"

لندھور بولا: "میں نے تو صبح ہی پیا تھا۔ لیکن ہمارا دوست عادی پہلوان کل سے پیاسا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے پیالہ عادی کی طرف بڑھا دیا۔

عادی پہلوان ادھ موا ہو رہا تھا مگر وہ پیالہ ہاتھ میں پکڑ کر ہنسا اور کہنے لگا:

"بھائی لندھور، تمھاری اس مہربانی کا بہت بہت شکریہ۔ لیکن ذرا میرا ڈیل ڈول دیکھو اور یہ ننھا منا سا پیالہ دیکھو جس میں مشکل سے ایک چھٹانک پانی ہو گا۔ اس سے میری پیاس کیا بجھے گی؟"

یہ کہہ کر اس نے پیالہ سلطان بخت مغربی کی

طرف بڑھا دیا۔ اس نے مُقبل وفادار کو تھما دیا۔ مقبل نے جی میں کہا کہ میں اگر پانی پی لوں تو لوگ کہیں گے کہ امیر حمزہ تو پیاسے رہے اور اس غلام نے پانی پی لیا۔ یہ تو ہمیشہ کی بدنامی ہے۔ یہ سوچ کر پیالہ امیر حمزہ کے پاس لے گیا اور بولا:

"بھائی حمزہ، یہ آپ ہی کا حق ہے۔ آپ یہ پانی پی لیجیے۔ ہم غلاموں اور جاں نثاروں کی پیاس اسی خوشی سے بجھ جائے گی کہ آپ کا حلق تر ہو گیا۔"

اپنے ساتھیوں کی اِس محبت کو دیکھ کر امیر حمزہ رونے لگے اور پیالہ ہونٹوں سے لگا لیا۔

عمرو عیّار پوری رفتار سے مکّے کی جانب دوڑا چلا جاتا تھا کہ ایک جگہ ایک شخص کو درخت کے نیچے کھڑا دیکھا۔ اس نے سر سے پیَر تک سبز رنگ کا لباس پہن رکھا تھا اور آنکھوں پر نقاب تھی۔ عمرو حیران ہوا قریب جا کر کہنے لگا: "بڑے میاں، تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"اے عمرو، اتنی جلد مجھے بھول گیا؟ میرا نام خضر ہے۔ ابھی ابھی قارن حبشی نے امیر حمزہ کو زہر ملا پانی دیا ہے اور وہ پیالہ اپنے ہونٹوں سے لگائے ہوئے ہیں۔ دیر نہ کر۔ فوراً وہاں پہنچ اور پیالہ اُن کے ہاتھ سے چھین کر پھینک دے۔ لیکن یہیں سے آواز لگاتا جا کہ پانی نہ پینا... پانی نہ پینا۔ ہوا تیری آواز کو حمزہ کے کانوں تک پہنچائے گی۔"

اس کے بعد حضرت خضر نے عمرو کو ایک چشمے کا پتا بتایا اور غائب ہو گئے۔ عمرو عیار نے اپنا سامان وہیں پٹخا اور "پانی نہ پینا... پانی نہ پینا" کی آواز حلق کے پورے زور سے لگاتا ہوا دوبارہ اُسی راستے پر دوڑنے لگا جس راستے سے آیا تھا۔

اُدھر امیر حمزہ گھونٹ بھرنے ہی والے تھے کہ ایک آواز کان میں آئی:

"پانی نہ پینا... پانی نہ پینا۔"

انھوں نے حیران ہو کر ہاتھ روک لیا اور اُفق کی جانب دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد پھر

وہی آواز سنائی دی اور اِس مرتبہ لِندھور، عادی، سلطان بخت مغربی اور مُقبل وفادار نے بھی سُنی۔ وہ دل میں کہنے لگے یا الٰہی یہ کیا بھید ہے آواز تو عَمرو عیّار کی معلوم ہوتی ہے مگر وہ یہاں کہاں — وہ تو مکّے میں بیٹھا آرام کر رہا ہوگا۔ اچانک دُھول کا ایک بادل صحرا میں اٹھا اور قریب آنے لگا۔ عَمرو کی آواز اِسی بادل میں سے آرہی تھی۔ قارن کہنے لگا:

"جناب، آپ اس آواز کی طرف توجّہ نہ دیں اور پانی پی لیں۔ صحراؤں میں جِن بھُوت رہتے ہیں اور وہ ایسی آوازیں پیدا کر کے لوگوں کو ڈرایا کرتے ہیں۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ نے پیالہ دوبارہ لبوں تک لگایا ہی تھا کہ پھر وہی آواز آئی:

"پانی نہ پینا — پانی نہ پینا۔"

امیر حمزہ نے ہاتھ روک لیا۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ گرد کے بادل میں سے عَمرو دوڑا آتا ہے، اور ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر چلّا رہا ہے "پانی نہ پینا — اے حمزہ، پانی نہ پینا۔" پھر آتا فاناً اس نے نزدیک

آ کر وہ پیالہ چھینا اور زمین پر پھینک دیا۔ پانی جُوں ہی ریت پر گرا، زمین پھٹ گئی۔ اور اس کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ پانی کا ایک قطرہ امیر حمزہ کے موزے کے چمڑے میں سے گزرتا ہُوا پاؤں پر آیا اور تلوے میں سے ہو کر نکل گیا۔ تب سب کو معلوم ہوا کہ پیالے میں پانی نہیں، زہر قاتل تھا۔

قارن حبشی نے بھانڈا پھوٹتے دیکھا تو جھٹ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور بھاگا۔ اس کے لشکریوں نے اس کو یوں آتے دیکھا تو سمجھے کہ امیر حمزہ کا کام تمام ہُوا۔ سوچے سمجھے بغیر انھوں نے تلواریں، نیزے، بھالے اور کلہاڑیاں اٹھائیں اور امیر حمزہ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ قارن انھیں روکتا ہی رہا۔ مگر اس کی چیخ پکار کسی کے کانوں تک نہ پہنچی۔

ادھر لندھور نے اپنا فولادی گرز سنبھالا، مُقبل وفادار نے تیر چلانے شروع کیے۔ سلطان بخت مغربی نے تلوار کے جوہر دکھائے اور عادی پہلوان غصّے سے کانپتا ہوا مست ہاتھی کی طرح دشمن

کی طرف جھپٹا۔ جو شخص بھی اس کے ہاتھ آ جاتا، زندہ نہ بچتا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ان بہادروں نے کشتوں کے پشتے لگا دیے اور قارن کے بارہ ہزار سپاہیوں میں سے دس ہزار کو گاجر مُولی کی طرح کاٹ کر ڈال دیا۔ عمرو قارن کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ لیکن اس کا کہیں پتا نہ تھا۔ دراصل قارن کے کچھ ساتھی پہلے ہی اُسے لے کر نکل بھاگے تھے۔

عمرو اب سب لوگوں کو چشمے پر لایا جس کا پتا حضرت خضر نے بتایا تھا۔ یہاں ہر ایک نے جی بھر کر پانی پیا اور اپنی اپنی مشکوں اور چھاگلوں میں پانی بھر لیا۔ اس کے بعد خدا کا نام لے کر آگے چل پڑے اور پانچ دن تک صحرا میں سفر کرتے رہے۔ آخر چھٹے روز ایک چھوٹی سی بستی کے آثار دکھائی دیے۔ سب کی جان میں جان آئی۔ اس بستی کا سردار امیر حمزہ کے استقبال کو آیا۔ اس کی زبانی معلوم ہوا کہ چند روز پہلے ایک حبشی پہلوان اپنے دس بارہ ساتھیوں کے ہمراہ یہاں آیا تھا اور لوٹ مار کر کے چلا گیا۔ امیر حمزہ سمجھ گئے کہ

وہ قارن ہی ہو گا۔

بستی کے سردار نے یہ بھی بتایا کہ ہفت ملک کا پہلا شہر یہاں سے ۸۰۰ کوس دُور ہے۔ لیکن گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ راہ میں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے بے شمار چشمے ملیں گے۔

امیر حمزہ نے خوش ہو کر سردار کو انعام اکرام دیا تو وہ راہ بتانے کے لیے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گیا۔ امیر نے اُسے ساتھ لے لیا۔ دو روز بعد اس لشکر نے صحرا میں قیام کیا۔ قریب ہی ایک چشمہ تھا جس کا پانی حوض میں جمع ہو رہا تھا، لشکر میں چند پالتو کُتّے بھی تھے۔ وہ دوڑے ہوئے گئے اور پانی میں منہ ڈال دیا مگر پانی پیتے ہی اُن کے جسم خشک پتّے کی طرح تھر تھر کانپے اور پھر سرد پڑ گئے۔

سپاہیوں نے کُتّوں کے مرنے کی خبر امیر حمزہ تک پہنچائی۔ وہ خود حوض پر آئے اور پانی کی رنگت دیکھتے ہی کہہ دیا کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ یہاں سے کوئی شخص پانی نہ پیے۔ یہ یہ حرکت بھی اسی بدمعاش قارن کی تھی۔ امیر حمزہ

کی ہدایت پر نئے کنویں کھودے گئے اور خدا کی قدرت کہ اِن میں سے پانی نکل آیا۔ سب لشکر اور گھوڑوں نے پانی پیا اور آگے چلے۔

راستے میں جتنے چشمے ملے سب کے پانی میں زہر ملا ہوا تھا۔ قارن جانتا تھا کہ امیر حمزہ کا لشکر ادھر سے گزرے گا۔ اس لیے وہ ہر چشمے میں زہر ملاتا چلا گیا۔ لیکن اس کی یہ چال بے کار گئی اور لشکر کا ایک شخص بھی اِس زہر سے ہلاک نہ ہُوا۔

بائیسویں روز امیر حمزہ انطاکیہ کے نزدیک پہنچے۔ یہ ہفت ملک کا پہلا شہر تھا اور ایک بلند پہاڑ پر بسایا گیا تھا۔ پُورا شہر ایک سنگین قلعے کے اندر تعمیر کیا گیا تھا اور قلعے کی دیواریں اتنی اونچی تھیں کہ ان پر کمند بھی نہیں پھینکی جا سکتی تھی۔ پہاڑ کے دامن میں ایک طوفانی دریا بہہ رہا تھا۔ امیر حمزہ کا لشکر اسی دریا کے کنارے اترا اور خیمے لگا لیے۔

قارن پہلے ہی سے قلعے میں پہنچ کر وہاں کے حاکم کو نوشیرواں کا خط دکھا چکا تھا۔ شہر

انطاکیہ کے تین قلعے تھے اور یہ تینوں قلعے ایک دوسرے سے بارہ بارہ کوس کے فاصلے پر تھے تینوں قلعوں کے حاکم سگے بھائی تھے۔ پہلے قلعہ دار کا نام ہام، دوسرے کا سام اور تیسرے کا نام مہد زرّیں تھا۔ قارن نے باقی دو قلعہ داروں کو بھی نوشیرواں کا خط دکھایا اور کہا کہ عرب کا ایک نوجوان امیر حمزہ لشکر لے کر آرہا ہے۔ وہ نوشیرواں کے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ ہفت ملک پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے نہایت طاقت ور اور جی دار جوان ہے اور اس کے ساتھ ہندوستان کا نامور بادشاہ لِندھور بھی ہے۔ نوشیرواں کے لیے اِن کا مقابلہ دشوار ہے۔ اس لیے وہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی حیلے سے کوئی شخص امیر حمزہ کو موت کی نیند سُلا دے۔ اُسے ہلاک کرنے کی کئی تدبیریں کی گئی ہیں۔ مگر وہ ہر مرتبہ موت کے منہ سے بچ نکلا۔

ہام نے اپنے دونوں بھائیوں سے مشورہ کیا۔ ایک بھائی کہنے لگا۔ "گھبرانے کی کیا بات ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کے پاس دس دس ہزار

سوار موجود ہیں۔ رات کی تاریکی میں امیر حمزہ کے لشکر پر چڑھ دوڑیں گے۔"

یہ سن کر سب سے بڑا بھائی ہنس پڑا اور بولا:

"کچھ عقل سے کام لو ورنہ مارے جاؤ گے۔ میں نے امیر حمزہ کو دیکھا ہے اور اُن کی شہ زوری سے خوب واقف ہوں۔ ان سے جیتنا ممکن ہی نہیں۔ اس کے علاوہ لندھور بھی اُن کے ساتھ ہے۔ ذرا غور کرو کہ جس شخص کو نوشیرواں جیسا عظیم بادشاہ ہلاک نہ کر سکا۔ بھلا ہم اسے کیونکر مار سکیں گے۔ میری رائے یہ ہے کہ ان کی اطاعت قبول کر لی جائے۔ اسی میں ہماری سلامتی ہے۔"

دونوں چھوٹے بھائیوں نے اپنے بڑے بھائی کے مشورے پر عمل کیا۔ اسی وقت امیر حمزہ کی خدمت میں ایلچی روانہ کیے اور حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔

عادی پہلوان نے امیر حمزہ سے جا کر کہا کہ انطاکیہ کے تینوں قلعے دار آپ سے ملنے کے

لیے آتے ہیں۔

امیر حمزہ نے حکم دیا کہ ہماری طرف سے چند سردار جائیں اور انہیں عزت کے ساتھ لے آئیں۔"

تھوڑی دیر بعد ہام سام اور مہد نزین امیر حمزہ کے خیمے میں آئے۔ انہوں نے سب کو محبت سے گلے لگایا اور ایسی خاطر تواضع کی کہ اُن کے دلوں سے سارے اندیشے نکل گئے۔ تب ہام نے اُس خط کی نقل امیر حمزہ کو دکھائی جو نوشیرواں نے اُسے بھی قارن کے ذریعے بھیجا تھا۔ امیر حمزہ یہ خط پڑھ کر بہت رنجیدہ ہوئے اور دل میں کہا، یقین نہیں آتا کہ نوشیرواں جیسے بادشاہ نے ایسی گھٹیا حرکت کی ہو گی۔ ممکن ہے قارن نے مجھ کو نوشیرواں سے بدظن کرنے کے لیے یہ جعلی خط بنایا ہو۔ پھر بھی اس کی تصدیق ضروری ہے۔ اسی وقت مُقبل وفادار کو طلب کر کے حکم دیا کہ مدائن کی جانب کوچ کرو اور یہ خط نوشیرواں کو دکھا کر پوچھو کہ کیا تم نے لکھوایا ہے؟ مُقبل وفادار نے چند سپاہیوں

کو ساتھ لیا اور مدائن کی طرف روانہ ہو گیا۔

کئی دن تک انطاکیہ میں قیام کرنے کے بعد امیر حمزہ اگلی منزل کی جانب چلے۔ تینوں قلعہ دار ہام، سام اور مہد زرّیں بھی ان کے ساتھ جانے کے لیے ضد کرنے لگے۔ آخر امیر حمزہ نے انھیں بھی لشکر میں شامل ہونے کی اجازت دے دی۔

انطاکیہ سے پندرہ میل دُور شہر علانیہ آباد تھا اور وہاں کے حاکم کو انیس کہتے تھے۔ قارن حبشی اس دوران میں نوشیرواں کے خط کی نقل انیس کو پہنچا کر آگے جا چکا تھا۔ علانیہ کا حاکم بڑا شریر، بدذات اور مکّار آدمی تھا۔ لڑنے بھڑنے کی اس میں جرأت نہ تھی۔ ہاں مکر اور فریب کے ہتھیاروں سے کام لینا خوب جانتا تھا۔ اس نے جب سُنا کہ امیر حمزہ کا لشکر شہر کی فصیل کے قریب آن پہنچا ہے تو نہایت شان و شوکت سے ایک ہزار سپاہیوں کے جُھرمٹ میں باہر آیا۔ امیر حمزہ کے قدموں کو بوسہ دیا اور کہنے لگا:

"حضُور نے بڑا کرم فرمایا کہ یہاں تشریف لائے۔ میں اپنی خوش نصیبی پر جتنا ناز کروں کم ہے۔"

"اے انیس، ہم تجھ سے خراج وصول کرنے آئے ہیں، نوشیرواں شہنشاہِ ہفت اقلیم نے مجھے اس کام کے لیے بھیجا ہے کہ باغیوں سے خراج وصول کروں اور اگر وہ ادا نہ کریں تو انھیں مزہ چکھاؤں۔"

"عالی جاہ، اس غلام کو بغاوت کرنے کا حوصلہ کہاں۔" انیس نے گڑگڑا کر کہا۔ "جتنا جی چاہے، خراج لیجیے۔ آپ سے جنگ کرنے کا حوصلہ مجھ میں نہیں ہے۔ بلکہ میں تو چند دن آپ کی میزبانی کی عزت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

انیس نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے امیر حمزہ کو شیشے میں اتار لیا اور عرض کی کہ لشکر کو شہر سے باہر ٹھہرائیے اور خود اپنے دوستوں کے ساتھ شہر کے اندر میرے محل میں قیام کیجیے۔

امیر حمزہ نے اس کی درخواست منظور کی اور شہر میں آ گئے۔ دو روز بعد انیس نے کہا:

"عالی جاہ، بندے نے ایک نہایت عمدہ حمام بنوایا ہے۔ آپ اس میں غسل کر کے خوش ہوں گے۔ اگر حکم ہو تو پانی گرم کراؤں؟"

اس نے یہ درخواست ایسی عاجزی سے پیش

کی کہ امیر حمزہ انکار نہ کر سکے اور کہا "اچھا، جیسی تمہاری خوشی۔"

انیس کا یہ حمام دراصل موت کا کمرہ تھا اور وہ اس میں نہ جانے کتنے آدمیوں کی جان لے چکا تھا۔ اس حمام کے برابر میں اس نے ایک کمرہ نہایت خوش نما بنا رکھا تھا۔ نہانے کے بعد وہ مہمان کو اس کمرے میں پھل کھلانے کے بہانے سے لے جاتا۔ اس کمرے کی چھت کو لوہے کے چار ستون سہارا دیے ہوئے تھے اور ستونوں کے ساتھ زنجیریں بندھی تھیں۔ جب زنجیریں کھینچی جاتیں تو چھت دھڑام سے نیچے آن گرتی اور کمرے میں جتنے بھی آدمی موجود ہوتے سب کے سب اس کے نیچے دب کر مر جاتے۔

امیر حمزہ اپنے دوستوں کے ساتھ حمام میں گئے۔ دیکھا کہ بڑی عظیم عمارت ہے اور پانی کو گرم اور ٹھنڈا کرنے کے لیے اعلیٰ انتظامات کیے گئے ہیں۔ انیس نے امیر حمزہ اور لندھور وغیرہ کو تو حمام میں داخل کیا اور خود موت کے کمرے میں جا کر ایک بڑے دسترخوان پر قسم قسم کے لذیذ پھل چن دیے۔

اس کے بعد اس نے اپنے چار طاقت ور حبشی غلاموں کو طلب کر کے حکم دیا لوہے کی زنجیروں کو پکڑ لیں اور جوں ہی ڈھول بجنے کی آواز سنائی دے، زنجیروں کو کھینچ لیں۔

امیر حمزہ، لندھور، مقبل وفادار اور عادی پہلوان سب حمام میں نہا رہے تھے۔ انہوں نے عمرو کو بھی بلایا کہ آ کر نہا لے، مگر وہ نہ مانا کہنے لگا۔ "تم لوگ اپنے بدن کا میل اتارو۔ میں ذرا اس عمارت کا معائنہ کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اٹھا اور چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھنے لگا۔ وہ حمام کے پیچھے جو گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ چار ہٹے کٹے توے کی سیاہی کی طرح کالے حبشی لوہے کی زنجیریں تھامے کھڑے ہیں۔ عمرو حیران ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ ایک طرف ہٹ کر اپنی صورت سو سال کے بڈھے کی بنائی اور کمر جھکا کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا ادھر آیا۔ ایک حبشی نے کہا:

"او بڈھے، کیا تیری موت نے آواز دی ہے کہ ادھر آ نکلا؟ جلد یہاں سے بھاگ۔ کوئی دم

ہیں اِس کمرے کی چھت گِرنے والی ہے ۔ ہم ڈھول بجنے کا انتظار کر رہے ہیں۔"

یہ سُنتے ہی عمرو وہاں سے رفو چکّر ہوا ، اپنی اصلی صورت میں حمام کے اندر پہنچا اور امیر حمزہ کے کان میں کہہ دیا کہ انیس نے تم سب کو مار ڈالنے کی ایک تدبیر سوچ رکھی ہے ۔ خبردار حمام کے برابر والے کمرے میں ہرگز نہ جانا ورنہ زندہ نہ آؤ گے ۔ ایسی صورت کرو کہ پہلے انیس خود وہاں داخل ہو ۔ پھر دیکھنا میں کس طرح اُسی کے سر پر وہ چھت گراتا ہوں"

جب امیر حمزہ اور ان کے دوست نہا چکے تو انیس نے کہا:

"آیئے ، اب میں آپ کو اپنے شہر کے خاص پھل کھلاؤں ۔ یہ پھل اتنے لذیذ اور شیریں ہیں کہ آپ نے پہلے کبھی نہ کھائے ہوں گے"

یہ کہہ کر وہ اُن سب کو موت کے کمرے کی جانب لے گیا اور اندر جانے کا اشارہ کیا مگر امیر حمزہ رُک گئے اور بولے "یہ قاعدے کے خلاف ہے کہ مہمان پہلے قدم بڑھائیں ۔ میزبان کو آگے بڑھنا

چاہیے۔"

یہ سُن کر انیس موت کے کمرے میں داخل ہو گیا اُدھر عمرو نے اپنے منہ سے ایسی آواز نکالی جیسے ڈھول بج رہا ہو۔ ڈھول کی آواز حبشیوں کے کانوں تک گئی تو اُنھوں نے فوراً زنجیریں کھینچ لیں اور چھت ایک ہولناک دھماکے سے نیچے آ پڑی۔ انیس کا جسم چھت کے بوجھ سے کچل کر قیمہ بن گیا۔

یہ دیکھ کر لندھور، عادی پہلوان اور مقبل وفادار حیران رہ گئے۔ تب امیر حمزہ نے انھیں انیس کی مکاری اور عمرو کی کارستانی سے آگاہ کیا۔

انیس کے مارے جانے کی خبر آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔ فوجی سرداروں اور امیروں نے آ آکر امیر حمزہ کے قدموں پر سر رکھے اور اطاعت قبول کر لی۔

اس کے بعد امیر نے یہاں سے حلب کی جانب کوچ کیا۔

خطرناک اژدہا

حلب میں ایک موچی حاکم بن بیٹھا تھا۔ اس کا نام حادث تھا۔ اس شخص نے آہستہ آہستہ اپنی حیثیت بڑھائی، دولت جمع کی اور پھر اس دولت کے بل بوتے پر بدمعاشوں اور اُچکوں کا ایک گروہ تیار کر کے حلب کے بادشاہ کے محل میں گھس گیا۔ بادشاہ کو قید میں ڈالا اور خود اس کے تخت پر قبضہ جما لیا۔

قارن نے حادث کے پاس پہنچ کر نوشیرواں کے خط کی نقل دی اور کہا کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ جو شخص حمزہ کو موت کے گھاٹ اتارے گا اس کا احسان زندگی بھر نہ بھولوں گا۔ حادث یہ سن کر خوش ہوا اور اکڑ کر کہنے لگا:

"میری چالاکی اور عیاری کے سامنے ایک حمزہ

کیا، دس بھی آ جائیں تو سب کو ایسی جگہ ماروں کہ پانی بھی نہ ملے۔"

"ہاں، حمزہ کو اس طرح ختم کیا جا سکتا ہے۔" فارن نے کہا "لڑائی کے میدان میں اُس پر قابو پانا ممکن نہیں۔"

"لڑائی بھڑائی سے تو میں خود بھی ڈرتا ہوں۔" حادِث نے کہا "میں تو ذات کا موچی ہوں۔ میرے باپ دادا ساری عمر جُوتیاں گانٹھتے رہے۔ ہم لوگ تیر، تلوار کو کیا جانیں، ہاں عیاری کے میدان میں حمزہ کو زیر کرنے کی کئی تدبیریں میرے ذہن میں آ رہی ہیں۔"

"اگر ہرج نہ ہو تو اس خادم کو بھی اِن تدبیروں سے آگاہ فرمائیں۔" فارن نے کہا۔

"ایک تدبیر یہ ہے کہ میں ظاہر میں امیر حمزہ کی اطاعت کروں، پھر اُن سے کہوں گا کہ مجھے چوگان کھیلنے کا بڑا شوق ہے۔ بڑے بڑے کھلاڑیوں کو ہرا چکا ہوں۔ آپ بھی میرے ساتھ کھیلیے۔ میدان کے ایک سِرے پر میں نے خاصا گہرا کنواں بنوا رکھا ہے۔ اس کنویں کے اندر برچھیاں گڑی ہوئی

ہیں۔ کنوئیں کو نظروں سے چھپانے کے لیے اس کے قریب جھاڑیاں کھڑی کر دی ہیں۔ امیر حمزہ سے کہا جائے گا کہ جو شاہسوار اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر ان جھاڑیوں کو پھلانگ جائے گا، وہی بازی جیتے گا۔ مجھے یقین ہے کہ حمزہ اپنے گھوڑے سمیت کنوئیں کے اندر جا گرے گا۔"

یہ انوکھی تدبیر سن کر قارن عش عش کر اُٹھا۔

تیسرے دن حادث نے سنا کہ امیر حمزہ کا لشکر آن پہنچا۔ اِس مکّار نے فوراً امیر حمزہ کی خدمت میں چند بیش قیمت تحفے روانہ کیے اور پیغام بھجوایا کہ میں آپ کی اطاعت قبول کرتا ہوں۔ اگلے روز وہ خود امیر حمزہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایسی خوش اخلاقی اور فرماں برداری سے پیش آیا کہ امیر خوش ہو گئے۔ حادث نے ہاتھ باندھ کر عرض کی:

"حضور، اگر غلام کی درخواست قبول ہو تو شہر میں تشریف لے چلیے۔ لوگ آپ کی زیارت کے لیے بے چین ہیں۔"

امیر حمزہ اپنے دوستوں سمیت حلب میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ شہر دُلہن کی طرح سجا ہُوا ہے جا بجا محرابیں اور آرائشی دروازے بنائے گئے ہیں۔ گلیوں اور بازاروں میں لوگوں کا ہجوم ہے۔ امیر حمزہ کی سواری پر پھولوں کی بارش کی گئی اور فوجی سپاہیوں نے طرح طرح کے کرتبوں اور کھیل تماشوں کا مظاہرہ کیا۔

حارث نے اپنے محل میں امیر حمزہ کی عظیم الشّان دعوت کی۔ قسم قسم کے کھانے پکوائے۔ عادی پہلوان نے دیگیں کی دیگیں صاف کر دیں اور پھر بھی بھُوکا رہ جانے کی شکایت کرتا نظر آیا۔ آخر حارث نے اسے خوش کرنے کے لیے ایک بڑے اونٹ کو ذبح کرا کے بھُنوایا اور عادی کو اس کے سامنے بٹھا دیا۔ عادی نے ایک لمبا سا چاقو سنبھالا اور اونٹ کو اُدھیڑ اُدھیڑ کر ہڑپ کرنے لگا۔ اس انسانی دیو کا تماشا دیکھنے کے لیے ہزاروں لوگ جمع ہو گئے اور ان پر ہیبت طاری ہو گئی۔ حارث دل ہی دل میں لرز رہا تھا کہ یہ آدمی ہے یا کوئی جن۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ شخص چند دن

اور یہاں رہا تو شہر کے سب آدمی بھوکے مر جائیں گے۔

حادث نے تین دن تک امیر حمزہ کی ضیافت کی اور دل کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ امیر اس کی مہمان نوازی سے بے حد خوش تھے اور انھوں نے اس کو اپنا بھائی بنا لیا تھا۔ لیکن یہ موذی انھیں مارنے کے لیے اندر ہی اندر سامان تیار کر رہا تھا۔

چوتھے دن حادث امیر حمزہ کے سامنے پہنچا اور چوگان کھیلنے کا قصہ چھیڑ دیا۔ اس نے اپنی اس قدر تعریفیں کیں کہ امیر حمزہ ضبط نہ کر سکے بولے:

"حادث بھائی، اتنی ڈینگیں مارنے سے فائدہ کیا؟ گیند موجود ہے اور میدان بھی دور نہیں۔ آؤ، آج تم سے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔"

"یہ میری خوش نصیبی ہے حضورِ والا کہ آپ کے ساتھ چوگان کھیلنے کا موقع ملا۔" حادث نے عاجزی سے دانت نکال کر کہا۔ پھر اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ میدان درست کیا جائے۔ وہاں کیا دیر تھی۔ حادث نے سب انتظام پہلے ہی

سے کر رکھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گھوڑے پر سوار ہاتھ میں چوگان (بلا) لیے آن پہنچا۔ امیر حمزہ نے بھی عمرو کے مشورے سے پیغمبروں کے ہتھیار بدن پر سجائے اور سیاہ قیطاس پر سوار ہو کر چلے۔

حادث نے کہا: "اے امیر پہلے آپ اپنا چوگان گیند پر لگائیں۔"

"پہل کرنا میرا اصول نہیں۔ تم کھیل شروع کرو۔" امیر حمزہ نے جواب دیا۔

تب حادث آداب بجا لایا اور گیند لے کر چلا۔ امیر حمزہ نے اس کے پیچھے گھوڑا دوڑایا اور گیند اس سے چھین لی۔ دیر تک اسی طرح بھاگ دوڑ ہوتی رہی۔ گیند کبھی حادث کے پاس آ جاتی اور کبھی امیر حمزہ کے پاس۔ آخر حادث نے اپنا گھوڑا اس رخ پر ڈال دیا جس رخ پر وہ کنواں جھاڑیوں کے پیچھے منہ پھاڑے موجود تھا۔ مکار حادث تو ہلکا سا چکر کاٹ کر مڑ گیا مگر امیر حمزہ نے اپنا گھوڑا روکنا مناسب نہ سمجھا۔ اپنے آگے اونچی جھاڑیاں دیکھ کر گھوڑے نے رکنا چاہا لیکن امیر حمزہ نے صاحبِ

نبی کا چابک اس کی ٹانگ پر مارا۔ گھوڑے نے زبردست چھلانگ لگائی اور جھاڑیوں کو پار کر گیا۔ مگر اس کے پچھلے پاؤں کنویں کی منڈیر سے ٹکرائے اور وہ آدھا کنویں کے اندر اور آدھا باہر رہ گیا۔ امیر حمزہ اچھل کر پرے جا گرے۔

حادث نے جب امیر حمزہ کو گھوڑے کی پیٹھ پر نہ دیکھا تو اسی وقت بگل بجا کر اپنے لشکر کو اشارہ کر دیا کہ حملہ کر دو اس کے تیس ہزار سپاہی آناً فاناً امیر حمزہ کے لشکر پر آن گرے۔ لیکن لندھور، سلطان بخت مغربی، عادی اور مقبل وفادار جیسے بہادروں کے سامنے ان کی کوئی پیش نہ گئی اور چند لمحوں کے اندر اندر حادث کی آدھی فوج خاک اور خون میں لتھڑ چکی تھی۔

امیر حمزہ اچھل کر زمین پر گر پڑے تھے۔ اب جو وہ اٹھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک طرف قارن کھڑا ہے اور یہ منظر دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا ہے۔ امیر حمزہ اس کی شکل دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ یہ سب کیا دھرا اسی بدمعاش کا ہے۔ انھوں نے سب

سے پہلے اپنے گھوڑے کو کنویں سے نکالا، پھر فارن کے پیچھے لپکے۔ وہ بھاگا، مگر بچ کر کہاں جاتا۔ حمزہ نے اُسے پکڑ کر سر سے اونچا کیا اور ایک چٹان پر مارنا چاہتے تھے کہ اس نے گڑگڑا کر کہا:

"اے حمزہ، اگر تُو میری جان بخش دے تو تین چیزیں ایسی دُوں کہ نوشیرواں کی سرکار میں بھی نہ نکلیں۔"

"بہت اچھا، میں نے تجھے چھوڑا۔ لا وہ چیزیں نکال" امیر نے کہا۔

فارن نے ایک خنجر نکالا جس کے دستے پر بہت سے ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ کہنے لگا: یہ خنجر طیمورس دیوبند کا ہے۔ کئی پشتوں سے ہمارے خاندان میں چلا آتا ہے۔ اب آپ کی نذر ہے۔"

اس کے بعد فارن نے ایک بازوبند امیر حمزہ کو دیا جس میں بارہ لعل شب چراغ لگے ہوئے تھے اور ہر لعل کبوتر کے انڈے کے برابر تھا۔ ان کی چمک دمک اتنی تھی کہ آنکھ نہ ٹھہرتی تھی۔

"تیسری چیز کہاں ہے؟" امیر حمزہ نے کہا "یاد رکھ اگر دھوکا دے گا تو اپنا قول توڑ کر تجھے کتے کی موت ماروں گا۔"

"تیسری چیز ایک خزانہ ہے جو سامنے پہاڑ کے ایک غار میں دبا ہوا ہے۔" قارن نے کہا۔

اتنے میں عمرو عیار امیر حمزہ کی تلاش میں وہاں آپہنچا۔ انہوں نے قارن کے ہاتھ پیر باندھ کر عمرو کے حوالے کیا اور کہہ دیا کہ خزانہ مل جائے تو اسے چھوڑ دینا ورنہ جو تمہارا جی چاہے، وہ سلوک اس سے کرنا۔

خزانے کا ذکر سن کر عمرو کے منہ میں پانی بھر آیا۔ بے حد خوش ہوا۔ قارن کے سر پر ایک دھول جما کر بولا:۔

"چل بے۔ جلدی بتا وہ خزانہ کہاں ہے؟"

قارن نے کئی گھنٹے تک عمرو کو پہاڑوں اور غاروں میں پھرایا اور خوب پریشان کیا۔ کبھی کہیں سے مٹی کھدواتا، کبھی کہیں سے۔ آخر عمرو تنگ آگیا۔ کہنے لگا:

"معلوم ہوتا ہے تو میرے ساتھ مکر کر رہا ہے۔

خزانے کا تجھے کچھ علم نہیں ہے۔"
اتنی مہلت سے فائدہ اٹھا کر قارن نے اپنے ہاتھوں میں بندھی ہوئی رسّی ڈھیلی کر لی تھی۔ اس کے بعد اچانک اس نے پھندا نکال پھینکا اور ایک جانب بھاگ کھڑا ہوا، لیکن دوڑنے میں بھلا عمرو کا کیا مقابلہ کرتا۔ پلک جھپکتے میں عمرو نے اسے اس طرح جا دبوچا جس طرح بھوکا چیتا ہرن کو دبوچ لیتا ہے۔
قارن نے عمرو سے زور آزمائی شروع کی مگر عمرو نے اپنا خنجر اس زور سے اس کی چھاتی میں مارا کہ دستے تک سینے میں اتر گیا۔ قارن نے ایک بھیانک چیخ ماری اور ریت پر گر کر تڑپنے لگا۔ پھر ٹھنڈا ہو گیا۔ عمرو وہاں سے اپنے لشکر میں آیا اور قارن کے مارے جانے کی اطلاع امیر حمزہ کو دی۔ امیر حمزہ نے حارث کو قتل کر کے حلب کے بادشاہ کو قید سے آزاد کیا اور اسے دوبارہ شہر کا حاکم بنایا پھر وہ ملک یونان کی جانب روانہ ہوئے۔
یونان کے بادشاہ کا نام فریدوں شاہ تھا۔

اُسے خبر بھی نہ تھی کہ امیر حمزہ اپنی فوج لے کر
یُوں آ جائیں گے۔ قارن کو فریدوں شاہ تک
پہنچنے کا مُوقع ہی نہ ملا تھا۔ ورنہ وہ ضرور
اُسے بھی بھڑکاتا۔ فریدوں شاہ نے جب امیر حمزہ
کے آنے کی خبر سُنی تو شہر سے باہر نکل کر
ان کا استقبال کیا اور حیران ہو کر کہنے لگا:
"کیوں صاحب، مجھ سے ایسا کون سا قصُور
ہوا ہے کہ نوشیرواں نے آپ کو میرے مُلک
پر چڑھائی کا حکم دیا؟"
"آپ نے خراج ادا کرنے سے اِنکار کر دیا
ہے۔ اس لیے مجھے یہاں آنا پڑا۔ اب یا تو
خراج ادا کیجیے، ورنہ میدانِ جنگ میں ہمارا
آپ کا فیصلہ ہو گا۔"
فریدوں شاہ نے امیر حمزہ کی یہ بات سُنی تو
ہنسا اور بولا:
"مَیں نے خراج ادا کرنے سے کبھی انکار
نہیں کیا، یہ افواہ کسی دشمن نے اڑائی ہو گی۔
مَیں تو نوشیرواں کا وفادار ہوں۔"
تب امیر حمزہ نے اُسے ساری داستان کہہ سنائی۔

فریدوں شاہ کہنے لگا:

"افسوس کہ نوشیرواں جیسا عادل اور عظیم بادشاہ آپ کے ساتھ ایسی دھوکا بازی کرے۔ دراصل اس کے وزیروں میں ایک وزیر بختک نام کا ایسا شیطان ہے کہ ہمیشہ نت نئی شرارتیں کرتا ہے۔ یہ آگ بھی اُسی کی لگائی ہوئی ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ شہزادی مہرنگار کی شادی آپ سے ہو۔ بہرحال آپ میرے مہمان ہیں۔ مجھ سے جو خدمت ممکن ہے، کروں گا۔ لیکن ایک درخواست آپ سے کرتا ہوں۔ امید ہے آپ منظور فرمائیں گے۔"

"کہیے، میں ہر طرح حاضر ہوں۔" امیر حمزہ نے کہا۔

"جنوب کی جانب، شہر سے کوئی دس کوس دُور، ایک پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ کے اوپر ایک خوفناک اژدہا رہتا ہے۔ اب تک نہ جانے کتنے آدمیوں کو ہلاک کر چکا ہے۔ اس کو مارنے کے سینکڑوں جتن کیے گئے۔ لیکن وہ کسی طرح نہ مر سکا۔ اس کے مُنہ سے آگ کے شعلے

نکلتے ہیں اور جو چیز بھی اِن شعلوں کی زد میں آجائے، جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔ اگر آپ اِس اژدہے کو مار سکیں تو نہ صرف مجھ پر، بلکہ میری تمام رعایا پر آپ کا احسان ہوگا۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ کہنے لگے:

"فریدُوں شاہ، تُم غم نہ کرو۔ خدا نے چاہا تو ہم تمہیں اس بلا سے نجات دلا دیں گے۔"

اگلے روز امیر حمزہ نے عمرو عیار کو اپنے ساتھ لیا اور پہاڑ کی جانب روانہ ہوئے۔ راستہ نہایت دُشوار تھا۔ جا بجا گھنی جھاڑیاں تھیں جن میں کئی کئی اِنچ لمبے کانٹے تھے زمین پتھریلی اور خشک تھی اور میلوں تک پانی کا نام نشان نہ تھا۔

اُس پہاڑ کے اِرد گِرد ایک بڑا سا جنگل تھا جس کے درخت کالے اور جُھلسے ہوئے تھے۔ امیر حمزہ سمجھ گئے کہ یہ درخت اسی اژدہے کے منہ سے نکلنے والی آگ سے جلے ہیں۔ انہوں نے عمرو عیار کو ایک ٹیلے کے پیچھے چھپ جانے

کا اشارہ کیا اور خود اژدہے کی تلاش میں
اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔
تھوڑے فاصلے پر سیاہ رنگ کا ایک اُونچا
ٹیلا سا دکھائی دیا۔ غور سے دیکھا تو یہی وہ
مُوذی اژدہا تھا جو کُنڈلی مارے سو رہا تھا۔
امیر حمزہ نے اپنی کمان میں تیر چڑھایا اور اس کی
ایک آنکھ کا نشانہ لے کر چلا دیا۔ تیر سنسناتا ہوا گیا
اور اژدہے کی آنکھ پر جا کر لگا۔ اژدہے نے
اُوپر مُنہ اٹھا کر اس زور سے پھُنکار ماری کہ
آگ کے شُعلے دور تک گئے اور پُوری فضا کو
جھُلس دیا۔ اِن شُعلوں کی گرمی اتنی تھی کہ امیر حمزہ
بھی گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔ پھر انھوں نے ایک
اور تیر چلا کر اژدہے کی دُوسری آنکھ بھی پھوڑ
دی۔ اب اژدہے کے غصّے کی انتہا نہ رہی۔
اس کے مُنہ سے شُعلوں کے ساتھ ساتھ نہایت
ڈراؤنی آوازیں بھی نکل رہی تھیں اور وہ اِدھر
سے اُدھر گھُوم رہا تھا۔
امیر حمزہ نے اطمینان سے تلوار نکالی اور اژدہے
کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد واپس

شہر میں آئے اور فریدوں شاہ کو خبر کی۔ اژدہے کے مارے جانے کی خبر جس نے سُنی، خوشی سے اُچھل پڑا اور ہزاروں لوگ اُسے دیکھنے کے لیے پہاڑ کی طرف روانہ ہو گئے۔

فریدوں شاہ نے کئی روز تک امیر حمزہ کو اپنے ہاں مہمان رکھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اُسے اِس عرب نوجوان سے محبت ہو گئی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ کوئی ایسی صورت نکلے کہ امیر حمزہ اُسی کے ہو جائیں سوچتے سوچتے اس کے ذہن میں ایک انوکھی تدبیر آئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی بیٹی شہزادی مریم کی شادی امیر حمزہ سے کر دے گا۔ اس نے اپنے بھائی کو بُلا کر یہ بات بتائی اور اُسے امیر حمزہ کے پاس بھیجا۔ فریدوں شاہ کے بھائی نے جب امیر حمزہ کو شہزادی مریم سے شادی کا پیام دیا تو انھوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں شہزادی مہر نگار سے شادی کا وعدہ کر چکا ہوں۔

استفتا نوش

یُونان سے چل کر امیر حمزہ کا لشکر روم کی سرحد پر پہنچا ۔ یہاں حادلیس نام کے ایک طاقت ور بادشاہ کی حکومت تھی ۔ اس کے دو بھتیجے تھے ۔ ایک کا نام استفتا نوش اور دُوسرے کا صَدَف نوش تھا ۔ دونوں بھائی آدمی کے بجائے دیو نظر آتے تھے ۔ ایک کا قد ساڑھے چھ فُٹ اور دوسرا سات فٹ کا تھا ۔ چہرے سُرخ ، مونچھیں گھنی اور نوکیلی ۔ بھری بھری ڈاڑھیاں ، آنکھیں باہر کو اُبلی ہوئیں اور سر مُنڈے ہوئے تھے ۔ وہ اپنے چچا حادلیس بادشاہ کے مُحافِظ تھے اور دربار میں اِن دونوں کی کُرسیاں تختِ شاہی کے دائیں بائیں رکھی جاتی تھیں ۔ پورے ملک میں ان کی ٹکّر کا کوئی شخص نہ تھا ۔ ہر طرف ان کی بہادُری اور

زور آوری کی دھوم مچی ہوئی تھی۔

جب انھوں نے امیر حمزہ کے آنے اور شہر کا محاصرہ کرنے کی خبر پائی تو ان کا خون کھول گیا۔ روم کی عظیم سلطنت جو کبھی ایران کے برابر سمجھی جاتی تھی، بھلا عربوں کو کب خاطر میں لاتی۔ حادلیس نے اپنے دونوں بھتیجوں کو حکم دیا کہ دس دس ہزار سوار لے کر میدان میں جائیں اور امیر حمزہ کو تہس نہس کر دیں۔

ابھی یہ دونوں بھائی لڑائی کے احکام جاری کر رہے تھے کہ امیر حمزہ کا ایلچی حادلیس کے نام اس مضمون کا خط لے کر آیا۔

"یہ خط امیر حمزہ کی جانب سے روم کے بادشاہ حادلیس کے نام بھیجا جاتا ہے۔ خبردار ہو جاؤ کہ تمھاری قضا آن پہنچی۔ نوشیرواں شہنشاہ ہفت کشور نے مجھے بھیجا ہے کہ تمھیں زیر کر کے خراج حاصل کروں اور آئندہ کے لیے اطاعت کا وعدہ لوں۔ اگر میری خدمت میں کل صبح تک خراج لے کر حاضر ہو جاؤ تو تمھیں اور تمھاری رعایا کو امان ہے ورنہ شہر اور قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں

گا اور کسی کو ہرگز جیتا نہ چھوڑوں گا۔"
حادیس نے جب یہ خط پڑھا تو طیش کے
مارے کانپنے لگا۔ چہرہ تانبے کی مانند تپ کر
سُرخ ہو گیا۔ حکم دیا کہ امیر حمزہ کے ایلچی کے
ناک کان کاٹ ڈالے جائیں۔ بس یہی اس خط
کا جواب ہے۔ حکم سنتے ہی شاہی جلّاد نے ایلچی
کو پکڑ لیا اور خنجر سے اُس کے کان ناک کاٹنا چاہتا تھا
کہ استفتانوش اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس
نے آگے بڑھ کر جلّاد کو اس زور کا گھونسا مارا
کہ وہ لڑھکنیاں کھاتا ہُوا دُور جا گِرا۔ یہ دیکھ
کر حادیس حیران ہوا۔ کہنے لگا:
"استفتانوش، تُو نے یہ کیا حرکت کی؟"
"بادشاہ سلامت، آپ اپنا حکم واپس لیں۔
ایلچیوں کو مارنا یا اُن کے کان ناک کٹوانا
بادشاہوں کی شان کے خلاف ہے۔ بہادری
یہ ہے کہ ہم میدان میں نکل کر امیر حمزہ سے
دو دو ہاتھ کریں۔ ایلچیوں کا کام پیغام پہنچانا ہے
ہمارا اس سے کیا جھگڑا۔"
یہ سُن کر بادشاہ حادیس نے سر جھکا لیا اور

کہا:
"تو سچ کہتا ہے۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" پھر اس نے امیر حمزہ کے ایلچی سے کہا:
"جاؤ اور جا کر اپنے سردار سے کہہ دو کہ ہم کل صبح اس بے ہودہ خط کا جواب میدانِ جنگ میں دیں گے۔"
ایلچی نے یہی بات آن کر امیر حمزہ سے کہی اور استفتانوش کا واقعہ بھی سنایا کہ اگر وہ حادیس کو نہ سمجھاتا تو جلاد میرے کان ناک کاٹ ڈالتا۔
یہ سن کر امیر حمزہ کہنے لگے:
"ایسا معلوم ہوتا کہ استفتانوش واقعی بہادر آدمی ہے۔"
اگلے روز سورج نکلنے سے کچھ دیر پہلے ہی حادیس کی فوجیں میدانِ جنگ میں آن کھڑی ہوئیں۔ امیر حمزہ اور اُن کے دوستوں نے بھی ہتھیار جسم سے باندھے، گھوڑوں پر سوار ہوئے اور سامنے آ کر ڈٹ گئے۔ طبلِ جنگ بجنے لگا۔ گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سے قیامت کا شور پیدا ہوا۔ اتنے میں ایک گرانڈیل

جوان سُرخ گھوڑے پر سوار میدان میں نکلا اور بلند آواز سے بولا :

"جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میرا نام استفتانوش ہے۔ میرے سامنے موت بھی آتے ہوئے کانپتی ہے۔ جو شخص زندہ رہنے کا خواہش مند نہ ہو، وہ مجھ سے مقابلہ کرے۔ ابھی دم کے دم میں دوسری دنیا کو روانہ کر دوں گا۔"

استفتانوش کا چیلنج سُن کر امیر حمزہ نے دائیں بائیں دیکھا۔ اُسی وقت لِندھور اپنا ہاتھی بڑھا کر آگے آیا اور استفتانوش سے جنگ کرنے کی اجازت چاہی۔

"جاؤ تمہیں خدا کے سپرد کیا" امیر حمزہ نے لندھور سے کہا۔

تب لِندھور کا ہاتھی جھومتا ہوا چلا اور استفتانوش کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ استفتانوش نے حیرت سے لِندھور کو دیکھا۔ دل میں خوش ہوا کہ واقعی جی دار پہلوان نظر آتا ہے۔ کہنے لگا:

"اے سیاہ فام شخص، تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ جلد بتا تاکہ بے نام و نشان نہ

مارا جائے۔"

لنڈھور منہ کھول کر ہنسا اور جواب دیا:

"میں ہندوستان کا بادشاہ ہوں اور میرا نام لنڈھور ہے۔"

استفنالوش نے یہ نام سن رکھا تھا۔ دل میں ایک لرزہ سا پیدا ہوا، مگر فوراً ہی اپنا گرز سر سے بلند کر کے چلایا۔

"اے لنڈھور پھر نہ کہیو کہ خبر دار نہ کیا۔ میرے وار سے خود کو بچا سکتا ہو تو بچا۔"

یہ کہہ کر اس زور سے گرز لنڈھور کے سر پر مارا کہ کوئی اور ہوتا تو اس کا بدن قیمہ قیمہ ہو جاتا مگر آفرین ہے لنڈھور پر کہ اس نے اس بے پناہ ضرب کو اپنی ڈھال پر روک لیا۔ پھر بھی اس کے پسینے چھوٹ گئے اور اس نے جی میں اقرار کیا کہ واقعی استفنالوش کے بازوؤں میں بھی جان ہے۔

"اے پہلوان، اب میرا وار ہوتا ہے۔" لنڈھور نے اپنا فولادی گرز گھماتے ہوئے کہا اور ہاتھی کو آگے بڑھا کر پوری قوت سے گرز استفنالوش کے

سر پہ مارا۔ آگ کا ایک عظیم شعلہ استقنالوش کی
ڈھال سے نکلا اور اس زور کا دھماکا ہُوا کہ اس
کی آواز سات کوس تک سُنی گئی۔ استقنالوش
کے بدن پر کپکپی طاری ہوئی۔ مگر وہ نہایت
مردانگی سے ڈٹا رہا اور ہنس کر کہنے لگا:

"واہ رے لندھور آفرین ہے اس ماں پر جس
کا تجھ جیسا بیٹا ہے۔ میں بہت دنوں سے تیرا
نام سنتا تھا اور سچ یہ ہے کہ جیسا سُنا ویسا ہی
پایا۔"

یہ کہہ کر استقنالوش نے پھر اپنے گرز سے
حملہ کیا۔ کئی گھنٹے تک لڑائی ہوتی رہی۔ دونوں
پہلوان پسینے میں تر ہو گئے۔ مگر فیصلہ نہ ہُوا
کہ کون جیتا کون ہارا۔ آخر سورج غروب ہوا۔
لڑائی بند کرنے کا طبل بجا اور دونوں پہلوان
اپنے اپنے خیموں میں واپس چلے گئے۔

امیر حمزہ نے لندھور کو سینے سے لگایا۔ اس
کی بہادری کی تعریف کی اور کہا

"استقنالوش واقعی بہادر پہلوان ہے۔ اتنی
دیر تک تمہارے ساتھ لڑتا رہا۔"

"آپ نے سچ فرمایا۔ اپنی زندگی میں، آپ کے بعد اس سے زیادہ جی دار اور طاقت ور شخص سے لڑنے کا کبھی اتفاق نہیں ہُوا تھا۔" لِندھور نے جواب دیا۔

صبح منہ اندھیرے پھر لڑائی کا نقارہ بجا۔ دونوں فوجیں میدان میں آئیں اور صفیں باندھ لیں۔ استفتالوش اِس مرتبہ ہاتھی پر سوار ہو کر آیا اور گرج کر کہا:

"جس کو موت کی خواہش ہو، وہ میرے سامنے آئے۔"

یہ نعرہ سُن کر امیر حمزہ نے دائیں بائیں دیکھا لِندھور اپنے ہاتھی کو آگے بڑھا کر میدان میں جانا چاہتا تھا کہ عادی پہلوان نے اسے روکا اور کہا:

"بھائی لِندھور، تم اِس مُوذی کے ساتھ بکل دو دو ہاتھ کر چکے ہو۔ آج مجھے جانے دو۔"

یہ کہہ کر اس نے امیر حمزہ کی جانب دیکھا۔ امیر نے کہا:

"جاؤ عادی بھائی، تمہیں خُدا کو سونپا۔ ذرا

دیکھ بھال کر لڑنا۔"

عادی پہلوان خود ہاتھی سے کیا کم تھا۔ مگر جب وہ سولہ فٹ اونچے ایک سیاہ اور گرانڈیل ہاتھی پر بیٹھ کر استقتانوش کے مقابلے میں آیا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کالے رنگ کا ایک پہاڑ چلا آتا ہے۔ استقتانوش نے جی میں کہا کہ یہ ضرور حمزہ ہے۔ پکار کر کہنے لگا:

"کیا تیرا ہی نام حمزہ ہے؟"

عادی پہلوان نے قہقہہ لگایا اور جواب دیا۔

"میں حمزہ کا ایک ادنیٰ غلام ہوں۔ مجھے عادی کرب کہتے ہیں۔"

"بہت خوب۔ تو تو اپنے آقا پر نثار ہونے آیا ہے۔"

"اگر ایسا ہو تو یہ میری خوش نصیبی ہو گی۔" عادی نے جواب دیا۔ "اچھا، زیادہ باتیں مت بنا اور حملہ کر۔ بعد میں شکایت نہ کیجیو کہ تو نے حوصلہ نہیں نکالا:"

یہ سن کر استقتانوش کا خون کھول گیا۔ ایک دل ہلا دینے والے نعرے کے ساتھ وہ عادی

پہلوان کی طرف جھپٹا اور اپنا گُرز اِس زور سے مارا کہ عادی کی روح سمٹ کر حلق میں آ گئی اور اس کا ہاتھی بُری طرح چنگاڑنے لگا۔ تب عادی نے اپنا گُرز دونوں ہاتھوں سے گھمایا اور استقفانوش کے سر پر مارا۔ اگر وہ ڈھال سے نہ روکتا تو اس کے سر کے ہزار ٹکڑے ہو جاتے پھر تو دونوں میں ایسی خوف ناک جنگ ہوئی کہ دوستوں اور دُشمنوں کے کلیجے کانپ اُٹھے۔ لڑتے لڑتے شام ہو گئی اور دونوں خون میں نہا گئے۔ آخر لڑائی بند کیے جانے کا نقارہ بجا۔

عادی پہلوان اپنی فوج میں آیا تو سب نے اس کی ہمت اور جواں مردی پر شاباش دی عَمرو کہنے لگا "یار عادی، مجھے تو آج معلوم ہوا کہ تو کس بَلا کا پہلوان ہے۔ استقفانوش کے چھکے چھڑا دیے۔ مَیں تجھے کسی روز پیٹ بھر کر دُودھ پلاؤں گا۔"

عَمرو کی اس بات پر سب نے قہقہے لگائے۔

اگلے روز پھر وہی منظر تھا۔ میدانِ جنگ میں فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں اور استقفانوش سفید

رنگ کے ایک خوب صورت گھوڑے پر بیٹھا میدان کا چکر لگا رہا تھا۔

اس مرتبہ پھر اس نے جنگ کے لیے کسی پہلوان کو طلب کیا۔ سلطان بخت مغربی نے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ استفتانوش نے للکار کر کہا:

"حمزہ اپنے دوستوں اور غلاموں کو مجھ سے لڑنے کے لیے بھیجتا ہے اور خود سامنے آنے کی جرأت نہیں کرتا۔ کیا اسی بہادری پر ناز کرتا ہے؟"

یہ سن کر امیر حمزہ نے سلطان بخت مغربی کو روک دیا اور کہنے لگے "استفتانوش سچ کہتا ہے۔ مجھے پہلے ہی اس کے مقابلے میں جانا چاہیے تھا۔" پھر انھوں نے مقبل وفادار سے کہا "بھائی، ذرا میرے ہتھیار تو لے آؤ۔"

مقبل نے حکم کی تعمیل کی۔ امیر حمزہ نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جبّہ پہنا۔ پھر حضرت اسحاق عؑ کا پیراہن گلے میں ڈالا۔ داؤد علیہ السلام کی زرہ پہنی اور ہود نبیؑ کا خود

نہایت شان سے سر پر رکھا۔ حضرت صالح علیہ السلام کے موزے پیروں پر چڑھائے، صمصام اور قمقام نامی دو تلواریں کمر سے باندھیں۔ سیاہ گھوڑے قیطاس پر سوار ہوئے اور اپنی فوج کی سلامی لیتے ہوئے میدانِ جنگ میں آئے۔

استقنانوش نے خوف کی نظر سے اس جوان کو دیکھا اور کہنے لگا "کیا تُو ہی امیر حمزہ ہے؟"

"ہاں، میں ہی حمزہ ہوں۔"

"قسم ہے پیدا کرنے والے کی کہ تو مجھے کسی رُخ سے بھی پہلوان نظر نہیں آتا۔" استقنانوش نے کہا "اگر واقعی تُو حمزہ ہے تو جا، میں نے تیری جاں بخشی کی۔"

امیر ہنسے اور کہنے لگے: "استقنانوش، میرے کئی دوست تجھ سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے تیار تھے۔ مگر تُو نے مجھے پکارا۔ پس میں آیا۔ مگر تُو لڑنے سے جی چُراتا ہے۔"

"میں لڑنے سے جی نہیں چُراتا۔ مجھے تیری جوانی پر ترس آتا ہے۔ بھلا لندھور اور عادی جیسے دیو مجھے زیر نہ کر سکے تو تیری کیا حیثیت ہے۔

اچھا، وار کر۔"

"پہلے وار کرنا میری شان کے خلاف ہے۔"

حمزہ نے کہا "تو پہل کر۔"

"لے سنبھل۔" یہ کہہ کر استفتانوش نے گرز گھما کر مارا۔ حمزہ نے ڈھال پر روکا، مگر ضرب ایسی تھی کہ قیطاس کے قدم لڑکھڑا گئے۔

حمزہ نے کہا "اے استفتانوش، دو وار اور تجھ کو دیے۔"

تب استفتانوش نے خدا کی دی ہوئی ساری طاقت جمع کر کے دو حملے اور کیے۔ امیر حمزہ نے ان کو بھی خوبی سے روکا۔ پھر اپنا گرز اٹھا کر بولے:-

"اے استفتانوش، یہ گرز میرا نہیں۔ حشام ڈاکو کا ہے۔ خبر دار ہو جا۔"

یہ کہہ کر انھوں نے دونوں پاؤں رکابوں میں اچھی طرح پھنسا لیے، پھر گرز ہاتھوں میں پکڑ کر اس زور سے مارا کہ استفتانوش کے گھوڑے کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ اپنے سوار سمیت دھم سے زمین پر گر پڑا۔ استفتانوش کے گرتے ہی

قیامت کا شور پیدا ہوا۔ لیکن فوراً ہی وہ اٹھا اور تلوار کھینچ کر حمزہ کی طرف لپکا۔ وہ بھی اپنے گھوڑے سے اترے اور تلوار نکال لی۔

دیر تک تلوار بازی ہوتی رہی۔ آخر حمزہ نے ایک ہاتھ ایسا مارا کہ استفتانوش کی تلوار دو ٹکڑے ہو گئی۔ اس نے تلوار کا دستہ ایک طرف پھینک دیا اور خود امیر حمزہ سے لپٹ گیا۔

استفتانوش نے ہزار داؤ پیچ کیے، مگر کوئی بس نہ چلا۔ آخر اس کا دم پھول گیا اور وہ بھاگنے کا ارادہ کرنے لگا۔ اسی وقت امیر حمزہ نے اس کی کمر پکڑ کر سر سے اونچا اٹھا لیا اور چاہتے تھے کہ گھما کر زمین پر پٹخ دیں کہ اس نے امان طلب کی۔ تب حمزہ نے اُسے آہستہ سے زمین پر لٹا کر چت کر دیا۔ عمرو نے اسی وقت آکر اس کے ہاتھ پیر باندھ دیے اور ڈنڈا ڈولی کر کے اپنے لشکر میں لے گیا۔

اپنے بھائی کی یہ درگت بنتی دیکھ کر صدف نوش کو تاؤ آیا۔ گھوڑے پر بیٹھ کر آندھی کی طرح

میدان میں آیا اور تلوار نکال کر حمزہ پر حملہ کیا۔ انھوں نے وار روکا اور اس کی کمر تھام کر اس کے گھوڑے کے پیٹ میں اس زور سے لات ماری کہ گھوڑا چالیس قدم دُور جا کر گرا اور صدقت نوش حمزہ کے ہاتھ میں بلبلاتا رہ گیا۔ تب انھوں نے اسے بھی زمین پر پٹخا۔ عمرو دوڑا ہوا آیا اور اس کے ہاتھ پیر باندھ کر اپنے لشکر میں لے گیا۔

حادیس اور اس کی فوج نے جب دیکھا کہ استفتا نوش اور صدقت نوش دونوں گرفتار ہو گئے ہیں تو اُن کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ایسی بھگدڑ مچی کہ کسی کو کسی کی خبر نہ رہی اور جس کا جدھر منہ اٹھا، بھاگ نکلا۔ مقبل وفادار اور عمرو نے فتح کے نقارے بجوائے اور امیر حمزہ کے لشکری ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔

شام کے وقت امیر حمزہ نے استفتا نوش اور صدقت نوش کو اپنے پاس بلوایا۔ عمرو نے فوراً انھیں حاضر کیا۔ اُن کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے

تھے۔ حمزہ نے پوچھا۔
"کہو، کیا حال ہے؟ مجھ سے لڑنے میں تمہیں کچھ لطف آیا؟"
"بے شک۔۔۔" استفتالوش نے جواب دیا۔
"آپ بہادر شخص ہیں۔"
"تم بھی بہادر اور نڈر ہو۔" امیر حمزہ نے کہا یہ سُن کر دونوں بھائی بے حد خوش ہوئے۔
کہنے لگے "ہم ہمیشہ کے لیے آپ کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔"
امیر حمزہ نے انہیں گلے لگایا اور ان کو آزاد کر کے سونے کی کرسیوں پر اپنے پاس بٹھایا حمزہ نے استفتالوش سے پوچھا "اب حادلیس کیا کرے گا؟"۔
"وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اُسے ہماری طاقت پر بھروسا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ عن قریب آپ کے قدموں میں آن گرے گا۔" استفتالوش نے جواب دیا۔
اِدھر تو یہ گفت گو ہو رہی تھی اور اُدھر حادلیس اپنی نئی سرگرمیوں میں لگا ہوا تھا۔

ایک مکار اور عیار وزیر نے حادیس کو مشورہ دیا کہ رات کی تاریکی میں میدانِ جنگ میں سات کنویں کھدوائے جائیں اور ان کے اُوپر پتلا بانس اور کیچڑ پھیلا کر مٹی چھڑک دی جائے۔ حمزہ میدان میں آئے تو اسے اِن کنوؤں کی طرف لے آؤ۔ وہ کسی نہ کسی کنویں میں گر پڑے گا۔ جونہی حمزہ کنویں میں گرے، اپنے لشکر کو حکم دو کہ مٹی سے اس کنویں کو پاٹ دے۔ اس طرح حمزہ کا قصّہ پاک ہوجائے گا۔

حادیس نے ایسا ہی کیا۔ راتوں رات بہت سے مزدور لگا کر سات گہرے کنویں کھدوا دیے اور ان کے منہ بانس، کیچڑ اور مٹی سے ڈھانپ دیئے پھر قلعے سے اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر باہر آیا اور زور زور سے پکارنے لگا:

"اے حمزہ، اگر تو بہادر ہے اور لڑنا چاہتا ہے تو میدان میں نکل اور مجھ سے مقابلہ کر۔"

امیر حمزہ نے حادیس کو دیکھا اور اس کی یہ للکار سُنی تو استقفنا لوش سے کہنے لگے:

"بھائی، تم تو کہتے تھے کہ حادیس میرے قدموں

میں آن گرے گا۔ وہ تو مجھے لڑائی کے لیے للکار رہا ہے۔"

استقفانوش نے اُسی وقت تلوار سونت لی اور ارادہ کیا کہ حادیس کا سر تن سے جُدا کرے کہ امیر حمزہ نے اُسے روکا اور کہا "ٹھہرو، حادیس نے مجھے مقابلے میں آنے کی دعوت دی ہے اور اگر میں نہ گیا تو لوگ کہیں گے کہ حمزہ ڈر گیا۔"

یہ کہہ کر وہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور میدانِ جنگ میں آئے۔ حادیس نے اپنے گھوڑے کو کنوؤں کی طرف بھگایا۔ امیر حمزہ نے اس کا پیچھا کیا اچانک انھیں ایک کنواں دکھائی دیا۔ انھوں نے گھوڑے کو چابک مارا، گھوڑے نے جست کی اور کنواں پار کر گیا۔ اس کے بعد دُوسرا کنواں آیا۔ وہ بھی پار کیا۔ غرض اسی طرح سیاہ قیطاس نے چھ کنویں پار کیے۔ مگر ساتویں کنویں سے اس کے پچھلے پیر ٹکرائے گھوڑا لڑکھڑا کر گرا اور اس کے گرتے ہی امیر حمزہ کنویں میں جا پڑے۔ حادیس کے سپاہیوں نے کنویں کے کنارے خنجر، تلواریں اور کٹار گاڑ دیے اور اس کے اندر مٹی ڈالنے لگے۔

امیر حمزہ نے کنویں میں گرتے ہی ڈھال نکال کر سر پر رکھ لی اور اوپر سے آنے والی مٹی اس ڈھال پر رکتے رہے۔ حادیس بھاگ کر قلعے میں گیا اور وہاں سے تیر چھوڑنے لگا۔ اس نے قلعے کے گرد کھدی ہوئی خندقوں میں پانی بھروا دیا تاکہ کوئی شخص قلعے میں داخل نہ ہونے پائے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ یہ عانوان کنواں قلعے کے بالکل نزدیک تھا۔ امیر حمزہ نے اندر ہی اندر اپنے خنجر سے سرنگ کھودنی شروع کی۔ تھوڑی سی محنت کے بعد یہ سرنگ خاصی بڑی ہو گئی، اور امیر حمزہ اس کے ذریعے قلعے کے اندر چلے گئے۔ اتنے میں عمرو عیار بھی لڑتا بھڑتا آیا اور اسی کنویں میں کودا اور سرنگ میں داخل ہو کر حادیس کے محل میں آ گیا۔ امیر حمزہ نے عمرو کو دیکھا تو حیران ہوئے۔ کہنے لگے "تو یہاں کیوں کر آیا؟"

"آپ کی محبت کھینچ لائی" عمرو نے جواب دیا "آپ یہیں ٹھہریے۔ میں حادیس کو گھیر کر لاتا ہوں" یہ کہہ کر اس نے جادو کے زور سے اپنی شکل صدف نوش کی سی بنائی حادیس کے پاس پہنچا اور

نعرہ مار کر کہا:
"اے چچا، خوش ہو جا کہ مَیں نے بے وقوف استفنا نوش اور حمزہ دونوں کو ہلاک کر دیا ہے۔"
یہ سُن کر حادیس خوشی کے مارے ناچنے لگا اور عمرو کو گلے سے لگا لیا۔ بس پھر کیا تھا۔ عمرو نے اسے اِس زور سے بھینچا کہ ہڈیاں پسلیاں کڑکڑا اٹھیں اور حادیس کے حلق سے چیخیں نکل گئیں۔
آخر امیر حمزہ نے آ کر اُس کو چھڑایا، مشکیں کسیں اور قلعے سے باہر لائے۔ استفنا نوش اور صدف نوش وہاں موجود تھے۔ حادیس کبھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر عمرو کو دیکھتا، کبھی صدف نوش کو۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اِن میں سے اصلی صدف نوش کون سا ہے۔ تب عمرو اپنی اصل شکل میں آیا۔ حادیس اسے بُرا بھلا کہنے لگا۔ استفنا نوش نے اسی وقت تلوار نکال کر اس کا سر قلم کر دیا۔

قیصرِ رُوم سے جنگ

حادیس کے غرُور کا قلعہ تہس نہس کرنے کے بعد امیر حمزہ نے ملک روم کی جانب اپنے گھوڑے کی باگ موڑی۔ رُوم کی سلطنت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی اور دُنیا کی بڑی بڑی حکومتیں رومیوں کی ہیبت سے کانپتی تھیں۔ ایرانیوں سے رومیوں کی اکثر جنگ ہُوا کرتی۔ کبھی ایرانی جیت جاتے اور کبھی رومی۔

جن دنوں امیر حمزہ نے رُوم پر چڑھائی کی، اُن دنوں رُومی سلطنت نوشیرواں شہنشاہِ ایران کو خراج ادا کرتی تھی۔ مگر جوُں ہی روم کے بادشاہ تک، جو قیصر کہلاتا تھا، یہ خبریں پہنچیں کہ بہت سی حکومتوں نے نوشیرواں کو خراج ادا کرنا بند کر دیا ہے، اُس نے بھی ہاتھ روک لیا اور

نوشیرواں کو کہلا بھیجا کہ اگر اپنی خیر چاہتا ہے تو رُوم کا رُخ ہرگز نہ کیجیو، ورنہ مارا جائے گا۔
قیصر نے تین سال سے نہ صرف خراج ادا نہیں کیا تھا بلکہ اندر ہی اندر وہ نوشیرواں سے جنگ کرنے کی تیاریاں بھی کر رہا تھا۔
اب اُس نے امیر حمزہ کے آنے کی خبر سُنی تو حیران بھی ہُوا اور خوف زدہ بھی۔
جاسوسوں نے اُسے بتایا تھا کہ امیر حمزہ عرب کا ایک نامور پہلوان ہے جس کی قوّت اور شجاعت کے سامنے آج تک کوئی پہلوان ٹھہر نہیں سکا۔ ہندوستان کے بادشاہ لِندھور، چین کے بادشاہ شاہ بہرام، اور یونان کے اسنفقانوش اور صدف نوش جیسے پہلوانوں اور بہادروں کو وہ شکست دے چکا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس سے لڑنے کے بجائے صُلح صفائی کر لی جائے۔
قیصر رُوم کو اپنی طاقت پہ بڑا غرور تھا۔ وہ صلح کی یہ تجویز سُن کر سخت ناراض ہُوا اور چلّا کر بولا:-
"اگر آئندہ کسی شخص نے اپنی ناپاک زبان

سے ایسی بات نکالی تو اسے زمین میں گاڑ کر
تیروں سے چھلنی کرا دوں گا۔"
یہ کہہ کر اس نے اپنی فوج کے سپہ سالار
استقلان پہلوان کو بلوایا اور حکم دیا کہ دشمن
سے جنگ کی جائے۔ استقلان نے فوج کو ترتیب
دیا اور میدانِ جنگ میں لے آیا۔ اس دوران
میں امیر حمزہ نے قیصر روم کے نام ایک خط لکھا
کہ اگر خراج ادا نہ کیا تو تیرا ایسا بُرا حشر کروں
گا کہ جو دیکھے، وہ کان پکڑے۔ امیر حمزہ نے
عمرو عیار سے کہا:
"تم یہ خط لے کر قیصرِ روم کے دربار میں
جاؤ اور جواب لے کر آؤ۔"
عمرو شہر میں داخل ہوا تو لوگوں نے ہاتھوں
ہاتھ اُسے قیصر کے محل میں پہنچا دیا۔ عمرو عیار
بڑی شان سے دربار میں پہنچا۔ رسم کے مطابق
اس نے قیصر کو جھک کر سات سلام بھی نہ کیے
بلکہ تخت کے پاس جا کر امیر حمزہ کا خط اس
کی جانب بڑھا دیا۔ عمرو کی اِس گستاخی پر قیصرِ
روم اور اس کے درباریوں کا خون کھول گیا۔

ایک دو سرداروں نے تو تلواریں بھی نکال لیں تاکہ عمرو کا سر قلم کریں مگر قیصر نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکا اور امیر حمزہ کا خط اپنے وزیرِ اعظم کو دیا کہ بلند آواز سے پڑھ کر سُنائے۔

وزیرِ اعظم نے ابھی چند جُملے ہی پڑھے تھے کہ قیصر نے جھلا کر وہ خط اُس کے ہاتھ سے چھینا اور پُرزے پُرزے کر دیا۔ پھر عمرو سے کہا:

"یہاں سے دفان ہو جاؤ اور اپنے آقا سے کہو کہ میں جلد ہی اُسے اِس بدتمیزی کا مزہ چکھاؤں گا۔"

یہ سُن کر عمرو کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ خنجر نکال کر قیصر کی طرف بڑھا اور کہنے لگا:

"تُو نے میرے آقا کا خط پھاڑا ہے۔ اس کی سزا یہ ہے کہ میں تیرا پیٹ پھاڑ دوں۔" اس نے چیتے کی طرح تڑپ کر قیصر پر وار کیا اور قریب تھا کہ قیصر جہنم رسید ہو کہ وزیرِ اعظم نے لات مار کر بادشاہ کو تخت سے نیچے گرا دیا اور یوں اس کی جان بچ گئی۔

یہ حادثہ اتنا اچانک ہوا کہ درباریوں، فوجی سپاہیوں اور محافظوں پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ پھر یک لخت کسی نے چیخ کر کہا:

"پکڑ لو اِس بدمعاش کو اور اس کی تِکا بوٹی کر ڈالو۔"

چاروں طرف سے عمرو پر دشمنوں نے یلغار کی مگر وہ تو بجلی بنا ہوا تھا۔ بھلا ان کے قابو میں کیوں کر آتا۔ ہرن کی طرح قلانچیں اور چوکڑیاں بھرتا ہوا محل میں گھومنے لگا۔ وہ کسی کے ہاتھ نہ آتا تھا۔ بلکہ موقع ملتا تو کسی نہ کسی کو خنجر مار کر ہلاک کر دیتا۔ آخر قیصر نے جھنجلا کر حکم دیا:۔

"اس بھوت کو محل سے باہر نکل جانے دیا جائے، ورنہ یہ سب کو مار ڈالے گا۔"

تب عمرو ایک جگہ رکا اور قہقہہ لگا کر بولا:

"اے بادشاہ، اِسی سے تجھے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ امیر حمزہ کا ایک ادنیٰ غلام تیرے آدمیوں کی یہ گت بنا سکتا ہے تو اِس کا آقا کیسا ہو گا۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ اپنا سر امیر حمزہ

کے قدموں پر رکھ دے۔ وہ تجھے معاف کر دیں گے۔"

یہ سُن کر قیصرِ روم سوچ میں پڑ گیا۔ اب اُسے امیر حمزہ اور عمرو عیار خوف ناک دیوؤں کی مانند دکھائی دے رہے تھے۔ اچانک اسقلان سپہ سالار نے آن کر عرض کی کہ فوجیں میدانِ جنگ میں جا رہی ہیں اور اب بادشاہ کے نئے حکم کا انتظار ہے۔ قیصرِ روم نے عمرو کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"اسقلان، اِس شخص نے ہمیں بہت دیر سے پریشان کر رکھا ہے۔ یہ امیر حمزہ کا ایلچی ہے اور ہمارے کئی افسروں کو ہلاک کر چکا ہے۔ کسی طرح اسے گرفتار کرو۔"

اسقلان نے تعجب کی نظر سے عمرو کو دیکھا پھر اس کے جسم پر لرزہ سا طاری ہو گیا۔ ہکلا کر عمرو سے پوچھا:

"کک ..... کیا ... کیا تمہارا ہی نام عمرو عیار ہے؟"

"خوب پہچانا۔" عمرو نے ہنس کر کہا۔ "بولو،

کیا ارادہ ہے، مجھے پکڑنا چاہتے ہو؟" استقلال کی گھگی بندھ گئی تھی۔ گھبرا کر قیصر سے کہنے لگا:

"حضور، اسے پکڑنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ میں نے اس کے کارنامے سُنے ہیں۔ یہ شخص آفت کا پرکالا ہے اور امیر حمزہ کے جاں نثار دوستوں میں سے ایک ہے۔"

پھر اُس نے عمرو سے کہا "بہتر یہی ہے کہ تم اپنے لشکر میں چلے جاؤ۔ ورنہ میں امیر حمزہ سے کہوں گا کہ کسی شریف آدمی کو بادشاہ کے پاس ایلچی بنا کر بھیجا کریں۔"

"مجھ سے زیادہ شریف امیر حمزہ کے لشکر میں کوئی اور نہیں ہے۔" عمرو نے پھر قہقہہ لگایا اور وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد سب کی جان میں جان آئی۔

عمرو نے اپنے لشکر میں جا کر سارا قصہ مزے لے لے کر سنایا۔ امیر حمزہ، لندھور، مقبل وفادار، عادی، سلطان بخت مغربی، استقتا نوش اور صدف نوش سب بے حد ہنسے اور عمرو کی

پیٹھ ٹھونکی۔

قیصر روم واقعی بہت بڑی فوج کا مالک تھا۔ ساری رات اس کی فوجیں میدانِ جنگ میں پہنچ کر صفیں باندھتی رہیں۔ اور جب آخری سپاہی بھی اپنی جگہ جم کر کھڑا ہو گیا تب قیصرِ روم قلعے سے باہر آیا اور لڑائی کا نقارہ خوب زور شور سے بجوایا۔

امیر حمزہ کو جاسوسوں نے خبر پہنچائی کہ قیصر کے سپاہیوں کی تعداد دس لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ انہوں نے حکم دیا کہ اب ہماری جانب سے بھی طبلِ جنگ بجوایا جائے۔ انھوں نے لشکر کے سرداروں کو ہدایت کی کہ اپنی اپنی فوج کے ساتھ میدان میں مورچے سنبھال لیں۔ ہم بھی ہتھیار باندھ کر آتے ہیں۔

جب دونوں فوجیں میدان میں آمنے سامنے لڑائی کے لیے مستعد ہوئیں اور سپاہیوں نے حلق پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگانے شروع کیے، تب نقیبوں کا ایک دستہ ایک جانب سے نکلا اور انھوں نے پکار کر کہا "کون جواں مرد ہے جو

میدان میں آ کر بہادری کے جوہر دکھائے اور
اپنے باپ دادا کا نام روشن کرے؟"
یہ پکار سُن کر قیصرِ رُوم کے لشکر سے استقلان
گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا اور میدان کے بیچ
میں آ کر نعرہ لگایا: "جس کو موت کی آرزو
ہے وہ سامنے آئے"۔
استفتانوش نے استقلان کو دیکھا اور ہنسا۔
پھر امیر حمزہ سے کہا: "اجازت ہو تو میں استقلان
سے دو دو ہاتھ کر لوں؟"
امیر حمزہ نے اشارے سے استفتانوش کو اجازت
دی اور وہ اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا استقلان کے
مقابل جا پہنچا۔ استقلان نے اپنے سامنے
استفتانوش کو موجود پایا تو حقارت سے کہنے
لگا:۔
"میں تو تجھے بڑا بہادر سمجھتا تھا، لیکن اب
پتا چلا کہ تُو بزدل ہے۔ بھلا یہ تو بتا کہ تُو نے
اپنے چچا کو کیوں مارا اور ایک معمولی عرب کی
غلامی کیوں قبول کی؟"
"میرا چچا بزدل اور مکار تھا۔ اس لیے میں

نے اُسے مارا۔" استفتانوش نے جواب دیا "اور حمزہ کی غلامی اس لیے قبول کی کہ اِس وقت رُوئے زمین پر اس سے بڑا پہلوان کوئی اور نہیں۔"

"افسوس... صد افسوس کہ تُو نے اپنے باپ داد کے نام کو بٹّا لگایا۔" استفلان نے کہا۔

"خیر جو کچھ بھی ہُوا، ٹھیک ہوا۔ اب یہ بتا کہ تُو یہاں لڑنے آیا ہے یا باتیں بناتے"؟ استفتانوش نے گرز گھما کر پُوچھا۔ تب استقلان نے بھی اپنا گرز سنبھالا اور ایسی خوف ناک جنگ شروع ہوئی کہ دونوں لشکروں کے سپاہی عش عش کر اُٹھے۔ لیکن ان بہادر پہلوانوں میں سے کوئی بھی جیت نہ سکا۔ آخر سورج غروب ہُوا اور لڑائی بند ہوئی۔

اگلے روز میدان میں پھر وہی منظر تھا۔ استقلان سپہ سالار جوش سے بھرا ہوا سامنے آیا۔ استفتانوش پھر اس کے مقابلے میں جانا چاہتا تھا کہ استقلان نے نعرہ لگایا:

"حمزہ میدان میں نکلے۔ وہ کہاں چھپا ہُوا

ہے؟"

یہ سن کر امیر حمزہ نے استقنانوش کو روکا۔
پیغمبروں کے مقدس ہتھیار باندھ کر سیاہ قیطاس
پر سوار ہوئے اور اپنی فوجوں کی سلامی لیتے ہوئے
میدانِ جنگ میں اُترے۔ استقلان ایک بھاری
بھرکم اور سیاہ فام پہلوان تھا۔ اُس کا خیال
تھا کہ حمزہ کسی دیو کے برابر ہو گا اور طاقت
میں ہاتھی سے بھی زیادہ ـــ مگر جب اس نے
ایک معمولی قد کے ایک خُوب صورت عرب
جوان کو اپنے سامنے پایا تو حیران ہو کر چلّایا:
"اے بد نصیب جوان، تو کون ہے اور
کیوں اپنی قضا کی تلاش میں آیا ہے۔ واپس
چلا جا اور حمزہ کو میدان میں بھیج کہ میں اُسی
سے دو دو ہاتھ کرنے کا خواہش مند ہوں"۔
"مَیں ہی حمزہ ہوں" امیر حمزہ نے مسکرا کر
جواب دیا۔
استقلان کی آنکھیں حیرت سے باہر آ گئیں۔
وہ چند لمحے تک امیر حمزہ کو گھورتا رہا پھر
کہنے لگا،

"قسم ہے پیدا کرنے والے کی، مجھے یقین نہیں آتا تو ہی وہ نامور پہلوان ہے جس نے تمام دنیا میں شہرت حاصل کی ہے۔ شاید تو کوئی جادوگر ہے۔"

"میں جادوگروں پر لعنت بھیجتا ہوں۔" امیر حمزہ نے جواب دیا۔ "زیادہ بحث نہ کر اور ہتھیار اٹھا۔"

یکایک عمرو عیار دوڑتا ہوا امیر حمزہ کے پاس آیا اور عربی زبان میں بولا:

"یا امیر، قیصر روم کے ساتھ دس لاکھ سوار ہیں۔ خدا جانے ان میں کتنے پہلوان ہیں۔ اگر آپ دو دو اور تین تین سے لڑیں تب بھی یہ لوگ قابو نہ آئیں گے۔"

امیر حمزہ نے مشکل سے بات ختم کی تھی کہ اسقلان نے انھیں بے خبر پا کر گرز سے حملہ کر دیا۔ وار ایسا زبردست تھا کہ حمزہ اپنی ڈھال پر نہ روکتے تو کھوپڑی کے ہزار ٹکڑے ہو جاتے۔ اسقلان کا گرز جب حمزہ کی ڈھال پر پڑا تو اس میں سے چنگاریاں اڑیں اور بڑا زبردست

دھاکا ہُوا۔ اس موقع پر عجیب تماشا ہوا۔
امیر حمزہ کی ڈھال سے آگ سی جو چنگاریاں
اڑیں، ان میں سے ایک چنگاری اسقلان کی
آنکھ میں پڑی اور وہ تکلیف سے چلّا اٹھا۔ امیر حمزہ
نے اُسی وقت اپنا گھوڑا بڑھا کر اسقلان کی کمر پکڑی
اور اس کے گھوڑے کو اس زور کی لات ماری
کہ وہ بیس قدم دُور جا گرا۔ پھر حمزہ نے نعرہ
مار کر اسقلان کو دونوں ہاتھوں پر اٹھایا اور
زمین پر دے مارا۔ عَمرو بھاگا بھاگا آیا اور اس
کے ہاتھ پیر باندھ کر اپنے لشکر میں لے گیا۔
اسقلان سپہ سالار کے چھوٹے بھائی کا نام
بھی اسقلان تھا۔ جب اس نے بڑے بھائی
کو یوں بے بسی کے عالم میں عَمرو عیّار کے ہاتھوں
بندھتے دیکھا تو تلوار کھینچی اور غضب ناک
ہو کر نعرے مارتا میدان میں آیا۔ امیر حمزہ نے
ایسی تلوار ماری کہ اس کے ہاتھ سے تلوار
چھٹ کر دُور جا گری۔ اور اس سے پہلے کہ وہ
ہوشیار ہو کر کوئی اور ہتھیار اٹھاتا، حمزہ کا گھونسا
پوری شدّت سے اس کی گردن پر پڑا۔ اسقلان

لٹو کی طرح گھوما اور زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ عُمرو نے جھٹ پٹ اُسے بھی باندھا اور گھسیٹتا ہوا اپنے لشکر میں لے گیا۔

قیصرِ رُوم ایک اونچے ٹیلے پر کھڑا یہ سب کارروائی دیکھ رہا تھا۔ اسقلان بھائیوں کی پٹائی اور گرفتاری کے بعد اس نے اپنی ٹڈی دَل فوج کو حکم دیا کہ دُشمن پر ٹوٹ پڑو۔ حکم کی دیر تھی کہ دس لاکھ رُومی سپاہی تلواریں چمکاتے ہوئے امیر حمزہ کے لشکر پر آن گرے۔ ایسی گھمسان کی جنگ ہوئی کہ میدانِ جنگ خُون سے سُرخ ہو گیا ہر طرف لاشوں کے انبار لگ گئے۔ گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز، زخمیوں کا شور و غل اور سپاہیوں کے دل ہلا دینے والے نعروں سے میدانِ جنگ قیامت کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ امیر حمزہ کے سپاہیوں نے ایسی جی داری سے رومیوں کا مُقابلہ کیا کہ اُن کے چھکے چھوٹ گئے۔

امیر حمزہ دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھامے دشمن کے لشکر میں یوں پھر رہے تھے، جیسے بکریوں کے ریوڑ میں شیر۔ دائیں بائیں

آگے پیچھے ان کی تلوار برابر چل رہی تھی اور
جس پر پڑتی اُسے خون میں نہلائے بغیر نہ چھوڑتا
آن کی آن میں انہوں نے کشتوں کے پشتے لگا
دیئے۔ اُدھر لندھور، استقفانوش، صدف نوش
عادی پہلوان، مقبل وفادار، شہپال ہندی
بیٹوں اور سلطان بخت مغربی نے اس کثرت
سے رومیوں کو تہس نہس کیا کہ دس لاکھ میں
سے پانچ لاکھ آدمی شام تک مارے جا چکے
تھے اور باقی بھاگنے کا بہانہ تلاش کر رہے
تھے۔ مگر قیصر روم بڑی بے جگری سے لڑ
رہا تھا۔

یکایک عادی پہلوان کی نظر قیصر پر پڑی
دل میں کہنے لگا اس موذی کو جب تک
گرفتار نہ کروں گا، اُس وقت تک جنگ
نہ ہو گی۔ وہ صفوں پر صفیں کاٹتا آخر قیصر روم
کے قریب جا پہنچا۔ بڑے بڑے شہ زور رومی
پہلوانوں اور جنگجو سپاہیوں نے اپنے بادشاہ
کو گھیرے میں لے لیا مگر عادی نے سب
کو اٹھا اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ آخر قیصر اکیلا

گیا۔ تب عادی نے اُسے اپنی رسّی سے باندھا اور گھسیٹتا ہوا امیر حمزہ کے پاس لے کر آیا۔
قیصر کی گرفتاری پر حمزہ نے عادی کو ایک قیمتی انگوٹھی انعام میں دی اور حکم جاری کیا کہ کل دس گائیں بھون کر عادی کو کھلائی جائیں۔
اپنے بادشاہ کی گرفتاری کے بعد بچی کھچی رومی فوج نے ہتھیار ڈال دیے۔ امیر حمزہ نے بھی لڑائی بند کی اور فتح کا نقارہ بجوایا۔ پھر وہ اپنے خیمے میں واپس آئے اور قیصرِ روم کو طلب کیا۔

"اے بادشاہ، تو نے دیکھا کہ خدا نے تیرے غرور اور طاقت کے نشے کو کس طرح توڑا۔ اب بول تیرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ اگر تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ایمان لانے کا وعدہ کرے تو تجھے آزاد کر دوں گا۔"

"میں حضرتِ ابراہیمؑ پر ایمان لاتا ہوں۔" قیصر نے کہا۔ اُس کے ساتھ جتنے رومی سپاہی گرفتار ہوئے تھے وہ بھی سب کے

سب دینِ ابراہیمیؑ پر ایمان لے آئے۔ اس کے بعد امیر حمزہ نے اُسے خلعت پہنا کر اپنے برابر بٹھایا اور بڑی عزّت کی۔ قیصرِ روم نے تین سال کا خراج ادا کیا اور آئندہ کے لیے نوشیرواں کا وفادار رہنے کا عہد کیا۔

امیر حمزہ نے ایک ایلچی کو حکم دیا "روم اور یونان کا تین سالہ خراج لے کر نوشیرواں کے پاس مدائن جاؤ۔ مَیں خود مصر کی جانب کوچ کرتا ہوں۔"

وہ ایلچی اُسی وقت چند آدمیوں کو ساتھ لے کر تیزی سے مدائن کی جانب چلا۔ دو ماہ بعد وہاں پہنچا اور نوشیرواں کو سب حال کہہ سُنایا۔

اِدھر حمزہ نے قیصرِ رُوم کو حکومت واپس کی مگر اس کے سپہ سالار استقلان کو اپنے ساتھ مصر کی مہم پر چلنے کا حکم دیا۔ وہ دن رات تیزی سے سفر کرتے اور منزلوں پہ منزلیں طے کرتے ہوئے مصر کی طرف بڑھے اور

مہینوں کا راستہ دنوں میں طے کرتے ہوئے آخر ایک دن دوپہر کو دریائے نیل کے کنارے ڈیرے ڈال دیئے۔ نیل ملکِ مصر کا مشہور دریا ہے۔

مصر کے بادشاہ کو عزیزِ مصر کہتے تھے۔ جاسوسوں نے قیصرِ روم کی شکست اور امیر حمزہ کے آنے کی خبر اسے سنائی تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ اسے کسی طرح یقین نہ آتا تھا کہ ایک معمولی عرب نوجوان دنیا کی عظیم الشّان رومی سلطنت کو کیوں کر شکست دے سکتا ہے۔

اس نے فوراً اپنے امیروں وزیروں اور فوجی سرداروں کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ امیر حمزہ سے جنگ کرنا حماقت ہے۔ اسے کبھی شکست نہیں دی جا سکتی۔ البتّہ یہ ممکن ہے کہ دھوکا اور فریب سے اس پر قابو پایا جائے۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ امیر حمزہ کی ظاہر میں اطاعت قبول کر لی جائے اور پھر کھانے میں بے ہوشی کی دوا

ملا کر انھیں اور ان کے ساتھیوں کو بے ہوش کر دیا جائے ۔ اس کے بعد جو سلوک مناسب ہو ان سے کیا جائے ۔

حلب کا قید خانہ

عزیزِ مصر نے امیر حمزہ کو ایلچیوں کے ذریعے اطاعت کا پیغام بھیجا اور پھر خود بھی اپنے وزیروں اور امیروں سمیت ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے امیر کے قدموں کو بوسہ دیا لندھور اور عادی پہلوان کے ہاتھ چومے، عمرو عیار کو خوش کرنے کے لیے اشرفیوں کی ایک ہزار تھیلیاں اُسے عنایت کیں۔ اس طرح اسفندیار نوش صدف نوش اور دوسرے پہلوانوں کو بھی تحفے تحائف دے کر خوش کر دیا۔ امیر حمزہ عزیزِ مصر کا اخلاق دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وہ بار بار کہتا تھا:

"حضور، میری بڑی خوش نصیبی ہے کہ آپ یہاں تشریف لائے۔ یہ سلطنت کیا چیز ہے۔

کہیے تو ساری دنیا آپ پر قربان کر دوں۔"
انسان خوشامد اور تعریف کی باتیں پسند کرتا ہے۔ امیر حمزہ میں بھی یہ کمزوری تھی۔ عزیز مصر نے خوشامد اور تعریف کا ایسا جال بچھایا کہ امیر اُس میں پھنس گئے اور انھوں نے عزیزِ مصر کی یہ درخواست قبول کر لی کہ شام کو دعوت میں شریک ہوں گے۔

اُدھر عزیزِ مصر نے اپنے محل میں دعوت کا شان دار انتظام کیا، اِدھر امیر حمزہ نے لشکر کی نگرانی کے لیے استقتانوش اور صدف نوش کو چھوڑا اور خود تمام دوستوں کو لے کر شہر میں داخل ہوئے۔ لوگوں نے نعروں سے ان کا استقبال کیا اور سب کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے۔ شہر میں چراغاں کیا گیا تھا اور گلی کوچوں میں ایسا ہجوم تھا کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔

عزیزِ مصر اپنے امیروں اور وزیروں سمیت امیر حمزہ کے استقبال کے لیے محل کے دروازے پر موجود تھا۔ وہ مہمانوں کو نہایت عزّت سے

محل میں لے گیا اور دسترخوان بچھانے کا حکم دیا۔ غلاموں نے آناً فاناً ہزارہا قسم کے کھانے دسترخوان پر سجا دیئے۔ عادی پہلوان کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں اور منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے خوب بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارے اور دیکھتے دیکھتے دسترخوان پر جھاڑو پھیر دی۔ عادی کی یہ خوراک دیکھ کر عزیز مصر اور اس کے درباریوں کے ہوش اڑ گئے۔ جلدی جلدی چند بکرے بھنوا کر اس کے آگے رکھے اور عادی انہیں بھی چٹ کر گیا۔ اس پر بھی اس کا پیٹ اچھی طرح نہیں بھرا تھا اور وہ اور کھانا مانگنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ امیر حمزہ نے اشارے سے اُسے منع کر دیا۔ تب عادی نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور ایک ایسی زبردست ڈکار لی کہ محل کے بُرج پر بیٹھے ہوئے بے شمار جنگلی کبوتر ڈر کر اڑ گئے۔

کھانے سے فارغ ہوئے تو پھلوں کی باری آئی۔ پھر خوشبودار شربت سے بھری ہوئی بڑی بڑی بلّور کی صراحیاں اور شیشے کے

پیالے لائے گئے۔ اسی شربت میں بے ہوشی کی دوا ملی ہوئی تھی۔ عزیز مصر نے اپنے ہاتھ سے پیالے بھر بھر کر مہمانوں کو دینے شروع کیے عادی پہلوان کی پیاس بھلا ایک پیالے سے کیا بجھتی۔ اس نے اوپر تلے دس بارہ صراحیاں چڑھائیں اور انٹا غفیل ہو گیا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے لندھور سے کہا:

"ایسا مزے دار شربت زندگی بھر نہیں پیا تھا۔ مگر بھائی دیکھنا، اس کمرے کی چھت کیوں گھوم رہی ہے؟"

لندھور نے بھی جی بھر کے شربت پیا تھا اور اس کی حالت بھی عادی سے کچھ مختلف نہ تھی۔ اس نے گردن اونچی کر کے چھت کو دیکھا اور دونوں ہاتھ یوں اوپر اٹھا دیے جیسے گھومتی ہوئی چھت کو روکنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر وہ بے ہوش ہو گیا۔ عادی بھی ایک طرف اوندھے منہ پڑا تھا۔

اس وقت امیر حمزہ اور عمرو عیار کچھ کچھ ہوش میں تھے۔ مگر ان کے ہاتھ پیر سُن ہو گئے تھے۔

تھوڑی دیر میں سلطان بخت مغربی، شہپال ہندی کے بیٹے اور عادی کے تمام بھائی بھی لمبے لمبے لیٹ گئے۔ تب امیر حمزہ نے عمرو سے کہا:
"آج ہم مارے گئے۔ عزیز مصر نے شربت میں کچھ ملا دیا ہے۔"
یہ سُن کر عزیز مصر پر خوف طاری ہوا۔ وہ اُٹھ کر بھاگا تو عمر نے اُسے پکڑنا چاہا مگر فوراً ہی غش کھا کر گر پڑا۔ حمزہ اپنی جگہ بے حرکت بیٹھے تھے اور حیرت سے ہر طرف دیکھتے تھے۔ عزیز مصر کے طبیبوں اور حکیموں نے کہا:
"عجیب بات ہے کہ حمزہ بے ہوش نہیں ہُوا۔ اس کے جسم کو ہلایا جُلایا جائے تب بے ہوش ہو گا۔"
چند غلام آگے بڑھے۔ امیر حمزہ نے اپنا خنجر نکال کر چاہا کہ ان کو ماریں کہ ایک دم فرش پر ڈھیر ہو گئے۔ اسی وقت غلاموں اور سپاہیوں نے اُن کی اور اُن کے تمام ساتھیوں کی مشکیں کس لیں اور راتوں رات ایک جہاز میں سوار کرا کے حلب شہر کے قید خانے میں پہنچا دیا

اس کام سے فارغ ہو کر عزیزِ مصر نے نوشیرواں کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔
"میں نے امیر حمزہ اور اس کے تمام ساتھیوں کو گرفتار کر کے حلب کے قید خانے میں بند کر دیا ہے۔ اب فرمائیے آئندہ کے لیے کیا حکم ہے؟ میں نے ان سب کو شربت میں دوائے بے ہوشی ملا کر دی تھی اور وہ تین دن تک بے ہوش پڑے رہیں گے۔"

آپ کا تابع دار

عزیزِ مصر

ایک تیز رفتار قاصد یہ خط لے کر مدائن پہنچا اور آدھی رات کے وقت نوشیرواں کے محل میں داخل ہوا۔ بادشاہ اس وقت سو رہا تھا۔ کنیزوں نے اس کو بیدار کیا اور عزیزِ مصر کا خط دیا۔ نوشیرواں نے خط پڑھا اور حکم دیا کہ بختک وزیر اور بزرجمہر وزیر اعظم کو حاضر کیا جائے۔ تھوڑی دیر کے اندر اندر وہ دونوں نوشیرواں کے پاس پہنچ گئے۔ بادشاہ نے ان کو یہ خط دکھایا اور مشورہ طلب کیا۔ بختک دل

میں بے حد خوش تھا۔ کہنے لگا:
"حضور، آپ عزیزِ مصر کو حکم دیجیے کہ حمزہ اور اس کے ساتھیوں کے سر کاٹ کر مدائن روانہ کر دے۔"
"آپ کی کیا رائے ہے؟" بادشاہ نے بزرجمہر سے پوچھا۔ بزرجمہر کے ہونٹوں پر ایک پُراسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا:
"جہاں پناہ کا اقبال بلند ہو۔ مَیں نے حمزہ کے بارے میں نجوم سے حساب لگایا ہے۔ اس کی عُمر ایک سو پچانوے برس ہے۔ اس لیے کوئی شخص اس کو مار نہیں سکتا۔ ممکن ہے آپ کا خط پہنچنے سے پہلے ہی وہ آزاد ہو جائے۔ اگر یہ خط اس نے دیکھ لیا تو وہ آپ کا دشمن ہو جائے گا۔"
بزرجمہر کی یہ باتیں سُن کر بادشاہ دل میں بے حد ڈرا۔ آخر اس نے بختک اور بزرجمہر دونوں کو رخصت کیا اور بعد میں ایک قاصد کے ذریعے عزیزِ مصر کو یہ پیغام بھجوایا کہ حمزہ

اور اس کے دوستوں کو حفاظت سے اپنے پاس رکھو۔ خبردار، انہیں ذرا بھی رنج یا تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ میں چند روز تک خود مصر میں آتا ہوں اور حمزہ کو اپنی موجودگی میں جو سزا دینا چاہوں گا، دوں گا۔ عزیزمصر کو یہ خط ملا تو اس نے حلب کے حاکم کو حکم دیا کہ امیر حمزہ اور اس کے ساتھیوں کو آرام سے رکھا جائے۔ انھیں کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

مُقبل وفادار انہی دنوں مدائن سے واپس مصر کی جانب آ رہا تھا۔ راستے میں اُسے خبر ملی کہ عزیزِ مصر نے امیر حمزہ اور لندھور وغیرہ کو شربت میں دوائے بے ہوشی پلا کر حلب کے قید خانے میں بند کر دیا ہے۔ وہ دن رات منزلیں مارتا ہُوا مصر کی سرحد کے قریب پہنچا تو پتا چلا کہ لشکر کی نگرانی استقتانوش اور صدق نوش کر رہے ہیں۔ یہ دونوں بھائی امیر حمزہ کے ساتھ دعوت میں نہیں گئے تھے اس لیے قید سے بچ گئے اور اب دشمن کی

فوج سے خوں ریز جنگ کر رہے ہیں۔
مقبل وفادار نے ان دونوں بھائیوں سے کہا کہ آپ دشمن کو لڑائی میں مصروف رکھیں اور میں کسی تدبیر سے حلب پہنچ کر امیر حمزہ کو قید خانے سے نکالتا ہوں۔ اس نے سوداگر کا بھیس بدلا اور بہت سا سامان اونٹوں پر لاد کر غلاموں کی ایک جماعت کے ساتھ حلب کی جانب روانہ ہوا۔
حلب شہر کا حاکم عزیز مصر کا داماد تھا۔ اگرچہ بادشاہ نے اُسے حکم دیا تھا کہ امیر حمزہ اور ان کے ساتھیوں کو کوئی تکلیف نہ دی جائے۔ مگر اس شخص کو قیدیوں پر ظلم توڑنے میں مزہ آتا تھا۔ عادی پہلوان کھائے بغیر کیسے زندہ رہتا۔ حاکم نے جان بوجھ کر اس کی خوراک میں کمی کر دی۔ آخر ایک دن عادی نے کہا:
"کہیں ایسا نہ ہو کہ میں تجھے کچا چبا جاؤں۔ اس لیے مجھے تنگ نہ کر اور روزانہ دس بکروں کی یخنی، ایک دنبے کا قورمہ اور من بھر

روٹیاں صبح ناشتے کے لیے بھجوا دیا کرے۔"

عادی کی یہ بات سن کر حاکم نے حکم جاری کیا کہ اِس پہلوان کو دو روز تک بھوکا رکھا جائے تاکہ اسے اس گستاخی کی سزا ملے۔ اس حاکم کی بیوی کا نام زہرہ تھا اور وہ عزیزِ مصر کی بیٹی تھی۔ انھی دنوں زہرہ نے خواب میں دیکھا کہ آسمان میں ایک عالی شان دروازہ کھلا ہے۔ اور اس دروازے میں سے ایک تخت نمودار ہو کر آہستہ آہستہ زمین پر اُترا ہے۔ تخت پر ایک نورانی شکل کے بزرگ بیٹھے ہیں۔ زہرہ نے ان سے پوچھا:

"اے بزرگ، آپ کون ہیں؟"

انھوں نے جواب دیا "میرا نام ابراہیمؑ ہے۔ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ اس شہر کے فلاں بازار میں ایک شخص نے سوداگر بن کر دکان کھولی ہے۔ اس کا نام مقبل وفادار ہے۔ اور وہ امیر حمزہ کا جاں نثار دوست ہے۔ تم جاؤ اور اس سے مل کر حمزہ کو قید سے نکالنے کی تدبیر کرو۔"

اتنا کہہ کر وہ بزرگ دوبارہ آسمان کی جانب چلے گئے اور ان کا تخت نظر سے اوجھل ہو گیا۔ زہرہ کی آنکھ کھلی تو اسے یہ خواب اچھی طرح یاد تھا۔ صبح ہوتے ہی وہ اٹھی اور بھیس بدل کر اسی بازار میں گئی جس کا نام حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں بتایا تھا۔ مُقبِل وفادار کپڑے کی ایک دکان کھولے بیٹھا تھا۔ زہرہ نے اسے پہچان لیا اور چپکے سے کہنے لگی:

"کیوں صاحب، آپ ہی کا نام مُقبِل ہے اور کیا آپ امیر حمزہ کے جاں نثار دوست ہیں؟"

یہ سننا تھا کہ بے چارے مُقبِل کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور اتنا بدحواس ہوا کہ جواب میں ایک لفظ بھی اس کے منہ سے نہ نکل سکا۔ حیران تھا کہ اس عورت کو کیوں کر پتا چل گیا کہ میں کپڑے کا سوداگر نہیں، امیر حمزہ کا دوست مقبل ہوں۔

اسے چپ دیکھ کر زہرہ نے پھر کہا:

"آپ بولتے کیوں نہیں؟ میں زہرہ بیگم ہوں۔ حلب کے حاکم کی بیوی اور عزیز مصر کی بیٹی۔"

اب تو مقبل وفادار کے رہے سہے اوسان بھی جاتے رہے۔ سمجھ گیا کہ زہرہ بیگم کی شکل میں قضا آئی ہے۔ خیر، اب راز تو فاش ہو ہی چکا ہے، ہمت سے کام لینا چاہیے۔ یہ سوچ کر مقبل نے کہا:

"آپ درست فرماتی ہیں۔ میرا نام مقبل ہے۔"

تب زہرہ نے اُسے زیادہ پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا اور اپنا خواب کہہ سنایا۔ مقبل یہ سُن کر بے حد خوش ہُوا۔ زہرہ کہنے لگی:

"آپ بالکل فکر نہ کیجیے۔ آدھی رات کے وقت اپنے غلاموں کو ساتھ لے کر قید خانے کی عمارت کے نزدیک پہنچ جائیے۔ میں خود وہاں آؤں گی اور پہرے داروں سے کہہ سن کر امیر حمزہ اور ان کے ساتھیوں کو رہا کرا دوں گی۔"

غرض آدھی رات ہوئی تو مقبل نے اپنے غلاموں

کو سیاہ کپڑے پہنائے اور تلواریں لے کر قید خانے کی طرف چلا۔ وہاں چاروں طرف فوجی پہرا لگا ہُوا تھا اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اندر قدم رکھتا۔ اتنے میں زہرہ ایک خُوب صورت رتھ پر بیٹھ کر آئی۔ اس کے ساتھ کئی غلام سوار تھے اور ان کے پاس اشرفیوں کی بہت سی تھیلیاں تھیں۔

زہرہ تھوڑی دیر تک پہرے داروں اور قید خانے کے داروغہ سے کھُسر پھُسر کرتی رہی۔ پھر اس کے غلاموں نے اشرفیوں کی تھیلیاں پہرے داروں میں تقسیم کر دیں۔ اس کے بعد زہرہ بانو نے پکار کر کہا: "مُقبل وفادار اگر یہاں موجود ہوں تو آگے آ جائیں۔"

یہ سُنتے ہی مُقبل وہاں پہنچ گیا۔ پہرے داروں نے اسے سلام کیا اور قید خانے کا دروازہ کھول دیا۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ مُقبل نے مشعل روشن کی اور اندر داخل ہوا۔ اس کے جسم پر سیاہ لباس تھا۔ ایک ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل اور دوسرے ہاتھ میں چمکتی ہوئی تلوار تھی۔

امیر حمزہ اور اُن کے دوست جاگتے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک جلاد سر سے پیر تک کالا لباس پہنے اور تلوار ہاتھ میں لیے چلا آتا ہے۔ عادی پہلوان چلّا اُٹھا:

"یا حمزہ، خبردار ہو جائیے یہ مُوذی ہمیں قتل کرنے آرہا ہے۔"

امیر حمزہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ ان کے جسم کا بند بند لوہے کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اور یہی حال دُوسرے پہلوانوں کا تھا۔ یکایک عَمرو عیّار کے حلق سے خوشی کا نعرہ بلند ہوا۔ اس نے مُقبل کو پہچان لیا تھا۔ مقبل آگے بڑھ کر حمزہ کے قدموں پر گرا اور رونے لگا۔ پھر چاہا کہ اُن کی زنجیریں کاٹے کہ حمزہ نے کہا کہ پہلے میرے ساتھیوں کو آزاد کراؤ۔ مُقبل نے ایک ایک کر کے سب کو آزاد کر دیا۔

اتنے میں امیر حمزہ نے ایسا زور کیا کہ لوہے کی زنجیریں موم کی مانند پگھل کر ٹوٹ گئیں اور وہ آزاد ہو گئے۔ یہ دیکھ کر مُقبل نے کہا:

"حمزہ بھائی، تم نے پہلے اِن زنجیروں کو

توڑنے کی کوشش کیوں نہ کی؟"
"کوشش تو بہت کی تھی مگر کامیابی نہ ہوئی۔
میں سمجھ گیا کہ یہ خدا کی طرف سے آزمائش ہے
اور اب دیکھ لو کہ جب یہ آزمائش ختم ہوئی
تو زنجیریں خودبخود موم کی طرح نرم پڑ گئیں"۔
اسی طرح باتیں کرتے اور ایک دوسرے سے
ملتے ملاتے سب لوگ قید خانے سے باہر
آئے۔ مُقبِل نے زہرہ بیگم سے حمزہ کو مِلوایا
اور بتایا کہ اسی نیک عورت کی وجہ سے مجھے یہاں
آنے کا موقع مِلا ہے۔

زرپین

قید خانے سے باہر نکل کر سب نے خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر امیر حمزہ نے زہرہ سے کہا:

"تمہارے شوہر کو پتا چلے گا کہ تم نے ہم لوگوں کو آزاد کرا دیا ہے تو وہ سخت ناراض ہو گا۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں نقصان پہنچے۔"

یہ سن کر زہرہ ہنسی اور کہنے لگی:

"آپ اس کی فکر نہ کیجیے میں سب ٹھیک کر لوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے رتھ پر بیٹھنے ہی والی تھی کہ عادی پہلوان ہاتھ جوڑ کر بولا:

"اے خاتون خدا تجھے قیامت تک سلامت رکھے۔ جانے سے پہلے میرے لیے کچھ کھانے

پینے کا انتظام تو کرتی جا۔ بہت دن سے بھوکا مر رہا ہوں۔"

عادی کی یہ بات سن کر زہرہ بے اختیار ہنس پڑی۔ کہنے لگی:

"آپ لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر میرے پیچھے پیچھے محل میں آجائیں۔"

عادی خوش ہو گیا اور یہ سب لوگ حاکم حلب کے محل میں پہنچے۔ زہرہ عادی کو باورچی خانے میں لے گئی۔ وہاں کئی دیگیں دودھ کی بھری رکھی تھیں۔ عادی نے جی بھر کر دودھ پیا اور پھر کھیر کے تھالوں پر ہاتھ صاف کیا۔ امیر حمزہ اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے بھی خوب جی بھر کر کھایا پیا۔ اس کے بعد زہرہ انہیں اپنے محل کے ایک خاص کمرے میں لے گئی جہاں چاندی کا ایک بہت بڑا صندوق رکھا تھا۔

"اس صندوق میں کیا ہے؟" امیر حمزہ نے پوچھا۔

"اس میں پہلوان سام بن نریمان کا لوہے

کا گرز رکھا ہے جس کا وزن بارہ من ہے
یہ گرز آپ کی نذر ہے۔" زہرہ نے صندوق
کھولتے ہوئے جواب دیا۔
امیر حمزہ یہ گرز دیکھ کر بے حد خوش
ہوئے اور کہنے لگے:
"اگر عزیز مصر نے میری اطاعت قبول نہ
کی تو قسم ہے پیدا کرنے والے کی کہ اسی
گرز سے اس کی کھوپڑی پاش پاش
کروں گا۔"
اُدھر استقتا نوش اور صدف نوش مصری
فوجوں سے گھمسان کی جنگ کرنے میں مصروف
تھے کہ جاسوسوں نے امیر حمزہ کے آنے کی خبر
پہنچائی۔ دونوں یونانی پہلوان دوڑے دوڑے
اُن کے استقبال کو گئے اور پیروں پر گرے۔
امیر حمزہ نے باری باری دونوں کو سینے سے
لگایا اور خوب شاباش دی۔ عزیز مصر کو جب
امیر حمزہ کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو اس
کے اوسان خطا ہو گئے۔ مصری فوجوں کے پیر
اُکھڑ گئے اور جس کا جدھر منہ اُٹھا، اُدھر بھاگ

نکلا۔ امیر حمزہ نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ جو شخص ہماری اطاعت قبول کرے اُسے چھوڑ دو اور جو نہ مانے اسے ہلاک کر دو۔

عزیز مصر کا ایک بھائی ناصر شاہ تھا۔ وہ امیر حمزہ کی خدمت میں آیا اور ان کی اطاعت کر لی۔ تب امیر حمزہ نے اُسے سونے کی کرسی پر بٹھایا اور وعدہ کیا کہ عزیز مصر کی سلطنت تجھے عطا کروں گا۔ یہ سن کر ناصر شاہ خوشی کے مارے اُچھل پڑا۔

عزیز مصر اپنی جان چھپاتا پھرتا تھا، مگر کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔ عمرو عیار اُس کی تلاش میں تھا۔ آخر عزیز مصر نے گھسیارے کا بھیس بدلا اور شہر پناہ کے دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ اتفاق سے اس وقت عمرو عیار بھی ایک بڈھے فقیر کے بھیس میں دروازے پر موجود تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک گھسیارا گردن اٹھائے، نہایت شان و شوکت سے قدم اٹھاتا چلا آتا ہے۔ اس کا چہرہ مہرہ گھسیاروں سے بالکل نہیں ملتا تھا اور نہ چال ڈھال

ہی ویسی تھی۔ عمرو کو شک ہوا۔ آگے بڑھ کر گھسیارے کی گُدّی ناپی اور کہنے لگا:۔

"جناب گھسیارے صاحب، ذرا رکیے۔"

"تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے؟"

نقلی گھسیارے نے ناراض ہو کر کہا اور گھونسا تان کر عمرو کی طرف لپکا۔ عمرو نے اچھل کر ایک ٹکر اس کی ناک پر دی جس سے گھسیارے کی نکسیر پھوٹ گئی۔ عمرو نے اس کے ہاتھ پیر باندھ کر اپنی زنبیل میں ڈالا اور لشکر کی طرف چلا۔ راستے میں گھسیارے سے کہنے لگا:

"اگر تم پہلے ہی سچ سچ بتا دیتے کہ کون ہو تو اتنی مرمّت نہ ہوتی۔ بولو، اب کیا رائے ہے؟ سیدھا امیر حمزہ کے پاس لے چلوں؟"

یہ سن کر عزیز مصر گڑگڑانے لگا کہ مجھے حمزہ کے پاس نہ لے جاؤ۔ مگر عمرو نے ایک نہ سنی اور اس کو امیر حمزہ کے سامنے لے جا کر ڈال دیا۔ انھوں نے ناراض ہو کر کہا:

"تم بالکل پاگل ہو گئے ہو۔ اس بے چارے گھسیارے کو پکڑ کر لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"بے حد ضرورت تھی بھائی جان" عمرو نے جواب دیا "ذرا غور سے آپ کی شکل ملاحظہ فرمائیے اور دیکھیے کہ گھسیارے کے روپ میں کون صاحب چھپے ہوئے ہیں؟"

اب جو امیر حمزہ، لندھور اور عادی پہلوان نے اسے غور سے دیکھا تو عزیزِ مصر کا چہرہ دکھائی دیا۔ عادی نے اسی وقت اِس کا ٹینٹوا دبایا اور کہنے لگا:

"اچھا، ہم سے یہ چالاکیاں ـــ بول امیر حمزہ کی غلامی قبول کرتا ہے یا پہنچاؤں سیدھا جہنّم میں؟"

امیر حمزہ نے عادی کو ڈانٹا:

"یہ کیا بے ہودگی ہے؟ قیدی کو یوں تنگ نہیں کیا کرتے۔ چھوڑ دو اُسے۔"

"یا امیر، آپ بھول گئے کہ اس مردود نے ہم پر کیسے کیسے ظلم توڑے ہیں؟" عادی نے منہ بنا کر کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے، مگر جو کام اس نے کیا وہی ہم کریں تو ہم میں اور اس میں کیا فرق

رہے گا۔" امیر حمزہ نے عادی کو سمجھایا۔ پھر وہ عزیزِ مصر سے بولے:۔

"تم نے دیکھ لیا کہ دھوکے بازی کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ اب اپنی سزا خود ہی تجویز کرو۔ اطاعت قبول کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے ورنہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ سام بن نریمان کے بارہ من وزنی گرز سے تمہاری کھوپڑی پاش پاش کر دوں گا۔"

عزیزِ مصر کا رُواں رُواں دہشت سے کانپنے لگا۔ وہ اوندھے منہ امیر حمزہ کے سامنے گر پڑا اور جان کی امان طلب کی۔ امیر حمزہ نے عَمرو کو اشارہ کیا۔ اس نے جھٹ غلامی کا حلقہ عزیزِ مصر کے کان میں ڈالا۔ پھر اسے سب پہلوانوں کے گلے مِلوایا اور عزت سے کرسی پر بٹھایا۔ عزیزِ مصر نے درخواست پیش کی کہ اس کا تاج اور تخت واپس کیا جائے۔ مگر امیر حمزہ نے کہا:

"ہم تمہاری سلطنت تمہارے چھوٹے بھائی ناصر شاہ کے حوالے کر چکے ہیں۔ اس لیے یہ

خیال چھوڑ دو۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ناصر شاہ تمہیں اپنی سلطنت میں کوئی اچھا عہدہ دے دے۔ ہم سفارش کر دیں گے۔"

یہ سُن کر عزیز مِصر چُپ ہو گیا۔ لیکن دل میں سخت پیچ و تاب کھاتا رہا۔ رات ہوئی تو سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں جا کر لیٹ کر سو گئے۔ مگر عزیز مِصر کی آنکھوں سے نیند غائب تھی۔ آخر وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر اٹھا اور ایک چمکتا ہوا خنجر لے کر چپکے چپکے امیر حمزہ کے خیمے کی طرف چلا۔ اِتّفاق سے پہرے دار بھی اونگھ گیا تھا، اس لیے عزیز مِصر کو خیمے میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔

امیر حمزہ بے خبر سو رہے تھے۔ عزیز مِصر نے خنجر اٹھایا۔ اس کے پھل کی چمک اتنی تیز تھی کہ فوراً امیر حمزہ کی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے ایک گھونسا ایسا مارا کہ عزیز مِصر لڑھکتا ہوا خیمے سے باہر جا پڑا۔ تب حمزہ باہر نکلے۔ اس کی گردن پکڑ کر اٹھایا اور کہا:

"مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ تیرے دل میں

بڑی ہے ۔ تُو سمجھ رہا تھا کہ میں سو رہا ہوں
مگر حقیقت میں میں جاگتا تھا ۔ اب دنیا کی کوئی
طاقت تجھے مرنے سے نہیں بچا سکتی "
عزیزِ مصر پھر رونے اور گڑگڑانے لگا لیکن
امیر حمزہ نے ایک نہ سنی ۔ عَمرو کو بُلا کر حکم دیا
کہ اس فریبی مکّار کو فوراً موت کے گھاٹ اتار دو
اس نے رات کی تاریکی میں ہم پر حملہ کرنے
کی کوشش کی تھی ۔
اِس سے پہلے کہ عَمرو آگے بڑھے عادی پہلوان
جھومتا ہوا آیا اور عزیزِ مصر کے ایسی لات جمائی
کہ وہ ہوا میں گیند کی طرح اُچھلا اور ایک قریبی
پہاڑی ٹیلے سے ٹکرا کر دھم سے نیچے گِر پڑا ۔
اگلے روز اس کی لاش کتّوں اور گِدھوں
نے نوچ نوچ کر کھائی ۔

ہفت ممالک کے بادشاہوں سے خراج لینے
اور باغیوں کو سزا دینے کے بعد امیر حمزہ کی مہم
ختم ہو چکی تھی ۔ اس لیے انھوں نے مدائن واپس
جانے کا فیصلہ کیا ۔ لشکر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی

کیوں کہ سپاہیوں اور فوجی سرداروں کو اپنے وطن سے نکلے ہوئے بہت دن ہو گئے تھے اور سب کو اپنے بال بچّوں کی یاد ستا رہی تھی۔

اب ہم امیر حمزہ اور ان کے بہادر ساتھیوں کو تو مدائن کے راستے میں چھوڑتے ہیں اور آپ کو گستہم پہلوان کے پاس لیے چلتے ہیں۔ ذرا دیکھیے کہ وہ امیر حمزہ کے خلاف کس قسم کی کارروائیوں میں مصروف ہے۔ گستہم کے جاسوس ایک ایک پل کی خبریں اُسے پہنچا رہے تھے۔ اس کو جب معلوم ہوا کہ امیر حمزہ نے ہفت ملک کے بادشاہوں کو زیر کیا اور آخر میں عزیز مصر کو عادی پہلوان کے ہاتھوں مروایا، تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اس میں حمزہ کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ تھی۔ وہ بھاگا بھاگا مغل بادشاہ کے دربار میں گیا جس کا نام ژوبین کوبش تھا۔ ژوبین وحشی تاتاریوں اور منگولوں کا سردار تھا اور نہایت زبردست اور طاقت ور بادشاہ تھا۔ نوشیرواں کے ساتھ بھی اس کی پرانی دشمنی چلی آتی تھی لیکن کئی بار جنگ میں

شکست کھا کر اب بہت دن سے خاموش بیٹھا تھا۔

گستم پہلوان نے ژوبین کے دربار میں پہنچ کر ساری داستان نمک مرچ لگا کر کہہ سنائی اور آخر میں ژوبین کو یہ کہہ کر ڈرا دیا کہ اگر امیر حمزہؓ کو جلد مارا نہ گیا تو نہ صرف وہ شہزادی مہر نگار کو لے جائے گا بلکہ عین ممکن ہے کہ مغل سلطنت پر بھی حملہ کر دے۔

یہ سن کر ژوبین نے بل کھایا اور شیر کی طرح دہاڑ کر بولا:۔

"کس کی مجال ہے کہ میری جانب آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ افسوس ہے ایرانیوں، یونانیوں اور مصریوں پر کہ ایک معمولی عرب سے شکست کھا گئے۔ امیر حمزہ جب مجھ سے پنجہ ملائے گا تب اسے حقیقت معلوم ہو گی۔ مگر سوال تو ہے کہ امیر حمزہ کو مار کر مجھے کیا ملے گا؟"

"حضور، سچ بات تو یہ ہے کہ شہزادی مہر نگار کے لیے روئے زمین پر آپ سے بہتر کوئی شخص نہیں ہے۔" گستم نے مسکرا کر کہا "اگر

آپ کو نوشیرواں نے اپنی دامادی میں قبول کر لیا تو سمجھیے کہ پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں ہے۔ منگول سلطنت کے ساتھ ساتھ آپ ایک روز ایرانی سلطنت کے مالک بھی بن جائیں گے۔ اِس وقت مصلحت یہی ہے کہ نوشیروان کا دِل مٹھی میں لینے کی کوشش کیجیے۔"

گستہم نے چکنی چپڑی باتیں کر کے ژوپین کو ایسا شیشے میں اتارا کہ وہ اسی کا کلمہ پڑھنے لگا۔ گستہم نے اُسے اِس بات پر بھی راضی کر لیا کہ وہ خود نوشیرواں کے پاس ہو جائے۔ چناں چہ ژوپین نے نہایت آن بان سے مدائن کی جانب کوچ کیا۔ تاتاری اور منگول اتنے سنگ دل اور وحشی تھے کہ جس جگہ اِن کا لشکر رُکتا، وہ جگہ اُجاڑ اور ویران ہو جاتی۔ بستیاں لوٹ کر آگ لگا دینا اِن کا محبوب مشغلہ تھا۔ وہ مردوں اور عورتوں کو پکڑ کر غلام اور باندیاں بنا لیتے اور بچّوں کو قتل کر دیتے۔

گستہم نے نوشیرواں کو اطلاع دے دی تھی

کہ میں نے بڑی مشکل سے ژوبین کو قابو میں کیا ہے اور اب وہ آپ کی ملاقات کے لیے آ رہا ہے۔ اس کا نہایت شان سے استقبال کیا جائے۔ نوشیرواں یہ اطلاع پا کر گھبرایا اور بزرجمہر سے کہنے لگا:۔

"یہ گستم پہلوان بھی انتہائی بے وقوف اور نالائق شخص ہے۔ بھلا اسے ژوبین کے پاس جانے اور اسے یہاں آنے کی دعوت دینے کی کیا ضرورت تھی۔ اب حال یہ ہو گا کہ اس کے لشکری بے شمار بستیوں اور آبادیوں کو ویران کر دیں گے"

بزرجمہر کے جواب دینے سے پہلے ہی بختک بول اٹھا:

"حضور، سچ تو یہ ہے کہ گستم نے بڑی عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ حمزہ عظیم لاؤ لشکر کے ساتھ مدائن واپس آ رہا ہے اب اس کی طاقت اس قدر بڑھ چکی ہے کہ کسی وقت بھی آپ کی سلطنت کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ حمزہ

کسی زبردست قوّت سے بھڑا دیا جائے۔ اس لیے گستم کی نظر ژوبین پر پڑی ہے۔ ژوبین اگرچہ ہمارا دشمن ہے، مگر اس موقع پر اسے دوست بنا لینا ضروری ہے۔ اور فرض کیجیے امیر حمزہ نے ژوبین کو ہلاک کر دیا، تب بھی ہمارا فائدہ ہے۔ اس طرح ہمیشہ کے لیے ژوبین سے نجات مل جائے گی۔"

بختک کی یہ تقریر سُن کر نوشیرواں خُوش ہوا اور کہنے لگا:۔

"بے شک تُو ٹھیک کہتا ہے۔ ہم نے ان باتوں پر دھیان نہ دیا تھا۔ ہم حکم دیتے ہیں کہ ژوبین کا ایسا شان دار استقبال کیا جائے کہ لوگ ہمیشہ اسے یاد رکھیں۔ اس کے لشکر کو عراق کے ہرے بھرے جنگل میں اتارا جائے۔"

اگلے روز نوشیرواں اپنے امیروں، وزیروں، پہلوانوں اور سرداروں کے ساتھ ژوبین کے استقبال کو روانہ ہوا۔ ژوبین کو یہ خبر ملی تو وہ شہر مدائن سے کچھ دُور ہی رُک گیا اور نوشیرواں کا انتظار کرنے لگا۔

بہت دیر بعد گرد و غبار کا ایک بادل صحرا
میں نمودار ہوا اور نقارے بجنے کی آواز
سنائی دی۔ پھر گرد کا یہ بادل چھٹ گیا اور
نوشیرواں کی فوج کا ایک ہراول دستہ دکھائی دیا۔
سب سے آگے ایک سیاہ فام اور گرانڈیل حبشی
شیر کی کھال پہنے اور جھنڈا اٹھائے چل رہا تھا۔
ژوبین نے گستم سے پوچھا "یہ حبشی جو جھنڈا
تھامے ہوئے ہے کون ہے؟"
"یہ نوشیرواں کا خاص غلام باجاہ جلال ہے
بڑا بہادر اور زور آور جوان ہے۔ اس نے کئی
مرتبہ اپنے آقا کی شکار میں جان بچائی ہے"۔
باجاہ جلال کے پیچھے بے شمار فوجی سرداروں
اور شہزادوں کی سواریاں تھیں اور ہر ایک کے
ساتھ گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سوار فوجی دستے تھے
آخر میں ایک ایسی آواز سنائی دی جیسے صحرا
میں بہت سے شیر دھاڑ رہے ہیں۔
ژوبین نے حیرت زدہ ہو کر کہا: "معلوم ہوتا
ہے نوشیرواں سفر میں اپنے ساتھ شیروں کے
پنجرے بھی لے کر چلتا ہے۔ یہ آواز انہی

شیروں کی ہے۔"
یہ سن کر گستم ہنس کر کہنے لگا:
"نہیں عالی جاہ، یہ خاص قسم کے نقّارے اور بگل ہیں جو بزرجمہر نے نوشیرواں کے لیے بنوائے ہیں۔ انہی سازوں میں سے شیروں کے دھاڑنے کی آوازیں نکلتی ہیں۔ وہ دیکھیے شہنشاہ نوشیرواں کی سواری آتی ہے۔"
شہنشاہ نوشیرواں سفید رنگ کے ایک اونچے ہاتھی پر سوار تھا اور سونے کی ایک سو بیس چھتریاں اس پر سایہ کیے ہوئے تھیں۔ شہنشاہ کے دائیں بائیں اور پیچھے سات سو ہاتھیوں کی قطاریں تھیں اور ہر ہاتھی پر سونے کا بنا ہوا ہودا تھا۔ اِن ہاتھیوں کے علاوہ کئی ہزار سُرخ، سیاہ اور سفید رنگ کے عربی گھوڑے شہنشاہ کے آگے آگے چل رہے تھے اور ان پر بیٹھے ہوئے فوجی جوان یُوں نظر آتے تھے جیسے پتھر کے مجسمے ہوں۔ ان کی شان دار وردیاں صحرا کی دُھوپ میں جِھل مِل جِھل مِل کرتی تھیں اور اُن کے ہتھیاروں کی چمک اتنی تیز تھی

کہ نگاہ نہ ٹھہرتی تھی۔ چوب داروں کی ایک جماعت بلند آواز سے یہ نعرہ لگاتی ہوئی چلی آ رہی تھی:

"نگاہ رُو برُو۔ با ادب، با ملاحظہ۔ ہوشیار۔ شہنشاہ ہفت کِشور نوشیرواں کی سواری آتی ہے۔"

تب گستم نے ژوبین کو اشارے سے بتایا کہ شہنشاہ کی دائیں جانب بزرجمہر وزیر اعظم اور بائیں جانب بختک وزیر کی سواری ہے۔ ستر ہزار غلام سُنہری وردیاں پہنے بزرجمہر کے ساتھ ہیں۔

بادشاہ کی سواری جب نزدیک آئی تو ژوبین اپنے گھوڑے سے اُترا۔ اُدھر نوشیرواں نے بھی ہاتھی سے اترنے کا ارادہ کیا مگر بزرجمہر نے اُسے روکا اور آہستہ سے کہا:

"جہاں پناہ، آپ کا سواری سے اترنا مصلحت کے خلاف ہے۔ جب تک ژوبین دوڑ کر ہاتھی کے پاؤں کو نہ چومے، اُس وقت تک نیچے نہ اتریے۔"

نوشیرواں نے یہ بات مان لی اور ہاتھی پہ

بیٹھا رہا۔ اتنے میں ژوبین سر جھکا کر دوڑتا ہوا آیا اور ہاتھی کے پاؤں کو بوسہ دیا اور اپنا ہاتھ بادشاہ کی جانب بڑھایا۔ تب نوشیرواں کے مہاوت نے اپنے ہاتھی کو زمین پر بٹھایا۔ نوشیرواں نہایت وقار سے اترا اور آگے بڑھ کر ژوبین کو گلے سے لگایا، اس کی پیشانی چومی اور خلعت عطا کی۔ پھر منگول لشکر کے دوسرے سرداروں اور پہلوانوں سے ملاقات کی اور اُن سب کو بھی نہایت قیمتی خلعتیں عنایت کیں۔ اس کے بعد ہزار ستوُن کا ایک عالی شان خیمہ اور اس خیمے کے اندر چالیس ستوُن کا شاہی خیمہ آناً فاناً کھڑا کیا گیا۔ نوشیرواں اِس شاہی خیمے میں آیا اور تختِ جمشیدی پر بیٹھا۔ اطلس و حریر کے پردے ریشم کے قالین، سونے چاندی کی جھالریں اور تکیوں کے غلاف جن میں موتی جڑے تھے، ہر طرف نظر آنے لگے۔ ان کی چمک دمک اور آرائش دیکھ کر منگولوں اور تاتاری وحشیوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ پھر نوشیرواں کے حکم سے دستر خوان بچھایا گیا اور ایک ہزار ایک قسم کے لذیذ

اور خوشبودار کھانے سجائے گئے۔ تمام برتن سونے اور چاندی کے تھے۔

جب مہمان اور میزبان کھانے سے فارغ ہوئے تو ژوبین نے نوشیرواں سے کہا "بہت دن ہوئے ہیں نے کسی کی زبانی ایک عرب نوجوان امیر حمزہ کا ذکر سنا تھا۔ اب وہ کہاں ہے اور کیا کرتا ہے؟"

نوشیرواں کی بجائے بختک نے جواب دیا "وہ آج کل مصر میں ہے اور یقین ہے کہ اب تک عزیزِ مصر کے ہاتھوں مارا جا چکا ہو گا اور اگر نہیں مارا گیا تو بچ کر کہاں جائے گا۔ معلوم ہوتا ہے اس کی موت آپ کے ہاتھوں لکھی ہے۔"

یہ سن کر ژوبین مسکرایا اور مونچھوں کو تاؤ دے کر بولا:۔

"دراصل شہنشاہ نوشیرواں نے اس معمولی عرب کو خواہ مخواہ سر پر چڑھا لیا تھا۔ ورنہ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا۔"

یکایک گستہم پہلوان اپنی جگہ سے اٹھ کر سامنے

آیا اور نوشیرواں کے تخت کے پائے پر تو سر رکھ کر کہنے لگا: "حضور، جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں؟"۔

"کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟" نوشیرواں نے کہا

"حضور، آپ کے بعد ژوبین جیسا بادشاہ رُوئے زمین پر کوئی اور نہیں۔ ہم سب غلاموں اور نمک خواروں کی رائے ہے کہ حمزہ کے بجائے ژوبین کی شادی شہزادی مہرنگار سے کی جائے۔"

نوشیرواں تو یہ سُن کر سوچ میں پڑ گیا۔ اتنے میں بختک اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے بھی جان کی امان طلب کر کے گستم کی ہاں میں ہاں ملائی۔

نوشیرواں نے بزرجمہر کے کان میں کہا: "آپ کی کیا رائے ہے؟ ژوبین کو کیا جواب دوں؟ اگر انکار کرتا ہوں تو یقین ہے کہ یہ موذی اور اس کے وحشی سپاہی آن کی آن میں میرا مُلک تباہ کر دیں گے اور بے شمار لوگ قتل ہو جائیں گے اور اگر قبول کرتا ہوں تو حمزہ

کو کیا منہ دکھاؤں گا؟"

بزرجمہر چند لمحے چپ رہا، پھر چپکے سے بولا:

"عالی جاہ، مصلحت یہ ہے کہ آپ اس وقت زوبین کے ساتھ شہزادی کی شادی کرنے کا اعلان فرما دیں۔ مجھے یقین ہے کہ حمزہ ایک آدھ دن میں یہاں پہنچنے والا ہے۔ شہزادی مہر نگار اس کی امانت ہے۔ اگر اس کے بازوؤں میں طاقت ہو گی تو وہ زوبین سے اپنی امانت چھین لے گا۔"

یہ رائے نوشیرواں کو مناسب معلوم ہوئی۔ وہ ہونٹوں پر مسکراہٹ لا کر کہنے لگا:

"اے گستم وفادار، ہمیں تمہاری تجویز سے اتفاق ہے۔ ہم مہر نگار کی شادی زوبین سے کرنے کو تیار ہیں۔"

یہ سنتے ہی زوبین نے دوڑ کر بادشاہ کے پاؤں کو بوسہ دیا اور اپنی آنکھیں اس کے تلوؤں سے رگڑنے لگا۔ دربار میں خوشی کے شادیانے بجائے جانے لگے۔ بختک مکار نے موقع پا کر زوبین کے کان میں کہا:

"بہتر یہ ہے کہ آپ شہزادی مہر نگار کو اسی

وقت اپنے پاس بلوالیں۔ ایسا نہ ہو کہ کل
بادشاہ کی رائے بدل جائے۔"
یہ سن کر ژدہین نے نوشیرواں سے درخواست
کی کہ جب حضور اس غلام کو اپنی دامادی میں
قبول فرما چکے ہیں تو اب کیا دیر ہے۔ شہزادی
مہر نگار کو مدائن سے بلوا کر میرے ساتھ رخصت
کر دیا جائے۔"
نوشیرواں کے لیے اس درخواست کو ماننے
کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس نے گستم پہلوان
کے ایک بیٹے قباد کو مدائن جانے اور شہزادی
کو حفاظت سے لانے کا حکم دیا۔

امیر حمزہ کی آمد

شہزادی مہر نگار کی حفاظت کے لیے امیر حمزہ بہرام کو مدائن میں چھوڑ گئے تھے۔ بہرام نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ شہزادی کے محل میں پرندہ بھی پر نہ مار سکتا تھا۔ یہاں تک کہ نوشیرواں بھی بہرام کی اجازت کے بغیر شہزادی سے ملاقات نہ کر سکتا تھا۔ پھر بھلا قباد بن گستم کی کیا حیثیت تھی جو بہرام کی ناک کے نیچے سے شہزادی مہر نگار کو اڑا لاتا۔ اس کا خیال تھا کہ بہرام جب بادشاہ کا حکم نامہ دیکھے گا تو خاموشی سے شہزادی کو جانے کی اجازت دے دے گا۔ لیکن جب اس نے بہرام کے سامنے نوشیرواں کا حکم نامہ پیش کیا تو بہرام نے پڑھے بغیر اسے پھاڑ کر پھینک دیا اور قباد بن گستم کی پیٹھ پر ایسی

لات ماری کہ بدنصیب سات لڑھکنیاں کھاتا ہوا محل کی سیڑھیوں سے نیچے گیا اور ایک حوض میں جا پڑا۔

قباد کو بہرام سے اِس سلوک کی امید نہ تھی۔ وہ روتا پیٹتا نوشیرواں کے حضور میں آیا اور اپنی حالت بیان کی۔ بزرجمہر اور نوشیرواں دل میں خوش ہوئے مگر گستم، بختک اور ژوبین کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ نوشیرواں نے ان سے کہا:۔

"امیر حمزہ بہرام کو شہزادی مہرنگار کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر گیا ہے میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ بہرام کے کام میں دخل نہ دوں گا۔ اب میری جانب سے اجازت ہے کہ جس شخص میں دم خم ہو، وہ جائے اور شہزادی مہرنگار کو لے آئے۔"

یہ سُن کر ژوبین، گستم اور بختک کے منہ لٹک گئے۔ ژوبین نے گستم سے کہا:

"اے گستم، تیری بہادری اور شہ زوری کے آگے بہرام کی کیا حقیقت ہے۔ تو جا اور

شہزادی کو لے کر آ۔ میں تجھے جواہرات میں تول دوں گا۔"

گستہم نے کانوں پر ہاتھ دھرے اور کہنے لگا:

"جنابِ والا، بہرام سے لڑنا میرے بس کی بات نہیں۔ آپ نے اُسے دیکھا نہیں ہے، مست ہاتھی ہے مست ہاتھی اور شیر کی طرح خوں خوار۔"

ژوبین حیرت سے گستہم کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے پوچھا "کیا یہ وہی بہرام تو نہیں جو کسی زمانے میں چین کا خاقانِ اعظم تھا؟"

"جی حضور والا، وہی بہرام ہے۔" گستہم نے جواب دیا۔

اب تو ژوبین کی سِٹی بھی گُم ہوئی۔ وہ بہرام کے کارناموں سے اچھی طرح واقف تھا۔ اور بھلا کیوں نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ جنگ میں بہرام نے مارتے مارتے اس کا جبڑا توڑ دیا تھا۔ وہ مار اُسے اب تک یاد تھی۔ پھر بھی نوشیرواں کے سامنے اپنی بہادری جتانے کی غرض سے کہنے لگا:۔

"جی تو چاہتا ہے کہ میں جاؤں اور بہرام کی ہڈی پسلی توڑ دوں، مگر یہ میری شان کے خلاف ہو گا کہ امیر حمزہ کے ایک معمولی خادم کی مرمت کے لیے خود جاؤں۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے دو تاتاری غلاموں کو بلوایا۔ ان کے قد سات سات فٹ کے تھے اور آنکھوں سے خون ٹپکتا تھا۔ اس نے انہیں حکم دیا:

"مدائن میں شہزادی مہرنگار کے محل میں جاؤ اور اسے اپنے ساتھ لے آؤ۔ اگر بہرام گڑ بڑ کرے تو اس کے ہاتھ پاؤں توڑ دینا۔"

غلاموں نے ادب سے سر جھکایا اور گھوڑوں پر بیٹھ کر مدائن چلے۔ اُدھر بہرام محل کی سیڑھیوں پر اپنے غلاموں اور جاں نثاروں کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس نے جب ژوبین کے غلاموں کو آتے دیکھا تو قہقہہ لگایا اور کہا:

"آیئے آیئے..... آپ شہزادی مہرنگار کو لینے آئے ہیں؟"

"ہاں۔ اُسے فوراً ہمارے حوالے کر دو ورنہ

اچھا نہ ہوگا۔" ژوپن کے غلاموں نے جواب دیا۔

تب بہرام آگے بڑھا۔ دونوں غلاموں کو ایک ہی وقت میں پکڑ کر اپنی بغل میں دبایا اور اس زور سے بھینچا کہ ان کی چیخیں آسمان تک گئیں۔ پھر بہرام نے اُن دونوں کے ناک کان کاٹے اور گھوڑوں پر بٹھا کر واپس بھیج دیا۔

ژوپین نے جب یہ دیکھا کہ اس کے غلام بہرام کی ہڈیاں توڑنے کے بجائے اپنی ہی ہڈیاں تڑوا آئے ہیں تو غصے کے مارے سرخ ہو گیا۔ اُسی وقت حکم دیا کہ لشکر تیّار ہو۔ کل مدائن پر حملہ کریں گے۔

ژوپین تو مدائن پر حملہ کرنے کی تیّاریاں ہی کرتا رہا اور امیر حمزہ ایک دوسرے راستے سے اپنا لشکر لے کر مدائن میں داخل بھی ہو گئے۔ بہرام نے انھیں سارا قصّہ سنایا تو وہ آگ بگولہ ہو گئے۔ اپنے لشکر کو حکم دیا کہ مدائن شہر کو لوٹ لو۔ لیکن آدمیوں کو مت ستاؤ اور نہ کسی کو مارو۔ یہ حکم دے کر شہزادی مہرنگار

سے ملنے کے لیے محل میں گئے۔ وہ انہیں دیکھ کر بے حد خوش ہوئی اور کہنے لگی:

"خدا کے واسطے مجھے یہاں سے کہیں اور لے چلیے ورنہ ابّا جان میرا ہاتھ زوبین کے ہاتھ میں دے دیں گے۔"

امیر حمزہ ہنس کر کہنے لگے، "شہزادی، گھبراؤ مت۔ اب تمہیں کوئی شخص خوف زدہ نہیں کرے گا۔"

امیر حمزہ نے دوستوں کے صلاح مشورے سے طے کیا کہ شہزادی مہر نگار کو مکّے بھیج دیا جائے۔ انھوں نے چالیس ہزار غلام مُقبِل وفادار کے ماتحت کیے اور ان کی حفاظت میں مہر نگار کو مکّے روانہ کر دیا۔ اب امیر حمزہ نے اپنے چھوٹے بھائی کو حکم دیا کہ نوشیرواں کے نام ایک خط لکھو۔ انھوں نے خط میں خدا کی حمد و ثنا کے بعد لکھا:

"اے نوشیرواں، تُو شہنشاہ ہفت کشور اور عادل کہلاتا ہے لیکن یہ بتا کہ میں نے کیا خطا کی ہے جو تو مجھ سے بار بار بے انصافی

کرتا ہے۔ تُو نے مجھے حکم دیا کہ ہندوستان
جاکر لندھور کا سر لے آؤں تو شہزادی
مہر نگار کی شادی مجھ سے کر دی جائے گی۔
مَیں لندھور کو جیتا پکڑ لایا اور تیرے حوالے
کیا لیکن تُو اپنے قول سے پھر گیا اور شہزادی
کو اولاد بن مرزبان کے حوالے کر دیا۔
پھر تُو نے گستہم پہلوان کے ہاتھ سے مجھے
زہر دلوایا۔ اس کے بعد مصر، یونان اور
روم روانہ کیا اور قارن کے ذریعے زہر دینے
کی کوشش کی۔ خدا نے مجھے بال بال بچایا۔
لیکن تجھے چین نہ آیا۔ اب تو تاتاریوں کے
بادشاہ زُوبین کو بُلاتا ہے تاکہ مہر نگار کی
شادی اس سے کرے۔ بہر حال، مَیں نے
مہر نگار کو مدائن سے نکال کر مکّے کی طرف
روانہ کر دیا ہے اور دشمنوں کی آنکھوں میں
خاک ڈال دی ہے۔ اب مَیں تیرے پاس
اس لیے آنا چاہتا ہوں کہ تو میرے سامنے
اپنے کیے پر توبہ کر، میرے ساتھ صلح کر اور
اپنی بیٹی شہزادی مہر نگار کی شادی خوشی سے

میرے ساتھ کر دے۔"

امیر حمزہ نے یہ خط استفتالونش کے سپرد کیا کیا اور کہا کہ یہ خط حفاظت اور احتیاط سے نوشیرواں تک پہنچا اور اس کا جواب لے کر آ۔

استفتالونش نے خط کو چوما، ادب سے سر پر رکھا اور ہاتھ باندھ کر کہا:

"خدا کے کرم اور حضورؐ کے اقبال سے جاؤں گا اور یہ خط نوشیرواں کو دوں گا۔"

"جاؤ استفتالونش، تمہیں خدا کو سونپا۔ مگر دیکھ بھال کر جانا۔ وہاں تمہارے ہزاروں دشمن ہوں گے۔"

"حضور کی توجہ رہی تو کوئی میرا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔" استفتالونش نے کہا۔

اس کے بعد امیر حمزہ نے استفتالونش کے سب ہتھیار لیے، ان پر حضرت ابراہیمؑ کی بتائی ہوئی ایک دعا پڑھ کر پھونک ماری اور فرمایا:

"اللہ نے چاہا تو اب اِن ہتھیاروں پر دشمن کا کوئی ہتھیار غالب نہیں آئے گا۔"

قصہ مختصر استفتالونش گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا

اور نوشیرواں کے لشکر کی جانب فرّاٹے بھرتا ہُوا چلا۔ لیکن راستے ہی میں شام ہو گئی۔ دل میں سوچا کہ رات کے وقت نوشیرواں کے پاس جانا ٹھیک نہیں، صبح جاؤں گا۔ یہ سوچ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ صحرا میں کچھ فاصلے پر مشعلوں کی روشنی ٹمٹماتی دکھائی دی۔ گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُدھر گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک عظیم الشان خیمہ کھڑا آسمان سے باتیں کرتا ہے۔ ہزاروں گھوڑے اور ہاتھی اپنا اپنا چارہ کھا رہے ہیں اور ایک بڑا لشکر چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ استفتانوش حیران ہوا کہ یہ فوج کس کی ہے اور کس ارادے سے آئی ہے۔ آخر ایک سپاہی سے پوچھا تو اس نے بتایا:

"یہ لشکر لہراسپ بن لوس کا ہے اور اس بڑے خیمے میں ٹھہرا ہوا ہے۔"

یہ سن کر خوشی سے استفتانوش کا چہرہ روشن ہو گیا کیوں کہ لہراسپ بن لوس اس کا پرانا یار تھا۔ اس نے ایک پہرے دار سے کہا:

"جاؤ، اپنے آقا کو خبر دو کہ ایک پہلوان امیر حمزہ

کے پاس سے نوشیرواں کے نام ایک پیغام
لے کر جا رہا ہے۔ اب شام ہو گئی ہے
اس لیے یہ رات ڈیرے میں گزارنے کی
اجازت چاہتا ہے۔"
پہرے دار نے یہی الفاظ لہراسپ سے جا
کہہ کہے۔ وہ اُسی وقت خیمے سے باہر نکلا۔
دیکھا کہ استفتالوش کھڑا ہے۔ بے اختیار
چلّایا:
"اُف ... یہ مَیں کیا دیکھ رہا ہوں .....
استفتالوش ... میرے دوست ..."
استفتالوش نے گھوڑے سے چھلانگ لگائی
اور دونوں دوست ایک دوسرے سے لپٹ
گئے۔ لہراسپ نے اپنے دوست کی خُوب خاطر
تواضع کی۔ جب کھانے پینے سے فارغ ہوئے
تو لہراسپ کہنے لگا:۔
"استفتالوش، تم بڑے خوش نصیب ہو کہ
امیر حمزہ جیسے بے مثال پہلوان کے دوست بن
گئے۔ مَیں نے جس روز سے حمزہ کی بہادری
کے قِصے سُنے ہیں، اسی روز سے ان سے

ملنے کے لیے بے چین ہوں، مگر آج تک ملاقات کی نوبت نہ آئی۔ اب تمہارے ساتھ ہی جاؤں گا اور ان سے ملوں گا۔ اس وقت پچاس ہزار سوار میرے ساتھ ہیں۔ اگر نوشیرواں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی تو مَیں اسے عبرت ناک سلوک دوں گا۔"

"میرا خیال ہے ایسی نوبت ہی نہ آئے گی پھر بھی مَیں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔" استفتالوش نے جواب دیا۔

دوسرے دن صبح کو استفتالوش لہراسپ سے دواع ہو کر چلا۔ دوپہر کو اس مقام پر پہنچا جہاں نوشیرواں اور ژوبین کے لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ اُس نے شاہی خیمے کے باہر زمین میں نیزہ گاڑ کر اپنا گھوڑا اِس نیزے سے باندھا اور دربانوں سے کہا نوشیرواں کو خبر کرو کہ ایک ایلچی امیر حمزہ کا خط لے کر آیا ہے۔ دربان دوڑے اور بادشاہ کو خبر کی۔ نوشیرواں نے کہا آنے دو۔ تب استفتالوش دربار میں گیا اور بزرجمہر کو اٹکل سے پہچان

کر بولا:۔

"میرا سلام ہے بزرجمہر کو۔"

"تم پر بھی سلام ہو۔" بزرجمہر نے خوش ہو کر کہا۔ "خوش آمدید۔"

یہ سُن کر بختک جھلّایا اور کہنے لگا "خوش تو آیا، مگر مزا جب ہے کہ خوش خوش جائے بھی۔"

بزرجمہر نے بلند آواز سے کہا "اسے خوش خوش جانے سے روکنے کی ہمّت کس میں ہے؟" بختک شرمندہ ہو کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

نوشیرواں نے اوپر سے نیچے تک استفتانوش کو گھورنے کے بعد کہا "اے یونانی پہلوان، لاوہ خط مجھے دے جو حمزہ کی طرف سے لایا ہے۔"

استفتانوش نے امیر حمزہ کا خط نوشیرواں کو دیا اور خود تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر جواب کا اِنتظار کرنے لگا۔ نوشیرواں تو خط پڑھنے میں مشغول ہُوا اور اتنی دیر میں

بختک نے ژوبین کے کان میں کہا کہ اس ایلچی کو زندہ نہ جانا چاہیے۔ ژوبین نے اپنے ایک غلام کو اشارہ کیا کہ ایلچی کی پُشت پر وار کرے غلام خنجر لے کر استفتانوش پر جھپٹا ہی تھا کہ بزرجمہر نے للکار کر کہا:

"اے پہلوان خبردار! تجھ پر پُشت سے وار ہوتا ہے۔"

استفتانوش نے کسی گھبراہٹ کے بغیر مڑ کر دیکھا اور تلوار کا ایسا ہاتھ دیا کہ غلام کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

ژوبین نے غضب ناک ہو کر اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ مارو اس بدمعاش کو۔ یہ حکم سُنتے ہی بہت سے تاتاری اور منگول سپاہی تلواریں سُونت کر استفتانوش پر آن گرے مگر اس نے پل بھر میں سب کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ آخر نوشیرواں نے یہ لڑائی بند کرائی اور استفتانوش سے کہا:

"تو یہاں سے فوراً نکل جا اور حمزہ سے

کہہ دے کہ ہم ایک دو روز میں خود مدائن
آ کر اِس خط کا جواب دیں گے"۔
استفتانوش نے سلام کیا اور گھوڑے پر بیٹھ
کر مدائن کو روانہ ہوا۔

گستم کی موت

استفتالوش پہلوان نوشیرواں کے دربار سے نکلا اور سیدھا اپنے دوست لہراسپ کے پاس پہنچا۔ اُسے ساری داستان سنائی۔ لہراسپ کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا۔ تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا:

"ابھی اپنے پچاس ہزار سپاہیوں کو لے کر جاتا ہوں اور ژوپین کی خبر لیتا ہوں۔"

استفتالوش نے بڑی مشکل سے لہراسپ کو روکا اور سمجھایا کہ امیر حمزہ کی اجازت کے بغیر ایسا کرنا مناسب نہ ہو گا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم سیدھے ان کی خدمت میں پہنچیں۔ پھر جو حکم وہ دیں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔ لہراسپ کے دماغ میں یہ بات آ گئی۔ اس نے

اسی وقت اپنے لشکر کو روانگی کا حکم دیا۔
امیر حمزہ کو جاسوسوں نے خبر دی کہ استفنانوش لہراسپ کو ساتھ لے کر آتا ہے۔ امیر حمزہ نے لہراسپ کی بہادری کے کئی واقعات سُن رکھے تھے اور انھیں خود بھی اس سے ملنے کا شوق تھا، اس لیے لہراسپ کے استقبال کو تشریف لے گئے۔ اُسے گلے سے لگایا، خلعت عطا کیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا کلمہ پڑھا کر دینِ ابراہیمی میں داخل کیا۔

اُدھر بختک اور زوبین نے امیر حمزہ کے خلاف نوشیرواں کے کان بھرنے شروع کیے اور کہا کہ آپ شاہوں کے شاہ ہیں اور حمزہ ایک معمولی عرب کا لڑکا۔ اسے زیادہ منہ نہ لگائیے، ورنہ یہ کسی روز آپ کی گردن پر چھری پھیر دے گا اور تخت و تاج پر ہمیشہ کے لیے قبضہ جما لے گا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایران جیسی عظیم سلطنت عربوں کی ملکیت بن جائے گی۔

غرض انھوں نے نوشیرواں کو ایسا ڈرایا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور

ژوبین سے کہنے لگا "مجھے کیا خبر تھی کہ معاملہ اس حد تک بڑھ جائے گا۔ خیر، جو ہوا سو ہوا۔ اب اِس فتنے کو دبانے کی کوئی تدبیر سوچو۔ شہر مدائن اور قلعے پر اِس وقت امیر حمزہ کا قبضہ ہے۔ اور مَیں نے سُنا ہے کہ حمزہ نے شہزادی مہر نگار کو مکّے بھیج دیا ہے"۔

"جی ہاں، اس سے آپ حمزہ کی بد نیّتی کا اندازہ لگا سکتے ہیں"۔ بختک نے کہا "یہ کتنی بدنامی کی بات ہے کہ شہزادی کو ایک معمولی شخص یوں شاہی محل سے نکال کر اپنے شہر کو روانہ کر دے۔ دنیا کی دوسری سلطنتوں کے بادشاہ سُنیں گے تو کیا کہیں گے؟"

"بے شک تم صحیح کہتے ہو۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے؟" نوشیرواں نے کہا۔

"حضور، گھبرانے کی بات نہیں۔ جب تک آپ کے جاں نثار موجود ہیں، ایک امیر حمزہ کیا، ہزار آجائیں تب بھی ہم پیٹھ پھیرنے والے نہیں۔ میں ابھی اپنے لشکر کو مدائن پر حملہ کرنے کا حکم دیتا ہوں آپ دیکھتے جائیے کہ جب

اِن وحشی اور جنگلی تاتاریوں سے حمزہ کو مقابلہ کرنا پڑے گا تو اُسے چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔" ژوبین نے کہا۔

نوشیرواں اس شیخی پر مسکرا کر کہنے لگا "تم نے ابھی تک حمزہ اور اس کے دوستوں کو دیکھا نہیں ہے ورنہ ایسی بات نہ کہتے۔ وہ کوئی تر نوالہ نہیں ہے جسے نگلنا آسان ہو۔ آج تک بڑے سے بڑا پہلوان بھی اُسے ہرا نہیں سکا ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ حمزہ کے پاس عجیب و غریب ہتھیار ہیں جن کی مدد سے وہ دشمن پر قابو پا لیتا ہے۔"

یہ سُن کر ژوبین کے ہوش گُم ہوئے مگر اس نے نوشیرواں کے رُو برُو اپنے آپ کو سنبھالے رکھا اور برابر شیخی بگھارتا رہا۔

اگلے روز یہ عظیم لشکر نقارے اور ڈھول بجاتا ہوا شہر مدائن کی جانب روانہ ہوا۔ جاسوسوں نے فوراً امیر حمزہ کو خبر پہنچائی کہ نوشیرواں اور ژوبین جنگ کے ارادے سے آتے ہیں۔ تب حمزہ نے بھی اپنے لشکر کو تیار رہنے کا

حکم دیا اور کہا کہ ہماری جانب سے بھی نقارہ بجایا جائے۔ حکم کی دیر تھی اِس زور شور سے نقّارہ بجا کہ زمین ہلنے لگی۔ دشمن کے جس جس شخص کے کانوں میں اِس نقارے کی آواز پہنچی وہی بے قرار اور خوف زدہ ہُوا۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے آئے اور ایک دوسرے کو للکارنے لگے، تب ژوپین نے نجتک سے کہا کہ مجھے دکھاؤ حمزہ کون ہے؟ اتنے میں گرد کا بادل پھٹا اور ژوپین نے دیکھا کہ سات فُٹ اُونچا ایک لمبا تڑنگا پہلوان ہاتھی پر بیٹھا چلا آتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ریشم کا بنا ہُوا ایک جھنڈا ہے جس پر سنہری عقاب کی تصویر بنی ہے۔ اِس پہلوان کے دائیں بائیں چار سو گھوڑ سوار ہیں جن کے چہرے دھوپ میں چمکتے ہیں اور ان کی سُرخ سُرخ آنکھوں سے خون ٹپکتا دکھائی دیتا ہے۔ ژوپین اس پہلوان کو دیکھ کر تھر تھر کانپا اور نجتک کے کان میں کہنے لگا:

"اچھّا، تو یہی حمزہ ہے"

"نہیں جنابِ والا، یہ حمزہ نہیں۔ اس کا ایک ادنیٰ غلام عادی پہلوان ہے۔"

عادی کو دیکھ کر مغلوں اور تاتاریوں کی سٹّی گم ہو گئی۔ سب چوکڑی بھول گئے اور دل میں سوچنے لگے کہ یہ آدمی ہے یا دیو۔ اس سے بھلا کون لڑے گا۔ ژوبین نے نجتک سے پوچھا:

"سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنے طاقت ور پہلوان کو حمزہ نے کیوں کر قابو میں کیا ہو گا؟"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ لندھور کی سواری شان و شوکت سے نمودار ہوئی۔ سات سو ہاتھی اس کے دائیں طرف اور سات سو بائیں جانب تھے۔ ژوبین نے دیکھا کہ ہیبت ناک شکل و صورت کا ایک دیو ہاتھی پر بیٹھا ہے۔ دائیں ہاتھ میں کئی من وزنی لوہے کا گرز ہے جسے کبھی کبھی شغل کے طور پر ہوا میں اچھالتا ہے۔ تب اس نے نجتک سے پوچھا:

"شاید یہی حمزہ ہے۔"

"یہ حمزہ نہیں ، لنڈھور ہے ۔ سراندیپ کے ہزار جزیرے کا بادشاہ ہے اور ہندوستان پر بھی اسی کی حکومت ہے ۔"

لنڈھور کے بعد ایک اور سواری آئی ۔ اس کے دائیں بائیں بھی سینکڑوں ہاتھی تھے ۔ معلوم ہوا کہ یہ سواری شہ پال ہندی کی ہے ۔ اس کے بعد ایک اور لشکر نمودار ہوا ۔ آگے آگے دو خوب صورت جوان عربی گھوڑوں پر سوار تھے اور ان کی شکلوں سے شجاعت اور بہادری ٹپکتی تھی ۔ ژدبین نے پوچھا یہ کون ہیں ؟ نجتک نے کہا یہ روم کے شہزادے ہیں ۔ ایک کا نام اسقلان اور دوسرے کا نام بھی اسقلان ہے ۔

تب بارہ ہزار پیدل غلاموں کی ایک فوج ظاہر ہوئی ۔ ان کے لباس سونے چاندی کے تاروں کے بنے ہوئے تھے ۔ سفید گھوڑوں کی لگامیں ہاتھوں میں تھامے آہستہ آہستہ چلے آتے تھے ۔

ژدبین نے پوچھا "یہ لشکر کس کا ہے ؟"
نجتک نے منہ بنا کر جواب دیا "یہ عمرو عیار

کا لشکر ہے۔"

عمرو عیار کی پیدل فوج کو دیکھ کر تاتاری ہنسنے اور کہنے لگے: "عجیب بے وقوف لوگ ہیں کہ گھوڑے ساتھ رکھنے کے باوجود پیدل چلتے ہیں۔"

یہ سن کر گستہم نے ژوبین سے کہا: "جہاں پناہ، آپ کو معلوم نہیں کہ یہ شخص عمرو عیار کیسی بلا ہے۔ قسم ہے اگر ہزار حمزہ ہوتے تب بھی کچھ اندیشہ نہ تھا، مگر کاش یہ ایک عمرو عیار نہ ہوتا۔ اس مکار نے ہماری ساری تدبیریں خاک میں ملا دی ہیں۔"

اس کے بعد نشانِ اژدہا پیکر کی آواز سنائی دی جس سے کوہ و بیاباں پر لرزہ طاری ہوا۔ ژوبین نے بدحواس ہو کر کہا:

"یہ خوف ناک آواز کیسی ہے؟"

"یہ نشان اژدہا پیکر کی آواز ہے جو حکیم بزرجمہر نے جادو کے زور سے بنایا ہے اور امیر حمزہ کو دیا ہے۔" تجتنک نے جواب دیا۔

خواجہ بزرجمہر نے بھی یہ بات سن لی۔ فوراً

کہنے لگے۔"میں جادوگروں اور جادو کرنے والوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔"

بختک شرمندہ ہوا اور کوئی جواب نہ دیا۔ یکایک کیا دیکھتے ہیں کہ مشرق و مغرب کا آفتاب امیر حمزہ میدان میں نمودار ہوا۔ اس کے پیچھے تین ہزار ترکی، رومی، زنگی، چینی اور ہندی غلام دکھائی دیئے۔ سیاہ رنگ کے ایک اونچے اور قوی گھوڑے پر بیٹھا تھا اور طرح طرح کے ہتھیار اس کے بدن پر سجے تھے۔

اتنے میں نقیبوں کا دستہ سامنے آیا اور انہوں نے بلند آواز سے کہا:

"کون جوان مرد ہے جو میدان میں نکلنے کا حوصلہ کرتا ہے"۔

یہ پکار سنتے ہی امیر حمزہ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ایک چھوٹا سا چکر لگایا۔ گھوڑے کے قدموں کی خاک آسمان تک گئی۔ پھر انہوں نے رک کر نعرہ لگایا اور کہا:

"جو شخص مجھے نہیں جانتا وہ اب جان لے کہ

میں حمزہ ہوں اور جسے موت کی آرزو ہے
وہ میرے سامنے آئے۔ ابھی دم کے دم میں
جہنم کو پہنچا دیتا ہوں۔ مگر جو شخص میری اطاعت
کرے گا، اس کے لیے خوش خبری ہے۔"
یہ کہہ کر وہ چپ ہوئے اور انتظار کرنے
لگے کہ کون مقابلے میں آتا ہے۔ مگر دشمن کی
صفوں میں سے کوئی نہ نکلا۔ تب ژوپین نے
نجتک سے کہا:
"یہ معاملہ کیا ہے؟ ہمارا کوئی پہلوان مقابلے
کے لیے میدان میں نہیں نکلا۔"
"گستہم پہلوان کے سوا اور کسی میں حمزہ کا
مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں۔" نجتک نے
جواب دیا۔ "آپ اُسے حکم دیجیے کہ میدان
میں جائے۔"
یہ سُن کر گستہم نے دانت پیسے، قہر بھری
نظروں سے نجتک کو دیکھا اور دل میں عہد کیا
کہ اگر حمزہ کے ہاتھوں بچ گیا تو اِس بدمعاش
نجتک کی کھوپڑی ضرور پاش پاش کروں گا۔ نجتک
کی بات سُن کر ژوپین نے گستہم سے کہا:

"میں نے آج تک حمزہ کو کسی پہلوان سے لڑتے نہیں دیکھا۔ اب میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جاؤ اور امیر حمزہ سے دو دو ہاتھ کرو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ حمزہ کے پاس کون کون سے داؤ پیچ ہیں۔ پھر کل میں خود اس سے مقابلے کو جاؤں گا۔"

گستم بے چارہ لرزتا کانپتا میدان میں آیا۔ امیر حمزہ نے جونہی اس کی شکل دیکھی، ہنسے اور اپنے ہتھیار کھولنے لگے۔ ژوبین نے تعجب سے کہا:

"عجیب بات ہے۔ حمزہ اپنے ہتھیار کیوں کھول رہا ہے؟ کیا اس کا ارادہ لڑنے کا نہیں ہے؟"

ژوبین نے یہ بات اتنی اونچی آواز سے کہی تھی کہ نوشیروان کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ وہ کہنے لگا۔ "حمزہ اپنے ہتھیار اِس لیے کھول رہا ہے کہ اُس نے قسم کھائی تھی کہ گستم کو بغیر ہتھیار کے ماروں گا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟" ژوبین نے تعجب سے

کہا "گستہم جیسے پہلوان کو خالی ہاتھوں کیوں کر مارا جا سکتا ہے؟"

"یہی حیرت مجھے بھی ہے" نوشیرواں نے جواب دیا۔

اتنے میں گستہم نے حلق پھاڑ کر نعرہ مارا اور اپنی تلوار نیام سے کھینچ کر امیر حمزہ کی طرف لپکا۔ انھوں نے وار بچا کر بڑی پھرتی سے گستہم کی کلائی پر ہاتھ ڈالا۔ گستہم نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا مگر اپنی تلوار حمزہ کے ہاتھ سے نہ چھڑا سکا۔ تب امیر نے گستہم کی کلائی اس طرح موڑی کہ تلوار چھوٹ کر نیچے جا گری اور کلائی کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی۔ گستہم تکلیف سے چلانے لگا۔ اب اس نے بائیں ہاتھ سے اپنا خنجر نکالا اور امیر حمزہ کے سینے میں گھونپنے کی کوشش کی مگر امیر نے اس کی ناک پر گھونسا مارا کہ چرخی کی طرح گھوم گیا اور پھر دھم سے زمین پر گرا۔ امیر حمزہ نے گردن پکڑ کر اٹھایا اور اس مرتبہ ایسی لات جمائی کہ لڑھکنیاں کھاتا ہوا دور جا گرا اور کٹے ہوئے

بکرے کی طرح تڑپنے لگا۔ آخر امیر نے
مارتے مارتے اُسے آدھ مُوا کر دیا۔ یہاں
تک کہ اس کا دَم نکل گیا۔
گستم کے ایک لڑکے نے اپنے باپ کو
مرتے دیکھا تو غضب ناک ہو کر میدان میں
آیا۔ امیر حمزہ نے جلدی سے اپنے ہتھیار سنبھالے
اور زرہ پہن لی۔ گستم کا بیٹا دونوں ہاتھوں
میں دو تلواریں لیے ہوئے تھا اور ایسی پھرتی
سے چلاتا تھا کہ دوست دشمن سبھی عش عش
کرتے تھے۔ تب امیر حمزہ نے پکار کر اس
سے کہا:

"او بد نصیب، خیر اسی میں ہے کہ واپس
چلا جا ورنہ اپنے باپ کی طرح میرے ہاتھ سے
مارا جائے گا۔"

لیکن گستم کے بیٹے کے سر پر جنون سوار تھا۔
اس نے آگے بڑھ کر دونوں تلواروں سے حملہ
کیا۔ حمزہ نے ڈھال پر اس کے وار روکے
اور پھر نعرہ مار کر کہا:
"لے اب میں وار کرتا ہوں۔ پھر نہ کہنو

کہ خبر دار نہ کیا۔

یہ کہہ کر انھوں نے تلوار گھمائی اور اس زور سے ماری کہ دشمن کی ڈھال کو چیرتی ہوئی سر پر پڑی اور اس کی دو پھانکیں کرتی ہوئی گھوڑے پر آئی۔ اس کی کمر بھی صفا الگ کی اور زمین کو چھوتی ہوئی نکل گئی۔ ایک بھیانک چیخ کے ساتھ گستہم کا بیٹا کٹے ہوئے گھوڑے سے گرا اور گرتے ہی دم توڑ دیا۔

اتنے میں ژوبین نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ حمزہ زندہ بچ کر جانے نہ پائے۔ تاتاری وحشیوں اور جنگ جو مغلوں نے اپنے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی، نعرے مارتے اور تلواریں چمکاتے ہوئے آئے۔ ادھر عمرو عیّار نے اپنے لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا ہی تھا کہ حمزہ نے روکا اور کہا "خبر دار کوئی آگے نہ آئے۔ ژوبین کے لشکر سے میں اکیلا ہی لڑوں گا۔"

یہ حکم سن کر عمرو عیّار نے اپنی فوج کو رکنے کا حکم دیا۔ امیر حمزہ بے دھڑک دشمن کے لشکر

میں گھس گئے اور کھیرے ککڑی کی طرح اُن کو کاٹنے لگے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے تلوار چلاتے تھے اور دشمن کا جو سپاہی اُن کی زد میں آ جاتا، زندہ بچ کر نہ جاتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے میدانِ جنگ میں لاشوں کے انبار لگنے لگے۔ کٹے ہوئے سر دھڑ اور ہاتھ پیر جا بجا بکھرے پڑے تھے اور زخمیوں کی چیخ پکار سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

دو گھنٹے کی خونریز جنگ کے بعد تاتاریوں کی فوج کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بھاگنے لگے۔ ڈوبین کی حالت رنج اور غصے کے باعث بہت بری تھی۔ وہ رہ رہ کر دانت پیستا تھا۔ بختک پناہ ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ آخر نوشیرواں خود میدان میں آیا۔ حمزہ نے جونہی اُسے دیکھا، ہاتھ روک لیا۔ بادشاہ نے کہا:

"اے حمزہ، کیا آج تمہارے ہاتھ سے کوئی انسان زندہ نہ بچے گا؟"

"جہاں پناہ، میں کسی کو مارنا نہیں چاہتا۔ لیکن جو کوئی مجھے یا میرے دوستوں کو نقصان

پہنچانے کی کوشش کرے گا، خدائے واحد کی قسم ہے کہ زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

"ہم چاہتے ہیں کہ تم ژوپین سے مقابلہ کرو۔ ان معمولی سپاہیوں کو مارنے سے کیا فائدہ؟" نوشیرواں نے کہا۔

"جہاں پناہ، میں ہر وقت تیار ہوں۔ ژوپین سے کہیئے کہ سامنے آئے۔" حمزہ نے کہا۔

"بہت بہتر۔ ہم ابھی ژوپین کو بھیجتے ہیں۔ مگر بہتر یہ ہے کہ لڑائی فوراً بند کر دی جائے۔" نوشیرواں نے کہا۔ امیر حمزہ نے یہ درخواست منظور کی اور اپنے لشکر میں چلے آئے۔

امیر حمزہ زخمی ہوتے ہیں

اگلے روز دونوں فوجیں پھر آمنے سامنے آئیں۔
نوشیرواں نے ژوبین سے کہا:
"میدان میں جاؤ اور امیر حمزہ کو مقابلے کے لیے للکارو۔"

ژوبین سر سے پیر تک فولاد میں ڈوبا تھا۔ آنکھوں کے سوا اس کے جسم کا کوئی حصہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس کے باوجود وہ میدان میں آتے ہوئے ڈرا اور اپنے ایک نامور پہلوان مردافگن زابلی کو اِشارہ کیا کہ امیر حمزہ کو لڑائی کے لیے پکارے۔ مردافگن زابلی خوف ناک شکل صورت کا ایک دیو قامت آدمی تھا جس کی قوّت کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ وہ سیاہ رنگ کے ہاتھی پر بیٹھ کر میدان میں آیا۔ دائیں بائیں اس کے سات

بھائی تھے۔

اُدھر امیر حمزہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور خدا کا نام لے کر میدان میں آئے۔ فوجی سرداروں اور پہلوانوں نے سلامی دی اور سلامتی کی دعائیں مانگیں۔

مرد افگن زابلی نے قہقہہ لگا کر کہا:

اے حمزہ، مجھے تیری جوانی پر ترس آتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ واپس چلا جا اور میرے مقابلے کے لیے کسی اور کو بھیج۔"

"یہی بات میں تجھ سے کہنے والا ہوں۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "نوشیرواں نے کل مجھ سے کہا تھا کہ زوبین خود میرے مقابلے میں آئے گا، مگر وہ ایسا بزدل ہے کہ سامنے نہیں آتا اور اپنے دوستوں کو آگے بھیجتا ہے۔"

یہ سن کر مرد افگن زابلی اور اس کے ساتوں بھائیوں نے غضب ناک ہو کر ایک ساتھ امیر حمزہ پر حملہ کیا۔ سب کے سب ہاتھیوں پر سوار تھے اور امیر حمزہ گھوڑے پر بیٹھے تھے۔ یکایک عمرو عیار ایک زبردست ہاتھی کو لیے میدان میں آیا اور حمزہ سے درخواست کی کہ گھوڑے

سے اتر کر اس پر سوار ہو جائیے۔ حمزہ نے عمرو کی درخواست قبول کی۔ گھوڑا اس کے حوالے کیا اور خود پھرتی سے ہاتھی پر سوار ہو گئے۔ تب مردافگن زابلی نے اپنا فولادی گرز اس زور سے حمزہ کے ہاتھی کی گردن پر مارا کہ وہ ایک طرف کو جھک گیا اور اس ہیبت ناک انداز میں چنگھاڑا کہ جنگل اور پہاڑ اس کی آواز سے کانپ گئے۔ اب حمزہ نے اپنا گرز گھمایا اور مردافگن پر حملہ کیا۔ ان کے پہلے ہی وار میں مردافگن کا ہاتھی دھم سے زمین پر گرا اور مر گیا۔ مردافگن قلابازیاں کھاتا ہوا دور جا پڑا۔ اپنے بڑے بھائی کو یوں گرتے دیکھ کر ساتوں بھائی طیش میں آ گئے اور انہوں نے امیر حمزہ کو گھیرے میں لینے کی۔ مگر حمزہ نے ایک ایک کر کے سب کو زمین پر پھینکا۔ عمرو عیار نے دوڑ دوڑ کر انہیں رسیوں میں باندھا اور اپنے لشکر میں لے گیا۔

حمزہ کی بہادری اور جی داری پر دوست دشمن سبھی نے آفرین کہی۔ لیکن زوبین کے ہوش اڑ گئے۔ اس نے دل میں کہا کہ اب موت سر پر

آئی۔ اُدھر نوشیرواں نے مسکرا کر کہا:
"اب کیا سوچتے ہو؟ کہو تو امیر حمزہ کی اطاعت قبول کر لوں اور تمہیں اس کے حوالے کر دوں؟"
"نہیں۔ ہرگز نہیں" زوبین چلّایا "میں ابھی حمزہ کا سر کاٹ کر لاتا ہوں۔"
یہ کہہ کر وہ اپنی فوج میں گیا اور سپاہیوں کو سمجھایا کہ جب میں اشارہ کر دوں تو فوراً میدان میں آ کر حمزہ پر ٹوٹ پڑنا اور اس کے ٹکڑے کر ڈالنا۔ اس کے بعد وہ میدان میں آیا اور نعرہ مار کر کہا:
"جس کو مجھ سے مقابلے کی آرزو ہے وہ سامنے آئے۔"
اس کی یہ شیخی سُن کر لندھور کو جوش آیا۔ اپنا گُرز ہوا میں اُچھالتا ہوا آگے بڑھا اور پکار کر کہا:
"او بے ادب، تُو کیا اور تیری بساط کیا۔ میں تیرے مقابلے میں آیا ہوں۔ اپنے دل کی حسرت نکال لے۔ پھر شکایت نہ کیجیو کہ حملے کا موقع نہ ملا۔"

زوپین نے لندھور کو اپنے سامنے دیکھا تو دہشت
سے گھگھی بندھ گئی۔ لیکن اپنی حالت چھپا کر کہنے لگا:
"معلوم ہوتا ہے حمزہ مجھ سے ڈر گیا ہے۔ تبھی
سامنے نہیں آتا اور تجھے مرنے کے لیے بھیج دیا۔
مَیں تیری بجائے حمزہ سے لڑنا زیادہ پسند کروں گا۔
تُو واپس جا اور اُسے یہاں بھیج دے"
امیر حمزہ نے بھی زوپین کی یہ بات سُن لی۔
وہ خود میدان میں آئے اور لندھور کو سمجھا بجھا کر
واپس بھیجا۔ زوپین نے میان سے تلوار نکالی اور
امیر حمزہ پر حملہ کیا۔ امیر نے اپنی ڈھال پر زوپین
کے تمام وار روکے اور ہنس کر کہا:
"اے زوپین، جتنے جی چاہے وار کر۔ میری
طرف سے اجازت ہے"
یہ سُن کر زوپین اور جوش میں آیا۔ بڑھ بڑھ
کر تلوار مارنے لگا۔ آخر امیر حمزہ نے کہا، "ہوشیار
ہو جا کہ اب مَیں حملہ کرتا ہوں"
یہ کہہ کر انھوں نے اپنا گرز گھمایا اور اس
زور سے مارا کہ زوپین کا گھوڑا لڑکھڑا کر زمین
پر گر گیا اور خود زوپین بے ہوش ہو گیا۔ تب اس

کے غلام دوڑے دوڑے آئے، اپنے آقا کو اٹھا کر لے گئے اور خیمے میں لے جا کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ تب کہیں اسے ہوش آیا۔ جلدی سے دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اس کی فوج نے امیر حمزہ پر حملہ کر کے انہیں گھیرے میں لے لیا ہے اور حمزہ دونوں ہاتھوں میں تلواریں لیے گاجر مولی کی طرح سپاہیوں کے سر اڑا رہے ہیں۔ ہر طرف خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں اور زخمیوں کی چیخ پکار سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ دم بھر میں امیر نے ژوبین کے ہزاروں آدمی مار ڈالے۔ یہ دیکھ کر ژوبین کو خوف ہوا کہ اگر یہی حالت رہی تو حمزہ میرا ایک سپاہی بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔ اس نے نجتک سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ اس نے مسکرا کر کہا:

"چپکے سے حمزہ کے پیچھے جاؤ اور ایسی تلوار مارو کہ وہ زخمی ہو کر نیچے گر پڑے۔"

یہ سن کر ژوبین بزدل خوش ہوا۔ اپنا چہرہ نقاب میں چھپایا اور چپکے چپکے اُدھر چلا جدھر

امیر حمزہ جنگ کر رہے تھے۔ اس نے موقع پا کر ایسی تلوار ماری کہ حمزہ کے سر میں گہرا زخم آیا اور خون کا فوارہ چھوٹا۔ انھوں نے پلٹ کر دیکھا تو زوبین اپنا چہرہ نقاب میں چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ حمزہ اپنی تلوار سے اس کی گردن اُڑانے کو آگے بڑھے، مگر چکر آیا اور زمین پر گرنے لگے۔ تب انھوں نے اپنے وفادار گھوڑے کی گردن کے بال پکڑے اور کہا، "مجھے فوراً گھر لے چل۔"

سیاہ قیطاس نے اپنے آقا کا یہ حکم سُنا تو دُشمنوں کے لشکر سے نکلا۔ کسی کو کاٹتا اور کسی کو لاتوں سے مارتا ہوا صاف نکل آیا اور مکّے کی جانب روانہ ہُوا۔

اِدھر عَمرو عیّار نے امیر حمزہ کو میدان میں نہ پایا تو سخت پریشان ہُوا۔ آخر بھیس بدل کر دشمن کے لشکر میں گیا۔ وہاں پتا چلا کہ زوبین بزدلی سے کام لیتے ہوئے امیر حمزہ کی پشت پر آیا اور سر پر تلوار سے وار کیا۔ امیر زخمی ہوئے اور گھوڑا انہیں میدان سے نکال کر مکّے کی جانب لے گیا ہے۔

یہ سن کر عمرو اپنے لشکر میں آیا۔ مقبل وفادار کو ایک جانب بُلا کر سارا قصہ سنایا، پھر کہا:
"میں تیری شکل حمزہ کی سی بنا دیتا ہوں۔ تو جلدی سے جسم پر ہتھیار لگا کر سیاہ گھوڑے پر سوار ہو اور میدان میں نکل کر دشمنوں سے لڑائی کر۔ وہ سب یہی سمجھیں گے کہ حمزہ زخمی نہیں ہوا بلکہ میدان میں موجود ہے۔ میں مکّے جاتا ہوں تاکہ امیر حمزہ کی خبر لاؤں۔"
یہ کہہ کر عمرو نے مقبل وفادار کو امیر حمزہ کے کپڑے پہنائے، اپنے شعبدے کی مدد سے اس کی شکل بھی ویسی ہی بنائی اور میدان میں بھیجا۔ ژوبین اور اس کے ساتھیوں نے جب مقبل کو لڑتے دیکھا تو وہ حیران ہوئے اور کہنے لگے:
"تعجّب ہے کہ حمزہ ابھی تک صحیح سلامت ہے۔ یہاں سے بھاگو، ورنہ یہ سب کو مار ڈالے گا۔"
تب بختک مکّار نے انھیں دلاسا دیا اور کہا:
"گھبراؤ نہیں، یہ سب عمرو عیّار کی کارستانی ہے۔ اس نے اپنے کسی ساتھی کو امیر حمزہ بنا کر

بھیجا ہے۔" یہ سُن کر ذرہپن کی جان میں جان آئی اور لڑائی زور شور سے ہونے لگی۔

عَمرو عیّار دَم لیے بغیر مکّے پہنچا۔ دیکھا کہ شہر میں ماتم برپا ہے۔ خواجہ عبدالمطلب کے مکان کے آگے ہزاروں مرد اور عورتیں جمع ہیں اور ہر ایک کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ معلوم ہوا کہ حمزہ بے ہوش پڑے ہیں اور جسم سے اِتنا خون نکل گیا ہے کہ بچنے کا کوئی امکان نہیں رہا۔ تب عَمرو اُن کے پاس گیا۔ دیکھا کہ زخم سے ابھی تک خون نکل رہا ہے اور حمزہ کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہے۔ عَمرو نے اُسی وقت جیب سے مرہم سلیمانی نکال کر زخم پر لگایا۔ مرہم لگاتے ہی عجیب کرشمہ ہوا۔ خون بند ہو گیا اور چند لمحے بعد سر پر زخم کا نام نشان بھی نہ تھا۔ امیر حمزہ نے آنکھیں کھول دیں اور حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ سب سے پہلے عَمرو عیّار پر نگاہ پڑی۔ پوچھنے لگے:

"میں کہاں ہوں؟ یہاں مجھے کون لایا؟"

"آپ اپنے گھر میں ہیں۔ میدانِ جنگ میں زخمی ہو گئے تھے۔ اب خدا نے فضل کیا اور مرہم سلیمانی کی برکت سے زخم اچھا ہو گیا ہے۔" عمرو نے جواب دیا۔

شہزادی مہرنگار کا روتے روتے بُرا حال تھا۔ اس نے جب تک اپنی آنکھ سے امیر حمزہ کی حالت نہ دیکھی، اس وقت تک اُسے چین نہ آیا۔ خوش ہو کر اس نے اپنے گلے سے موتیوں کا قیمتی ہار اتارا اور عمرو کو دیا۔ عمرو نے ہار لے کر غور سے ایک ایک موتی کو جانچا، پرکھا اور جیب میں رکھ لیا۔ شہزادی نے پوچھا:

"اے عمرو، تو اِس قدر غور سے اس ہار کو دیکھ رہا تھا؟"

"اس لیے کہ اِن میں کوئی موتی جھوٹا نہ ہو۔" عمرو نے جواب دیا۔

امیر حمزہ کو آرام کرنے کی ہدایت کر کے عمرو دوبارہ اپنے لشکر کی طرف چلا۔ رات ہو چکی تھی اور جنگ بند تھی۔ لیکن دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھیں۔ عمرو نے سب کو تسلی

دی کہ حمزہ خیر سے ہیں، لیکن کم زوری کی وجہ سے ابھی اس قابل نہیں کہ میدان میں آئیں۔ لشکر کی کمان سنبھال لیں۔

لندھور نے ۔ "یہ سب کیا دھرا ژوبین کا ہے۔ سورج نکلنے کے بعد میں سب سے پہلے ژوبین کا کام تمام کروں گا۔"

"نہیں، ایسا نہ کرنا۔" عمرو نے کہا "میرے ذہن میں ایک تدبیر آتی ہے ۔ میں اس پر عمل کروں گا۔ اس کے بعد نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری ۔ اب آپ لوگ یہاں سے پڑاؤ ہٹا لیں اور مکے کی جانب تیزی سے روانہ ہو جائیں ۔ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے آتا ہوں۔"

عمرو، امیر حمزہ کا نائب بھی تھا۔ اس لیے کسی کو اس کے حکم سے سرتابی کی مجال نہ تھی۔ راتوں رات ڈیرے خیمے اکھاڑے گئے اور لشکر مکے کی جانب روانہ ہو گیا۔ اُدھر عمرو عیار سبز کمبل اوڑھ کر دشمن کی فوج میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے ژوبین کے خیمے میں پہنچا۔ دوا سے بیہوشی اس

کی ناک میں رکھی۔ وہ بے ہوش ہو گیا تو اسے باندھ کر زنبیل میں رکھا۔ اس کے بعد بختک کے خیمے میں گیا۔ یہی سلوک اس کے ساتھ بھی کیا۔ آخر میں شہنشاہ نوشیرواں کے خیمے میں داخل ہوا۔ اُسے بھی بے ہوش کر کے زنبیل میں ڈالا اور مکّے کی جانب روانہ ہوا۔

مکّے پہنچ کر وہ منہ اندھیرے خواجہ عبدالمطّلب کے مکان پر گیا۔ امیر حمزہ کا لشکر ابھی راستے میں تھا۔ امیر اپنے بستر پر پڑے بے خبر سو رہے تھے۔ عمرو نے انہیں جگایا اور کہا:

"میں زوبین، بختک اور نوشیرواں کو گرفتار کر کے لے آیا ہوں اور ابھی تمہارے سامنے ان کی گردنیں اڑاتا ہوں تاکہ ہمیشہ کے لیے فتنے فساد کا خاتمہ ہو۔"

یہ کہہ کر اس نے زنبیل میں سے تینوں کو باہر نکالا اور ایک ستون سے باندھ دیا۔ امیر حمزہ عمرو کی یہ کارروائی دیکھ کر حیرت سے دیر تک بول نہ سکے۔ عمرو ایک پتھر پر اپنا خنجر تیز کرنے لگا۔ سب سے پہلے بختک ہوش میں آیا۔ کیا

دیکھتا ہے کہ دائیں بائیں نوشیرواں اور ژوپین رسیوں سے بندھے ہوئے کھڑے ہیں اور عَمرو عیّار اپنا خنجر تیز کر رہا ہے۔ بختک کی گھگھی بندھ گئی۔ رو رو کر التجا کرنے لگا:

"اے حمزہ، اِس خُونی سے میری جان بچاؤ۔ مَیں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ تمہارے خلاف کوئی حرکت نہ کروں گا۔"

"چُپ بے ..... ہمیں تیری کسی بات کا اعتبار نہیں رہا۔" عَمرو نے کہا "بس اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے اور مرنے کے لیے تیّار ہو جا۔"

بختک کی آہ و زاری اور چیخ پکار سے نوشیرواں اور ژوپین بھی ہوش میں آ گئے اور اپنے آپ کو یُوں بے بس پا کر بے حد شرمندہ ہوئے۔ آخر نوشیرواں نے امیر حمزہ سے کہا:

"عَمرو کو روکو، ورنہ دنیا کہے گی کہ حمزہ نے دھوکے سے اپنے دُشمنوں کو گرفتار کر کے مروا دیا۔ یہ حرکت بہادروں کی شان کے خلاف ہے۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ نے گردن جُھکا لی اور ادب سے کہا "جہاں پناہ، مَیں نے اسے حکم نہیں

دیا تھا کہ آپ کو یوں گرفتار کر کے لایا جائے۔"

"بادشاہ سلامت، آپ بالکل فکر نہ کیجیے، میں آپ کو کچھ نہ کہوں گا۔" عمرو نے کہا "لیکن ان دونوں بدمعاشوں کو شہر میں لے جا کر ذبح کروں گا اور کسی کی سفارش نہ سُنوں گا۔"

اب تو ژوبین اور بختک بری طرح گڑگڑانے لگے۔ مگر عمرو برابر اپنا خنجر تیز کرتا رہا۔

ژوبین نے عمرو کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا، "اے عمرو۔ تو آج میری جان بخش دے۔ قسم ہے آئندہ اپنی شکل تجھے نہ دکھاؤں گا۔"

بختک نے بھی ہاتھ باندھ کر کہا "اگر آئندہ امیر حمزہ یا تیرے خلاف کوئی شرارت کروں تو تجھے اختیار ہے کہ مجھ سے جو چاہے سلوک کرے۔"

عمرو نے گردن جھکا کر اِن کی درخواستوں پر غور کرنا شروع کیا، مگر پھر انکار میں سر ہلایا اور بولا: "نہیں، تم لوگوں کو چھوڑ دینا حماقت ہے اور ایسی حماقت کی کم از کم مجھ سے اُمید نہ رکھنا۔"

نوشیرواں نے دیکھا کہ عمرو پر منت سماجت

کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو اُس نے کہا: "کوئی صورت ایسی بھی ہے کہ تم اِن بدنصیبوں کی جان بخشی کر سکو؟"

"جی ہاں ایک صورت ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ دونوں چار چار ہزار اشرفیاں مجھے دیں۔" عَمرو نے جواب دیا۔

تب نوشیرواں نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی سے ہیرے کی ایک انگوٹھی اتاری اور عَمرو کو دیتے ہوئے کہا "یہ انگوٹھی ہم تمہیں عطا کرتے ہیں۔ اس کی قیمت ایک لاکھ اشرفیوں سے بھی زیادہ ہے۔"

عَمرو نے دیکھ بھال کر انگوٹھی اپنی انٹی میں دبائی۔ پھر ایک خادم کو حکم دیا کہ کوڑا لے کر آئے۔ بختک اور ژوپین کو ستون سے کھولا گیا اور عَمرو نے ان کی پیٹھ پر پچاس پچاس کوڑے مارے پھر نائی کو بُلوا کر حکم دیا کہ ان کی بھویں اور مونچھیں مونڈ دی جائیں۔ اس کے بعد انھیں چھوڑ دیا۔

ژوپین نے بختک سے کہا، "مَیں تو یہاں سے

جاتا ہوں۔ دوبارہ اِدھر کا رُخ بھی نہ کروں گا۔"
بجتک نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا، "بس، اسی
بہادری پر ناز تھا۔ واقعی شہزادی مہر نگار تمہارے
لائق نہ تھی۔"
یہ سُن کر شروین کو غصہ آیا۔ گرج کر بولا "بہت
اچھا، جب تک شہزادی مہر نگار سے شادی نہ
کروں گا، مجھ پر دِن کا چین اور رات کی نیند
حرام ہے۔"

آسمان پری

زوبین ۔ بختک اور نوشیرواں کو تھوڑی دیر کے لیے یہیں چھوڑ کر ہم آپ کو ایک نئی دنیا میں لیے چلتے ہیں، اس دنیا کو کوہ قاف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ یہاں دیووں اور پریوں کی حکومت ہے اور طرح طرح کے عجائبات اور طلسمات سے یہ دنیا بھری پڑی ہے ۔ آپ کو یاد ہو گا کہ امیر حمزہ کی پیدائش کے بعد کوہ قاف کے بادشاہ شاہ رُخ نے ان کا پنگوڑا اپنے ملک میں پریوں کے ذریعے سے منگوایا تھا اور دربار کے وزیر عبدالرحمان نے بادشاہ کو بتایا تھا کہ یہ بچّہ بڑا نام ور اور نور آور ہو گا ۔ اٹھارہ سال تک کوہ قاف میں رہے گا اور ہزارہا دیووں اور خبیثوں کو جہنّم رسید کرے گا ۔

کوہ قاف کا بادشاہ شاہ رخ جب مر گیا تو سب امیروں اور وزیروں نے اس کی بیٹی آسمان پری کو تخت پر بٹھایا۔ نوّے ہزار پریاں اس کے محل میں رہتی تھیں اور اس کی سلطنت دن دُگنی رات چوگنی ترقی کر رہی تھی۔ دارالسلطنت کا نام شہرستان زرّیں تھا۔ اِس نام کی وجہ یہ تھی کہ شہر کی تمام عمارتیں سنہرے رنگ کی تھیں اور جب ان پر سورج کی کرنیں پڑتیں تو یہ عمارتیں سونے کی طرح جگ مگ جگ مگ کرنے لگتی تھیں۔

کوہ قاف کے مغربی حصّے پر ایک ظالم دیو کی حکومت تھی۔ اس کا نام عفریت تھا۔ آہستہ آہستہ اس نے اپنی طاقت بڑھانی شروع کی اور اِرد گِرد کے علاقوں پر قبضہ کرنے لگا۔ دراصل اس کی نیّت یہ تھی کہ پورے ملک پر قابض ہو جائے۔ اس نے ایک روز دیووں کی دس ہزار فوج کے ساتھ شہرستان زرّیں پر حملہ کر دیا۔ پریوں نے چند روز تک تو دیووں کا مقابلہ کیا۔ مگر کہاں تک بس چلتا۔ آخر انھوں نے بھاگنا

شروع کر دیا اور اپنے شہر کو دیووں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ آسمان پری کا ایک وزیر، جس کا نام سلاسل تھا، علمِ نجوم میں بہت مشہور تھا۔ پریشان ہو کر آسمان پری نے سلاسل وزیر کو طلب کیا اور کہا کہ حساب لگا کر بتا ہمارا ملک اور ہماری دولت ہم کو دیووں سے واپس ملے گی یا نہیں؟ وزیر سلاسل نے دیر تک حساب لگایا اور خوب غور کرتا رہا۔ آخر خوش ہو کر کہنے لگا:

"اے بادشاہ زادی، مبارک ہو۔ میرا حساب بتاتا ہے کہ تیرا ملک اور تیری دولت تجھے ایک آدم زاد کے ذریعے واپس ملے گی۔"

یہ سن کر آسمان پری حیران ہوئی اور پوچھنے لگی "جلد بتا کہ وہ آدم زاد کہاں ہے اور کون ہے؟"

"اس کا نام حمزہ ہے۔ نہایت حسین اور بہادر جوان ہے۔ اس پر پیغمبروں کا سایہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کا کوئی پہلوان اسے ہرا نہیں سکا۔ دیووں کے سردار عفریت کی موت اسی حمزہ کے ہاتھوں لکھی ہے۔ اگر وہ کسی طرح کوہ قاف

میں آجائے تو تمام پریشانیاں اور مصیبتیں دور ہو سکتی ہیں۔"

"وہ بھلا یہاں کیسے آسکتا ہے؟" آسمان پری نے کہا۔

"آپ فکر نہ کیجیے۔ اس کا لانا میرا کام ہے۔" وزیر نے جواب دیا۔

تب آسمان پری نے بہت سے زر و جواہر وزیر سلاسل کے سپرد کیے اور کہا کہ مکے جاؤ اور ہماری جانب سے یہ تحفے امیر حمزہ کی خدمت میں پیش کر کے درخواست کرو کہ وہ کوہ قاف تشریف لائیں۔ وزیر سلاسل نے پریوں کا ایک گروہ اپنے ساتھ لیا اور دم کے دم میں کوہ قاف سے اُڑ کر مکے پہنچا۔ امیر حمزہ اُس وقت خانہ کعبہ کے قریب بیٹھے عبادت کر رہے تھے۔ یکایک پریوں کا غول ظاہر ہوا اور خوشبودار میووں کے کئی خوان سامنے رکھ کر غائب ہو گیا۔ امیر حمزہ ان پریوں اور میووں کے خوان دیکھ کر حیران ہوئے۔ پھر عمرو عیار کو بلایا اور حکم دیا:

"جاؤ یہ سارا میوہ شہر کے لوگوں میں تقسیم کر دو۔"

عَمرُو نے خوان مزدوروں کے سر پر رکھوائے اور شہر میں لے گیا۔ جس نے بھی یہ میوئے کھائے بے اختیار تعریف کرنے لگا۔

اگلے روز امیر حمزہ پھر خانۂ کعبہ میں گئے اور عبادت میں مشغول ہوئے کہ پریاں نمودار ہوئیں ان کے ساتھ سلاسل وزیر بھی تھا۔ امیر حمزہ نے ان سے کہا "دیکھو تمہیں حضرت سُلیمان علیہ السلام کی قسم ہے، غائب نہ ہونا۔ اپنا حال مجھ سے کہو کہ یہاں کیوں کر آنا ہوا؟"

پریوں نے سارا حال سچ سچ کہہ سنایا۔ امیر حمزہ حیرت سے سُنتے رہے۔ پھر کہنے لگے۔ "خدا کے فضل سے میں عفریت کو مار سکتا ہوں۔ لیکن کوہ قاف یہاں سے بہت دُور ہے وہاں تک پہنچنے کے لیے برسوں چاہییں۔"

"اے امیر آپ فکر نہ کیجیے۔" پریوں نے کہا۔ "ہم پلک جھپکنے میں آپ کو لے جائیں گے اور اٹھارہ روز بعد یہیں واپس پہنچا جائیں گے۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ نے رضا مندی ظاہر کی اور اپنے دوستوں سے ذکر کیا کہ وہ کوہ قاف جانا چاہتے

ہیں تاکہ عفریت دیو کو ہلاک کر کے آسمان پری کا تخت و تاج واپس دلائیں۔

امیر حمزہ کے دوست غمگین ہوئے کیونکہ انھیں ایک پل کی جدائی بھی گوارا نہ تھی۔ عمرو عیار نے روتے ہوئے پریوں سے کہا "اچھا، تم امیر کو اپنے ساتھ لے جاؤ لیکن اٹھارہ روز بعد یہاں ضرور پہنچا دینا۔ ورنہ یاد رکھو عفریت نے وہ سلوک تمہارے ساتھ نہ کیا ہو گا جو میں کروں گا۔"

امیر حمزہ نے دوستوں سے رخصت ہونے وقت کہا "میں عمرو اور شہزادی مہر نگار کو اپنا نائب مقرر کرتا ہوں۔ ان کی تعظیم اسی طرح کی جائے، جس طرح میری کی جاتی ہے۔"

یکایک ایک خوش نما اڑن کھٹولا نمودار ہوا جسے چھ پریاں اٹھائے ہوئے تھیں۔ امیر حمزہ اس اڑن کھٹولے پر سوار ہوئے اور پھر آہستہ آہستہ یہ کھٹولا آسمان کی طرف اڑا۔ امیر حمزہ کے دوستوں اور خیر خواہوں کی آنکھوں میں آنسو تھے اور سب دعائیں مانگتے تھے کہ وہ خیریت سے اپنے شہر واپس آئیں لیکن اسی روز بزرجمہر کا ایک خط عمرو عیار کے نام آیا

اس میں لکھا تھا:

"عزیز بیٹے عمرو کے نام۔ تم پر سلامتی ہو۔ تمہیں اور تمہارے تمام دوستوں کو معلوم ہو کہ امیر حمزہ کوہ قاف میں اٹھارہ دن کے بجائے اٹھارہ سال تک رہیں گے کیوں کہ یہی ان کی قسمت میں لکھا ہے۔ وہ کوہ قاف کی بلاؤں اور دیووں کو فنا کر کے شہر تنجہ میں تم سے آن کر ملیں گے۔ پس تم یہاں سے کوچ کر کے شہر تنجہ جاؤ۔ خدا انہیں حمزہ کو تم سے ملائے گا۔"

بزرجمہر کا یہ خط پڑھ کر سب رونے لگے۔ عمرو نے اُن کو تسلّی دی اور کہا کہ اب رونے سے کیا فائدہ۔ بہتر یہی ہے کہ صبر سے کام لیا جائے۔ کوشش کرو کہ ہمارے دشمن اِس خبر کو نہ سنیں۔ یہ کہہ کر عمرو نے سفر کی تیاریاں شروع کیں۔ شہزادی مہرنگار کو سیاہ قیطاس پر سوار کرایا اور چالیس ہزار غلام اور بہت سی لونڈیاں باندیاں ساتھ کیں۔ مقبل وفادار کو چار ہزار سپاہی دے کر مکّے کی حفاظت کے لیے چھوڑا اور خود مغرب کی جانب روانہ ہوئے۔ عمرو نے اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ دریافت کرو یہاں

سے نزدیک کوئی شہر ہے یا نہیں۔ ملازم گئے اور خبر لائے کہ تین کوس پر شہرِ نیستان آباد ہے۔ تب عمرو عیار نے بختک وزیر کی شکل بنائی اور اپنے ساتھ چند سوار لے کر شہرِ نیستان کے قلعے کے دروازے پر گیا۔ دربانوں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کس لیے آئے ہیں؟ عمرو نے رعب دار لہجے میں کہا:

"یہاں کے قلعہ دار کو خبر کرو کہ شہنشاہ نوشیرواں کا وزیر بختک آیا ہے اور شہزادی مہرنگار کو عربوں سے چھین لایا ہے۔ اب عرب پیچھا کر رہے ہیں۔ جلدی سے دروازہ کھولو تاکہ مہرنگار کو قلعے میں پہنچا دیں۔"

دربانوں نے فوراً یہ پیغام قلعہ دار کو پہنچایا۔ وہ اسی وقت دوڑتا ہوا دروازے پر آیا۔ دیکھا کہ بختک وزیر موجود ہے۔ جھک کر سات سلام کیے اور ہاتھ باندھ کر کہا "آپ اندر تشریف لائیے۔ میں آپ کا اور نوشیرواں دونوں کا غلام ہوں۔"

چالیس ہزار جوانوں کا لشکر آناً فاناً قلعے میں داخل ہوا اور قلعے میں رہنے والے تمام دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر قلعے کے دروازے بند کیے اور فصیل پر اپنے سپاہی بٹھا دیے۔ اتنے میں دشمن

کی فوج بھی پیچھا کرتی ہوئی آن پہنچی۔ لیکن عمرو عیار اور اس کے ساتھیوں کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔

عمرو کو یہیں چھوڑ کر اب ہم آپ کو کوہ قاف لیے چلتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ امیر حمزہ پر اس جادو کے ملک میں کیا بیتی۔

پریوں نے پلک جھپکتے میں اڑن کھٹولا شہرستانِ زرّیں میں پہنچایا۔ امیر حمزہ نے دیکھا کہ عالی شان شہر ہے۔ عمارتیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ ہر چیز ایسی صاف شفّاف ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی۔ جابجا خوب صورت باغیچے اور نہریں رواں ہیں جن میں فوّارے چل رہے ہیں اور ہر فوّارے کا پانی رنگین ہے۔ کوئی سرخ ہے، کوئی سبز اور کوئی زرد۔ لیکن اس تمام حسن اور خوب صورتی کے باوجود شہر ویران ہے۔ دکانیں خالی پڑی ہیں اور بازار بھائیں بھائیں کرتے ہیں۔

امیر حمزہ نے وزیر سلاسل سے پوچھا "شہر کے لوگ کہاں گئے؟" یہ سن کر وزیر سلاسل رونے لگا اور جواب دیا:

"اے امیر، ان سب کو عفریت دیو نے یا تو مار ڈالا یا گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ اب ہم

آپ کو نیچے اتار کر رخصت ہوتے ہیں۔"

ایک پُر فضا باغ میں پریوں نے اڑن کھٹولا اتارا اور امیر حمزہ کو وہاں حیران پریشان چھوڑ کر غائب ہو گئیں۔ تب امیر نے خدا کو یاد کیا اور ایک چشمے پر جا کر خوب پانی پیا اور آرام کرنے کے لیے لیٹ رہے، یکایک ایک خوف ناک شکل کا دیو آیا اور ان کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر انھوں نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ دیو زخمی ہو کر گر پڑا اور گھاس پر لوٹنے لگا، پھر دردناک آواز میں چلّایا:

"اے آدم زاد، ایک وار اور کر کہ میری جان جلد نکلے۔"

تب حمزہ نے دوسرا وار کیا مگر مرنے کی بجائے وہ دیو بالکل ٹھیک ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور قہقہہ مار کر ہنسا۔ حمزہ یہ دیکھ کر خوف زدہ ہوئے اور دل میں کہا یا الٰہی یہ کیا تماشا ہے! میں نے پہلا وار کیا تو یہ دیو زخمی ہوا اور اس نے دوسرے وار کی التجا کی اور جب میں نے دوسرا وار کیا تو یہ ہلاک ہونے کے بجائے تازہ دم ہو گیا۔ دیو اُن کی طرف جھپٹا اور اب دونوں میں لڑائی ہونے لگی یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی۔ آخر دیو نے کہا:

"اے آدم زاد، آفرین ہے تجھ پر۔ قسم ہے حضرت سلیمانؑ کی کہ میں نے تجھ جیسا بہادر آدمی پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ اب دوپہر سر پر ہے۔ مجھے آرام کرنے کی مہلت دے۔ اس کے بعد پھر میرا اور تیرا مُقابلہ ہوگا۔"

امیر حمزہ نے دیو کی یہ درخواست قبول کی اور کہا:۔
"جا تجھے مُہلت دی مگر تجھے قسم ہے حضرت سلیمانؑ کی کہ مجھ پر بے خبری میں وار نہ کیجیو۔"

عفریت دیو اور امیر حمزہ کی تین روز تک خوف ناک جنگ۔ امیر حمزہ کوہ قاف جاتے ہیں۔ پریوں اور دیووں کی حیرت انگیز دُنیا۔ قدم قدم پر مصیبتیں اور عجیب واقعات۔ امیر اٹھارہ سال تک کوہ قاف میں رہنے کے بعد دوبارہ اپنے مُلک واپس آتے ہیں یہ حیرت انگیز اور دل چسپ واقعات داستانِ امیر حمزہ کی پانچویں کتاب
"امیر حمزہ کوہ قاف میں"
پڑھیے۔

امیر حمزہ کوہ قاف میں

عفریت دیو کی موت

اِس حیرت انگیز داستان کے چوتھے حصّے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ امیر حمزہ آسمان پری کی درخواست پر کوہ قاف جاتے ہیں۔ وہاں عفریت دیو نے آسمان پری کی سلطنت چھین لی ہے اور خود حکومت کر رہا ہے۔ پریاں امیر حمزہ کو ایک باغ میں چھوڑ کر چلی جاتی ہیں۔ وہاں ان کی لڑائی ایک دیو سے ہوتی ہے۔ امیر حمزہ دیو کو تلوار سے زخمی کرتے ہیں اور وہ تڑپتے ہوئے کہتا ہے کہ اے آدم زاد ایک وار اور کر تاکہ میری جان جلد جسم سے نکلے اور میں اس تکلیف سے نجات پاؤں۔ امیر حمزہ ایک اور وار کرتے ہیں لیکن یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہیں رہتی کہ زخمی دیو دوبارہ تن درست ہو کر لڑنے لگتا ہے۔

امیر حمزہ اُسے کئی بار زخمی کرتے ہیں مگر زخمی ہونے

کے بعد وہ خوشامد سے کہتا ہے کہ اے آدم زاد ایک وار اور کر تاکہ میری جان جلد جسم سے نکلے اور میں اس تکلیف سے نجات پاؤں۔ لیکن امیر حمزہ جب دُوسرا وار کرتے ہیں تو دیو پھر ٹھیک ہو کر لڑنے لگتا ہے۔ اسی طرح صُبح سے دوپہر ہو جاتی ہے۔ آخر دیو امیر حمزہ سے کہتا ہے کہ تھوڑی دیر آرام کر لینے دو۔ تم بھی تھک گئے ہو اور مَیں بھی تھک چکا ہُوں تھکن دُور کرنے کے بعد دوبارہ لڑائی شرُوع کریں گے امیر حمزہ اس کی یہ درخواست مان لیتے ہیں۔ لڑائی بند ہو جاتی ہے اور دونوں آرام کرنے لگتے ہیں ہماری یہ نئی کہانی یہیں سے شروع ہوتی ہے۔

امیر حمزہ ایک گھنی جھاڑی کے قریب جا لیٹے۔ تلوار چلا چلا کر ان کے بازُو شل ہو چکے تھے اور پیاس کی وجہ سے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے مگر وہاں پینے کے لیے پانی کی بُوند تک نہ تھی۔ یُوں بھی امیر حمزہ کی بُھوک پیاس اس حیرت اور خوف نے اُڑا دی تھی کہ زخمی دیو دُوسرا وار ہوتے ہی تازہ دم کیسے ہو جاتا ہے وہ دل میں کہنے لگے کہ اس طرح تو میں اپنے دُشمن کو

کبھی ہلاک نہیں کر سکوں گا۔ ابھی اِسی فکر میں گُم تھے کہ یکایک ایک جانب سے آواز آئی:

"اے امیر حمزہ تجھ پر سلام۔"

امیر حمزہ نے مُڑ کر دیکھا۔ ایک دراز قد اور نُورانی شکل کے بزُرگ کچھ فاصلے پر کھڑے مُسکرا رہے تھے امیر حمزہ تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ سلام کا جواب دیا اور ادب سے کہنے لگے: "حضرت، آپ کون ہیں؟"

وہ بزُرگ آگے بڑھے اور امیر حمزہ کو گلے لگا کر بولے "اِتنی جلدی مجھے بھُول گئے؟ میرا نام خِضر ہے۔ بھُولے بھٹکے کو راستہ بتاتا ہوں۔ تُم اِس وقت سخت آفت میں گھِرے ہوئے ہو، اس لیے خُدا نے مجھے حُکم دیا ہے کہ تمہیں اس مُصیبت سے نجات پانے کی تدبیر بتاؤں۔ مگر پہلے تم کچھ کھا لو۔"

یہ کہہ کر حضرت خِضر نے دسترخوان بچھایا۔ تازہ روٹیاں اور مچھلی کے کباب دسترخوان پر رکھے۔ امیر حمزہ نے اپنی زندگی میں ایسا مزے دار کھانا نہ کھایا تھا۔ اُنھوں نے جلدی جلدی پیٹ بھرا۔ پھر حضرت خِضر نے اپنے مشکیزے سے پانی نکال کر پلایا۔ امیر حمزہ نے خُدا کا شکر ادا کیا اور کہنے لگے "حضرت، آپ کی مہربانیوں کا بدلہ

ہَیں قیامت تک ادا نہیں کر سکتا۔ اب مُجھے وہ بات بتایئے جس پر عمل کر کے مَیں ان دیوؤں اور خبیثوں پر فتح حاصل کر سکوں۔"

"اے فرزند، اِس کی ترکیب بہت آسان ہے۔" خضرؑ نے کہا "جب کوئی دیو زخمی ہونے کے بعد تُم سے کہے کہ ایک وار اور کرو، اُس وقت اُس کی بات ہرگز نہ ماننا اور دُوسرا وار کبھی نہ کرنا۔ وہ خُود بخُود پتھر سے سر ٹکرا کر مر جائے گا۔"

یہ نصیحت کر کے حضرت خضرؑ وہاں سے غائب ہو گئے۔ اِتنے میں اُس دیو نے للکار کر امیر حمزہ سے کہا "اے آدم زاد، بہت آرام کر چُکا۔ اب لڑنے کے لیے تیار ہو جا۔ تیری موت کا وقت آن پہنچا۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ ہنسے اور بولے: "اے دیو میں نے تُجھ پر بڑا ترس کھایا اور کئی بار تجھے زندہ چھوڑا مگر اب جان لے کہ تیرا آخری وقت قریب ہے۔"

یہ کہہ کر تلوار اُٹھائی اور دیو پر حملہ کیا۔ دیو لہُو لہان ہو کر زمین پر گرا اور چلّا کر کہا "اے آدم زاد، واقعی تُو بہادر ہے۔ تُو نے مجھے زیر کر لیا۔ ایک اِحسان کر کہ تلوار مار کر میری گردن الگ کر دے تاکہ میں جسم کی

قید سے آزاد ہو جاؤں۔"

امیر حمزہ نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگے: "اب میں تیری بات ہرگز نہ مانوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ ایک اور وار کرنے سے تُو دوبارہ لڑنے کے قابل ہو جائے گا۔"

یہ سُن کر دیو رونے اور گڑگڑانے لگا۔ مگر امیر حمزہ نے ایک نہ سُنی۔ آخر وہ ایک بڑے پتّھر سے سر ٹکرا کر مر گیا۔ اِتنے میں دیووں کی ایک جماعت اُدھر آ نکلی۔ اُنھوں نے جب اپنے ایک ساتھی دیو کو خُون میں لت پت مرے ہوئے پایا تو وہ چیخنے چِلّانے لگے۔ پھر اُنھوں نے امیر حمزہ کو دیکھا اور حیران ہو کر کہنے لگے:

"اے آدم زاد، سچ بتا کہ تُو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور اِس دیو کو کِس نے مارا ہے؟"

"میرا نام حمزہ ہے اور میں نے ہی اِس دیو کو ہلاک کیا ہے۔"

اِتنا سُننا تھا کہ دیووں میں کھلبلی مچ گئی۔ پھر اُنھوں نے بڑے بڑے پتّھر اُٹھائے اور امیر حمزہ کی طرف پھینکے ان میں سے ہر پتّھر کا وزن سو من سے زیادہ تھا۔ امیر حمزہ جان بچانے کے لیے جھاڑیوں میں چُھپ

گئے۔ تھوڑی دیر بعد دیوؤں نے اُنھیں تلاش کر لیا اور تلواریں اور خنجر نکال کر جھپٹے۔ مگر آناً فاناً امیر حمزہ نے کئی دیوؤں کو زخمی کر کے ڈال دیا۔ یہ دیکھ کر دیو ڈر کر پیچھے ہٹ گئے اور اُنھوں نے اپنے بادشاہ عفریت دیو کو خبر پہنچائی کہ اِنسانوں کی دُنیا سے ایک آدم زاد آیا ہے، اپنا نام حمزہ بتاتا ہے اور اُس نے ہمارے کئی بہادُر دیو مار ڈالے ہیں۔

عفریت دیو غیظ و غضب میں مُنہ سے آگ برساتا ہوا آیا۔ دیکھا کہ ایک خُوب صُورت آدم زاد باغ کے بیچ میں کھڑا تلوار گھُما رہا ہے قریب ہی پانچ چھ زخمی دیو پڑے ہیں اور چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں:

"اے آدم زاد ایک وار اور کر کہ ہم جلد اِس تکلیف سے نجات پائیں۔"

عفریت نے بھی امیر حمزہ سے وہی سوال کیے جو اِس سے پہلے دُوسرے دیو پُوچھ چکے تھے اور حمزہ نے اسے بھی وہی جواب دیا جو پہلے دیوؤں کو دیا تھا۔ تب عفریت نے اپنے ایک ماتحت کو اِشارہ کیا کہ آگے بڑھ کر اس آدم زاد کو مار ڈال۔

ناگہاں ایک دیو جس کا رنگ توے کی سیاہی کو

شرماتا تھا اور جس کا قد بارہ گز کے لگ بھگ تھا، چالیس من وزنی کلہاڑا لے کر اُچھلتا کُودتا نمُودار ہوا۔ اُس کے پیروں کی دھمک سے باغ کی زمین کانپنے لگی درختوں پہ بیٹھے ہُوئے پرندے خوف زدہ ہو کر اُڑ گئے اور فضا میں چکّر کاٹنے لگے۔ دیو کی آنکھوں سے شُعلے نکل رہے تھے اور اُس کی لال لال زبان مُنہ سے باہر لٹکی ہُوئی تھی۔

اُس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں گھُمائیں، پھر بادل کی طرح گرج کر بولا "اے آدم زاد خبردار ہو کہ تیری موت آن پہنچی"

یہ کہہ کر اُس نے کلہاڑا گھُمایا۔ ہوا میں ایک زنّاٹے دار آواز پیدا ہُوئی۔ امیر حمزہ نے اپنے آپ کو اُس کے کُلہاڑے کی زد سے بچایا، پھر اُچھل کر تلوار سے اس کا وہ ہاتھ کاٹ ڈالا جس میں اُس نے کُلہاڑا پکڑ رکھا تھا۔ ہاتھ کٹتے ہی خُون کا ایک اُونچا فوّارہ اُچھلا اور کُلہاڑا بہت سے دیوؤں کو زخمی کرتا ہوا کافی دُور جا گرا۔

عفریت کا ماتحت بُری طرح چلّایا۔ زمین پر دھم سے گرا اور کہنے لگا:

"اے آدم زاد، جلدی سے میری گردن اُڑا دے

تاکہ اس تکلیف سے نجات پاؤں۔"

امیر حمزہ نے قہقہہ لگایا اور بولے: "اب میں اِس فریب میں کبھی نہ آؤں گا۔ پتھر سے اپنا سر ٹکراؤ اور مرجاؤ۔"

دیو نے دوسرا وار کرنے کی بڑی اِلتجا کی لیکن امیر حمزہ کو حضرت خضرؑ کی نصیحت یاد تھی اِس لیے چُپ چاپ اپنی جگہ کھڑے رہے۔ آخر دیو نے ایک پتھر سے اپنا سر ٹکرایا۔ اُس کی کھوپڑی پاش پاش ہو گئی اور وہ اُسی وقت مر گیا۔

یہ تماشا دیکھ کر عفریت کے غُصّے کی انتہا نہ رہی۔ اُس نے دیوؤں کو حُکم دیا کہ اِس آدم زاد پر ٹُوٹ پڑو اور اِس کی تِکّا بوٹی کر ڈالو۔ چاروں طرف سے دیو امیر حمزہ پر جھپٹے لیکن وہ ذرا نہ گھبرائے۔ اب اُنھوں نے بے تحاشا تیر برسانے شُروع کیے۔ کوئی تیر خالی نہ گیا اور دیکھتے دیکھتے باغ میں ہر طرف خُون کی ندّیاں بہہ نکلیں۔ بے شمار دیو مارے گئے اور اکثر بھاگ نکلے۔ خُود عفریت دیو نے بھی بڑی مُشکل سے اپنی جان بچائی۔

عفریت یہاں سے سیدھا اپنے محل میں گیا اور ایک بوڑھے دیو کو بُلایا جو حضرت سلیمانؑ کے زمانے

کا تھا۔ اُس سے سارا حال کہا۔ بُوڑھا دیو چند لمحے خاموش رہا۔ پھر ہاتھ باندھ کر کہنے لگا:

"اے بادشاہ، اِس آدم زاد کو مارنا کسی دیو کے بس میں نہیں ہے۔ میں نے حضرت سُلیمانؑ سے سُنا تھا کہ آخری زمانے میں ایک آدم زاد، جس کا نام حمزہ ہوگا، اِنسانوں کی دُنیا سے نکل کر کوہِ قاف میں آئے گا۔ اُس کی تلوار اور تِیروں سے ہزاروں دیو مارے جائیں گے اور تُو خُود بھی اُسی کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُترے گا۔ ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ یہ وہی آدم زاد ہے۔"

یہ سُن کر عفریت اور طیش میں آیا۔ سوچے سمجھے بغیر اُس نے ایک بڑا سا پتّھر اُٹھایا اور بُوڑھے دیو کے سر پر دے مارا۔ وہ بے چارا مُنہ سے آواز نکالے بغیر فوراً مر گیا۔

اُدھر امیر حمزہ بھی عفریت کی تلاش میں نکلے۔ راستے میں بہت سے دیووں نے اُن کا راستا روکنے کی کوشش کی لیکن اُنھوں نے سب کو کاٹ کر ڈال دیا۔ اس کے بعد دیووں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ اپنی جان بچانے کے لیے پہاڑوں اور ویرانوں کی طرف بھاگ نکلے۔

عفریت دیو کا محل آسمان سے باتیں کرتا تھا اور اُس کی سب سے اُونچی چھت پر ایک عالی شان مینار بنا ہُوا تھا۔ عفریت ڈر کے مارے اُس مینار کے اندر جا چھپا اور اندر داخل ہونے کے تمام راستے بند کر دیے۔ پھر اُس نے جادُو کے زور سے بڑے بڑے وزنی پتّھر امیر حمزہ کے اُوپر پھینکنے شرُوع کیے۔ مگر حمزہ کا بال بھی بیکا نہ ہُوا اور وہ محل کے اندر گھُسنے کا راستا تلاش کرنے لگے۔

اچانک پریوں کا ایک گروہ حاضر ہُوا۔ اُنھوں نے امیر حمزہ کو سلام کیا اور آسمان پری کی جانب سے شکریہ ادا کرتے ہُوئے کہنے لگیں: "اے امیر، اِس محل میں داخل ہونے کی صُورت اِس کے سوا اور کچھ نہیں کہ آپ اپنی تلوار سے اپنے بائیں ہاتھ میں تھوڑا سا شگاف دیں پھر اس خون پر اسمِ اعظم پڑھ کر محل کے دروازوں پر چھڑک دیں۔ فوراً سب دروازے کھُل جائیں گے۔"

امیر نے جلدی سے بائیں ہاتھ میں شگاف دیا۔ سُرخ سُرخ خُون اُبل پڑا۔ اُنھوں نے اسمِ اعظم پڑھ کر اُس خُون پر دم کیا اور عفریت کے محل کے دروازوں پر چھڑک دیا۔ یوں محسُوس ہوا جیسے ایک زبردست زلزلہ

آ گیا ہو، زمین تھر تھر کانپنے لگی، پہاڑوں میں دراڑیں پڑنے لگیں۔ درخت زمین پر جھک گئے اور آسمان کا رنگ گہرا سرخ ہو گیا۔ پھر آندھی کے آثار دکھائی دیے۔ شور اتنا تھا کہ کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔

یکایک امیر حمزہ نے دیکھا کہ محل کے دروازے کھل گئے ہیں اور اندر سے بے شمار دیو نکل نکل کر فضا میں اُڑ رہے ہیں۔ اُن کی شکلیں بڑی ڈراونی تھیں۔ اُن کے رنگ بھی الگ الگ تھے۔ کوئی پیلا کوئی نیلا اور کوئی کالا۔ سُرخ رنگ کے دیو بھی بہت تھے۔

عفریت نے جب امیر حمزہ کو محل کے اندر داخل ہوتے دیکھا تو بہت گھبرایا اور وہاں سے بھاگنا چاہا۔ مگر حمزہ نے اُسے بھاگنے کی مُہلت نہ دی اور راستا روک لیا۔ تنگ آ کر عفریت نے لڑنا شروع کر دیا اور اِس بہادری سے لڑا کہ امیر حمزہ کے دل سے بھی آفرین نکلی۔ مگر دو گھنٹے کی لگاتار لڑائی کے باوجود عفریت دیو امیر حمزہ پر فتح نہ پا سکا۔ آخر اُنھوں نے اپنی تلوار اُس کے سینے میں گھونپ دی۔ اُسی وقت وہ زمین پر گرا اور تڑپنے لگا۔ پھر اُس نے کہا:

"اے حمزہ ایک وار اور کر تاکہ میری جان جلد جسم

سے نکلے۔"

"ایسا کام مجھ سے نہ ہوگا۔" امیر حمزہ نے ہنس کر کہا "وہ دیکھو ایک بڑا سا پتھر تمہارے قریب ہی پڑا ہے اُس سے اپنا سر ٹکراؤ اور مر جاؤ۔"

یہ سُن کر عفریت مایوس ہوا اور آخر کار اُسی پتھر سے سر ٹکرا کر مر گیا۔

عفریت کے مرتے ہی آسمان ایک دم تاریک ہوگیا بڑی خوف ناک آندھی آئی اور محل خشک پتّے کی طرح کانپنے لگا۔ عین اُسی وقت دس ہزار پریاں نمودار ہوئیں اور ان کے آتے ہی یہ آندھی دُور ہوگئی۔ تمام پریوں نے امیر حمزہ کے قدموں پر سر رکھ کر اُن کا شکریہ ادا کیا اور طرح طرح کی نعمتیں اور میوے اُن کے سامنے رکھے۔ امیر حمزہ نے جی بھر کر یہ میوے کھائے اور جواہرات کے بنے ہُوئے پیالوں میں لذیذ شربت پیا۔

امیر حمزہ نے آسمان پری کو اُس کی سلطنت سونپی تمام دیووں سے وعدہ لیا کہ وہ آیندہ بغاوت نہ کریں گے اور آسمان پری کا حکم مانیں گے۔ اس کے بعد اُنھوں نے آسمان پری کے وزیر سلاسل سے کہا کہ کوہ قاف میں ہمارے آنے کا مقصد پُورا ہوچکا ہے

اب تُم ہمیں فوراً مکّے پہنچاؤ کیوں کہ اپنے دوستوں کو دیکھے ہُوئے بہت دن گُزر گئے ہیں۔ ہمیں اُن کی یاد ستا رہی ہے۔

وزیر سلاسل نے ہاتھ باندھ کر ادب سے عرض کیا "حضُور کا اِرشاد سر آنکھوں پر ہماری خواہش تو یہ تھی کہ آپ کچُھ دن اور کوہ قاف میں قیام فرماتے مگر ہماری اِتنی مجال نہیں کہ زور دے کر آپ کو روک سکیں۔ ہماری صِرف اتنی درخواست ہے کہ کبھی کبھی ہمیں مُلاقات کا موقع عطا فرماتے رہا کریں۔"

"بے شک ۔ جب تُمہارا جی چاہے یاد کر لینا۔ ہم اُسی وقت آ جائیں گے۔" امیر حمزہ نے کہا۔

تب سلاسل نے بہت سے دیووں کو طلب کیا اور اُن سے پُوچھا کہ امیر حمزہ کو کتنے عرصے میں مُلکِ عرب پہنچاؤ گے ؟ کسی نے کہا تین دن میں اور کسی نے کہا دو دن میں۔ آخر میں ایک کالے دیو نے گردن جُھکا کر کہا:

"حضُور ! یہ غلام آپ کو ایک دن کے اندر اندر مکّے پہنچا دے گا۔"

یہ سُن کر وزیر سلاسل نے اُسی دیو کو حکم دیا کہ

امیر حمزہ کو حفاظت سے مکّے پہنچاؤ۔ اس وقت امیر حمزہ پریوں سے رُخصت ہوئے۔ آخر میں آسمان پری نے روتے ہوئے اُن کے پیروں کو چُوما اور کہا۔
"حضُور، یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ آپ دُنیا سے یہاں تشریف لائے اور ہمارے دُشمنوں کو جہنم رسید کیا۔ ہمارا رُواں رُواں آپ کا احسان مند ہے۔ جی چاہتا ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک عجیب تحفہ پیش کروں۔"
یہ کہہ کر آسمان پری امیر حمزہ کو اپنے ساتھ محل میں لے گئی اور خزانے کے پاس لے جا کر کہنے لگی: "آپ اِس میں سے جو کُچھ پسند فرمائیں، ہم جان و دل سے اُسے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کو حاضر ہیں۔"
امیر حمزہ نے حیرت سے اس عظیم خزانے کو دیکھا۔ سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کے انبار چاروں طرف لگے ہُوئے تھے۔ ایک خُوب صُورت صندُوق کے اندر ایک کوڑا اور ایک ٹوپی رکھی تھی۔ امیر نے آسمان پری سے پُوچھا:
"اِس کوڑے اور ٹوپی کا اِس خزانے میں کیا کام؟"

"جناب، یہ کوڑا اور ٹوپی ہمارے بادشاہ اور پیغمبر حضرت سلیمانؑ کی ہے۔ حضرت سلیمانؑ جب دیووں پر خفا ہوتے تو انھیں اسی کوڑے سے مارتے تھے اور جب دیووں کو غصّے میں دیکھتے تو یہ ٹوپی پہن کر اُن کی نظروں سے غائب ہو جاتے تھے۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ خوش ہوئے اور دل میں کہنے لگے کہ اگر یہ ٹوپی اور کوڑا ہاتھ آئے تو خوب ہو۔ کوڑا میرے کام آئے گا اور ٹوپی عمرو عیار کو دے دوں گا۔ انھوں نے کہا:

"کیا یہ دونوں چیزیں میں لے سکتا ہوں؟"

"حضور، یہ سب کچھ آپ ہی کا ہے۔ ہم غلاموں سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔" وزیر سلاسل نے کہا اور وہ صندوق خزانے سے نکال کر امیر حمزہ کے سپرد کر دیا۔

پھر اس نے ایک سجا سجایا اُڑن کھٹولا منگوایا۔ امیر حمزہ سب کا سلام لیتے ہوئے اس کھٹولے میں بیٹھے۔ کالے دیو نے کھٹولے کو اپنے سر پر اُٹھایا اور اُڑا۔ چند لمحوں میں تارہ بن گیا۔ امیر حمزہ اُس کی یہ زبردست رفتار دیکھ کر خوش ہوئے اور

کہنے لگے "اے کالے دیو، ہم تجھے اپنے ملک میں پہنچ کر انعام دیں گے۔"

دوپہر ہوئی تو امیر حمزہ کو نیند نے ستایا۔ نیچے جھانک کر دیکھا تو اُن کا اُڑن کھٹولا ایک حسین اور سرسبز سرزمین سے گزر رہا تھا۔ کالے دیو سے کہنے لگے:

"اے دیو، اُڑن کھٹولے کو جلد نیچے اُتار، ہمیں ایک پُر فضا باغ دکھائی دیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تھوڑی دیر اِس باغ میں آرام کریں۔"

کالا دیو یہ سُن کر حیران ہوا۔ ادب سے بولا:
"جناب یہ علاقہ عفریت کے ظالم بیٹے ہرنا دیو کا ہے آپ یہاں نہ اُتریں ورنہ کِسی آفت میں پھنس جائیں گے۔"

امیر حمزہ نے کالے دیو کا کہنا نہ مانا۔ مجبُور ہو کر اُس نے اُڑن کھٹولا ایک باغ میں اُتار دیا۔ امیر حمزہ نے سر پر ٹوپی اوڑھی اور باغ کی سیر کرنے لگے پھر ایک نہر کے کنارے لیٹ کر بے خبر سو گئے۔ کالا دیو بے حد خوف زدہ تھا۔ وہ اُڑن کھٹولے کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر اُٹھ کر امیر حمزہ کی تلاش

ہیں نِکلا مگر انھیں کہیں نہ پایا اور پاتا بھی کیسے؟ وہ تو سُلیمانی ٹوپی اوڑھے سو رہے تھے۔ مایوس ہو کر کالا دیو واپس اُڑن کھٹولے کے پاس آیا اور وہیں بیٹھ گیا۔

اِتّفاق کی بات کہ وہ باغ ہرنا دیو کے محل کا تھا اور وہ یہاں اکثر سیر کرنے آیا کرتا تھا۔ اُس روز بھی وہ کئی دیووں کو لے کر باغ میں آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ کالے رنگ کا ایک دیو باغ میں اُڑن کھٹولے کے پاس بیٹھا ہے۔ ہرنا دیو کے آدمیوں نے کالے دیو کو پکڑ لیا اور اُس سے پُوچھا کہ تُو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور یہ اُڑن کھٹولا کدھر لیے جاتا ہے؟ پہلے تو دیو نے جھُوٹ سچ بول کر اُنھیں ٹالنے کی کوشش کی۔ مگر ہرنا دیو بہت ہوشیار اور چالاک تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ کالا دیو کُچھ چھُپانے کی فکر میں ہے۔ اُس نے اپنے غلاموں کو حُکم دیا کہ کالے دیو کی طبیعت صاف کریں۔ بے چارے دیو نے بڑی منّت سماجت کی اور بے حد گڑ گڑایا مگر اُنھوں نے ایک نہ سُنی اور اُسے اِس قدر پیٹا کہ وہ لہُولہان ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ مار کے آگے بڑے بڑے بھوت بھی بھاگ جاتے ہیں۔ کالا دیو کہاں تک برداشت کرتا آخر اُس نے سب کچھ اُگل دیا کہ یہ اُڑن کھٹولا عرب کے ایک بہادر نوجوان امیر حمزہ کا ہے۔ اُس نے عفریت دیو کو مار دیا ہے، شہرستانِ زرّیں کی حکومت آسمان پری کو واپس دلا دی ہے اور اب اپنے وطن جا رہا ہے۔

یہ سُن کر ہرنا دیو کے غُصّے کی اِنتہا نہ رہی۔ اپنے باپ کے مارے جانے کی خبر سُن کر وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ اُس کی آنکھوں سے خُون برسنے لگا اور مُنہ سے جھاگ کے چھینٹے اُڑے۔ اُس نے گرج کر کہا۔" وہ آدم زاد کہاں ہے؟"

"وہ باغ کی سیر کرنے گیا ہے۔" کالے دیو نے جواب دیا۔

"اُسے فوراً تلاش کر کے ہمارے حضُور میں حاضر کیا جائے۔" ہرنا دیو نے طیش سے کانپتے ہوئے کہا یہ حُکم سُنتے ہی اُس کے تمام غلام امیر حمزہ کی تلاش میں نکلے اور باغ کا چپّا چپّا چھان مارا لیکن وہ کہیں نہ دکھائی دیے۔ وہ تو مزے سے سلیمانی ٹوپی اوڑھے

نہر کے کنارے سو رہے تھے۔

جب یہ غلام ناکام واپس آئے اور اُنھوں نے ہرنا دیو سے کہا کہ آدم زاد کہیں نہیں ملا تو اُس کے غضب کی اِنتہا نہ رہی۔ اُس نے تلوار نکالی اور کالے دیو کا سر اُڑا دیا پھر اُڑن کھٹولا توڑا۔ اس کے بعد اپنے دو زبردست غلاموں کو حُکم دیا کہ اُڑن کھٹولے کے پاس کسی جھاڑی میں چھُپ جائیں اور وہ آدم زاد جُونہی اِدھر آئے اُسے گرفتار کر کے میرے محل میں قید کر دیں۔ پھر ہرنا دیو نے اپنے لشکر کو تیّار ہونے کا حُکم دیا۔ وہ شہرستانِ زرّیں پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

ہرنا دیو کے لشکر میں کوئی دو لاکھ خُوں خوار دیو شامل تھے۔ آندھی اور طوفان کی طرح یہ عظیم لشکر شہرستانِ زرّیں کی جانب روانہ ہُوا۔ وہاں آسمان پری اور اُس کے ساتھیوں کو خبر بھی نہ تھی کہ کیسی خوف ناک بلا ان کے مُلک پر نازل ہونے والی ہے۔ وہاں تو جشن منائے جا رہے تھے۔

یکایک آسمان کا رنگ کالا ہو گیا۔ پھر ایسا زبردست زلزلہ آیا کہ پریاں اِدھر اُدھر بھاگنے لگیں۔ ہرنا دیو

کا لشکر اب شہرستانِ زرّیں کے اُوپر پرواز کر رہا تھا۔ پھر پریوں نے حملہ آور دیووں کو دیکھ لیا، مگر اب بھاگنے کی گنجائش نہ تھی۔ ہرنا دیو نے خُون کی ندیاں بہا دیں۔ آسمان پری کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر ایک اندھے کنوئیں میں پھینک دیا اور شہرستانِ زرّیں پر قبضہ جما لیا۔

اب امیر حمزہ کا حال سُنیے۔ شام کے وقت اُن کی آنکھ کُھلی تو وہ جلدی جلدی نہر میں مُنہ ہاتھ دھوکر اُڑن کھٹولے کی طرف چلے۔ اُنھوں نے اپنی ٹوپی اس وقت سر سے اُتار دی تھی۔ جب وہ اس جگہ پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کالے دیو کی گردن تن سے الگ ہو کر دُور پڑی ہے اور اُڑن کھٹولا بھی ٹوٹا ہُوا ہے امیر حمزہ ابھی کُچھ فیصلہ کرنے بھی نہ پائے تھے کہ جھاڑیوں میں دبکے ہوئے دو دیو اُن پر آن پڑے اور اُنھوں نے امیر کو قابو میں کرنے کی کوشش کی لیکن امیر کی خُداداد قوّت کے سامنے ان دیووں کی کوئی پیش نہ گئی۔ حمزہ نے ایک ایک کرکے دونوں دیووں کو زمین پر دے مارا اور خنجر نکال کر چاہا کہ اُن کی گردنیں الگ کریں کہ وہ دونوں

امان امان کہہ کر چلّائے۔ امیر حمزہ نے ان سے کہا "تمہیں اِس شرط پر امان دی جاتی ہے کہ سارا حال سچ سچ کہہ سُناؤ۔"

تب اُن دیووں نے سارا قِصّہ سُنایا۔ امیر حمزہ بے حد غمگین ہوئے۔ اب وہ جلد سے جلد شہرستانِ زرّیں پہنچنا چاہتے تھے۔ لیکن اُڑن کھٹولا ٹوٹ چکا تھا اور اسے لے جانے والا کالا دیو بھی مرا پڑا تھا۔ آخر اُنھوں نے اُنہی دیووں سے کہا:

"دیکھو، تم مجھے فوراً شہرستانِ زرّیں لے چلو۔ میں تمہیں بہت سا انعام اکرام دوں گا۔ اور اگر تم نے انکار کیا تو قسم ہے پیدا کرنے والے کی کہ ابھی تمہاری گردنیں اِس خنجر سے اُڑا دوں گا۔"

امیر حمزہ کا جلال اور اُن کے خنجر کی چمک دیکھ کر دونوں دیووں کی سٹّی گُم ہوگئی۔ روتے ہوئے اُن کے قدموں پر گرے اور کہنے لگے:

"اے آدم زاد تُو ہم سے زیادہ طاقت ور ہے ہم پر ترس کھا اور ہماری جان بخش دے۔ ہم تجھے ایک آن میں شہرستانِ زرّیں پہنچا دیتے ہیں مگر ہم شہر میں نہ جائیں گے۔ اگر ہرنا دیو کے کسی غلام

نے ہمیں وہاں دیکھ لیا تو وہ ہمیں ہرگز زندہ نہ چھوڑے گا۔"

غرض امیر حمزہ کو دونوں دیو ایک دُوسرے اُڑن کھٹولے پر سوار کرا کے شہرستانِ زرّیں کی جانب ہوا کی رفتار سے روانہ ہوئے اور دم بھر میں اُنھوں نے اپنے سوار کو شہر کے نزدیک پہنچا دیا۔ تب امیر نے اُنھیں اِنعام دے کر رُخصت کیا اور خود وہاں سے پیدل آگے بڑھے۔ کچھ فاصلے پر ایک بہت بڑا دریا نظر آیا جس کا پانی جوش مارتا تھا اور اُس کی لہریں آپس میں جب ٹکراتیں تو نہایت خوفناک آواز پیدا ہوتی۔ اس دریا کو دیکھ کر امیر کو خُدا کی قُدرت یاد آئی۔ دریا کیا تھا' سمندر تھا جس کا دُوسرا کنارہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ دُور دُور تک کسی کشتی یا جہاز کے آثار بھی نظر نہ آتے تھے۔ امیر حمزہ سخت پریشان تھے کہ دریا کیوں کر پار کریں۔ آخر جنگل میں جا کر ایک درخت کاٹا اور اُس کے تنے کو کھوکھلا کر کے کشتی بنائی۔ پھر اس کشتی کو سر پر اُٹھا کر دریا تک لائے اور پانی میں ڈال دیا۔ دریا کا دُوسرا کنارہ آنکھوں سے اوجھل تھا اور معلوم

نہیں تھا کہ کتنی دُور ہے۔ اِس لیے امیر حمزہ نے جنگلی پھل، میوے اور میٹھا پانی کشتی میں بھر لیا تھا تاکہ راستے میں کام آئے۔ اس کے بعد وہ اللہ کا نام لے کر کشتی میں بیٹھے اور اُسے لہروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

کشتی ہوا کے سہارے موجوں سے لڑتی بھڑتی ایک نامعلوم منزل کی جانب تیزی سے چلی جا رہی تھی۔ کئی دن گزر گئے۔ سُورج نہ جانے کتنی مرتبہ ڈوبا اور کتنی مرتبہ نکلا، مگر دُوسرا کنارہ دکھائی نہ دیا۔ آخر ایک دن پھل، میوے اور میٹھے پانی کا ذخیرہ بھی ختم ہو گیا امیر اب بھُوکے پیاسے سفر کر رہے تھے اور کشتی کہیں رُکنے کا نام نہ لیتی تھی۔

بہت دن اِسی طرح گزر گئے۔ اُن کا گُزارہ اب دریا کے کھاری پانی پر تھا۔ ایک دو بار اُنھوں نے ہمّت کر کے مچھلیاں بھی پکڑیں۔ اُنھیں سُورج کی تیز دُھوپ میں بھُونا اور پیٹ کی آگ بجھائی۔

سفر کے چالیسویں روز جب کہ امیر حمزہ کمزوری اور تھکن کے باعث کشتی کے اندر بے ہوش سے پڑے تھے کہ لہروں نے کشتی کو اُچھال کر دُوسرے کنارے پر ڈال

دیا۔ اُس وقت امیر ہوش میں آئے اور کشتی سے نکل کر کنارے پر قدم رکھا۔ لیکن قدم رکھتے ہی اُنھیں یُوں محسُوس ہوا جیسے کوئی ان دیکھی طاقت اُنھیں زمین کے اندر گھسیٹنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اُنھوں نے پُوری طاقت لگا کر اپنے آپ کو زمین سے باہر نکالنا چاہا مگر زمین نے اُنھیں اور اپنی طرف کھینچا اور وہ گھُٹنے گھُٹنے اندر دھنس گئے۔

اصل میں یہاں کی زمین دلدلی تھی اور دلدل میں کوئی آدمی پھنس جائے اور آزاد ہونے کی کوشش کرے تو وہ اور اندر دھنستا چلا جاتا ہے۔ امیر حمزہ نے اپنے آپ کو قُدرت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا اور خُدا سے دُعا کرنے لگے کہ یا الٰہی میں تیرا خطا کار بندہ ہُوں، مُجھ پر کرم فرما اور اِس آفت سے نجات دلا۔

اِدھر تو امیر یہ دُعا کر رہے تھے اور اُدھر آسمان پری کی کئی پریاں اپنی شہزادی کی تلاش میں اُس اندھے کُنوئیں تک جا پہنچیں جس کُنوئیں میں ہرنا دیو نے آسمان پری کو قید کر دیا تھا۔ ان پریوں کے ساتھ سلاسل وزیر بھی تھا۔ اُس نے تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد آسمان پری کو کُنوئیں سے نکالا

اور زنجیروں سے آزاد کر دیا۔ اس کے بعد آسمان پری نے وزیر سلاسل سے کہا:

"اپنے عِلم کے ذریعے معلوم کرو کہ امیر حمزہ اپنے مُلک واپس گئے یا نہیں؟"

تب وزیر سلاسل نے علم نجوم سے حساب لگایا اور حیران ہو کر بولا:

"اے شہزادی، امیر حمزہ اس وقت سخت آفت میں ہیں۔ کالا دیو مارا جا چُکا ہے اور اُسے ہرنا دیو نے قتل کیا ہے۔ امیر حمزہ شہرستانِ زرّیں کی جانب واپس آتے ہُوئے دریا کے کنارے دلدل میں پھنس گئے اور اگر فوراً اُن کی مدد نہ کی گئی تو یہ خوف ناک دلدل اُنھیں نگل جائے گی۔"

آسمان پری نے اُسی وقت اپنی وفادار پریوں کو حُکم دیا کہ فوراً دریا پر جاؤ اور امیر حمزہ کو اِس آفت سے چُھڑاؤ۔ پریاں اُڑ کر دریا پر پہنچیں اور امیر حمزہ کو دلدل سے نکالا۔ پھر اُنھیں ہرنا دیو کے حملے کا تمام قِصّہ سُنایا۔ حمزہ نے اُنھیں تسلّی دی اور کہا: "گھبراؤ مت۔ خُدا نے چاہا تو میں ہرنا دیو کو بھی جہنّم رسید کرُوں گا۔"

دریا کے پاک صاف پانی میں نہانے کے بعد امیر حمزہ اِن پریوں کی مدد سے شہرستانِ زرّیں کے اُس مقام پر پہنچے جہاں آسمان پری اور وزیر سلاسل چُھپے ہُوئے تھے، جُونہی انھوں نے امیر حمزہ کی صُورت دیکھی، دوڑ کر ان کے قدموں پر سر رکھ دیا اور فریاد کرنے لگے۔ امیر نے اُنھیں دلاسا دیا اور کہا' ذرا صبر کرو اور تماشا دیکھو کہ میں ہرنا دیو اور اُس کی فوج کا کیا حشر کرتا ہوں۔

تب وہ اُن سے رُخصت ہو کر شہر کے اندر گئے۔ دیکھا کہ کُوچہ و بازار اُجڑے ہوئے ہیں۔ دیوؤں نے جگہ جگہ آگ لگا دی تھی۔ پریوں کی بے شُمار لاشیں باغوں اور میدانوں میں پڑی تھیں اور ہر طرف کالے اور سُرخ سُرخ دیو گھُوم رہے تھے۔ امیر حمزہ اِس وقت سُلیمانی ٹوپی اوڑھے ہُوئے تھے اس لیے کوئی دیو اُنھیں دیکھ نہیں سکا۔ امیر حمزہ پھرتے پھراتے اُس محل کی طرف آ نکلے جس میں آسمان پری رہتی تھی۔

یہاں آ کر اُنھوں نے اپنے سر پر سے ٹوپی اُتاری اور ایسا نعرہ مارا کہ زمین کانپ اُٹھی۔ ہرنا

دیو اُس وقت محل میں پڑا خرّاٹے لیتا تھا۔ نعرے کی آواز سُن کر اُٹھا اور تھر تھر کانپنے لگا۔ پھر اپنے ایک وزیر سے پُوچھنے لگا: "یہ خوف ناک آواز کیسی تھی؟ کیا کہیں زلزلہ آیا ہے؟"

وزیر ابھی جواب دینے نہ پایا تھا کہ محل کے باہر بے پناہ شور غُل مچا اور دیو زور زور سے یُوں چیخنے لگے جیسے کسی ناگہانی آفت میں گھر گئے ہوں تب ہرنا دیو اور اُس کے وزیروں نے محل کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا اور سخت حیران ہو کر ایک دُوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر ہرنا دیو حلق پھاڑ کر چلّایا اور اپنے غُلاموں کو حُکم دیتے ہوئے کہا: "اِس آدم زاد کو فوراً پکڑ کر ہمارے پاس لاؤ۔"

لیکن اِتنی ہی دیر میں وہ آدم زاد ہرنا دیو کے کچھ ہزار غُلاموں اور لشکریوں کو اپنی تلواروں کی مدد سے جہنم میں پہنچا چُکا تھا۔

امیر حمزہ دُشمنوں سے لڑتے بھڑتے محل کے اندر گھُس گئے۔ یہاں اُنھوں نے چوبیس من وزنی لوہے کا ایک گُرز دیکھا جسے ہرنا دیو کے سوا کوئی اور دیو اُٹھانے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ امیر حمزہ نے

اپنی دونوں تلواریں میان میں رکھیں اور گُرز اُٹھا لیا
دیوؤں نے جب دیکھا کہ یہ گُرز آدم زاد نے یُوں
اُٹھا لیا ہے جیسے معمُولی چیز ہو تو وہ سمجھے کہ اِس
سے مقابلہ کرنا آسان نہیں۔ یہ آدم زاد قوّت میں ہم
سے بہت آگے ہے۔ یہ سوچ کر دیوؤں نے
امان طلب کی اور کہنے لگے:

"اے آدم زاد، ہم حضرت سُلیمانؑ کی قسم کھا کر
کہتے ہیں کہ تیرے مُقابلے میں نہ آئیں گے۔ ہم
آج سے تیری غُلامی قبُول کرتے ہیں۔"

"ہم نے تُم سب کو امان دی۔" امیر حمزہ نے
کہا "اب ہم تمھیں حُکم دیتے ہیں کہ ہرنا دیو اور
اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرکے ہمارے پاس
لے آؤ۔"

یہ سُنتے ہی دیوؤں کا ایک گروہ محل میں گُھس گیا
اور زبردست جنگ کے بعد ہرنا دیو کو گرفتار کر لیا۔
اُسے امیر حمزہ کے سامنے لائے۔ تب وہ اُن کے
قدموں پر گرا، اپنے قصور کی معافی چاہی، وعدہ کیا
کہ آیندہ بغاوت کا خیال بھی دل میں نہ لائے گا
اور آسمان پری کے حُکم خوشی خوشی مانے گا۔ یہ وعدہ

لے کر امیر حمزہ نے ہرنا دیو اور اس کے ساتھیوں کو آزاد کیا۔

اس کے بعد کئی دن تک امیر حمزہ پریوں کے مہمان رہے۔ آسمان پری نے سوچا کہ ایسے بہادر نوجوان کا واپس اپنے مُلک جانا ٹھیک نہیں۔ اِسے کسی نہ کسی طرح یہیں روک لینا چاہیے۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ امیر حمزہ سے شادی کر لے گی۔ جس روز آسمان پری نے یہ اِرادہ کیا اُسی روز وہ امیر حمزہ سے ملنے گئی۔ دیکھا کہ وہ بیٹھے زار زار رو رہے ہیں۔ آسمان پری اُنھیں روتے دیکھ کر حیران ہوئی اور پُوچھنے لگی :

"اے امیر، تُم پر خُدا کی رحمت ہو، روتے کیوں ہو؟ کیا کسی نے کوئی رنج پہنچایا ہے؟"

"نہیں۔ مجھے کسی نے رنج نہیں پہنچایا"۔ امیر حمزہ نے جواب دیا۔ "میں تو اپنی قسمت کو روتا ہوں کہ یاروں اور دوستوں سے بچھڑ گیا اور نہ جانے میری غیر حاضری میں شہزادی مِہر نگار پر کیا بیت رہی ہو گی۔"

"اے امیر، شہزادی مِہر نگار کون ہے؟" آسمان

پری نے پوچھا۔

"وہ شہنشاہ نوشیرواں کی بیٹی ہے اور بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کر دی ہے۔"

یہ سن کر آسمان پری کے دل میں حسد اور غصّے کی آگ بھڑک اٹھی۔ اسی وقت اپنے دیووں کو کو بلا کر حکم دیا کہ اس آدم زاد کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دو۔ یہ حکم سن کر امیر حمزہ حیران ہوئے پھر ہنس کر کہنے لگے:

"اے بے وقوف، معلوم ہوتا ہے تیری شامت آئی ہے۔ کیا تو جانتی نہیں کہ میں ان دیووں کے قابو میں آنے والا نہیں ہوں بلکہ میں ان کو حکم دوں تو وہ تجھے ایک آن میں ہلاک کریں۔"

تب آسمان پری کے چہرے کا رنگ لال بھبھوکا ہو گیا۔ اپنی کمر سے بندھا ہوا خنجر کھول کر امیر حمزہ پر جھپٹی اور وار کرنا چاہتی تھی کہ امیر نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی پکڑی اور خنجر چھین کر دور پھینک دیا پھر دیووں سے کہا کہ اسے لے جاؤ اور پر کاٹ کر قلعے کی فصیل سے نیچے گرا دو۔ دیووں کی کیا مجال تھی کہ امیر حمزہ کا حکم نہ مانتے آناً

فاناً اُنھوں نے آسمان پری کو پکڑ کر اُس کے پر کاٹے اور فصیل سے نیچے گرانے کو لے چلے۔ عین اُسی وقت وزیر سلاسل اور آسمان پری کی بہن، عذرا پری، وہاں آن پہنچی۔ اُس نے یہ ماجرا دیکھا تو دوڑ کر امیر حمزہ کے پیروں پر گری اور کہا کہ آسمان پری کے لیے یہی سزا کافی ہے کہ اس کے پر کاٹ دیے گئے اب اس کی جان بخشی کی جائے۔

امیر نے عذرا پری کی درخواست قبول کی اور دیووں کو حکم دیا کہ آسمان پری کو رہا کر دیا جائے پھر اُنھوں نے تختِ شاہی عذرا پری کے حوالے کیا اور خود وہاں سے رُخصت ہونے کی تیّاریاں کرنے لگے اُن کے دل پر ان پریوں کی بے وفائی اور احسان فراموشی کا بڑا اثر تھا، اب وہ کسی قیمت پر بھی کوہِ قاف میں رہنے کے لیے تیّار نہ تھے۔

عذرا پری نے اُن سے کہا کہ ہم اُڑن کھٹولے کے ذریعے پلک جھپکتے میں آپ کو مُلکِ عرب پہنچائے دیتے ہیں۔ مگر امیر حمزہ نے اس کی کوئی بات نہ سُنی اور کہا کہ ہمیں تمھارے اُڑن کھٹولے سے زیادہ اپنے خُدا کی مدد اور سہارے پر بھروسا

ہے۔ خُدا چاہے گا تو ہمیں کسی نہ کسی طرح اپنے مُلک میں پہنچا دے گا۔

یہ کہہ کر اُنھوں نے اِن سب کو آہ و زاری کرتے ہوئے چھوڑا اور خود شہرستانِ زرّیں سے نکل کر جنگل کی جانب چل دیے۔

اشقر دیوزاد

امیر حمزہ کے نصیب میں ابھی اور پریشانیاں اور مُصیبتیں لکھی تھیں اس لیے جنگل میں پھرتے پھراتے راستہ بھُول گئے اور کئی مہینوں تک اِدھر اُدھر بھٹکتے پھرے۔ اِس دوران میں تن کے کپڑے پھٹ کر تار تار ہو گئے، جنگلی پھل اور پودے کھا کھا کر اور دریا کا پانی پی پی کر صحّت بھی بگڑ گئی اور چہرے کا نقشہ بھی ایسا بدلا کہ کوئی پہچان نہ سکتا تھا کہ یہ امیر حمزہ ہیں۔

ایک دن جنگل میں چلے جاتے تھے کہ کسی دیونی کے رونے کی آواز کان میں آئی۔ غور سے سُننے لگے تو حیران ہوئے۔ وہ دیونی روتی جاتی تھی اور یہ کہتی جاتی تھی کہ اے میرے پیدا کرنے والے' حمزہ کو کہیں سے بھیج تاکہ وہ آئے اور میری مُشکل آسان

کرے۔"

تب امیر حمزہ اُس دیونی کے قریب گئے۔ دیکھا کہ لکڑی کا ایک بڑا سا صندوق اس کے آگے رکھا ہے سر پر خاک ڈالتی ہے اور روتی ہے، وہ امیر حمزہ کو دیکھ کر کہنے لگی:

"اے آدم زاد، تُو کون ہے اور یہاں کس لیے آیا ہے؟ بہتر یہی ہے کہ اپنی جان سلامت لے کر بھاگ جا ورنہ کچا چبا جاؤں گی۔"

امیر حمزہ یہ سُن کر ہنسے اور کہا:

"اے بے وقوف دیونی، تیری کیا طاقت کہ مجھے کچا چبائے۔ سُن لے کہ میرا نام حمزہ ہے اور ابھی تُو خُدا سے یہ دُعا مانگ رہی تھی کہ حمزہ کو بھیج۔ خُدا نے مجھے بھیج دیا۔ اب بول کیا چاہتی ہے؟"

دیونی جھٹ اُن کے قدموں پر گری اور اپنی آنکھیں اُن کے پیروں سے رگڑیں اور کہا:

"اے حمزہ، آفرین ہے تجھ پر کہ کیا موقعے سے آیا ہے۔ خُدا کے واسطے میرے بیٹے کو اس صندوق سے نکال۔"

"تیرے بیٹے کو اس صندوق میں کس نے بند کیا

ہے؟" حمزہ نے پُوچھا۔

"حضرت سُلیمان علیہ السّلام نے قید کیا تھا اور فرمایا تھا کہ کئی سو سال بعد مُلکِ عرب سے ایک جوان حمزہ نامی آئے گا اور وہ تیرے بیٹے کو اس صندوق سے نکال کر نشانی لے گا۔ پس اے امیر، مَیں اتنی صدیوں سے تیری راہ تکتی ہوں۔"

دیونی کی زبان سے یہ کلمات سُننے تو امیر حمزہ نے خُدا کا نام لے کر صندُوق کے قُفل کو ہاتھ لگایا۔ ہاتھ لگانا تھا کہ قُفل خود بخود کُھل گیا۔ امیر حمزہ نے صندُوق کا ڈھکنا اُٹھایا۔ دیکھا کہ اس میں ایک دیو پڑا سوتا ہے۔ اُنھوں نے دیو کو جگایا وہ آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھا اور کہنے لگا:

"مُجھے کِس نے جگایا؟ ابھی تھوڑی ہی دیر ہُوئی کہ سویا تھا۔"

پھر اُس نے اپنی ماں کو دیکھا اور اُس سے لپٹ گیا۔ دیونی نے اپنے بیٹے کو سارا قِصّہ سنایا۔ تب وہ دیو امیر کے قدموں کو چُومنے لگا اور بولا "آج سے مَیں آپ کا غُلام ہُوں۔ جو حُکم دیں گے، بجا لاؤں گا۔"

"مجھے آدمیوں کی بستی میں پہنچا دو۔" امیر نے کہا۔
"بہت بہتر۔ آیئے، میری گردن پر سوار ہو جائیے۔"
دیو نے ادب سے گردن جھکا کر کہا "ابھی چند ساعتوں
میں پہنچائے دیتا ہوں۔"
امیر حمزہ اُس کی گردن پر سوار ہوئے۔ دیو وہاں
سے آسمان کی جانب اُڑا۔ امیر کو بڑے بڑے مکان
کھلونوں کی مانند دکھائی دینے لگے اور درختوں کے
جنگل نظر سے غائب ہو گئے۔ دریا ایک پتلی سی چمکتی
لکیر کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ تب اس دیو نے
حمزہ سے پوچھا:
"اے امیر نیچے دیکھو دُنیا کیسی نظر آتی ہے؟"
"ایک خوب صُورت قالین کی طرح۔" حمزہ نے جواب دیا
یہ سُن کر دیو نے اپنی رفتار اور تیز کی۔ اس سے
بھی زیادہ اُونچائی پر پہنچا، پھر پوچھا:
"اے امیر، اب دُنیا کیسی نظر آتی ہے؟"
"بالکل گول۔ ایک بڑے پیالے کی طرح۔" حمزہ نے
جواب دیا۔
یکایک اُس دیو نے بھیانک قہقہہ لگایا اور بولا:
"اے آدم زاد، بول تجھے سمندر میں پھینکوں یا پہاڑ پر؟"

یہ سُن کر امیر حمزہ حیران رہ گئے۔ دل میں سوچا کہ یہ دیو بدی پر آمادہ ہے۔ اگر پہاڑ کہوں گا تو سمندر میں پھینکے گا، ممکن ہے پانی میں گرنے سے خدا بچ نکلنے کی کوئی راہ نکال دے۔ یہ سوچ کر دیو سے کہنے لگے:

"او موذی، میں نے تجھ سے نیکی کی اور تو اس کا یہ بدلا دینا چاہتا ہے؟"

دیو نے قہقہہ لگایا اور کہا "اے آدم زاد ہمارے ہاں یہی رواج ہے۔"

"بہت خوب، اچھا تو مجھے کسی پہاڑ پر پھینک دے۔" امیر حمزہ نے کہا۔

"ہا ہا ہا... میں تجھے پہاڑ پر پھینکنے کے بجائے سمندر میں ڈالوں گا تاکہ مچھلیاں تیرا گوشت نوچ کر کھائیں۔"

یہ کہتے ہی دیو نے جھٹکے سے امیر حمزہ کو فضا میں پھینک دیا۔ انھوں نے خدا کو یاد کیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ عین اسی لمحے حضرت خضر علیہ السّلام فضا میں نمودار ہوئے۔ انھوں نے حمزہ کو اپنے ہاتھوں پر سنبھالا اور نہایت آرام سے سمندر میں اتار دیا۔

لہروں نے انھیں تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر اُچھالا پھر ساحل کی جانب پھینک دیا۔ امیر اِس دوران میں بے ہوش ہو چکے تھے۔ ہوش آیا تو کیا دیکھا کہ سمندر کے ساحل پر ریت میں دھنسے پڑے ہیں۔ آسمان پر سُورج چمک رہا ہے اور فضا میں بڑے بڑے بگلے اور دُوسرے سمندری پرندے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں پرواز کر رہے ہیں۔

اُنھوں نے سمندر سے مچھلیاں پکڑیں، پتھروں کو رگڑ رگڑ کر آگ جلائی اور مچھلیاں بھُون کر کھائیں۔ اس کے بعد وہاں سے چلے۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک بہت بڑا جزیرہ ہے جس میں سرسبز پہاڑ اور خُوب صُورت جنگل ہیں لیکن یہاں کوئی جانور یا دیو دکھائی نہ دیا۔ امیر حمزہ بہت دن تک اِس جزیرے میں رہتے رہے اور تنہائی سے سخت اُکتا گئے۔ چاروں طرف سمندر تھا اور سمندر کو پار کرنے کے لیے کشتی کی نہیں ایک بڑے جہاز کی ضرورت تھی۔

ایک دن جزیرے میں گھُومتے ہوئے اُنھوں نے اُسی دیو کو دیکھا جس نے اُنھیں سمندر میں پھینک دیا تھا۔ اِس دیو کے ساتھ ایک خوبصُورت

گھوڑا بھی تھا۔ گھوڑے کو دیکھ کر امیر حمزہ کو بے اختیار اپنا سیاہ قیطاس یاد آیا اور اُن کی آنکھیں اپنے پیارے گھوڑے کی یادمیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔

دیو نے امیر حمزہ کو دیکھا تو ڈر کر بھاگا مگر اُنھوں نے اُسے بھاگنے کا موقع ہی نہ دیا۔ خُدا کا نام لے کر زور لگایا اور دیو کو سر سے اُونچا اُٹھا کر اِس زور سے زمین پر مارا کہ اس کی کھوپڑی کے ٹکڑے اُڑ گئے۔ دیو کے مرتے ہی فضا میں ایک پری نمودار ہوئی اور امیر حمزہ کے قریب آکر کہنے لگی :

"اے آدم زاد، آفرین ہے تیری دلیری پر۔ اِس موذی دیو نے مجھے قید کر رکھا تھا۔ اب اس کے پنجے سے رہائی ملی ہے۔ اِس گھوڑے کا نام اشقر دیوزاد ہے۔ اِس میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ یہ ہوا میں بھی اُڑ سکتا ہے اور پانی پر بھی دوڑ سکتا ہے۔ اب آپ اس پر سوار ہوں اور خُدا کی قدرت کا تماشا دیکھیں۔" یہ کہہ کر پری غائب ہو گئی۔ اشقر دیوزاد امیر حمزہ کے پاس کھڑا محبّت بھری نظروں سے اُنھیں

دیکھ رہا تھا۔ امیر نے اُس کی گردن سہلائی تو اُس نے دُم ہلائی اور خوشی سے اُچھلنے لگا۔ تب امیر حمزہ اُس کی پیٹھ پر سوار ہُوئے۔ اشقر دیو زاد پہلے تو دُور تک دوڑتا چلا گیا پھر آہستہ آہستہ فضا میں اُٹھنے لگا۔ امیر حمزہ نے اُس کی گردن کے لمبے لمبے بال مضبوطی سے پکڑ لیے اور آنکھیں بند کر لیں۔ اشقر دیو زاد کئی گھنٹے تک اُڑتا رہا۔ حمزہ جب بھی آنکھیں کھول کر نیچے دیکھتے، سمندر نظر آتا۔ وہ پھر آنکھیں بند کر لیتے۔

اشقر دیو زاد امیر حمزہ کو اپنی پیٹھ پر بٹھائے کئی دن تک اُڑتا رہا۔ آخر جب وہ بھوک پیاس کی وجہ سے بہت نڈھال ہوئے، تب گھوڑا آہستہ آہستہ نیچے اُترا۔ یہاں گنجان آبادی تھی لیکن لوگ عجیب شکلوں کے تھے۔ ان کے جسم تو آدمیوں کی طرح تھے مگر کان ہاتھیوں کے کانوں جیسے تھے اور ان کے بادشاہ کو تاج دار کہتے تھے۔ امیر حمزہ اور ان کے عجیب و غریب گھوڑے کو دیکھ کر ہزاروں آدمی جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ امیر نے اُنھیں سب حال کہہ سُنایا۔ اتنے میں کسی نے تاجدار

بادشاہ کو بھی خبر پہنچا دی۔ وہ خود بڑی شان و شوکت سے آیا۔ عزّت کے ساتھ امیر حمزہ کو اپنے محل میں لے گیا اور خوب خاطر تواضع کی۔

امیر حمزہ کو یہ مُلک اتنا پسند آیا کہ وہ سب کچھ بھول گئے۔ تاج دار بادشاہ نے انھیں اپنی فوجوں کا سپہ سالار بنا دیا۔ پاس پڑوس کی سلطنتوں پر دیو حکومت کرتے تھے اور تاج دار بادشاہ کی ان دیووں سے اکثر لڑائیاں ہُوا کرتی تھیں۔ لیکن جب سے امیر حمزہ نے فوجوں کی کمان سنبھالی، کسی دیو کو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس طرح بارہ برس گزر گئے۔ آخر کار ایک دن حمزہ کو وطن کی یاد نے بُری طرح ستایا۔ بادشاہ تاج دار سے کہنے لگے: "اے بادشاہ، ہم بہت دن تیرے پاس رہے۔ خُدا کو یہی منظور تھا کہ اپنے دوستوں اور عزیزوں سے اتنا عرصہ جُدا رہیں۔ مگر اب صبر نہیں ہوتا۔ کوئی ایسی صُورت نکال کہ ہم جلد اپنے پیارے وطن پہنچ سکیں۔"

یہ سُن کر تاج دار بادشاہ رو پڑا۔ اُسے امیر حمزہ سے محبّت ہو گئی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ

امیر حمزہ اس کے ملک سے جائیں۔ مگر روکنے کی جُرأت بھی نہ تھی۔ کیوں کہ اُن کی شہ زوری اور بہادری کا سِکّہ اُس کے دل پر بیٹھ چکا تھا۔ تھوڑی دیر تک آنسو بہانے کے بعد تاج دار نے کہا:

"اے فرزند، تیرا وطن یہاں سے بہت دُور ہے پیدل جانا چاہے گا تو تمام عُمر وہاں نہ پہنچ سکے گا۔ راستے میں سات عظیم الشّان دریا پڑتے ہیں۔ ان سب کو عبور کرنا ضروری ہے۔ پہلا دریا پانی کا، دُوسرا آگ کا، تیسرا دُھوئیں کا، چوتھا خُون کا، پانچواں پگھلے ہُوئے لوہے کا، چھٹا چاندی کا اور ساتواں سونے کا ہے۔ ان ساتوں دریاؤں کو خیریت سے پار کر لے تب سمجھ کہ کوہ قاف کی دُنیا سے نکل گیا۔"

تاج دار کی زبانی ان سات دریاؤں کا ذکر سُن کر حمزہ فکر مند ہُوئے۔ تب تاج دار نے کہا:

"اے فرزند، گھبرا مت۔ میں تجھے ایک تدبیر بتاتا ہوں۔ خُدا نے چاہا تو تُو اپنے مقصد میں کام یاب ہوگا۔ پہلے دریا کے کنارے ایک بُوڑھی عورت رہتی ہے۔ اُس کی عُمر کا اندازہ ابھی تک کوئی نہیں کر سکا وہ دن رات خُدا کی عبادت میں لگی رہتی ہے

نہ کسی سے کچھ مانگتی ہے اور نہ کہیں آتی جاتی ہے۔ اگر تم اُس بڑھیا سے جا کر درخواست کرو تو ممکن ہے وہ تمہیں کوہِ قاف سے اِنسانوں کی دُنیا میں پہنچا دے۔"

چند دن بعد امیر حمزہ شہر کے لوگوں اور تاج دار بادشاہ سے رُخصت ہو کر اشقر دیوزاد پر سوار ہوئے اور پہلے دریا کی جانب روانہ ہو گئے۔ گھوڑا کئی رات اور کئی دن لگاتار ہوا میں اُڑنے کے بعد پہلے دریا کے کنارے اُترا۔ حمزہ نے دریا کو دیکھا تو ہوش اُڑ گئے۔ دریا کیا سمندر تھا جس کا دُوسرا کنارہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اُنھوں نے پری سے سُنا تھا کہ اشقر دیو زاد پانی میں بھی چل سکتا ہے۔ امیر نے گھوڑے کو دریا میں لے جانے کی کوشش کی مگر وہ بُری طرح اُچھلتا ناچتا اور دریا میں کُودنے سے انکار کرتا تھا آخر کار حمزہ نے یہ اِرادہ ترک کر دیا۔

امیر حمزہ بہت دن تک دریا کے کنارے گھومتے پھرتے رہے۔ آخر ایک روز ایک خوش نما اور وسیع باغ دکھائی دیا جس میں نہریں اور فوّارے چل رہے تھے اور درختوں پر ہزاروں قسم کے حسین پرندے

بیٹھے چہچہا رہے تھے۔ سنگِ مرمر کی ایک عالی شان بارہ دری کے اندر ایک بڑھیا پھونس نظر آئی جو قالین پر بیٹھی خُدا کی عبادت کر رہی تھی۔ امیر حمزہ اس کے قریب جا کھڑے ہوئے۔ کئی روز بعد بڑھیا نے نگاہ اُٹھا کر امیر حمزہ کی طرف دیکھا۔ اُنھوں نے فوراً جُھک کر سلام کیا اور ادب سے کھڑے رہے۔

بڑھیا کے چہرے پر خوشی کے آثار پیدا ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر امیر حمزہ کی گردن نیچے جُھکائی اور ان کی پیشانی چُوم کر بولی:

"اے بیٹے، میں نہ جانے کب سے تیری راہ تکتی ہوں۔ ہزار برس پہلے خضر علیہ السّلام نے مجھے یہاں بھیجا تھا اور کہا تھا کہ ایک دن اِس حُلیے کا ایک جوان اِدھر آئے گا۔ نام اُس کا حمزہ ہوگا اور میرا فرض یہ ہے کہ حمزہ کو کوہ قاف کے سات دریا پار کرا کے مُلکِ عرب میں پہنچا دُوں۔ اب میں نے تمھاری شکل دیکھتے ہی پہچان لیا کہ تُم ہی حمزہ ہو۔"

"ہاں بڑی اماں، میرا ہی نام حمزہ ہے۔"

یہ سُن کر بڑھیا بہت خوش ہوئی اور امیر حمزہ کی خاطر تواضع کرنے لگی۔ طرح طرح کے لذیذ پھل اور

بُھنا ہُوا گوشت خُدا جانے کہاں سے لائی۔ امیر نے مزے مزے سے یہ سب چیزیں کھائیں۔ پھر بُڑھیا نے کہا: "اے بیٹے، اس باغ میں سی مُرغ آیا کرتے ہیں ان کو مار کر کھال سے اپنا اور اپنے گھوڑے کا لباس تیار کرو تاکہ آگ کا دریا تم پر کچھ اثر نہ کرے۔"

امیر حمزہ اسی وقت باغ میں گئے۔ دیکھا کہ ایک جگہ چار بڑے بڑے سی مُرغ بیٹھے ہیں۔ اُن کے قد ہاتھی کے برابر تھے اور جب یہ اپنے پر پھڑپھڑاتے تو زور کی آندھی آتی اور درختوں کی شاخیں جھُولنے لگتیں۔ امیر حمزہ نے ان میں سے ایک سی مُرغ کو مار باقی تین اُڑ گئے۔

ایک ماہ کی محنت کے بعد اُنھوں نے سی مُرغ کی کھال سے اپنا اور اپنے گھوڑے کا لباس بنایا۔ یہ لباس ایسا تھا کہ آنکھوں کے سوا جسم کا کوئی حصّہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اِس کام سے فُرصت پائی تو وہ نیک دل بُڑھیا ہاتھ میں ایک لمبا عصا لے کر ان کے آگے آگے چلی، دریا کے کنارے پر آئی اور اپنا عصا پانی پر مارا۔ اُسی وقت پانی دو حصّوں میں تقسیم ہو گیا۔ تب اُس بڑھیا نے امیر سے کہا:

"بیٹے بے فکر ہو کر میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ اور آنکھیں بند رکھو۔"

حمزہ نے ایسا ہی کیا سات دن اور سات راتیں برابر چلتے رہے، آخر آٹھویں روز دریا سے پار ہوئے جب پہلا دریا عبور کر لیا تو بڑھیا نے اپنا عصا اُنھیں دیا اور کہا کہ ہم اب اِس دُنیا سے رُخصت ہوتے ہیں۔ جب ہم مر جائیں تو اِس دریا کے کنارے قبر کھود کر ہمیں دفنا دینا۔ اس کے بعد بے دھڑک تم ہر دریا میں کُود جانا۔ ہمارا یہ عصا جب تک تمہارے پاس رہے گا، خُدا نے چاہا تو کوئی پریشانی قریب نہ پھٹکے گی۔

یہ کہتے ہی اُس بڑھیا کا دم نکل گیا اور وہ بے جان ہو کر زمین پر گر پڑی۔ امیر حمزہ کو اس کے مرنے کا بے حد رنج ہُوا۔ بے اختیار رونے لگے۔ قبر کھود کر اُسے دفن کیا پھر اس کا عصا سنبھالا اور اشقر دیوزاد کی لگام تھام کر آگے روانہ ہوئے۔

امیر حمزہ کو یہاں چھوڑ کر اب ہم آپ کو عَمرو عیّار اور اُس کے دوستوں کے پاس لیے چلتے ہیں تاکہ معلوم

کریں کہ جب حمزہ کوہ قاف کو روانہ ہوئے تو عمرو اور اس کے ساتھیوں پر کیا بیتی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ خواجہ بزرج مہر نے عمرو عیار کے نام ایک خط بھیجا تھا جس میں لکھا تھا کہ خدا امیر حمزہ کو کوہ قاف میں اٹھارہ سال تک رکھے گا اور یہ مدت پوری ہونے کے بعد حمزہ شہر تنجہ میں تم سے آن کر ملے گا اس لیے ضروری ہے کہ تم اپنے دوستوں اور شہزادی مہر نگار سمیت شہر تنجہ کی جانب روانہ ہو جاؤ۔ جب حمزہ کو پریاں اڑن کھٹولے پر بٹھا کر لے اڑیں تو ان کے دوست ایک دوسرے سے لپٹ لپٹ کر خوب روئے۔ آخر عمرو نے سب کو تسلی دی اور سفر کی تیاریاں شروع کیں۔ ایک شبھ گھڑی میں مکے سے نکلے اور مغرب کی جانب روانہ ہوئے۔ ژوبین مکار کے لشکر نے ان کا پیچھا کیا۔ کئی مرتبہ خون ریز لڑائیاں ہوئیں جن میں ژوبین کے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ آخر اس نے عمرو کی فوج کا پیچھا چھوڑ دیا اور مدائن کی جانب لوٹ گیا۔

عمرو اور لندھور منزلوں پر منزلیں طے کرتے ایک عظیم الشان شہر کے نزدیک پہنچے جس کے چاروں طرف

نہایت عالی شان پتھر کا قلعہ بنا ہوا تھا اور فصیل
اِس قلعے کی اتنی اُونچی تھی کہ سر اُٹھا کر دیکھو تو
ٹوپی نیچے جا گرے۔ عَمرو نے اپنے ساتھیوں سے
مشورہ کیا۔ سب نے کانوں پر ہاتھ دھرے اور کہا کہ
یہ قلعہ فتح کرنا کسی اِنسان کے بس کی بات نہیں۔
یہ سُن کر عَمرو طیش میں آیا اور کہنے لگا:
"بہت اچھا، میں خود جاتا ہوں اور قلعہ فتح کر کے
دِکھاتا ہوں۔"
یہ کہہ کر ایک گوشے میں گیا اور جادُو کے زور
سے اپنی صُورت وزیر بختک کی سی بنائی۔ پھر سو بہادُر
سواروں کا ایک دستہ لے کر قلعے کے دروازے پر
پہنچا اور دربانوں سے کہا:
"فوراً قلعہ دار کو خبر کرو کہ نوشیرواں کا وزیر بختک آیا
ہے اور شہزادی مہر نگار کو حمزہ کے ہاتھ سے چھین لایا
ہے۔ اب حمزہ کے لشکری پیچھا کر رہے ہیں، اس لیے
جلد دروازہ کھولو تاکہ شہزادی مہر نگار کو قلعے میں
لے آئیں۔"

دربان دوڑے دوڑے گئے اور قلعہ دار کو ساری
بات سُنائی وہ اسی وقت فصیل پر آیا۔ دیکھا کہ واقعی،

نوشیرواں کا وزیر بختک موجود ہے۔ اس نے پہرے داروں سے کہا کہ دروازہ کھول دو۔ عَمرو عیّار اپنے فوجی دستے کو لے کر بڑی شان و شوکت سے قلعے میں داخل ہو گیا۔
قلعے دار نے پوچھا:
"جناب شہزادی مہر نگار کہاں ہے؟"
"ابھی اُنھیں بُلواتا ہوں۔" عَمرو نے جواب دیا پھر اپنے ایک سوار کو خفیہ پیغام دے کر لندھور کے پاس بھیجا کہ قلعے کا دروازہ کُھلا پڑا ہے فوراً آؤ اور قبضہ کر لو۔"
لندھور اور دُوسرے پہلوان آندھی طُوفان کی طرح آئے اور آناً فاناً قلعے پر اپنا جھنڈا لہرا دیا۔ اِس قلعے میں تین سال تک کی خوراک جمع تھی۔ عَمرو عیّار کا لشکر تین برس تک اس قلعے میں رہا۔ پھر یہاں سے نکلا اور مغرب کی طرف چلا۔ بہت عرصے بعد شہر حلب میں پہنچا۔ مُقبل وفادار کے چچا زاد بھائی ناظر حلبی اور عادل حلبی کُچھ فاصلے پہ رہتے تھے وہ فوراً اِستقبال کو آئے اور شہر حلب کے چاروں طرف گہری خندق کُھدوا کر پانی سے بھر دی تاکہ کوئی دُشمن شہر میں داخل نہ ہو سکے۔ پھر وہ نہایت عِزت اور اِحترام کے ساتھ مقبل وفادار، لندھور اور عَمرو وغیرہ کو شہر میں لے گئے اور کہا کہ یہاں چار سال

کی خوراک جمع ہے۔ جب تک یہ ذخیرہ ختم نہ ہوجائے ہم تمہیں کہیں اور نہ جانے دیں گے۔

غرض اِسی طرح مُلکوں مُلکوں اور شہروں شہروں سفر کرتے ہوئے سترہ سال کی مُدّت میں وہ شہر تنجہ میں داخل ہُوئے۔ یہاں ایک سال کا غلّہ جمع تھا اور جب ایک سال بعد یہ غلّہ ختم ہُوا تو فوجی سپاہیوں نے بھُوک اور فاقے سے بے تاب ہو کر گھوڑوں کو ذبح کر کے کھانا شرُوع کر دیا۔ عَمرو نے سب لوگوں کے راشن میں کمی کر دی۔ یہ دیکھ کر عادی کرب پہلوان کو سخت غُصّہ آیا۔ لیکن عَمرو سے بات کرنے کی جُراًت نہ ہوئی۔ بہت دیر تک سوچتا رہا کہ پیٹ کی آگ کو کیوں کر بُجھائے کہ اچانک ایک تدبیر دماغ میں آ ئی دوڑا دوڑا عَمرو کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"بھائی عَمرو! دیکھتے ہو بھُوک کے مارے میری کیا حالت ہوگئی ہے۔ ہڈیاں پسلیاں سب باہر نکل آئی ہیں۔ چاہو تو ایک ایک کر کے سب گن لو۔ اگر چند روز تک یہی حال رہا تو میں بھائی حمزہ کو دیکھے بغیر ہی مرجاؤں گا۔"

یہ کہہ کر جھُوٹ مُوٹ آنسو بہانے لگا۔ عَمرو عیّار

بھتیجی اس کی یہ حالت دیکھ کر افسوس کرنے لگا اور بولا:
"بھائی عادی، جہاں اتنے دن صبر کیا ہے چند روز اور کرلو۔ اٹھارہ سال کی مدّت پوری ہونے میں ایک آدھ دن ہی باقی رہ گیا ہے۔ خدا نے چاہا تو حمزہ سے ملاقات ہوگی وہی ہماری یہ مشکل آسان کریں گے۔"
"یہ بات تو ٹھیک ہے عمرو بھائی۔ لیکن مجھ سے اب بھوک برداشت نہ ہوگی۔ اجازت دو کہ کسی اور شہر کی طرف جاؤں اور وہاں سے کھانے کا کچھ سامان لاؤں۔" اس نے ایسی ضد کی کہ عمرو کو مجبوراً اجازت دینی پڑی۔ اس نے عادی سے کہا۔" دیکھو جلدی واپس آنا اور زیادہ دیر نہ لگانا۔"
عادی کرب اپنے ہاتھی پر سوار ہوا اور جنگل کی راہ لی۔ رات ہوئی تو اسے جنگل میں کچھ فاصلے پر مشعلیں جلتی ہوئی دکھائی دیں۔ جلدی سے وہاں پہنچا۔ دیکھا کہ تاجروں کا ایک بہت بڑا قافلہ ٹھہرا ہوا ہے۔ تاجروں نے جب اس انسانی دیو کو دیکھا تو بے حد ڈرے اور نہایت احترام سے ایک خوب صورت خیمے میں لے گئے۔ عادی نے قافلے کے سالار کو طلب کیا اور کہنے لگا:

"باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ پہلے ہمارے کھانے کا کچھ انتظام کرو۔"

"ابھی لیجیے جناب۔ سب کچھ حاضر ہوا جاتا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد عادی کرب کے آگے بھنے ہوئے دنبوں پھلوں اور دودھ کی بڑی بڑی بالٹیوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے سب چیزیں ہڑپ کیں پھر پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا:

"ناشتا اچھا تھا۔ اب دو گھنٹے بعد ہم باقاعدہ کھانا کھائیں گے۔"

یہ سن کر قافلے والوں کے ہوش اُڑ گئے۔ دل میں کہنے لگے کہ یہ ضرور کوئی جن ہے ورنہ اتنا کھا لینا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ انھوں نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"جناب، ہمارے پاس جو کچھ تھا حاضر کر دیا۔ اب معافی چاہتے ہیں۔"

اتنی بات سنی تو عادی طیش میں آیا۔ قافلے کے اندر گھوم پھر کر پندرہ بیس بکریاں پکڑلیں، جنگل سے گھاس پھوس لا کر آگ جلائی۔ پھر ان بکریوں کو ذبح کرکے آگ پر بھونا اور نمک لگا کر کھا گیا۔ پھر

توند پر ہاتھ پھیرتا اور خوف ناک ڈکاریں لیتا ہُوا
ایک چشمے پر پہنچا اور اس میں مُنہ ڈال کر سارا پانی پی
گیا۔ اس کے بعد واپس قافلے میں آیا۔ ہاتھی کی پیٹھ
سے اپنا بستر اُتارا اور بچھا کر سو گیا۔ قافلے والے خوف
سے تھر تھر کانپ رہے تھے اور اُنھیں پُورا یقین ہو چکا
تھا کہ اِنسان کے بھیس میں یہ ضرور کوئی بلا ہے جو
ہمیں چٹ کرنے آئی ہے۔ اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ جب
بلا گہری نیند سو جائے، تب چُپکے چُپکے اپنا سامان
باندھو اور بھاگ نکلو۔

آدھی رات ہوئی تو عادی کے بھیانک خراٹوں سے
جنگل کی فضا گُونج رہی تھی۔ قافلے والے رُخصت ہونے
کی تیاریاں کر رہے تھے کہ اچانک ڈاکوؤں کا ایک
گروہ اُدھر سے گُزرا۔ ڈاکوؤں نے جنگل میں مشعلیں جلتی
دیکھیں تو خوش ہُوئے کہ زیادہ دُور نہیں جانا پڑا ایک
قافلہ جنگل میں ہی مل گیا۔ آؤ اِس کو لُوٹیں۔ وہ سب
کے سب تلواریں اور خنجر چمکاتے ہوئے قافلے پر
آن پڑے۔ قافلے والوں کی چیخ پُکار اور غُل غپاڑے
سے عادی پہلوان کی آنکھ کُھل گئی۔ دل میں کہنے لگا
خُدا انھیں غارت کرے۔ تھوڑی دیر کو آنکھ جھپکی تھی

کو جگا دیا۔ یکایک اُسے احساس ہوا کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ اتنے میں قافلے کا سردار عادی کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"جناب، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ڈاکوؤں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔ اس وقت آپ کی مدد درکار ہے۔ آپ ہی ان سے دو دو ہاتھ کر سکتے ہیں۔"

"فکر نہ کرو۔ میں ابھی اِن بدمعاشوں کی مرمّت کرتا ہوں"

یہ کہہ کر عادی پہلوان نے اُٹھ کر زبردست نعرہ لگایا۔ اس کی آواز کی گرج سے ڈاکوؤں کے کلیجے اُچھل کر حلق میں آ گئے اور اُن کے گھوڑے سہم کر ٹاپنے لگے۔ تب عادی نے ڈاکوؤں کو اُٹھا اُٹھا کر زمین پر پٹخنا شروع کیا اور سب کی خُوب مرمّت کی۔ اس کے بعد اُن سے قافلے والوں کا لوٹا ہوا مال واپس لیا اور آیندہ کے لیے وعدہ لیا کہ کبھی ڈاکا نہ ماریں گے اور محنت مزدوری کر کے روزی کمائیں گے۔

عادی پہلوان کے یہ کمالات دیکھ کر قافلے والوں کو اپنی بدگمانی پر بڑا افسوس ہوا۔ وہ سب کے سب ہاتھ جوڑتے ہوئے عادی کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"حضور، آپ بڑے بہادر ہیں۔ ہم آپ کے بارے

میں یہ سوچ رہے تھے کہ انسان کے بھیس میں کوئی خبیث بلا ہے جو ہمیں ہڑپ کرنے آئی ہے، مگر اب پتا چل گیا ہے کہ آپ واقعی ہم ہی جیسے آدمی ہیں۔ خدا کے واسطے ہمارا قصور معاف کر دیجیے۔

یہ بات سن کر عادی خوب ہنسا پھر جواب میں کہا: "تمہارا قصور صرف اسی صورت میں معاف ہو سکتا ہے کہ مجھے آیندہ کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونی چاہیے"

"ہم وعدہ کرتے ہیں جناب، آیندہ ایسا نہ ہوگا" قافلے والوں نے کہا۔

دِن نکلا تو قافلے والے اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ عادی پہلوان بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ شام ہوئی تو ایک عالی شان شہر کے آثار دکھائی دیے۔ تاجروں کا قافلہ شہر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ہر طرف شورِ ماتم برپا ہے۔ عورتوں اور مردوں نے کالے رنگ کے کپڑے پہن رکھے ہیں اور ہر شخص کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔ عادی نے ایک آدمی سے پوچھا:

"کیوں بھائی، تم پر کیا آفت آئی کہ کالے کپڑے

یہاں کیوں روتے پیٹتے پھر رہے ہو؟"

اُس شخص نے عادی کو اُوپر سے نیچے تک دیکھا پھر مُنہ بنا کر بولا: "معلوم ہوتا ہے تم اِس شہر میں اجنبی ہو۔ ارے بھائی، آج ہمارا بادشاہ دُنیا سے رُخصت ہوا ہے اور رعایا اُسی کا سوگ منا رہی ہے"

"یہ تو تم نے بہت افسوس ناک خبر سنائی۔" عادی نے کہا "اس کا مطلب یہ ہے کہ شہر کے تمام بازار بند پڑے ہوں گے۔ اب میں کھانے پینے کی چیزیں کہاں سے حاصل کروں گا؟"

یہ سُن کر وہ شخص سخت ناراض ہُوا اور کہنے لگا: "اگر تم ہمارے شہر میں مہمان کی حیثیت سے نہ آتے تو میں اِسی تلوار سے تمہاری گردن اُڑا دیتا۔ بے وقوف، ہاتھی کے بچّے، ہمارا تو بادشاہ مرگیا ہے اور تجھے کھانے پینے کی سُوجھ رہی ہے۔"

عادی پہلوان کو غُصّہ تو بہت آیا۔ جی چاہا کہ اس شخص کا ٹینٹوا دبائے، مگر یہ سوچ کر غُصّہ ضبط کیا کہ نئے شہر میں ہنگامہ کرنا ٹھیک نہیں، یہ بے چارے تو پہلے ہی اپنی مُصیبت میں گرفتار ہیں۔ قافلے والوں سے جُدا ہو کر وہ شہر کی سیر کرنے کے لیے ایک

طرف چل پڑا۔ ایک خُوب صُورت اور آسمان سے باتیں کرتے ہوئے محل کے قریب پہنچا تو لذیذ کھانوں کی خوشبُو نتھنوں میں پہنچی۔ عادی کا رُواں رُواں خوشی سے کانپنے لگا۔ فوراً اُدھر کا رُخ کیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ بہت سے باورچی ایک جگہ جمع ہیں اور ہزاروں دیگیں پکا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ وزیرِ اعظم کا محل ہے اور یہ دیگیں بھی وزیرِ اعظم ہی پکوا رہا ہے تاکہ غریبوں اور مسکینوں میں کھانا تقسیم کیا جائے۔ تب عادی نے پوچھا کہ وزیرِاعظم صاحب اس وقت کہاں تشریف رکھتے ہیں؟ ایک باورچی نے بتایا کہ وہ بادشاہ کے جنازے کے ساتھ گئے ہیں اور تھوڑی دیر تک واپس آئیں گے۔

یہ سُن کر عادی وہیں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور للچائی ہوئی نظروں سے دیگوں کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے بار بار باورچیوں سے پُوچھنا شرُوع کیا کہ یارو کھانا پکنے میں کتنی دیر ہے؟ شرُوع شرُوع میں تو باورچی اُسے جواب دیتے رہے مگر جب اُس نے پُوچھ پُوچھ کر اُن کا ناطقہ بند کر دیا تو سب باورچی مل کر اُس کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"تو کون ہے؟ چل بھاگ یہاں سے۔ یہ کھانا تیرے لیے نہیں پک رہا ہے اور نہ ہم تیرے نوکر چاکر ہیں جو تیری ہر فضول بات کا جواب دیتے رہیں۔"

اب تو عادی کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ چہرہ سُرخ ہو گیا اور آنکھوں میں خُون اُتر آیا۔ باورچیوں کو پکڑ پکڑ کر ہوا میں اُچھالنے لگا۔ یہ تماشا دیکھنے کے لیے بے شمار لوگ جمع ہو گئے اور ہر طرف غل مچ گیا کہ ایک دیو شہر میں آیا ہے اور وزیرِاعظم کے باورچیوں کو گیند کی طرح فضا میں اُچھال رہا ہے۔ کسی شخص نے یہ خبر وزیرِاعظم کو بھی پہنچا دی۔ وہ فوراً لاؤ لشکر کے ساتھ اپنے محل کی طرف آیا۔ دیکھا کہ سات فٹ اُونچا دیو جیسا شخص باورچیوں کی گردن ناپ رہا ہے اور اُن سے چُوہے بلی کا کھیل کھیلنے میں مصروف ہے

عادی نے ایک ہی نظر میں تاڑ لیا کہ وزیرِاعظم آن پہنچا۔ باورچیوں کو پرے پھینک کر وہ آگے بڑھا اور کہنے لگا "کیا آپ کے شہر میں مہمانوں سے یہی سلوک کیا جاتا ہے۔ اگر آپ کا بادشاہ مر گیا ہے تو اِس میں میرا کیا قصُور ہے۔ یہ لوگ مجھے کھانے کو کچھ نہیں دیتے۔ مجبوراً یہ حرکت کرنی پڑی۔"

وزیرِاعظم نے دیکھ لیا تھا کہ آدمی بے ڈھب ہے اور اگر اِس سے گرمی سردی کی گئی تو معاملہ اور خراب ہو گا۔ یہ سوچ کر اُس نے نرم لہجے میں کہا:

"مجھے سخت افسوس ہے کہ آپ جیسے عزّت دار مہمان سے اِن جاہل باورچیوں نے ایسا بُرا سلوک کیا بہرحال میں سب کی طرف سے معافی چاہتا ہوں۔ آیئے آپ میرے ساتھ محل میں چلیے اور جتنا کھانا چاہیں، نوش فرمایئے۔"

"ہاں، یہ بات آپ نے لاکھ روپے کی کہی۔" عادی نے خوش ہو کر کہا۔

وزیرِاعظم نے عادی پہلوان کی ایسی خاطر تواضع کی کہ اُسے بالکل ہی اپنا مُرید کر لیا۔ بھلا کھانے پینے کی بے شمار چیزوں کے سامنے عادی کو عمرو یا لندھور کی یاد کیسے آتی۔ کئی دن اِسی طرح گزر گئے۔ آٹھویں روز وزیرِاعظم نے عادی کو اپنے پاس بُلایا اور کہا:

"جناب پہلوان صاحب، آج ہم مُلک کا نیا بادشاہ چُنیں گے۔ اِس لیے میں اب آپ کی خاطر تواضع نہیں کر سکوں گا۔ آپ کے جہاں سینگ سمائیں، جا سکتے ہیں۔"

یہ سُن کر عادی پہلوان سخت پریشان ہُوا۔ دل میں سوچنے لگا یہ تو بہت بُرا ہوا۔ اب میں کہاں جاؤں اور کیا کروں۔ اِن کے پاس اتنی بڑی فوج ہے کہ میں اکیلا زیادہ دیر تک لڑ بھی نہیں سکتا۔ بہتر یہی ہے کہ چُپ چاپ یہاں سے کھسک جاؤں اور کہیں اور جا کر قسمت آزمائی کروں۔ اس نے وزیرِ اعظم سے کہا: "بہت بہتر جناب، بندہ رُخصت ہوتا ہے۔ مگر اتنی مہربانی کریں کہ راستے میں کھانے پینے کا کچھ سامان عنایت فرما دیں۔ پچاس بکریاں، ایک سو مُرغ، دو تین ہزار انڈے، ایک من شہد، پچاس من دُودھ اور دو تین سو من پھل وغیرہ۔"

"اچھا، ہم یہ انتظام بھی کر دیں گے۔ مگر پہلے بادشاہ کا اِنتخاب کرنا ضروری ہے۔"

"یہ اِنتخاب آپ کس طرح کرتے ہیں؟" عادی نے پُوچھا۔

"اِس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم ایک پرندہ ہوا میں چھوڑتے ہیں جسے ہُما کہتے ہیں۔ شہر کے سب آدمی ایک وسیع میدان میں پہلے سے جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ پرندہ تھوڑی دیر تک ہوا میں اُڑنے کے بعد

کسی ایک شخص کے سر پر خود بخود بیٹھ جاتا ہے ہم
اُس شخص کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔"
"خواہ وہ شخص کوئی موچی ہو یا بھکاری یا لوہار یا
بڑھئی؟" عادی نے کہا۔
"بے شک۔ ہمیں اس سے غرض نہیں ہوتی کہ
وہ کون ہے۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ہُما کس کے سر
پہ بیٹھتا ہے۔"
"اِس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ آپ کا پرندہ...
کیا نام.... ہُما میرے سر پر بیٹھ جائے تو آپ
مجھے بادشاہ بنا لیں گے۔"
"ضرور۔ ہماری رسم یہی ہے۔" وزیر اعظم نے جواب دیا
یہ سُن کر عادی کی کھوپڑی میں پھر کھُد بھُد شروع
ہوئی۔ دل میں کہنے لگا، کیا مزہ ہو اگر میں بادشاہ
بن جاؤں۔ آخر قسمت آزما لینے میں ہرج ہی کیا ہے
وہ وزیر اعظم سے کہنے لگا:
"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ کیا خبر وہ پرندہ
میرے ہی سر پہ بیٹھ جائے۔"
یہ سُن کر وزیر اعظم کا کلیجا خوف سے بیٹھ گیا۔
سخت پریشان ہُوا کہ اِس مُوذی کو یہ بات کیوں بتا

دی۔ اُس کا دل کہہ رہا تھا کہ ہُما اِس کے سر پر ضرور بیٹھ جائے گا، کیوں کہ یہ قد میں سب آدمیوں سے اُونچا ہے۔ وزیرِ اعظم دل میں تو عادی کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا مگر ظاہرہ طور پر اُس نے مُسکراتے ہوئے کہا:

"پہلوان صاحب، یہ ہماری بڑی خوش نصیبی ہوگی کہ ہُما آپ کے مُبارک سر پہ بیٹھے اور آپ ہمارے بادشاہ بن جائیں۔"

قِصّہ مختصر عادی پہلوان اس وسیع و عریض میدان میں پہنچا جہاں لاکھوں آدمی جمع تھے اور ہر شخص اِسی اُمید میں تھا کہ ہُما اُسی کے سر پہ بیٹھے گا۔ عادی پہلوان مست ہاتھی کی طرح جھُومتا ہوا آیا تو لوگوں نے اُس کا راستہ چھوڑ دیا اور حیرت سے دیکھنے لگے تھوڑی دیر بعد بارہ ہٹّے کٹّے حبشی غُلام میدان میں نمُودار ہُوئے اور اُنھوں نے بڑے بڑے بگل بجا کر اِعلان کیا کہ ہُما چھوڑا جاتا ہے اِس لیے سب لوگ خاموش ہو جائیں۔ اِس اعلان کے ساتھ ہی چاروں طرف سنّاٹا چھا گیا اور ہر شخص سانس روک کر ہُما کے اُڑنے کا اِنتظار کرنے لگا۔

تب وزیرِ اعظم نے سونے کے بنے ہوئے خوبصورت پنجرے میں ہاتھ ڈال کر ایک پرندے کو باہر نکالا۔ اور ہوا میں اُڑا دیا۔ یہ پرندہ ہوا میں جدھر جدھر اُڑتا، اُدھر اُدھر لاکھوں آدمیوں کی نگاہیں اُس کا پیچھا کرتیں۔ دیر تک بہت اُونچائی پر اُڑنے کے بعد ہُما آہستہ آہستہ چکّر کاٹتا ہوا نیچے اُترنے لگا پھر یکایک وہ عادی پہلوان کے سر پر جا بیٹھا۔
اُسی وقت وزیرِ اعظم نے گھٹنوں کے بل جُھک کر عادی پہلوان کو سلام کیا اور مُبارک باد دی۔ پھر تالیوں اور نعروں کے شور میں ایک جلوس بنایا گیا اور عادی پہلوان رعیّت کی سلامی لیتا ہُوا وزیرِ اعظم کے ساتھ شاہی محل میں داخل ہُوا۔ وہ خوشی کے پھُولا نہ سماتا تھا۔ اس رات سارے شہر میں چراغاں کیا گیا اور نئے بادشاہ کے تخت پر بیٹھنے کا جشن دھوم دھام سے منایا گیا۔
عادی کو حکُومت کرتے ہوئے بہت دِن گزر گئے۔ اس مُدّت میں وہ اپنے دوستوں اور بھائیوں سب کو بھُول بھال گیا۔ حکُومت کا کام وزیر اور امیر کرتے اور عادی کو دن رات سوائے پیٹ

بھرنے کے کچھ کام نہ تھا۔
ایک دِن ایسا اِتّفاق ہُوا کہ وزیرِ اعظم کی لڑکی جس کا نام مہتاب تھا، شاہی محل میں آئی۔ عادی نے اُسے دیکھا تو دل میں کہنے لگا ایسی خُوب صُورت لڑکی آج تک نظر سے نہیں گزری۔ اگر اس سے شادی ہو جائے تو کیا کہنے ہیں۔ اُسی وقت وزیرِاعظم کو بُلا کر حکم دیا:
"بادولت تمہاری صاحب زادی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری یہ آرزو پُوری کی جائے۔"
"جہاں پناہ، غُلام کے لیے حضُور کی یہ آرزو فخر کا باعث ہے۔" وزیرِاعظم نے ادب سے کہا۔" لیکن اس کے ساتھ ایک شرط بھی ہے جِسے ماننا ضرُوری ہے۔"
"وہ شرط کیا ہے؟ جلد بیان کرو۔" عادی نے گرج کر کہا۔
"حضُور، شرط یہ ہے کہ اگر میری لڑکی وفات پا جائے تو آپ کو بھی اُس کے ساتھ ہی قبر میں زندہ دفن ہونا پڑے گا۔" وزیرِ اعظم نے جواب دیا۔
"کیا بکتے ہو؟" عادی نے گھبرا کر کہا "بھلا یہ کیسے

مُمکن ہے۔"

"جہاں پناہ، ہمارے مُلک کا رواج یہی ہے کہ اگر شوہر کی زندگی میں بیوی مر جائے تو شوہر کو بیوی کی قبر میں زندہ دفن ہونا پڑتا ہے۔ اور اگر شوہر مر جائے تو بیوی شوہر کے ساتھ زندہ دفن ہو گی۔ اِس شرط کو قبُول کرنا ضرُوری ہے ورنہ آپ کی شادی نہ ہو سکے گی۔"

عادی پہلوان سمجھا کہ وزیرِ اعظم مذاق کرتا ہے اُس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا:

"مابدولت کو تمہاری یہ شرط منظُور ہے۔ جلد شادی کا بندوبست کیا جائے۔"

اور یُوں عادی پہلوان نے وزیر زادی مہتاب سے شادی کر لی۔

دن آہستہ آہستہ گزُرنے لگے۔ عادی کو ہر وقت کھانے پینے اور خرّاٹے لینے کے سوا کوئی کام نہ تھا مزے سے زندگی کے دِن گزار رہا تھا کہ ایک روز محل میں کنیزوں کے رونے پیٹنے اور واویلا کرنے کی آوازیں سُنائی دیں۔ عادی نے پہرے داروں کو بھیجا کہ خبر لائیں کیا واقعہ پیش آیا ہے؟ پہرے دار

تھوڑی دیر بعد سینہ پیٹتے اور سروں پر خاک ڈالتے حاضر ہوئے اور رو رو کر کہنے لگے :

"جہاں پناہ، غضب ہو گیا۔ آسمان ٹوٹ پڑا... ملکہ عالیہ مہتاب اِنتقال فرما گئیں۔"

یہ سُن کر عادی پہلوان کو اپنے پیروں تلے کی زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ تخت سے اُٹھنے کی کوشش کی مگر اُٹھا نہ گیا۔ معلوم ہوا جیسے بدن میں سے ساری جان نکل گئی۔ آخر بڑی مشکل سے غلاموں اور وزیروں نے اُٹھایا، محل کے اندر لے گئے اور پلنگ پر لِٹا دیا۔

ملکہ مہتاب کا جنازہ اُٹھا تو لاکھوں لوگ اس کے ساتھ تھے۔ بادشاہ سلامت عادی پہلوان بھی روتے دھوتے اور سینہ پیٹتے چلے جا رہے تھے۔ قبرستان پہنچے تو دیکھا کہ ایک گہرا گڑھا کھدا ہوُا ہے۔ عادی نے وزیرِ اعظم کے کان میں کہا :

"ملکہ کے لیے اِتنی بڑی اور گہری قبر کھدوانے کی کیا ضرورت تھی؟"

جہاں پناہ شاید آپ بھول گئے کہ شادی

سے پہلے آپ نے کیا شرط مانی تھی؟" وزیر اعظم نے کہا۔

"کون سی شرط؟ ہمیں بالکل یاد نہیں۔" عادی نے حیران ہو کر کہا۔

"وہ شرط یہ تھی جہاں پناہ کہ اگر شوہر کی زندگی میں بیوی مر جائے تو شوہر کو بیوی کے ساتھ قبر میں زندہ دفن ہونا پڑے گا، اسی لیے یہ قبر اتنی لمبی چوڑی اور گہری کھدوائی گئی ہے۔ آپ اس میں بڑے آرام سے دفن ہوسکیں گے۔ کچھ زیادہ تکلیف نہ ہوگی۔"

وزیر اعظم کی یہ باتیں سن کر عادی کے تلووں میں آگ لگی اور کھوپڑی تک پہنچی۔ طیش میں آ کر چلایا:

"او بدبخت، یہ کیا بکواس ہے۔ ہم تمہارے بادشاہ ہیں اور بادشاہوں سے ایسا بے ہودہ مذاق ٹھیک نہیں ہے۔"

"جہاں پناہ، اس غلام کو آپ سے مذاق کرنے کی ہرگز جرأت نہیں ہوسکتی۔" وزیر اعظم نے ادب سے گردن جھکا کر کہا "میں نے تو آپ کو اس ملک کی رسم اور حضور کا وعدہ یاد دلایا ہے۔"

"اجی جہنّم میں جاؤ تُم اور تُمہارے یہ رسم و رواج
عادی نے آنکھیں نکال کر کہا۔" لو اور سُنو، مجھے
اِس قبر میں مُردہ عورت کے ساتھ دفن کرنے
چلے ہیں۔ کیا خُوب۔ اِس مذاق کے لیے میں ہی دُنیا
میں رہ گیا ہوں۔ خبردار، آیندہ مُجھ سے ایسی بے ہُودہ
بات کسی نے کی تو وہ خود نتیجے کا ذمّہ دار ہو گا۔"
وزیرِ اعظم نے حبشی غُلاموں کے گروہ کو اِشارہ
کیا۔ وہ سب کے سب لوہے کی زنجیریں ہاتھوں
میں تھام کر آہستہ آہستہ عادی پہلوان کی طرف بڑھے
یہ دیکھ کر عادی سخت گھبرایا۔ بے اِختیار لوگوں کی
طرف مُنہ کر کے چِلّانے لگا:
" اے لوگو، یہ کیا بد تمیزی ہے۔ میں تُمہارا
بادشاہ ہوں اور تم دیکھ رہے ہو کہ وزیرِ اعظم میری
توہین کر رہا ہے۔ اسے روکو، ورنہ میں شاہی جلّادوں
کو حُکم دے دوں گا کہ وہ وزیرِ اعظم کی گردن تن
سے جُدا کر دیں۔"
عادی کی یہ باتیں سُن کر لوگوں نے قہقہے لگائے
اور کہا " بادشاہ سلامت، یہ چیخ پُکار اور غُل غپاڑا
بالکل بے کار ہے۔ آپ کو اِس ملک کی رسم اور

اپنے وعدے کے مطابق اپنی بیوی کے ساتھ قبر میں دفن ہونا ہی پڑے گا۔ اگر آپ خود ہی قبر میں کُود جائیں تو زیادہ بہتر ہے ورنہ ہم سب آپ کو پکڑ کر گڑھے میں دھکیل دیں گے۔"

اب تو عادی پہلوان کے ہوش گُم ہوئے، پسینے چھُوٹ گئے۔ چاروں طرف بے بسی سے دیکھا۔ ہر طرف ہزاروں حبشی غُلام اور طاقت ور سپاہی ہاتھوں میں تلواریں اور نیزے لیے چوکس کھڑے تھے اور کہیں جانب سے بھاگنے کے لیے راستہ ملنے کی اُمّید نہ تھی۔ عادی نے دل ہی دل میں دُعا کی کہ یا الٰہی، میں کن مُوذیوں میں آن پھنسا۔ ایک مرتبہ ان کے پنجے سے رہائی دے دے۔ پھر میرے باپ دادا کی توبہ ہے جو اِدھر کا رُخ بھی کروں۔"

عادی ابھی یہ دُعا مانگ ہی رہا تھا کہ چار پانچ حبشی غُلام اُس پر ایک دم آن پڑے اور اِس سے پہلے کہ عادی اُن میں سے ایک آدھ کو ہلاک کرے، اُنھوں نے اُسے لوہے کی موٹی موٹی زنجیروں میں جکڑ لیا اور گڑھے کی طرف لے چلے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عادی کی دُعا خُدا نے سُن

لی، کیوں کہ عین اُسی لمحے ایک گھڑ سوار اُدھر نکلا۔ وہ اِس شان و شوکت سے آ رہا تھا کہ سب کی نظریں بے اختیار اُس کی طرف اُٹھ گئیں۔

آنے والے نے عادی کی چیخیں سُنیں تو سیدھا اُدھر آیا اور لوگوں سے پُوچھا کہ اِس شخص کو زنجیروں میں کیوں جکڑ رکھا ہے؟ لوگوں نے اُسے سارا قِصّہ سُنایا۔ آنے والے نے ایک نظر عادی کو دیکھا، پھر زور سے قہقہہ لگایا اور کہا:

"اگر کوئی ہرج نہ ہو تو میں اِس سے دو باتیں کر لُوں۔"

"ہاں ہاں، ضرور کیجیے۔" وزیرِ اعظم نے کہا اور غلاموں کو اِشارہ کیا کہ عادی کو اِدھر لے آئیں۔ عادی ہانپتا ہُوا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اجنبی گھڑ سوار کو دیکھتا ہُوا قریب آیا۔ سوار نے اُس سے کہا:

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم نے وعدہ کیا تھا کہ اگر تُمھاری بیوی مر گئی تو تم اُس کے ساتھ ہی زندہ دفن ہو جاؤ گے۔ کیا یہ سچ ہے؟"

"جنابِ عالی، یہ بکواس کرتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ میں نے کوئی وعدہ نہیں کیا۔" عادی نے گِڑ گِڑا کر کہا "خُدا کے لیے مجھے اِن وحشیوں کے پنجے

سے آزاد کرائیے۔ ساری زندگی آپ کے بال بچوں کو دُعائیں دُوں گا۔"

"اگر تم سچ سچ بتاؤ گے کہ کیا وعدہ کیا تھا تو میں تمہاری سفارش کردوں گا۔" اجنبی نے کہا۔

عادی گردن جھکائے چند لمحے تک سوچتا رہا۔ پھر رُک رُک کر کہا:

"ہاں، میں نے وعدہ کیا تھا کہ اگر میری بیوی مر گئی تو اُس کے ساتھ قبر میں زندہ دفن ہو جاؤں گا۔"

یہ سُن کر اجنبی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہنے لگا:

"بندۂ خُدا، مرد کی شان یہ ہے کہ ایک مرتبہ زبان سے جو اِقرار کرے، اُسے پُورا کرتا ہے۔ اگر تُم نے وزیرِ اعظم سے وعدہ کیا تھا تو اب مُکرتے کیوں ہو؟"

اجنبی کی یہ بات سُن کر عادی پہلوان کا چہرہ شرم سے سُرخ ہوگیا۔ کوئی جواب نہ بن پڑا۔ آخر خوشامدانہ لہجے میں بولا:

"بھائی جان، تم مجھے کوئی شریف اور بہادر آدمی

نظر آتے ہو۔ میں بھی گیا گزرا شخص نہیں۔ امیر حمزہ کے سے نامی گرامی پہلوان کا دُودھ شریک بھائی ہوں"

"آہا... اب معلُوم ہوا کہ میں نے تمہیں پہلے کہاں دیکھا تھا" اجنبی نے ہنس کر کہا "تمہارا نام شاید عادی کرب ہے"

"بے شک۔ بے شک۔ آپ نے صحیح پہچانا" عادی خوش ہو کر بولا: "خُدا کے واسطے ان وحشیوں کو سمجھایئے کہ میرے ساتھ یہ بے ہُودہ سلوک نہ کریں۔ اگر امیر حمزہ اور اُن کے دوستوں کو اِس کرتُوت کا پتا چل گیا تو وہ اِس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور کسی کو زندہ نہ چھوڑیں گے"

"خُوب، بہت خُوب۔ مگر یہ بتاؤ عادی پہلوان کہ تُم امیر حمزہ کے دوستوں کا ساتھ چھوڑ کر یہاں کیسے چلے آئے اور بادشاہ کیوں کر بن بیٹھے؟"

"جناب، کیا عرض کروں۔ اِس پاپی پیٹ کی خاطر یہاں آنا پڑا۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ اب کان پکڑتا ہوں۔ یہ دراصل مجھے دوستوں سے بے وفائی کرنے کی سزا ملی ہے"

"امیر حمزہ کے دوست آج کل کہاں ہیں؟" اجنبی

نے پوچھا۔

"وہ شہر تنجہ میں ہیں۔ حکیم بزرجمہر نے کہا تھا کہ حمزہ اٹھارہ برس کوہ قاف میں رہنے کے بعد تم لوگوں سے شہر تنجہ میں آن کر ملیں گے، اس لیے عمرو، لندھور، سلطان بخت مغربی استقبا نوش وغیرہ سب وہیں ہیں اور شہزادی مہر نگار اُن کے ساتھ ہے۔ مگر تم یہ باتیں کیوں پوچھتے ہو؟"

اجنبی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر وہ کوئی جواب دیے بغیر اپنے گھوڑے سے اُتر کر عادی کے قریب گیا اور لوہے کی موٹی موٹی زنجیریں یوں توڑ دیں جیسے وہ کچے سُوت کی بنی ہوئی ہوں۔"

عادی پہلوان کو یوں آزاد ہوتے دیکھ کر لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ وزیر اعظم کے اشارے سے حبشی غلام تلواریں سُونت سُونت کر عادی کی جانب لپکے مگر اجنبی نے فوراً اپنی تلوار نکالی اور بلند آواز سے کہا "خبردار، اگر کسی نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو یہیں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ سُن لو کہ میرا نام حمزہ ہے۔ جو شخص میرے مقابلے میں آئے گا، جان سلامت نہ لے جائے گا

امیر حمزہ کا یہ نعرہ سُن کر جو جہاں تھا وہیں رُک گیا اور اِتنی ہیبت طاری ہوئی کہ بہت سے حبشی غُلام اور سپاہی اپنے اپنے ہتھیار پھینک کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ عادی نے جُونہی امیر حمزہ کو پہچانا' دوڑ کر اُن کے قدموں کو بوسہ دیا اور بے اِختیار رونے لگا۔ حمزہ نے اُسے اُٹھا کر سینے سے لگایا اور کہا:

"اگر اِس وقت خُدا مجھے یہاں نہ بھیجتا تو تم ہزاروں من مٹّی کے نیچے دبے پڑے ہوتے۔"

اِتنے میں وزیر اعظم اور سلطنت کے دُوسرے تمام امیر وزیر امیر حمزہ کے قریب آئے اور جُھک جُھک کر سلام کرنے لگے۔ پھر اُنھیں نہایت عزّت کے ساتھ شہر میں لے گئے اور خُوب خاطر تواضع کی۔ تین دن بعد امیر حمزہ اور عادی پہلوان وہاں سے رُخصت ہو کر شہر تنجہ کی جانب روانہ ہُوئے۔

دمشق کا بادشاہ

راستے میں امیر حمزہ نے عادی پہلوان کو کوہ قاف میں اٹھارہ سال کاٹنے اور طرح طرح کی مصیبتیں جھیلنے کی داستان سنائی۔ عادی کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹی پڑتی تھیں اور وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ اس ساری داستان میں دیووں اور پریوں کا ذکر تو ہے مگر کھانے پینے کی کسی چیز کا نام و نشان تک نہیں ہے۔

چلتے چلتے یہ دونوں مسافر ایک گہری جھیل کے قریب پہنچے۔ امیر حمزہ تو سستانے کے لیے گھنے درختوں کی چھاؤں میں جا بیٹھے اور عادی پانی پینے کے لیے جھیل پر پہنچا۔ ابھی پانی میں منہ ڈالنے بھی نہ پایا تھا کہ جھیل میں کچھ فاصلے پر لکڑی کا ایک بڑا صندوق تیرتے دیکھا۔ عادی فوراً جھیل میں کودا، تیرتا

ہوا اس صندوق تک گیا اور اُسے گھسیٹ کر کنارے پر لایا۔ اُس کا خیال تھا کہ صندوق میں بیش بہا خزانہ بند ہے لیکن جوں ہی ڈھکنا کھولا، اُس کے اندر سے دُھوَاں سا نکلا۔ پھر اِس دُھوئیں نے ایک خوفناک دیو کی شکل اِختیار کر لی۔

عادی پہلوان کی خوف سے گِھگّی بندھ گئی۔ بھاگنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ دیو نے دونوں ہاتھوں سے عادی کا ٹینٹوا دبایا۔ تکلیف کے مارے عادی کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ دیو نہیں موت کا فرشتہ ہے۔

اچانک زمین پھٹی اور اس میں سے سو سال سے زیادہ عُمر کے ایک بڑے میاں بر آمد ہوئے ان کی کمر جُھک کر کمان بن گئی تھی اور سفید لمبی داڑھی کے بال زمین کو چُھو رہے تھے۔ اِن بڑے میاں نے نزدیک آکر دیو سے کہا:

"اے دیو زاد، اِس آدمی نے کیا خطا کی ہے کہ تُو اِسے مارنے کے درپے ہے؟"

"بڑے میاں، اِس نے میرے آرام میں خلل ڈالا اور مجھے صندُوق سے باہر نکالا۔"

بڑے میاں نے حیرت سے اُس دیو اور پھر صندوق کو دیکھا اور کہنے لگے:

"عقل نہیں مانتی کہ تم جیسا دیو اِس چھوٹے سے صندُوق میں سما سکتا ہے۔"

دیو نے قہقہہ لگا کر کہا "اگر تمہارا خیال ہے کہ میں جھُوٹ بول رہا ہوں تو لو دیکھو۔"

"یہ کہہ کر وہ دیو پھر دُھواں بنا اور صندُوق میں داخل ہو گیا۔ بڑے میاں نے جلدی سے صندُوق کا ڈھکنا بند کر دیا۔ عادی پہلوان اب بھی اُسی طرح چِت زمین پر پڑا ہانپ رہا تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ دیو دوبارہ صندوق میں بند ہو گیا تو جان میں جان آئی بڑے میاں کے پیروں پر گرا اور کہنے لگا:

"حضرت، آپ اِس وقت رحمت کا فرشتہ بن کر آئے ورنہ یہ مُوذی تو میری گردن ناپ چُکا تھا۔ خُدا کے لیے بتائیے کہ آپ کون ہیں؟"

"میرا نام خضر ہے اور خُدا کے حُکم سے مُصیبت زدوں کی مدد کو پہنچتا ہوں۔ تم امیر حمزہ کے دوست اور دُودھ شریک بھائی ہو اور خُدا امیر حمزہ سے ابھی بہت کام لینا چاہتا ہے، اِس لیے اُس

نے مجھے تمہاری مدد کو بھیجا ہے۔"

یہ کہتے ہی زمین دوبارہ شق ہوئی اور خواجہ خضر اس میں سما گئے۔ عادی نے وہ صندوق سر پہ اُٹھایا اور ہانپتا کانپتا امیر حمزہ کے پاس پہنچا، سارا قصّہ سُنایا اور کہا:

"بھائی حمزہ، دل چاہے تو تُم بھی اس دیو کی زیارت کر لو۔ مجھے تو موت کا مزہ آ گیا۔ اگر خواجہ خضر تھوڑی سی دیر اور لگاتے تو بندے کی لاش جھیل کے کنارے پھڑک رہی ہوتی۔"

"اِس صندوق کو یُونہی بند رہنے دو اور اپنے ساتھ شہر تنجہ لے چلو وہیں جا کر اطمینان سے اِس کی زیارت کریں گے۔" امیر حمزہ نے ہنس کر کہا۔

یہ سُن کر عادی پہلوان کا مُنہ لٹک گیا اور اُس نے پھر کچھ نہ کہا۔ دراصل یہ صندوق اِتنا بھاری تھا کہ اِسے سر پہ اُٹھاتے ہوئے عادی کو اپنی گردن ٹوٹنے کا خطرہ تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ امیر حمزہ صندوق کھول کر دیو کو آزاد کریں تاکہ وہ اُن کی گردن ناپے اور یہ اُسے جہنّم رسید کریں مگر عادی کی خواہش پُوری نہ ہو سکی اور تھوڑی دیر

آرام کرنے کے بعد امیر حمزہ جب آگے چلنے کے لیے تیار ہوئے تو عادی پہلوان نے مُنہ بسورتے ہوئے وہ صندوق سر پر اُٹھایا اور امیر حمزہ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

اُدھر شہر تنجہ میں عَمرو عیّار، اُس کے یار دوست اور شہزادی مہر نگار ایک ایک دن اُنگلیوں پر گنتے تھے اور حساب لگاتے تھے کہ کب اٹھارہ سال پورے ہوں اور امیر حمزہ یہاں نمودار ہوں۔ عادی پہلوان جس روز سے گیا تھا، اُس کی کوئی خیر خبر نہ تھی۔ البتّہ عَمرو نے اپنے آئینۂ سکندری میں دیکھ کر معلوم کر لیا تھا کہ وہ کسی شہر کا بادشاہ بن گیا ہے اور دن رات کھانے پینے کے دھندوں میں مصرُوف ہے عَمرو نے اپنے طلسمی آئینے میں یہ تو پتا کر لیا تھا کہ عادی کس شہر میں ہے۔ لیکن وہ شہر کدھر اور کتنی دُور ہے؟ یہ بات اُسے معلوم نہ تھی۔

جس روز اٹھارہواں سال ختم ہُوا، اُس سے اگلے روز شہزادی مہر نگار شہر تنجہ کے قلعے کی چھت پر چڑھی۔ اُس کے ہاتھ میں تیر کمان تھی۔ یکایک دو راج ہنس فضا میں اُڑتے ہوئے اُدھر سے

گزرے۔ شہزادی مہر نگار نے اپنے آپ سے شرط لگائی کہ اگر ایک ہی تیر سے یہ دونوں راج ہنس شکار ہو کر زمین پر گرے تو میں سمجھوں گی کہ بزرجمہر کا کہنا درست نکلے گا اور امیر حمزہ آج ضرور مجھ سے آن ملیں گے اور اگر نشانہ خطا گیا تو سمجھوں گی کہ بزرجمہر کا حساب غلط ہے یہ سوچ کر شہزادی نے کمان میں تیر چڑھایا اور پورے زور سے چلہ کھینچ کر چھوڑ دیا۔ تیر ہوا میں سنسناتا ہوا گیا اور برابر اڑتے ہوئے دونوں راج ہنسوں کو پروتا ہوا زمین کی طرف گرنے لگا۔

اپنا نشانہ کامیاب ہوتے دیکھ کر شہزادی مہر نگار خوشی سے ناچنے لگی۔ فوراً عمرو عیار کو طلب کر کے یہ دلچسپ قصہ سنایا اور کہا:

"بھائی عمرو، فوراً باہر جاؤ اور میرے شکار کیے ہوئے راج ہنسوں کو اٹھا کر لاؤ۔"

عمرو خوشی خوشی قلعے سے باہر نکلا اور راج ہنسوں کی تلاش میں چلا۔

اُدھر امیر حمزہ شہر تنجہ کے خاصے قریب آ چکے تھے اور قلعہ انھیں صاف دکھائی دے رہا تھا۔

عادی پہلوان بھاری صندوق اُٹھائے ہوئے آہستہ آہستہ چل رہا تھا اور امیر حمزہ سے بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ یکایک آسمان پر سے دو خوب صورت پرندے نیچے گرے۔ امیر حمزہ نے دیکھا کہ دونوں ایک ہی تیر کا شکار ہوئے ہیں وہ حیران ہوئے اور دل میں سوچنے لگے کہ کوئی بہت ماہر اور نشانچی شکاری ہے جس نے ایک وقت میں دو اُڑتے ہوئے پرندوں کو ایک ہی تیر سے شکار کیا ہے۔ اُنھوں نے یہ پرندے اُٹھا کر ذبح کیے اور تیر کو اپنے پاس سنبھال کر رکھ لیا۔

عین اُسی لمحے عَمرو عیّار وہاں آن پہنچا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک شخص جس کے چہرے پر گھنی سیاہ ڈاڑھی اور خوب صورت نوکیلی مونچھیں ہیں، راج ہنسوں کو ذبح کر کے اپنے تھیلے میں ڈال رہا ہے۔ عَمرو نے للکار کر کہا:

"یہ پرندے ہم نے شکار کیے ہیں۔ خیریت چاہتا ہے تو اِنھیں فوراً میرے حوالے کر، ورنہ اِتنا پیٹوں گا کہ سب کھایا پیا بھول جائے گا۔"

اٹھارہ برس تک کوہ قاف کی انوکھی دُنیا میں

رہنے کی وجہ سے امیر حمزہ کے حلیے اور شکل صورت
میں اتنا فرق آ گیا تھا کہ عمرو عیار انھیں پہچان
نہ سکا۔ عادی پہلوان کو جب قبر میں زندہ دفن
کیا جا رہا تھا اور امیر حمزہ موقعے پر پہنچے تھے
تب عادی اُس وقت تک نہ پہچان
پایا تھا جب حمزہ نے خود اپنا نام بتا
نہ بتایا۔ اب پر عمرو کو اپنے سامنے دیکھ
کر امیر حمزہ ہوئے مگر دل لگی کے
لیے کہنے لگے:
"مجھے تو تم اُچکّے دکھائی دیتے ہو۔ کبھی آئینہ بھی
دیکھا ہے؟ شکل چڑی ماروں جیسی ہے اور چلے ہو
دُوسروں پر تہمت دھرنے"
"میں کہتا ہوں فوراً دونوں پرندے میرے
حوالے کر، ورنہ تیرے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ سب
بد زبانی دھری رہ جائے گی۔ شہزادی مہر نگار کا
شکار اور تو یُوں ہماری آنکھوں کے سامنے
اڑا لے جائے۔"
"یہ شہزادی مہر نگار کون ہے؟" امیر حمزہ نے پوچھا
"ہمارے پیارے دوست حمزہ کی بیوی اور شہنشاہ

نوشیرواں کی بیٹی۔" عمرو نے اکڑ کر جواب دیا۔
"آہا! اب سمجھا... حمزہ وہی پہلوان تو نہیں جو آج کل کوہ قاف میں ہے۔"
"ہاں ہاں، وہی امیر حمزہ ہیں۔ مگر بھائی تمہیں کیوں کر پتا چلا؟" عمرو نے حیرت سے کہا۔
یہ سُن کر حمزہ نے قہقہہ لگایا اور کہا "میری اُن کی ملاقات کوہ قاف میں ہوئی تھی وہ تو وہاں عذرا پری سے شادی کر چکے اور وہیں رہنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مجھ سے اُنھوں نے یہی بات کہی تھی اور فرمایا تھا کہ اگر کبھی میرے دوستوں عمرو، مقبل لندھور وغیرہ سے ملاقات ہو تو یہ پیغام دے دینا کہ مجھے بھول جائیں۔ میں اب کوہ قاف ہی میں رہوں گا۔"
ان کے منہ سے یہ کلمے سُن کر عمرو عیّار پتھر کا بُت بن گیا۔ اِتنے میں دُور سے عادی پہلوان سر پر صندوق اُٹھائے آتا دکھائی دیا۔ عمرو دوڑتا ہُوا اس کی طرف گیا اور پکار کر کہا:
"عادی بھائی تم کہاں غارت ہو گئے تھے۔ اب اِتنے عرصے بعد شکل دکھائی دی ہے اور وہ

بھی اِس بھیس میں ہیں۔ وہ بادشاہت کہاں گئی؟"
عادی پہلوان نے عَمرو کو دیکھ کر صندوق سر سے اُتار کر نیچے رکھا، پھر شرمندہ ہو کر کہا "مجھے معاف کر دو۔ یُوں سمجھو کہ میری عقل گھاس چرنے چلی گئی تھی۔ وہ تو خُدا نے بڑی خیر کی کہ عین وقت پر بھائی حمزہ پہنچ گئے، ورنہ اُن ظالموں نے مجھے زندہ دفن کر ہی دیا تھا۔"
"بھائی حمزہ پہنچ گئے؟۔ کہاں پہنچ گئے؟ کِدھر ہیں وہ؟" عمرو چِلّایا۔
"معلوم ہوتا ہے میری طرح تم بھی اُنھیں پہچان نہیں سکے" عادی نے قہقہہ لگایا "ارے یار، تمھارے سامنے ہی تو کھڑے ہیں۔"
تب عَمرو سمجھا۔ دوڑتا ہوا امیر حمزہ کے پاس گیا اور اُن سے چمٹ کر رونے لگا۔ امیر حمزہ کے بھی آنسو نکل آئے۔ دونوں دوست جب ایک دُوسرے سے گلے مِل مِلا کر اور رو دھو کر فارغ ہوئے تو عادی پہلوان نے عَمرو عیّار سے کہا "عَمرو بھائی، بہت افسوس کی بات ہے کہ تم نے ہمیں اِس قابل بھی نہ سمجھا کہ ہمارے گلے سے

لپٹ کر دو آنسو بہا لیتے۔"

"میں بے وفا لوگوں سے گلے مل کر رویا نہیں کرتا۔" عَمرو نے جواب دیا۔

امیر حمزہ اِس جواب پر کِھلکِھلا کر ہنس پڑے اِسی طرح باتیں کرتے، دل بہلاتے یہ تینوں دوست شہر تنجہ کے قلعے میں داخل ہوئے۔ امیر حمزہ کو تو کسی نے نہ پہچانا، البتّہ عادی پہلوان کو دیکھ کر سب خوش ہوئے اور سپاہیوں نے حلق پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگائے۔

قلعے کے محل میں شہزادی مہر نگار عَمرو کی واپسی کا اِنتظار کر رہی تھی۔ اس کے کانوں میں ان نعروں کی آواز پہنچی تو خُوش خُوش اُٹھی اور ایک کنیز سے پُوچھنے لگی "یہ سپاہی نعرے کیوں لگا رہے ہیں۔ کہیں امیر حمزہ واپس تو نہیں آ گئے۔"

"نہیں ملکۂ عالم۔ امیر حمزہ نہیں آئے بلکہ وہ مُوا گوشت کا پہاڑ عادی پہلوان واپس آیا ہے اور سپاہی اُس کے زندہ سلامت آ جانے کی خوشی میں نعرے لگا رہے ہیں۔"

یہ سُن کر مہر نگار کا چہرہ غم سے بجھ کر رہ گیا

پھر اُس نے محل کی ایک کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ سب سے آگے عُمرو عیّار چلا آ رہا تھا۔ اُس کے پیچھے گھنی ڈاڑھی اور مونچھوں والا ایک شخص گھوڑے پر سوار تھا اور اس سوار کے پیچھے عادی پہلوان کئی من وزنی لکڑی کا صندوق سر پر اُٹھائے چل رہا تھا۔

عمرو دونوں شکار کیے ہوئے راج ہنس لے کر شہزادی کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"یہ لیجیے شہزادی صاحبہ، اپنا شکار سنبھالیے اور حمزہ کی فکر چھوڑیے۔ ابھی ابھی کوہ قاف کی دُنیا سے ایک شخص آیا ہے اور حمزہ کا یہ پیغام لایا ہے کہ وہ اب ہمیشہ کے لیے وہیں رہیں گے، اور اُنھوں نے کوہ قاف کی ملکہ عذرا پری سے شادی کر لی ہے۔"

عمرو کی یہ باتیں سُن کر مہر نگار پر سکتہ طاری ہو گیا، دماغ چکرانے لگا لیکن پھر خیال آیا کہ عمرو کی عادت ہی مذاق کرنے کی ہے۔ وہ سنبھل کر بولی:

"مجھے تمہاری بات کا اِعتبار نہیں۔ کوہ قاف سے آنے والے شخص سے کہو کہ وہ خود یہاں آن کر حمزہ کا

پیغام مجھے سُنائیے۔
اب تو عَمْرو کی سِٹّی گُم ہوئی۔ کمرے کے باہر ایک پردے کے پیچھے امیر حمزہ چُھپے ہوئے یہ سب گفتگو سُن رہے تھے۔ عَمْرو نے اُن سے جا کر کہا:
"غضب ہو گیا۔ شہزادی مہر نگار کہتی ہے کہ پیغام لانے والے کو میرے پاس لاؤ۔ اب آپ چلیے۔ دیکھیں وہ آپ کو پہچانتی ہے یا نہیں۔"
تب امیر حمزہ خود شہزادی کے قریب گئے اور ادب سے سلام کیا۔ مگر شہزادی اُنھیں دیکھتے ہی خوشی سے چیخ اُٹھی اور روتی ہوئی قدموں پر آن گری۔
امیر حمزہ کی آمد پر شہر تنجہ میں زبردست جشن منایا گیا۔ کئی دن تک چراغاں ہُوا اور آتش بازی چھوڑی گئی۔ یکایک ایک قاصد نے آن کر خبر دی کہ نوشیرواں اور زوبین کا لشکر یہاں سے بھاگ کر دمشق کی جانب چلا گیا ہے اور دمشق کے حاکم کا مہمان ہُوا ہے۔ اس کا نام ہومِ دمشقی تھا اور قوّت کا یہ حال کہ میدان میں چالیس من وزنی سونے کی اینٹ رکھ کر اُس پر کھڑا ہو جاتا اور چار سو قوی ہیکل پہلوان مِل کر زور کرتے لیکن ہومِ دمشقی ٹس سے مس نہ ہوتا لیکن

جب وہ اپنا پاؤں ہلاتا تو سب کے سب پہلوان قلابازیاں کھاتے ہوئے دُور جا گرتے۔

دمشق کے قریب پہنچ کر نوشیرواں نے شہر سے باہر ڈیرے ڈال دیے اور بختک وزیر سے کہا کہ تو جا کر ہوم دمشقی کو ہماری آمد کی خبر کر، تاکہ وہ ہمارے استقبال کو آئے۔ بختک نامُراد ہوم کے دربار میں گیا۔ جاتے ہی اُس کے سامنے سجدے میں گر پڑا اور اپنی ناک عاجزی سے زمین پر رگڑنے لگا۔ بختک کی یہ حرکت دیکھ کر ہوم ہنسا اور کہنے لگا:

"جس بادشاہ کے لیے ایسے ذلیل اور خوشامدی وزیر ہوں وہ کیوں نہ ذلیل و خوار ہو۔"

پھر اُس نے بختک کو حکم دیا کہ آدمیوں کی طرح سیدھا کھڑا ہو اور اپنے آنے کی غرض بیان کر۔" بختک نے اِبتدا سے اِنتہا تک سارا قصّہ نوشیرواں کی پریشانیوں کا عرض کیا۔ تب ہوم نے کہا کہ تو جا اور نوشیرواں کو میرے پاس لے آ۔ اگر حمزہ ادھر کا رُخ کرے گا تو ایسی سزا دوں گا کہ قیامت تک لوگ یاد رکھیں گے۔ بختک نے سلام کیا اور خوشی خوشی نوشیرواں کے پاس واپس آیا اور

کہنے لگا:

"چلیے حضور، ہوم آپ کو بُلاتا ہے۔"

یہ سُن کر نوشیرواں کا خُون کھول اُٹھا۔ گرج کر کہنے لگا: "او بد ذات، تُو نے ہمارے رُتبے کو یہاں تک گرایا کہ اب ہم خُود ہوم کے طلب کرنے پر اُس کے پاس حاضر ہوں گے؟ وہ خُود کیوں نہیں آیا۔ ضرور تیری شرارت ہے۔"

یہ کہہ کر جلّاد کو طلب کیا اور حُکم دیا کہ اِس بد بخت کا سر تن سے جُدا کرو۔ جلّاد نے کُلہاڑا سنبھالا اور بختک کی طرف بڑھا، مگر بزُرج مہر ہاتھ باندھ کر نوشیرواں کے سامنے آیا اور کہا:

حضُور یہ شخص نادان اور جاہل ہے اور جاہل کو مارنا بادشاہ کی شان کے شایاں نہیں۔ آپ اِسے معاف کردیں اور مجھے اِجازت دیں کہ میں ہوم دمشقی کے پاس جاؤں اور اُسے حضُور کا اِستقبال کرنے کے لیے آمادہ کروں۔"

بزُرج مہر کی سفارش پر نوشیرواں نے بختک کا قصُور معاف کیا اور بزُرج مہر کو اِجازت دی کہ وہ ہوم کے پاس جائے۔ تب بزُرج مہر نے پانچ سو حبشی غُلاموں

کو اپنے ساتھ لیا، ایک ہزار سفید ہاتھی سجائے اور نہایت شان و شوکت سے ہوم کے دربار میں گیا۔ ہوم پر بُزرج مہر کا ایسا رُعب پڑا کہ بے اِختیار تعظیم کو اُٹھا اور سلام کر کے اُن کے ہاتھ چُومے، اپنے برابر تخت پر بٹھایا اور کہا:

"جناب نے کیسے تکلیف فرمائی؟ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بیان فرمایئے؟"

خواجہ بُزرج مہر نے رُعب سے کہا۔ "اے بادشاہ، شہنشاہ نوشیرواں تیرے علاقے میں آئے اور تو اُس کا اِستقبال تک نہ کرے۔ نہایت رنج اور افسوس کا مقام ہے۔ فوراً نوشیرواں کی خدمت میں حاضری دے اور عزّت و اِحترام کے ساتھ یہاں لا۔"

یہ سُن کر ہوم بے حد شرمندہ ہُوا۔ اُسی وقت لاؤ لشکر کے ساتھ شہر کے باہر گیا اور نوشیرواں کے قدم چُوم کر کہا:

"حضُور، یہ غُلام گستاخی کی معافی چاہتا ہے۔ آپ عادل شہنشاہ ہیں۔ اُمّید ہے میری گستاخی معاف فرمائیں گے۔ آپ بے خوف ہو کر میرے محل میں قیام کیجیے اگر وہ عرب جس کا نام حمزہ ہے، اِدھر آیا تو اُس

کے دونوں کان اُکھاڑ ڈالوں گا۔"
نوشیرواں خوش ہوا لیکن خواجہ بزرجمہر ہوم دمشق کی اِس بڑ پر مُسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

چالیس دن تک مکمّل آرام کرنے کے بعد امیر حمزہ نے اپنے دوستوں اور پہلوانوں کو جمع کیا اور اُن سے پُوچھا کہ نوشیرواں آج کل کہاں ہے؟ کسی سے جواب نہ بن پڑا۔ آخر عمرو عیّار نے کہا:
"میں نے آئینہ سکندری میں دیکھ کر معلوم کیا ہے کہ نوشیرواں ان دنوں دمشق کے بادشاہ ہوم کے محل میں ہے اور ہوم نے دعویٰ کیا ہے کہ اگر حمزہ اِدھر آیا تو اُس کے کان جڑ سے اُکھیڑ ڈالوں گا۔"
عمرو کے مُنہ سے یہ جُملہ سُن کر امیر حمزہ کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا۔ کہنے لگے:
"دوستو، خُدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اگر ہوم نے میرے بارے میں یہ دعویٰ کیا ہے تو اِنشاء اللّٰہ میں اُسی کے کان اُکھاڑوں گا۔"
یہ کہہ کر اُسی وقت اپنی فوج کو تیاّری کا حُکم دیا اور راتوں رات منزلیں طے کرتے ہُوئے دمشق کی

فصیل کے باہر پڑاؤ ڈال دیا۔ ہوم دمشقی نے فوراً شہر پناہ کے دروازے بند کرا دیئے اور خندق میں پانی چھڑوا دیا۔ اِس کے بعد اُس نے حمزہ کے پاس اپنا ایک قاصِد یہ پیغام دے کر بھیجا کہ خیر چاہتے ہو تو جہاں سے آئے ہو وہیں ٹھنڈے ٹھنڈے لوٹ جاؤ ورنہ ایسی عِبرت ناک سزا دُوں گا کہ لوگ قیامت تک ڈرا کریں گے۔"

تب امیر حمزہ نے قاصِد سے کہا کہ تُو یہاں سے چلا جا، ہم اپنے آدمی کے ہاتھ تھوڑی دیر میں اِس پیغام کا جواب بھیجتے ہیں۔ پھر اُنھوں نے مُقبل وفادار سے کہا کہ قلم دوات لاؤ اور ایک خط ہوم دمشقی کے نام لکھو۔ اس خط کا مضمون یہ تھا :

"اے بدبخت شخص، تجھ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں امیر حمزہ ہُوں اور اللہ تعالیٰ کے حُکم سے ظالموں کو سزا دینے کے لیے مقرّر کیا گیا ہوں میں نے بڑے بڑے زور آور اور قوی ہیکل پہلوانوں کے سر نیچے کیے ہیں اور اُن کی پُشتیں زمین سے لگائی ہیں۔ میں اٹھارہ برس کوہ قاف کی انوکھی دُنیا میں رہ کر آیا ہوں

دہاں میں نے ہزاروں خبیث دیووں کو موت کے گھاٹ اُتارا ہے۔ اُن کے آگے تیری کیا ہستی ہے۔ اپنا بھلا چاہتا ہے تو میرے قدموں پہ آ کر گر جا اور دُشمنوں کو میرے حوالے کر دے ورنہ قسم ہے پیدا کرنے والے کی کہ تجھے جیتا نہ چھوڑوں گا اور تیرے قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا کر گدھے کا ہل پھراؤں گا۔"

مُقبل وفادار نے جب یہ لکھ لیا تو امیر حمزہ نے عَمرو عیّار کو طلب کر کے خط دیا۔ پھر وہ ٹوپی جو شہرستانِ زرّیں سے لائے تھے عَمرو کو عطا کی اور کہا کہ یہ انمول تحفہ ہم تجھے دیتے ہیں۔ عَمرو نے اُلٹ پلٹ کر اس ٹوپی کو دیکھا اور مُنہ بنا کر کہا:

"ایسی بھدّی ٹوپی میں نے اپنی عُمر میں پہلی مرتبہ دیکھی ہے۔ کیا جنابِ والا کو اس ٹوپی کے لیے میرا ہی سر فالتو نظر آیا ہے؟"

امیر حمزہ نے ہنستے ہوئے وہ ٹوپی عَمرو کے ہاتھ سے لی اور اپنے سر پر رکھ لی۔ ٹوپی کا سر پر رکھنا تھا کہ امیر حمزہ سب کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

یہ دیکھ کر عمرو چلّا اُٹھا:

"حمزہ بھائی، تمہیں خُدا کا واسطہ یہ ٹوپی مُجھ کو دے دو۔ اس میں تو وہی خاصیّت ہے جو میرے سبز کمبل میں ہے۔"

تب حمزہ نے ٹوپی اُتاری اور سب کو دکھائی دینے لگے۔ عمرو نے وہ ٹوپی اُن سے لے کر اسے بوسہ دیا اور کہنے لگا:

"ابھی شہر دمشق کے اندر جاتا ہوں اور نوشیرواں بختک، ژوبین اور ہومر کے جُوتے مارتا ہوں۔"

یہ سُن کر حمزہ ناراض ہوئے اور کہا:

"خبردار، ایسی ذلیل حرکت نہ کیجیو، ورنہ دُنیا کے بہادروں میں میرا نام کبھی نہ لکھا جائے گا۔ اگر تو اِس اِرادے سے جا رہا ہے تو یہ ٹوپی واپس کر۔ واقعی یہ تیرے لائق نہیں۔"

تب عمرو نے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ وہ کوئی گری ہوئی حرکت نہ کرے گا اور خط پہنچا کر واپس چلا آئے گا۔

عمرو نے شہر پناہ کے قریب پہنچ کر پہرے داروں سے کہا:

”مجھے اندر آنے دو۔ امیر حمزہ کا قاصد ہوں اور
ہوم کے نام خط لے کر آیا ہوں“
پہرے داروں نے ہوم کو خبر کی۔ اُس وقت ژوپین
ہوم کے پاس بیٹھا تھا۔ اُس نے پہرے داروں سے
کہا جاؤ قاصد سے اس کا نام پوچھ کر آؤ۔ ایک پہرے دار
نے ادب سے کہا:
”حضور، ہم نے پہلے ہی اس کا نام پوچھ لیا ہے
وہ اپنا نام عمرو بتاتا ہے۔“
یہ سن کر ژوپین کے ہوش اُڑے اور ہاتھ پیروں
پر لرزہ طاری ہوا۔ ہوم دمشقی نے جب ژوپین کی
یہ حالت دیکھی تو حیران ہو کر کہنے لگا: ”اے ژوپین
خیر تو ہے۔ تمہاری حالت کیوں بگڑی؟“
ژوپین نے ہکلاتے ہوئے کہا: ”اے ہوم، میں
اس شخص عمرو سے بے حد ڈرتا ہوں۔ اگر ہزار حمزہ
ہوتے تب بھی کوئی پروا نہ تھی مگر اِس ایک شخص
عمرو کا ہونا حد درجہ مصیبت اور آفت ہے۔ آدمی
نہیں چھلاوہ ہے۔ اِس سے تو شیطان بھی پناہ مانگتا
ہے۔“
ہوم اور بھی حیران ہوا اور پوچھنے لگا: ”کیا یہ

شخص ایسا ہی جواں مرد اور پہلوان ہے؟"
"پہلوان تو نہیں مگر بڑے بڑے پہلوان اُس کے نام اور کام سے کانپتے ہیں" ژوبین نے جواب دیا۔
اِتنے میں بختک بھی وہاں آن پہنچا اور اُس نے جب سُنا کہ عَمرو قاصد بن کر آیا ہے تو اُس کے چہرے کا رنگ ہلدی کی طرح پیلا پڑ گیا۔ وہ ہوم سے کہنے لگا:
"حضُور، آپ اِس قاصد کو باہر ہی سے لوٹا دیں اگر یہ شہر میں آ گیا تو سب کچھ تلپٹ کر دے گا اور کوئی اُس کا کچھ بگاڑ نہ سکے گا۔"
"بھئی اب تو ہم ایسے شخص سے ضرور ملیں گے۔" ہوم نے کہا" ذرا دیکھیں تو کیا چیز ہے۔"
اُس نے پہرے داروں کو حکم دیا کہ قاصد کو فوراً ہمارے حضُور پیش کیا جائے۔ دم کے دم میں پہرے داروں نے عَمرو کو ہوم کے پاس پہنچا دیا عَمرو کی عجیب و غریب صُورت اور حُلیہ دیکھ کر ہوم بے اِختیار کِھل کِھلا کر ہنس پڑا اور دیر تک ہنستا رہا۔ تب عَمرو نے للکار کر کہا:
"زیادہ دانت نہ نکال۔ ایسا نہ ہو کہ تُجھے اس

سے زیادہ رونا پڑے"۔
"دُنیا میں ایسا کون جواں مرد ہے جو مجھے رُلا
ہوم نے گرج کر کہا۔
"اِس میں کون سی جواں مردی خرچ ہوتی ہے، کہو
ابھی آٹھ آٹھ آنسو رُلا دوں"۔ عَمرو نے کہا۔
یہ سُن کر ہوم غُصّے سے لال پیلا ہوا اور سپاہیو
سے کہا کہ پکڑ لو اِس بدمعاش کو۔ ہم سے گستاخی
ہے۔ سپاہی اور غلام چاروں طرف سے عَمرو پر جھپ
مگر اُس نے سُلیمانی ٹوپی سر پر رکھی اور اُن کی
نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ہوم حیرت سے اِدھر اُدھ
دیکھتا ہی رہ گیا۔ پھر عَمرو ہوم کے قریب پہنچا، اور
اُچھل کر ایک لات اُس کے دائیں جبڑے پر اِس زور
جمائی کہ جبڑا گھوم گیا۔ ہوم کے دائیں ہاتھ اُس
وزیر اعظم بیٹھا تھا۔ اُس نے خیال کیا کہ یہ حرکت
وزیر اعظم نے کی ہے، اُس نے ایک گھونسا وزیر
کے اِس زور سے مارا کہ وہ بدنصیب ہوا میں تنکے
کی طرح اُڑتا ہوا شہر پناہ سے باہر جا گرا اور گر
ہی مر گیا۔
پھر عَمرو نے ہوم کے بائیں جبڑے پر لات جما

اُس رُخ پر ژوپین بیٹھا تھا۔ ہوم نے غضب ناک نظروں سے ژوپین کو دیکھا اور کہا:" اے بادشاہ، ذرا اپنے حواس میں رہ۔ آیندہ ایسی حرکت کی تو وہاں ماروں گا جہاں پانی نہ ملے!"

یہ سُن کر ژوپین حیران ہُوا۔ کہنے لگا" آخر بات کیا ہے جو تو مجھ پر ناراض ہوتا ہے؟"

"تُو نے میرے جبڑے پر مُکّا کیوں مارا؟" ہوم نے آنکھیں نکال کر کہا۔

ژوپین نے قہقہہ لگایا اور کہا" مجھے مُکّا مارنے کی کیا ضرورت ہے۔ ارے بھائی، یہ شرارتیں عَمرو عیّار کر رہا ہے!"

ابھی ژوپین نے اپنی بات پُوری کی ہی تھی کہ دھم سے ایک لات اُس کے پیٹ پر پڑی اور وہ دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑ کر دوہرا ہو گیا۔ اس کے بعد بختک کی پیٹھ پر دُوسری لات پڑی اور وہ لُڑھکنیاں کھاتا ہُوا سپاہیوں کے قدموں میں جا گرا۔ اب تو ہوم کے حواس بھی جواب دے گئے۔ پُکار کر کہا:

"اے عَمرو، تیری یہ حرکتیں اچھّی نہیں۔ کیا حمزہ نے

تجھے یہی تعلیم دی ہے کہ قاصد بن کر کسی کے
جاؤ اور ایسی اوچھی حرکتیں کرو۔"
تب عَمرو نے سر سے سلیمانی ٹوپی اُتاری اور
لگانے لگا۔ پھر کہا "میں نے تجھے پہلے ہی
دیا تھا کہ زیادہ دانت مت نکال ورنہ روئے گا
ہوم اپنے ہونٹ کاٹنے لگا لیکن کچھ جواب
دیا۔ آخر عَمرو نے حمزہ کا خط نکال کر اُس کی طرف
پھینکا اور کہا: "اِسے پڑھ کر مجھے جواب دے تاکہ
حمزہ سے کہوں۔"
ہوم نے خط پڑھا۔ اُس کے چہرے پر ایک
رنگ آتا، ایک جاتا۔ جب خط پڑھ چکا تو عَمرو
کہا: "حمزہ سے کہنا کہ ہماری رگوں میں بھی خون
ہے۔ ایسی دھمکیاں کسی اور کو دینا۔ میں اِس گستا
کا مزہ عنقریب اُسے چکھاؤں گا۔"
عَمرو وہاں سے رخصت ہو کر اپنے لشکر میں
اور حمزہ سے سارا حال کہا۔ وہ کہنے لگے:
"میں چاہتا ہوں کہ جنگ ہونے سے پہلے
نظر ہوم دمشقی کو دیکھوں۔ میں نے اُس کی قوت
شہ زوری کی بہت داستانیں سنی ہیں۔"

"یہ کون سا مشکل کام ہے"۔ عمرو نے کہا "کل میرے ساتھ چلیے"۔

اگلے روز رات کے وقت امیر حمزہ اور عمرو عیار شہر پناہ کے قریب پہنچے۔ خندق کو تیر کر پار کیا۔ پھر عمرو نے کمند نکال کر فصیل پر پھینکی۔ اس کے سہارے دونوں اوپر چڑھ کر شہر میں داخل ہو گئے اور ایک سرائے میں جا کر سو رہے۔ صبح صبح اُٹھے اور اُس میدان کا رُخ کیا جس میدان میں ہوم دشقی ورزش کیا کرتا تھا۔

عمرو نے اپنی وضع سوداگروں کی سی بنائی اور حمزہ کو ایک حبشی غلام بنایا۔ پھر یہ دونوں وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ ہوم چالیس من وزنی سونے کی اینٹ پر پاؤں رکھے کھڑا ہے اور چار سو پہلوان اس کے پیر کو جنبش دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں مگر ہوم کا پاؤں اینٹ پر فولاد کی طرح جما ہوا ہے۔ آخر سب پہلوان تھک کر ہانپنے لگے۔ اتنے میں ہوم نے اپنے پاؤں کو حرکت دی اور سب کے سب پہلوان تنکوں کی طرح اِدھر اُدھر جا گرے۔ امیر حمزہ ہوم کی یہ

قوّت دیکھ کر حیران رہ گئے اور دِل میں خُدا کو یاد کیا کہ یا الٰہی اِس پر فتح دے۔

یکایک عمرو عیّار تماشائیوں کی صف سے نکل کر ہومر کی طرف چلا اور ہاتھ باندھ کر کہا:

"جہاں پناہ کا اِقبال بلند ہو۔ میں ایک غریب سوداگر آپ کے شہر میں آیا ہوں۔ ایک حبشی غلام میرے ساتھ ہے جسے میں نے ایک لاکھ اشرفیوں میں خریدا ہے۔ چند روز تک تو یہ غلام میرا حُکم مانتا رہا مگر اب اِسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ ہو گیا ہے۔ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ جسے چاہتا ہے اُٹھا کر زمین پر دے مارتا ہے۔ بہت سے پہلوان اِس سے پِٹ چکے ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ جہاں پناہ اسے اپنے سامنے طلب فرمائیں اور سزا دیں۔" یہ کہہ کر عمرو عیّار جھوٹ موٹ آنسو بہانے لگا۔

ہومر دمشقی نے ساری داستان سُن کر کہا "اُس حبشی غلام کو فوراً ہمارے حضور میں حاضر کیا جائے۔ ذرا ہم بھی دیکھیں کہ اُس کے بدن میں کتنی جان ہے۔"

تب عمرو نے تماشائیوں کی جانب رُخ کر کے

آواز دی:

"او غلام اِدھر آ اور بادشاہ کے سامنے پیش ہو!"

امیر حمزہ میدان میں آئے۔ عمرو نے اپنی عیاری سے کام لے کر انھیں ایک زبردست حبشی غلام کے روپ میں بدل دیا تھا جس نے بھی انھیں دیکھا عش عش کر اُٹھا۔ خود ہوم نے جب اِس غلام کا ڈیل ڈول دیکھا تو دل پر خوف طاری ہوا مگر پھر سنبھل کر بولا:

"اے غلام، ہم نے تیرے آقا سوداگر سے یہ شکایت سُنی ہے کہ تُو اس کا حکم نہیں مانتا۔"

"آپ نے بالکل صحیح سُنا ہے۔ میں اِس کا حکم کیوں مانوں؟ کسی شخص کو حق نہیں کہ وہ اپنے ہی جیسے انسان کو غلام بنائے اور اُن سے جانوروں کی طرح کام لے۔"

یہ سُن کر غصّے کے مارے ہوم کے مُنہ سے جھاگ اُڑنے لگا۔ آنکھیں سُرخ ہوگئیں۔ وہ سونے کی اینٹ سے نیچے اُتر کر حمزہ کی طرف لپکا، مگر حمزہ نے بڑی پھرتی سے اُچھل کر وار بچایا اور وہی چالیس من وزنی اینٹ اُٹھا کر اِس زور سے ہوم کی کمر

پر ماری کہ وہ پٹخنیاں کھاتا ہوا ایک ہزار گز کے
پرے جا گرا۔ حبشی غلام کی یہ قوت دیکھ کر تماشائیوں
پہلوانوں کے حلق سے چیخیں نکل گئیں اور جس کا جد
مُنہ اُٹھا اُدھر بھاگ نکلا۔ اُدھر عمرو دوڑا ہوا گیا ا
سونے کی اینٹ اُٹھا کر زنبیل میں ڈالی۔ اس
میں ہوم اُٹھ کر دوبارہ حبشی غلام کی طرف بڑھا
پھر مُنہ کی کھائی۔ اس مرتبہ حمزہ نے اُسے سر
اُونچا اُٹھایا اور اس زور سے زمین پر مارا کہ ز
کانپ اُٹھی۔ ہوم کی پسلیاں ٹوٹیں اور ناک کے ر
خون جاری ہوا۔

اتنے میں ژوپین اور بختک نامُراد بھی وہاں
پہنچے۔ اُنھوں نے ایک حبشی غلام کو دیکھا کہ شیر
طرح بپھرا ہوا میدان میں چکر لگا رہا ہے اور
زمین پر پڑا سسکتے ہوئے مرغ کی مانند پھڑک رہا ہے۔ مید
سے سونے کی اینٹ بھی غائب ہے۔ بختک
سمجھ گیا کہ حبشی غلام اور سوداگر کے بھیس میں
حمزہ اور عمرو عیار ہیں۔ اُس کے اوسان خطا ہو
شہر میں جا کر فوج کو جمع کیا اور میدان میں
آیا۔ حمزہ نے بھی دونوں ہاتھوں میں تلواریں سنبھا

اور دُشمن پر بجلی بن کر ٹُوٹے۔ نہ جانے کتنے دُشمنوں کو جہنّم رسید کیا۔ میدان میں ہر طرف خُون ہی خُون تھا یا کٹے ہوئے ہاتھ بکھرے پڑے تھے۔

یکایک ہوم دمشقی پیچھے سے آیا اور امیر حمزہ پر بے خبری میں تلوار کا وار کیا۔ عَمرو چلّایا کہ خبردار، بزدل ہوم پیچھے سے وار کرتا ہے لیکن اِس سے پہلے کہ حمزہ سنبھلیں، ہوم کی تلوار حمزہ کے سر کو زخمی کر گئی۔ اُنھوں نے پلٹ کر ہوم کو دیکھا اور اُسے مارنے کے لیے لپکے مگر وہ بے تحاشا بھاگتا ہُوا اپنے محل میں جا چھپا۔ امیر حمزہ کے سر سے خُون کا فوّارہ جاری تھا، وہ لمحہ بہ لمحہ کم زور ہوتے جا رہے تھے۔ عَمرو اُنھیں سہارا دیتا ہوا دروازے کی جانب لے گیا۔ دروازے پر بھی گھمسان کی جنگ ہوئی۔ آخر حمزہ نے دروازے پر لات ماری۔ اُس کا ایک کواڑ ٹوٹ کر گرا۔ پھر انھوں نے پانی سے بھری ہوئی خندق پار کی اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ لندھور اور مُقبل وفادار وغیرہ بھاگے بھاگے آئے اور اُن کو اُٹھا کر لے گئے۔

اُدھر ہوم نے نوشیرواں کو یہ خوش خبری سُنائی کہ حمزہ کا سر پھاڑ آیا ہوں اور اب وہ زیادہ دیر تک

زندہ نہ رہ سکے گا۔ عین اُسی وقت بہت سے سپاہی زخمی حالت میں وہاں آئے اور اُنھوں نے بتایا کہ حمزہ نے لات مار کر دروازہ توڑ دیا اور خندق پار کر کے اپنے لشکر سے جا ملا۔

یہ سُن کر نوشیرواں ہوم دمشقی سے کہنے لگا: "تم کہتے ہو کہ میں نے حمزہ کا سر پھاڑ دیا ہے اور وہ زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکے گا مگر یہ سپاہی کہتے ہیں کہ اُس نے لات مار کر شہر پناہ کا دروازہ توڑ دیا ہے۔" ہوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور وہ شرمندہ ہو کر وہاں سے چلا گیا۔

امیر حمزہ کے سر کا زخم مرہم سُلیمانی لگانے سے چند روز کے اندر اندر ٹھیک ہو گیا اور اُنھوں نے دمشق پر دوبارہ حملہ کرنے کا اِرادہ کیا مگر اُنھی دنوں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ بختک بدمعاش نے موقعے سے فائدہ اُٹھا کر اپنے ایک آدمی کے ذریعے ایک خط شہزادی مہر نگار کے پاس بھیجا جس میں لکھا تھا:

"شہزادی مہر نگار کو معلوم ہو کہ حمزہ نے چوری چھپے حلب کی ایک شہزادی سے شادی کر رکھی ہے۔ یہ شہزادی ناصر شاہ کی بیٹی ہے

اور حمزہ کا ایک بیٹا بھی ہے جو اب جوان ہو گیا ہے۔ حمزہ نے اب تک تجھے دھوکے میں رکھا ہے۔ اب بھی موقع ہے کہ اس کے پنجے سے اپنے آپ کو آزاد کر لے اور اپنے باپ شہنشاہ نوشیرواں کے پاس چلی آ۔ ہم تیری خیر خواہی کے لیے کہتے ہیں۔ آگے تجھے اختیار ہے۔"
فقط: بختک

بختک مکّار کا یہ خط جب شہزادی مہر نگار نے پڑھا تو اُس کے دل میں بھی طرح طرح کے شک اور شبے سر اُٹھانے لگے۔ اُس نے سوچا بختک ٹھیک کہتا ہے۔ حمزہ نے ضرور ناصر شاہ کی بیٹی سے شادی کر لی ہو گی۔ وہ اتنی رنجیدہ ہوئی کہ کھانا پینا، ہنسنا بولنا چھوڑ دیا اور اٹوائی کھٹوائی لے کر پڑ گئی۔ سب نے بہت پوچھا کہ کیا ماجرا ہے، مگر شہزادی نے زبان نہ کھولی۔ آخر امیر حمزہ خود آئے اور پوچھنے لگے:

"اے شہزادی، تجھے کیا ہُوا ہے جو تُوں رنجیدہ ہے اور کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے؟"

تب مہر نگار نے رُکھائی سے کہا:

"اے حمزہ، مجھ سے کلام نہ کر۔ تو نے مجھے دھوکا

دیا اور ناصر شاہ کی بیٹی سے چپ چاپ شادی کرلی
میں نے سنا ہے کہ تیرے ایک بیٹا بھی ہے۔ میں
اب اپنی قسمت کو رو رہی ہوں۔ جیسا کیا ویسا پایا۔ آئندہ
مجھے اپنی صورت نہ دکھانا۔"

یہ کہہ کر زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ امیر حمزہ کو
شہزادی کی یہ باتیں بے حد ناگوار گزریں اور جب
سمجھانے بجھانے کے باوجود اُس کی ناراضی دُور نہ
ہوئی تو حمزہ بھی طیش میں آ گئے اور کہنے لگے:
"میں بھی تیری صورت دیکھنے کا روادار نہیں۔
شہزادہ اولاد مرزبان ہی تیرے لائق ہے۔ اُسے بلا کر
تجھے اُسی کے سپرد کرتا ہوں۔"

اُسی وقت اولاد مرزبان کو اپنے پاس بلایا۔ وہ
کانپتا ہاتھ جوڑتا ہوا آیا اور چپ چاپ کھڑا رہا۔
حمزہ نے اُسے گلے سے لگایا اور کہا: "بھائی، مجھے
معاف کر دینا۔ جہاں تیرا جی چاہے چلا جا اور شہزادی
مہرنگار کو بھی اپنے ساتھ لے جا۔"

لندھور، عمرو عیار اور مقبل وفادار نے جب امیر حمزہ
کی زبان سے یہ بات سنی تو حیران ہوئے اور اُنھیں
اِس خیال سے باز رکھنے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر

اُنھوں نے کسی کی ایک نہ سُنی اور گرج کر کہنے لگے: "مجھے قسم ہے، اگر کل صُبح یہاں میں نے مہر نگار کو دیکھا تو اُسے جیتا نہیں چھوڑوں گا۔"

اب تو سب حیران پریشان ہوئے۔ مہر نگار کو اُس وقت اپنی غلطی معلوم ہُوئی اور دل میں سوچا کہ حمزہ سچ کہتے ہیں۔ بے اختیار رو پڑی اور معافی مانگنے لگی۔ لیکن حمزہ نے کہا:

"بہتر یہی ہے کہ تم اس وقت یہاں سے چلی جاؤ۔ میں قسم کھا چُکا ہوں اور اگر میں نے کل صُبح تمہاری شکل دیکھ لی تو زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

تب مہر نگار نے سر جُھکا لیا اور عمرو عیّار سے کہنے لگی: "بھائی عمرو، تم میرے ساتھ چلو۔"

عمرو نے سر کُھجاتے ہوئے جواب دیا: "میرے خیال میں مُقبل وفادار کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں پھر حاضر ہوں گا۔"

مُقبل وفادار امیر حمزہ کے پاس آیا اور عرض کی کہ اگر حکم ہو تو میں مہر نگار کے ساتھ جاؤں۔ اُنھوں نے کہا جاؤ۔ تب مُقبل نے حمزہ کے قدم چُومے اور اپنے سواروں سمیت مہر نگار کے ساتھ روانہ

ہوا۔ اولاد مرزبان بڑا خوش تھا اور زمین پر قدم نہ رکھتا تھا لیکن مہر نگار نے اُسے کہلا بھیجا کہ تو اب بھی میرا غلام ہے اور خبردار کسی گستاخی یا بے ادبی کا خیال دل میں نہ لانا ورنہ اپنا خنجر تیرے سینے میں اُتار دوں گی۔

اولاد مرزبان یہ پیغام سُن کر بے حد ڈرا اور دل میں کہا شہزادی سچ کہتی ہے۔ مجھے کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اپنی جان کھوؤں۔ بہتر یہ ہے کہ پہلے اسے اپنے شہر میں لے جاؤں اور بعد میں زبردستی شادی کرلوں۔

یہی سوچتا ہوا وہ اپنے شہر میں پہنچا اور اپنے چھوٹے بھائی کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ نہایت دھوم دھام سے شہزادی مہر نگار کے استقبال کو روانہ کیا۔

اولاد مرزبان کا چھوٹا بھائی اطمینان سے حکومت کر رہا تھا اس کے وہم میں بھی نہ تھا کہ بڑا بھائی اچانک آجائے گا اور تخت و تاج اُس کے حوالے کرنا پڑے گا۔ جب مُقبل وفادار سے اُس کی مُلاقات ہوئی تو مُقبل نے اُس کے کان میں کہا:

" اولاد مرزبان تو پاگل ہوگیا ہے اپنی شکل صُورت آئینے میں دیکھتا نہیں اور چلا ہے نوشیرواں کی بیٹی سے شادی کرنے،

خود شہزادی بھی اُس سے نفرت کرتی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ تجھ سے شادی کرنے پر تیار ہو جائے گی۔ مگر اِس سے پہلے یہ کام کر کہ اپنے شہر میں واپس جا اور اولاد مرزبان کو مار ڈال۔"

چھوٹے بھائی کی کھوپڑی میں یہ بات سما گئی۔ شہزادی مہر نگار سے شادی کرنے کی خوشی میں بالکل اندھا ہو گیا۔ سوچے سمجھے بغیر شہر واپس آ گیا اور اولاد مرزبان کا سر تن سے جُدا کیا۔ تب مقبل نے ہوشیاری سے کام لے کر اس بے وقوف کو بھی ٹھکانے لگایا اور اپنی فوج کی مدد سے شہر پر قبضہ کر کے حکومت سنبھال لی۔

اُدھر امیر حمزہ نے شہزادی مہر نگار کو رخصت تو کر دیا، لیکن بے حد رنجیدہ رہنے لگے۔ ہنسنا بولنا بالکل چھوڑ دیا اور یار دوستوں کو سختی سے ہدایت کر دی کہ کوئی شخص میرے سامنے مہر نگار کا ذکر نہ کرے۔ بختک اور ژوبین وغیرہ کو اس قصّے کا علم ہُوا تو بے حد خوش ہوئے اور بغلیں بجانے لگے۔ بختک نامُراد نے نوشیرواں کو نمک مرچ لگا کر سارا قصّہ سُنایا اور کہا:

"جہاں پناہ، یہ آپ کی سخت توہین ہے کہ حمزہ نے شہزادی مہر نگار کو یوں نکالا۔ اب سنا ہے اولاد مرزبان اُسے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔"

نوشیرواں اپنی پیاری بیٹی کی یاد میں دیر تک آنسو بہاتا رہا۔ آخر اُس نے مدائن جانے کا فیصلہ کیا۔ دمشقی نے بہتیرا منع کیا کہ فصیل کے باہر امیر حمزہ لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے اور ہر طرف سے راستے بند ہیں۔ آپ کیوں کر مدائن جائیں گے۔ لیکن نوشیرواں نے ایک نہ سُنی اور قاصد کے ذریعے حمزہ کو کہلا بھیجا کہ میری تمہاری دُشمنی نہ پہلے تھی نہ اب ہے۔ اِس لیے میرا راستہ نہ روکو اور مجھے مدائن جانے دو۔ امیر حمزہ نے بادشاہ کا یہ پیغام سُنا تو پچھلی باتیں یاد آئیں اور بے اِختیار آنکھوں میں آنسو بھر آئے نوشیرواں کو جواب بھیجا کہ میں اب بھی آپ کا خادِم ہوں۔ دُشمنوں نے میرے خلاف آپ کے کان بھرے ہیں۔ آپ بخوشی مدائن جا سکتے ہیں، لیکن ہومان اور زوبین کی سفارش نہ کیجیے۔ کیوں کہ ان دونوں کو میں اپنے ہاتھ سے ہلاک کرنے کی قسم کھا چکا ہوں۔

امیر حمزہ کا یہ پیغام پا کر نوشیرواں اپنی بچی کھچی

فوج کے ساتھ شہر دمشق سے باہر نکلا اور مدائن کی جانب چل دیا۔ بختک اُس کے ساتھ جانا نہیں چاہتا تھا مگر اِنکار کرنے کی جُراَت نہ ہوئی۔

جب نوشیرواں چلا گیا تو حمزہ نے ایک روز دمشق پر زور دار حملہ کیا۔ تین دن تک نہایت گھمسان کی جنگ ہوئی۔ ہزاروں سپاہی ہلاک اور زخمی ہوئے۔ آخر میں ہوم دمشقی حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا۔

ژوپین اپنی عیاری اور چالاکی کی وجہ سے بچ گیا اور اپنی فوج کو بھی بچا کر وہاں سے بھاگا اور کوہستان میں جا کر بہمن بادشاہ کے پاس پناہ لی۔ بہمن بڑا زور آور اور زبردست بادشاہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اُس کی فوج میں دس لاکھ سپاہی تھے اور ہر سپاہی فولاد کی زِرہ پہنتا تھا۔ کوہستان کے ہزاروں میل لمبے چوڑے علاقے پر اُس کی حکومت تھی اور وہ اپنے آپ کو نوشیرواں سے بھی بڑا بادشاہ سمجھتا تھا۔ ایک دفعہ اُس نے شہزادی مہر نگار سے شادی کی خواہش بھی ظاہر کی تھی جسے نوشیرواں نے بڑی حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ بہمن کو نوشیرواں پر حملہ کرنے کی جُراَت تو نہ ہوئی مگر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا اور جنگ

کے منصوبے بناتا رہا۔ اب ژوبین کی زبانی نوشیرواں کی تباہی و بربادی کا قصّہ سُن کر بہت خوش ہوا اور پوچھنے لگا: "شہزادی مہر نگار آج کل کہاں ہے؟ مجھے جلد آگاہ کرو تاکہ میں اُسے اپنے قبضے میں لاؤں۔"

ژوبین کم بخت نے اُسے بتایا کہ "حمزہ نے ناراض ہو کر شہزادی کو اولاد مرزبان کے حوالے کیا ہے اور وہ اُسے لے کر اپنے شہر کو چلا گیا ہے مگر مجھے یقین ہے کہ وہ شہزادی سے شادی کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔" دراصل اِس وقت تک یہ بات کسی کو بھی معلوم نہ تھی کہ اولاد مرزبان کا کیا حشر ہوا اور اُس کے شہر پر کس کی حکومت ہے۔

امیر حمزہ کے بیٹے

نوشیرواں مدائن جانے کے بجائے اولاد مرزبان کے شہر میں گیا۔ وہاں معلوم ہوا کہ مُقبل وفادار کی حکومت ہے۔ اولاد مرزبان کو اُس کے چھوٹے بھائی نے ہلاک کیا اور چھوٹے بھائی کو مُقبل وفادار نے جہنّم رسید کیا۔ شہزادی مہر نگار نے اپنے باپ کے آنے کی خبر پائی تو بے حد خوش ہوئی اور شہر سے باہر نکل کر اُس کا اِستقبال کیا۔ نوشیرواں نے اُسے گلے سے لگایا اور کہا:

"بیٹی، اب تُم میرے ساتھ مدائن واپس چلو اور وہیں رہو۔ مُجھے یقین ہے کہ حمزہ کی ناراضی کُچھ عرصے بعد دُور ہو جائے گی۔"

تب شہزادی نے بختک کا لکھا ہُوا رقعہ نکال کر نوشیرواں کو دکھایا۔ اس وقت خواجہ بزرجمہر نے

بھی یہ رُقعہ دیکھا اور سمجھ گئے کہ ساری شرارت اسی بدمعاش کی ہے۔ نوشیرواں کے چہرے کا رنگ لال بھبھوکا ہو گیا۔ بختک یہ کیفیّت دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگا اور جھٹ بادشاہ کے پیروں پر گر پڑا۔ نوشیرواں نے اُسے ٹھوکر ماری اور کہا:

"اے نامُراد، ہم نے ہمیشہ تیری خطائیں معاف کی ہیں مگر اب تیری حرکتیں حد سے زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ حمزہ کی دُشمنی میں تُو نے ہمارا اور ہماری بیٹی کا بھی خیال نہ کیا۔ بہتر یہی ہے کہ تیرے ناپاک جسم کی بوٹیاں کر کے کُتّوں کے آگے ڈال دی جائیں۔"

یہ کہہ کر جلّاد کو طلب کیا۔ ایک حبشی شیر کی کھال اوڑھے اور کندھے پر چار من وزنی کُلہاڑا رکھے حاضر ہوا۔ نوشیرواں نے اس سے کہا:

"اس بدبخت کو مقتل میں لے جاؤ اور اس کے جسم کی بوٹیاں کر کے کُتّوں اور چیل کوّوں کو کھلا دو۔"

جلّاد نے بختک کے سر کے بال پکڑ کر اُسے زمین پر گھسیٹا اور اپنے ساتھ لے چلا۔ بختک کی چیخیں آسمان تک جا رہی تھیں۔ خواجہ بُزرجمہر بڑے رحم دل بُزرگ تھے۔ اُن سے یہ نظّارہ دیکھا نہ گیا۔ وہ نوشیرواں

کے سامنے گئے اور بختک کی سفارش کرنے لگے نوشیرواں نے کہا:

"خواجہ صاحب آپ ہمیشہ اِس مُوذی کی سفارش کرتے ہیں حالاں کہ یہ آپ کا بھی جانی دُشمن ہے۔

"حضُورِ، میری جان بختک کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اُس کے ہاتھ میں ہے جس نے مُجھے پیدا کیا ہے"

خواجہ بزُرج مہر نے جواب دیا" یہ بے چارا بھلا مجھے کیا مارے گا۔ میں اِس لیے اِس کے ساتھ بھلائی کرتا ہوں کہ شاید یہ کبھی سیدھی راہ پر آجائے"۔

بختک اُٹھ کر خواجہ بزُرج مہر کے قدموں پر گرا اور رونے لگا۔ لیکن اُس کا یہ رونا دھونا سب بناوٹ تھی۔ وہ دل میں یہی کہہ رہا تھا کہ جہاں موقع پاؤں گا، بزُرج مہر کو موت کے گھاٹ اُتار دُوں گا۔ آخر نوشیرواں کو اُس پر رحم آیا۔ جلّاد سے کہا کہ اِس کی پیٹھ پر دس کوڑے مار کر چھوڑ دو۔ جلّاد نے دس کوڑے پُوری قوّت سے بختک کی ننگی پیٹھ پر مارے اُس کی پیٹھ لہُو لہان ہو گئی اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ تب چار غلام اُسے اُٹھا کر لے گئے اور ایک خیمے میں پھینک آئے۔ ایک ماہ تک بختک کی بیوی اُس

کے زخموں پر ہلدی چُونا تھوپتی رہی۔ پھر وہ تندرست ہُوا۔۔۔۔

اِدھر امیر حمزہ نے اپنے لشکر کو کُوچ کا حُکم دیا۔ اُنھیں جاسُوسوں نے خبر دی تھی کہ کوہستان کا بادشاہ بہمن شہزادی مہر نگار کو چھین لانے کی کوشش میں ایک بڑے حملے کی تیّاریاں کر رہا ہے اور عین مُمکن ہے کہ وہ مدائن پر فوج لے کر آ جائے۔ ژوپین تاتاری بھی اپنی فوج لیے اُس کے ساتھ ساتھ ہے۔

امیر حمزہ منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے مدائن کے سامنے پہنچے اور عَمرو عیّار کو نوشیرواں کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ شہر آنے کی اجازت طلب کی جائے عَمرو بادشاہ کے محل میں گیا۔ بادشاہ اِسے دیکھ کر بہت خوش ہُوا۔ شہزادی مہر نگار نے عَمرو کو سارا قِصّہ سُنایا اور بختک کا بھیجا ہُوا جعلی رُقعہ بھی اُس کے حوالے کیا تاکہ حمزہ کو دکھائے۔ نوشیرواں نے شہر کے لوگوں کو حُکم دیا کہ جشن کی تیّاریاں کریں اور حمزہ کا شاندار اِستقبال کر کے اسے شہر میں لائیں۔ یہ سُن کر لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اُسی وقت مدائن کو دُلہن

کی طرح سجانے لگے۔

تین روز بعد نہایت شان و شوکت سے امیر حمزہ اور اُن کے ساتھی مدائن میں داخل ہوئے۔ حمزہ اب سمجھ گئے تھے کہ شہزادی مہر نگار بے قصور ہے اور یہ سب بدمعاشی بختک کی تھی، وہ سیدھے محل میں گئے۔ شہزادی نے اُنھیں سچے دل سے معاف کر دیا اس کے بعد نیک ساعت دیکھ کر نوشیرواں نے اپنی بیٹی کی شادی امیر حمزہ سے کر دی اور سب آپس میں مل جُل کر ہنسی خوشی رہنے لگے۔

اسی طرح کئی سال گزر گئے۔ خُدا نے امیر حمزہ کو شادی کے ایک سال بعد دو بیٹے عطا کیے تھے۔ یہ دونوں نہایت خُوب صُورت اور ذہین تھے۔ حمزہ نے بڑے بیٹے کا نام قباد شہریار اور چھوٹے کا عامر رکھا۔ خواجہ بُزرجمہر، لندھور، عادی پہلوان اور استقفا نوش کی نگرانی میں اِن بچّوں کی تعلیم و تربیت ہونے لگی۔

یہ دونوں بچّے شرُوع ہی سے بے حد نڈر اور بہادر تھے۔ تیر کمان اور تلوار لے کر بے دھڑک جنگل میں گھس جاتے اور درندوں کو مار ڈالتے۔ گھڑسواری نیزہ بازی اور کشتی کے فن میں بھی آہستہ آہستہ انھوں

نے مہارت حاصل کر لی۔ پورے ملک میں اُن کے برابر کوئی نشانچی اور گھڑ سوار نہ تھا۔ حمزہ اور شہزادی مہر نگار اِن لڑکوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے اور اِن کے لیے دُعائیں کرتے۔

بختک نامُراد اِن لڑکوں کو دیکھ دیکھ کر جلتا اور حسد کرتا لیکن بے بس تھا۔ بادشاہ کے کان بھرنے کی کئی مرتبہ کوشش کی مگر کامیاب نہ ہُوا۔ آخر سب حالات زوپین کو لکھ بھیجے اور اُس کو مجبور کیا کہ نوشیرواں کو بھڑکائے تاکہ وہ حمزہ اور اُس کی آل اولاد کو مدائن سے نکالے۔ زوپین مکّاری میں بختک سے بھی کئی قدم آگے تھا۔ اُس نے ایک خط اپنے خاص آدمی کے ہاتھ نوشیرواں کو بھیجا جس میں لکھا تھا ”شہنشاہ نوشیرواں کو معلوم ہو کہ اب اُس کی بادشاہت کے دن ختم ہُوئے۔ حمزہ اب تک شاہی عزت نہیں رکھتا تھا، مگر اب اُس کے ہاں دو بیٹے پیدا ہو گئے ہیں جب وہ بڑے ہوں گے تو تیرا تخت چھین لیں گے اور ایران کی حکومت ایرانیوں کے ہاتھوں سے نکل کر عربوں کے پاس چلی جائے گی اور یہ نہایت ذِلّت کی بات ہو گی۔ بہمن بڑا زور آور اور

بہادر بادشاہ ہے۔ اگرچہ اس کی آپ سے دشمنی ہے
حمزہ کے مقابلے میں وہ اب بھی آپ سے صلح
صفائی کرنے کو تیار ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر نوشیرواں
میرا ساتھ دے تو میں حمزہ کا قصّہ پاک کرنے کا عہد
کرتا ہوں اس طرح سلطنت ہمیشہ ایرانیوں ہی کے پاس
رہے گی۔"

نوشیرواں نے ژوبین کا یہ خط پڑھا تو سوچ میں
ڈوب گیا۔ پھر خواجہ بزرجمہر کو بلا کر خط دکھایا اور
مشورہ طلب کیا۔ بزرجمہر نے کہا:

"اے شہنشاہ، یہ سب دشمنوں کی چالاکی اور عیّاری
ہے۔ امیر حمزہ کو یہ لوگ کبھی شکست نہ دے سکیں
گے اور یہ حسد کی بنا پر آپ کو ایسی ایسی باتیں
لکھتے ہیں۔ اگر حمزہ چاہتا تو اپنی قوّت کے بل بوتے
پر بہت پہلے آپ کا تخت چھین سکتا تھا مگر اُس
نے ایسا نہیں کیا اور نہ آیندہ ایسا کرے گا کیوں کہ
وہ ایک شریف باپ کا بہادر بیٹا ہے۔ اب رہا
تخت و تاج کے ولی عہد کا معاملہ تو امیر حمزہ کے
بیٹے کوئی غیر نہیں۔ آپ ہی کے نواسے ہیں۔ ژوبین
کو لکھ دیجیے کہ حمزہ کے بیٹے اب شاہی خاندان

میں شامل ہیں، اِس لیے میرے بعد اُن کا تخت
بیٹھنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"
خواجہ بزرجمہر نے اپنی طرف سے بادشاہ
دِل سے یہ خیال نکالنے کی بہتیری کوشش کی مگر کا
نہ ہُوا۔ بختک نے موقع پا کر زوبین کی وکالت
کی اور کہا :
"حضُور، آپ ایک مرتبہ بہمن کے پاس کوہستا
چلیے تو سہی۔ اُس کے پاس دس لاکھ سپاہی ہیں
وہ خود بھی ایسا زبردست پہلوان ہے کہ حمزہ جیسے
دس پہلوان بھی اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ آپ
ساری دُنیا میں پہلے ہی بدنام ہو چکے ہیں۔ اب
سلطنت بھی ہمیشہ کے لیے آپ کے خاندان سے
نِکل کر عربوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی۔ کہنے
کو تو عامر اور قباد شہریار آپ کے نواسے ہیں لیکن
بیٹے تو امیر حمزہ کے کہلائیں گے اور نام حمزہ ہی
کا چلے گا۔"
غرض اُس نے نوشیرواں کو اپنی باتوں سے ایسا
ڈرایا کہ وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر بہمن کے پاس
جانے کے لیے تیار ہو گیا اور ایک اندھیری رات

تو اس نے اپنے چند جاں باز ساتھیوں کے ہمراہ
دائن سے باہر قدم رکھا اور تیزی سے کوہستان کی
جانب روانہ ہوگیا۔

اُدھر جاسوسوں نے بہمن کو خبر دی کہ نوشیرواں
مدائن سے آتا ہے۔ وہ یہ خبر سُن کر بے حد خوش
ہوا۔ ژوبین کی پیٹھ ٹھونکی اور کہنے لگا کہ بہت دِن
بعد میرے دِل کی آرزو پُوری ہوئی ہے۔ نوشیرواں سے
گِن گِن کر بدلے نہ لوں تو میرا نام بھی بہمن نہیں
تب ژوبین نے اُسے سمجھایا کہ یہ بات بادشاہوں کی
شان کے خلاف ہے کہ اپنے ہم مرتبہ شخص کے
ساتھ ایسا سلوک کریں۔ اب تمہیں چاہیے کہ تم اس
کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آؤ اور اُس کا دِل
مُٹھی میں لینے کی کوشش کرو۔

بہمن چند منزلیں نوشیرواں کے اِستقبال کو گیا اور
اُسے بڑی عزّت کے ساتھ اپنے عالی شان شہر
میں لایا۔ شہر کی رونق اور بڑی بڑی عمارتیں دیکھ کر
نوشیرواں حیران رہ گیا اور جب اُس نے بہمن بادشاہ
کا محل دیکھا جو آسمان سے باتیں کر رہا تھا تو اس کی
حیرت کی اِنتہا نہ رہی۔ اُس نے دل میں کہا بے شک

بہمن میرے مُقابلے کا بادشاہ ہے اور کیا عجب
یہ حمزہ کو میرے مُلک سے نکالے اور میری سلطنت
دوبارہ مُجھے واپس دلائے۔"

چند روز بعد نوشیرواں کی خواہش پر بہمن نے
ایک خط امیر حمزہ کے نام لکھ کر روانہ کیا۔ اُس
مضمُون یہ تھا:

"اے حمزہ، اب تیری حرکتیں حد سے بڑھتی جا
ہیں۔ تُونے اپنے محسن نوشیرواں کو اِتنا پریشان
ہے کہ وہ مُلک چھوڑ کر ہمارے ہاں پناہ لینے
کے لیے آیا۔ اب مجھ میں صبر کی تاب نہیں
اِس لیے جنگ کے لیے تیّار ہوجا۔ اگر ہمّت
ہے تو میرے مُلک کوہستان میں آ یا مُجھے ا
مُلک پر چڑھ آنے کی اِجازت دے۔ پھر کل
کہیو کہ بہمن نے بے خبری میں حملہ کیا۔"

امیر حمزہ کے پاس جب یہ خط پہنچا تو وہ اپ
دوستوں سے کہنے لگے:

"نوشیرواں کی قسمت ہی میں جب دَر بدَر
ٹھوکریں لکھی ہیں تو ہم کیا کریں۔ میں نے بڑی کوش
کی کہ اُس کے دل سے بُرے بُرے وہم نکال

ڈوں مگر وہ کانوں کا کچّا اور عقل کا کورا ہے۔ بختک اور ٹوپین کے بہکانے سے چُپ چاپ یہاں سے نکلا اور بہمن کے پھندے میں جا پھنسا۔"

اِس کے بعد اُنھوں نے بہمن کے قاصد کو جواب میں خط لکھ کر دیا کہ" اے بہمن، میں نے تیری قوّت اور شان و شوکت کی بڑی تعریف سُنی ہے۔ تجھ سے ملنے کی بھی خواہش تھی۔ اب اچھّا ہوا کہ تُو نے خُود دعوت نامہ بھیج کر مجھے بُلوایا۔ چند دن اور صبر کر۔ مَیں تیرے مُلک میں پہنچتا ہوں اور اس کے بعد تُو خُود اپنا حشر دیکھ لے گا۔"

دوستوں نے امیر حمزہ کو مشورہ دیا کہ اب نوشیرواں خود ہی تخت چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ اِس لیے ضروری ہے کہ دونوں لڑکوں میں سے بڑے لڑکے قباد شہریار کو تخت پر بٹھا دیا جائے۔ امیر حمزہ کو یہ مشورہ بہت پسند آیا اور اُنھوں نے قباد شہریار کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ ایک نیک ساعت اور اچھے دن تخت پر بیٹھنے کی رسم بڑی دُھوم دھام اور شان و شوکت سے ادا کی گئی۔ محتاجوں اور فقیروں میں اشرفیاں لُٹائی گئیں اور چالیس دن تک سلطنت میں جشن رہا۔

بہمن پر حملہ

اِکتالیسویں دن امیر حمزہ نے اپنے لشکر کو تیار ہونے کا حکم دیا اور بڑے کرّوفر سے کوہستان جانب روانہ ہوئے۔ اُدھر بہمن بھی غافل نہ تھا۔ اُس کے جاسوس پَل پَل کی خبریں پہنچا رہے تھے۔ جب اُنھوں نے یہ خبر دی کہ حمزہ کا لشکر کوہستانِ بہمن کے نزدیک آن پہنچا ہے تب بہمن نے اپنے سب سے بڑے بیٹے کو طلب کیا۔ اس کا نام ہومان اور کہتے ہیں کہ قوّت و شجاعت میں اپنے باپ سے بھی بڑھ چڑھ کر تھا۔ بہمن نے اپنے بیٹے سے کہا:

"اے فرزند، ہم نے سُنا ہے کہ حمزہ ہم سے جنگ کرنے کے لیے لاؤ لشکر لے کر سرحدوں کے قریب

آ پہنچا ہے۔ اب تُو فوراً دس ہزار زرہ پوش سوار لے کر جا اور اُن کا راستہ روک تاکہ وہ پہاڑ پر نہ چڑھ سکیں۔"

ہُومان نے نیام سے تلوار نکال کر اُسے بوسہ دیا، گردن جُھکائی اور باپ کو فوجی سلام کرکے اُلٹے قدموں لوٹا۔ وہ دس ہزار سوار لے کر ایک بلند پہاڑ کے دامن میں داخل ہُوا اور پہاڑ پر اپنے سواروں کو چڑھا دیا۔ حمزہ کے لشکر کا پہلا دستہ عادی پہلوان کی نگرانی میں سب سے آگے تھا اور جُونہی یہ دستہ دو پہاڑوں کے درمیان واقع ایک تنگ درے میں داخل ہُوا، پہاڑ پر سے کئی کئی من وزنی پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ اِس کے ساتھ ہی ہزاروں کی تعداد میں تیر سنسناتے ہوئے آنے لگے۔

عادی پہلوان کے حواس گُم ہو گئے۔ اپنی جان بچانے کی خاطر ایک بڑی چٹان کے نیچے جا چُھپا اور وہیں سے حلق پھاڑ پھاڑ کر اپنے سپاہیوں پر حُکم چلاتا رہا لیکن تھوڑی ہی دیر میں اُس دستے کے بہت سے سپاہی ہلاک ہو چُکے تھے اور باقی سپاہی بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر پناہ لینے کی کوشش کر رہے تھے۔

اِتنے میں کسی نے امیر حمزہ کے بیٹے عامر کو خبر
کہ عادی پہلوان کے دستے کی حالت تباہ ہے۔ دُشم
پہاڑ کی چوٹی سے پتھروں اور تیروں کی بارش برسا ر
ہے۔ تب عامر نے اپنی فوج کو تیزی سے آگے بڑھے
کا حُکم دیا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا ہو
سے باتیں کرنے لگا۔ عامر کے دائیں بائیں لندھور، استف
نوش جیسے عظیم پہلوان بھی تھے۔ پہاڑ کے دامن میں
پہنچ کر دیکھا کہ واقعی بہت سے سپاہی مارے جا چکے
ہیں۔ عادی پہلوان ایک چٹان کے نیچے کھڑا ہانپ ر
ہے۔ تب لندھور نے قہقہہ لگایا اور کہا:

"واہ عادی بھائی، تم نے تو پہلوانی کا نام ہی ڈ
دیا۔ کھانے پینے کے شوق نے تم کو کسی کام کا نہ رکھ
عادی یہ بات سُن کر جھلّایا اور غصّے میں آن کر
ایک گھونسا لندھور کے جبڑے پر مارا۔ لندھور اُلٹ کر
دھم سے زمین پر گرا لیکن پھر ہنستا ہُوا اُٹھ کھڑا ہُو
اور بولا:

"عادی بھائی، تُمھاری جگہ کوئی اور شخص مُجھے یُوں
گھونسا مارنے کی جُراَت کرتا تو اُسے تارے دکھا دیتا
"ابے جا بڑا آیا تارے دکھانے والا" عادی نے

کہا۔ تب لندھور آگے بڑھا اور ایک گھونسا اِس زور سے عادی کی موٹی گردن پر رسید کیا کہ عادی لٹّو کی طرح گھوما اور زمین پر ایسا گرا کہ پھر اُٹھ نہ سکا۔

"کہو بھائی، تارے دکھائی دیے یا نہیں؟" لندھور نے پوچھا "اگر نہ دکھائی دیے ہوں تو ایک گھونسا اور پیش کروں؟"

عادی خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو رہا۔ لندھور کے ایک ہی گھونسے میں اُسے واقعی تارے نظر آگئے تھے۔ تب حمزہ کے بیٹے اور استقا نوش نے دونوں کو سمجھایا اور کہا کہ ہم بہمن سے لڑنے آئے ہیں اور یہ موقع آپس میں زور آزمائی کا نہیں ہے۔

اتنے میں پہاڑ کی چوٹی سے پھر پتھروں کی بارش شروع ہوئی۔ عامر نے اپنے دستے کے سپاہیوں کو حکم دیا کہ گھوڑوں سے اُتر کر چلو۔ اپنے سروں کو ڈھالوں کے نیچے چھپالو اور تلواریں نیام سے نکال کر پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کرو۔ یہ حکم پاتے ہی سپاہیوں نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کردیا۔ عامر سب سے آگے تھا تھوڑی دیر میں کئی ہزار سپاہی اوپر پہنچ گئے اور انھوں نے ہومان کے آدمیوں پر اِس شدّت سے حملہ کیا

کہ اُن کے پَیر اُکھڑ گئے۔ ہُومان نے جب استفنا نو
لِندھور اور عادی جیسے دیووں کو آتے دیکھا تو چوکڑی
بھُول کر وہاں سے بھاگا اور سیدھا بہمن کے پاس گیا
اُس نے خوش ہو کر کہا:

"اے فرزند، تم بہت جلد واپس آ گئے۔ کیا دُشمن
تُمہارے خوف سے بھاگ گیا؟"

"جہاں پناہ، وہ آدمی نہیں۔ دیو ہیں۔" ہُومان چِلّایا" اور
دیووں سے لڑنا میرے بس کی بات نہیں۔"

یہ سُن کر بہمن غُصّے سے کانپنے لگا۔ اُسے ہُومان
سے ایسی بُزدلی کی اُمّید نہ تھی۔ فوراً بید منگایا اور
اُسے بُری طرح پیٹنے لگا مگر ہُومان برابر یہی کہہ رہا تھا
"ابا جان مجھے جتنا جی چاہے مار لیجیے۔ مگر میں اُن
سے لڑنے کو تیّار نہیں ہوں۔ وہ آدمی نہیں، جن ہیں
.... دیو ہیں .... آپ بھی اُن سے لڑنے کا خیال دل
سے نکال دیجیے۔"

یہ باتیں بہمن کا خُون اور کھَولا دیتیں اور وہ پھر بید
برسانے لگتا۔ تب ژوپین اور نوشیرواں نے بہمن کا ہاتھ
پکڑا اور کہا:

"اے بہمن، کیا پاگل ہُوا ہے؟ اپنے لڑکے کو مارے

ڈالتا ہے؟ حمزہ کا راستہ روکنے کی کوشش کر، ورنہ وہ تیرے ملک کو تہس نہس کر دے گا۔"

بہمن نے اُسی وقت اپنے تمام لشکر کو تیار ہو جانے کا حکم دیا اور خُود بہت سے پہلوانوں اور فوجی افسروں کو ساتھ لے کر سرحد کے قریب آیا۔ بہت دُور سے گرد کے بادل اُٹھ رہے تھے۔ ژوبین نے کہا یہ حمزہ کی فوج ہے جو آندھی کی طرح چلی آ رہی ہے۔ بہمن نے کہا "مُجھے بتاؤ کہ حمزہ اِن میں کون سا ہے؟"

اِتنے میں حمزہ کی فوج کے عَلَم بردار نمُودار ہوئے۔ اُن کے ہاتھوں میں اُونچے اُونچے رنگ برنگے جھنڈے تھے اور یہ سب کے سب نہایت خُوب صُورت سفید گھوڑوں پر سوار تھے۔ اِن عَلَم برداروں کے پیچھے چودہ ہزار سوار زرہ پوش تھے۔ پھر چالیس پہلوانوں کا ایک گروہ دکھائی دیا۔ ان کے آگے آگے عادی پہلوان مست ہاتھی کی طرح جھُومتا ہُوا چل رہا تھا بہمن نے عادی کو دیکھا تو دل میں کہا ہومان سچ کہتا ہے یہ تو گوشت پوست کا ایک پہاڑ چلا آتا ہے شاید یہی حمزہ ہے۔ تب اُس نے چُپکے سے پوچھا:

"کیا یہی امیر حمزہ ہے؟"

بختک نے مسکرا کر جواب دیا "یہ حمزہ نہیں ہے
اُس کا دودھ شریک بھائی اور لشکر کے ہراول دستے
کا کمانڈر عادی پہلوان ہے۔"
اتنے میں نقاروں کا شور سُنائی دیا۔ پھر بہمن نے
دیکھا کہ سفید ہاتھی پر ایک سیاہ فام دیو بیٹھا ہے
اور بارہ من وزنی لوہے کا گُرز اُس کے کندھے پر
رکھا ہے جسے وہ کبھی کبھی ہوا میں اُچھالتا ہے۔ سات
سو ہاتھی اُس کے دائیں جانب اور سات سو ہاتھی
بائیں جانب ہیں جن کے اُوپر سونے چاندی کی چھتریاں
تنی ہوئی ہیں۔ بہمن نے بختک کے کان میں کہا:
"شاید یہی حمزہ ہے جو ہوا میں گُرز اُچھال رہا ہے"
"اِسے لندھور کہتے ہیں۔ ہندوستان کا سب سے بڑا
راجا ہے اور حمزہ کا دایاں بازو ہے۔ کہتے ہیں کہ لندھور
نے حمزہ کے سوا آج تک دُنیا کے کسی شہ زور سے
شکست نہیں مانی۔"
"واقعی آدمی کیا ہے، دیو ہے۔ ہومان سچ کہتا تھا۔"
بہمن نے کہا۔
لندھور کے بعد شہپال ہندی کے بیٹے نمودار ہوئے
پھر یونان کے شہزادے آئے۔ ان کے بعد رومی

سپاہیوں کا لشکر دِکھائی دیا۔ سات بھائی اِس لشکر کے آگے آگے سیاہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ اِس کے بعد سردار شیر بابک شروانی آیا۔ بہمن نے پُوچھا یہ کون ہے بختک نے جواب دیا یہ شہنشاہ نوشیرواں کا سپہ سالار ہے۔ اب حمزہ سے مِل گیا ہے۔ اِیران میں اِس سے بڑا پہلوان اور کوئی نہیں۔"

بہمن کے اوسان آہستہ آہستہ خطا ہونے لگے۔ دل میں کہا کہ بُرے پھنسے جو حمزہ کو جنگ کی دعوت دی۔ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ جس کے ماتحت ایسے ایسے گرانڈیل پہلوان ہیں، وہ خود کیسا عظیم ہوگا۔

اچانک سونے کا ایک بلند چھتر دکھائی دیا۔ جس کے نیچے سُرخ رنگ کے ایک گھوڑے پر نہایت حسین اور بہادر نوجوان سوار آہستہ آہستہ راستہ طے کر رہا تھا۔ بہت سے پہلوان اُس کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ادب سے چل رہے تھے۔ بہمن نے پُوچھا:

"یہ خُوب صُورت جوان کون ہے؟"

"یہ حمزہ کا دُوسرا بیٹا عامر ہے۔" بختک نے جواب دیا۔ یکایک بارہ ہزار آدمیوں کا ایک پیادہ

لشکر نمودار ہوا۔ اُن کے سروں پر لمبوتری ٹوپیاں تھیں اور لباس بے ڈھنگے اور طرح طرح کے رنگوں سے رنگے گئے تھے۔ اِن سب کے ہاتھوں میں کمندیں تھیں اور وہ ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتے ہوئے آ رہے تھے ان کے آگے آگے ایک شخص عجیب و غریب سامان سے لیس اُچھل پھاند کرتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ اس کی حرکتیں ایسی نرالی تھیں کہ بہمن کوشش کے باوجود اپنی ہنسی روک نہ سکا اور بے اختیار کھِل کھِلا کر ہنس پڑا۔ اُس نے بختک سے پوچھا:

"یہ کون لوگ ہیں اور اِن کے آگے کودنے پھاندنے والا مسخرا کون ہے؟"

"جہاں پناہ، یہ عیّاروں کا لشکر ہے اور اِن کے سردار کا نام عَمرو ہے۔" بختک نے مُنہ بنا کر کہا: "قسم ہے آتش کدوں میں جلنے والی مُقدّس آگ کی کہ ہزار حمزہ پیدا ہوتے، تب بھی کُچھ فِکر نہ تھی، مگر یہ ایک بدذات عَمرو پیدا نہ ہُوا ہوتا۔"

"کیا یہ بہت خطرناک آدمی ہے؟" بہمن نے پُوچھا۔

"بے شک اِس سے سبھی خوف کھاتے ہیں" بختک نے جواب دیا۔

اِتنے میں نشانِ عَلَم اژدہا پیکر کی آواز پیدا ہوئی بہمن نے پوچھا یہ آواز کس کی ہے؟ بختک نے کہا کہ یہ آواز حمزہ کے نشان کی ہے۔ اِس نشان کے آتے ہی عرب کا چاند حمزہ نمودار ہُوا وہ سیاہ قیطاس پر سوار تھے۔ اُن کے پیچھے گیارہ ہزار ہاتھی اور تیس ہزار ترکی، حبشی، مصری، رُومی، چینی اور ہندی غلام آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ ہاتھیوں پر تمام نامی گرامی پہلوان سوار تھے۔

یہ منظر دیکھ کر بہمن کے دل پر خوف طاری ہُوا وہ آنکھیں پھاڑ کر امیر حمزہ کو دیکھ رہا تھا اور اُسے یقین ہو گیا تھا کہ جو شخص اِتنی قوّت اور ہیبت رکھتا ہے اُس سے لڑائی میں جیتنا آسان نہ ہو گا۔

امیر حمزہ کے لشکر نے ایک وسیع میدان میں پڑاؤ کیا۔ سُورج غرُوب ہو چکا تھا اور رات کے اندھیرے تیزی سے چاروں طرف پھیل رہے تھے۔ بہمن اپنے شہر میں چلا گیا اور اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ صُبح سُورج نکلتے ہی امیر حمزہ کے لشکر پر حملہ بول دیا جائے۔

اِدھر امیر حمزہ نے ایک اور خط بہمن کے نام لکھوایا جس کا مضمون یہ تھا:

"کوہستان کے بادشاہ بہمن کو معلوم ہو کہ میرا نام حمزہ ہے۔ اٹھارہ برس کوہ قاف میں رہ کر آیا ہوں اور وہاں ہزاروں خبیث دیووں اور شیطانوں کو ہلاک کیا ہے اس سے پہلے خدا کے فضل سے مَیں نے دُنیا کے نامی گرامی بادشاہوں اور پہلوانوں کو شکست دی ہے اور سب کو اپنا مُطیع کیا ہے۔ مَیں نے نوشیرواں سے کبھی بدی نہیں کی بلکہ اُس نے خود اپنی خوشی سے شہزادی مہر نگار کی شادی میرے ساتھ طے کر دی تھی۔ جب میں کوہ قاف گیا تو ژوبین اور دوسرے عیّاروں نے مل کر شہزادی مہر نگار کو لے جانے کی کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہُوئے۔ میں نے نوشیرواں کے کہنے پر اُن کو معاف کیا اور مدائن میں چلے جانے کی اِجازت دی۔ مگر اب وہ بختک اور ژوبین کے بہکانے میں آ کر مدائن سے چوری چُھپے نکلا اور تیرے پاس آ کر پناہ لی۔ اب تجھ پر لازم ہے کہ میرا رُقعہ دیکھتے ہی نوشیرواں اور ژوبین کو رسّیوں سے باندھ کر میرے پاس حاضر ہو اور میری اِطاعت قبول کر۔ مَیں تجھے اپنے لشکر کا افسر بنا دُوں گا لیکن نافرمانی کی تو یہ جان لے کہ ایسی عبرت ناک سزا دُوں گا کہ تُو نے خواب

ں بھی نہ دیکھی ہوگی۔"
جب یہ خط لکھا جا چکا تو حمزہ نے یاروں سے کہا
کہ اِسے بہمن کے پاس کون لے کر جائے گا؟ عَمرو
عیار آگے بڑھا اور کہنے لگا: "یہ کام میرا ہے اور میں
ہی کر سکتا ہوں۔"
"نہیں، میں تجھے بہمن کے پاس نہ بھیجوں گا۔" امیر
حمزہ نے کہا "بہمن بہادر شخص ہے اور میں جانتا ہوں
کہ تُو گستاخی اور شرارت سے باز نہ آئے گا۔ ایسی
حرکتوں سے میری بدنامی ہوتی ہے"
یہ سُن کر عَمرو شرمندہ ہو کر اپنی جگہ جا بیٹھا۔
تب عامر اپنی کُرسی سے اُٹھے، باپ کے سامنے جا کر
سلام کیا اور کہا۔ "اگر حُکم ہو تو میں بہمن کے پاس
جاؤں اور اِس خط کا جواب لاؤں؟"
امیر حمزہ نے مُسکرا کر بہادر بیٹے کی طرف دیکھا اور
وہ خط اُن کے حوالے کیا۔ عامر اُسی وقت گھوڑے پر
بیٹھے اور اکیلے ہی بہمن سے ملنے چلے۔ راہ میں دیکھا
کہ ایک لمبا تڑنگا جوان سُرخ گھوڑے پر بیٹھا آہستہ آہستہ
سامنے سے آ رہا ہے۔ عامر نے اپنا گھوڑا روکا اور آنے
والے جوان سے پُوچھا: "کیوں صاحب، بہمن کا شہر یہاں

سے کتنی دُور ہے؟"
یہ سُن کر وہ جوان غُصّے سے لال پیلا ہُوا اور چلّا کر کہا
"او بدنصیب، معلُوم ہوتا ہے تیری قضا تجھے اِدھر لے
آئی ہے۔ شہنشاہ بہمن کا نام اِس بے ادبی سے لیتا ہے
ٹھہر، ابھی تیرا سر کاٹتا ہوں"
اجنبی جوان کی یہ بات سُن کر عامر نے قہقہہ لگایا۔
اور کہا "میرا سر تو تم بعد میں کاٹنا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ
تمہارا نام کیا ہے اور تم جیسے پاگل کو کِس نے گھومنے
پھرنے کی آزادی دے رکھی ہے"
"میرا نام ہُومان ہے اور میں بہمن کا بیٹا ہوں" اجنبی
جوان نے گرج کر کہا اور تلوار نکال کر عامر کی طرف
بڑھا۔ عامر نے بھی اپنی تلوار نکالی۔ دونوں میں کُچھ دیر
تک تلوار چلتی رہی۔ پھر یکایک عامر نے ایک ہاتھ سے
ہُومان کی کمر سے بندھی ہوئی پیٹی پکڑی، اُسے اُوپر اُٹھایا
اور رکاب سے پاؤں نکال کر اُس کے گھوڑے کو ایسی
لات ماری کہ وہ ہُومان کے نیچے سے نکل کر دس
قدم دُور جا گرا۔ پھر عامر نے ہُومان کو سر سے اُوپر
گُھما کر چاہا کہ زمین پر دے ماریں کہ ہُومان نے گڑگڑا
کر امان طلب کی۔ عامر نے اُسے آہستہ سے زمین پر

پٹخ دیا اور کہا جہاں تیرا جی چاہے چلا جا اور جانے سے پہلے سُن لے کہ میرا نام عامر ہے اور میں امیر حمزہ کا بیٹا ہوں۔ یہ سُنتے ہی ہومان کا کلیجا اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ اُٹھ کر عامر کے قدموں پر گرا اور کہنے لگا آفریں ہے آپ کی جواں مردی پر۔ جیسا سُنا تھا ویسا ہی پایا۔ آپ کِس مقصد کے لیے کوہستان جاتے ہیں؟"

"تیرے باپ بہمن کے نام اپنے باپ حمزہ کی جانب سے ایک خط لے جاتا ہوں" عامر نے کہا۔

تب ہومان نے اُنھیں صحیح راستہ بتایا اور کہا کہ ہماری اِس لڑائی کا ذِکر کِسی سے نہ کرنا ورنہ لوگ مجھے بُزدل کہیں گے۔ یہ کہہ کر رُخصت ہُوا۔ ایک دُوسرے راستے سے چل کر بہمن کے پاس پہنچا اور قدم بوسی کر کے اپنی کُرسی پر بیٹھ رہا۔

تھوڑی دیر بعد دربانوں نے خبر دی کہ عامر آتا ہے بہمن اپنی شاہانہ کُرسی پر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اُس وقت دربار میں نوشیرواں، خواجہ بزرج مہر، زوبین اور بختک بھی موجود تھے۔

عامر نے ایک گھومتی ہوئی نظر اِن سب پر ڈالی اور اپنی ذہانت سے اندازہ کیا کہ ان میں خواجہ بزرج مہر،

کون ہیں۔ تب اُنھیں پہچان کر قریب گیا اور جُھک کر کہا: "خواجہ بُزرج مہر کو میرا سلام پہنچے۔"

"تجھ کو بھی بُزرج مہر کا سلام ہے اے فرزند۔" بُزرج مہر نے محبّت سے کہا۔

یہ دیکھ کر ہُومان کا خُون گرم ہُوا۔ کہنے لگا:

"اے حمزہ کے بیٹے، تُو نے اپنے نانا نوشیرواں کو سلام کیا نہ بہمن بادشاہ کو۔ بلکہ ایک ادنیٰ وزیر اور بُڈھے کو سلام کیا۔ اِس کا سبب کیا ہے؟"

"اِس کا سبب یہ ہے کہ خواجہ بُزرج مہر تُمھاری طرح آگ کو نہیں پُوجتے اور خُدا کو ایک جانتے ہیں۔ سچ کو سچ اور جھُوٹ کو جھُوٹ کہتے ہیں۔" عامر نے جواب دیا تب ہُومان لاجواب ہو کر چُپ ہو رہا۔

اِس کے بعد عامر نے ریشمی تھیلی میں سے امیر حمزہ کا خط نکال کر بہمن کی طرف بڑھایا۔ بہمن نے مُہر چاک کر کے خط کھولا، پڑھا، سخت ناراض ہو کر پھاڑا اور پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر عامر کہنے لگے:

"اے بہمن، اب بول کہ امیر حمزہ کو تیری جانب سے کیا جواب دُوں۔ اُنھوں نے مجھے ہدایت کی تھی کہ تیرے دربار میں کوئی گڑبڑ نہ کروں اِس لیے خاموش ہُوں ورنہ

اِس خط کو چاک کرنے کا مزہ چکھا دیتا۔"
یہ سُن کر بہمن کی آنکھوں میں خُون اُتر آیا۔
اُس کے رُو برُو ایسی گُستاخی کِسی نے آج تک
نہ کی تھی۔ اپنے بیٹے ہُومان کو حُکم دیا کہ پکڑ دو
اِس نابکار کو۔ ہُومان کُچھ دیر ہکّا بکّا اپنی جگہ بیٹھا
رہا پھر باپ کا غضب دیکھ کر مجبُوراً اُٹھا اور تلوار
میان سے نکال کر عامر کی طرف بڑھا۔ عامر نے
بے مثال پھُرتی سے ہُومان کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا
تلوار اُس کے ہاتھ سے چھُوٹ کر نیچے گر پڑی
پھر عامر نے دُوسرے ہاتھ کا گھُونسا اِس زور سے
ہُومان کے جبڑے پر رسید کیا کہ وہ لُڑھکنیاں کھاتا
ہُوا بہمن کے پاؤں پر جا گرا۔ اُس کے دانتوں
سے خُون بہنے لگا۔ تب بہمن کا ایک بھائی تلوار
کھینچ کر عامر پر لپکا۔ مگر عامر نے اُسے بھی
زمین پر پچھاڑا۔ پھر بہمن کا دُوسرا بھائی گرز لے
کر عامر پر جھپٹا۔ عامر نے مار مار کر اُس کا کچُومر
نکال دیا اور جب وہ زمین پر گر کر ہلنے لگا
تو عامر نے بہمن سے کہا:
اے بہمن، میرے باپ کا حُکم تھا کہ تیرے

دربار میں تلوار نہ نکالوں، تو نے دیکھا کہ تین آدمی مجھ پر حملہ کرنے کو آئے اور میں نے اپنی تلوار نہیں نکالی، ورنہ یہیں خون کی ندّیاں بہتی دِکھائی دیتیں۔"

"اے جوان، آفرین ہے تجھ پر۔" بہمن نے کہا پھر چوبدار کو حکم دیا کہ شاہی خلعت لے کر آؤ۔ اُس نے اپنے ہاتھ سے عامر کو خلعت پہنایا اور کہا کہ اپنے باپ سے جا کر کہہ دے کہ صُبح کو ہمارے درمیان فیصلہ ہو جائے گا۔ عامر نے واپس آ کر امیر حمزہ سے سب حقیقت کہی۔ اُنھوں نے بہادر بیٹے کو گلے سے لگایا اور بہت پیٹھ ٹھونکی۔

منہ اندھیرے بہمن کے لشکر سے نقّارہ بجنے کی آواز آئی اور دونوں فوجیں جنگ کے لیے تیّار ہوئیں جب دُشمن کے نقّاروں کی آواز امیر حمزہ کے کان میں پہنچی تو حُکم دیا کہ ہمارے نقّارچی بھی طبلِ جنگ بجائیں۔ پھر اُنھوں نے پیغمبروں کے ہتھیار اپنے بدن پر باندھے، سیاہ قیطاس پر سوار ہُوئے اور فوجی سرداروں اور پہلوانوں کی سلامی لیتے ہُوئے اپنے لشکر کے عین بیچ میں آ گئے۔

اِتنی دیر میں بہمن کی بے انداز فوج بھی میدان میں صفیں جما چکی تھی۔ بارہ نقیب درمیان میں آئے اور اُنھوں نے پُکار کر کہا:

"کون مرد ہے جو میدان میں نکلے اور اپنے باپ دادا کا نام روشن کرے"

نقیب کی یہ للکار جب عامر نے سُنی تو بے قرار ہو کر گھوڑے سے اُترے اور امیر حمزہ کی خدمت میں جا کر کہنے لگے: "ابّا جان، اِجازت ہو تو میدان میں جاؤں اور دُشمن سے دو دو ہاتھ کروں؟"

حمزہ نے محبّت بھری نظروں سے بیٹے کو دیکھا اور کہا "جاؤ، تمھیں خُدا کو سونپا۔"

عامر اشقر دیو زاد پر سوار ہو کر میدان میں آئے اور پُکار کر کہا:

"جو نہیں سُنتا وہ سُنے اور جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ مُجھے عامر کہتے ہیں اور میں امیر حمزہ کا بیٹا ہوں۔ جسے موت کی آرزو ہے وہ میرے سامنے آئے۔"

عامر کی آواز سُن کر بہمن نے اپنے بڑے بیٹے ہُومان کی طرف دیکھا اور کہا: "میں چاہتا ہوں کہ تُم اِس نوجوان کے مُقابلے میں نِکلو، ورنہ لوگ کہیں

گے کہ بہمن کے بیٹے بزدل تھے۔"

اب تو ہومان کے ہوش اُڑ گئے۔ دو دفعہ عامر کے ہاتھوں پٹ چکا تھا۔ سمجھا کہ اب واقعی موت آئی۔ اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھی تب دس من وزنی لوہے کا گرز لے کر آیا اور اس شدت سے حملہ کیا کہ عامر کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اُس کی ہڈیاں پسلیاں سرمہ بن چکی ہوتیں۔ لیکن عامر نے ہومان کے سب وار گینڈے کی کھال سے بنی ہوئی ڈھال پر روکے اور جب وہ وار کرتے کرتے تھک کر ہانپنے لگا تب عامر نے ایک زبردست نعرہ مار کر اُس کی کمر پکڑ لی اور گھوڑے پر سے اُٹھا کر زمین پر دے مارا۔ ہومان کے حلق سے ایک خوف ناک چیخ نکلی اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ عمرو عیار دوڑا دوڑا آیا، اسے رسیوں سے باندھا اور زنبیل میں ڈال کر لے گیا۔

ہومان کی گرفتاری کے بعد بہمن کے دونوں بھائی میدان میں آئے مگر عامر نے دونوں کو شکست دی۔ اُن کو بھی عمرو عیار باندھ کر لے گیا۔ یہ دیکھ کر بہمن کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ بیس من وزنی فولادی گرز لے کر شیر کی طرح دھاڑتا ہوا میدان

میں نکلا اور عامر سے کہا:
"اے جوان، ہوشیار ہوجا اور جی چاہے تو اپنے باپ حمزہ کو بھی مدد کے لیے پکار لے۔"
عامر نے دل ہی دل میں خدا کو یاد کیا اور جواب میں کہا
"تجھ جیسے ایک ہزار آدمیوں پر میں، خدا کے فضل سے اکیلا ہی بھاری ہوں" جلدی وار کر کہ مجھے دیر ہوتی ہے۔"
تب بہمن نے بھنّا کر اپنا گرز اٹھایا اور اُدھر امیر حمزہ نے عامر کی سلامتی کے لیے دعا کو ہاتھ اٹھائے۔ عامر نے بہمن کے وار سے بچنے کے لیے ڈھال کے نیچے سر چھپایا لیکن بہمن کی ضرب اتنی شدید تھی کہ گرز جب ڈھال سے ٹکرایا تو آگ کا شعلہ نکلا اور آسمان تک گیا۔ عامر کے بدن سے پسینہ چھوٹ نکلا اور اُن کا گھوڑا بدک کر شوخیاں کرنے لگا۔
عامر نے سر سے ڈھال ہٹائی تو بہمن نے چلّا کر کہا: "اے حمزہ کے بیٹے، تو ابھی تک زندہ ہے۔"
"بے شک، مارنے اور جلانے کی قدرت خدا کو

ہے۔" عامر نے جواب دیا " میں نے تجھ کو دو حملے اور دیے۔ اپنے جی کی حسرت نکال لے۔"

بہمن کے دل پہ خوف طاری ہوا۔ لیکن پھر سنبھل کر اپنے گرز سے دو وار اور کیے جو پہلے وار سے بھی زیادہ سخت تھے مگر خُدا نے عامر کو بچایا۔

تب بہمن نے اپنا گرز ایک طرف پھینکا اور تلوار نکالی۔ عامر نے بھی نیام سے تلوار کھینچی اور دونوں میں ایسی زبردست تلوار چلی کہ دوست دُشمن سب کے مُنہ سے آفرین نکلی۔ آخر دونوں کی تلواریں بیکار ہُوئیں پھر اُنھوں نے نیزے سنبھالے اور اِتنی دیر لڑے کہ نیزے بھی ٹوٹ کر گرے۔ تب دونوں دُشمن ایک دُوسرے سے لپٹ گئے اور زور آزمائی کرنے لگے۔ کبھی بہمن عامر کو دھکیلتا ہُوا دُور تک لے جاتا اور کبھی عامر اُس کی مرمّت کرتا۔ شام تک دونوں ایسی بے جگری اور بے خوفی سے لڑے کہ بڑے بڑے پہلوان اور جنگ جُو حیران رہ گئے۔ جب دونوں لہُو لُہان ہو گئے اور سُورج بھی غرُوب ہوا تو بہمن نے کہا:

" اے حمزہ کے بیٹے، تیری ہمّت اور جُرأت پر

شاباش۔ کوئی شخص مجھ سے اتنی دیر تک کبھی نہ لڑا تھا۔ اب اندھیرا چھا گیا ہے۔ تُو بھی تھک چکا ہے اور میں بھی۔ بہتر یہ ہے کہ لڑائی ملتوی کریں اور کل پھر میدان میں آئیں۔"

"جیسے تیری مرضی" عامر نے کہا "لیکن یاد رکھ کہ میں میدان سے پیٹھ موڑ کر جانے والوں میں نہیں ہوں۔ اس لیے تُو پہلے جا۔ میں بعد میں جاؤں گا۔"

یہ سُن کر بہمن خاموش ہُوا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر واپس چلا گیا۔ عامر بھی اپنے ساتھیوں سے آن ملے۔ حمزہ نے اُن کی پیشانی چُومی اور سینے سے لگایا پھر پُوچھا:

"اے فرزند، تُو نے بہمن کو کیسا پایا؟"

"ابا جان، سچ تو یہ ہے کہ آپ کے بعد پُوری دُنیا میں اگر کوئی شخص قوی اور زور آور ہے تو وہ بہمن ہے۔"

اُدھر بہمن زخموں سے چُور، خُون میں ڈُوبا ہُوا جب اپنے محل میں پہنچا تو نوشیرواں نے اُس کا استقبال کیا اور نہایت شاندار خلعت منگا کر اُس کے آگے رکھا۔ بہمن حیران ہو کر کہنے لگا:

"اے شہنشاہ تُو مجھ سے مذاق کرتا ہے کہ میرے لیے خلعت منگواتا ہے۔ آخر یہ کس خوشی میں؟"
"اِس لیے کہ تُو میدانِ جنگ سے فتح پا کر لوٹا ہے۔"
ژوبین نے کہا۔
یہ سُن کر بہمن بے حد غم گین ہُوا اور کُچھ کہے بغیر وہاں سے چلا گیا۔
اگلے روز صُبح دونوں لشکروں نے پھر صفیں باندھیں اور اپنی اپنی جگہ جم گئے۔ نقّارے زور شور سے بجے۔ اِتنے میں بہمن میدان میں آیا اور للکارنے لگا کہ کوئی ہے جو میرے مُقابلے پر آئے۔ امیر حمزہ نے یہ للکار سُن کر اپنے دائیں بائیں نظر دوڑائی اور دیکھا کہ لندھور اپنے گھوڑے سے اُتر کر اُن ہی کی طرف آ رہا ہے۔ وہ حمزہ کے رُو برُو آیا۔ تین بار زمین چُومی اور کہنے لگا "بھائی حمزہ اگر اجازت ہو تو میدان میں جاؤں اور بہمن سے دو دو ہاتھ کروں؟" امیر حمزہ نے مُسکرا کر کہا:
"میں جانتا تھا کہ تُم بہمن سے لڑے بغیر نہ رہو گے۔ اِس لیے تمہیں روکنا بے کار ہے۔ جاؤ خُدا تمہارا نگہبان ہو۔"
لندھور نے سلام کیا، پلٹ کر گھوڑے پر سوار ہُوا اور بہمن کے سامنے پہنچا۔ بہمن نے لندھور کو دیکھا تو جسم پر

گھگھی چھوٹ گئی۔ اگرچہ لندھور کو پہلے بھی دیکھ چکا تھا مگر انجان بن کر پوچھنے لگا:

"اے کالے شخص، تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ کیا تجھے اپنی جان عزیز نہیں جو مجھ سے لڑنے چلا آیا؟"

"میرا نام لندھور ہے اور میں سراندیپ کے ہزار جزیرے کا بادشاہ ہوں اور اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتا ہوں۔"

"اے لندھور، میں نے تیرا نام سنا ہے۔ تو واقعی بہادر اور جواں مرد ہے۔ اب دیر نہ کر اور ہتھیار سنبھال کر سامنے آ۔"

"پہلے وار کرنا ہمارا قاعدہ نہیں۔" لندھور نے کہا۔

"بہت اچھا، خبردار ہو کہ میں وار کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر بہمن نے دس من وزنی گرز گھما کر لندھور کے سر پر مارا۔ کہتے ہیں کہ اس کی ضرب اتنی سخت تھی کہ اگر کسی چٹان پر پڑتا تو اس کے بھی ہزار ٹکڑے ہو جاتے لیکن لندھور مسکراتا رہا۔ یہ دیکھ کر بہمن کے چھکے چھوٹ گئے۔ دوسرا وار کرنے کی ہمت نہ ہوئی تب لندھور نے گھوڑا بڑھایا اور اپنا گرز ایک ہولناک

آواز کے ساتھ ہوا میں گھما کر بہمن پر وار کیا۔ بہمن کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ہڈیاں پسلیاں سُرمہ بن جاتیں مگر اُس نے اِس وار کو روکا اور کہنے لگا :

"اے لندھور، آفرین ہے تیری قوّت پر۔ آج تجھ سے لڑ کر جی خوش ہو گیا۔"

اِس کے بعد دونوں میں ایسی خوف ناک اور خُون ریز جنگ ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ لندھور کا جسم خُون میں نہا گیا اُدھر بہمن کے بدن کا کوئی حصّہ ایسا نہ تھا جو زخمی ہونے سے بچ گیا ہو۔ مگر دونوں میں سے کوئی بھی ہار ماننے کو تیّار نہ تھا۔ یہاں تک کہ سُورج نے مایُوس ہو کر مغرب کے پردے میں اپنا روشن چہرہ چھپالیا۔ تب بہمن نے کہا :

"اے لندھور، رات سر پر آئی۔ تُو بھی تھک گیا ہے اور میں بھی بدحواس ہوں۔ لڑائی موقُوف کر میں کل پھر میدان میں آؤں گا۔"

یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اپنے لشکر میں چلا گیا۔ لندھور بھی پُرجوش نعروں اور ڈھول تاشوں کی گُونج میں واپس آیا اور امیر حمزہ کے قدموں کو بوسہ دیا۔ حمزہ نے لندھور کو محبّت سے گلے لگایا اور

کہا: "اے لندھور۔ آفرین ہے تجھ پر۔ تو نے بہمن کو کیسا پایا؟"

"ویسا ہی پایا جیسا عامر نے کہا تھا۔" لندھور نے جواب دیا۔

اگلے روز پھر میدان جنگ میں وہی سماں تھا۔ دونوں فوجیں اور دونوں طرف کے جنگ جُو لڑنے مرنے کے لیے بے تاب نظر آتے تھے۔ امیر حمزہ اور اُن کے ساتھی بھی ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدان میں نکلے۔ اچانک شمال کی جانب سے گرد کے بادل اُٹھتے نظر آئے۔ پھر اِن بادلوں کا سینہ چاک ہُوا اور ایک عظیم لشکر آتا دکھائی دیا۔ امیر حمزہ نے فوراً چند ہرکاروں کو روانہ کیا کہ وہ خبر لائیں یہ لشکر کس کا ہے؟ ہرکارے گئے اور واپس آئے اور اُنھوں نے بتایا:

"حضُور یہ لشکر فرہاد بن لندھور کا ہے۔ لندھور کا بیٹا اپنے باپ سے ملنے آیا ہے۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ اور اُن کے سبھی دوست خوش ہُوئے اور لندھور کو مُبارک باد دی۔ اِتنے میں فرہاد نمُودار ہُوا۔ وہ ایک سفید ہاتھی پر سوار

تھا اور اُس کا سیاہ چہرہ دُور سے نظر آتا تھا۔ اُس نے جُونہی اپنے باپ لندھور کو دیکھا، ہاتھی پر سے کُودا اور دوڑتا ہُوا آیا۔ لندھور کے پیروں پر گرا۔ لندھور نے اُسے سینے سے لگا کر پیار کیا، پھر امیر حمزہ سے مِلایا۔ اُنھوں نے بھی اُسے گلے سے لگایا اور غلاموں کو حکم دیا کہ فرہاد کو عزت و احترام سے میرے خاص خیمے میں لے جا کر ٹھہرائیں اور کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دیں۔

تب فرہاد نے میدانِ جنگ پر سرسری نظر ڈالی اور بہمن کو مقابلے کے لیے تیار پایا وہ اپنے باپ سے پُوچھنے لگا: "یہ پہلوان جواں مرد کون ہے؟"

"بیٹا، اِس کا نام بہمن ہے اور مُلکِ کوہستان کا نام ور بادشاہ ہے۔ پہلے روز اِس کی لڑائی عامر سے ہُوئی۔ دُوسرے روز مُجھ سے اور آج تیسرا روز ہے۔"

"اگر اِجازت ہو تو میں اِس کے مقابلے میں جاؤں۔" فرہاد نے کہا۔

تب لندھور نے سوالیہ نظروں سے امیر حمزہ کی جانب دیکھا۔ اُنھوں نے فرہاد کی پیٹھ ٹھونکی اور کہا: "تم بھی میرے عزیز بیٹے ہو۔ اِتنی دُور کا سفر طے

کر کے آ رہے ہو۔ ابھی تم نے کچھ کھایا نہ پیا۔ میں تمہیں کیوں کر بہمن سے لڑنے کے لیے بھیج دوں"
لیکن فرہاد نہ مانا۔ لندھور نے بھی اپنے بیٹے کی سفارش کی۔ آخر امیر حمزہ نے کہا: "جاؤ فرزند، تمہیں خدا کے حوالے کیا۔ ذرا دیکھ بھال کر لڑنا۔"
پس فرہاد خوشی خوشی اپنے ہاتھی پر سوار ہوا اور میدان میں آیا۔ بہمن نے اُس پر ایک اُچٹتی نظر ڈالی اور بولا: "اے جوان، تُو کون ہے؟ میں نے پہلے تجھے نہیں دیکھا۔ اپنا نام پتا بتا تاکہ بے نشان نہ مارا جائے۔"
فرہاد مُنہ کھول کر زور سے ہنسا اور کہنے لگا: "اے بہمن، سُن کہ میرا نام فرہاد ہے اور میں سراندیپ کے بادشاہ لندھور کا بیٹا ہوں۔"
"آہا... تیرا باپ واقعی بڑا جی دار ہے اور تُو بھی یقیناً ایک بہادر باپ کا بہادر بیٹا ہے۔ مگر بہتر یہی ہے کہ مجھ سے لڑنے کے لیے اپنے باپ کو بھیج۔"
اِس مرتبہ فرہاد نے قہقہہ لگایا اور کہا: "اے بہمن، تُو اِتنا بڑا پہلوان نہیں ہے کہ میرا باپ بار بار تجھ سے لڑنے کو آئے گا۔"

اِتنا سُننا تھا کہ بہمن کی آنکھوں میں خُون اُتر آیا
ایک زبردست نعرہ مار کر فرہاد پر حملہ آور ہُوا۔
ہاتھیوں کی چنگھاڑ اور بھاگ دوڑ سے زمین خُشک پتّے
کی طرح کانپنے لگی۔ بہمن نے تین چار حملے اِس زور
سے کیے کہ شیر کا پتّا بھی پانی بن کر بہہ جاتا۔ لیکن
فرہاد بھی جری باپ کا بیٹا تھا۔ وہ ذرا نہ گھبرایا بلکہ
پہلے سے زیادہ جوش کے ساتھ بہمن سے لڑنے لگا
آخر بہمن پُکار اُٹھا کہ تُو واقعی لندھور کا بیٹا ہے۔ لڑتے
لڑتے دونوں پہلوان تھک کر بے حال ہُوئے اور
سُورج ڈُوبنے کے بعد اپنے اپنے ٹھکانوں پر آ کر
دم لیا۔

بہمن کی شکست

چوتھے روز صُبح سویرے بہمن کی فوج سے نقّارے بجنے کی آواز سُنائی دی۔ امیر حمزہ نے اپنے غلاموں کو بھی حُکم دیا کہ تمام ڈھول تاشے اور نقارے بجائے جائیں۔ تب پہلوانوں نے جسموں پر زرہ باندھی ہتھیار لگائے اور گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سوار ہوکر میدانِ جنگ کا رُخ کیا۔ بہمن بھی بڑی شان و شوکت کے ساتھ آیا اور للکار کر کہا:

"جس کو اپنے بازوؤں کی قوّت پر ناز ہو وہ سامنے آجائے۔"

تب عادی پہلوان نے سینہ پُھلایا اور مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہُوا بہمن کے سامنے پہنچا۔ بہمن نے حیرت کی نظر سے عادی کو دیکھا اور ہنس کر بولا:

"تُو آدمی ہے یا گوشت پوست کا چلتا پھرتا پہاڑ؟ ذرا اپنی توند کو تو دیکھ۔ تیرے قابو سے باہر نکلی جا رہی ہے۔ آخر تُو کس برتے پر مجھ سے لڑے گا؟"

عادی نے ناراض ہو کر کہا:

"دیکھ... تُو بادشاہ ہو گا تو اپنے مُلک اور اپنے گھر میں ہوگا۔ ہم سے ایسا بے ہُودہ مذاق کرنے کا تجھے کوئی حق نہیں۔ جانتا نہیں کہ میرا نام عادی کرب ہے اور میں حمزہ کا دُودھ شریک بھائی ہوں؟"

"آخاہ.... تو آپ ہیں عادی پہلوان"۔ بھمن نے قہقہہ لگایا۔ میں نے آپ کی تعریف ڈوبین اور بختک کی زبانی سُنی ہے۔ آپ تو بُھنا ہُوا سالم اُونٹ ہڑپ کر جاتے ہیں۔ میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ واپس چلے جائیں اور جا کر بیٹھ پُوجا کریں۔ لڑائی بھڑائی آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔"

"اے بھمن زیادہ ٹرٹر نہ کر اور مجھے تاؤ نہ دلا۔ ورنہ قسم ہے پیدا کرنے والے کی تجھے کچا چبا جاؤں گا تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں حمزہ کے لشکر کا امیر بھی ہوں۔ اگر مَیں سالم بُھنا ہُوا اُونٹ ہڑپ کرتا ہوں تو اِس میں کسی کے باپ کا کیا اِجارہ ہے؟"

یہ سُن کر بہمن کو غُصّہ آیا اور کہنے لگا:
"عادی پہلوان تُو، تو گالیوں پر اُتر آیا۔ حمزہ بہت نادان شخص ہے کہ تجھ جیسے بدتمیز کو اپنے لشکر کا امیر بنا رکھا ہے۔ اگر تجھے باورچی خانے میں رکھا ہوتا تو زیادہ بہتر تھا کہ ہر وقت جبڑا چلاتا اور خوش رہتا۔ اب یہ بڑی سی توند لے کر میدان میں آنا تیرے لیے قیامت ہی تو ہے!"
"او کوہستانی وحشی، اپنی زبان کو لگام دے"۔ عادی نے لال پیلا ہو کر کہا "میں صبر سے کام لے رہا ہوں اور تُو سر پر چڑھا آتا ہے۔ کوئی وار ہے تو پیش کر!"
"لے پیٹو، خبردار ہو"۔ یہ کہہ کر بہمن نے اِس مرتبہ پندرہ من وزنی گُرز اُٹھایا اور اپنے ہاتھی کو قریب لا کر اِس زور سے عادی کے سر پر گُرز مارا کہ اُس کی آواز کوسوں دُور تک گئی اور کئی سپاہی صدمے سے بے ہوش ہوئے۔ عادی کا ہاتھی ایک طرف گھُوم گیا اور خود عادی کے اوسان خطا ہو گئے، مگر اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور دل میں اِقرار کیا کہ بہمن واقعی قوّت رکھتا ہے۔ تب عادی نے اپنے گُرز کو حرکت

دی اور ایسا ہاتھ مارا کہ بہمن اپنے ہاتھی سے لڑھک کر زمین پر جا گرا۔ ہاتھی بے تحاشا ایک طرف کو بھاگ نکلا۔ یہ دیکھ کر عادی بھی اپنے ہاتھی سے کودا اور بہمن کے سر پر جا پہنچا۔ بہمن نے زمین پر پڑے پڑے ایسا اڑنگا مارا کہ عادی دھم سے زمین پر گرا پھر دونوں پہلوان آپس میں گتھم گتھا ہو گئے اور ایسی گھونسے بازی ہوئی کہ دیکھنے والوں نے مارے خوف کے آنکھیں بند کرلیں۔ آخر دونوں پہلوان بے ہوش ہوئے اور اُن کے آدمی اُنھیں اٹھا کر اپنے اپنے لشکر میں لے آئے۔

ہوش آیا تو عادی پہلوان نے اپنے آپ کو آرام دہ بستر پر پایا۔ اُس کا چہرہ سُوجا ہُوا تھا اور اُسے دیکھ کر ہنسی روکنا مُشکل تھا۔ امیر حمزہ نے پُوچھا:

"کیوں عادی بھائی، تم نے بہمن کو کیسا پایا؟"

"جناب وہ لندھور سے دس گنا زیادہ قوی ہے"۔ عادی نے کراہتے ہوئے کہا۔

اگلے روز عادی پہلوان کے چھوٹے بھائی اجد پہلوان اشوب، سعد یمانی وغیرہ میدان میں اُترے لیکن بہمن نے اِن سب کو پچھاڑا اور باندھ کر اپنے لشکر میں

بھیج دیا۔ آخر استفنا نوش پہلوان نمودار ہُوا اور کئی گھنٹے تک اُس کی اور بہمن کی خوف ناک جنگ ہُوئی مگر ہار جیت کے بغیر ختم ہوگئی۔

چھٹے روز پھر اکھاڑا جما اور اِس مرتبہ سُلطان بخت مغربی نے بہمن سے جنگ کرنے کا اِرادہ کیا تھا کہ بہمن نے پُکار کر کہا:

"حمزہ اپنے دوستوں کو میدان میں بھیجتا ہے اور خُود بُزدِلوں کی طرح چُھپا بیٹھا ہے۔ جُرأت ہے تو سامنے آئے۔"

یہ چیلنج سُن کر امیر حمزہ نے سُلطان بخت مغربی کو روکا اور مُقبل وفادار کو حُکم دیا کہ ہمارا لباس اور ہتھیار لاؤ۔"

حمزہ نے پہلے حضرت اِسماعیلؑ کا کُرتا پہنا۔ اس کے بعد داؤدؑ کی زرہ اور ہُود نبیؑ کا خود سر پر رکھ کر صالح پیغمبرؑ کے موزے پیروں پر چڑھائے۔ دائیں بائیں صمصام اور قمقام نامی تلواریں لگائیں۔ سام بن نریمان کا فولادی گُرز ہاتھ میں سنبھالا۔ سیاہ قیطاس کی بجائے اشقر دلوزاد پر سوار ہُوئے اور میدان میں نکلے۔ اشقر دلوزاد کی چال جس نے دیکھی، عش عش

کر اُٹھا۔ خود بہمن پر بھی امیر حمزہ کو دیکھ کر سکتے کا عالم طاری ہُوا۔ حیرت سے کہنے لگا:

"اے جوان تو کون ہے؟ میں نے تو حمزہ کو بُلایا تھا"

"میں ہی حمزہ ہُوں۔"

"تعجّب ہے کہ تُو نے اِس عام قدوقامت اور قُوّت کے ساتھ دُنیا بھر کے پہلوانوں کو کیوں کر زیر کیا۔" بہمن نے کہا

"خُدا کی قُدرت اور اُس کے فضل سے۔" حمزہ نے جواب دیا۔ "اب زیادہ باتیں مت بنا اور جو ہُنر رکھتا ہے وہ دِکھلا۔"

تب بہمن اپنا اٹھارہ من وزنی گُرز اُٹھا کر سر سے اُونچا لے گیا اور دونوں پاؤں رکاب میں پھنسا کر اِس زور سے امیر حمزہ کے سر پر مارا کہ اُس کی آواز سے کوہ وبیابان لرز اُٹھے۔ حمزہ نے ڈھال پر یہ وار روکا مگر کچھوے کی ہڈی کی بنی ہوئی ڈھال چٹخ گئی بہمن بے اختیار پُکار اُٹھا: "آفرین ہے تجھ پر۔ جیسا سُنا تھا ویسا ہی پایا۔"

"تجھ کو دو حملے اور دیئے۔" امیر حمزہ نے کہا۔

بہمن نے دو وار اور اِس شِدّت سے کیے کہ پہاڑ

بھی ہوتا تو ریزہ ریزہ ہو جاتا لیکن خُدا کے فضل سے امیر حمزہ کا بال بھی بیکا نہ ہُوا۔ اب حمزہ نے سام بن نریمان کا گُرز ہوا میں گھمایا۔ اس کے گھومنے سے میدان میں آندھی کی سی کیفیت پیدا ہوئی اور بہمن دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا حمزہ نے پُکار کر کہا:

"اے بہمن، اب پیچھے کیوں ہٹتا ہے؟ آگے بڑھ اور میرا وار روک۔"

یہ کہہ کر حمزہ نے اِس قوّت سے گُرز مارا کہ بہمن کے گھوڑے کی کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ بہمن خاک پر گرا مگر فوراً ہی اُٹھ کر تلوار کھینچی اور اشقر دیوزاد کی ٹانگیں کاٹنے کے ارادے سے لپکا لیکن اشقر نے ایسی دولتّی جمائی کہ وہ ستّر لُڑھکنیاں کھاتا ہُوا دُور جا گرا۔ تب حمزہ نے سُلیمانی کوڑا نکالا اور بہمن پر برسانا شروع کیا۔ کوڑا لگتے ہی وہ جنگلی بھینسے کی طرح ڈکراتا اور اِدھر اُدھر بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کرتا۔ مگر سُلیمانی کوڑا اُس کی خُوب مرمّت کر رہا تھا۔ چند لمحوں کے اندر بہمن کی ناک، کانوں اور مُنہ سے خُون جاری ہُوا اور

وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا اور امان مانگنے لگا تب حمزہ نے اپنا ہاتھ روکا۔ عمرو عیّار دوڑا دوڑا آیا اور بہمن کو باندھ کر اپنے لشکر میں لے گیا

حمزہ نے طبیب اقلیموں کو حکم دیا کہ بہمن کے زخموں کا علاج کیا جائے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی فوج سے کہا کہ کوہستان کا محاصرہ کرلو اور بغیر اجازت کسی کو بھاگنے کا موقع نہ دو۔ اپنے بادشاہ بہمن کو قید میں جاتے دیکھ کر کوہستانی فوجوں اور پہلوانوں کے جی چھوٹ گئے اور انھوں نے لڑنے بھڑنے کے بجائے ہتھیار ڈال دیے۔ عمرو عیار نے اپنا خنجر تیز کیا اور حمزہ سے کہنے لگا کہ میں اب نوشیرواں، زوبین اور بختک کی تلاش میں جاتا ہوں اور اُن کے سر کاٹ کر لاتا ہوں۔ امیر حمزہ نے اُسے ڈانٹا کہ یہ حرکت ہماری شان کے خلاف ہے اس لیے یہ خیال دل سے نکال دو۔

کئی دن بعد جب بہمن کے زخم بھر آئے اور وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو امیر حمزہ نے اُسے اپنے پاس بلایا۔ بڑی عزت سے سونے کی عالی شان کرسی پر بٹھایا اور کہا:

"کیوں بہمن، تُو نے ہم کو کیسا پایا؟"
"بہادر۔ شریف اور جری۔" بہمن نے جواب دیا۔
"اب آیندہ کیا ارادے ہیں؟" حمزہ نے پوچھا۔
"دینِ ابراہیمی میں داخل ہوتا ہوں اور آیندہ سے آپ کا جاں نثار خادم بن کر رہوں گا۔" بہمن نے جواب دیا۔
یہ سُن کر سب لوگوں نے خوشی کے نعرے لگائے اور امیر حمزہ نے بہمن کو گلے سے لگا لیا۔ تب بہمن نے کہا کہ اے امیر، میری خواہش ہے کہ ژوپین، نوشیرواں اور بختک وغیرہ بھی دینِ ابراہیمی میں داخل ہوں، آگ کو پُوجنا چھوڑ دیں اور ایک خُدا پر ایمان لائیں۔ یہی صُورت اُن کی جاں بخشی کی ہے، ورنہ قسم ہے پیدا کرنے والے کی کہ اپنے ہاتھ سے اُنھیں قتل کر دوں گا۔
امیر حمزہ نے اُسی وقت نوشیرواں، ژوپین اور بختک کو طلب کیا۔ اُن کے چہرے موت کے خوف سے اترے ہوئے تھے۔ لیکن جب بہمن نے اُنھیں بتایا اگر دینِ ابراہیمی پر ایمان لاؤ تو محفوظ رہو گے، تو خوش ہوئے، فوراً ایمان لے آئے اور امیر حمزہ

سے اپنے قصور کی معافی چاہی۔ امیر حمزہ نے انتہائی فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے سب کو معاف کیا اور نوشیرواں کی اُسی طرح عزّت کی جس طرح پہلے کرتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ ایمان لانے کے بعد بہمن، نوشیرواں، بختک اور ژوپین کے دِلوں کی سیاہی دُور ہوجائے گی اور یہ کوئی سازش نہ کریں گے مگر وہ اُن کے دلوں کی حالت سے بے خبر تھے ظاہری طور پر یہ لوگ جانیں بچانے کے لیے ایمان لے آئے تھے مگر دل میں امیر حمزہ کے خلاف سخت دُشمنی اور حسد رکھتے تھے اور اُنھوں نے طے کیا تھا کہ خواہ کُچھ ہو وہ حمزہ کو ہلاک کیے بغیر نہ مانیں گے۔

امیر حمزہ کی شدّاد جادوگر سے جنگ ــــ عامر بہمن کو قتل کرتے ہیں مگر بعد میں خود بھی شہید ہوجاتے ہیں ــــ ملکہ مہر نگار کی وفات اور نوشیرواں کا تخت و تاج چھوڑ کر جنگلوں میں چلے جانا۔ یہ واقعات داستانِ امیر حمزہ کی چھٹی کتاب "شدّاد جادُوگر" میں پڑھیے ــــ انتہائی دِل چسپ، پُراسرار اور حیرت انگیز کہانی ہے۔

شدّاد جادوگر

شہزادی اطلس پوش

اِس داستان کے پانچویں حصّے میں (امیر حمزہ کوہ قاف میں) ہم بیان کر چکے ہیں کہ کوہستان کے بادشاہ بہمن، تزوبین، بختک اور نوشیروان نے عہد کیا تھا کہ آیندہ بغاوت نہ کریں گے اور امیر حمزہ کی اطاعت اُنھیں دِل و جان سے قبول ہے۔ چُناں چہ یہ سب لوگ بُہت دِن تک بہمن کے مہمان رہے اور کئی جشن منائے گئے۔ ایک روز عادی پہلوان نے امیر حمزہ سے کہا:

"بھائی حمزہ، مُلک کوہستان میں چارہ ختم ہو گیا ہے۔ ہمارے اُونٹ اور گھوڑے بھُوکے مر رہے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں سے رُخصت ہوں۔"

یہ سُن کر حمزہ فِکر مند ہُوئے، سوچنے لگے کہ کیا کیا جائے اِتنے میں تزوبین نے ہاتھ باندھ کر کہا: "جناب والا، میرے علاقے میں تشریف لے چلیے۔ وہاں دانہ گھاس بُہت ہے۔"

تب امیر حمزہ نے اپنے لشکر کو اِجازت دی کہ کوہستان

سے کوچ کرے اور ثروپین کے علاقے کی جانب روانہ ہو۔
نوشیروان نے اِس موقع پر امیر حمزہ کو علیحدگی میں لے جا کر
کہا :

"اے حمزہ، تُو دیکھ رہا ہے کہ میں اب ضعیف اور کم زور
ہو گیا ہُوں۔ حکومت سے جی اُچاٹ ہو رہا ہے۔ دِل چاہتا ہے۔
کہ اپنی جگہ شہزادہ شہریار کو تخت پر بٹھاؤں اور خُود زِندگی کا
باقی حصّہ خُدا کی یاد میں بسر کروں۔"

بادشاہ کی یہ بات سُن کر امیر حمزہ سوچ میں پڑ گئے پھر
بولے۔" جہاں پناہ، میں ہر طرح آپ کا فرماں بردار ہُوں۔ تخت
وتاج کی مُجھے خواہش نہیں۔ یہ آپ کی چیز ہے۔ جِسے جی چاہے
بخش دیجیے۔"

یہ سُن کر نوشیروان نے امیر حمزہ کو گلے سے لگایا اور کہا
"مُجھے تُم سے اِسی سعادت مندی کی اُمیّد تھی۔ بہر حال اب
میں بُزرُجمہر کو ساتھ لے کر مدائن جاتا ہُوں اور شہزادہ شہریار
کی تخت نشینی کا اِنتظام کرتا ہُوں۔"

نوشیروان تو بُزرُجمہر اور بختک کو ساتھ لے کر مدائن چلا
گیا اور امیر حمزہ کا لشکر ثروپین کے علاقے میں آ گیا۔ بھن بھی
امیر حمزہ کے ساتھ آیا۔ چند روز بعد مکّے سے ایک قاصد خواجہ
عبدُالمطّلب کا خط لے کر آیا اُس میں لکھا تھا :

"جان سے زیادہ عزیز بیٹے حمزہ - بہت دِن سے تمھاری کوئی خبر نہیں سُنی - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم ہمیں بالکل بھول گئے ہو- اگر ممکن ہو تو چند روز کے لیے یہاں آؤ اور اپنے بوڑھے باپ کے بے قرار دِل کو آرام پہنچاؤ -"

امیر حمزہ یہ خط پڑھ کر بے چین ہو گئے - فوراً اپنے یاروں کو جمع کیا اور کہا -" میں والد سے مِلنے مکّے جاتا ہوں- خُدا نے چاہا تو جلد لوٹ آؤں گا - میری غیر حاضری میں بہمن میری کُرسی پر بیٹھے گا اور سب پر فرض ہے کہ بہمن کی اِطاعت کریں -"

پھر اُس نے بہمن کی طرف دیکھ کر کہا -" میں تجھے اپنا نائب بناتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ میری غیر موجودگی میں تُو میرے دوستوں اور میرے فرزندوں اور لشکر کا خیال رکھے گا—"

یہ سُن کر بہمن حمزہ کے قدموں پر گرا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا -" اے امیر، میری کیا مجال کہ آپ کی کُرسی پر بیٹھوں میں آپ کا غُلام ہوں - میری جگہ لندھور کو اپنا نائب مقرر فرمائیے کہ وُہ ہر طرح اِس خدمت کے لائق ہے -"

حمزہ نے بہمن کی یہ بات سُنی تو زور دے کر کہا-" نہیں ہماری کُرسی پر تُم ہی کو بیٹھنا ہو گا - لندھور کو ہم نے دُوسرے

کاموں کے لیے مُقرّر کیا ہے۔"

بہمن نے سر جُھکایا، حمزہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور چُپ چاپ کھڑا رہا۔ قِصّہ مُختصر بہمن کو اپنی جگہ سونپ کر امیر حمزہ مکّے جانے کے لیے تیّار ہُوئے۔ عَمرو عیّار نے ساتھ جانا چاہا مگر حمزہ نے منع کیا اور کہا کہ میں سُلطان بخت مغربی کو ساتھ لے جاتا ہُوں۔ باقی سب لوگ یہیں رہیں۔ اس کے بعد اُنھوں نے ملکہ مہر نگاہ کو دلاسا دیا کہ گھبرانا مت، جلد واپس آؤں گا۔

مکّے میں خواجہ عبدُالمطّلب بے قراری سے امیر حمزہ کا اِنتظار کر رہے تھے۔ ایک دِن صُبح صُبح غُلاموں نے آن کر کہا کہ حمزہ آ رہے ہیں۔ خواجہ فوراً گھر سے نِکلے اور بیٹے کے اِستقبال کو گئے۔ حمزہ نے باپ کے قدموں کو بوسہ دِیا، پھر گلے لگ کر دیر تک روتے رہے۔ اِس کے بعد شہر میں آئے اور باری باری ہر شخص سے مِلے۔

ایک روز کا ذِکر ہے امیر حمزہ نے اپنے جان نثار دوست سُلطان بخت مغربی کو ساتھ لِیا۔ گھوڑے پر سوار ہُوئے اور جنگل کی راہ لی۔ بُہت دِنوں سے اُن کا جی شکار کھیلنے کو چاہتا تھا لیکن موقع نہ مِلتا تھا۔

اِتّفاق کی بات کہ اُس روز کوشش کے باوجُود شکار نہ

ملا۔ سُلطان بخت مغربی نے امیر سے عرض کیا کہ واپس شہر چلیں اور شکار کا خیال چھوڑ دیں لیکن حمزہ نہ مانے اور ناراض ہو کر کہنے لگے:

"ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ تُم تھک گئے ہو۔ بہتر ہے یہیں آرام کرو یا واپس چلے جاؤ۔ جب تک میں عُمدہ سا شکار حاصل نہ کر لوں گا، واپس نہ جاؤں گا۔"

ابھی وُہ یہ کہہ ہی رہے تھے کہ اچانک ایک سُنہری ہرن دِکھائی دیا۔ امیر حمزہ اُسے دیکھتے ہی بے چین ہو گئے۔ بخت مغربی سے کہا۔ "میں اِس ہرن کے پیچھے جاتا ہُوں۔ اِسے زندہ پکڑنے کی کوشش کروں گا۔ تُم یہیں رُک کر میرا اِنتظار کرو۔"

یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہرن کے تعاقب میں روانہ ہُوئے۔ سُلطان بخت مغربی حیران پریشان کھڑا اُن کو ہرن کے پیچھے جاتے دیکھتا رہا۔ اُس کے دِل میں طرح طرح کے وسوسے اور اندیشے پیدا ہو رہے تھے۔

سُورج غرُوب ہو گیا اور آسمان پر چودھویں رات کا چاند نمُودار ہُوا۔ اُس کی تیز چمکیلی چاندنی میں جنگل اِنتہائی حسین دِکھائی دے رہا تھا۔ ہرن چوکڑیاں بھرتا ہُوا اِدھر سے اُدھر دوڑ رہا تھا۔ ایک دفعہ امیر حمزہ اُس کے اِتنے

نزدیک پہنچ گئے کہ وُہ آسانی سے تیر کا شکار بن سکتا تھا۔ مگر وُہ تو اِس خُوب صُورت ہرن کو زِندہ پکڑنا چاہتے تھے اُنھوں نے دیکھ لیا تھا کہ ہرن کے لمبے لمبے سینگ بھی سونے کے ہیں اور اُس کے گلے میں موتیوں کا ایک قیمتی ہار بھی لپٹا ہُوا ہے۔ وُہ سمجھ گئے کہ یہ ہرن کسی نے پال رکھا ہے اور مُمکن ہے اِس کا مالک اسے ڈھُونڈتا پھر رہا ہو۔

کہتے ہیں کہ تین دِن اور تین راتیں امیرِ حمزہ اُس ہرن کے پیچھے لگے رہے لیکن وُہ کسی طرح قابُو میں نہ آیا۔ آخر ایک لق و دَق صحرا میں پہنچ کر وُہ نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ امیر نے اُسے بہت تلاش کیا مگر کہیں سُراغ نہ پایا تنگ آ کر اُنھیں نے واپس جانے کا فیصلہ کیا مگر راستہ بھُول گئے اور صحرا میں بھٹکنے لگے۔ بھُوک اور پیاس کے ہاتھوں جان نکلنے لگی۔

یکایک کچھ فاصلے پر ایک نخلستان دِکھائی دِیا۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ سوداگروں کا ایک قافلہ اُترا ہُوا ہے —— سوداگروں کے سردار نے امیر حمزہ کا اِستقبال کیا۔ پانی پلایا۔ گھوڑے کے لیے دانہ مُہیّا کیا۔ پھر حال پُوچھا کہ اے نوجوان تُو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ امیر حمزہ نے مصلحت اِسی میں دیکھی کہ اِن سوداگروں کو اپنا صحیح نام بتا

نہ بتایا جائے۔ وُہ کہنے لگے:

"بھائی، مَیں بھی تُمھاری طرح سوداگر ہُوں۔ قزّاقوں نے مُجھے لُوٹ لیا۔ میرے ساتھی اور نوکر چاکر سب مارے گئے۔ میں نے بڑی مُشکل سے اپنی جان بچائی اور اب کئی دِن تک صحرا میں بھُوکا پیاسا بھٹکنے کے بعد اِدھر آ نِکلا ہُوں۔"

یہ داستان سُن کر وُہ شخص بہُت مُتاثّر ہُوا۔ کہنے لگا۔

"کوئی اندیشہ نہ کرو۔ ہم ہر طرح تُمھاری مدد کرنے کو تیّار ہیں جب تک جی چاہے۔ ہمارے پاس رہو۔ دو وقت کھانا اور ضرُورت کی ہر چیز تُمھیں مِلتی رہے گی۔ یہاں سے چند کوس پر ایک عظیمُ الشّان شہر آباد ہے۔ ہمارا قافلہ وہیں جا رہا ہے۔ اُمیّد ہے کہ سب تجارتی سامان اچھّے داموں بِک جائے گا۔"

غرض امیر حمزہ کئی روز اُس قافلے میں رہے اور اِن لوگوں نے اچھّی طرح اُن کی خاطِر تواضُع کی۔ ایک دِن امیر حمزہ پھرتے پھرتے صحرا سے کُچھ دُور ایک آبادی میں گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بُڈّھا آگ پر ہرن کا گوشت بھُون رہا ہے اور گوشت کی خُوش بُو چاروں طرف پھیل رہی ہے — بُڈّھے نے اُنھیں دیکھ کر کہا:

"آؤ میاں مُسافر، کھانا کھا لو۔"

امیر حمزہ فوراً گھوڑے سے اُترے اور ہاتھ مُنہ دھو کر دستر خوان پر آن بیٹھے۔ بُڈّھے کا خیال تھا کہ یہ جوان دو تین کباب کھا کر اُٹھ کھڑا ہوگا مگر حمزہ کو اس وقت زور کی بھُوک لگی تھی۔ دیکھتے دیکھتے سارا گوشت چٹ کر گئے اور بُڈّھا بھُوکے پیٹ اُٹھ گیا۔ امیر سمجھے کہ وُہ اور گوشت لینے جا رہا ہے۔ کہنے لگے:

"بڑے میاں، ذرا جلدی آنا اور زیادہ گوشت لانا۔ میری بھُوک چمک اُٹھی ہے۔" یہ سُن کر بُڈّھا طیش میں آیا اور چیخ کر بولا:

"کیا میں نے گوشت کی دُکان کھول رکھی ہے جو لا لا کر تجھے کھِلاؤں گا؟ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تُو سب کچھ اکیلا ہی ہڑپ کر جائے گا تو کبھی کھانے کی دعوت نہ دیتا۔"

اب تو حمزہ شرمندہ ہُوئے۔ بُڈّھے سے معافی مانگی اور کہا۔ "بڑے میاں، مجھے معاف کر دیجیے۔ بھُوک کی وجہ سے کچھ خیال نہ رہا۔ یہاں سے کچھ دُور سوداگروں کا ایک قافلہ ٹھہرا ہُوا ہے۔ میں اُن لوگوں کا مہمان ہُوں۔ آئیے، میرے ساتھ چلیے، میرے حصّے کا کھانا آپ کھا لیجیے گا۔"

تب اُس بُڈّھے کا غصّہ کچھ دھیما ہُوا اور وُہ امیر حمزہ کے ساتھ قافلے میں آیا۔ اُنھوں نے اپنا کھانا اُس کے حوالے کیا۔

بڈھے نے خوب پیٹ بھر کر کھایا اور امیر حمزہ کو دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔ رات ہوئی تو سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں جا سوئے۔ مگر چند سوداگر جاگتے رہے اور جب اُنھوں نے دیکھا کہ اُن کا مہمان بھی بے خبر سو گیا ہے تو وُہ سردارِ قافلہ کے پاس گئے اور کہنے لگے :

"ہمیں شک ہے کہ یہ شخص ڈاکوؤں کا آدمی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم لُٹ جائیں۔ بہتر ہے کہ یہاں سے چُپ چاپ چل دیں"۔

یہ سُن کر سردار کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ اسی وقت اُونٹوں پہ سامانِ تجارت لادا، ڈیرے خیمے باندھے اور روانہ ہو گئے۔ امیر حمزہ اپنے بستر پہ پڑے سوتے رہے۔ صُبح اُن کی آنکھ کُھلی تو معلوم ہوا کہ ہر طرف سنّاٹا ہے اور اُونٹوں کی لید کے سِوا کُچھ باقی نہیں رہا۔ وُہ یہ دیکھ کر سخت پریشان ہوئے لیکن ہمّت نہ ہاری۔ گھوڑے پر سوار ہو کر پھر اُسی بُڈّھے کے پاس پہنچے اور اُسے سارا قِصّہ سنایا۔ اُس نے اِطمینان دِلایا اور کہا۔ "آئیے میں آپ کو راستہ بتاؤں"۔

بُڈّھا امیر کے ساتھ صحرا میں کئی روز تک سفر کرتا رہا۔ پھر ایک مقام پہ رُکا اور کہنے لگا۔ "یہاں سے آپ ناک کی سیدھ میں چلے جائیں۔ یہ راہ شہرِ عظیم الشّان کی جانب جا نکلے گی۔"

یہ کہہ کر بڈّھا واپس اپنی بستی کی جانب روانہ ہُوا۔ اور امیر آگے بڑھے۔ کئی روز کے سفر کے بعد ایک جنگل میں داخل ہُوئے۔ کیا دیکھا کہ تاجروں کا وہی قافلہ یہاں موجود ہے۔ لیکن اس حال میں کہ سارا سامان غائب ہے اور ہر شخص درختوں کے ساتھ رسّیوں سے بندھا ہُوا ہے۔ سوداگروں کے سردار نے امیر حمزہ کو پہچان کر شرم سے مُنہ چھپانے کی کوشش کی۔ تب امیر نے اُس سے کہا:

"کیوں صاحب، تُم نے اچھّی میزبانی کی۔ ہمیں رات کو سوتا چھوڑ کر چلے آئے؟"

یہ سُن کر وُہ رو پڑا اور کہنے لگا: "بھائی، مُجھ سے بڑی خطا ہُوئی۔ خُدا کا واسطہ دیتا ہُوں، میری یہ خطا معاف کر دو۔"

امیر حمزہ نے اُن سب کو آزاد کیا۔ پھر حال پُوچھا ——
سوداگروں نے رو رو کر کہا: "ہم اِس جنگل میں سفر کر رہے تھے کہ ایک رات قزّاقوں کا ٹولہ ہم پہ آن گرا۔ جی بھر کر لُوٹ مار کی ہمارے کئی غلاموں کو قتل کر دیا۔ پھر ہمیں درختوں سے باندھ کر چلے گئے۔ قزّاقوں کے سردار کا نام شب رنگ ہے۔ کیوں کہ اُس کے چہرے کا رنگ رات کی سیاہی کی مانند کالا ہے۔"

"اب تُم بے فِکر ہو جاؤ۔ خُدا نے چاہا تو میں اِس شب

رنگ قزّاق سے دو دو ہاتھ کروں گا اور تُمھارا مال واپس دلاؤں گا ۔۔۔"

"ارے بھائی، تُم اُس پر قابُو نہیں پا سکتے۔" سوداگروں نے کہا۔ وُہ بُہت طاقت ور اور وحشی ہے۔ اس کے ساتھی بھی ایسے ہی ہیں۔ اِدھر ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں۔ بھلا ہم اِن کا مُقابلہ کیسے کر سکیں گے۔ اب ہم اپنی جانیں بچا کر یہاں سے بھاگتے ہیں اور تُم بھی ہمارے ساتھ چلو۔"

یہ سُن کر حمزہ نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگے۔ "خوف مت کھاؤ۔ ایک شب رنگ کیا، ہزار آ جائیں، تب بھی میرا بال بیکا نہیں کر سکتے۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ جنگل میں گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز گونجی۔ سوداگروں کے چہرے فق ہُوئے۔ کہنے لگے۔ "ڈاکو آن پہنچے۔ اب تو بھاگنے کی بھی گُنجائش نہیں۔"

یہ کہہ کر وُہ اِدھر اُدھر جھاڑیوں میں چھُپنے لگے لیکن امیر حمزہ اپنی جگہ اطمینان سے کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر بعد بیس پچّیس آدمی سیاہ رنگ کے گھوڑوں پر نمُودار ہُوئے ۔۔۔ اُن کے آگے آگے جھنڈا اُٹھائے ۔ ایک حبشی غُلام دوڑ رہا تھا۔ اور اِس جھنڈے پر اِنسانی کھوپڑی کی تصویر بنی تھی۔

امیر حمزہ کے قریب آن کر یہ قزّاق رُکے۔ اُن کا سردار

گھوڑے سے اُترا اور اِدھر اُدھر دیکھ کر بولا :

"ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ وُہ سوداگر نکل بھاگے۔ مگر بچ کر جائیں گے کہاں ـــــ اے بدنصیب جوان ، تُو کون ہے اور یہاں کیوں کر آیا ؟ جلد بتا ، ورنہ ابھی تیری گردن اُڑاتا ہوں۔"

"تجھے میرے نام سے کیا غرض ؟" امیر حمزہ نے ہنس کر کہا "اگر کچھ زور رکھتا ہے تو آزما لے ، اور یہ بھی سُن لے کہ اِن بے قصُور سوداگروں کو میں نے رہا کیا ہے۔"

یہ سُن کر شب رنگ قزّاق کے جلال کی اِنتہا نہ رہی۔ ایک ہولناک نعرہ مار کر امیر حمزہ کی جانب لپکا اور تلوار سے حملہ کیا۔ مگر حمزہ کے آگے اِس قزّاق کی کیا حقیقت تھی۔ اُنھوں نے کھڑے کھڑے وار بچا کر اِس زور کا گھُونسا اُس کی ناک پر مارا کہ نکسیر پھُوٹ گئی اور اُس کے کپڑے خُون میں تر بہ تر ہو گئے۔ یہ دیکھ کر دُوسرے قزّاق آگے بڑھے اور اُنھوں نے امیر حمزہ کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی مگر شب رنگ نے چلّا کر کہا :

"تُم سب پرے ہٹ جاؤ۔ میں اِس نوجوان سے اکیلا ہی لڑوں گا۔" سب قزّاق ایک طرف جمع ہو کر تماشا دیکھنے لگے۔

ناک سے خُون پُونچھ کر شب رنگ نے خُونی نظروں سے

حمزہ کو گھورا اور کہا :

"اے نوجوان، تیری جرأت اور ہمّت پہ آفرین ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ تُو بھی پہلوان ہے۔ کیا ہی اچّھا ہو کہ تُو میرے گروہ میں شامل ہو جائے۔ میں تُجھے اپنا نائب بنانے کا وعدہ کرتا ہوں۔"

امیر نے قہقہہ لگایا اور کہا "اے شب رنگ، میں تجھ پہ اور تیرے پیشے پر لعنت بھیجتا ہوں۔ یہ کام بہادروں کو زیب نہیں دیتا جو تُو کرتا ہے۔ بے گُناہوں کو قتل کرنا اور مُسافروں کو لُوٹ لینا بہادری نہیں ــــ ہاں، ایک بات کا وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تُو اور تیرے ساتھی قزّاقی سے توبہ کرلیں۔ تو میں تیری جان بخشی کر دُوں گا۔ ورنہ یاد رکھ کُتّے کی موت مر جائے گا ــــ"

اب تو شب رنگ کے غُصّے کی حد نہ رہی۔ تلوار چمکاتا ہُوا حمزہ کی جانب بڑھا اور زور دار حملہ کیا۔ امیر نے اُس کی کلائی مروڑ کر تلوار چھین لی اور گھونسے مار مار کر حُلیہ بگاڑ دیا شب رنگ بدحواس ہو گیا۔ آخر امیر حمزہ نے اُسے پکڑ کر سر سے اُونچا اُٹھایا اور چاہا کہ زمین پر دے ماریں کہ شب رنگ نے گڑگڑا کر کہا :

"میں تمھاری اطاعت قبُول کرتا ہوں۔ مُجھے چھوڑ دو۔"

تب امیر نے شب رنگ کو آہستہ سے زمین پہ رکھ دیا اور کہا۔ "میں نے تجھے چھوڑا۔ لیکن سوداگروں کا مال اُن کے حوالے کر دے۔"

یہ کہہ کر سوداگروں کو آواز دی۔ وُہ جھاڑیوں میں سے نکل کر سامنے آئے۔ شب رنگ نے اِن سے معافی مانگی، نہایت عزّت کے ساتھ اپنے قلعے میں لے گیا اور کُل سامان واپس کیا سوداگروں نے امیر حمزہ کو دُعائیں دیں اور اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔

شب رنگ نے ضِد کر کے امیر حمزہ کو اپنے قلعے میں ٹھہرایا اور دِل و جان سے اُن کی خاطر تواضُع میں لگ گیا۔ ایک دِن وُہ اور امیر حمزہ قلعے کے باغ میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ وہی بُڈھا آیا جس نے صحرا میں امیر حمزہ کو راستہ دِکھایا تھا۔ حمزہ اُسے دیکھ کر بے حد خوش ہُوئے اور اُسے کُرسی پر بِٹھایا۔

بُڈّھے نے شب رنگ کی طرف اِشارہ کر کے کہا "اے نوجوان، اِس ڈاکُو نے میرا سامان بھی ایک مرتبہ لُوٹا تھا۔ بُہت مہربانی ہو اگر میرا سامان واپس مِل جائے۔ میرا نام منصُور ہے اور میں ایک زمانے میں بُہت بڑا سوداگر تھا۔"

یہ سُن کر شب رنگ اپنے قلعے میں گیا اور بُڈّھے کا سامان

لاکر باہر رکھا۔ اِس سامان میں ہاتھی دانت کا بنا ہُوا ایک خُوب صُورت صندُوقچہ بھی تھا جس کے اندر قیمتی ہیرے جڑے ہُوئے تھے۔ امیر حمزہ نے منصُور سے پُوچھا۔ "بڑے میاں، یہ صندُوقچہ بُہت خُوب صُورت ہے۔ اِس کے اندر کیا ہے؟"

"آہ..... یہ مت پُوچھو..... ورنہ مُصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔" منصُور نے جواب دیا۔ لیکن امیر حمزہ نے ضِد کی اور کہا کہ اب تو ہر قیمت پر صندُوقچہ کھول کر دیکھیں گے۔ بُڈھا مجبُور ہُوا۔ اُس نے ایک خاص ترکیب سے صندُوقچے کا ڈھکنا کھولا اور سبز ریشم میں لپٹی ہُوئی ایک تصویر نکالی۔ حمزہ اِس تصویر کو دیکھتے ہی حیران رہ گئے۔ یہ ایک عورت کی تصویر تھی۔ جس کے سر پر تاج رکھا تھا۔

"اے نوجوان، اِس شہزادی کا نام اطلس پوش ہے اور یہ دربند کام یاب کے بادشاہ کاؤس رُومی کی بیٹی ہے۔ دُنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کے شہزادے اس سے شادی کرنے کو بے قرار ہیں۔ مگر یہ کِسی کو پسند نہیں کرتی۔"

امیر حمزہ نے منصُور سے وُہ تصویر خرید لی۔ ایک رات شب رنگ کے قلعے سے نکلے اور دربند کام یاب کی جانب روانہ ہُوئے۔ کئی دِن سفر کرنے کے بعد ایسے مقام پر پہنچے جہاں سے دو راستے نکلتے تھے۔ حیران ہُوئے کہ کس راستے پر جاؤں

یکایک ایک گڈریا نمودار ہُوا اور اُس نے کہا۔

"اے حمزہ، یہ دونوں راستے دربند کام یاب کو جاتے ہیں دائیں طرف کا راستہ چالیس روز کا ہے اور بائیں طرف کا راستہ چھ مہینے کا ہے۔ پہلے راستے پر ایک دیوانے کا قبضہ ہے۔ اور جو شخص اِس راستے سے گزرتا ہے وُہ اُس کی کھوپڑی پاش پاش کر ڈالتا ہے۔ تُم اس راہ پہ جاؤ اور اُس دیوانے کو قابو میں لاؤ۔"

امیر حمزہ نے اِس اجنبی کا شُکریہ ادا کیا۔ مگر حیران تھے کہ اُسے میرا نام کیوں کر معلُوم ہُوا۔ آخر صبر نہ ہو سکا۔ پُوچھ ہی لیا "اے بھائی، یہ تو بتا تُم کو میرا نام کیسے معلُوم ہُوا؟"

وُہ شخص ہنسا اور کہنے لگا۔" اے حمزہ، میرا نام خِضر ہے خُدا کے حُکم سے آیا ہُوں۔ کبھی کسی بھیس میں ہوتا ہُوں، کبھی کِسی بھیس میں۔۔۔ اچھّا، اب دیر نہ کر اور جلد اپنی منزل کی طرف روانہ ہو" یہ کہہ کر حضرت خِضر غائب ہو گئے۔

امیر حمزہ اللہ کا نام لے کر دائیں راستے پر چل پڑے ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔ جا بجا ندیاں اور پہاڑی چشمے رواں تھے اور جنگل میں سینکڑوں قِسم کے جانور آزادی سے گھُوم رہے تھے۔ اُنتالیس 39 دِن خیریت سے گزر گئے۔ چالیسواں دِن تھا اور حمزہ ایک کھیت میں سے تربوز توڑ کر کھا رہے تھے

کہ کچھ فاصلے پر گرد اُڑی اور اِس میں سے ایک لمبا تڑنگا انسان نمودار ہُوا۔ اس کا جسم بالکل سیاہ تھا اور ایک لنگوٹی کے سِوا کوئی اور کپڑا پہنے ہُوئے نہ تھا۔ سر کے بال بے تحاشا بڑھے ہُوئے تھے۔ مُنہ سے رال بہہ رہی تھی اور آنکھیں سُرخ تھیں۔ اُس کے دوڑنے سے زمین ہِل رہی تھی۔ ایسا طاقت ور آدمی امیر حمزہ نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

وُہ دِیوانہ قریب آن کر کہنے لگا :

"اے بدنصیب تُو کون ہے اور اِدھر کیوں آ نکلا؟ ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ زِندگی کے ہاتھوں تنگ آ گیا ہے۔"

"میں ایک مُسافِر ہُوں اور دربند کام یاب کو جاتا ہُوں۔" امیر حمزہ نے کہا۔

"لیکن تُو نے میری اولاد کو کیوں مارا؟" دیوانے نے غضب ناک ہو کر اُس تربوز کی طرف اِشارہ کیا جو امیر حمزہ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ سُن کر امیر حمزہ ہنس پڑے۔ دِیوانہ مُنہ سے جھاگ اُڑاتا ہُوا اُن کی طرف لپکا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک موٹا سا ڈنڈا تھا۔ اُس نے وہ ڈنڈا حمزہ کے سر پہ مارا۔ حمزہ کو یُوں محسُوس ہُوا جیسے آنکھوں کے سامنے چنگاریاں سی اُڑ رہی ہوں۔ چکرا کر زمین پر گرے۔ دِیوانہ خُوشی سے اُچھلنے کُودنے لگا۔ وُہ امیر حمزہ پر دُوسرا وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ اُنھوں نے

اُس کا ہاتھ پکڑا اور اِس زور کا جھٹکا دیا کہ وُہ مُنہ کے بَل زمین پر دھم سے گرا۔ بس پھر کیا تھا۔ ہولناک چیخ مار کر وُہ حمزہ سے لپٹ گیا اور دونوں میں کُشتی شرُوع ہو گئی۔

کہتے ہیں کہ سارا دِن وُہ دیوانہ امیر حمزہ سے کُشتی لڑتا رہا اور ہزار قِسم کے داؤ پیچ آزمائے۔ مگر حمزہ کو گرا نہ سکا۔ البتّہ حمزہ اس کی قُوّت اور بہادُری کے قائل ہو گئے۔ سُورج غرُوب ہونے کے بعد یکایک حمزہ نے نعرہ مار کر دیوانے کو اُٹھایا اور سر پر گُھما کر چاہتے تھے کہ زمین پر دے ماریں کہ اُس نے امان طلب کی۔ تب اُنھوں نے اُسے آہستہ سے زمین پر پھینکا۔ دیوانے نے حمزہ کے قدم چُومے اور کہا:

"اے جوان، آفرین ہے تجھ پر — اب تک دس ہزار آدمیوں کو جان سے مار چُکا ہُوں مگر آج سے تیرا غُلام ہُوں۔"

"اے دیوانے تیرا نام کیا ہے؟" امیر حمزہ نے پُوچھا۔

"مجھے قندس کہتے ہیں۔" دیوانے نے جواب دِیا۔ پھر امیر حمزہ نے اُسے اپنے ساتھ لیا اور دربند کام یاب کی جانب روانہ ہوئے۔ دِن رات منزلیں طے کرتے ہُوئے چلے جاتے تھے کہ ایک جنگل میں بہت بڑا لشکر دکھائی دِیا جو پڑاؤ ڈالے ہُوئے تھا۔ حمزہ نے قندس دیوانے سے کہا جا کر معلُوم کر یہ لشکر کِس کا ہے۔ قندس دیوانہ لشکر کے قریب پہنچا اور ایک

سپاہی سے پوچھا :

"کیوں میاں سپاہی ، یہ لشکر کِس کا ہے اور کدھر جاتا ہے؟"

سپاہی نے کوئی جواب نہ دیا ۔ البتہ دُوسرا سپاہی کہنے لگا ۔

"یہ لشکر آصف اور الیاس کا ہے ۔"

تب قندس دیوانے نے دُوسرے سپاہی کو اِس زور کا گھونسا مارا کہ وُہ پٹخنیاں کھاتا ہُوا دُور جا گرا اور مر گیا ۔ یہ دیکھ کر بہت سے سپاہی قندس دیوانے کی طرف لپکے اور اُسے گھیرے میں لے لیا ۔ اُنھوں نے اس سے پُوچھا کہ سپاہی نے کیا خطا کی تھی کہ تُو نے اُسے ہلاک کیا ؟ قندس دیوانہ ہنس کر بولا :

"مَیں نے اس سے کچھ نہیں پُوچھا تھا ۔ پھر اُس نے کیوں جواب دیا ۔"

یہ سُن کر سپاہیوں کو غُصّہ آیا اور وُہ سب دیوانے پہ پل پڑے مگر قندس کی بے پناہ طاقت کے سامنے کِسی کی پیش نہ گئی اور اُس نے مار مار کر سب کا بھُرکس نکال دیا ۔

امیر حمزہ نے دیر تک قندس کا اِنتظار کیا لیکن وُہ نہ آیا ۔ تب وُہ خُود لشکر میں آئے ۔ دیکھا کہ ایک ہُلّڑ مچ رہا ہے ۔ اور قندس دیوانہ اپنی شہ زوری کے کرتب دِکھانے میں مصرُوف ہے ۔ اُنھوں نے آگے بڑھ کر دیوانے کو ڈانٹا اور سپاہیوں کو سمجھایا کہ یہ پاگل ہے ۔ اِس سے کچھ نہ کہو ۔ اِس دوران میں

آصف اور الیاس بھی آن پہنچے اور معاملہ رفع دفع ہُوا۔ آصف اور الیاس نے امیر حمزہ سے پُوچھا کہ آپ کون ہیں اور کدھر کا ارادہ ہے؟ امیر نے بتایا کہ میرا نام سعد شامی ہے، سوداگر ہُوں۔ تجارت کا مال لے کر دربند کام یاب کو جاتا تھا کہ راہ میں قزّاقوں نے لُوٹ لیا۔ یہ دیوانہ میرا غُلام ہے۔

یہ سُن کر آصف اور الیاس نے امیر حمزہ کو تسلّی دی اور کہا "سعد شامی، فکر نہ کرو۔ ہمارے ساتھ چلو۔ ہم دربند کام یاب کے بادشاہ کاؤس رُومی کے بیٹے ہیں۔ شہر جا کر تمھیں اتنا مال دیں گے کہ خُوش ہو جاؤ گے"

امیر حمزہ نے اُن کا شُکریہ ادا کیا اور لشکر میں شامل ہو گئے۔ جب دربند کام یاب نزدیک آیا تو حمزہ نے قندس دیوانے سے کہا کہ شہر میں جاؤ اور سرائے میں ٹھہرنے کی جگہ تلاش کرو۔ قندس شہر کے اندر پہنچا اور ایک اچھّی سی سرائے تلاش کی مگر سرائے کے مالک نے کہا کہ کوئی جگہ خالی نہیں ـــ سرائے مُسافروں سے بھر چُکی ہے۔ یہ سُن کر قندس کو طیش آ گیا۔ مُسافروں کو مار مار کر وہاں سے نکال دیا۔ سرائے کا مالک بھی خوف زدہ ہو کر بھاگ گیا۔ اِس اثنا میں امیر حمزہ بھی شہر میں داخل ہُوئے۔ دیکھا کہ ہر طرف ایک ہنگامہ برپا ہے۔ پُوچھا کہ کیا آفت آ گئی۔ کسی نے بتایا کہ ایک سیاہ فام شخص سرائے

میں آیا ہے اور مسافروں کو مار مار کر نکال رہا ہے۔ حمزہ سمجھ گئے کہ یہ شخص قندس دیوانے کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ فوراً سرائے کا رُخ کیا دیکھا کہ دیوانہ سرائے کے صحن میں بیٹھا ہے۔ امیر کو دیکھتے ہی اُٹھ کھڑا ہُوا اور کہنے لگا:

"تشریف لائیے میرے آقا۔ پُوری سرائے آپ کے لیے حاضر ہے۔"

خُدا تجھ سے سمجھے۔" حمزہ نے ناراض ہو کر کہا۔" میں نے تجھ سے یہ کب کہا تھا کہ مسافروں کو مار مار کر یہاں سے بھگا دے۔ اب فوراً جا اور اُن سب کو لے کر آ جنھیں تُو نے یہاں سے نکالا ہے اور آیندہ ایسی حرکت مت کیجو۔ ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔"

شام کے وقت آصف اور الیاس بھی اِس سرائے میں آ گئے اور امیر حمزہ کو پہچان کر صاحب سلامت کی۔ پھر آصف نے کہا۔" اے سعد شامی، ہم تجھے اپنے باپ کے پاس لے چلتے ہیں۔ اُمید ہے تیری ساری تکلیفیں دُور ہو جائیں گے۔"

حمزہ اُن کے ساتھ چلے۔ کاؤس رُومی کے دربار میں داخل ہوئے اور ایک عالی شان فولادی کُرسی پہ جا بیٹھے۔ کاؤس رُومی نے پریشان ہو کر حمزہ سے کہا:

"اے نادان، تیری موت آئی ہے کہ اِس کُرسی پہ آن بیٹھا

یہ فولاد پنجہ کش کی کُرسی ہے ۔ بہتر یہی ہے کہ اس کے آنے سے پہلے اُٹھ جا ۔ ورنہ وُہ مار مار کر تیری ہڈّیاں سُرمہ کر دے گا ۔"

امیر حمزہ مُسکرائے اور کہا "اے بادشاہ ، مَیں نے اپنی زندگی میں بُہت سے فولاد پنجہ کش دیکھے ہیں ۔ اب تو میں اِس کرسی سے ہرگز نہ اُٹھوں گا ۔"

یہ گُفتگو ہو رہی تھی کہ ایک دیوزاد دربار میں داخل ہُوا ۔ اس کا بدن شیشے کی مانند چمک رہا تھا اور شیر کی کھال کندھے پر پڑی تھی ۔ اپنی کُرسی پہ ایک اجنبی کو بیٹھے دیکھ کر بادل کی طرح گرج کر بولا :

"یہ گُستاخ نابکار کون ہے ؟ اسے کِسی نے بتایا نہیں کہ یہ کُرسی کِس کی ہے ؟"

"اسے فولاد پنجہ کش ، زیادہ تقریر کی ضرُورت نہیں ۔ تُجھے اپنی قُوّت کا زعم ہے تو آ اور مُجھ سے پنجہ رلا ۔"

تب فولاد پنجہ کش دُوسری کُرسی پہ بیٹھا اور امیر حمزہ سے پنجہ آزمائی کرنے لگا ۔ کئی گھنٹے تک دونوں پنجہ لڑاتے رہے ۔ آخر حمزہ نے ایسا زور کیا کہ فولاد کی ایک اُنگلی ٹوٹ گئی اور وُہ درد سے چِلّانے لگا ۔ تب امیر حمزہ نے اُس سے کہا :

"اب تُجھے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ مَیں اِس کُرسی پر بیٹھنے کا

حق رکھتا ہُوں ۔"

"بے شک ۔" کاؤس رُومی نے جواب دیا اور فولاد پنجہ کش کو حُکم دیا کہ سعد شامی کے قدموں کو بوسہ دے اور اُس کی اِطاعت قبُول کرے ۔"

فولاد نے سچّے دِل سے امیر حمزہ کی اِطاعت کا اِقرار کیا۔ پھر حمزہ نے اُسے گلے سے لگایا اور اُس کی کُرسی اُسی کو سونپ دی۔ یہ دیکھ کر درباریوں نے آفرین کے نعرے لگائے پُورے شہر میں غُل مچ گیا کہ سعد شامی نام کے ایک نوجوان نے فولاد پنجہ کش کی اُنگلی توڑ ڈالی ہے ۔ کاؤس رُومی اور اُس کے بیٹوں شہزادہ آصف اور شہزادہ الیاس نے امیر حمزہ کو ایک عالی شان اور سجے سجائے مکان میں ٹھہرایا اور بُہت سے لونڈی غُلام خدمت کو عطا کیے ۔ حمزہ نے قندس دیوانے کو اپنے مکان کا چوکیدار مُقرر کیا اور سمجھایا کہ اب دیوانہ پن چھوڑ کر آدمی بن جا ۔

مرزوق فرنگی سے جنگ

ایک دن صبح سویرے امیر حمزہ نئی پوشاک پہن کر کاؤس رومی کے دربار میں آئے۔ اُس نے بڑی تعظیم سے اپنے قریب بٹھایا۔ فولاد پنجہ کش بھی گردن جھکائے آیا اور امیر حمزہ کے قدموں میں جا بیٹھا۔ اچانک ہرکاروں نے خبر دی کہ مرزوق فرنگی کا ایک جرنیل دولائے فرنگی پانچ ہزار سپاہیوں کو لے کر شہر پناہ کے دروازے پر اُترا ہے اور انیس فرنگی مرزوق کا خط لیے ہوئے آتا ہے۔ اِتنے میں شور مچا اور انیس فرنگی سامنے آیا۔ کاؤس رومی کو سلام کیا اور کرسی پر بیٹھنے کے بعد مرزوق کا خط بادشاہ کو دیا۔ کاؤس نے خط پڑھا۔ اُس میں لکھا تھا۔

"اے کاؤس رومی، تجھ کو معلوم ہو کہ میرا بیٹا کپتان فرنگی تیری بیٹی اطلس پوش سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اطلس پوش کو جلد سوار کرا کے دولائے فرنگی کے ہمراہ روانہ کرو جہیز وغیرہ کی کچھ فکر نہ کرنا۔ میں اُس کی شادی یہاں بڑی دھوم

دھام سے خود کروں گا اور تم کو فخر کرنا چاہیے کہ مرزوق فرنگی نے اپنے بیٹے کے لیے تمھاری بیٹی کا رشتہ طلب کیا ہے۔ اب دیر نہ کرو اور ملکہ اطلس پوش کو فوراً روانہ کرو۔ ورنہ میں تمھیں ایسی عبرت ناک سزا دوں گا جو آج تک کسی کو نہ دی ہو گی۔"

کاؤس رُومی نے یہ خط پڑھا تو خوف سے اُس کا کلیجا بیٹھنے لگا۔ وُہ مرزوق فرنگی کی طاقت سے اچھی طرح آگاہ تھا کہ اِنکار کی صُورت میں وُہ دربند کام یاب کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ اطلس پوش کو دولامے فرنگی کے ساتھ بھیج دینا چاہیے۔

امیر حمزہ کاؤس رُومی کے چہرے کا اُتار چڑھاؤ غور سے دیکھ رہے تھے۔ سمجھ گئے کہ ضُرور کوئی خاص بات ہے۔ اپنی جگہ سے اُٹھے اور کاؤس کے قریب جا کر کہا:

"اگر کوئی ہرج نہ ہو تو یہ خط مجھے دِکھائیے۔"

کاؤس نے چُپ چاپ وُہ خط امیر کے ہاتھ میں دے دِیا امیر حمزہ نے مضمُون پڑھا تو غُصّے سے چہرہ انگارے کی طرح لال ہو گیا۔ اُنھوں نے وُہ خط پُرزے پُرزے کر دِیا۔ یہ دیکھ کر انیس فرنگی طیش میں آ کر چلّایا:

"اے بدبخت، تُو نے غضب کیا کہ مرزُوق کا خط پھاڑ کر پھینک دِیا۔ اب تجھے موت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔"

یہ کہہ کر اُس نے اپنی کمر سے خنجر نکالا اور امیر حمزہ کی طرف پھینکا۔ قریب تھا کہ وہ خنجر حمزہ کے سینے میں پیوست ہو، کہ اُنھوں نے وار خالی دیا۔ پھر آگے بڑھ کر ایک طمانچہ اِس زور سے انیس فرنگی کے گال پر رسید کیا کہ اس کی گردن پھر گئی۔ تڑپ کر گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ یہ دیکھ کر اُس کے ساتھ آنے والے چار فرنگی غلاموں نے حمزہ پر حملہ کر دیا مگر امیر نے ایک ایک کر کے اُن چاروں کو خون میں نہلایا۔ آخر یہ غلام وہاں سے بھاگے اور اپنے لشکر میں جا کر دولائے فرنگی سے سب حال کہا۔ اُسے سخت غصّہ آیا۔ اُسی وقت طبلِ جنگ بجانے کا حکم دِیا۔ اِدھر ہرکاروں نے کاؤس رُومی تک خبر پہنچائی کہ دولائے فرنگی حملہ کر رہا ہے۔ تب کاؤس نے امیر حمزہ سے کہا:

"اے سعد شامی، تُو نے یہ کیا غضب کیا کہ انیس فرنگی اور اُس کے غلاموں کو مارا۔ اب عذاب آیا چاہتا ہے۔ دولائے فرنگی قتلِ عام کرے گا اور خُدا کی بے گناہ مخلوق ناحق ماری جائے گی۔"

"آپ بالکل نہ گھبرائیے۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "دولائے فرنگی اور اُس کے آقا مرزوق سے میں نپٹ لوں گا۔"

غرض رات بھر جنگ کی تیاری ہوتی رہی اور صُبح کو امیر حمزہ کاؤس رُومی کی چھوٹی سی فوج لے کر میدانِ جنگ میں آئے۔ دولائے فرنگی بھی تیار تھا اور اپنی فوج کی صفیں بنا رہا تھا۔

آصف اور الیاس نے بھی اپنے باپ سے کہا کہ یہ خلافِ مُروّت ہے کہ سعد شامی اکیلا لڑے۔ ہم بھی اُس کے دائیں بائیں کھڑے ہوں گے۔ کاؤس نے دونوں شہزادوں کو اجازت دے دی اور وُہ گھوڑے دوڑاتے ہُوئے میدان میں آ گئے۔

یکایک دولائے فرنگی کے چند نقیب نمودار ہُوئے اور اُنھوں نے بُلند آواز سے کہا:

"جس شخص کو موت کی آرزُو ہو وُہ میدان میں نکلے اور ارزق کا مُقابلہ کرے۔"

اِس اعلان کے ساتھ ہی دولائے فرنگی کے لشکر میں سے ایک قد آور جوان سُرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار میدان میں آیا سر سے پاؤں تک اس کا جسم فولادی زرہ میں چھپا ہُوا تھا اور ہاتھ میں ایک فُٹ لمبا نیزہ تھا۔ تب فولاد پنجہ کش حمزہ سے اجازت لے کر ارزق کے مقابلے میں آیا۔ ارزق نے گھوڑا دوڑا کر نیزے سے حملہ کیا۔ نیزے کی انی فولاد پنجہ کش کے سر کو چھُو گئی اور خُون بہنے لگا۔ یہ دیکھ کر فولاد غُصّے سے تپ گیا۔ اور تلوار نکال کر ایسا زبردست وار کیا کہ ارزق کا بدن خربُوزے کی پھانک بن کر کٹ گیا اور وُہ ایک ہولناک چیخ کے ساتھ زمین پر گرا۔ ارزق کے گرتے ہی توماس فرنگی میدان میں آیا۔ اِدھر سے تندس دیوانہ جھُومتا ہُوا اُس کے مُقابلے میں چلا ـــ

توماس نے تلوار سے حملہ کیا۔ قندس نے ڈھال پہ وار روکا اور پھر کئی من وزنی ڈھال توماس کے سر پہ اس زور سے دے ماری کہ اُس کا بھیجا کھوپڑی سے باہر آ گیا۔ اتنے میں تین فرنگی گالیاں بکتے ہوئے میدان میں آ گئے۔ یہ تینوں توماس کے سگے بھائی تھے۔ قندس دیوانے نے ایک ایک کر کے تینوں کو ٹھکانے لگایا۔ اب تو دولائے فرنگی کی فوج میں دہشت پھیلی اور اُس نے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ یہ دیکھ کر دولائے فرنگی نے اپنے سپاہیوں کو ڈانٹا اور کہا :

" اگر کسی نے میدان چھوڑ کر بھاگنے کی کوشش کی تو زن و بچّہ کو لہو میں پلوا دوں گا۔ اب تماشا دیکھو۔ میں ابھی اس دیوانے کو گرفتار کر کے لاتا ہوں۔"

دولائے فرنگی نہایت عیّار آدمی تھا۔ اُس نے سوچا لڑنے بھڑنے سے کام نہیں چلے گا۔ دیوانے کو گرفتار کرنے کے لیے کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ وہ ایک کمند لے کر میدان میں آیا اور اپنے گھوڑے کو قندس کے ارد گرد چکّر دینے لگا۔ قندس اس حرکت پر قہقہے لگانے لگا۔ اُسے بے خبر پا کر یکایک دولائے فرنگی نے کمند پھینکی اور دیوانے کو اس میں جکڑ کر گھسیٹتا ہوا اپنے لشکر میں لے گیا۔ اُس کی فوج نے خوشی سے نعرے لگا لگا کر آسمان سر پہ اُٹھا لیا۔

اب آصف اور الیاس نے میدان میں جانا چاہا لیکن امیر حمزہ نے انھیں روک دیا اور کہا کہ قندس میرا غلام تھا۔ مجھے اس کے پکڑے جانے کا بڑا صدمہ ہے۔ جب تک اُسے قید سے رہا نہ کراؤں گا، مجھ پر کھانا پینا حرام ہے۔ اِتنے میں دولائے فرنگی پھر نمودار ہُوا اور بُلند آواز سے کہنے لگا :

"جسے بہادری کا دعویٰ ہو وُہ میرے سامنے آئے۔ دم کے دم میں چُوہے کی طرح پکڑ کر اپنے لشکر میں لے جاؤں گا۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی ۔۔۔ اُسی وقت اپنا گھوڑا بڑھایا اور اِس شان سے میدانِ جنگ میں نکلے کہ دوست دُشمن سب نے واہ وا کی۔ دولائے فرنگی کے دِل پر ہیبت طاری ہُوئی وُہ امیر حمزہ سے کہنے لگا :

"اے جوان، تُو کون ہے اور تُو نے یہ گھوڑا اور ہتھیار کہاں سے ہتھیائے ؟"

"اے بے ایمان فرنگی، مَیں یہاں تیرے بے ہُودہ سوالوں کا جواب دینے نہیں آیا۔ تجھے بہادری کا دعویٰ ہے تو کوئی ثبُوت پیش کر۔۔۔"

یہ سُن کر دولائے فرنگی نے پھر اپنا گھوڑا دوڑایا اور امیر حمزہ کے گرد تیزی سے چکّر کاٹنے لگا۔ پھر موقع پا کر اُس نے کمند پھینکی لیکن امیر حمزہ نے کمند پکڑ لی اور ایسا جھٹکا دیا کہ

چِلّاتا

دولائے فرنگی اپنے گھوڑے سے مُنہ کے بل زمین پہ گرا اور اُس کی ناک کان سے لہُو جاری ہُوا۔ وُہ واپس اپنے لشکر میں بھاگنا چاہتا تھا کہ امیر حمزہ کی تلوار بجلی کی مانند اُس کے اُوپر گری اور اُس کا ناپاک جسم دو ٹکڑے ہو گیا۔ آصف اور الیاس کے لشکر نے خُوشی کے نعرے لگائے۔ پھر اُنھوں نے فرنگیوں پر حملہ کر دیا۔ دونوں طرف سے تلوار چلنے لگی۔ سر دھڑ کی بازی لگ گئی۔ ایسی گھمسان کی جنگ ہُوئی کہ آسمان کی آنکھ نے اس کا نظّارہ پہلے کبھی نہ کیا ہو گا۔

اپنے سپہ سالار کے مارے جانے سے فرنگی فوج کے حوصلے پست ہو گئے۔ وُہ زیادہ دیر تک جم نہ سکی اور جب بے شمار سپاہی گاجر مُولی کی طرح کٹ گئے تو اُس نے اپنے گھوڑوں کی باگیں پھیریں اور بھاگ اُٹھی۔ امیر حمزہ نے قندس دیوانے کو چھڑا لیا۔ وُہ لوہے کی موٹی موٹی زنجیروں میں جکڑا ہُوا تھا۔ امیر کو دیکھتے ہی اُن کے قدموں پہ گرا اور آنسو بہانے لگا۔

آصف اور الیاس سعد شامی کی بہادری اور جی داری دیکھ کر بہت خُوش تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اُنھوں نے فرنگیوں کے لشکر کو اِس بُری طرح شکست دی تھی۔ جب یہ شہزادے سعد شامی کو اپنے ساتھ لے کر دربند کام یاب میں آئے تو شہر کے باہر کاؤس رُومی نے اُن کا اِستقبال کیا۔ اُس نے سعد شامی کو

گلے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیا، پھر کہنے لگا:

"میں اپنی خوش نصیبی پر ناز کرتا ہوں کہ بیٹھے بٹھائے تجھ جیسا شیر دل بیٹا مجھے مل گیا۔ اب میں تجھے کہیں جانے نہ دوں گا۔ اپنی بیٹی اطلس پوش سے تیری شادی کر دوں گا۔"

یہ سن کر امیر حمزہ مسکرائے اور کہا "اے بادشاہ، میرا نام سعد شامی نہیں، حمزہ ہے اور میں نوشیرواں شہنشاہِ ہفت کشور کا داماد ہوں۔ میں نے ایک وجہ سے اپنا صحیح نام نہیں بتایا تھا۔ اس کی معافی چاہتا ہوں۔"

کاؤس رومی اور اس کے بیٹوں نے جب سنا کہ امیر حمزہ یہی شخص ہے تو خوشی کے مارے پھولے نہ سمائے اور انتہائی تعظیم سے اپنے عالی شان محل میں لے گئے۔ تب کاؤس رومی نے امیر حمزہ سے کہا:

"تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا کہ یہاں آئے اور فرنگی دشمنوں سے میری خاطر لڑے لیکن ابھی خطرہ دور نہیں ہوا۔ مرزوق فرنگی جب اپنے سپہ سالار دولائے فرنگی کے مارے جانے کی خبر سنے گا تو طیش میں آ کر یہاں آئے گا اور اس کے ساتھ لاکھوں فرنگیوں کا ایک لشکر ہو گا۔"

"اے بادشاہ، مرزوق فرنگی کی کیا مجال کہ دربند کام یاب کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "اگر وہ یہاں

آیا نوجوان سلامت لے کر نہ جائے گا۔"

اُدھر شہزادی اطلس پوش کی سہیلی وزیر زادی نے یہ تمام قصّہ اپنی شہزادی کو سُنایا اور کہا کہ سعد شامی دراصل امیر حمزہ ہے اور نوشیروان کا داماد ہے۔ اِس وزیر زادی کا نام شیوہ تھا۔ اور وُہ محل کی تمام لڑکیوں میں سب سے زیادہ چالاک سمجھی جاتی تھی۔ شہزادی اطلس پوش نے جب سُنا کہ امیر حمزہ کی شادی نوشیروان کی بیٹی مہر نگار سے ہو چُکی ہے تو اُس کا دِل بیٹھ گیا اور وُہ چُپکے چُپکے آنسو بہانے لگی۔ تب شیوہ وزیر زادی نے اطلس پوش سے کہا:

"اے شہزادی، اب رونے دھونے سے کیا حاصل۔ صبر کرو اور دیکھو کہ خُدا کیا کرتا ہے۔"

امیر حمزہ تو دربند کام یاب میں مرزوق فرنگی کی آمد کا اِنتظار کر رہے تھے اور اُدھر سُلطان بخت مغربی نے مکّے جا کر خواجہ عبدالمطلب کو سارا قصّہ سُنایا کہ ایک سُنہری ہرن کے پیچھے امیر حمزہ نہ جانے کہاں نِکل گئے۔ خواجہ عبدالمطّلب سخت پریشان ہُوئے اور اُنھوں نے اُسی وقت عمرو عیّار کے پاس ایک قاصد روانہ کیا اور پیغام بھیجا کہ امیر حمزہ کو تلاش کرو۔

عمرو عیّار نے آئینۂ سکندری نِکالا اور اس میں دیکھا کہ امیر

حمزہ دربند کام یاب میں موجود ہیں اور کاؤس رُومی اُن کی خاطر تواضع میں بچھا جاتا ہے۔ تب عَمرو عیّار نے ایک مال دار سوداگر کا بھیس بدلا اور ہَوا کے گھوڑے پہ سوار ہو دربند کام یاب کی جانب روانہ ہُوا۔

ہرکاروں نے بادشاہ کو خبر دی کہ ایک بُہت بڑا سوداگر شہر میں آیا ہے اور دربار میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔ کاؤس رُومی نے سوداگر کو دربار میں آنے کی اِجازت دی۔ عمرو عیّار دربار میں آیا۔ دیکھا کہ درباری قطار اندر قطار شان دار لباس پہنے کھڑے ہیں۔ جا بجا حبشی غُلام تلواریں اور نیزے لیے پہرا دے رہے ہیں۔ ایک اُونچے تخت پہ کاؤس رُومی بیٹھا ہے اور اُس کے قریب ہی امیر حمزہ نہایت بیش قیمت لباس پہنے سونے کی کُرسی پہ بیٹھے ہیں۔

عَمرو عیّار نے تخت کے قریب پہنچ کر کاؤس رومی کو جُھک کر سلام کیا اور دولت و اقبال بڑھنے کی دُعائیں دیں۔ کاؤس نے سلام کا جواب دے کر کہا:

"اے سوداگر، تُو کہاں سے آیا ہے اور تیرے پاس کیا کیا چیزیں ہیں؟"

سوداگر نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ "جہاں پناہ، میں مُلک حبش سے آیا ہُوں اور آنے کی وجہ یہ ہے کہ میرا ایک غُلام کچھ سامان

چُرا کر بھاگا اور آپ کے شہر میں آ گیا ہے۔ میں اُسی کی تلاش میں آیا ہُوں اور سُنا ہے کہ وُہ غُلام آپ کے دربار میں پہنچ گیا ہے۔"

کاؤس رُومی یہ سُن کر حیران ہُوا۔ کہنے لگا "اے سوداگر ہوش سے بات کر ورنہ ابھی تیری گردن اُڑ دی جائے گی۔ میرے دربار میں سبھی لوگ عزّت دار ہیں۔ اچھّے خاندانوں کے ہیں۔ اِن میں غُلام کیسے شامل ہو سکتا ہے۔"

تب عَمرو عیّار نے مُسکرا کر کہا "عالی جاہ، آپ کا فرمانا درُست ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ میرا وُہ غُلام کوئی ایرا غیرا نتھُو خیرا نہیں ایک اُونچے خاندان کا آدمی ہے اور اب میں نے دیکھ لیا ہے کہ وُہ کِس جگہ بیٹھا ہے۔"

کاؤس رُومی اپنے تخت سے اُٹھا اور گرج کر بولا "جلد بتا وُہ غُلام کون ہے؟"

عَمرو نے جھٹ امیر حمزہ کی جانب اِشارہ کر دیا۔ امیر حمزہ بدحواس ہو کر سوداگر کی طرف گھُورنے لگے۔ عَمرو نے قہقہہ لگا کر کہا "کیوں او غُلام، اب بول —— میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا؟"

دربار میں سنّاٹا چھایا ہُوا تھا۔ ہر شخص پلک جھپکائے بغیر عَمرو اور امیر حمزہ کو گھُور رہا تھا۔ کاؤس رُومی اور اُس کے بیٹوں

آصف اور الیاس کے مُنہ حیرت سے کُھلے کے کُھلے رہ گئے تھے کاؤس نے گرج کر امیر حمزہ سے کہا :

"کیا یہ سوداگر سچ کہتا ہے ؟"

"اے بادشاہ ، یہ سوداگر بکواس کرتا ہے ۔ میں نے آج سے پہلے اس کی شکل تک نہیں دیکھی ۔" امیر حمزہ نے کہا ۔

یہ سُنتے ہی قندس دیوانہ اپنی جگہ سے اُچھلا اور عمرو کی طرف بڑھا ۔ اس کی ہیبت ناک شکل اور ہاتھی جیسا جسم دیکھ کر عمرو کے اوسان خطا ہوئے ۔ وہیں سے اصلی آواز میں چلّایا : "اے حمزہ ، اس مُوذی سے مُجھے بچا ۔"

امیر حمزہ نے فوراً اپنے یار عمرو عیّار کی آواز پہچان لی اور قندس دیوانے کو حُکم دیا کہ خبردار سوداگر کو کوئی نقصان نہ پہنچے یہ واقعی ہمارا آقا ہے اور ہم اس کے غُلام ہیں ۔ تب قندس دیوانہ اپنی جگہ آن بیٹھا ۔ اس کے بعد امیر حمزہ نے عمرو کا ہاتھ پکڑا اور کاؤس کے پاس لے گیا ۔

"اے بادشاہ ، یہ میرا بچپن کا دوست عمرو ہے ۔ عیّاری میں بے مثال اور ہوشیاری میں لاجواب ۔ میری تلاش میں آیا ہے ۔ اور یہ بھیس بھرا ہے ۔"

کاؤس رُومی نے عمرو کا نام اور کارنامے سُن رکھے تھے ۔ اس سے مل کر بہت خُوش ہوا اور کہنے لگا :

"مرحبا، اے عیّاروں کے سردار تم خُوب آگئے۔ اب میں تمہیں جانے نہ دُوں گا۔"

کاؤس نے یہ کہہ کر عَمرو کا ہاتھ پکڑا اور اپنے محل میں لے گیا۔ راستے میں عَمرو نے امیر حمزہ سے کہا۔ "بھائی حمزہ، تم جیسا بے وفا اور بے پروا آدمی بھی نہیں دیکھا۔ ہرن کے شکار کو نکلے اور یہاں آن کر عیش و عشرت میں پڑ گئے۔ اپنے یار دوستوں کی خبر نہ لیتے، کم از کم شہزادی مہر نگار اور شہزادوں کا حال تو معلوم کر لیتے۔ تمہاری جُدائی میں اُن پہ کیا بیت گئی ہے۔"

اتنے میں شور مچا کہ شہزادی اطلس پوش کی سواری آئی ہے چند لمحے بعد اطلس پوش وہاں آئی تو اُس کو دیکھ کر عَمرو نے دانتوں میں اُنگلی دبائی۔ یکایک اطلس پوش کی سہیلی وزیر زادی شیوہ اُدھر سے گُزری اور شرارت سے عَمرو کو انگوٹھا دِکھایا۔ عَمرو کا خُون کھول گیا۔ دانت پیس کر کہنے لگا:

"معلُوم ہوتا ہے اِس عورت کی شامت آئی ہے۔ خواہ مخواہ مجھے انگوٹھا دکھا کر گئی ہے۔"

عَمرو کی اس بات پہ کاؤس رُومی اور امیر حمزہ خُوب ہنسے۔ تھوڑی دیر بعد دستر خوان بچھا اور سب لوگ کھانے کے لیے بیٹھے اتّفاق سے وزیر زادی شیوہ عَمرو عیّار کے بالکل سامنے بیٹھی تھی۔ عَمرو کو شرارت سُوجھی۔ شیوہ سے کہنے لگا:

"سارے زمانے میں اُودھم مچ رہا ہے کہ اطلس پوش بڑی خُوب صُورت شہزادی ہے۔ لیکن ہمیں تو اس کی آنکھ خراب نظر آتی ہے۔ میرا خیال ہے کچھ بھینگی ہے۔"

یہ سُن کر شیوہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جل کر بولی "تیرے مُنہ میں خاک ـــ چاند میں داغ ہے لیکن ہماری شہزادی میں داغ نہیں۔ مُوئے، خُود تیری آنکھ بھینگی ہے جو تُجھے شہزادی میں یہ عیب دِکھائی دیا۔"

"آہا..... " عَمرو نے ہنس کر کہا۔ "اپنے مُنہ میاں مِٹھُّو اِسی کو کہتے ہیں۔ کبھی آپ نے اور آپ کی شہزادی نے آئینے میں اپنی صُورت بھی دیکھی ہے۔ اگر نہیں دیکھی تو میں آئینہ پیش کرتا ہُوں۔"

یہ کہہ کر اپنی زنبیل میں سے ایک آئینہ نکالا اور شیوہ کو دیا۔ شیوہ نے پہلے اِس میں اپنی شکل دیکھی تو واقعی ایک آنکھ بڑی اور ایک چھوٹی دِکھائی دی۔ وہ سخت پریشان ہُوئی۔ پھر شہزادی اطلس پوش کے پاس جا کر وہ آئینہ اُسے دیا۔ اُس نے بھی اپنی شکل دیکھی تو ایک آنکھ بھینگی دِکھائی دی۔ اب تو وزیر زادی اور شہزادی دونوں کے چہرے خوف سے فق ہُوئے اور کلیجے دھک دھک کرنے لگے۔ جِتنی بار آئینے میں اپنی صُورتیں دیکھتیں، کوئی نہ کوئی عیب نظر آتا۔ کبھی دائیں آنکھ بھینگی دِکھائی دیتی تو کبھی بائیں آنکھ۔ کبھی دانت لمبے لمبے نظر آتے تو کبھی ناک موٹی اور

بھدّی ہو جاتی۔ تب عمرو نے سارا قِصّہ امیر حمزہ کے کان میں کہا وہ بہت ہنسے اور اُنھوں نے کاؤس رومی کو سُنایا۔ وہ بھی خوب ہنسا۔ آخر امیر حمزہ نے شہزادی سے کہا:

"خواجہ عمرو کہتے ہیں کہ اگر شہزادی صاحبہ اور وزیر زادی مجھے کچھ عطا فرمائیں تو یہ عیب دُور ہو سکتا ہے۔" یہ سُن کر اطلس پوش نے جواہرات کا صندُوقچہ منگوایا اور دو بیش قیمت لعل نکال کر عمرو کو دِیے۔ عمرو نے سلام کر کے لے لیے۔ پھر پہلا آئینہ زنبیل میں رکھ کر دُوسرا آئینہ نکالا اور شہزادی کو دیا — شہزادی نے اِس آئینے میں اپنی صُورت دیکھی تو پہلے سے بھی زیادہ حسین نظر آنے لگی۔ یہ کرشمہ دیکھ کر شہزادی بے حد خُوش ہُوئی۔ تب عمرو نے کہا:

"اے شہزادی، میری جانب سے یہ آئینہ آپ کی نذر ہے۔ قبول فرمائیے — لیکن اِس کی قیمت ایک ہزار اشرفیاں ہے۔ وُہ دلوائیے۔" اطلس پوش نے ہزار اشرفیاں دے کر آئینہ خرید لیا —

کھانے سے فارغ ہُوئے تو امیر حمزہ نے کہا۔ ہمارے دوست خواجہ عمرو بہت اچھے گویّے ہیں۔ اب میں اِن سے درخواست کرتا ہُوں کہ وُہ کوئی گانا سُنائیں۔"

عمرو نے کہا "میں گانے کے لیے تیار ہُوں لیکن شرط یہ

ہے کہ شیوہ وزیر زادی اپنی زبان سے کہیں۔"

عمرو کی یہ بات سُن کر شیوہ جھلّا کر کہنے لگی "ہُنھ..... بڑا آیا گانے والا۔ میری جُوتی کو غرض پڑی ہے جو اِس سے گانے کی فرمائش کرُوں۔ جی چاہے گائے جی چاہے نہ گائے۔"

عمرو نے قہقہہ لگایا اور کہا۔" زبان سے تو یُوں کہتی ہو لیکن تمُہارا دل میرا گانا سُننے کو چاہتا ہے۔"

اب تو شیوہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ تیوریاں چڑھا کر بولی۔ "بھائی حمزہ، اپنے اِس دوست کو سمجھا لو۔ میرے مُنہ نہ لگے ورنہ سات پُشتوں کو دُھن کے رکھ دُوں گی۔ عیّار ہو گا تو اپنے گھر میں ہو گا۔"

تب حمزہ نے عمرو کو ڈانٹا کہ یہ کیا بے ہُودگی ہے۔ گانا شرُوع کرو۔ غرض عمرو نے زنبیل سے داؤد علیہ السّلام کا اِک تارہ نکالا اور بجانا شرُوع کیا۔ اُس کی آواز سے ایسا سماں بندھا کہ در و دیوار بھی جھُومنے لگے۔ پھر عمرو نے ایک نغمہ چھیڑا اور اِس خُوبی سے گایا کہ سب نے بے اختیار تعریف کی لیکن شیوہ وزیر زادی خاموش بیٹھی رہی۔ آخر عمرو نے اُس سے پُوچھا۔" کیوں صاحب، آپ کو میرا گانا پسند آیا؟"

" جی ہاں، پہاڑی کوّے آپ سے اچھّا گا لیتے ہیں۔" وزیر زادی نے جواب دیا اور اُس کی یہ بات سُن کر سب نے خُوب

قہقہے لگائے۔ عمرو کھسیانا ہو گیا اور کہنے لگا :

"آئندہ گانے والے پر ہزار لعنت ہے۔" یہ کہہ کر اک تارا بغل میں دبایا اور جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ حمزہ نے خوشامد سے روکا، تب رُکا۔

عمرو عیّار گیا تو تھا امیر حمزہ کی خبر لینے اور اُنھیں واپس لانے کے لیے، لیکن دربند کام یاب کی دِل چسپیوں میں ایسا اُلجھا کہ وہیں کا ہو رہا۔ ایک دن امیر حمزہ نے اُس سے کہا کہ تُم مجھے لینے آئے تھے اور خُود یہیں رہ گئے۔ کیا واپس جانے کا اِرادہ نہیں؟ عمرو آنکھ میں آنسو بھر کر بولا :

"بھائی حمزہ، تُم شوق سے جاؤ، لیکن بندہ تو اب یہیں مرنے کی قسم کھا چُکا ہے۔"

"ہیں ہیں؟ یہ کیا بکتے ہو؟" امیر حمزہ نے حیران ہو کر کہا۔ "مریں تُمھارے دُشمن ـــ سچ سچ کہو کیا معاملہ ہے؟"

تب عمرو نے شرماتے ہُوئے کہا کہ اگر میری شادی شیوہ وزیرزادی سے نہ ہُوئی تو قیامت تک دربند کام یاب سے نہ جاؤں گا۔" یہ سُن کر حمزہ خُوب ہنسے اور کہنے لگے :

"احمق، یہ بات پہلے ہی بتا دیتے تو اب تک تمھاری شادی ہو گئی ہوتی۔"

قصّہ مختصر امیر حمزہ نے کاؤس رُومی سے بات کی اور کاؤس

رُومی نے اپنے وزیر پر زور دیا۔ آخر وُہ مان گیا اور ایک دن نہایت دُھوم دھام سے عمرِ عیّار کی شادی وزیر زادی شیوہ سے ہو گئی۔ عمرو کی یہ دُوسری شادی تھی۔ آپ کو یاد ہو گا کہ اِس سے پہلے وُہ بختک کی لڑکی سے شادی کر چُکا تھا۔

بہمن بغاوت کرتا ہے

امیر حمزہ اور عمرو عیّار کو غائب ہوئے ایک سال کا عرصہ گزر گیا۔ اِس دوران میں بہمن، حمزہ کی کرسی پر بیٹھا لشکر کی نگرانی کرتا رہا اور اُس نے ملکہ مہر نگار کی عزّت میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ اُدھر نوشیروان نے مدائن پہنچ کر شہزادہ قباد شہر یار کی تخت نشینی کے انتظامات شروع کر دیے تھے اور بختک نامُراد یہ انتظام دیکھ کر انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ اُس نے کئی مرتبہ نوشیروان کو بہکانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہُوا۔ آخر اُس نے سوچ سوچ کر بہمن کو ایک خط اِس مضمون کا لکھا:

"بہمن کو معلوم ہو کہ حمزہ اور عمرو عیّار دونوں ہلاک ہو چکے ہیں۔ ہمارے پاس اُن کے مرنے کا ثبوت موجود ہے۔ اب تم پر حمزہ کی اطاعت فرض نہیں رہی۔ اِس کے ساتھیوں کو فوراً ہلاک کر دو اور شہزادی مہر نگار کو اپنے قبضے میں کر لو۔ ہفت شور کا تخت تمھارا منتظر ہے۔ نوشیروان بھی تمھارے حق میں

ہے کہ تم سے اچھّا بادشاہ اِس مُلک کو نہ ملے گا۔"

بہمن نے بختک کا یہ خط پڑھا تو دِل میں شیطان نے ڈیرا جمایا۔ سوچنے لگا کہ موقع اچھّا ہے۔ سلطنت پر قبضہ کر لُوں تو کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اگر حمزہ زندہ بھی ہُوا تو میرا کیا بگاڑ لے گا۔

اُس نے ایک قاصد کو مدائن بھیجا اور بختک کو اپنے پاس بُلوایا۔ پھر ژوبین مکّار کو اپنی اس سازش سے آگاہ کیا۔ وُہ بھی خوش ہُوا۔ کہنے لگا:

"مہر نگار کو بُلانے کی ایک تدبیر میرے ذہن میں آئی ہے میں کل صُبح اُس کے پاس پیغام بھیجوں گا کہ میرے باپ کا چالیسواں ہے۔ آپ شہزادہ شہریار کے ساتھ تشریف لائیں تو اِس غلام کی بڑی عزّت افزائی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ شہزادی مہر نگار ضرور آئے گی۔ پھر اُسے قید کر لینا کچھ مُشکل نہ ہو گا۔"

ژوبین کی یہ تدبیر سُن کر بہمن اور بختک پھڑک گئے۔ اُسی وقت ایک ہوشیار غُلام کو طلب کر کے یہ پیغام ملکہ مہر نگار کے پاس بھجوا دیا گیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ ہم کل ضرور آئیں گے۔ اگلے روز ملکہ مہر نگار اور شہزادہ قباد شہریار کی سواری بڑی دھوم دھام سے آئی اور بہمن کی قیام گاہ پر پہنچی۔ سب عورتوں نے مہر نگار کے قدم چُومے اور نہایت عزّت سے اپنے ساتھ لے

گئیں۔ اُدھر ژوبین، بختک اور بہمن نے قباد شہریار کا اِستقبال کیا۔

ملکہ مہرنگار کنیزوں اور بادشاہ زادیوں میں گھری بیٹھی تھی۔ یکایک اُس نے سُنا کہ ایک عورت دُوسری عورت سے کہہ رہی ہے کہ مہرنگار بڑے غرور سے آئی ہے مگر تھوڑی دیر میں اُسے اپنی حیثیت کا پتا چل جائے گا۔

یہ الفاظ سُن کر مہرنگار کے کان کھڑے ہُوئے۔ سمجھ گئی کہ اس کے خلاف کوئی سازش کی جا رہی ہے۔ اُسی وقت ایک خواجہ سرا کے ہاتھ شہزادہ شہریار کو پیغام بھیجا کہ یہاں آؤ اور مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ خواجہ سرا نے یہ پیغام شہزادے کو دیا۔ وُہ اُسی وقت آیا اور اپنی والدہ مہرنگار کو گھوڑا گاڑی میں سوار کرا کے اپنے لشکر میں لے گیا۔ بہمن، ژوبین اور بختک مُنہ دیکھتے رہ گئے۔ کسی کو ہمّت نہ ہُوئی کہ اُنھیں روک لیتا۔ ژوبین نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا:

"افسوس کہ شکار ہمارے ہاتھ سے نِکل گیا۔"

بختک نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "فِکر نہ کرو۔ حمزہ کے یاروں سے لڑنے کا اچھّا بہانہ مِل گیا ہے۔ کہہ دو کہ مہرنگار اور شہزادہ قباد شہریار نے ہماری سخت توہین کی ہے۔ لہذا ہم پر اُن کی اِطاعت فرض نہیں رہی۔"

بہمن خود آگ بگولا ہو رہا تھا۔ بختک کی یہ بات سُنی تو چلا کر کہنے لگا "کیا غضب ہے کہ مہر نگار اور اُس کا چھوکرا یُوں ہماری مٹی پلید کرے۔ اب میں دیکھتا ہُوں کہ وُہ کیسے تخت پر بیٹھتا ہے۔ اس کی جگہ نوشیرواں کے بیٹے شہزادہ ہرمُز کو تخت پر بٹھاؤں گا۔"

لندھور کے کانوں تک بہمن کی آواز گئی تو وُہ گرج کر بولا "اے کوہستانی، تجھے حمزہ بڑے مرتبے پر بیٹھا کر گیا ہے۔ تجھے ایسا کلمہ مُنہ سے نکالنا زیب نہیں دیتا۔"

بہمن نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ پکڑو اس وحشی کو۔ چاروں طرف سے بہمن کے آدمی ننگی تلواریں لیے لندھور کی طرف بڑھے لندھور نے اپنے دوستوں کو پُکارا اور پھر خوف ناک جنگ شروع ہو گئی۔ لندھور نے اپنا گُرز بہمن کے سینے پر مارا تو وُہ لڑھکنیاں کھاتا ہُوا دُور جا گرا اور خُون تھوکنے لگا۔ اس دوران میں لندھور بھی سخت زخمی ہُوا اور عادی پہلوان بھی — شرباِل ہندی کے بیٹوں نے بہت سے باغیوں کو ہلاک کیا۔ اِستقفنا نوش اور صدف نوش بے جگری سے لڑتے۔ یہاں تک کہ کُشتوں کے پُشتے لگا دِیے۔ مقبل وفادار ملکہ مہر نگار کی حفاظت کر رہا تھا۔ اُس نے فوراً اپنے لشکر کو لندھور کی مدد پر بھیجا اور خُود مہر نگار اور قباد شہریار کو لے کر حلب کی جانب روانہ

ہُوا۔

امیر حمزہ کی غیر موجودگی کے باعث اُن کا لشکر جی توڑ کر نہ لڑ سکا اور پیچھے ہٹنے لگا۔ اس کے علاوہ مشہور پہلوان زخمی ہو چکے تھے اور خطرہ تھا کہ زیادہ دیر میدان میں رہے تو مارے جائیں گے۔ چناں چہ لندھور نے اپنے لشکر کو پیچھے ہٹنے اور حلب کے قلعے تک پہنچنے کا حکم دیا۔ بہمن کے لشکر نے تعاقب کیا اور حلب پہنچ کر قلعے کو گھیر لیا لیکن اِس سے پہلے لندھور اپنے ساتھیوں اور فوج کو لے کر قلعے میں داخل ہو چکا تھا۔

کئی دِن گزر گئے۔ بہمن اور ژوپین کے لشکر نے حلب کے قلعے کا محاصرہ کیے رکھا۔ اِس اثنا میں لندھور، عادی اور اِستقفا نوش وغیرہ کے زخم بھر گئے اور وُہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آخر بہمن، ژوپین اور بختک نے بغاوت کیوں کی۔ کیا حمزہ کا خوف اُن کے دِلوں سے نکل گیا؟

آخر ایک دِن لندھور اپنا گُرز سنبھال کر قلعے سے باہر آیا اور بہمن کو آواز دی۔

بہمن فوراً اپنے خیمے سے نِکلا اور سامنے آیا۔ لندھور نے کہا "اے کوہستانی، یہ تو بتا کہ اِس بغاوت پر تُو کیوں کر

آمادہ ہُوا ؟"

بہمن نے قہقہہ لگایا اور جواب میں کہنے لگا "تُو اِسے بغاوت کہتا ہے ؟ یہ بغاوت ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ میرا حق ہے جو میں نے وصُول کیا ۔ اے لندِھُور غور سے سُن اور یاد رکھ کہ تیرا آقا حمزہ اور اُس کے یار وفادار عمرِو عیّار دونوں مارے گئے ۔ اُن کا وجُود اِس دُنیا میں نہیں رہا ۔ لہٰذا مجھ پہ اُن کی اِطاعت فرض نہیں رہی ۔ اب میں چاہتا ہُوں کہ تُم لوگ مہرنگار اور اُس کے لڑکوں کو میرے حوالے کرو اور خُود جہاں جی چاہے چلے جاؤ ۔ میں نے تُمھاری جان بخشی کی ۔"

بہمن کی یہ تقریر سُن کر لندِھُور پہ سکتہ طاری ہُوا ۔ لیکن یہ اُسے یقین نہ تھا کہ حمزہ اور عمرِو عیّار مارے جا چُکے ہیں ۔ وُہ سمجھ گیا کہ بہمن کو کسی نے غلط خبر دی ہے ۔ اُس نے للکار کر کہا :

" اے کوہستانی ، معلُوم ہوتا ہے تُجھے کُتّے کی طرح مارے جانے کا شوق ہے ۔ حمزہ اور عمرِو کے ہلاک ہونے کی خبریں بالکُل غلط ہیں ۔ خُدا نے چاہا تو وُہ ابھی بہت دِن جئیں گے ۔ تُجھ کو یہ خبر اگر بختک نے دی ہے تو یاد رکھ کہ وُہ تیرے ساتھ دُشمنی کر رہا ہے ۔"

بہمن نے اپنا گُرز ہوا میں اُچھالتے ہُوئے کہا ۔ " اے

لندھور، زیادہ بک بک کرنے کی حاجت نہیں۔ جان سلامت لے کر واپس چلا جا۔ اِسی میں تیرا بھلا ہے۔ ورنہ تیری تکا بوٹی کر ڈالوں گا۔"

اب تو لندھور میں ضبط کی تاب نہ رہی۔ ایک ہیبت ناک للکار کے ساتھ آگے بڑھا اور اپنے بارہ من وزنی گُرز سے بہمن پر حملہ کیا۔ بہمن بھی تجربے کار تھا۔ اُس نے اپنی ڈھال پر لندھور کا حملہ روکا لیکن پسینے پسینے ہو گیا۔ کئی گھنٹوں تک دونوں پہلوانوں میں جنگ ہوتی رہی۔ آخر لندھور کے زخم کُھل گئے اور خُون کے فوّارے چُھٹنے لگے۔ بہمن کا بھی یہی حال تھا۔ تب دونوں اپنے اپنے لشکر میں گئے۔

دُوسرے روز صُبح سویرے بہمن کی فوج میں لڑائی کا نقّارہ بجا۔ عادی پہلوان نے بھی طبل بجوایا۔ بہمن پھر میدان میں آیا۔ اِتنے میں شمال کی جانب سے ایک لشکر نمُودار ہُوا۔ بہمن کے آدمی خبر لینے گئے اور اُنھوں نے واپس آ کر بتایا کہ ژوبین کا بیٹا عکّہ اپنے باپ کی مدد کو آتا ہے۔ اِس خبر سے بہمن اور ژوبین کی فوج میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہرمُز بن نوشیرواں اور بختک عکّہ کے اِستقبال کو گئے اور اپنے ساتھ لائے۔ عکّہ نے تمام حالات سُنے اور اُسی وقت میدان میں جانے کو تیار ہوا۔ اُدھر سے اُس کے مُقابلے کو لندھور کا بیٹا فرہاد نکلا۔ عکّہ نے اُسے

حقارت کی نظر سے دیکھا اور کہا :

" اے لڑکے ، اپنے باپ لندھور کو بھیج ۔ تو مجھ سے کیا لڑے گا ۔"

" یہی بات میں تجھ سے کہتا ہوں ۔ اپنے بزدل باپ تژدپین کو میدان میں بھیج ۔ ورنہ تیرے گلے میں رسّی ڈال کر کُتّے کے پلّے کی طرح گھسیٹتا ہوا لے جاؤں گا ۔"

عکّہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا ۔ سات من کا گرز ہاتھ میں تول کر آگے بڑھا اور پوری قوّت سے فرہاد پہ مارا لیکن فرہاد نے گینڈے کی کھال سے بنی ہوئی ڈھال پہ یہ وار روکا ۔ پھر اطمینان سے بولا :

" اے تژدپین کے لڑکے ، خبردار ہو کہ اب میں وار کرتا ہوں ۔"

یہ کہہ کر اپنا گرز گھمایا اور اس زور سے حملہ کیا کہ اگر عکّہ اپنی فولادی ڈھال آگے نہ کر دیتا تو اُس کی کھوپڑی کے ہزار ٹکڑے ہو جاتے ۔ پھر بھی ڈھال سے ٹکرا کر آگ کا ایک عظیم شعلہ پیدا ہوا جو آسمان تک گیا ۔ عکّہ کے رُوئیں رُوئیں سے پسینہ پھُوٹ نکلا اور اُس کا دل تھرتھرانے گیا ۔

اس کے بعد دونوں میں خون ریز جنگ شروع ہوئی ۔ یہاں تک کہ دونوں زخمی ہوئے اور سورج غروب ہوتے ہی اپنے

اپنے لشکر میں چلے گئے۔ ثدوہین نے اپنے بیٹے علکہ سے پوچھا کہ فرہاد کو کیسا پایا؟ اُس نے کہا کہ وُہ جواں مردِ پہلوان ہے اور اس کی رگوں میں لندِھور کا خون دوڑتا ہے۔

اِن پہلوانوں کو فی الحال یہیں چھوڑ کر ہم اب آپ کو امیر حمزہ اور عمرِ عیار کے بارے میں کچھ بتاتے ہیں کہ اُن پر کیا بیتی۔ ایک رات امیر حمزہ نے بڑا ڈراؤنا خواب دیکھا اور جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ عمرو بھی اپنے بستر پر بیٹھا ہے۔ حمزہ نے اُس سے کہا:

"ابھی ابھی میں نے خواب میں دیکھا کہ حلب کے قلعے میں ہماری فوج جمع ہے اور تمام پہلوان زخمی ہو چکے ہیں۔ باہر دشمن کی فوج پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے"

"بالکل یہی خواب میں نے بھی دیکھا ہے" عمرو چلّا اٹھا۔ "نہ جانے ہمارے دوستوں پر کیا آفت آئی ہے۔ ہمیں جلد وہاں پہنچنا چاہیے۔ مجھے خدشہ ہے کہ بختک بدمعاش اور ثدوہین مکّار نے کوئی گُل کھلایا ہے"

صُبح ہوتے ہی امیر حمزہ نے کاؤس رُومی سے کہا کہ ہمیں رُخصت ہونے کی اجازت دی جائے۔ اگر اِس دوران میں مرزُوق فرنگی نے حملہ کیا تو ہم آپ کی مدد کو فوراً آئیں گے۔ جب شہر

والوں نے سُنا کہ امیر حمزہ جا رہے ہیں تو وہ رونے لگے۔ امیر نے سب کو دلاسا دیا کہ جلد واپس آئیں گے۔

قصّہ مختصر امیر حمزہ اور عمرو حلب کی جانب روانہ ہُوئے۔ قندس دیوانہ بھی اُن کے ساتھ ساتھ چلا۔ دُوسری منزل پر ایک سبزہ زار نظر آیا۔ امیر حمزہ کو یہ مقام بہت دِل چسپ اور پُر فضا معلوم ہُوا اُسی جگہ رُکے۔ ہر طرف سے ٹھنڈی ہَوا کے جھونکے آتے تھے اور یُوں محسُوس ہوتا تھا۔ جیسے جنّت کی کھڑکی کھول دی گئی ہے۔ ایک درخت کے نیچے امیر حمزہ اور عمرو عیّار لیٹ کر بے خبر سو گئے۔ اور قندس دیوانہ ٹہلتا ہُوا ایک جانب چلا۔ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا اور وہیں سو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک شیر ببّر آیا اور قندس دیوانے کو چیر پھاڑ کر اپنا پیٹ بھرا اور چلا گیا۔

بہت دیر بعد امیر حمزہ کی آنکھ کُھلی۔ دیکھا کہ عمرو ابھی تک پڑا سوتا ہے۔ اُسے جگا کر پُوچھا کہ قندس دیوانہ کہاں ہے۔ عمرو نے جواب دیا، ابھی ٹہلتا ہوا اُس پہاڑ پر گیا ہے۔ دیر تک انتظار کرنے کے بعد بھی دیوانہ نہ آیا تو امیر حمزہ فِکر مند ہُوئے عمرو کو ساتھ لے کر پہاڑ کی چوٹی پر گئے۔ دیکھا کہ دیوانے کی لاش پڑی ہے اور شیر نے جی بھر کر گوشت کھایا ہے۔ امیر حمزہ کو بے حد صدمہ ہُوا۔ لاش کے بچے کُھچے ٹکڑوں کو ایک جگہ دفن کیا اور وہاں سے رُخصت ہُوئے۔

چار منزلیں طے کرنے کے بعد ایک عظیمُ الشّان قلعہ نظر آیا
قلعے کے حاکم کا نام ربیع تھا۔ دروازے کے مُحافظوں نے اُسے
خبر کی کہ دو آدمی آئے ہیں اور قلعے میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔
اُس نے کہا آنے دیا جائے۔ امیر حمزہ اور عمرِو عیّار قلعے میں داخل
ہُوئے اور ربیع کے پاس پہنچے تو اُس نے پُوچھا:

"کیوں صاحب، آپ لوگ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟"

"میرا نام حمزہ ہے۔ نوشیرواں کا داماد ہُوں اور یہ میرا دوست
عمرِو ہے۔"

یہ سُن کر ربیع اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہُوا آگے بڑھ کر امیر
حمزہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ پھر ان دونوں کو اپنی نشست پہ لے
جا کر بٹھایا اور کہنے لگا:

"میری بڑی خوش نصیبی ہے کہ آپ تشریف لائے۔ چند
روز یہاں قیام فرمائیے اور مُجھ کو خدمت کا موقع دیجیے۔" امیر حمزہ
نے اس کی درخواست منظور کی۔ اگلے روز ربیع کہنے لگا:

"جنابِ والا، اس قلعے سے پانچ منزل پہ ایک اور قلعہ ہے۔
اس قلعے کا حاکم صنوبر نام کا ایک شخص ہے۔ ہمیشہ سے مُجھ کو
پریشان کرتا اور ستاتا ہے۔ مُجھ میں اُس سے لڑنے کی ہمّت نہیں۔
آپ اُسے سمجھائیں کہ اِن حرکتوں سے باز آجائے۔"

امیر حمزہ نے اُسی وقت ربیع اور عمرِو عیّار کو ساتھ لیا اور

اُس قلعے کی جانب روانہ ہُوئے۔ نزدیک پہنچے تو صنوبر کو ہرکاروں نے خبر دی کہ ربیع اپنے ساتھ دو آدمیوں کو لیے آتا ہے۔ یہ سُن کر صنوبر حیران ہُوا اور خُود قلعے سے باہر نکل کر آیا۔ جُونہی قریب آیا، اُس نے امیر حمزہ کو بھی پہچان لیا۔ کیوں کہ ایک مرتبہ نوشیرواں کے دربار میں اُسے جانے کا اتّفاق ہُوا تھا اور وہاں امیر حمزہ کو دیکھا تھا۔ اسی وقت دوڑ کر امیر حمزہ کے قدموں پر گرا اور کہنے لگا:

"اے امیر، آپ نے یہاں تک کِس لیے زحمت کی؟ مُجھے حُکم دیتے، میں خُود حاضر ہو جاتا۔"

"اے صنوبر، یہ تیرا پڑوسی ربیع تیری شکایت کرتا ہے کہ تُو اِسے چین نہیں لینے دیتا۔ پڑوسیوں کو تنگ کرنا کسی مذہب میں بھی جائز نہیں۔"

یہ سُن کر صنوبر شرمندہ ہُوا۔ تینوں کو نہایت احترام سے قلعے میں لے گیا اور تین روز تک خُوب خاطر تواضُع کی۔ چوتھے روز جب کہ امیر حمزہ وہاں سے چلنے کی تیّاریاں کر رہے تھے، صنوبر نے عاجزانہ انداز میں کہا:

"اے امیر، ایک روز کے لیے اور ٹھہر جائیے۔ آج قلعے کے لوگوں نے آپ کی دعوت کی ہے۔"

تب مجبُوراً امیر حمزہ رُک گئے۔ شام کو بڑی دُھوم کی دعوت

ہُوئی لیکن صنوبر مکّار نے یہ چالاکی کی کہ تمام کھانوں میں بے ہوشی کی دَوا مِلا دِی۔ امیر حمزہ، عَمرو عیّار اور ربیع یہ کھانا کھاتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ صنوبر نے فوراً اپنے غُلاموں کو حکم دیا کہ اُن کو زنجیروں میں جکڑ دیا جائے۔ پھر اُس نے اِعلان کیا کہ اگلے روز اِن تینوں قیدیوں کو قلعے کے میدان میں قتل کیا جائے گا۔

امیر حمزہ، عَمرو عیّار اور ربیع کو بارہ گھنٹے بعد ہوش آیا تو اپنے آپ کو زنجیروں میں گرفتار پایا۔ آزاد ہونے کی بہتیری کوشش کی مگر زنجیریں کسی طرح نہ ٹُوٹیں۔ آخر صبر شُکر کر کے خاموش ہو رہے۔ آدھی رات کے بعد صنوبر کا وزیر قامُوس اُس کے پاس پہنچا اور کہنے لگا:

"جہاں پناہ، حمزہ بڑی قُوّت اور اثر والا آدمی ہے۔ اگر آپ نے اُسے قتل کر دِیا تو اُس کے دوست اِس قلعے کی اِینٹ سے اِینٹ بجا دیں گے۔ نوشیرواں آج کل اُس کا بڑا دُشمن ہو رہا ہے میری رائے یہ ہے کہ حمزہ کے قتل کا اِلزام آپ اپنے اُوپر نہ لیں بلکہ اُسے نوشیرواں کے حوالے کر دیں۔ اُس کا جو جی چاہے حمزہ کے ساتھ سلوک کرے۔"

صنوبر کی کھوپڑی میں وزیر قامُوس کی یہ بات سما گئی۔ اُس نے سُورج نکلنے سے کچھ پہلے امیر حمزہ اور عَمرو عیّار کو اُونٹوں پر

سوار کرا کے مدائن کی جانب روانہ کیا اور ربیع کو قتل کرا دیا۔

اُدھر بہمن اور زوبین کی فوجوں نے حلب کے قلعہ ہشت حصار کا مُحاصرہ کر رکھا تھا اور مُقبل وفادار کی کمان میں امیر حمزہ کی فوج اور تمام پہلوان جان کی بازی لگائے ہُوئے تھے۔ نوشیرواں کو بھی بہمن کے بغاوت کرنے کی خبر پہنچ چُکی تھی اور وُہ اس خبر سے بے حد خوش تھا۔ اُس نے بہمن کو پیغام بھیجا کہ فوراً قلعہ ہشت حصار فتح کرو اور اس کا اِنعام یہ ہے کہ میں خُود مہر نگار کی شادی تُم سے کروں گا۔ لیکن روز بروز زوبین اور بہمن کی فوج عادی لندھور، اِستفتا نوش وغیرہ کے ہاتھوں کٹ کٹ کر کم ہو رہی تھی اور یہ خطرہ پیدا ہو رہا تھا کہ سپاہیوں کے ہلاک ہونے کی رفتار یہی رہی تو چند روز کے اندر اندر مُحاصرہ اُٹھا لینا پڑے گا بہمن نے نوشیرواں کو لکھا کہ فوراً کُمک بھیجو ورنہ ہم قلعے پر قبضہ نہ کر سکیں گے۔ نوشیرواں بھلا کہاں سے کُمک بھیجتا۔ وُہ تو صِرف نام کا شہنشاہ رہ گیا تھا۔ اب اِتّفاق ایسا ہُوا کہ اُنھی دنوں خُراساں کا بادشاہ مرزبان اُدھر آیا۔ وُہ بھی مہر نگار سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ نوشیرواں نے اُس سے کہا:

" اگر تُم اپنی فوج کو لے کر جاؤ اور قلعہ ہشت حصار پر قبضہ کر کے مہر نگار کو مُقبل وفادار کے پنجے سے آزاد کراؤ تو میں

اُس کی شادی تم سے کر دُوں گا۔"

یہ سُن کر مرزبان خُراسانی خوشی سے پھُولا نہ سمایا اور منزلوں پہ منزلیں طے کرتا ہُوا اپنے لشکر کو لے کر قلعہ ہشت حِصار کے قریب جا پہنچا۔ یہاں اُس کی مُلاقات بہمن، اژدہ پین اور بختک سے ہُوئی۔ یہ لوگ مرزبان خُراسانی کے آنے سے خُوش ہُوئے۔ لیکن جب بہمن کو پتا چلا کہ وُہ مہر نگار سے شادی کرنا چاہتا ہے، تو اُسے مرزبان کی صُورت سے نفرت ہو گئی۔

صنوبر نے امیر حمزہ اور عمرو کو اپنے دو سرداروں سرخان اور فغفُور کے ساتھ مدائن روانہ کیا تھا اور دس ہزار سپاہی بھی امیر حمزہ کی نگرانی کے لیے روانہ کیے تھے۔ سرخان کے ساتھ تین ہزار اور فغفُور کے ساتھ سات ہزار سپاہی تھے۔ عمرو عیّار سرخان کی قید میں اور امیر حمزہ فغفُور کی قید میں تھے۔

ایک دو منزلیں طے کرنے کے بعد سرخان کا لشکر آگے نِکل گیا اور ایک مقام پہ پڑاؤ کیا۔ رات کے پچھلے پہر عمرو عیّار نے اپنی درد ناک آواز میں گانا شروع کیا اور ایسے شعر پڑھے کہ سرخان اُنھیں سُن کر بے چین ہو گیا۔ غلاموں سے پُوچھا کہ یہ کون گا رہا ہے؟ اُنھوں نے بتایا کہ یہ عمرو عیّار ہے۔ سرخان نے حُکم دیا کہ اُسے ہمارے حضُور میں پیش کرو۔ غُلام عمرو کو سرخان کے سامنے لے گئے۔ اُس نے پُوچھا۔ "یہ گانا تُو ہی گا رہا تھا؟"

"جی سرکار، میں ہی یہ گستاخی کر رہا تھا۔" عمرو نے دانت نکال کر جواب دیا۔

"بہت خوب، یہاں ہمارے سامنے گاؤ۔"

"سرکار، گانے کے ساتھ ساتھ ساز بھی بجاؤں تو آپ بے حد خوش ہوں گے۔"

سرخان نے حکم دیا کہ عمرو کے ہاتھ کھول دیے جائیں۔ غلاموں نے اُس کے ہاتھ کھول دیے۔ عمرو نے اپنی زنبیل میں ہاتھ ڈال کر داؤد علیہ السلام کا اِک تارا نکالا اور بجانا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں اس ساز کی آواز سے سرخان اور اُس کے غلام بے ہوش ہو گئے۔ عمرو نے ایک غلام کی جیب سے بیڑیوں کی چابی نکال کر اپنے پیر بھی آزاد کر لیے۔ پھر خنجر لے کر ان سب کی گردنیں کاٹیں اور وہاں سے نکل گیا۔

صبح سویرے فوج کے افسروں اور سپاہیوں نے دیکھا کہ سرخان کے خیمے میں خون ہی خون جما ہُوا ہے۔ سرخان سمیت اُس کے کئی غلاموں کی گردنیں کٹی ہوئی ہیں اور عمرو عیّار غائب ہے۔ یہ دیکھ کر اُن کے ہوش اُڑے۔ سمجھ گئے کہ یہ کارستانی عمرو کی ہے۔ بھاگے بھاگے فغفور کے پاس گئے اور تمام رُوداد بیان کی۔ فغفور کے بدن میں کپکپی طاری ہوئی۔ کہنے لگا:

عمرو عیار سے میں بھی پناہ مانگتا ہوں۔ آدمی کیا ہے آفت

کا پرکالہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہاں بھی کوئی عیّاری کرے۔ اِس لیے ضروری ہے کہ چوبیس گھنٹے امیر حمزہ کی نگرانی کی جائے اور اُن پر پہرا بڑھا دیا جائے۔"

دُوسرے روز فغفور کا لشکر مدائن کی طرف چلا تو عمرو عیّار ایک سقّے کے رُوپ میں آیا۔ ٹھنڈے پانی کی مشک اُس کے کندھے پر تھی اور ہاتھ میں چاندی کے دو کٹورے تھے۔ وہ سپاہیوں کو پانی پلاتا ہُوا اُس خیمے کی جانب بڑھا جس میں امیر حمزہ قید کیے گئے تھے۔

اچانک کسی نے کہا۔ "یہ سقّہ کہاں سے آیا؟ اِس سے پہلے کسی نے اُسے لشکر کے ساتھ نہیں دیکھا تھا۔ ضرور یہ عمرو عیّار ہے جو سقّے کے بھیس میں آیا ہے۔" یہ سُنتے ہی عمرو وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔

اگلے روز رات کو ایک سوداگر کی شکل میں آیا مگر لوگوں نے پہچان لیا اور اُسے گھیرنے کی کوشش کی۔ عمرو نے گھبرا کر تلوار کھینچی اور لڑنے لگا۔ اندھیری رات تھی۔ خُوب تلوار چلی۔ فغفور کے بہت سے سپاہیوں کو عمرو نے قتل کیا۔ آخر جب یہ دیکھا کہ سپاہی گرفتار کر ہی لیں گے تو وہاں سے نکل بھاگا۔ کسی کے ہاتھ نہ آیا۔ صحرا میں کہیں جا چھپا اور سوچنے لگا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ کوئی عیّاری کام نہیں آتی۔ پھر خیال آیا کہ ضرور

اِس میں خُدا کی کوئی مصلحت ہے ۔ بہتر یہ ہے کہ میں امیر حمزہ کو رہا کرانے کا خیال چھوڑ دُوں ۔ سیدھا حلب کے قلعہ ہشت حِصار کی جانب جاؤں اور دیکھوں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے ۔

یہ سوچ کر عمرِو عیّار نے امیر حمزہ کو خُدا کے حوالے کیا اور خُود حلب کی جانب روانہ ہُوا ۔ اِدھر فغفُور ، امیر حمزہ کو زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ کر مدائن لے آنے میں کام یاب ہو گیا ۔ وُہ نوشیرواں کے دربار میں پہنچا اور تمام حال بیان کر کے کہا کہ حمزہ کو پکڑ کر لایا ہُوں ۔ یہ سُن کر نوشیرواں خُوشی سے اُچھل پڑا ۔ بے اختیار فغفُور کو گلے لگا کر اُس کی پیشانی پہ بوسہ دیا اور کہنے لگا :

" اے نوجوان ، آفریں ہے تجھ پہ کہ تُو نے حمزہ کو گرفتار کیا اور میرے پاس لایا ۔"

اتّفاق کی بات کہ اُسی روز بختک نامُراد بھی نوشیرواں کے دربار میں آیا تھا ۔ وُہ بھی یہ خبر سُن کر بے حد خُوش ہُوا اور کہنے لگا : " جہاں پناہ ، اِس غُلام کی رائے میں حمزہ کو جلد از جلد قتل کر دینا چاہیے ۔ سارا فتنہ فساد اِسی کی وجہ سے ہُوا ہے ۔ اب حمزہ کا زندہ رہنا ٹھیک نہیں ۔"

" اے بختک ، تُو سچ کہتا ہے ۔ حمزہ کو ہمارے حضُور میں پیش کیا جائے ۔"

اُسی وقت امیر حمزہ کو دربار میں لایا گیا۔ زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہونے کے باوجود حمزہ کا سینہ تنا ہُوا تھا اور چہرے پر خوف کی کوئی علامت نظر نہ آتی تھی۔ نوشیرواں کا خیال تھا کہ حمزہ سر جُھکا کر خوشامد کرے گا اور جان بخشی چاہے گا۔ لیکن انھوں نے نہایت حقارت سے نوشیرواں کی طرف دیکھا اور مُسکرا کر کہا۔

"اے نوشیرواں، اِس وقت میں تیرے قبضے میں ہُوں تُو جو جی چاہے میرے ساتھ سلُوک کر۔ لیکن یاد رکھ کہ جب تک خُدا میرا مُحافظ ہے تُو میرا کچُھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

یہ سُن کر نوشیرواں طیش میں آیا اور دانت پیس کر کہنے لگا "اے حمزہ، تُو نے مجُھ کو ایسے ایسے صدمے دیئے ہیں کہ میرا کلیجا داغ داغ ہو گیا ہے۔ اب تجُھے زندہ چھوڑنا حماقت ہے۔ کل تجُھے اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔"

اب امیر حمزہ نے قہقہہ لگایا اور کہا "موت اور زِندگی خُدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر میری زِندگی ابھی باقی ہے تو تیری کیا مجال کہ مجُھے قتل کر سکے۔"

"اِس بدبخت کو میری نگاہوں کے سامنے سے لے جاؤ اور قید میں ڈال دو۔" نوشیرواں نے چِلّا کر پہرے داروں کو حُکم دیا۔

پہرے دار امیر حمزہ کو گھسیٹتے ہُوئے لے گئے۔ اِس کے بعد بختک نے مُنادی کرنے والوں کو طلب کِیا اور اُن سے کہا کہ

شہر میں ڈھنڈورا پٹوا دو کہ کل مُنہ اندھیرے شہنشاہ نوشیرواں اپنے ہاتھ سے حمزہ کو قتل کریں گے۔ سب لوگ مدائن کے قلعے میں آئیں اور یہ تماشا دیکھیں۔

ڈھنڈورا پیٹنے والوں نے شہر بھر میں یہ اعلان کر دیا۔ جس نے سُنا وہی رنجیدہ ہُوا اور کہنے لگا، نوشیرواں کو کیا ہو گیا ہے کہ حمزہ جیسے بہادر جوان کو قتل کرنے کے درپے ہے۔ حمزہ نے تو بادشاہ پر بے شمار احسان کیے ہیں۔ اِس کے علاوہ وُہ نوشیرواں کا داماد بھی تو ہے۔ کیا بادشاہ اپنی بیٹی کو بیوہ کرنے پر تُل گیا ہے۔ غرض جتنے مُنہ اُتنی ہی باتیں۔ کوئی شخص بھی اس اعلان سے خوش نہیں تھا۔ لیکن کسی کو دَم مارنے کی جُرأت بھی نہ تھی۔

اگلے روز سُورج نکلنے سے پہلے ہزاروں لوگ مدائن کے قلعے میں جمع ہو گئے۔ جا بجا سنگینوں کا پہرا تھا۔ بازاروں اور گلی کُوچوں میں سنّاٹا ہو گیا۔ عورتیں مُنہ چُھپا چُھپا کر رو رہی تھیں اور لوگوں کے چہرے خوف سے اُترے ہُوئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد نوشیرواں کی سواری نہایت دُھوم دھام سے نکلی اور قتل گاہ کی طرف چلی۔ پھر امیر حمزہ کو زبردست پہرے میں وہاں لایا گیا۔ نوشیرواں کے دائیں بائیں بختک اور خواجہ بزرجمہر تھے اور اُن کے پیچھے تمام درباری، امیر، وزیر اور فوجی

سردار گردنیں جھکائے چلے آ رہے تھے۔

نوشیروان نے بلند آواز سے کہا "اے حمزہ، اگر تُو اب بھی میرے قدموں میں سر رکھ دے اور اپنی خطاؤں کی معافی مانگے تو میں تجھے قتل کرنے کے بجائے عُمر قید کی سزا دینا پسند کروں گا۔"

امیر حمزہ نے بادشاہ کی طرف دیکھا اور نفرت سے زمین پر تھوک دیا۔ یہ دیکھ کر بختک نے بادشاہ کے کان میں کہا "حضور حمزہ کسی معافی اور رعایت کا حق دار نہیں۔ آپ نے دیکھا کہ اُس نے رعایا کے سامنے زمین پر تھوک کر آپ کی شان میں کیسی گستاخی کی ہے۔ اسے جلد قتل کیجیے۔ ایسا نہ ہو کہ رعایا بغاوت کر دے۔"

نوشیرواں نے اُسی وقت چمکتی ہوئی تلوار نکالی اور آہستہ آہستہ حمزہ کی طرف بڑھنے لگا۔ اُدھر امیر حمزہ نے دِل میں خُدا کو یاد کیا اور فریاد کی کہ الٰہی اِس ظالم سے تُو ہی مجھے بچا سکتا ہے۔ حمزہ کی فریاد خُدا نے سُنی اور قبول کی۔ عین اسی وقت کوہِ قاف میں عذرا پری نے بلور کے گولے میں دیکھا کہ امیر حمزہ مدائن کے قلعے میں زنجیروں میں جکڑے کھڑے ہیں اور نوشیرواں ننگی تلوار ہاتھ میں لیے قتل کرنے کی نیت سے اُن کے قریب پہنچ چکا ہے۔

یہ دیکھ کر عذرا پری کے ہوش اُڑ گئے۔ دِل میں کہنے لگی، حمزا میرا محسن ہے۔ اُس کی بدولت کوہ قاف کی سلطنت مجھے

ملی ہے۔ افسوس کہ ایسا شخص میری نظروں کے سامنے یوں بے کسی کی موت مارا جائے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ عذرا پری نے اسی وقت تالی بجائی۔ تیز رفتار پریوں اور دیووں کا ایک گروہ حاضر ہُوا عذرا نے اُنھیں حکم دیا کہ پلک جھپکتے میں مدائن پہنچو۔ وہاں نوشیرواں امیر حمزہ کو قتل کرنے کے ارادے سے تلوار کھینچ چکا ہے۔ فوراً حمزہ کو اُٹھاؤ اور حلب کے قلعہ ہشت حصار میں پہنچاؤ۔

نوشیرواں تلوار کا وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ آسمان پر ایک گرج دار آواز سُنائی دی۔ لاکھوں آنکھیں اُوپر اُٹھ گئیں۔ خود نوشیرواں کا ہاتھ بھی جہاں تھا۔ وہیں رُک گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ آسمان سے پریوں اور دیووں کا ایک غول تیزی سے نیچے آ رہا ہے اور اُنھیں آتا دیکھ کر لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ چیختے چلّاتے بھاگ نکلے۔ پریاں اور دیو نیچے آئے اور اُنھوں نے امیر حمزہ کو زنجیروں سمیت اپنے بازوؤں پہ اُٹھا لیا اور ایک دم اُوپر اُٹھ کر آسمان میں گُم ہو گئے۔ نوشیرواں اور بختک مُنہ دیکھتے رہ گئے۔ لیکن خواجہ بزرجمہر کا دِل خُوشی سے جھومنے لگا۔

پریوں اور دیووں نے بڑے ادب سے امیر حمزہ کو حلب کے قلعہ ہشت حصار میں اُتارا اور سلام کر کے رُخصت ہُوئے۔ حمزہ نے اُن کے ذریعے عذرا پری کو سلام کہلوایا اور اُس کی اِس مدد کا شُکریہ ادا کیا۔

مُقبل وفادار کے لشکر نے جُونہی امیر حمزہ کو دیکھا۔ اُس میں خُوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سب نے آن آن کر کے اُن کے قدموں پر سر رکھا۔ امیر حمزہ نے ہر ایک کو گلے لگایا اور دیر تک آنسو بہاتے رہے۔

جادُوگر آتے ہیں

امیر حمزہ کو ہاتھ سے جاتا دیکھ کر نوشیرواں اور بختک نے سخت پیچ و تاب کھایا اور سوچنے لگے کہ یہ تو بڑی بدنامی کی بات ہے کہ حمزہ یُوں قابُو میں آکر صفا نکل جائے۔ اُدھر قلعہ حصار پہ بہمن اور مرزبان خُراسانی کی فوج میں امیر حمزہ کی آمد سے دہشت پھیل چکی تھی اور اُنھیں یقین ہو گیا تھا کہ قلعہ حصار پہ قبضہ کرنا تو درکنار، وُہ اپنی جانیں ہی بچا کر لے جائیں تو غنیمت ہے۔

ایک روز نوشیرواں نے بختک کو طلب کیا اور کہا ــــ "اے بختک، کوئی تدبیر کر کہ حمزہ کا قِصّہ پاک ہو۔ اب تو میری راتوں کی نیندیں اور دِن کا چین حرام ہو گیا ہے۔"

بختک نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ "عالم پناہ، یہ غُلام ہر وقت اِسی اُدھیڑ بُن میں رہتا ہے کہ حمزہ سے کیوں کر اِنتقام لیا جائے۔ آخر سوچ سوچ کر ایک تدبیر ذہن میں آئی ہے۔ اِجازت ہو تو عرض کروں۔"

"فوراً کہو، کیا تدبیر ہے؟"

"حضور، آپ شدّاد جادوگر کو ایک خط لکھیے اور اُس سے کہیے کہ اپنے چند جادوگر یہاں بھیجے۔ دراصل حمزہ کی مدد پر کوہِ قاف کی پریاں اور دیو ہیں۔ اُن کی طاقت کے سامنے ہماری کچھ حیثیت نہیں ہے۔ جادوگر ہی ان سے دو دو ہاتھ کر سکتے ہیں۔"

یہ تدبیر سُن کر نوشیرواں پھڑک گیا۔ اپنی انگوٹھی اُتار کر بختک کو عطا کی اور کہا۔ "ابھی ہماری جانب سے شدّاد جادوگر کو خط لکھو اور سارے حالات بیان کر کے کہو کہ خود آئے یا ایسے جادوگر روانہ کرے جو اپنے فن میں ماہر ہوں اور حمزہ کو آناً فاناً رُوئے زمین سے نیست و نابود کر دیں۔"

کہتے ہیں کہ اُس زمانے میں دُنیا میں شدّاد سے بڑا جادوگر کوئی اور نہ تھا۔ وُہ مُلک کاشمیر کے ایک عالی شان قلعے میں رہتا تھا اور ایک ہزار شاگرد ہر وقت اُس کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ اِن میں سے ہر شاگرد اپنے فن میں اُستاد کا درجہ رکھتا تھا۔

بختک نے نوشیرواں کے حُکم سے شدّاد جادوگر کے نام خط لکھا اور کرگس ساسانی عیّار کو بُلا کر کہا کہ جلد مُلک کاشمیر پہنچو اور یہ خط شدّاد کو دو۔ کرگس ساسانی اُسی وقت سفر پہ روانہ ہُوا اور دِن رات منزلیں طے کرتا ہُوا ایک روز قلعہ کاشمیر میں داخل ہو گیا ـــــ

اُدھر شدّاد جادُوگر اپنے جادُو کے زور سے پہلے ہی معلُوم کر چُکا تھا کہ نوشیرواں کا ایلچی آتا ہے۔ چُناں چہ اُس نے اپنے دو شاگردوں کو ایلچی کے اِستقبال کے لیے قلعے کے دروازے پہ بٹھا رکھا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام ہِلال اور دُوسرے کا مِلال تھا۔ یہ دونوں شاگرد ایلچی کو لے کر شدّاد کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ اس نے نوشیرواں کا خط پڑھا اور ایک خوف ناک قہقہہ لگا کر کہا:

"ہمیں پہلے ہی معلُوم تھا کہ نوشیرواں کو کبھی ہماری ضرُورت پڑے گی اور اب وُہ وقت آن پہنچا ہے لیکن ہمیں یہ بھی معلُوم ہے کہ امیر حمزہ اور اُس کے ساتھی عَمرو عیّار پہ ہمارا جادُو نہیں چل سکتا۔ تاہم نوشیرواں کو مایُوس کرنا ٹھیک نہیں۔"

یہ کہہ کر شدّاد نے تالی بجائی۔ اُسی وقت زمین پھٹی اور اس میں سے نیلے رنگ کا ایک عجیب وغریب بونا نمُودار ہُوا۔ اُس کی آنکھیں سُرخ تھیں اور لمبی مونچھوں کے سِرے زمین کو چھُو رہے تھے۔ بونے نے شدّاد کو جھُک کر سلام کِیا اور کہا:

"میرے آقا کیا حُکم ہے؟"

"جلد عنقا رُوت اور مارُوت کو حاضر کرو۔"

"بہت بہتر میرے آقا۔" بونے نے سر جھُکا کر کہا اور شعلہ بن کر غائب ہو گیا۔

چند لمحے بعد زمین دوبارہ شق ہُوئی اور اس مرتبہ وہی بونا

اپنے ساتھ دو عجیب و غریب آدمیوں کو لیے نمودار ہُوا۔ اِن آدمیوں کی آنکھیں پیشانی پر لگی تھیں اور بڑے بڑے نوکیلے دانت منہ سے باہر نکلے ہُوئے تھے۔ زبانیں اور ہونٹ لال لال تھے۔ جیسے کسی کا خُون پی کر آ رہے ہوں۔ اُنھوں نے شدّاد کو سجدہ کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑے رہے۔

"آہا! تُم دونوں آ گئے......" شدّاد نے خُوش ہو کر کہا۔ "میں تُمھیں نوشیرواں کی خدمت میں بھیجتا ہُوں۔ جاؤ اور جو وُہ کہے اُس پر عمل کرو۔"

تب کرگس ساسانی اِن دونوں جادُوگروں کو اپنے ساتھ لے کر مدائن روانہ ہُوا۔ قلعۂ کاشمیر سے باہر نکلتے ہی دونوں جادُوگروں نے کرگس کے ہاتھ پکڑ لیے اور کوئی منتر پڑھا۔ پلک جھپکتے میں یہ تینوں مدائن پہنچ چُکے تھے۔ کرگس نے اسی وقت نوشیرواں کو خبر کی اور عنفارُوت اور مارُوت جادُوگروں کے آنے کی اِطلاع دی۔ بختک نے دُھوم دھام سے اِن کا اِستقبال کیا اور نوشیرواں کے پاس لے گیا۔ نوشیرواں نے جادُوگروں سے سارا حال کہا۔ جادُوگر غور سے سُنتے رہے۔ پھر کہنے لگے:

"بادشاہ سلامت، ہم کوشش کریں گے کہ امیر حمزہ پر قابُو پالیں اور قلعۂ ہشت حِصار کو قبضے میں لائیں۔ اِس کے لیے ضروری ہے کہ قلعے کے دائیں جانب جو پہاڑ ہے، ہم اُس پر قیام کریں۔

آپ ہر روز دس من کھانا ہمیں بلا ناغہ ہمیں بھجوائیے اور ہم
پندرہ روز تک قلعۂ ہشت حِصار پر برف باری کریں گے اور
یوں دُشمن کا ایک شخص بھی زندہ نہ بچے گا۔"

نوشیرواں یہ بات سُن کر بے حد خُوش ہُوا۔ جادُوگروں کو خلعت
اور انعام دینے کے بعد وعدہ کیا کہ دس من اعلیٰ درجے کا کھانا ہر
روز پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جایا کرے گا۔ تب وُہ جادُوگر بادشاہ سے
رُخصت ہو کر اُس پہاڑ پر آئے۔ اُس کی چوٹی اِتنی اُونچی تھی کہ
آسمان سے باتیں کرتی نظر آتی تھی۔ یہاں اُنھوں نے جادُو کے زور
سے ایک چشمہ پیدا کیا۔ پھر اس پانی میں خُوب نہائے اور نہانے
کے بعد چشمے کے قریب ہی چُونے سے ایک بڑا دائرہ بنایا۔ اِس
دائرے کے اندر بیٹھ کر کافُور، لونگ اور لوبان سُلگایا۔ پھر جادُو
کے زور سے ایک کالی بلّی پیدا کر کے اُس کا گلا کاٹا اور تھوڑا سا
خُون اپنے اِرد گِرد چھڑک لیا۔ اِس کارروائی سے فارغ ہو کر
دونوں منتر پڑھنے میں مصرُوف ہو گئے۔

بہت دیر تک منتر پڑھنے کے بعد اُنھوں نے اپنی جیبوں
میں سے رُوئی نکالی اور بلّی کے خُون میں تر کر کر کے آسمان کی
طرف پھینکنی شروع کی۔ رُوئی کے گالے جُونہی فضا میں جاتے۔
بادل بن کر تیرنے لگتے اور قلعۂ ہشت حِصار کی طرف بڑھتے۔
آخر ان بادلوں نے قلعے کو چاروں طرف سے ڈھانپ لیا۔ پھر اِن

میں سے رُوئی کے گالوں کی طرح نرم نرم برف زمین پر گرنے لگی ۔

کہنے والے کہتے ہیں کہ تین دن اور تین راتیں ایسی برف پڑی کہ قلعے کے اندر اور باہر ساٹھ ساٹھ فٹ اُونچے برف کے چبوترے بن گئے اور برف کا ایک عظیم انبار قلعے کے چاروں طرف جمع ہو گیا۔ جس کو ہٹانا یا اس میں سے راستہ بنانا ممکن نہ رہا۔ قلعے کے باہر پانی کی جو خندق تھی۔ اس میں بھی پانی جم گیا۔

امیر حمزہ اور اُن کے دوست اِس ناگہانی آفت پر سخت پریشان ہُوئے۔ حلب کے بڑے بُوڑھوں نے بتایا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ اِتنی شدید برف باری ہُوئی ہے۔ تب امیر حمزہ نے اس معاملے پہ غور کیا اور دیکھا بھالا۔ اُنھیں محسُوس ہُوا کہ جن بادلوں سے برف گرتی ہے، وُہ صِرف قلعے کے اُوپر ہی ہیں۔ اِس سے آگے آسمان کُھلا اور صاف ہے۔ وُہ فوراً سمجھ گئے کہ جادُو کا کرشمہ ہے۔ اُس وقت عمرو عیّار کو طلب کر کے یہ سارا ماجرا کہا۔ عمرو بھی حیران ہُوا۔ آخر کہنے لگا :

"فِکر نہ کرو، میں کِسی نہ کِسی طرح اِس بھید کو پانے کی کوشش کرتا ہُوں۔"

رات کی گہری تاریکی میں عمرو قلعے سے نِکلا۔ دیکھا کہ ہر طرف برف کے اُونچے اُونچے انبار لگے ہیں۔ ان پہ پیر رکھا تو اندر

سوچنے لگا۔ آخر ایک تدبیر ذہن میں آئی۔ اُس نے طلسم کے ذریعے اپنا قد ستر فٹ اُونچا بنایا اور برف کی رُکاوٹ آسانی سے عبُور کر کے ایک کھُلی جگہ میں نکل آیا۔ اُس وقت اگر کوئی شخص عمرو کو دیکھ لیتا تو سمجھتا کہ یہ ضرُور کوئی جن یا دیو ہے۔

قلعے سے باہر آ کر عمرو نے اپنے جسم اور ٹانگوں پر سے برف جھاڑی۔ پھر اپنے اصلی قد پر واپس آیا اور تیزی سے شہر مدائن کی جانب دوڑنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ سب شرارت نوشیرواں اور بختک کی ہے۔ صُبح سویرے مدائن پہنچا اور ایک بُڈھے لکڑہارے کے بھیس میں شہر کے اندر گھُومنے پھرنے لگا۔ پھرتے پھراتے بختک کے مکان کی طرف جا نکلا۔ دروازے پر ایک حبشی غُلام کھڑا پہرا دے رہا تھا۔ عمرو نے اُس سے پُوچھا:

"کیوں بھائی، لکڑیاں خریدو گے؟ آج کل سردی زیادہ ہے۔ برف پڑ رہی ہے۔"

یہ سُن کر اُس غُلام نے قہقہہ مارا اور کہنے لگا "او بُڈھے، تجھے کیا معلُوم کہ یہ ماجرا کیا ہے اور بے موسم کی برف کیسے پڑ رہی ہے۔ یہ راز تو مجھے معلُوم ہے۔"

"بے موسم کی برف؟" عمرو نے حیرت سے کہا "بھلا یہ کیا بات ہُوئی۔ کبھی بے موسم بھی برف باری ہُوئی ہے؟"

اس بات پر حبشی غُلام ناراض ہُوا اور کہا "اِس کا مطلب

ہے میں جھوٹ بول رہا ہُوں۔ ارے بے وقوف، قلعۂ ہشت حصار پر یہ برف باری جادُو کے زور سے ہو رہی ہے ...... ہمارے آقا بختک نے نوشیرواں کی اجازت سے شدّاد جادُوگر کو خط لکھا تھا کہ امیر حمزہ کو شکست دینے کے لیے کچھ جادُو ٹونا کرو۔ تُم کو معلوم ہے کہ شدّاد بہُت بڑا جادُوگر ہے۔ اُس نے فوراً اپنے دو شاگردوں کو یہاں روانہ کیا۔ ایک کا نام عنقارُوت ہے اور دُوسرے کو مارُوت کہتے ہیں۔ اب یہ دونوں جادُوگر قلعۂ ہشت حصار کے قریب ایک پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے منتر پڑھ رہے ہیں۔ اُنھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ اگر امیر حمزہ کی جانب سے اُس کا کوئی توڑ پیدا نہ کیا گیا تو دس دِن کے اندر اندر یہ قلعہ برف میں بالکُل غائب ہو جائے گا۔ اور اُس کے اندر رہنے والا ایک شخص بھی زِندہ نہ بچے گا۔"

تب عُمرو نے زمین سے مُٹّھی بھر خاک اُٹھا کر حبشی کے مُنہ پر ماری اور کہا۔ "خُدا تُجھے اور تیرے آقا کو غارت کرے۔ دیکھ بچّہ، میں اُسے کیسا مزا چکھاتا ہُوں۔"

بُڈّھے لکڑہارے کی اس حرکت پر حبشی غُلام کو بے حد غُصّہ آیا۔ دانت پیس کر آگے بڑھا اور کہنے لگا:

"او بُڈّھے تُجھے اِتنی جُراُت کیوں کر ہُوئی کہ بختک وزیر کے غُلام پر خاک پھینکے۔ دیکھ ابھی تیری ہڈّیاں پسلیاں توڑتا ہُوں۔"

عُمرو نے زنبیل سے سبز کمبل نکال کر اوڑھ لیا اور حبشی

غُلام کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ اب تو غُلام کے ہوش اُڑے۔ اِدھر اُدھر دیوانوں کی طرح تلاش کرنے لگا۔ کسی نے بختک کو خبر پہنچائی۔ اُس نے غُلام کو طلب کیا اور سارا قِصّہ سُنا۔ پھر دِل میں کہنے لگا یہ بُہت بُرا ہُوا۔ معلُوم ہوتا ہے لکڑہارے کے بھیس میں عمرو عیّار اِدھر آیا۔ اب وُہ فوراً کوئی شرارت کرے گا۔ بختک نے اُسی وقت گھوڑا کسوایا اور نوشیرواں کے محل کی طرف چل دیا۔ وُہ جلد سے جلد بادشاہ کو یہ وحشت ناک خبر سُنانا چاہتا تھا کہ عمرو عیّار مدائن میں موجُود ہے۔

بختک تو اِس فِکر میں تھا اور اُدھر عمرو نے یہ بھی معلُوم کر لیا تھا کہ عنقارُوت اور مارُوت جادُوگروں کے لیے روانہ دس من کھانا بھیجے جانے کا حُکم دیا گیا ہے۔ کئی سوار اور پیادے لذیذ کھانوں کی دیگیں گاڑیوں پہ لدوا رہے ہیں۔ تب عمرو وہاں سے رفُو چکّر ہُوا اور قلعۂ ہشت حِصار کو جانے والے راستے پر ایک جگہ چُھپ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے دیکھا کہ سوار کھانوں کی دیگیں لیے چلے آتے ہیں۔ یکایک اُنھوں نے گھوڑوں کی باگیں کھینچیں اور اُتر گئے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ راستے پر نہایت خُوب صُورت کپڑے میں لپٹی ہُوئی کوئی چیز پڑی ہے۔ وُہ سمجھے ضرُور کوئی قیمتی چیز ہے۔ اُسے کھول کر دیکھا تو ایک خوشبُودار روغنی روٹی نکلی۔ سبھی نے اُس کا ایک ایک ٹُکڑا توڑ کر کھایا ــــ روٹی

بے حد مزے دار تھی۔ یکایک سب بے ہوش ہو کر گر سے۔ دراصل عمرو عیار نے اِس روٹی میں بے ہوشی کی دوا مِلا دی تھی۔

اِن سواروں کے گرتے ہی عمرو آیا اور خنجر سے سب کو قتل کیا، پھر اپنی صورت خچر بان کی سی بنائی اور گاڑی ہنکاتا ہُوا اُس پہاڑ کے قریب پہنچا جس کی چوٹی پہ عنقا رُوت اور مارُوت جادُوگر بیٹھے حلب کے قلعے پہ جادُو کے زور سے برف باری کر رہے تھے۔

اُنھوں نے دیکھا کہ کھانا آ گیا ہے تو جلدی سے نیچے اُترے اِس اثنا میں عمرو نے اِن کے کھانے اور پینے کے پانی میں بھی بے ہوشی کی دوا مِلا دی تھی۔ جادُوگروں نے حیرت سے عمرو کو دیکھا اور کہا:

"آج تجھے بختک وزیر نے اکیلا بھیج دیا؟ سپاہی اور پیادے کہاں ہیں؟"

"جناب، بات یہ ہے کہ آج تو آپ کو کھانا پہنچ گیا۔ کل کا انتظام خُود کیجیے گا۔ کچھ خبر بھی ہے کہ مدائن میں عمرو عیار آن پہنچا ہے اور اُس نے بختک کے حواس گُم کر دیے ہیں۔ خچر بان نے جواب دیا۔

"آہا..... ہم نے عمرو کا نام سُنا ہے اور اُسے دیکھنے کی بڑی تمنّا ہے۔" جادُوگروں نے کہا اور کھانے پر پل پڑے۔ عمرو

حیرت سے دیکھتا رہا۔ کیوں کہ وہ یُوں کھا رہے تھے جیسے آدمی نہیں دیو ہوں۔ عمرو اُن کے بے ہوش ہونے کا اِنتظار کرتا رہا مگر بے سُود۔ بے ہوشی کی دوا نے اُن پر کوئی اثر نہ کیا۔ اب تو عمرو سٹپٹایا اور سوچنے لگا کہ ان خبیثوں سے کیوں کر نپٹا جائے۔ آخر ایک تدبیر ذہن میں آئی۔ ہاتھ باندھ کر کہنے لگا:

"جناب آپ نے بڑے بڑے گویّوں کا گانا سُنا ہو گا، لیکن اجازت ہو تو میں بھی گانا سُناؤں اور ایک ساز بجاؤں۔"

"ہاں ہاں، ضرور۔ اِس میں پُوچھنے کی کیا بات ہے ——"

جادُوگروں نے خوش ہو کر کہا۔ یہ سُنتے ہی عمرو نے اپنی زنبیل میں سے اِک تارا نکالا اور اُسے بجا کر گانے لگا۔ جادُوگر مست ہو کر جھُومنے لگے۔ پھر اُنھوں نے اِس مستی کے عالم میں آنکھیں بند کر لیں۔ عمرو نے موقع پا کر اپنا خنجر نکالا اور پھُرتی سے اُن دونوں کے سر قلم کر دیے۔

جُوں ہی جادُوگروں کے سر کٹے اور اُن کی گردنوں سے خُون کا فوّارہ نکلا۔ آسمان پر زبردست آندھی نمودار ہُوئی۔ زمین ہلنے لگی اور ایسی تاریکی چھا گئی کہ ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہ دیتا تھا۔ خُدا خُدا کر کے آندھی ختم ہُوئی اور اندھیرا دُور ہُوا۔ تب عمرو نے دیکھا، قلعۂ ہشت حِصار کے اُوپر سے برف کے بادل غائب ہو چُکے ہیں اور قلعے کے چاروں طرف برف کے جو بڑے بڑے

انبار لگے تھے، اُن کا بھی کوئی نام و نشان باقی نہیں رہا۔ یہ دیکھ کر عَمرو نے سجدے میں گر کر خُدا کا شکر ادا کیا اور خُوش خُوش قلعے کی جانب چلا۔

بہمن، ژوبین اور مرزبان خُراسانی کی فوجیں جادُوگروں کی آمد کے ساتھ ہی قلعۂ ہشت حِصار کا مُحاصرہ چھوڑ کر مدائن میں واپس آ گئی تھیں۔ لیکن جب جادُوگر عَمرو کے ہاتھوں مارے گئے تو بہمن، ژوبین اور مرزبان خُراسانی کے اوسان خطا ہُوئے ــــ نوشیرواں اور بختک کو بھی اپنی موت صاف دِکھائی دے رہی تھی اب اِس کے سِوا کوئی تدبیر نہ تھی کہ شدّاد جادُوگر سے دوبارہ مدد طلب کی جائے۔ چُناں چہ ایک اور خط شدّاد کو لِکھا گیا۔

اِدھر امیر حمزہ نے لشکرِ جرّار ساتھ لیا اور مدائن پہ دھاوا بول دیا۔ بہمن، ژوبین، مرزبان خُراسانی نے شکست کھائی اور مُلک سیستان کی جانب بھاگے۔ نوشیرواں اور بختک بھی اُن کے ساتھ تھے۔ امیر حمزہ نے مدائن پہ قبضہ کر لیا۔ پھر مُلک سیستان کی جانب بڑھے اور قلعۂ زنگار کے گِرد گھیرا ڈال دیا۔ جاسُوسوں نے خبر دی کہ تینوں بھگوڑے دُشمن اور نوشیرواں اِسی قلعے میں چُھپے ہُوئے ہیں۔

یہ قلعہ بے حد مضبُوط تھا اور اِس کی فصیل اتنی اُونچی تھی کہ کمند پھینکنا بھی مُمکن نہ تھا۔ قلعے کے اندر کھانے پینے کا ذخیرہ

اِتنا تھا کہ اگر دُشمن پانچ سال بھی مُحاصرہ کیے رکھے۔ تب بھی قلعے والوں کو کھانے پینے کی تکلیف نہ ہو۔ دراصل قلعے کے اندر ہی اُنھوں نے فصلیں بھی بو رکھی تھیں اور جا بجا کُنویں کھُدے ہُوئے تھے ــــ

بُہت دِن امیر حمزہ قلعے کا مُحاصرہ کیے رہے۔ لیکن کوئی صُورت اُسے فتح کرنے کی نہ نکلی۔ آخر عُمرو عیّار نے کمرِ ہمّت باندھی اور قلعے کے چاروں طرف چکّر لگا کر دیکھا کہ شاید اندر جانے کا کوئی راستہ مِل جائے۔ ایک جگہ کیا دیکھتا ہے کہ دیوار میں اِتنا بڑا سُوراخ ہے کہ کوئی شخص چاہے تو پیٹ کے بَل لیٹ کر اِس میں گھُس سکتا ہے عُمرو اِس میں داخل ہُوا اور رینگ رینگ کر آگے بڑھنے لگا ــــ آخر کار اُس نے اپنے آپ کو قلعے کے اندر پایا۔ کیا دیکھتا ہے کہ چاروں طرف ہزارہا خیمے اور پُختہ مکان بنے ہُوئے ہیں اور گلی کُوچوں میں اِس قدر بھیڑ ہے کہ کھوّے سے کھوّا چھِل رہا ہے۔ عُمرو نے دِل میں کہا یا الٰہی قلعہ کیا ہے، عالی شان شہر ہے۔

عُمرو گھُومتے گھُومتے ایک خُوب صُورت محل کے سامنے پہنچا جس کی بُرجیاں آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ عُمرو نے دربان سے پُوچھا کہ یہ محل کِس کا ہے؟ اُس نے جواب دِیا، یہاں تُوربین اور اُس کا بھائی بیژن ٹھہرے ہُوئے ہیں۔ اِس سے پہلے یہ محل مرزبان خُراسانی کے قبضے میں تھا۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک شخص محل میں سے باہر نکلا اور عمرو کو سر سے پیر تک دیکھ کر بولا:

"معلوم ہوتا ہے تم اِس قلعے میں نئے نئے آئے ہو۔ کیا کام کرتے ہو؟"

"جناب، میرا نام خواجہ گُم سُم ہے۔" عمرو نے جواب دیا۔ "اور میں باورچی ہوں۔ ہر قسم کے کھانے پکا سکتا ہوں۔ نوکری کی تلاش میں ہوں۔"

یہ سُن کر وُہ بہت خُوش ہُوا اور عمرو کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔
"بھئی مزا آ گیا۔ خُوب مُلاقات ہُوئی۔ میرا نام خواجہ سرُون ہے۔ تدبیرن اور بیزن کے باورچی خانے کا اِنتظام میرے ہی ہاتھ میں ہے۔ مُجھے اچھے باورچیوں کی تلاش رہتی ہے آؤ اِمتحان دو کہ تُم کیا پکاتے ہو۔"

عمرو عیّار خواجہ سرُون خان سامان کے ساتھ چلا اور ایک بڑی عمارت میں داخل ہُوا۔ وہاں بُہت سے باورچی دیگیں پکا رہے تھے کسی میں قورمہ تھا، کسی میں پُلاؤ اور کسی میں بریانی۔ سینکڑوں طرح کے سالن اور ہزار قسم کی روٹیاں پک رہی تھیں۔ خواجہ سرُون نے عمرو کو بھی کھانے پکانے کا کُچھ سامان دِیا اور کہا:

"بُھنا ہُوا گوشت پکا کر دِکھاؤ۔"

"بُہت بہتر۔ ابھی لیجیے۔" عمرو نے کہا۔
خواجہ سرُون وہاں سے چلا گیا تو عمرو نے اُلٹا سیدھا کھانا پکانا

شروع کیا اور اُس میں دَوائے بے ہوشی اچھی طرح مِلا دی۔ دو گھنٹے بعد خواجہ سُرون وہاں آیا اور عمرو سے پُوچھا۔ "کیوں میاں گُم سُم سالن تیار ہے؟"

"ہاں جناب بالکُل تیار ہے۔ آپ ہاتھ مُنہ دھو کر اپنے کمرے میں تشریف رکھیے۔ میں وہیں لے کر آتا ہُوں۔"

خواجہ سُرون عمرو کی اِس مُستعدی پر بے حد خُوش ہُوا۔ دِل میں سوچنے لگا کہ آدمی اچھا مِل گیا ہے۔ تھوڑی تنخواہ اور روٹی کپڑے پر نوکری کر لے گا۔

اِتنے میں عمرو پلیٹ میں سالن لیے آیا۔ خواجہ سُرون نے جُونہی ایک لقمہ بنا کر مُنہ میں رکھا، بے ہوشی کی دَوا نے فوراً اثر کیا۔ اسی وقت پیٹھ کے بَل بے ہوش ہو کر گِر گیا۔ عمرو نے جھٹ اُسے رسّی سے باندھ کر زنبیل میں ڈالا، جِس راہ سے آیا تھا، اسی راہ سے واپس اپنے لشکر میں آیا اور اِطمینان سے بِستر پر لیٹ کر سو گیا۔

اگلے روز صُبح آنکھ کُھلی تو عمرو امیر حمزہ کے پاس پہنچا۔ انھوں نے پُوچھا کل کہاں غائب رہے؟ ہم بہت فِکر مند تھے۔ عمرو نے قہقہہ لگا کر جواب دِیا۔ "میں ایک خاص کام سے گیا تھا۔"

یہ کہہ کر زنبیل میں ہاتھ ڈالا اور خواجہ سُرون کو نِکال کر امیر حمزہ کے سامنے پٹخ دِیا۔ وُہ دُہائی دینے لگا کہ اے خواجہ گُم سُم خُدا تُجھے غارت کرے۔ تُو نے کِس دُشمنی پر میرے ساتھ یہ ظُلم کِیا

امیر حمزہ حیرت سے کبھی اُسے دیکھتے، کبھی عمرو کو۔ آخر اُنھوں نے ناراض ہو کر عمرو سے کہا :

"یہ کیا حرکت ہے ؟ اِس بے چارے کو کہاں سے پکڑ لائے ؟ ابھی اِس کی رسّیاں کھولو۔"

غُلاموں نے جھٹ پٹ خواجہ سُرون کو آزاد کیا۔ تب عمرو نے قلعۂ زنگار میں داخل ہونے کا سارا قصّہ بیان کیا۔ جب خواجہ سُرون خان ساماں کو معلوم ہُوا کہ وُہ امیر حمزہ کے سامنے ہے تو جھٹ اُن کے قدموں پر گرا اور کہنے لگا :

"میں حضُور کو قلعے میں داخل ہونے کا ایک مُخفیہ راستہ بتا سکتا ہُوں۔ آپ اُس راستے اپنی فوج لے کر قلعے میں جائیے اور قبضہ کر لیجیے لیکن بے گُناہ لوگوں کو قتل نہ کیجیے گا۔ اب آپ میرے ساتھ چلیں۔"

امیر حمزہ نے اُسی وقت اپنے لشکر کو تیّار رہنے کا حُکم دیا اور جاں بازوں کے کئی دستے لے کر خواجہ سُرون کے ساتھ چلے۔ کئی میل چلنے کے بعد خان ساماں ایک بوسیدہ سی عمارت کے سامنے رُکا۔ یہ کوئی مقبرہ تھا جس کا گُنبد سیاہ پڑ چکا تھا اور چاروں طرف جھاڑ جھنکاڑ کثرت سے اُگا ہُوا تھا۔

مقبرے کے بوسیدہ دروازے پر لوہے کا ایک بڑا سا قُفل لگا تھا۔ جسے زنگ آہستہ آہستہ ہڑپ کر رہا تھا۔ خواجہ سُرون

خان ساماں نے کہا "یہ اِس قُفل کو توڑ کر مقبرے میں داخل ہوں۔"

امیر حمزہ نے قُفل توڑا اور گُنبد کے اندر داخل ہوئے۔ دیکھا کہ سنگ مَرمَر کی بڑی بڑی تین قبریں برابر برابر بنی ہُوئی ہیں۔ خان ساماں نے کہا۔ اِن قبروں کو اُکھاڑیے۔ امیر حمزہ کہنے لگے۔ "قبریں اُکھاڑنا گُناہ ہے۔ نہ معلوم کِن لوگوں کی قبریں ہیں۔ میں یہ کام نہ کروں گا۔"

یہ سُن کر خان ساماں ہنسا اور کہا۔ "حضُور، یقین کیجیے کہ یہ قبریں اصلی نہیں ہیں۔ دھوکا دینے کے لیے بنائی گئی ہیں۔ اِنہی کے نیچے قلعے کو جانے والے راستے چھُپے ہُوئے ہیں۔"

تب امیر حمزہ نے ایک ایک کر کے اِن قبروں کے پتّھر اُکھاڑے اور دیکھا کہ ان کے نیچے دروازے بنے ہُوئے ہیں۔ اِن دروازوں کو کھولا گیا تو اچھّی خاصی وسیع سُرنگیں نظر آئیں۔ جن میں گھوڑے بھی دوڑ سکتے تھے۔ یہ دیکھ کر امیر حمزہ خوش ہُوئے اور چند پیادوں کو اپنے لشکر میں روانہ کیا اور پیغام بھیجا کہ کئی ہزار سوار بھی آ جائیں۔

قصّہ مختصر ان سُرنگوں میں داخل ہو کر امیر حمزہ کی فوج قلعۂ زنگار کے قریب پہنچی اور جب سُورج غرُوب ہُوئے کئی گھنٹے گُزر گئے تب اُنھوں نے زور دار حملہ کیا۔ اس وقت دُشمن کی فوج کے وہم و گُماں میں بھی نہ تھا کہ امیر حمزہ یُوں اپنے لشکر کو۔ ا

کر قلعے میں گھس آئیں گے۔ افراتفری اور سنسنی پھیل گئی۔ تروپین اور اُس کا بھائی بیزن بھاگ نکلے اور نہ معلوم کہاں غائب ہو گئے کہ بے حد تلاش کے باوجود اُن کا پتا نہ چلا۔

بہمن اور اُس کی فوج نے کچھ دیر مقابلہ کیا مگر اُس نے بھی راہِ فرار اختیار کی۔ مرزبان خُراسانی لڑتے لڑتے مارا گیا اور اُس کی فوج نے ہتھیار ڈال دیے اور یُوں تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد قلعۂ زنگار امیر حمزہ کے قبضے میں آ گیا۔ معلُوم ہُوا کہ نوشیرواں اور بختک بھی بہمن کے ساتھ بھاگ نکلنے میں کام یاب ہو گئے ہیں جس محل میں تروپین اور اُس کا بھائی بیزن ٹھہرے ہُوئے تھے۔ وہاں ایک تہہ خانے میں سے بُہت بڑا خزانہ برآمد ہُوا۔ سونے چاندی کی اینٹیں اور ہیرے جواہر وغیرہ اِتنی تعداد میں ملے کہ اُن کا شُمار کرنا مُشکل تھا۔ امیر حمزہ نے عادی پہلوان کو اس خزانے کے پاس بٹھایا اور حفاظت کرنے کا حُکم دیا۔ عمرو عیّار نے اِتنی دولت نظروں کے سامنے پڑی دیکھی تو مُنہ میں پانی بھر آیا۔ دِل میں کہنے لگا:

"غضب خُدا کا۔ قلعۂ زنگار فتح کرنے میں کِس قدر محنت میں نے کی ہے۔ لیکن خزانے میں سے ایک چیز بھی حمزہ نے مجھے عطا نہیں کی، بلکہ عادی کو مُحافظ بنا دیا ہے۔ اچھا، یہ بھی کیا یاد کرے گا کہ کِسی سے پالا پڑا تھا۔"

آدھی رات ہوئی تو عمرو سبز کمبل اوڑھ کر تہہ خانے میں آیا اور آدھا خزانہ اپنی زنبیل میں ڈال کر لے گیا۔ عادی پہلوان کو پتا بھی نہ چلا کہ کون آیا اور کون گیا۔ صبح جب امیر حمزہ عمرو کو لے کر خزانے کا معاینہ کرنے آئے تو انھوں نے دیکھا کہ عادی پڑا خراٹے لیتا ہے اور آدھا خزانہ غائب ہے۔ انھوں نے لات مار کر عادی کو جگایا۔ وہ بدحواس ہو کر اٹھا۔ دیکھا سامنے امیر حمزہ کھڑے ہیں۔

"کیا بات ہے حمزہ بھائی، صبح صبح کیوں کر آپ نے تکلیف فرمائی؟" عادی نے کہا۔

"میں نے تمھیں خزانے کی حفاظت کا حکم دیا تھا لیکن تم نے اچھی حفاظت کی۔ چور آئے اور آدھا خزانہ لے گئے۔"

اب تو عادی کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ بڑبڑا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ واقعی خزانہ کم ہو گیا تھا۔ سر پیٹ کر کہنے لگا۔

"آپ سچ کہتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ میں ساری رات جاگتا رہا، چور آیا کس وقت؟ اور اتنا وزنی خزانہ اٹھا لے جانا ایک دو آدمیوں کے بس کی بات نہیں ہے۔"

یکایک اُسے کچھ خیال آیا اور اس نے عمرو کی طرف دیکھ کر کہا۔ "عمرو بھائی، یہ ضرور تمھاری کارستانی ہے۔ سچ سچ بتا دو کہ خزانہ تمھی لے گئے ہو۔"

"اے پہلوان، ذرا مُنہ سنبھال کر بات کرنا۔" عمرو نے آنکھیں لال پیلی کر کے کہا۔ "کیا ہمیں چور اُچکّا سمجھا ہے۔ ہم ایسے خزانے پر تھوکتے بھی نہیں۔"

بے چارہ عادی پہلوان مُنہ کھول کر رہ گیا اور کوئی جواب نہ بَن پڑا لیکن امیر حمزہ سمجھ گئے کہ ضرور عمرو کی شرارت ہے۔ ہنس کر کہنے لگے۔ "بھائی عمرو، عادی نے تُمھیں چور تو نہیں کہا۔ تُم خواہ مخواہ اس پر ناراض ہو رہے ہو۔ مُمکن ہے تُمھیں چور کا کچھ پتا نِشان معلُوم ہو۔"

"مُجھے معلُوم تو ہے، مگر اس شرط پر بتاؤں گا کہ عادی پہلوان ایک ہزار اشرفیاں سونے کی مُجھے دے۔"

عادی نے اُسی وقت ایک ہزار اشرفیاں عمرو کو دیں۔ پھر اُس نے زنبیل میں سے خزانہ نکال کر اُس کے حوالے کیا۔ یہ دیکھ کر عادی بُڑبُڑانے لگا۔ "اِسے کہتے ہیں چوری اور سینہ زوری — ایک تو مال چُرایا اور اُوپر سے ہزار اشرفیاں بھی اینٹھ لیں۔"

اِدھر تو یہ قصّہ ہو رہا تھا اور اُدھر بہمن سیدھا اپنے مُلک کوہستان پہنچا۔ ژوپین اور بیزن کوہِ کنتُور پر گئے جہاں پُرانے وقتوں کا ایک قلعہ بنا ہُوا تھا جسے تنگ حِصار کہتے تھے۔ اِس قلعے پر ملکہ طُور بانو کی حکُومت تھی۔ طُور بانو نے ژوپین اور اُس کے بھائی کو اپنے قلعے میں پناہ دی اور کہا کہ یہاں اِطمینان سے

رہیں اور کوئی خوف نہ کریں۔

ایک دِن شہزادہ قباد شہر یار شکار کھیلنے کے لیے جنگل میں نِکلا اور راستہ بھُول کر مُلک کوہستان کی جانب جا نِکلا۔ وہاں اِتّفاق سے بہمن کا دُوسرا لڑکا بھی شِکار کھیلنے آیا ہُوا تھا۔ اُس کا نام اژدہا تھا۔ اُس نے قباد شہر یار کو دیکھا اور کہا:

"اے نوجوان، تُو کون ہے اور اِدھر کِس اِرادے سے آیا ہے تُجھے معلُوم نہیں کہ اِس جنگل پر ہمارا قبضہ ہے۔"

قباد شہر یار نے کہا: "میرا نام قباد ہے اور میں امیر حمزہ کا بیٹا ہُوں۔ تیری کیا مجال کہ مُجھے اِس جنگل میں شکار کھیلنے سے روکے۔"

یہ سُن کر اژدہا بن بہمن کو طیش آیا اور قباد پر حملہ کرنے کا اِرادے سے آگے بڑھا، مگر قباد نے مارے طمانچوں کے اُس کا مُنہ لال کر دِیا۔ آخر وُہ بھاگ اُٹھا اور اپنے باپ بہمن کے پاس جا کر ڈینگیں مارنے لگا کہ امیر حمزہ کا بیٹا قباد آج ہمارے علاقے میں آیا تھا۔ میں نے مار مار کر اُسے بھگا دِیا۔ یہ سُن کر بہمن خُوش ہُوا اور بیٹے کو شاباش دی۔ اس کے دربار میں ایک شخص ایسا تھا جو امیر حمزہ کو پسند کرتا تھا اور بہمن کی غدّاری سے خُوب واقف تھا اُس نے جب سُنا کہ اژدہا نے شہزادہ قباد شہر یار کو مارا ہے، تو اُسے بڑا رنج ہُوا اور اُس نے یہ خبر امیر حمزہ تک پہنچائی۔ انھیں بھی بے حد صدمہ ہُوا اور دِل ہی دِل میں بیٹے سے رنجیدہ ہو گئے۔

کئی روز بعد شہزادہ قباد اُن کے سلام کو آیا تو امیر حمزہ نے مُنہ پھیر لیا اور کہنے لگے :

"آیندہ مُجھے اپنی شکل نہ دِکھانا۔ میں ایک بُزدِل بیٹے کا باپ نہیں کہلانا چاہتا۔ اژدہا نے تُمھیں مارا اور تُم چُپ چاپ مار کھا کر چلے آئے۔ دُور ہو جاؤ میری نظروں سے۔"

شہزادہ قباد نے یہ سُنا تو سخت پریشان ہُوا۔ صدمے اور خوف سے چہرہ زرد ہو گیا۔ عادی پہلوان نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور وہاں سے ہٹا کر دُور لے گیا۔ لیکن شہزادے کا حال بُرا تھا۔ آنکھوں سے بے اختیار آنسُو رواں تھے۔ اسی حالت میں وُہ اپنے خیمے میں گیا اور خنجر نِکال کر اپنے کلیجے میں گھونپنا چاہتا تھا کہ اچانک عمرو عیّار خیمے میں داخل ہُوا۔ اُس نے لپک کر خنجر شہزادے کے ہاتھ سے چھین لیا۔

"مُجھے مرجانے دیجیے چچا جان۔" شہزادے نے روتے ہُوئے کہا۔ "آج ابّا جان نے مُجھے بُزدِل کہا ہے اور بُزدِل کو مر ہی جانا چاہیے۔"

"اے شہزادے، بُزدِلی وُہ نہ تھی بلکہ یہ ہے کہ تُم اپنے ہاتھوں اپنی ہی جان لینے کے درپے ہو۔ مُجھے بتاؤ ماجرا کیا ہے۔"

غرض جب قباد شہریار کو عمرو نے خُوب تسلّی دی تو اُس نے سارا واقعہ سُنایا۔ عمرو نے کہا :

"اِتنی سی بات ہے۔ اِس میں غم کھانے کی کیا ضرورت تھی۔ تُم اگر بہادر ہو تو ابھی جاؤ اور بہمن کے لڑکے کا سر کاٹ لاؤ۔ پھر دیکھوں تمہیں کون بُزدل کہتا ہے۔"

شہزادہ قباد شہر یار یہ سُن کر اُٹھا۔ بدن پہ ہتھیار باندھے اور گھوڑے پر سوار ہو کر کوہستان کی جانب چلا۔ بہمن اپنا دربار سجائے بیٹھا تھا۔ ناگہاں باہر شور وغُل سُنائی دیا۔ پھر ایک پہرے دار خُون میں نہایا ہُوا اندر آیا اور فریاد کی عالی جاہ ایک نوجوان دربار میں زبردستی آنا چاہتا ہے۔ ہم نے روکا تو تلوار نکال کر لڑنے لگا۔

بہمن یہ سُن کر حیران ہُوا اور کہنے لگا:

"اگر کسی کی موت اُسے ہمارے پاس کھینچ لائی ہے تو روکتے کیوں ہو، آنے دو۔"

اِتنے میں قباد شہر یار ہاتھ میں ننگی تلوار لیے دربار میں داخل ہُوا۔ بہمن نے غضب ناک ہو کر کہا۔ "اے بدبخت، تُو کون ہے اور کس ارادے سے آیا ہے؟"

"میرا نام قباد شہر یار ہے اور میں امیر حمزہ کا بیٹا ہُوں۔ میں تیرے بیٹے اژدہے کا سر قلم کرنے آیا ہوں۔"

یہ سُن کر بہمن نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔ "تجھے تو میرے بیٹے نے طمانچے مار مار کر بھگا دیا تھا اب تُو ذلیل ہونے کو پھر چلا آیا؟"

"اے بہمن، زیادہ بڑ نہ ہانک ورنہ سزا پائے گا۔" قباد نے گرج

کر کہا ۔ "تیرا بیٹا اژدہا قریب ہی بیٹھا ہے ۔ اِس سے کہہ کہ اگر جُرأت ہے تو میرے سامنے آئے ۔"

بہمن نے اب اژدہے کی جانب دیکھا اور کہا "اُٹھ، اور اِس کو گستاخی کی سزا دے ۔"

لیکن اژدہے نے گردن جُھکا لی اور کچھ جواب نہ دیا ۔ یہ دیکھ کر بہمن سمجھ گیا کہ قباد سچ کہتا ہے ۔ اژدہا اُسے طمانچے مارنے کی بجائے خُود پِٹ کر آیا ہوگا ۔ تب وُہ اور طیش میں آیا اور کُرسی سے اُٹھ کر اِس زور کی لات اژدہا کی پیٹھ پر ماری کہ وہ لُڑھکنیاں کھاتا ہُوا قباد کے قدموں میں جا گرا ۔ بہمن نے للکار کر بیٹے سے کہا :

"اگر تُو اِسی وقت قباد سے دو دو ہاتھ کر کے فیصلہ نہ کرے گا تو میں خُود تُجھے اپنے ہاتھ سے قتل کر دُوں گا ۔ ایسے جھُوٹے اور بُزدِل بیٹے کا باپ کہلانا مُجھے پسند نہیں ۔"

اژدہا بن بہمن نے یہ بات سُنی تو لاچار اور مجبُور ہو کر نیام سے تلوار کھینچی اور جان پر کھیل کر مُقابلے کے لیے تیار ہُوا لیکن خوف سے اُس کا ہاتھ کانپ رہا تھا اور حملہ کرنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا ۔ یہ دیکھ کر قباد نے کہا :

"افسوس کہ مُجھے کس بُزدِل سے لڑنا پڑا ہے ۔"

اژدہا نے بل کھا کر تلوار کا ہاتھ مارا ۔ قباد نے ڈھال پر روکا پھر آگے بڑھ کر اژدہا کی کلائی پکڑی اور اِس زور سے بل دیا کہ

اژدہا کے حلق سے چیخ نکلی اور تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی۔ پھر قباد نے ایک ہی وار میں اس کا سر قلم کیا اور بال پکڑ کر گردن اُٹھالی۔ پھر اُس نے ایک زبردست نعرہ لگایا اور بہمن سے کہا:

"اے بہمن، دیکھ میں تیرے بیٹے کا سر کاٹ کر لیے جاتا ہُوں اگر تجھے بھی بہادری کا دعویٰ ہے تو آن کر یہ سر چھین لے۔"
یہ سُن کر بہمن خوف سے تھرّا گیا اور اُسے حرکت کرنے کی جُرأت نہ ہُوئی۔ قباد شہریار اپنے گھوڑے پر سوار ہُوا۔ تیز رفتاری سے منزلیں طے کرتا ہُوا اپنے لشکر میں آیا اور آتے ہی اژدہا کی کٹی ہُوئی گردن امیر حمزہ کے پاس بھجوا دی۔

شہزادے کے اس کارنامے کی دُھوم آناً فاناً لشکر میں مچ گئی۔ نامی پہلوان، بہرام، لندھور، شہ پال ہندی کے بیٹے، سلطان بخت مغربی، مُقبل وفادار اور عمرو عیّار سبھی مُبارک باد دینے آئے۔ پھر اُنھوں نے امیر حمزہ کو قباد کی دلیری کا سارا واقعہ سُنایا۔ امیر حمزہ دِل میں نادم ہُوئے کہ قباد کو خواہ مخواہ غُصّے میں آکر بُرا بھلا کہہ بیٹھے اسی وقت قباد کے خیمے میں آئے اور اُسے گلے لگا کر خُوب روئے پھر مہر نگار کے پاس لے گئے اور اُس نے بھی شہزادے کو پیار کیا۔

اُدھر بہمن کا رنج اور طیش کے مارے بُرا حال تھا —— ایسی بے عزّتی زندگی میں پہلے کبھی نہ ہُوئی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ بہمن

کی بہادری کو زنگ لگ گیا ہے ورنہ ایک ناتجربہ کار لڑکے کی کیا مجال کہ بھرے دربار میں یُوں اس کے بیٹے کی گردن کاٹے اور دندناتا ہُوا چلا جائے ۔ اِس غم میں اُس نے تین روز تک کھانا نہ کھایا اور نہ دربار میں آیا ۔ اُسے اپنے درباریوں سے آنکھیں چار کرتے ہُوئے شرم آتی تھی ۔

چوتھے روز ہرکاروں نے خبر دی کہ ژوپین اور بیژن آئے ہیں بہمن اُن کے آنے سے خُوش ہُوا اور اُن کے اِستقبال کو اُٹھا ۔ ژوپین اور بیژن نے اپنی رام کہانی سُنائی اور کہا کہ وُہ ملکہ طُور بانو کے مہمان ہیں اور بہمن سے مُلاقات کے لیے آئے ہیں ۔ بہمن نے قباد شہریار کے آنے اور اژدہے کا سر کاٹ کر لے جانے کا ماجرا بیان کیا ۔ ژوپین سر ہلا کر کہنے لگا :

" بھائی بہمن ، حمزہ کو مار ڈالنا کچھ مُشکل نہیں لیکن اِس کے پاس ایک شخص ایسا ہے کہ اگر یہ نہ ہوتا تو ہمیں اِتنی مُصیبتیں نہ اُٹھانی پڑتیں ۔ اِس مکّار کا نام عمرو ہے ۔ جہاں جاتا ہے تباہی پھیلاتا ہے ۔ اگر کبھی طرح عمرو عیّار ہمارے قبضے میں آ جائے تو پھر حمزہ کو ختم کر ڈالنا بہت آسان ہے ۔"

یہ سُن کر بہمن نے کہا ۔ " مجھے کیا معلوم تھا کہ عمرو عیّار ایسا خطرناک آدمی ہے ورنہ میں پہلے ہی اِس کا کام تمام کر دیتا ۔ خیر اب بھی کچھ نہیں بگڑا ۔ میرے پاس ایک شخص ایسا ہے جو عمرو

سے بھی دس قدم آگے ہے۔ انہیں اسے بُلانا چاہیئے۔

چناں چہ بہمن نے کاؤسم کنٹوری کو طلب کیا اور جب وُہ حاضر ہُوا تو کہا:

"اے کاؤسم، آج تیری چالاکی اور عیّاری کا امتحان ہے۔ امیر حمزہ کے لشکر میں جا اور عمرِو عیّار کو کسی طرح گرفتار کر کے میرے پاس لے آ۔ مُنہ مانگا انعام دُوں گا۔"

کاؤسم کنٹوری نے لنگر لنگوٹ کسا اور عمرِو کو گرفتار کرنے کے ارادے سے روانہ ہُوا۔ اُدھر عمرِو بھی ایک قلندر فقیر کا بھیس بدلے ہُوئے قلعے کے باہر گھوم رہا تھا اور اُس کے کئی شاگرد بھی ساتھ تھے۔ یکایک کاؤسم کنٹوری سے مُلاقات ہُوئی۔ اُس نے اپنی ذہانت سے پہچان لیا کہ یہی عمرِو عیّار ہے۔ آگے بڑھ کر قدم چُومے اور کہنے لگا:

"حضرتِ قبلہ، آپ کدھر تشریف لے جا رہے ہیں؟ اجازت ہو تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں۔"

عمرِو نے اُس کو غور سے دیکھا اور سمجھا کہ آدمی مال دار معلوم ہوتا ہے۔ اِس سے چکنی چُپڑی باتیں کر کے کچھ مال ہتھیانا چاہیئے۔ یہ سوچ کر کاؤسم کنٹوری کو گلے سے لگایا اور کہا:

"بھئی خُوب آئے۔ مُجھے تُم جیسے ایک آدمی کی تلاش تھی۔ اب یہاں سے میں اپنے شاگردوں کو رُخصت کروں گا۔ اور تُم میرے

ساتھ چلو گے۔"

یہ سُن کر کاؤسم کنتوری نے عَمرو کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور گردن جُھکا کر کھڑا رہا۔ عَمرو نے اپنے شاگردوں کو حُکم دیا کہ واپس جاؤ۔ ہم چند روز بعد آئیں گے۔ شاگرد چلے گئے تو کاؤسم کنتوری نے کہا:

"حضرت، آپ کا نامِ نامی کیا ہے؟"

"مجھے درویشِ خاکی کہتے ہیں۔" عَمرو نے جواب دیا۔

"حضرت، آپ نے کہیں عَمرو عیّار کو بھی دیکھا ہے؟" کاؤسم کنتوری نے مکّاری سے پُوچھا۔ "مجھے اُن سے مُلاقات کا بڑا شوق ہے۔"

"ہاں، میں نے اُس مردِ جان باز کو دیکھا ہے۔" عَمرو نے مُسکرا کر کہا۔ "لیکن میرے عزیز تم اُس کے قریب بھی نہ پھٹکنا۔ وہ دونوں کانوں کے بیچ میں سر کر دے گا۔"

"بہت بہتر جناب.... میں آپ کی نصیحت یاد رکھوں گا۔" کاؤسم کنتوری نے ادب سے کہا۔ پھر جیب سے ایک لعل نکال کر درویش خاکی کے سامنے پیش کیا اور کہنے لگا:

"حضور، اِس غُلام کی جانب سے یہ نذر قبول فرمائیے۔"

عَمرو نے یہ قیمتی پتھر دیکھا تو ہوش و حواس پہ پڑ دے پڑ گئے۔ بے اِختیار لعل لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اُسی وقت کاؤسم کنتوری نے عَمرو کا ہاتھ پکڑ کر ایسا داؤں مارا کہ وہ چاروں شانے

چت ہو گیا۔ کاؤسم نے اُسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر جھٹ پٹ کمند نکالی اور عمرو کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے، پھر قہقہہ لگا کر بولا:
"قلندر صاحب، یہ عیّاریاں یہاں نہیں چلیں گی۔ تم نے سب کا ناک میں دَم کر رکھا ہے۔ اب میں چھٹی کا دُودھ یاد دِلاؤں گا۔ کیا سمجھے؟ میرا نام کاؤسم کنتُوری ہے۔ بہمن کے مُلک کوہستان کے عیّاروں کا بادشاہ ہوں۔ تم جیسے بے وقُوف تو میری جیب میں پڑے ہیں ـــــ"

عمرو دِل میں نہایت شرمندہ ہوا اور سوچا کہ اُستاد بُرے پھنسے اب رہائی مُشکل نظر آتی ہے۔ غرض کاؤسم عمرو عیّار کا پُشتارا باندھ کر کوہستان کی جانب چلا۔ چلتے چلتے شام ہو گئی اور پھر رات۔ آخر اپنے گھر پہنچا۔ عمرو کو تہہ خانے میں بند کیا اور دروازے میں تالا لگا کر چابی اپنی بیوی کو دی اور کہا۔ تہہ خانہ ہرگز نہ کھولنا۔ میں ذرا بہمن کے ہاں جاتا ہُوں۔

کاؤسم کی بیوی بڑی تشکّی مزاج عورت تھی۔ اُس نے دِل میں کہا کہ کاؤسم نے تہہ خانے میں کیا چیز رکھی ہے جس کا ذِکر مجھ سے نہیں کرتا۔ ضرور اِس میں کوئی بھید ہے۔ دیکھوں تو سہی۔ یہ سوچ کر تہہ خانے میں اُتری۔ شمع جلا کر قُفل کھولا اور اندر گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک قلندر صُورت شخص رسّیوں میں جکڑا پڑا ہے اور اُس کے مُنہ میں کپڑے کی گیند ٹھُنسی ہُوئی ہے۔ کاؤسم کی بیوی نے

اس کے مُنہ سے گیند نکالی اور پُوچھا :

"بڑے میاں ، تُم کون ہو اور میرا خاوند تمُہیں یہاں کیوں بند کر گیا ہے ؟"

یہ سُن کر بڑے میاں زار زار رونے لگے ۔ پھر جواب میں کہنے لگے ۔" اے نیک بخت ، کیا بتاؤں میں کون ہُوں ۔ کہتے ہُوئے شرم آتی ہے ۔ میں تیرے شوہر کا سوتیلا باپ ہُوں ۔ ہمیشہ اُسے سمجھایا کرتا تھا کہ کاوُسم بیٹا ، شریف آدمیوں کی طرح زندگی بسر کر ، بُرے کام چھوڑ دے لیکن اُس نے کبھی میری نہ سُنی ۔ چند دِن ہُوئے ۔ مجُھے پتا چلا کہ وُہ بہن کے ایک وزیر کی بیٹی سے شادی کر رہا ہے میں نے اُسے ڈانٹا اور کہا کہ یہ کیا حرکت ہے ۔ جب تمُہارے گھر میں پہلے سے ایک نیک بخت بیوی موجُود ہے تو اُس پر سوکن کیوں لا رہے ہو ؟ یہ تو بڑا ظُلم ہے ۔ لیکن کاوُسم نے میرا مذاق اُڑایا اور جب میں نے کہا کہ یہ شادی ہرگز نہیں ہو سکتی ۔ کیوں کہ میں وزیر سے جا کر کہہ دُوں گا کہ کاوُسم شادی شُدہ ہے ۔ تو وُہ اِس بات پر لال پیلا ہو گیا ۔ آج اُس کی شادی کا دِن تھا ۔ اِس لیے وُہ مجُھے پکڑ کر یہاں لے آیا ہے ۔ کہتا تھا کہ شادی کے بعد رہا کر دُوں گا ۔"

یہ داستان سُن کر کاوُسم کی بیوی کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی ۔ بے اِختیار سر پیٹنے اور رونے لگی ۔ عمُرو نے کہا :

اے نیک بخت روتی کیوں ہو ؟ جلد مجُھے آزاد کر تا کہ وزیر

کے مکان پہ جاؤں اور اِس شادی کو روکوں ، ورنہ زندگی بھر روئے گی ـــــ"

عورت نے جھٹ عمرو کے ہاتھ پاؤں کھول دیے اور وُہ وہاں سے رفوچکّر ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد کاؤسم خوشی سے جھومتا جھامتا آیا اور بیوی سے کہنے لگا "آج تو مزے آ گئے۔ بہمن میرے ایک کارنامے سے ایسا خوش ہوا ہے کہ مجھے موتیوں میں تولنے کا وعدہ کر لیا ہے"

بیوی نے طیش میں آ کر ایک دو ہتّڑ کاؤسم کی پیٹھ پر مارا اور چلّا کر بولی "جھوٹے ....مکّار، مجھ سے فریب کرتے تجھے شرم نہیں آتی۔ وزیر کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے تو کر لے۔ میری جُوتی سے۔ لیکن اپنے بُڈھے سوتیلے باپ کے ہاتھ پیر باندھتے ہُوئے تو کچھ غیرت لازم تھی۔"

"ہیں ..... ہیں ..... یہ کیا کہہ رہی ہے" کاؤسم نے حیرت سے آنکھیں نکال کر کہا۔ "وزیر زادی ؟ شادی ؟ میرا بُڈھا سوتیلا باپ ؟؟؟ ...... آخر یہ قصّہ کیا ہے ؟"

بیوی نے روتے ہُوئے کہا۔ "میری تو قسمت ہی پھُوٹ گئی۔ خُدا کرے میرا صبر پڑے تجھ پر۔"

"مَیں پُوچھتا ہُوں یہ کیا کہے جا رہی ہے ؟" کاؤسم نے غصّے میں آن کر کہا "لا تہہ خانے کی چابی نکال ـــــ"

تہہ خانے میں اب کیا رکھا ہے۔" بیوی نے کہا۔" بے چارے بُڈھے کو تو میں نے رہا کر دیا۔"

اب تو کاؤسم کتوری کے ہوش اُڑ گئے۔ سمجھ گیا کہ عمروعیار اِس عورت کو بے وقوف بنا کر نکل بھاگا۔ بے اختیار لکڑی اُٹھا کر بیوی کی طرف لپکا اور چلّانے لگا:

"ارے بے وقوف.... وہ میرا سوتیلا باپ نہیں تھا۔ وہ تو عمروعیّار تھا..... اُسے بڑی مشکل سے گرفتار کر کے لایا تھا، اور بہمن سے اِس خدمت کا معاوضہ وصول کرتا.... تُو نے سب کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ اب بہمن کو کیا مُنہ دکھاؤں گا۔ وہ مجھے اور تجھے دونوں کو دیوار میں زندہ چُنوا دے گا۔"

بیوی کے اوسان خطا ہوئے۔ لگی معافیاں مانگنے۔ مگر کاؤسم کے اوسان خطا تھے۔ اُسی وقت بازار میں نکلا اور عمرو کو ڈھونڈنے لگا۔ عمرو خود اُس کی تاک میں تھا۔ اِس مرتبہ اُس نے ایک رنگ ریز کا بھیس بھر رکھا تھا اور برابر اُس کے تعاقب میں تھا۔ ایک جگہ موقع پا کر عمرو نے کاؤسم کو اَڑنگی دی، پھرتی سے اُس کے ہاتھ پیر باندھ کر زنبیل میں پھینکا اور کوہستان سے بھاگا تو اپنے لشکر میں آ کر دم لیا۔ امیر حمزہ کے سامنے زنبیل میں سے کاؤسم کتوری کو پکڑ کر نکالا۔ اُنھوں نے پُوچھا:

"عمرو بھائی، یہ کسے پکڑ لائے؟"

"ابھی کچھ نہ پوچھو" عمرو نے ہانپتے ہوئے کہا "ایسے موذی کو پکڑا ہے کہ بس بیان سے باہر۔"

"ذرا ہم بھی اس کی شکل دیکھیں" امیر حمزہ نے کہا اور کاؤسم کنٹوری کے ہاتھ پیر کھول دیے۔ وہ جھٹ اُن کے قدموں پر گر پڑا اور گڑگڑانے لگا:

"اے حمزہ، مجھے عمرو عیّار کے ہاتھوں بچا لو...... وعدہ کرتا ہوں کہ آیندہ کوئی شرارت نہ کروں گا۔"

تب عمرو نے ہنس ہنس کر امیر حمزہ کو سارا قصّہ سُنایا اور آخر میں کہا "وہ تو یوں کہو کہ اِس کی بیوی بڑی نیک عورت ہے کہ اُس نے مجھے تہہ خانے سے نکالا۔ ورنہ یہ ذاتِ شریف تو مجھے جہنم کے پاس لے ہی گئے تھے۔" اُس دن سے کاؤسم عمرو عیّار کا شاگرد بن گیا۔

شدّاد جادُوگر کا حملہ

نوشیروان بُہت پریشان تھا۔ کیوں کہ اُسے اِحساس تھا کہ امیر حمزہ اب کِسی قیمت پہ اُسے معاف نہ کریں گے۔ لیکن بادشاہت کا بھُوت اُس کے سر پہ سوار تھا اِس لِیے نہیں چاہتا تھا کہ امیر حمزہ کے سامنے گھُٹنے ٹیکے۔ اُسے ہر دم یہی اُمّید تھی کہ کِسی نہ کِسی روز حمزہ کو جان سے مَروا دے گا۔

بختک نے شدّاد جادُوگر کو ایک اور خط مدد کے لِیے لکھا تھا ایک دِن اُس کا جواب مِلا کہ وُہ عنقریب امیر حمزہ سے دو دو ہاتھ کرنے میدان میں اُترے گا۔ شدّاد کی طرف سے یہ پیغام پا کر نوشیرواں اور بختک کی خُوشی کا ٹھکانا نہ رہا اور اُنھوں نے فوراً بہمن، ژوبین اور بیژن کو یہ خبر سُنائی۔ خواجہ بزرجمہر اِن کی باتیں سُن سُن کر دِل میں ہنستے اور کہتے تھے کہ جس شخص کے سر پہ خُدا کا سایا ہو، اُس کا کون بال بیکا کر سکتا ہے۔؟

کہتے ہیں، ایک دِن شدّاد جادُوگر شکار کھیلنے کے ارادے

سے جنگل میں نکلا اور پھرتے پھراتے ایک شہر میں جا نکلا۔ ایک جگہ دیکھا کہ لوگوں کا بے پناہ ہجوم ہے اور درمیان میں سو سال کا ایک بڈھا کھڑا کوئی چیز دکھا رہا ہے۔ لوگ اُسے دیکھنے کے لیے دھکم پیل کر رہے ہیں۔ جب شدّاد اس ہجوم کے قریب پہنچا تو لوگوں نے اُسے پہچان کر ادب سے راستہ دے دیا۔ شدّاد نے اُس بڈھے سے کہا:

"یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ لا ہمیں بھی دکھا۔"

"جہاں پناہ، یہ ایک تصویر ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔ اور وہ تصویر شدّاد کو تھما دی۔ شدّاد نے ایک نظر تصویر کو دیکھا۔ اور سارا جادو بھول گیا۔ ایسی خوب صورت شہزادی اُس نے زندگی میں پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ دیر تک تصویر کو دیکھتا رہا پھر بڈھے سے کہنے لگا:

"ہم نے اپنے علم کے زور سے معلوم کیا ہے کہ یہ شہزادی الطر زنگی کی بیٹی ہے۔"

"بے شک، جہاں پناہ صحیح فرماتے ہیں۔"

"کیا یہ تصویر ہمارے پاس بیچو گے؟"

"جہاں پناہ مالک ہیں۔" بوڑھے نے گردن جھکا کر کہا۔

یہ سُن کر شدّاد نے تصویر جیب میں رکھی اور ایک ہزار اشرفیاں بوڑھے کے دامن میں پھینک کر وہاں سے روانہ ہوا۔

اپنے دارُالسّلطنت میں آیا اور ایک لاکھ حبشی غُلاموں کا لشکر لے کر مُلک زنگ بار کی طرف چل پڑا۔ اطہر زنگی کو مُخبروں نے خبر دی کہ غضب ہو گیا۔ مُلک کاشمیر کا بادشاہ شدّاد جادُوگر ایک عظیم فوج لے کر لڑائی کے اِرادے سے آتا ہے۔ اطہر زنگی بھی بُہت بڑا جادُوگر تھا۔ اُس نے اِطمینان سے کہا:

"شدّاد آتا ہے تو آنے دو۔ اگر وُہ کسی بُری نیّت سے آیا ہے تو ہم اُس کا توڑ جانتے ہیں۔"

یہ کہہ کر اُس نے اپنی فوج کو تیّار رہنے کا حُکم دِیا۔ شدّاد آندھی کی طرح آیا اور شہر پناہ سے باہر ڈیرے ڈال دِیئے۔ پھر اُس نے اطہر زنگی کو پیغام بھجوایا کہ اپنی بیٹی کی شادی مجُھ سے کر دے ورنہ شہر کی اینٹ سے اِینٹ بجا دُوں گا۔ اطہر زنگی جواب میں خُود شدّاد سے مِلنے آیا اور کہا:

"اِتنی سی بات کے لِیے اِتنا بڑا لشکر لانے کی ضُرورت نہ تھی۔ مجُھے ایک روز کی مُہلت دو۔ اِس کے بعد جواب دُوں گا۔" اب اطہر زنگی اپنے محل میں واپس آیا تو اُس کا اِطمینان رُخصت ہو چُکا تھا۔ دراصل وُہ اپنے عِلم کے زور سے جان چُکا تھا کہ شدّاد سے مُقابلہ کرنا درست نہ ہو گا۔ آخر سوچ سوچ کر اُس نے اپنے بھتیجے قامُوس زنگی کو بُلایا اور کہا:

"میں اپنی پھُول سی بیٹی کی شادی شدّاد جیسے شخص سے ہرگز

اپنے دارُالسّلطنت میں آیا اور ایک لاکھ حبشی غُلاموں کا لشکر لے کر مُلک زنگ بار کی طرف چل پڑا۔ اطہر زنگی کو مُخبروں نے خبر دی کہ غضب ہو گیا۔ مُلک کاشمیر کا بادشاہ شدّاد جادُوگر ایک عظیم فوج لے کر لڑائی کے ارادے سے آتا ہے۔ اطہر زنگی بھی بُہت بڑا جادُوگر تھا۔ اُس نے اِطمینان سے کہا :

"شدّاد آتا ہے تو آنے دو۔ اگر وُہ کِسی بُری نیّت سے آیا ہے تو ہم اُس کا توڑ جانتے ہیں۔"

یہ کہہ کر اُس نے اپنی فوج کو تیّار رہنے کا حُکم دِیا۔ شدّاد آندھی کی طرح آیا اور شہر پناہ سے باہر ڈیرے ڈال دِیے۔ پھر اُس نے اطہر زنگی کو پیغام بھجوایا کہ اپنی بیٹی کی شادی مُجھ سے کر دے ورنہ شہر کی اینٹ سے اِینٹ بجا دُوں گا۔ اطہر زنگی جواب میں خُود شدّاد سے مِلنے آیا اور کہا :

"اِتنی سی بات کے لِیے اِتنا بڑا لشکر لانے کی ضرُورت نہ تھی۔ مُجھے ایک روز کی مُہلت دو۔ اِس کے بعد جواب دُوں گا۔" اب اطہر زنگی اپنے محل میں واپس آیا تو اُس کا اِطمینان رُخصت ہو چُکا تھا۔ دراصل وُہ اپنے عِلم کے زور سے جان چُکا تھا کہ شدّاد سے مُقابلہ کرنا درست نہ ہو گا۔ آخر سوچ سوچ کر اُس نے اپنے بھتیجے قامُوس زنگی کو بُلایا اور کہا :

"میں اپنی پھُول سی بیٹی کی شادی شدّاد جیسے شخص سے ہرگز

پُہنچائے گا۔

خواجہ عبدُالمطّلب اِن سرداروں کی یہ بات سُن کر پریشان ہُوئے۔ اُن کا جی نہ چاہتا تھا کہ اپنے شہر کو یُوں دُشمن کے حوالے کر دیں۔ اِتنے میں شدّاد کا ایلچی آیا اور اُس نے یہ پیغام دیا:

"اگر تُم لوگ خیریّت چاہتے ہو تو شہر میرے حوالے کر دو۔ ورنہ ایسا خوف ناک اِنتقام لُوں گا کہ ساری دُنیا دیکھے گی اور کوئی تُمھیں میرے قہر سے بچانے والا نہ ہو گا۔"

خواجہ عبدُالمُطّلب نے شدّاد کے قاصِد کو یہ جواب دے کر روانہ کیا کہ میں اپنے سرداروں سے مشورہ کر رہا ہُوں۔ ایک دو روز بعد اپنے فیصلے سے آگاہ کرُوں گا۔

اب خواجہ عبدُالمُطّلب نے امیر حمزہ کے نام خط لکھا کہ اے عزیز فرزند، جلد ہماری خبر لو۔ شدّاد جادُوگر نے شہر پہ چڑھائی کی ہے۔ میں نے اُس سے ایک دو روز کی مُہلت مانگی ہے یہ خط لکھ کر اُنھوں نے عَمرو عیّار کے باپ اُمیّہ کو بُلایا اور کہا: "اِسے فوراً امیر حمزہ کے پاس پہنچاؤ۔"

اُمیّہ روانہ ہُوا اور تیز رفتاری سے منزلوں پہ منزلیں طے کرتا ہُوا آخر اُس مقام پہ پہنچا۔ جہاں امیر حمزہ کے لشکر نے خیمے لگا رکھے تھے۔ اُس نے خواجہ عبدُالمُطّلب کا خط امیر حمزہ کو پیش کیا امیر حمزہ نے خط پڑھا اور اُسی وقت لشکر کو مکّے کی جانب کُوچ

کرنے کا حکم دے دیا۔

اُدھر شدّاد ایک ایک گھڑی بے تابی سے گِن رہا تھا۔ جب دو روز کی مُدّت پُوری ہو گئی تو اُس نے پھر اپنے قاصِد کو خواجہ عبدُالمُطّلِب کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ آپ نے جو مُہلت سوچنے کے لیے طلب کی تھی وُہ پُوری ہو چُکی۔ اب شہر میرے حوالے کر دو ورنہ ایک ہزار ہاتھی لے کر آؤں گا اور سب کو تہس نہس کرُوں گا۔۔۔

خواجہ عبدُالمُطّلِب نے قاصد سے کہا کہ جا اور جا کر شدّاد سے کہہ دے کہ جو تیرے جی میں آئے کر۔ ہم کسی قیمت پر شہر تیرے حوالے نہ کریں گے۔

قاصِد نے یہی الفاظ شدّاد سے کہے۔ وُہ طیش میں آیا اور ایک ہزار ہاتھی اور ایک لاکھ حبشی غُلام لے کر شہر پر حملہ آور ہُوا۔ اُدھر خواجہ عبدُالمُطّلِب سجدے میں گِر پڑے اور خُدا سے دُعا کی کہ اِس مُوذی کے حملے سے تُو ہی بچانے والا ہے۔

شدّاد کے ہاتھی جب شہر کے بالکل قریب آئے تو سب کے سب سجدے میں گِر گئے اور ہزار کوشش کے باوجُود نہ اُٹھے۔ یہ دیکھ کر شدّاد غضب ناک ہُوا اور غلاموں کو حُکم دِیا کہ اگر ہاتھی اپنا سر نہ اُٹھائیں تو اِن کی سُونڈیں کاٹ ڈالو۔ غُلاموں نے آناً فاناً تلواروں سے ہاتھیوں کی سُونڈیں اُڑا دیں۔

اِتنے میں مشرق کی جانب سے گردوغُبار کی ایک عظیم آندھی اُٹھی - ہرکاروں نے شدّاد کو خبر دی کہ ایک بہت بڑا لشکر ادھر آ رہا ہے - شدّاد یہ سُن کر حیران ہُوا اور اُسی وقت اپنے جادُو کے ذریعے معلُوم کیا کہ یہ لشکر امیر حمزہ کا ہے - شدّاد کا کلیجا بیٹھنے لگا وُہ خُوب جانتا تھا کہ امیر حمزہ کے مُقابلے میں نہ تو اُس کی طاقت کام آ سکتی ہے نہ جادُو - اُس نے بھاگنے کا ارادہ کیا مگر امیر حمزہ کی فوج نے چاروں طرف سے اُس کے لشکر کو گھیر لیا اور خُون ریز جنگ شرُوع ہُوئی ـــــ حبشی غُلام کٹ کٹ کر گرنے لگے - ہر طرف خُون کی ندیاں بہہ نکلیں اور لاشوں کے انبار لگ گئے -

شدّاد جان بچانے کے لیے اِدھر اُدھر چُھپنے کی کوشش کرتا رہا مگر عُمرو عیّار اُسے بھیڑ بکری کی طرح ہانکتا ہُوا امیر حمزہ کے سامنے لے ہی آیا - اب مجبُور ہو کر شدّاد نے اپنی تلوار میان سے نکالی اور زور دار حملہ کیا - امیر حمزہ نے بھی جواب میں حملہ کیا - دونوں میں دیر تک تلوار چلتی رہی - آخر شدّاد ہانپنے لگا - اُس نے تلوار پھینک دی - تب امیر حمزہ نے چاہا کہ اُس کا خاتمہ کریں کہ اُس نے پُکار کر کہا :

"میں امان چاہتا ہُوں - مُجھے آپ کی اِطاعت قبُول ہے -"

یہ سُن کر امیر حمزہ نے ہاتھ روک لیا اور کہا : "اگر تُو امان طلب نہ کرتا تو ابھی تیری لاش پھڑکتی نظر آتی - جا ہم نے تُجھے

معاف کیا لیکن غدّاری کی تو سزا پائے گا۔"

شدّاد نے کچھ جواب نہ دیا اور اپنے بچے کھچے غلاموں کو لے کر کاشمیر واپس چلا گیا۔

اِدھر امیر حمزہ اپنے شہر میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ خواجہ عبدالمطّلب اور مکّے کے دُوسرے سرداروں نے اُن کا استقبال کیا۔ عبدالمطّلب نے بہادر بیٹے کو گلے سے لگایا اور عمرو نے آگے بڑھ کر اُن کی قدم بوسی کی۔

اب اِن لوگوں کو یہیں چھوڑ کر ہم شدّاد جادُوگر کے بارے میں کچھ بتاتے ہیں۔ امیر حمزہ سے شکست کھا کر اُسے بے حد صدمہ پہنچا تھا اور اِس شکست کی وجہ وُہ نوشیرواں کو قرار دیتا تھا ـــــ نوشیرواں اگر اُسے خط نہ بھیجتا تو شدّاد کبھی اُن سے لڑنے کا خیال دِل میں نہ لاتا۔ اُس کے بعد اُسے اطہر زنگی پہ تاؤ آیا۔ اگر وُہ مکّہ فتح کرنے کی شرط نہ لگاتا تو اُس کی رُسوائی نہ ہوتی۔ وُہ سوچنے لگا کہ نوشیرواں اور اطہر زنگی دونوں سے انتقام لُوں گا۔

ایک دِن چند آدمی خبر لائے کہ نوشیرواں بادشاہ شکار کھیلنے نکلا ہے۔ شدّاد نے فوراً ایک طِلسم پڑھا۔ اُسی وقت دو ہیبت ناک دیو نمُودار ہوئے۔ شدّاد نے اُنھیں حُکم دِیا کہ وُہ نوشیرواں کو اُٹھا کر لے آئیں۔ حُکم کی دیر تھی کہ دیووں نے نوشیرواں کو شدّاد

کے سامنے لا کھڑا کیا اور غائب ہو گئے۔ نوشیرواں حیران پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور میں کہاں آ گیا ہُوں؟ آخر اُس نے شدّاد کی طرف دیکھ کر کہا:

"تم کون ہو اور مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟"

شدّاد نے ایسا ڈراؤنا قہقہہ لگایا کہ نوشیرواں کا خُون خُشک ہو گیا اور ہونٹ کانپنے لگے۔ اُس نے کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ حلق میں اٹک کر رہ گئے۔ آخر شدّاد نے کہا:

"اے نوشیرواں، سُن — میرا نام شدّاد ہے۔ تیری وجہ سے مجھے شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا ہے۔ اب میں تجھے زندہ نہ چھوڑوں گا — ہاں، ایک شرط پہ چھوڑ سکتا ہوں۔"

نوشیرواں پتّے کی طرح کانپ گیا۔ شدّاد جادُوگر کی قُوّت اور ہیبت سے وُہ خُوب واقف تھا۔ بڑی مُشکل سے بولا "اے شدّاد میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے جو تُو میری یہ بے عزّتی کر رہا ہے؟"

شدّاد نے ایک اور قہقہہ لگایا۔ پھر آنکھیں نکال کر بولا۔ "تُو نے مجھے خواہ مخواہ خط بھیج کر پریشان کیا اور امیر حمزہ سے لڑنے کی ترغیب دی۔ میرا جادُو اُس پر اثر نہیں کرتا — اِس لیے میں جنگ میں ہار گیا۔ اُس کے دوست عمرو عیّار نے میرے دو لاکھ شاگرد بھی مار ڈالے۔ جن کی موت کا مجھے بڑا افسوس ہے۔ اب میں نے یہی سوچا ہے کہ تجھ سے بدلہ لُوں گا۔ ہاں، اگر تُو مہر نگار

کو میرے سپرد کر دے تو جان بخشی کرتا ہوں۔"

یہ سن کر نوشیرواں نے کہا۔ "اے شدّاد، تو کیسی عجیب بات کرتا ہے۔ مہر نگار تو امیر حمزہ کی بیوی ہے۔ اب میں کیوں کر تیرے حوالے کر سکتا ہوں۔ اگر تجھ میں ہمّت ہے تو اُسے حمزہ سے چھین لے۔"

شدّاد یہ جواب سن کر خاموش ہوا لیکن نوشیرواں کو ایک آہنی پنجرے میں بند کر کے اپنے محل کے دروازے پر رکھوا دیا۔ تاکہ لوگ آن کر دیکھیں اور نوشیرواں کا مذاق اُڑائیں۔

نوشیرواں اس ذلّت پہ آٹھ آٹھ آنسو روتا اور کہتا کہ یہ سب میری غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔ امیر حمزہ کے ساتھ غداری نہ کرتا تو ایسی حالت کو کیوں پہنچتا۔"

نوشیرواں جب کئی دن واپس نہ آیا تو خواجہ بزرجمہر فکرمند ہوا کہ بادشاہ شکار کھیلنے گیا تھا اور اب تک لوٹ کر نہ آیا۔ اُس نے علمِ نجوم سے پتا چلایا کہ نوشیرواں کو شدّاد جادوگر کے آدمی پکڑ کر لے گئے ہیں اور اب وہ ایک پنجرے میں بند شدّاد کے محل کے دروازے پر پڑا ہے۔ نوشیرواں کی یہ حالت معلوم کر کے خواجہ بزرجمہر کو بے حد رنج ہوا۔ پھر حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ روئے زمین پر سوائے امیر حمزہ کے کوئی شخص نوشیرواں

کو شدّاد کے پنجے سے چھڑا نہیں سکتا۔ لیکن نوشیرواں کو امیر حمزہ کیوں چھڑاتے؟ نوشیرواں نے بھلا اُن کے ساتھ کون سی نیکیاں کی تھیں ــــ یہ تمام باتیں سوچ کر خواجہ بزرجمہر اور زیادہ فکر مند ہُوا ــــ آخر اُس نے ایک رُقعہ امیر حمزہ کے نام مکّے بھجوایا۔ جس میں تمام واقعہ تفصیل سے لکھا تھا اور درخواست کی تھی کہ نوشیرواں کی تمام غدّاریاں بھول کر اُسے شدّاد کی قید سے آزاد کرائیے۔

امیر حمزہ نے نہایت احترام سے خواجہ بزرجمہر کا خط پڑھا۔ پھر دوستوں کو صلاح مشورے کے لیے بُلایا۔ عمرو ناک بھوں چڑھا کر بولا "خواجہ بزرجمہر کو لکھ دیجیے کہ بڑے میاں، اپنے کام سے کام رکھیے۔ نوشیرواں شدّاد کی قید میں ہے تو ہم کیا کریں۔ جو جیسا بوئے گا ویسا کاٹے گا۔"

عادی پہلوان نے اپنی توند پر ہاتھ پھیرتے ہُوئے کہا "حمزہ بھائی، میری رائے میں تو لعنت بھیجو نوشیرواں پر ــــ وہ ہے ہی اسی قابل کہ پنجرے میں بند کیا جائے۔ شدّاد نے جو کیا اچھا کیا۔ اب بادشاہ سلامت کو دن میں تارے دکھائی دے رہے ہوں گے؟ ــــ"

غرض سب نے یہی رائے دی کہ اس معاملے میں پڑنا ٹھیک نہیں۔ بزرجمہر کو صاف جواب دے دینا چاہیے کہ ہم شدّاد کے کام

میں دخل نہ دیں گے۔ وہ جب ہماری اطاعت قبول کر کے گیا ہے تو گویا اُس کا کام ہماری جانب ہی سے سمجھا جائے گا۔

امیر حمزہ خاموشی سے سب کی باتیں سُنتے رہے۔ پھر مُسکرا کر کہنے لگے۔" صاحبو، میں نے سب کچھ سُنا۔ اِس میں شک نہیں کہ نوشیرواں نے ہمارے ساتھ زیادتیاں کی ہیں۔ لیکن اگر ہم بھی اُس کے ساتھ زیادتی کریں تو ہم میں اور اُس میں کیا فرق رہے گا۔ ہمارا کام نیکی کرنا ہے۔ میں ضرور نوشیرواں کو شدّاد کی قید سے آزاد کراؤں گا۔"

امیر حمزہ کی یہ بات سُن کر سب قائل ہو گئے۔ امیر نے اُسی وقت خواجہ بزرجمہر کے پاس جواب بھیجا کہ آپ مطمئن رہیے، میں عنقریب مُلک کاشمیر کو جاتا ہوں اور نوشیرواں کو رہا کرانے کی تدبیر کرتا ہوں۔

اُدھر بختک نامُراد کو جب علم ہُوا کہ نوشیرواں شدّاد جادُوگر کی قید میں ہے۔ تو اُس نے جھٹ اس کے بڑے شہزادے ہرمز کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ لیکن حکُومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ وہ خُود بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔

امیر حمزہ نے سفر کی تیاری شرُوع کی اور سیاہ قیطاس پر بیٹھ کر مُلک کاشمیر کی جانب چلے۔ بہرام، بخت مغربی اور لندھور نے ہر چند کہا کہ اکیلے نہ جائیے، جاں نثاروں میں سے کسی کو ساتھ

لے لیجیے، مگر اُنھوں نے ایک نہ سُنی اور کہا خُدا کی مدد میرے شاملِ حال ہے، وُہی حفاظت کرنے والا ہے۔ یہ سُن کر سب خاموش ہو گئے۔ آدھی رات کو مُلک کا شمیر میں داخل ہُوئے اور سیدھے شدّاد کے محل کی جانب گئے۔ ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہُوئی تھی امیر حمزہ نے ایک جگہ رُک کر گھوڑے کو درخت کے تنے سے باندھا، سیاہ لباس پہنا اور کمند کے ذریعے محل کے اندر گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ بڑے دروازے کے پاس لوہے کا ایک پنجرا رکھا ہے اور اُس میں نوشیرواں جانور کی طرح بند ہے۔ بادشاہ کو اِس حالت میں دیکھ کر امیر حمزہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور دِل میں خُدا کی کبریائی کا اِقرار کیا کہ وُہ جس چاہے عزّت دے اور جس کو چاہے ذِلّت۔

جب امیر حمزہ پنجرے کے نزدیک پہنچے تو قدموں کی آہٹ پا کر نوشیرواں نے آنکھیں کھولیں اور حمزہ کو پہچان کر گردن جُھکا لی۔ امیر حمزہ نے چُپکے سے کہا:

"اے بادشاہ، گھبرا نہیں —— میں تُجھے آزاد کرانے آیا ہُوں"۔

یہ کہہ کر پنجرے کا دروازہ کھولا اور نوشیرواں کو باہر نِکال کر اپنے ساتھ لے گئے۔

اُدھر صُبح جب پہرے داروں نے پنجرا خالی دیکھا تو بدحواس ہُوئے۔ شدّاد کے پاس دوڑے دوڑے گئے اور کہا کہ جہاں پناہ،

پنجرا خالی ہے اور نوشیرواں غائب ــــ یہ سُن کر شدّاد حیران ہُوا۔ کہ کس کی مجال جو ہمارے محل میں یُوں آئے اور نوشیرواں کو لے کر چلتا بنے ــ اُسی وقت جادُو کے ذریعے معلُوم کیا کہ یہ حرکت کس کی ہے ۔پتا چلا کہ امیر حمزہ آئے تھے وُہ نوشیرواں کو لے گئے ہیں اور اس وقت بیاباں کو طے کر رہے ہیں ۔

شدّاد کو جلال آیا ۔ ایک طِلسم ایسا پڑھا کہ نوشیرواں تنکے کی طرح اُڑا اور شدّاد کے قدموں پہ آن گرا ۔ امیر حمزہ نے ایکا ایکی نوشیرواں کو غائب ہوتے دیکھا تو سمجھ گئے کہ شدّاد نے طِلسم کے زور سے اُسے واپس بُلا لیا ہے ۔ اُسی لمحے گھوڑے کی باگ موڑی اور شدّاد کے محل کا رُخ کیا ۔ وُہ خُود حمزہ کی آمد کا اِنتظار کر رہا تھا ۔پہرے داروں نے خبر دی کہ ایک شخص ، جس کے چہرے پہ نگاہ نہیں ٹھہرتی ، سیاہ گھوڑے پہ سوار آیا ہے ۔ شدّاد نے کہا آنے دو۔ تھوڑی دیر بعد امیر حمزہ آئے ۔ شدّاد نے آگے بڑھ کر اِستقبال کیا اور نہایت اِحترام سے اپنی کُرسی پہ بٹھانے کے بعد کہا :

" اے امیر، آپ نے کس طرح "تکلیف فرمائی ؟"

"تُم نے نوشیرواں کو قید کیا ، ہم نے اُسے آزاد کرایا ، مگر تُم نے پھر طِلسم کے زور سے اُسے بُلا لیا ۔ یہ بات افسوس ناک ہے تُم بھی اپنے مُلک کے بادشاہ ہو اور نوشیرواں بھی) اپنی سلطنت کا شہنشاہ ہے ۔ بادشاہوں کو بادشاہوں کے ساتھ یہ سلُوک زیب

نہیں دیتا۔"

شدّاد نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا "آپ کا ارشاد صحیح ہے لیکن بادشاہوں کو بھی یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنے محسنوں کے ساتھ بُرا برتاؤ کریں اور مکّاری سے کام لیں۔ ایسے بادشاہ کی سزا یہی ہے۔"

نوشیرواں پنجرے میں بند قریب ہی بیٹھا تھا۔ شدّاد کا یہ کلمہ سُن کر شرم سے پانی پانی ہو گیا۔

"بے شک تُو صحیح کہتا ہے۔ لیکن نوشیرواں کی عزّت بہرحال ہمیں عزیز ہے، اِس لیے میں تجھے حُکم دیتا ہوں کہ اِسے آزاد کرکے میرے حوالے کر دے۔"

"جی نہیں — اب یہ میرا قیدی ہے اور میں اِسے کسی قیمت پر نہ چھوڑوں گا۔" شدّاد نے ہونٹ چبا کر کہا۔

اُس کی اِس بات پر امیر حمزہ کو غصّہ آیا اور آگے بڑھ کر پنجرے کا دروازہ کھولنے لگے۔ مگر شدّاد نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا۔ امیر حمزہ نے اُسے دھکّا دیا تو پرے جا گرا۔ اب تو شدّاد کو بھی طیش آیا۔ غلاموں کو حُکم دِیا کہ خبردار، نوشیرواں پنجرے سے نکلنے نہ پائے۔ غلام تلواریں کھینچ کر سامنے آئے اور اُنھوں نے امیر حمزہ کو گھیرے میں لے لیا۔ مجبُور ہو کر اُنھوں نے بھی تلوار نکالی اور لڑنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے لاشوں کے ڈھیر لگ گئے یہ دیکھ کر شدّاد نے بھاگنا چاہا مگر اُس کا وقت پُورا ہو چکا تھا۔

امیر حمزہ نے ایک ہاتھ ایسا مارا کہ شدّاد کی گردن بھٹّا سی اُڑ گئی اور چند لمحے تک تڑپنے کے بعد اُس کا جسم بے جان ہو گیا —

شدّاد کے مرتے ہی چاروں طرف گھُپ اندھیرا چھا گیا اور ایسی تیز آندھی آئی کہ خُدا کی پناہ — ہر طرف سے طرح طرح کی خوف ناک آوازیں اُٹھنے لگیں جیسے ہزار ہا ہاتھی چنگھاڑ رہے ہوں۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ پھر آہستہ آہستہ اندھیرا دُور ہُوا اور آوازیں تھم گئیں۔ تب امیر حمزہ نے دیکھا کہ وہاں نہ شدّاد کا عظیمُ الشّان محل ہے اور نہ غُلاموں کی لاشیں۔ بلکہ ایک لق و دق صحرا ہے۔ نوشیرواں بھی ایک طرف بے ہوش پڑا ہے۔ امیر حمزہ نے اپنی چھاگل میں سے پانی نکال کر چند چھینٹے اُس کے مُنہ پہ مارے۔ نوشیرواں نے آنکھیں کھولیں۔ تب امیر حمزہ نے اُسے سارا قِصّہ سُنایا۔ پھر سیاہ قیطاس پہ اُسے بھی سوار کیا اور ایک طرف چل کھڑے ہُوئے۔

امیر حمزہ اور نوشیرواں تو صحرا میں بھٹک رہے تھے اور اُدھر بختک اپنی کارروائیوں میں معرُوف تھا۔ اُس نے بہمن، ژوبین اور بیژن کو پیغام بھجوایا کہ یہ موقع اچھا ہے۔ قلعۂ تنگ حِصار پہ دھاوا بول دو۔ اِتّفاق سے عُمرو عیّار امیر حمزہ کی تلاش

میں نکل گیا تھا اور لندھور، بہرام، عادی پہلوان اور مُقبل وفادار وغیرہ شکار کھیلنے گئے ہُوئے تھے۔ ایک رات بہمن اور ژوپین اپنا لشکر لے کر قلعۂ تنگ حِصار پر چڑھ آئے اور ایسا حملہ کیا کہ قلعے کا دروازہ ٹُوٹ گیا۔ امیر حمزہ کی فوج رات کے اندھیرے میں جم کر نہ لڑ سکی اور یُوں بھی سارے پہلوان غیر حاضر تھے۔ اِس لیے اُس کے پیر اُکھڑ گئے اور قلعے پر بہمن کا قبضہ ہو گیا۔ ملکہ مہر نگار نے جب دیکھا کہ دُشمن قلعے میں آ گیا ہے تو اُس نے جھٹ مردانہ کپڑے پہنے، ہتھیار باندھ کر محل سے باہر نکلی اور گھوڑے پر بیٹھ کر ایک طرف چلی۔ قلعے کے تمام دروازوں پر دُشمن کی فوج کا پہرا تھا اور وُہ ہر آنے جانے والے کی سختی سے جانچ پڑتال کر رہے تھے۔ ایک سپاہی نے ملکہ مہر نگار کو روکا اور کہا:

"اے نوجوان، تُو کون ہے اور کِدھر جاتا ہے؟"

"میں بختک وزیرِ اعظم کا بھائی ہُوں اور مدائن کو جاتا ہُوں۔"

مہر نگار نے مردانہ آواز بنا کر جواب دیا لیکن سپاہی کو شک ہُوا اور قریب آن کر غور سے دیکھا تو کہنے لگا:

"تُو کہتا ہے کہ میں بختک وزیر کا بھائی ہُوں۔ مگر تیری شکل تو بختک سے بالکُل نہیں مِلتی اور میں نے سُنا ہے کہ بختک کا کوئی بھائی بھی نہیں ہے۔"

یہ سُن کر مہر نگار بدحواس ہُوئی۔ اُس نے تلوار نکال کر سپاہی پر حملہ کیا اور اُسے قتل کر دیا۔ مگر فوراً ہی دُوسرے سپاہیوں نے ملکہ کو گھیر لیا اور ایک پہرے دار نے اپنا نیزہ اس زور سے پھینکا کہ مہر نگار کی پیٹھ پر لگا۔ بدنصیب شہزادی مُنہ کے بل زمین پر گری اور تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد مر گئی۔ اِتنے میں کسی نے اُسے پہچان لیا کہ یہ شہزادی مہر نگار ہے۔ فوراً بہمن کو خبر کی۔ وُہ دوڑا دوڑا آیا۔ ژوپین اور بیژن بھی آئے۔ شہزادی مہر نگار کی لاش دیکھ کر اُن سب کے کلیجے خوف سے بیٹھنے لگے اور اب اُنھیں اپنی موت نظر آنے لگی۔ بختک بھی مدائن سے آیا۔ لیکن وُہ بے حد خُوش تھا۔ اُس نے بہمن اور ژوپین کو تسلّی دی کہ گھبرانے کی کیا بات ہے۔ یہ تو بہت اچّھا ہُوا کہ مہر نگار ہلاک ہو گئی۔ اب امیر حمزہ پر تمھاری بہادری کا رعب بیٹھ جائے گا۔ یہ سُن کر بہمن اور ژوپین خُوش ہُوئے۔

اب تھوڑا سا حال امیر حمزہ اور نوشیرواں کا سُنیے کہ صحرا میں اُن پر کیا بیتی۔ ایک دِن امیر حمزہ سو کر اُٹھے تو معلُوم ہُوا کہ نوشیرواں غائب ہے۔ اُنھوں نے اِدھر اُدھر تلاش کیا۔۔۔ کچُھ فاصلے پر ایک نخلستان کے آثار دکھائی دِیے۔ حمزہ اُدھر گئے۔ وہاں قزاقوں کا ایک گروہ ٹھہرا ہُوا تھا اور اُنھوں نے نوشیرواں

کو پکڑ لیا تھا۔ اور اُس کے بدن سے شاہی پوشاک اُتار لی تھی کیوں کہ اِس میں ہیرے ٹکے ہُوئے تھے۔ نوشیرواں ننگ دھڑنگ ایک جانب بیٹھا اپنی قسمت کو رو رہا تھا امیر حمزہ کو دیکھ کر قزّاقوں نے تلواریں نکال لیں، لیکن اُنھوں نے للکار کر کہا:

"میں تم سے جنگ کرنے نہیں آیا۔ صرف یہ بتانے آیا ہوں۔ کہ جس شخص کو تم نے قید کر رکھا ہے، وُہ شہنشاہ نوشیرواں ہے اگر اسے رہا نہ کرو گے تو مارے جاؤ گے۔"

یہ سُن کر قزّاقوں پر ہیبت طاری ہُوئی اور اُنھوں نے جھٹ نوشیرواں کو آزاد کر دیا۔ پھر امیر حمزہ سے پُوچھنے لگے کہ اے جوان تُو کون ہے؟ تب امیر نے اُنھیں ساری داستان سُنائی۔ قزّاق بُہت حیران ہُوئے اور کہنے لگے "عجیب تماشا ہے کہ نوشیرواں جیسا زبردست بادشاہ ایسی مُصیبتوں میں گرفتار ہے اچّھا ہم اُسے مدائن لیے جاتے ہیں۔"

نوشیرواں تو قزّاقوں کے ساتھ مدائن چلا گیا اور اِدھر امیر حمزہ صحرا میں تنہا رہ گئے۔ یکایک ایک جانب سے عمرو عیّار نمُودار ہُوا۔ وُہ آتے ہی حمزہ سے لپٹ گیا اور بولا:

"اے حمزہ، تُمھیں کاشمیر گئے اِتنے دِن بیت گئے۔ میں تُمھاری تلاش میں نِکلا ہُوں۔ ہماری غیر موجُودگی میں دُشمنوں نے کوئی چال نہ چلی ہو۔"

"ہاں، دِل تو میرا بھی گھبراتا ہے۔ نہ جانے کیا بات ہے" امیر حمزہ نے کہا۔ "خیر، جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ آؤ اب یہاں سے تو نکلیں۔"

قِصّہ مختصر امیر حمزہ اور عمرو عیّار کئی دِن تک صحرا میں بھٹکتے رہے اُس کے بعد دربند کامیاب کی جانب جا نکلے۔ یہاں کے بادشاہ کاؤس رُومی نے اُن کا شان دار اِستقبال کیا۔ ملکہ اطلس پوش بھی بے حد خُوش ہُوئی۔ لیکن جب شبوہ وزیر زادی نے عمرو کو دیکھا تو نفرت سے مُنہ پھیر لیا اور کہنے لگی:

"اب بھی شکل کیوں دِکھائی؟ میں نے تو سمجھ لیا تھا کہ تُم کہیں مر گئے۔ اچھّا، اب ایک خُوش خبری سُنو۔ خُدا نے تمھیں بیٹا عطا کیا ہے۔ میں نے اس کا نام چالاک رکھا ہے۔"

یہ سُن کر عمرو کی خُوشی کا ٹھکانا نا رہا۔ فوراً بچّے کو دیکھا اور بولا۔ "معلُوم ہوتا ہے یہ عیّاری میں میرا بھی اُستاد نکلے گا۔"

بیٹے کی پیدائش پر امیر حمزہ نے بھی عمرو کو مُبارک باد دی اگلے روز ایک قاصِد قلعۂ تنگ حِصار سے وہاں آیا اور اُس نے یہ درد ناک خبر سُنائی کہ بہمن اور زوبین نے قلعے پر قبضہ کر لیا ہے اور شہزادی مہر نگار ہلاک ہو گئی ہیں۔ امیر حمزہ یہ سُن کر اِس قدر روئے کہ اُن کی آنکھیں سُوج گئیں۔ کھانا پینا سب کچھ چھُوٹ گیا۔ عمرو عیّار اور کاؤس رُومی نے اُنھیں سمجھایا

کہ موت اور زندگی خُدا کے اختیار میں ہے۔ وہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ آپ اِس صدمے کو برداشت کر کے دُشمنوں کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کیجیے۔

کئی ماہ تک امیر حمزہ کو یہی حالت رہی۔ آخر آہستہ آہستہ کچھ طبیعت سنبھلی۔ تب کاؤس رُومی نے اپنی بیٹی شہزادی اطلس پوش کی شادی امیر حمزہ سے کر دی۔ اور امیر پھر خُوش و خُرّم رہنے لگے۔

کاؤس رُومی کے بڑے لڑکے نے جو قیصرِ رُوم کہلاتا تھا، جب یہ خبر سُنی کہ اطلس پوش کی شادی امیر حمزہ سے ہو گئی ہے تو اُسے بے حد طیش آیا۔ قیصرِ رُوم خُود ایک وسیع سلطنت پر حکومت کرتا تھا اور اُس کا اِرادہ تھا کہ اپنی بہن اطلس پوش کی شادی کسی بُہت بڑے بادشاہ سے کرے گا۔ لیکن اب اُس کے اِرادے خاک میں مِل چُکے تھے۔ اُس نے اپنے سپہ سالار قہرمان کو طلب کر کے حُکم دیا کہ پانچ لاکھ سپاہی لے کر فوراً دربند کامیاب کی طرف جاؤ اور اطلس پوش [illegible] د آصف، شہزادہ الیاس اور کاؤس رُومی کو گرفتار کر کے یہاں لے آؤ۔

قہرمان یہ لشکرِ جرّار لے کر جس روز رُوم سے نِکلا، اُسی روز امیر حمزہ اور عَمرو عیّار اپنے بچھڑے ہُوئے دوستوں سے مِلنے کے لیے قلعۂ تنگ حِصار کی جانب روانہ ہُوئے تھے۔ اُن کا خیال تھا

کہ لندھور اور بہرام جیسے بہادروں کی موجودگی میں بہمن اور شروپین زیادہ دیر تک قلعے پر قابض نہیں رہ سکتے۔

قہرمان خُدا کا قہر بن کر آیا اور کاؤس رُومی، اطلس پوش، آصف اور الیاس اور شیوہ وزیر زادی کو گرفتار کر کے رُوم لے گیا کاؤس رُومی نے غضب ناک ہو کر اپنے بیٹے قیصر سے کہا:

"تم نے اپنے باپ کی بھی عزّت نہ کی۔ اس طرح قیدیوں کی طرح مجھے کیوں بُلوایا گیا ہے؟"

"ابّا جان، آپ نے اطلس پوش کی شادی امیر حمزہ سے کر کے ہماری عزّت خاک میں ملا دی ہے۔" قیصر نے جواب دیا۔

"ارے بے وقُوف، تجھے کیا معلُوم کہ امیر حمزہ کا مجھ پر کتنا بھاری احسان ہے" کاؤس نے کہا" اُس نے میری خاطر دولاٹے فرنگی سے جنگ کی اور اُسے ہلاک کیا۔ میرے شہر کو بچایا۔ اُس وقت تُو کہاں تھا؟"

یہ سُن کر قیصرِ رُوم نے غُلاموں کو حُکم دیا کہ اِن سب کو قید خانے میں لے جاؤ اور ہمارے اگلے حُکم کا اِنتظار کرو۔

اسی طرح اِن بے چاروں کو قید خانے میں پڑے پڑے کئی مہینے گُزر گئے۔ قیصرِ رُوم نے اپنے باپ، بہن اور بھائیوں پر ظُلم کرنے میں کوئی کمی نہ کی، مگر وُہ ثابت قدم رہے۔ ایک دِن خواجہ سرا نے قیصر کے کانوں تک یہ خبر پہنچائی کہ شہزادی

اطلس پوش کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہُوا ہے۔ قیصر نے کہا، اِس لڑکے کو ہمارے پاس لاؤ۔ ہم اُسے اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے قیصر کا یہ حکم پاکر غلام قید خانے میں گئے اور اُنھوں نے اطلس پوش سے بچّہ چھیننے کی کوشش کی۔ مگر اُس نے اِس قدر رونا پیٹنا مچایا کہ غلاموں کو ترس آیا اور اُنھوں نے واپس آن کر قیصر سے کہا کہ حضُور، وُہ بچّے کو کسی طرح ہمارے حوالے نہیں کرتیں۔ کہتی ہیں کہ اِس کے عوض مجھے قتل کر دو۔ تب قیصر نے چند اور غلاموں کو بھیجا۔ وُہ بھی خالی ہاتھ واپس آئے۔ اب تو قیصر کے غُصّے کی اِنتہا نہ رہی۔ تلوار کھینچ کر خُود قید خانے کی طرف جانے کا اِرادہ کرنے لگا۔ اِتنے میں اُس کی بیوی وہاں آئی اُس نے تمام ماجرا سُن کر اُس کو روکا اور کہا:

"آپ بادشاہ ہیں۔ آپ کو قید خانے میں جانا زیب نہیں دیتا میں وہاں جاتی ہُوں اور اطلس پوش کے بچّے کو لے کر آتی ہُوں۔"

قیصر کی ملکہ قید خانے میں گئی۔ اطلس پوش نے اُسے آتے دیکھا تو جھٹ اُس کے قدموں میں گری اور رو رو کر کہنے لگی۔ "اے بہن، میرے بچّے کو بچاؤ۔ اِس معصُوم نے کیا قصُور کیا ہے۔ جو قیصر اِسے قتل کرنے کے درپے ہے۔ اُس کے بجائے مجھے مار ڈالو۔"

ملکہ نے جب بچّے کو دیکھا تو حیران ہُوئی۔ ایسا خُوب صُورت

لڑکا اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، خُود اُس کے ہاں ابھی تک کوئی اولاد نہ تھی۔ بچّے کو پیار کیا اور سینے سے چمٹایا۔ پھر اطلس پوش سے کہنے لگی:

"اے شہزادی، تُم بالکُل خوف زدہ نہ ہو۔ میں اِس بچّے کو قیصر کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچاؤں گی۔ اب تُم مجھے اِتنی اِجازت دو کہ اِسے اپنے ساتھ لے جاؤں۔ ورنہ خدشہ ہے کہ قیصر اِسے کِسی نہ کِسی بہانے تُم سے چھین کر مار ڈالے گا۔"

یہ سُن کر اطلس پوش نے بچّہ ملکہ کے حوالے کیا اور خُود آنسُو بہانے لگی۔

اُدھر ملکہ اِس شہزادے کو لے کر قیصر کے پاس گئی اور کہنے لگی۔ "اے قیصر، ذرا دیکھ یہ بچّہ کِتنا حسین ہے۔ اب تُو ایک کام کر۔ نقّارچیوں کو بُلا کر شہر میں یہ اِعلان کرا دے کہ ہمارے ہاں بیٹا ہُوا ہے۔"

قیصر نے جب بچّے کو دیکھا تو بے حد خُوش ہُوا اور اُسے مار ڈالنے کا خیال دِل سے نِکال دِیا۔ ملکہ کی تدبیر پسند آئی۔ اُسی وقت شہر میں ڈھنڈورا پٹوا دِیا کہ بادشاہ کے ہاں ولی عہد پیدا ہُوا ہے۔ تمام مُلک میں جشن منایا جائے۔ غرض چالیس روز تک مُلک میں دُھوم دھام ہُوئی۔ گلی گلی نوبت خانے رکھوا دِیے اور بازاروں میں اِس قدر روشنی ہُوئی کہ رات پہ دِن کا دھوکا ہوتا

تھا۔ ملکہ نے قیصر کی منت سماجت کر کے اطلس پوش کو قید خانے سے نکلوا کر بچہ اُسی کے سپرد کیا اور کہا کہ اِسے دُودھ پلاؤ قیصر نے شہزادے کا نام عَلَم شاہ رکھا۔

رفتہ رفتہ شہزادہ عَلَم شاہ بڑا ہوتا گیا۔ قیصر نے اس کی تعلیم اور تربیت کے لیے بڑے بڑے اُستاد رکھے۔ جنھوں نے اُسے نیزہ بازی، تیر اندازی، شمشیر زنی، سپہ گری اور کُشتی کے سب فن سکھائے۔ جب عَلَم شاہ کی عُمر بارہ برس کی ہُوئی تو قیصر نے اپنے دربار میں اُس کی ایک کُرسی رکھوائی۔ جس پر وُہ روزانہ آن کر بیٹھا کرتا تھا۔

ایک دن عجیب واقعہ پیش آیا۔ قیصر اپنے دربار میں تخت پر بیٹھا فریادیوں کے مُقدمے سُن رہا تھا کہ شہر میں غُل غپاڑے کی آواز بلند ہُوئی۔ معلُوم ہُوا کہ فیل خانے سے ایک مست ہاتھی نکل کر شہر میں آگیا ہے اور توڑ پھوڑ کر رہا ہے۔ بُہت سے آدمی اُس کے پیروں تلے آن کر کُچلے گئے ہیں۔ قیصر نے حُکم دیا کہ فوج کے چند سپاہی جائیں اور اِس مست ہاتھی کو موت کے گھاٹ اُتار دیں۔ تھوڑی دیر بعد اُودھم مچا کہ ہاتھی نے اِن سپاہیوں کو بھی مار ڈالا ہے اور اب اِنتقام لینے کے لیے قیصر کے محل کی طرف آ رہا ہے۔

یہ سُن کر دربار میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ سب اپنے اپنے

بچاؤ کی تدبیریں سوچنے لگے۔ اِتنے میں ہاتھی چنگھاڑتا ہُوا آیا اور ایک درباری کو سُونڈ میں جکڑ کر آناً فاناً اُس کی ٹانگیں چیر کر پھینک دیں۔ یہ دیکھ کر قیصر کا خُون خُشک ہُوا۔ سپہ سالار قہرمان اپنی کُرسی سے اُٹھا اور ایک ستُون کے پیچھے جا چُھپا۔ پہرے دار اور تمام درباری بھی فرار ہُوئے۔ لیکن شہزادہ عَلم شاہ اطمینان سے اپنی کُرسی پر بیٹھا رہا۔

قیصر نے چِلّا کر کہا "بیٹا، بھاگو — اپنی جان بچاؤ۔"

عَلم شاہ نے گردن ہِلا کر آنے سے اِنکار کر دیا۔ اِتنے میں مست ہاتھی بُری طرح چنگھاڑتا ہُوا آگے بڑھا اور عَلم شاہ کو پکڑنے کے لِیے سُونڈ گُھمائی لیکن بہادر شہزادے نے خوف کھائے بغیر اپنی تلوار نکالی اور ہاتھی کی سُونڈ کاٹ ڈالی۔ ہاتھی چیخیں مارتا ہُوا پلٹا اور وہاں سے بھاگ نِکلا۔

یہ کارنامہ دیکھ کر قیصر عش عش کر اُٹھا۔ بے اِختیار ہو کر عَلم شاہ کو گلے سے لگا کر پیار کیا اور سونے کی اشرفیاں اُس پر سے نچھاور کِیں۔ اُسی دن عَلم شاہ کو رُستمِ پیل تن کا خطاب دیا گیا۔

شہزادہ عَلم شاہ کو اپنے والِد امیر حمزہ کے بارے میں ابھی تک کُچھ معلُوم نہ تھا کہ وُہ کون ہیں۔ وُہ تو قیصرِ رُوم ہی کو اپنا باپ سمجھتا تھا۔ ایک دِن دربار میں کِسی وزیر نے قیصر سے

ذکر کیا کہ امیر حمزہ نے شہنشاہ نوشیروان کی سلطنت چھین لی ہے۔ یہ سُن کر عَلم شاہ کہنے لگا:

"امیر حمزہ کون ہے اور اُس نے نوشیرواں جیسے بادشاہ سے سلطنت کیسے چھین لی؟"

تب قیصرِ رُوم نے اُسے امیر حمزہ کے بارے میں بُہت سی باتیں بتائیں جن میں سے چند باتیں سچّی تھیں اور باقی سب جھُوٹی ــــ آخر میں کہا۔ "امیر حمزہ اب ہمارا مُلک بھی چھیننے کی فکر میں ہے۔"

یہ سُن کر شہزادہ عَلم شاہ طیش میں آیا اور کہنے لگا۔ "ابّا جان آپ فکر نہ کیجیے۔ میں امیر حمزہ سے نوشیرواں کی سلطنت چھین کر آپ کے سپُرد کروں گا۔"

قیصر نے شہزادے کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا کہ میرا بیٹا بڑا بہادُر ہے اور ایک دِن اُس کا شُمار دُنیا کے عظیم بادشاہوں میں ہو گا۔

بدرہ جادوگرنی کی موت

ایک دِن شہزادہ قباد شہریار شکار کھیلنے گیا اور راستہ بھُول کر قیصرِ رُوم کی سلطنت میں آ گیا۔ دیکھا کہ ایک خُوب صُورت باغ میں عالی شان سنگِ مرمر کی بارہ دری بنی ہے اور اِس میں سے لوگوں کے ہنسنے بولنے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ باغ کے چاروں طرف اُونچی دِیوار تھی۔ شہزادہ قباد شہریار دِیوار پر چڑھا اور اندر کُود گیا۔ وہاں نہایت خُوب صُورت ہرن اور طرح طرح کے حسین پرندے ہزاروں کی تعداد میں موجُود تھے۔ شہزادے نے ایک ہرن پہ تیر چلایا۔ ہرن زخمی ہو کر ایک طرف بھاگا۔ اور سیدھا اُس بارہ دری میں گھُس گیا۔ جہاں قیصرِ رُوم بیٹھا تھا۔

اپنے پالتُو ہرن کو لہُولہان دیکھ کر قیصر نے غُصّے سے کہا۔

"یہ کس کی قضا آئی ہے کہ ہمارے ہرن کو زخمی کیا؟ اُسے ہمارے حضُور میں پیش کرو۔"

یہ حُکم پا کر پہرے دار دوڑے گئے۔ دیکھا کہ ایک

خُوب صُورت جوان باغ میں حیران پریشان اِدھر اُدھر گھُوم رہا ہے ۔کمر سے تلوار بندھی ہے اور تیر کمان ہاتھ میں ہے ___ پہرے دار سمجھ گئے کہ اِسی جوان نے ہرن کو زخمی کیا ہے۔قباد سے کہنے لگے :

"اے نوجوان ، تُو نے بڑا ظلم کیا کہ قیصر کے پالتُو ہرن کو مارا۔ اب وُہ تجھے ہرگز زندہ نہ چھوڑے گا۔ چل ، وُہ تجھے بُلاتا ہے ۔"

"میں تمھارے بادشاہ کا نوکر نہیں ہُوں کہ وہاں جاؤں ۔" قباد شہر یار نے جواب دیا ۔

یہ سُن کر ایک پہرے دار آگے بڑھا اور اُس نے قباد کو پکڑنے کی کوشش کی مگر شہزادے نے ایک گھُونسا ایسا مارا کہ پہرے دار چرخی کی طرح گھُوم گیا اور مُنہ کے بل زمین پر گرا۔ اپنے ساتھی کو یُوں گرتے دیکھ کر دُوسرے پہرے دار خوف زدہ ہُوئے مگر اُنھوں نے قباد کو اکیلا پا کر پھر پکڑنے کی کوشش کی ۔لیکن اُس نے اُن کی ایسی مرمّت کی کہ خُون میں نہلا دیا ۔یہ سب گرتے پڑتے قیصر کے پاس گئے اور بیان کیا کہ ایک نوجوان ، باغ میں گھُس آیا ہے ۔ اُسی نے شاہی ہرن کو زخمی کیا اور پھر سب پہرے داروں کو مار مار کر بدحواس کر دیا ۔

قیصرِ رُوم نے اپنے آدمیوں کی یہ دُرگت بنتے دیکھی تو آپے سے باہر ہو گیا۔ خُود بارہ دری سے اُٹھ کر باغ میں گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک حسین نوجوان جس کا ڈیل ڈول پہلوان کا اور چہرہ شیر کا سا ہے، ایک حوض کے کِنارے کھڑا مُسکرا رہا ہے۔ قیصر اُسے دیکھ کر حیران ہُوا اور کہنے لگا:

"اے جوان، سچ بتا تُو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟"

"میرا نام قباد شہر یار ہے اور میں امیر حمزہ کا بیٹا ہُوں"۔

یہ سُن کر قیصر کے جسم پہ تھرتھری سی چھُوٹی لیکن اپنے آپ کو سنبھال کر کہا۔ "تُو نے ایسے جُرم کیے ہیں۔ جن کی سزا موت کے سوا اور کچھ نہیں۔ مرنے کے لیے تیّار ہو جاؤ" قیصر نے گرج کر کہا۔

"کیا میں پُوچھ سکتا ہُوں کہ آپ کون ذاتِ شریف ہیں اور وُہ کون سے جُرم ہیں جو میں نے کیے ہیں؟" شہزادہ قباد شہر یار نے ہنس کر پُوچھا۔

میں اِس مُلک کا بادشاہ قیصر ہُوں اور تُو نے جو جُرم کیے ہیں۔ وُہ یہ ہیں۔ 1۔ تُو نے ہمارے پالتُو ہرن کو مارا۔ 2۔ بغیر اِجازت شاہی باغ میں گھُس آیا۔ 3۔ ہمارے پہرے داروں کو لہُولہان کیا اور 4۔ ہم سے گستاخی کرتا ہے"۔

قباد شہر یار نے کہا:

آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وُہ سچ ہے، لیکن اِتنی سی بات پر موت کی سزا دینا کہاں کا انصاف ہے۔"

قیصر نے کچھ کہے بغیر تالی بجائی۔ اُسی وقت حبشی غلاموں کا ایک دستہ تلواریں اور نیزے سنبھالے نمودار ہُوا۔ قیصر نے اُنھیں حکم دیا کہ اِس نوجوان کو گرفتار کرو۔ حبشی غُلام قباد کی طرف جھپٹے مگر اُس نے بھی تلوار نکال لی اور اِس بلے جگری سے لڑا کہ چند لمحوں میں کئی غُلام کاٹ کر ڈال دیے۔ بقیّہ بھاگ گئے۔ اِس کے بعد قباد نے تلوار کی نوک قیصر کے سینے پر رکھّی اور گرج کر کہا:

"اے بادشاہ، اب بول تیری کیا سزا ہے؟ یہ تلوار سینے کے اندر اُتار دُوں؟"

قیصر کا رنگ ہلدی کی مانند پیلا پڑ گیا اور بے اِختیار گھگھیانے لگا۔ تب قباد نے تلوار ہٹائی اور کہا۔ "ہم جاتے ہیں۔ یاد رکھ آیندہ ایسی گُستاخی کی تو جیتا نہ چھوڑوں گا۔" یہ کہہ کر وُہ باغ کی دیوار پر چڑھا اور دُوسری طرف کُود گیا۔

قیصرِ رُوم کی ایسی بے عزّتی زندگی بھر کبھی نہ ہُوئی تھی۔ اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ امیر حمزہ کے بیٹے کی یہ مجال کہ دِن دہاڑے یُوں شاہی باغ میں آئے اور بادشاہ سے یہ سلُوک کر کے صفا نِکل جائے۔ اُس نے اُسی وقت شہزادہ علم

شاہ کو سات لاکھ مسلح سواروں کے ساتھ نوشیروان کی سلطنت کی جانب روانہ کیا۔ علم شاہ نے سب سے پہلے استنبول پر حملہ کیا۔ وہاں دو بھائی محمود شاہ اور مظفر شاہ حکومت کرتے تھے۔ لڑائی میں ان دونوں کو زخمی کیا اور ملک چھین لیا۔ پھر آگے بڑھ کر مصر پر حملہ کیا اور اُسے بھی فتح کر لیا۔ اس کے بعد یونان میں آیا۔ اُن دنوں یہاں ملکہ گلشن آرا کی حکومت تھی اور وہ امیر حمزہ کو خراج ادا کرتی تھی۔ علم شاہ نے یونان پر بھی قبضہ کیا۔ تب گلشن آرا نے امیر حمزہ کی خدمت میں سب حالات لکھ بھیجے اور مدد طلب کی۔

اب ذرا قباد شہر یار کا حال سُنیے کہ اُس پر کیا بیتی۔

وہ قیصرِ روم کے باغ سے نکلا تو سیدھا قلعۂ کابُل کا رُخ کیا اُسے معلوم تھا کہ زوبین اور بیزن کی فوجیں کابُل پر حملہ کرنے کے ارادے سے چل پڑی ہیں۔ جب شہر یار قلعے کے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ سب دروازے بند ہیں اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں۔ اِس قلعے پر ملکہ شمسہ بانو کی حکومت تھی۔ اور یہ ملکہ بھی امیر حمزہ کو خراج ادا کرتی تھی۔ شہزادہ شہر یار نے ایک سپاہی کے ہاتھ شمسہ بانو کو اپنی آمد کا پیغام بھیجا۔ وہ بہت خوش ہوئی اور خود دروازے پر آ کر شہزادے کو اپنے ساتھ محل میں لے گئی۔

تھوڑی دیر بعد بُدرہ جادُوگرنی وہاں آئی اور اُس نے شہریار کو دیکھا تو آنکھوں میں خُون اُتر آیا۔ بدرہ جادُوگرنی شدّاد کی بہن تھی اور خُوب جانتی تھی کہ امیرِ حمزہ ہی نے اُسے جہنّم رسید کیا ہے۔ اب جو اُس نے امیر حمزہ کے بیٹے کو دیکھا تو اپنے بھائی کے خُون کا بدلہ لینے کی تدبیریں سوچنے لگی۔ وُہ نہایت حسین لونڈی کے رُوپ میں شہریار کے سامنے آئی اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگی:

"سرکار، مُجھے آپ کے والدِ بزرگوار امیرِ حمزہ نے بھیجا ہے۔ ذرا علیحدگی میں چلیے۔ ایک خاص پیغام دینا ہے۔"

شہزادہ شہریار فوراً وہاں سے اُٹھا اور بُدرہ جادُوگرنی کے ساتھ چل پڑا۔ وُہ مکّار ایک ویران مکان میں شہزادے کو لے گئی اور جادُو کے زور سے شہزادے کا جسم باندھ دیا۔ پھر اپنا خنجر نکالا اور شہزادے کا سر کاٹ لیا۔

اُدھر شمسہ بانو شہریار کا اِنتظار کر رہی تھی۔ جب دیکھا کہ اُسے گئے ہُوئے دیر ہُوئی تو دِل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے۔ معلُوم ہُوا کہ بدرہ جادُوگرنی شہزادے کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

یہ سُن کر شمسہ بانو نے اپنا سر پیٹ لیا اور کہا کہ شہریار کی خیر نہیں۔ بُدرہ جادُوگرنی نے اُسے ضرُور ہلاک کر دیا ہوگا۔

اُسی وقت ایک ہزار غُلام لے کر بدرہ جادُو گرنی کے مکان پر آئی دیکھا کہ مکان کے اندر گھُپ اندھیرا ہے اور ہر طرف سناٹا ہے۔ شمعیں جلائی گئیں تب ایک غُلام نے دیکھا کہ شہزادہ شہریار کی لاش خُون میں لت پت ایک کمرے میں پڑی ہے اور سر غائب ہے۔ یہ دیکھ کر شمسہ بانو رونے پیٹنے لگی۔ اُسی وقت ایک ہرکارہ امیر حمزہ کے پاس بھیجا۔ اُنھوں نے جب یہ خبر سُنی تو اس قدر روئے کہ آنکھوں کی روشنی کم ہونے لگی۔ خواجہ بُزرجمہر نے تسلّی دی اور کہا کہ گھبراؤ نہیں، شہزادہ حقیقت میں مرا نہیں بلکہ زندہ ہے۔ اور جادُو گرنی کی قید میں ہے۔ اب خواجہ عُمر و عیّار کے سوا اُسے کوئی آزاد کرا نہیں سکتا۔ یہ سُن کر امیر حمزہ کی جان میں جان آئی عُمرو عیّار نے کہا:

"میں شہزادے کی تلاش میں جاتا ہُوں۔ آپ قلعۂ کابُل کی خبر لیجیے۔ سُنا ہے ژوبین اور بیژن اِس پر حملہ کرنے کی تدبیریں کر رہے ہیں اور اُدھر قیصرِ رُوم کے بیٹے عَلَم شاہ نے بھی اُودھم مچا رکھا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ سلطنت ہاتھ سے نکل جائے۔"

"مجھے سلطنت سے زیادہ اپنے پیارے بیٹے شہریار کی فکر ہے۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "اُسے جلد تلاش کر کے میرے پاس لاؤ۔۔۔"

یہ سُن کر عُمرو عیّار روانہ ہُوا۔ آئینۂ سکندری سے اِتنا معلوم

ہُوا کہ شہزادہ مُلک زرنگار میں کسی مقام پہ بدرہ جادُوگرنی کی قید میں ہے۔ عَمرو عیّار مُلک زرنگار میں آیا اور ایک لونڈی کا بھیس بھر کر ایک ایک مکان کے اندر گیا۔ مگر کہیں بدرہ جادُوگرنی کا پتا نہ پایا۔ سخت پریشان ہُوا کہ یا اللہ اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ پھر ایک غلام کا رُوپ اِختیار کیا اور شہر کے تمام بازاروں اور دُکانوں میں پھرتا رہا۔ آخر تھک کر ایک بساطی کی دکان پر جا بیٹھا اور ایک ایک چیز اُٹھا کر دیکھنے لگا۔

بساطی نے کہا۔" کیوں بھائی، کیا چیز چاہیے؟"

"ارے صاحب، لینا دینا کچھ نہیں، صِرف دیکھنے آیا ہُوں۔" عَمرو نے جواب دیا۔

یہ سُن کر بساطی نے غور سے عَمرو کو دیکھا اور کہا۔" صُورت شکل سے تو غُلام نظر آتے ہو۔ کیا نوکری کی تلاش ہے؟"

"خُدا آپ کا بھلا کرے۔" عَمرو نے خُوش ہو کر کہا۔" آپ کہیں نوکری دِلوا دیں تو ساری عُمر بال بچّوں کو دُعائیں دُوں گا۔"

"نوکری تو میں دِلوا دُوں لیکن یہ سمجھ لو کہ یہاں حکُومت بدرہ جادُوگرنی کی ہے۔ اُس کی اِجازت کے بغیر کوئی دُکان دار مُلازِم نہیں رکھ سکتا۔"

"کیوں صاحب، یہ بدرہ جادُوگرنی رہتی کہاں ہے؟ عَمرو نے پُوچھا۔

"شہر سے بہت دُور ایک لق و دق صحرا میں اُس نے اپنا مکان بنایا ہے اور اُس کا نام لامکان رکھا ہے۔ اُسی میں رہتی ہے۔ مگر وہاں تک پہنچنا کسی اِنسان کے بس میں نہیں۔"

عمرو تھوڑی دیر تک دُکان دار سے باتیں کرتا رہا۔ پھر سلام کر کے رخصت ہُوا اور شہر سے باہر چلا۔ کئی دِن اور کئی راتیں چلنے کے بعد ایک صحرا دِکھائی دیا۔ جس میں ریت ہی ریت تھی۔ اور کوئی حیوان یا اِنسان نظر نہ آتا تھا۔ درخت اور گھاس پھُونس بھی ندارد تھی۔

عمرو بہت دِن تک صحرا میں پھرتا رہا۔ جب بھُوک پیاس لگتی خضر علیہ السّلام کے دِیے ہُوئے مشکیزے میں سے پانی پیتا اور کُلچے کے چند نوالے کھا لیتا۔ آخر ایک دِن گھُومتے پھرتے ایک اُونچی ٹیکری پر گیا۔ وہاں ایک غار سا دِکھائی دِیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ کالا بھجنگ ایک فقیر بیٹھا مُنہ سے دُھوئیں کے بادل اُڑا رہا ہے۔ عمرو اُس کے قریب پہنچا۔ فقیر نے لال لال آنکھیں گھُما کر کہا:

"ارے بے وقُوف، تُو کون ہے اور یہاں کیوں کر آیا؟ جان کی سلامتی چاہتا ہے تو ابھی اُلٹے قدموں واپس چلا جا۔"

عمرو بیٹھ کر فقیر کے پاؤں دبانے لگا اور خوشامد سے کہا۔

"جناب، آپ بہت پہنچے ہُوئے بزرگ معلُوم ہوتے ہیں۔ میری

مُشکل آسان کر دیں ۔"

" جلد بتا کیا کام ہے ؟"

" جناب ، قصّہ یہ ہے کہ میرا ایک ہی لڑکا ہے ۔ مگر بڑا شریر ہے ۔۔ کئی دن ہُوئے اپنی ماں سے لڑ جھگڑ کر گھر سے نکل گیا ہے ۔ اب اُس کی ماں کو دِن رات رونے کے سوا کوئی کام نہیں دانہ پانی سب چُھٹ گیا ہے ۔ میں لڑکے کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہُوں ۔ مگر اُس کا کہیں پتا نہیں ملتا ۔ اب ایک ایک پیسے کو مُحتاج ہو گیا ہُوں ۔"

" دیکھو میاں ، یہ مکان بُدرہ جادُوگرنی کا ہے ۔ ابھی وُہ آنے والی ہے ۔ ہم اُس سے تُمھاری مُصیبت کا ذکر کریں گے ۔ مُمکن ہے وُہ کچُھ مدد کر سکے ۔" فقیر نے کہا ۔

تب عَمرو اور زور سے فقیر کے پیر دابنے لگا اور ہر طرح خدمت کرتا رہا ۔ آخر رات سر پہ آئی ۔ عَمرو وہیں سو گیا ۔ اگلے روز صُبح آنکھ کُھلی تو کیا دیکھتا ہے کہ صحرا میں ایک خوف ناک اژدہا چلا آتا ہے ۔ اُس کے مُنہ سے آگ کے شُعلے نکل رہے ہیں اژدھے کے سر پہ ایک ہَوا دار بندھا ہُوا ہے ۔ جس میں بیش قیمت جواہر جڑے ہیں اور اُس ہَوا دار میں بُدرہ جادُوگرنی نہایت شان سے بیٹھی ہے ۔ جب اُس کی سواری قریب آئی تو فقیر اور عَمرو عیّار تعظیم کو اُٹھ کھڑے ہُوئے ۔ بُدرہ جادُوگرنی نے

ایک نگاہ عمرو پر ڈالی اور فقیر سے کہنے لگی :

"یہ شخص کون ہے اور کس لیے یہاں آیا ہے ؟"

"یہ بے چارہ ایک مصیبت زدہ ہے" فقیر نے ادب سے کہا۔ "اس کا جوان بیٹا گھر سے چلا گیا اور اب یہ اُس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے"

یہ سن کر بدرہ نے ایسا خوف ناک قہقہہ لگایا کہ زمین کانپ اُٹھی۔ اُس نے غضب ناک نگاہوں سے فقیر کی طرف دیکھا اور کہا۔

"ارے بے وقوف، یہ عمرو عیّار ہے"

اب تو عمرو کے اوسان خطا ہوئے۔ کچھ اور تو نہ سوجھا۔ جھٹ کمر سے خنجر نکال بدرہ کی طرف لپکا اور ایک ہی وار میں اس کا سر تن سے جدا کیا۔ بدرہ کا سر کٹنا تھا کہ زمین ہلنے لگی۔ اور صحرا میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ پھر ایسی خوف ناک آندھی آئی کہ خدا کی پناہ ــــ بہت دیر بعد اُجالا ہوا تو عمرو نے دیکھا کہ اُسی مقام پر کھڑا ہے۔ سامنے بدرہ کی لاش پڑی ہے اور وہ کالا فقیر اُسی طرح بیٹھا ہے۔ تب عمرو نے اپنا خنجر فقیر کی طرف بڑھایا اور کہا :

"جلد بتا کہ بدرہ کا مکان کدھر ہے ورنہ تجھے بھی قتل کرتا ہوں"

"اے عیّاروں کے بادشاہ، مجھ پر رحم کر" فقیر نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "میں تجھے اُس مکان میں لیے چلتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ

عمرو کو اپنے ساتھ لے گیا۔

کٹی کوس پہ ایک عالی شان سُرخ رنگ کی عمارت نظر آئی۔ جس کی دیواروں پہ ہیبت ناک تصویریں بنی تھیں۔ عمرو اس مکان میں داخل ہُوا۔ دیکھا کہ چند کنیزیں بال بکھرائے بیٹھی ہیں اور بُدرہ جادُوگرنی کی موت پر آنسُو بہا رہی ہیں۔ عمرو کے ہاتھ میں خنجر دیکھا تو سب کی سب کانپنے لگیں اور اُس کے قدموں میں گر پڑیں۔ عمرو نے للکار کر کہا :

جلد بتاؤ کہ بُدرہ جادُوگرنی کا خزانہ کہاں ہے ورنہ تمھیں موت کے گھاٹ اُتارتا ہُوں۔"

کنیزوں کی سردار نے ہاتھ باندھ کر کہا۔" اے عمرو، ہمیں نہ مار۔ ہم بے قصُور ہیں۔ جس وقت تُو نے بُدرہ کو قتل کیا، اُس کا سارا خزانہ خُود بخُود جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔"

"کیا تُم بھی جادُو جانتی ہو ؟" عمرو نے پُوچھا۔

"نہیں — ہم تو جادُو کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے —" کنیزوں نے جواب دیا۔" بُدرہ جادُوگرنی ہماری دیکھ بھال اور پرورش کرتی تھی۔ اِس لیے ہم اُس کی موت پر روتے ہیں۔"

"فکر نہ کرو۔ اب ہم تُمھاری دیکھ بھال کریں گے۔" عمرو نے کہا۔" یہ تو بتاؤ شہزادہ شہریار کہاں ہے ؟"

"ہم کو بالکُل نہیں معلُوم —" کنیزوں نے جواب دیا۔

یہ سُن کر عمرو چُپ ہو رہا۔ پھر اُن کنیزوں کو ساتھ لے کر قلعۂ کابُل میں آیا۔ جب امیر حمزہ کے پاس پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ شہزادہ شہریار وہاں بیٹھا ہے۔ عمرو حیران ہُوا اور پُوچھنے لگا کہ اے شہزادے، تُم کِدھر سے آئے؟ میں تُمھاری تلاش میں بھٹکتا پھر رہا تھا۔ شہریار نے ہنس کر کہا:

"بدرہ جادُو گرنی نے مجھے قتل نہیں کیا تھا۔ یہ سب جادُو کا کھیل تھا۔ وُہ مجھے اپنے ساتھ لامکان میں لے گئی اور خُوش نُما باغ میں رکھا۔ وُہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی تھی مگر میں نے اِنکار کیا۔ آخر ایک دِن کہنے لگی کہ تین دِن کی مُہلت دیتی ہُوں۔ اگر اِس مُدّت میں تُو نے میری بات مان لی تو جان بخش دُوں گی۔ ورنہ زِندہ نہ چھوڑُوں گی۔ بعد تین دِن کے وُہ آئی تب ایک آندھی مجھے اُڑا کر یہاں لے آئی۔"

یہ سُن کر عمرو نے بدرہ جادُوگرنی کے قتل کا سارا قِصّہ سُنایا اور امیر حمزہ سے کہا کہ مِٹھائی کِھلوائیے، آپ کا بیٹا واپس آ گیا ہے۔"

امیر حمزہ نے عمرو کو اِس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ البتّہ مُقبل وفادار رونے لگا۔ پھر لندھور اور بہرام بھی رونے۔ اُس کے بعد عادی پہلوان کی آنکھوں سے بھی ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ یہ دیکھ کر عمرو سخت حیران ہُوا۔ بولا:

"جلد بتاؤ کیا واقعہ پیش آیا ہے ورنہ یہ خنجر اپنے پیٹ میں گھونپ لوں گا۔"

تب لندھور نے بتایا کہ ایک شخص سُرمہ بیچتا ہُوا آیا تھا۔ امیر حمزہ نے اُس سے سُرمہ لے کر آنکھوں میں لگایا تو بینائی جاتی رہی اب اُنھیں کچھ سُجھائی نہیں دیتا۔ یہ سُن کر عمرو کے کلیجے پر جیسے گھونسا لگا۔ کہنے لگا، معلوم ہوتا ہے یہ بدمعاشی بختک کی ہے اچّھا، میں اِس کا کام تمام کرنے جاتا ہُوں۔

امیر حمزہ نے اُسے روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن عمرو کا رنج کے مارے بُرا حال تھا۔ اُس نے آئینہ سکندری سے معلوم کیا کہ بختک نامُراد اِس وقت کاشمیر کے ایک جنگل میں ہے۔ عمرو ہَوا کی رفتار سے مُلک کاشمیر کی جانب روانہ ہُوا۔

اُدھر آدھی رات کو بختک کی آنکھ اچانک کُھلی۔ دیکھا کہ دِل زور زور سے دھڑک رہا ہے۔ اُٹھ کر پانی پیا مگر دِل کی دھڑکن اور تیز ہو گئی۔ پھر پسینے چھُوٹنے لگے۔ بختک نہایت بَدحواس ہُوا اور جی میں کہنے لگا کہ یہ کیا بات ہے؟ ایسی گھبراہٹ اِس سے پہلے کبھی طاری نہیں ہُوئی تھی۔ ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ مُجھ پر کوئی آفت آنے والی ہے۔ یہ سوچ کر اُس کا کلیجا بیٹھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وُہ ٹہلنے کے لیے خیمے سے باہر نکلا۔ اُسی وقت عمرو عیّار اُسے ڈُھونڈتا ہُوا وہاں آیا۔ دیکھا کہ بختک اپنے

خیمے میں نہیں ہے۔ وہ بختک کو ڈھونڈنے لگا۔ کچھ فاصلے پر بختک ٹہل رہا تھا اُس نے قدموں کی آہٹ پا کر گردن اُٹھائی تو دیکھا کہ عمرو عیّار چلا آتا ہے۔ اب تو بختک کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہاں سے ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتا ہُوا بھاگا اور شُتر خانے میں پناہ لی۔ شُتر خانے کے داروغہ نے اُسے دیکھا تو سمجھا کوئی چور ہے۔ اپنا سونٹا سنبھال کر آیا اور بختک کی پیٹھ پر برساتے ہُوئے کہنے لگا:

"کیوں بے تُو کون ہے اور کس اِرادے سے آیا ہے؟ نکل یہاں سے۔"

تب بختک وہاں سے فرار ہُوا اور شہر میں آیا۔ خُدا کی مخلوق غافل پڑی سوتی تھی۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ ایک مکان میں چراغ ٹمٹماتا ہُوا نظر آیا۔ وُہ اسی مکان میں جا گھُسا۔ وہاں ایک بُڑھیا بیٹھی چکّی پیس رہی تھی۔ بختک نے جلدی سے اشرفیوں کا ایک توڑا اُس کے آگے پھینکا اور بھرّائی ہُوئی آواز میں بولا:

"بڑی امّاں، ایک دُشمن میرے پیچھے لگا ہے۔ میں تمھارے مکان میں پناہ لینے آیا ہُوں۔ مجھے جلدی سے کہیں چھپا دو، ورنہ جان سے مارا جاؤں گا۔"

بُڑھیا نے اشرفیاں دیکھیں تو بے حد خُوش ہُوئی۔ جلدی سے بختک کو ایک اندھیری کوٹھری میں چھپایا اور باہر سے قفل لگا

جا۔ پھر خود چکّی پیسنے بیٹھ گئی۔ اُدھر عمرو عیّار بھی کھوج لگاتا ہُوا اُس مکان تک آیا۔ دہلیز کی مٹّی پہ قدموں کے نشان صاف نظر آئے۔ سمجھ گیا کہ بختک اِسی مکان میں ہے۔ تب پُکار کر کہنے لگا:

"اِس محلّے کے رہنے والوں کو خبردار کیا جاتا ہے کہ ایک چور شاہی محل سے اشرفیاں چُرا کر بھاگا ہے۔ بادشاہ نے حُکم دیا ہے کہ جس گھر سے چور پکڑا جائے گا۔ اُس میں رہنے والے سبھی آدمیوں کو پھانسی پہ لٹکایا جائے گا۔"

بُڑھیا نے یہ آواز سُنی تو ڈر کے مارے تھر تھر کانپنے لگی۔ اُسی وقت اُٹھ کر باہر نکلی اور عمرو سے کہنے لگی۔ "وُہ چور جس کی تُمھیں تلاش ہے، میرے مکان میں چُھپا ہُوا ہے۔ اُس نے اشرفیاں بھی مُجھے دی ہیں۔"

"لاؤ وُہ اشرفیاں میرے حوالے کرو۔" عمرو نے کہا۔

یہ سُن کر بُڑھیا نے سب اشرفیاں عمرو کو دیں۔ پھر کوٹھری کا تالا کھول کر کہا۔ "چور اِس کے اندر بند ہے۔ جاؤ اِسے پکڑ لو۔ مگر خُدا کے واسطے بادشاہ سے یہ نہ کہنا کہ چور میرے مکان سے پکڑا گیا تھا۔"

عمرو کوٹھڑی میں گیا۔ دیکھا کہ بختک نامُراد ایک کونے میں اُکڑوں بیٹھا تھر تھر کانپ رہا ہے۔ عمرو نے اُس کی چوٹی پکڑ کر

گردن اُٹھائی اور ہنس کر کہا :

"مجھ سے بچ کر کہاں جائے گا - اب اپنے اگلے پچھلے سب گناہوں کی معافی مانگ لے، کیوں کہ سورج نکلنے سے پہلے میں تجھے ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سُلا چُکا ہوں گا"

بختک عمرو کے قدموں پہ گرا اور کہنے لگا - "بھیّا عمرو، اِس مرتبہ مجھے معاف کر دو - وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کوئی شرارت نہ کروں گا"

"نہیں .... ہرگز نہیں ....." عمرو نے ایک لات اُس کی پیٹھ پہ جماتے ہوئے کہا "اِس مرتبہ تُو نے ایسا کام کیا ہے کہ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی ہے - امیر حمزہ کی آنکھوں میں نیل کی سلائیاں پھروا دیں اور وہ اندھے ہو گئے —— اِس جُرم کی سزا موت ہے"

پھر عمرو اُسے گھسیٹتا ہُوا اپنے ساتھ قبرستان میں لے گیا، اور کہا "وہ پھاوڑا سامنے پڑا ہے - اُسے اُٹھاؤ اور اپنی قبر کھودو - ذرا گہری کھودنا — مجھے شک ہے کہ تُم مرنے کے بعد بھی قبر سے باہر نکل آؤ گے"

بختک روتا اور قبر کھودتا جاتا تھا — کبھی کبھی ہاتھ جوڑ کر معافی بھی مانگنے لگتا - مگر ہر بار عمرو کے طمانچے اس کا مُنہ لال کر دیتے - جب قبر کُھد کر تیّار ہو گئی تو عمرو نے بختک کو بکرے

کی طرح پچھاڑ کر اپنا خنجر اُس کے گلے پر رکھا اور گردن کاٹنا چاہتا ہی تھا کہ یکایک پیچھے سے آواز آئی :

" اے عمرو یہ کیا کرتا ہے ۔ اسے رہا کر دے "

عمرو نے پلٹ کر دیکھا ۔ ایک نورانی صورت کے بزرگ کھڑے مسکرا رہے تھے ۔ عمرو نے کہا :

بڑے میاں ، جاؤ اپنا کام کرو ، میں اب کسی کی سفارش نہ سنوں گا ۔ اِس موذی نے ناطقہ بند کر رکھا ہے ۔ آج اِس کا قصّہ پاک کر کے رہوں گا "

" ٹھہرو ۔۔ جلد بازی نہ کرو " بزرگ نے ڈانٹا " ابھی اس کی موت کا وقت نہیں آیا ہے "

" حضرت ، آپ کون ہیں ؟ " عمرو نے حیرت سے پوچھا ۔

" تم ہمیشہ مجھے بھول جاتے ہو " بزرگ نے مسکرا کر کہا " میرا نام خضر ہے ۔ اب تم بختک کو یہیں چھوڑو اور امیر حمزہ کی خبر لو ۔ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اُن کی آنکھیں ٹھیک کر دی ہیں ۔ "

یہ سُن کر عمرو بے حد خوش ہوا ۔ حضرت خضرؑ کے قدموں کو بوسہ دیا ۔ پھر بختک کو اُٹھا کر اُس کی کمر پر دو لاتیں اِس زور سے جمائیں کہ وہ لڑھکنیاں کھاتا ہوا دُور جا گرا ۔ وہ گرتے اُٹھتا اور اِس بُری طرح بھاگا کہ مُڑ کر بھی نہ دیکھا ۔ اِتنے

میں حضرؑ غائب ہو گئے۔

عمرو عیّار وہاں سے چلا اور سیدھا اپنے لشکر میں آیا۔ دیکھا کہ امیر حمزہ کی بینائی لوٹ آئی ہے اور وُہ خُوش و خرّم ہیں۔ عمرو نے اُسی وقت دُھوم دھام سے جشنِ نوروزی مناتے کا حکم دیا۔

امیر حمزہ کی گرفتاری

امیر حمزہ کی آنکھوں میں جب روشنی آئی اور جشنِ نوروزی ختم ہُوا تو اُنھوں نے سب دوستوں کو جمع کیا اور کہا "اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے دُشمنوں کو نیست و نابُود کرنے کے لیے میدان میں نکلیں۔ نوشیرواں، بختک، زوپین، بیرق اور بہمن نے ہمیں بے حد ستایا ہے۔ اِن لوگوں نے ہماری ملکہ شہزادی مہرنگار کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اُن کا یہ جُرم معافی کے قابل نہیں۔ ہمیں معلُوم ہُوا ہے کہ ہمارے دُشمن آج کل مُلک کاشمیر میں جمع ہیں اور نئی نئی سازشیں کر رہے ہیں۔ خُدا نے چاہا تو ایک آدھ دِن میں ہم کاشمیر کی جانب کُوچ کریں گے۔"

امیر حمزہ کے اِس اعلان پر لشکر میں خُوشی کی زبردست لہر دوڑ گئی۔ اور سپاہی اپنے اپنے ہتھیار صاف کرنے لگے۔ اُدھر نوشیرواں جب کاشمیر میں داخل ہُوا تو وہاں کا حاکم خضران شاہ

اُس کے اِستقبال کو آیا اور اُس کو نہایت شان و شوکت سے اپنے تخت پر بٹھایا۔ پھر پُوچھا کہ جہاں پناہ نے کیوں کر زحمت فرمائی تب بختک مکّار نے اوّل سے آخر تک سارا ماجرا سُنایا۔ خضران شاہ چند لمحے خاموش رہا۔ پھر کہنے لگا:

"جہاں پناہ کا اقبال بُلند ہو۔ امیر حمزہ کا مُقابلہ کرنا سخت دُشوار ہے۔ بہر حال میں آپ کا خادِم ہُوں۔ ابھی اپنے دوست کاشغر کے حاکم مرزُوق جادُوگر کو خط لکھتا ہُوں۔ وُہ شاید امیر حمزہ کو ختم کرنے کی کوئی تدبیر کر سکے۔

خضران شاہ نے اسی وقت مرزُوق جادُوگر کو خط لکھا کہ شہنشاہ ہفت کشور نوشیرواں، امیر حمزہ سے عاجز ہو کر اور شکست کھا کر بھاگتے بھاگتے یہاں آیا اور اب مُجھ سے مدد مانگتا ہے۔ میرا یہ خط دیکھ کر اپنا لاؤ لشکر لے کر کاشمیر پہنچو ایسا نہ ہو کہ امیر حمزہ یہاں تُم سے پہلے پہنچ جائے۔

قاصِد تو یہ خط لے کر مرزُوق کی طرف روانہ ہُوا اور اُدھر شدپین اور بیزن نے بھی اپنے دوستوں کو خط لکھے کہ فوراً پہنچیں۔ اِن میں سے ایک کا نام سُلطان سر برہنہ دُوسرے کا تپش دِیوانہ اور تیسرے کا ببر فرغاری تھا۔

یکایک ہرکاروں نے غُل مچایا کہ امیر حمزہ کا لشکر آتا ہے یہ خبر سُنتے ہی نوشیرواں کے ہوش اُڑے۔ جسم تھر تھر کانپنے لگا

اور چہرے پر مُردنی سی چھا گئی۔ بدحواس ہو کر چلّا اُٹھا:
"اب کیا ہوگا۔ ہم کُتّے کی موت مارے جائیں گے؟"
خضران شاہ، بادشاہ کی یہ حالت دیکھ کر حیران ہُوا کہ ایسا بُزدل شخص شہنشاہ کہلاتا ہے۔ لیکن یہ موقع ایسا نہ تھا کہ نوشیرواں کی ہنسی اُڑاتا۔ اُسی وقت اپنے غلاموں کو بُلا کر حُکم دیا کہ طبلِ جنگ بجایا جائے تاکہ امیر حمزہ سمجھے کہ ہم بھی جنگ کے لیے تیّار ہیں۔ جب طبلِ جنگ زور شور سے بجنے لگے اور اُن کی دھمک سے شہر کی فصیل کانپ اُٹھی۔ تب نوشیرواں کے ہوش ٹھکانے آئے۔

اُدھر مُخبروں نے امیر حمزہ کو خبر دی کہ خضران شاہ کے لشکر میں طبلِ جنگ بج رہا ہے۔ امیر نے حُکم دیا کہ ہمارے ہاں بھی نقّارے اور ڈھول تاشے پُوری قُوّت سے بجائے جائیں تاکہ اُن کی ہیبت دُشمن کے دِل میں طاری ہو۔ نقّارۂ سکندری پر جب چوٹ پڑی اور اس کی آواز کوسوں میلوں تک گئی تو دوستوں کا دِل شاد ہُوا اور دُشمنوں پر خوف چھا گیا۔

اگلے روز صُبح سویرے امیر حمزہ کا لشکر کا شمیر کے قلعے کے سامنے پہنچا اور جنگ کے لیے صفیں باندھ لیں ۔۔ پھر امیر حمزہ نے اپنے ہتھیار بدن پر سجائے اور اشقر دیو نژاد پر سوار ہو کر میدان میں نکلے۔ خضران شاہ، شدپین، بیژن اور

بہمن کی فوجیں بھی مقابلے کے لیے آ گئیں۔ لیکن اِن سب کو اب مرزوق جادوگر کی آمد کا انتظار تھا۔ اچانک گرد کا ایک عظیم بادل مغرب کی جانب سے اُٹھا اور قریب آن کر جب پھٹا تو اِس میں سے مرزوق جادوگر کا لشکر نکلتا دکھائی دیا۔ خضران شاہ کی فوج نے خوش ہو کر نعرے لگائے امیر حمزہ اور اُن کے دوستوں نے دیکھا کہ مرزوق جادوگر ایک عالی شان تخت پہ بیٹھا ہے اور دائیں بائیں چالیس ہزار جادوگر سر جھکائے ساتھ ہیں۔ جادوگر کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ اور سیاہ چہرے پہ غیظ و غضب اور نفرت کے آثار تھے۔

خضران شاہ کی درخواست پہ نوشیرواں خود مرزوق کے استقبال کو گیا۔ اُس نے تخت سے اُتر کر بادشاہ کے سامنے گردن جھکائی اور کہا، اے بادشاہ، کیا حال ہے؟ اِس غلام کو کیوں طلب فرمایا؟ تب بختک بے حیا نے سارا قصّہ نمک مرچ لگا کر بیان کیا اور آخر میں کہا:

"امیر حمزہ کے دوست عمرو عیّار نے ہمارا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ دِن کا چین اور رات کی نیند اُس کی وجہ سے حرام ہو گئی ہے۔ کِسی طرح باز نہیں آتا۔ اُسی نے شدّاد جادوگر کے شاگردوں کو مارا تھا اور اب کہتا ہے کہ میرے سامنے مرزوق کی کیا بساط ہے۔"

مرزوق نے بختک کی یہ باتیں سنیں تو غصّے سے سانپ کی طرح پھنکارنے لگا اور سمنکال جادو کو طلب کر کے حکم دیا کہ جلد جا اور امیر حمزہ کے لشکر کا خاتمہ کر۔ سمنکال جادو اپنے آقا کا حکم پاتے ہی میدانِ جنگ میں نمودار ہوا اور پکار کر کہا:

"میں امیر حمزہ کی موت بن کر آیا ہوں۔ ہمّت ہے تو سامنے آئے۔"

امیر حمزہ نے اُسی وقت اشقر دیو زاد کو ایڑ لگائی اور سمنکال جادو کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔ تب اُس جادوگر نے اپنی جیب سے رائی، مٹر اور سرسوں کے دانے نکالے اور ہتھیلی پہ رکھ کر منتر پڑھنے شروع کیے۔ پھر یہ دانے امیر حمزہ پہ کھینچ مارے۔ اُدھر امیر حمزہ بھی چپکے چپکے اسمِ اعظم پڑھ رہے تھے اس لیے سمنکال جادو کے منتر پڑھے ہوئے دانے اُس کے جسم سے لگ کر زمین پہ گرے اور کچھ اثر نہ ہوا۔ اب تو سمنکال جادو کی سٹی گم ہوئی۔ پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ میدان سے بھاگنا چاہا لیکن امیر حمزہ نے بھاگنے کا موقع نہ دیا۔ قریب آن کر تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ سمنکال جادو کا جسم دو ٹکڑے ہو کر زمین پہ گرا اور چند لمحے تڑپنے کے بعد ٹھنڈا ہو گیا۔ اُس کے مرتے ہی زمین آسمان میں ایک غل مچا اور تاریکی چھا گئی۔ پھر اِس تاریکی میں سے ایک آواز اُبھری کہ میرا نام سمنکال جادو

تھا۔ افسوس کہ آج امیر حمزہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اِس آواز کے ساتھ ہی اندھیرا دُور ہُوا اور ہر طرف دِن کی روشنی پھیل گئی۔

مرزُوق جادُوگر نے اب اپنے ایک اور طاقت ور شاگرد ولیمان جادُو کو طلب کیا اور حُکم دیا کہ تُو میدان میں جا اور امیر حمزہ کو قتل کر دے۔ ولیمان جادُو غرُور سے قدم رکھتا ہُوا چلا اور میدان میں آکر امیر حمزہ کے سامنے رُکا۔ پھر جیب سے ایک سیاہ ناریل نکال کر اِسم سِحر پڑھا اور وُہ ناریل حمزہ پر پھینکا۔ امیر نے اِس اثنا میں اِسم اعظم کا وِرد کر لیا تھا۔ اِس اِسم کی برکت سے وُہ ناریل نہ پھٹا اور بے کار گیا۔ امیر حمزہ نے وہی خُون آلُود تلوار ولیمان کے سر پر ماری۔ وُہ بھی دو ٹُکڑے ہو کر زمین پر گِرا۔

یہ ماجرا دیکھ کر بختک بدحواس ہُوا اور نوشیرواں سے کہنے لگا: "امیر حمزہ کے پاس اِسم اعظم ہے۔ اُس کی وجہ سے کوئی جادُو اُن پر اثر نہ کرے گا۔ بہتر ہے فوجوں کی واپسی کا طبل بجوایا جائے ورنہ سب جادُوگر مارے جائیں گے۔"

نوشیرواں نے خِضران شاہ سے یہ بات کہی اور اُس نے فوراً واپسی کا طبل بجوایا۔ دونوں فوجیں اپنے اپنے پڑاؤ پر چلی گئیں۔ اِدھر خِضران شاہ، مرزُوق، نوشیرواں، بہمن، بختک، زوپین اور بیژن آپس میں باتیں کرنے لگے۔ بختک نے مرزُوق سے کہا:

سے جان بچا کر بھاگا ہُوں۔"

اُسی وقت مرزُوق کے دو اور شاگرد وہاں آئے اور اُنھوں نے بھی یہ قِصّہ سُنا۔ ایک کا نام آشکار جادُو اور دُوسرے کا افکار جادُو تھا۔ یہ دونوں اکڑ کر کہنے لگے، ہم جاتے ہیں اور امیر حمزہ کی گردن ناپتے ہیں۔ مرزُوق نے اُنھیں اجازت دے دی۔ یہ دونوں خُوب صُورت پرندوں کی شکل میں اُڑتے ہُوئے امیر حمزہ کے لشکر میں گئے اور اُن کے روشن دان میں بیٹھ کر جادُو کرنا شرُوع کیا۔ حمزہ اس وقت سو رہے تھے۔ یکایک اُن کی آنکھ کُھلی تو جسم میں آگ لگتی ہُوئی محسُوس ہُوئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دو پرندے روشن دان میں بیٹھے گانا گا رہے ہیں۔ حمزہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ جادُوگر ہیں۔ اُسی وقت اسمِ اعظم پڑھ کر اپنی کمان اُٹھائی اور اُس میں تیر جوڑ کر ایسا مارا کہ ایک پرندے کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ وُہ قلا بازیاں کھاتا ہُوا نیچے گِرا اور مر گیا۔ دُوسرا پرندہ اُڑ کر نظروں سے غائب ہو گیا۔

پرندے کے گِرتے ہی ایک عجیب واقعہ ہُوا۔ جُوں ہی اُس کا دم نِکلا، وُہ پرندے سے ایک سیاہ فام آدمی کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ حمزہ نے عمرو عیّار کو آواز دی۔ وُہ دوڑا دوڑا آیا اور آتے ہی اپنے خنجر سے اُس کی گردن کاٹ ڈالی۔

اُدھر آشکار جادُو پھڑ پھڑاتا ہُوا اپنے اُستاد مرزُوق جادُوگر

اپنے بڑے بڑے پنجوں میں اُنھیں دبایا اور لے اُڑا قلعہ کاشبر
میں آ کر وُہ اپنی اصلی صُورت پہ آیا اور غُلاموں کو بُلا کر حکم
دیا کہ اِس شخص کو زنجیروں میں جکڑ کر قید خانے میں پھینک دو
اور دن رات پہرا دو۔

اگلے روز نوشیرواں نے جب دربار لگایا اور امیر حمزہ سے
جنگ کرنے کی تدبیروں پہ غور ہونے لگا تو مرزُوق دربار میں
آیا اور نوشیرواں کو سلام کرنے کے بعد کہنے لگا:

"جہاں پناہ کا اِقبال بُلند ہو۔ یہ غُلام رات کو حمزہ کے لشکر
میں گیا اور اُسے چُوہے کی طرح پکڑ کر لے آیا۔"

یہ سُن کر بختک خُوشی کے مارے اُچھل پڑا اور چلّا کر بولا۔
"اے مرزُوق آفریں ہے تجھ پہ اور تیرے کمال پہ — جلد بتا
کہ حمزہ کہاں ہے؟"

"قلعے کے قید خانے میں بے ہوش پڑا ہے۔"

نوشیرواں نے مرزُوق کو قریب بُلا کر اُس کی پیشانی پہ بوسہ
دیا اور تخت پہ اپنے برابر بٹھایا۔ ایسی عزّت افزائی آج تک
کسی کو نہ ہُوئی تھی۔ مرزُوق بے حد خُوش تھا۔ اُسی وقت چند
غُلاموں کو قید خانے میں بھیجا تاکہ امیر حمزہ کو دربار میں لے
آئیں۔ تھوڑی دیر بعد غُلام اُنھیں لے آئے۔ امیر حمزہ اُس
وقت تک بے خبر سو رہے تھے۔ مرزُوق نے مُنہ ہی مُنہ میں

کروں گا اور جب عمرو میرے ہتھے چڑھ جائے گا تو اِن دونوں کو آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ ایسا ہی کیا جائے۔" نوشیرواں نے کہا۔

مزروق جادوگر امیر حمزہ کو ساتھ لے کر کاشغر کی جانب روانہ ہو گیا۔ اب ذرا امیر حمزہ کے لشکر کا حال سُنیے کہ اُس پر کیا بیتی۔

دوپہر کے وقت سب کو ہوش آیا تو غُل مچا کہ امیر حمزہ غائب ہیں۔ بہت تلاش کیا مگر کچھ پتا نہ پایا۔ لندھور، عادی پہلوان، سُلطان بخت مغربی، اِستقتانوش اور صدف نوش، بہرام اور مُقبل وفادار کا رونے رونے بُرا حال تھا۔ عمرو عیّار تو دیوانوں کی طرح امیر حمزہ کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ آخر اُس نے سوچا کہ یہ بختک کی بدمعاشی ہے۔ اُس نے جادو کے زور سے حمزہ کو گرفتار کرایا ہو گا۔ یہ خیال آتے ہی عمرو روانہ ہُوا اور سیدھا بختک کی قیام گاہ پر پہنچا۔ آدھی رات ہو چکی تھی اور بختک بستر پہ پڑا خرّاٹے لے رہا تھا۔ عمرو نے ٹینٹوا دبایا تو اُس کی آنکھ کُھلی چراغ کی مدّھم روشنی میں دیکھا کہ عمرو عیّار سینے پر چڑھا بیٹھا ہے۔ خوف کے مارے گِھگّھی بندھ گئی۔ بولا:

"عمرو بھائی، کیسے تکلیف فرمائی آپ نے؟"

"سچ بتا امیر حمزہ کہاں ہیں؟ اگر ذرا بھی جھوٹ بولا تو

بلّی کی یوں چیخ پکار سے عمرو بے حد ڈرا اور دروازے سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے پھر اندر جانے کا ارادہ کیا تھا کہ بلّی چلّا اُٹھی۔ "پکڑو...... پکڑو...... جانے نہ پائے.... یہ عمرو عیّار ہے۔"

اب تو عمرو سخت پریشان ہُوا۔ سمجھ گیا کہ مرزوق نے جادُو کی یہ بلّی پہرا دینے کے لیے دروازے پر بٹھائی ہے اور اس کی نظروں سے چُھپ کر محل کے اندر جانا آسان نہ ہو گا۔ کئی مرتبہ وُہ اپنی صُورت بدل بدل کر آیا، مگر ہر مرتبہ بلّی نے اُسے پہچان کر غُل غپاڑہ مچا دیا۔ آخر عمرو نے تنگ آ کر وُہ پنجرا بلّی سمیت اپنی زنبیل میں ڈالا اور محل کے اندر گھس گیا لیکن اِس اثنا میں پہرے داروں اور سپاہیوں کو پتا چل چُکا تھا کہ عمرو عیّار محل میں داخل ہو چُکا ہے۔ اُنھوں نے فوراً مرزوق جادُوگر کو خبر کی۔ مرزوق نے جادُو کے زور سے محل کے دروازے بند کر دیے اُس کے بعد تمام شاگردوں کو حُکم دیا کہ عمرو کو تلاش کریں۔ اب تو عمرو بدحواس ہُوا۔ اِدھر اُدھر چُھپنے کی کوشش کی ــــ مگر کام یاب نہ ہو سکا۔ مرزوق کے شاگردوں نے اُسے ہر طرف سے گھیر لیا۔ مجبور ہو کر عمرو نے اپنا خنجر نکالا اور لڑنے لگا بہت سے جادُوگروں کو قتل کیا۔ آخر مرزوق نے ایسا منتر پڑھا عمرو کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ تب جادُوگروں نے اُسے

تبدیل ہو گئی۔

"خدا کی پناہ ۔۔۔" عمرو چلّایا ۔" اے لڑکی تُو کون ہے ؟"

"میں مرزوق جادوگر کی بیٹی محروق ہوں" لڑکی نے جواب دیا ۔۔۔

"کیا تُو بھی جادوگرنی ہے ؟" امیر حمزہ نے پُوچھا۔

"جی نہیں ۔۔۔ میں نے اپنے باپ کی ہزار کوشش کے باوجود جادو سیکھنے سے انکار کر دیا تھا۔ اِس کی سزا یہ ملی کہ اُس نے مجھے بِلّی بنا کر لوہے کے پنجرے میں بند کیا اور محل کے دروازے پر رکھ دیا۔ اب کئی برس بعد میں اپنی اصل شکل پر آئی ہوں۔"

"اے محروق، تُو دینِ ابراہیمیؑ پر ایمان لے آ تو ہم تجھے اپنے ساتھ رکھیں گے اور مرزوق کی حکومت تجھے سونپ دیں گے۔"

"میں دینِ ابراہیمی پر ایمان لاتی ہوں۔" محروق نے کہا۔

تب امیر حمزہ نے اُسے کلمہ پڑھایا اور نہایت دُھوم دھام سے کاشغر کی سلطنت اُس کے سپُرد کی۔ عذرا پری امیر حمزہ سے رُخصت ہو کر کوہ قاف کی جانب روانہ ہُوئی اور امیر حمزہ نے عمرو سے کہا:

"اب مجھے نوشیرواں کی خبر لینی چاہیے۔ جب میں مرزوق

کی قید میں تھا تو پتا چلا تھا کہ نوشیرواں کی مدد کے لیے سُلطان سر برہنہ اور تپش دِیوانہ ایک عظیم لاؤ لشکر کے ساتھ آئے ہیں میں اُن کی قوّت کا اِمتحان لینا چاہتا ہُوں۔"

"بے شک، اب ان بدبختوں کا خاتمہ کر دینا ہی مناسب ہے"

عمرو نے جواب دیا۔

تب یہ دونوں کاشغر سے چلے اور دِن رات سفر کرتے رہے اپنے لشکر میں آئے۔ اُن کی اچانک آمد سے لشکر میں خُوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لندھور اور بہرام مست ہو کر ناچنے لگے اور اُنھوں نے امیر حمزہ کو اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا۔ امیر حمزہ نے ہر سپاہی کی خیریت دریافت کی اور آخر میں پہلوانوں کو حُکم دِیا کہ لڑائی کے لیے تیّار رہیں۔

عمرو کی عیّاریاں

نوشیروان کے لشکر میں سُلطان سرپہنہ اور نبیش دیوانہ کی خُوب خاطر تواضع ہو رہی تھی۔ ذوپین نے نوشیروان کو یہ یقین دلایا تھا کہ اِن دونوں سے زیادہ طاقت وَر اور جری پہلوان رُوئے زمین پر کوئی اور نہیں ہے اور جب امیر حمزہ اِن سے پنجہ لڑائے گا تب اُسے معلُوم ہو گا کہ وُہ کتنے پانی میں ہے۔

ایک روز طبلِ جنگ بجوایا گیا۔ ہرکاروں نے امیر حمزہ کو خبر دی کہ دُشمن نے لڑائی کا اِعلان کر دیا ہے۔ امیر حمزہ نے حُکم دیا کہ ہماری طرف سے بھی نقّارے بجائے جائیں اور فوج میدان میں نکل کر صفیں باندھ لے۔ پھر اُنھوں نے اپنے ہتھیار بدن پر سجائے اور اشقر دیو زاد پر سوار ہو کر میدان میں آئے اُن کے دائیں بائیں لندھوَر، بہرام، مُقبل وفادار، بخت مغربی، اِستنقتانوش اور صدف نوش چٹانوں کی طرح کھڑے تھے۔

نوشیروان کا لشکر بھی میدان میں دُھوم دھام سے اُترا اور

نعرے لگانے لگا۔ اِتنے میں سُلطان سربرہنہ میدان میں آیا اور حمزہ کا نام لے کر آواز دی کہ بہادر ہو تو میرے مُقابلے میں آؤ۔ امیر حمزہ اشقر دیوزاد کو چمکا کر نکلے۔ سُلطان سربرہنہ نے اُنھیں حقارت کی نظر سے دیکھا اور کہا:

"میں نے حمزہ کو مُقابلے کے لیے بُلایا ہے۔ اُسے بھیجو۔"

"میں حمزہ بن عبدالمُطّلِب ہُوں۔"

"تُم"؟ سُلطان سربرہنہ حیرت سے چِلّا اُٹھا۔ "تُم تو مُجھے کسی رُخ سے بھی پہلوان نظر نہیں آتے۔"

"زیادہ باتیں نہ بناؤ اور جو خُوبی رکھتے ہو، وہ دِکھاؤ۔" امیر حمزہ نے کہا۔

یہ سُن کر سُلطان سربرہنہ جوش میں آیا اور کہنے لگا: "اے حمزہ، مُجھے تیری جوانی پہ ترس آتا ہے کہ خواہ مخواہ میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ بہتر ہے پہلے سراندیپ کے راجہ لندھور یا خاقانِ چین بہرام کو مُجھ سے لڑنے کے لیے بھیج۔ وُہ دونوں واقعی بہادُر پہلوان ہیں۔"

"معلُوم ہُوا کہ تُو بُہت بُزدِل ہے۔ صِرف زبان چلانی جانتا ہے۔ میں سمجھتا تھا کوئی نامی پہلوان ہو گا۔ تجھ سے لڑنے کے لیے لندھور یا بہرام کو آنے کی ضرُورت نہیں۔ کبھی آئینے میں شکل بھی دیکھی ہے؟" عمرو عیّار نے اپنی صف سے نِکل کر کہا۔

سُلطان سربرہنہ نے عمرو کی جانب دیکھ کر کہا ۔" یہ گستاخ کون ہے ؟ ابھی اِسے مزا چکھاتا ہُوں "۔

یہ کہہ کر عمرو کی طرف جھپٹا مگر عمرو وار بچا کر اُچھلا اور ایک لات اِس زور سے سُلطان کے سینے پہ جمائی کہ وُہ گھوڑے سے اُلٹ کر زمین پہ اوندھے مُنہ گِرا ۔ عمرو نے قہقہہ لگایا اور کہا ۔" کیوں ؟ کیسی رہی ؟ ــــ ایک گُستاخی اور کروں ؟ "

اب تو سُلطان سربرہنہ کے غُصّے کی حد نہ رہی ــ غیظ و غضب کی تصویر بن کر نیزہ اُٹھایا اور امیر حمزہ پہ حملہ کیا ۔ اُنھوں نے تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کا نیزہ کاٹ ڈالا ۔ سُلطان نے جُھنجھلا کر میان سے تلوار کھینچی ۔ تھوڑی دیر تک دونوں میں تلوار بازی ہوتی رہی ۔ آخر حمزہ نے باڑھ بچا کر قبضے پر ہاتھ ڈال دیا اور جھٹکا دے کر تلوار چھین لی ۔ سُلطان سربرہنہ حواس باختہ ہو کر اُلٹے پیروں بھاگنے لگا مگر حمزہ نے اُسے بھاگنے کا موقع ہی نہ دیا ۔ کمر میں بندھی ہُوئی پیٹی سے پکڑ کر اُٹھا لیا سر سے بلند کر کے تین چکّر دیئے اور زمین پہ دے مارا ۔ اسی وقت عمرو عیّار دوڑا ہُوا آیا ۔ سُلطان کی چھاتی پہ چڑھ کر اُس کی مُشکیں باندھ لیں اور ڈنڈا ڈولی کر کے اپنے لشکر میں لے گیا ــــ

تپش دِیوانہ یہ سب کارروائی دیکھ رہا تھا ۔ وُہ نعرے مارتا

ہُوا میدان میں آیا اور اِس تیزی سے تلوار چلانی شروع کی کہ امیر حمزہ بھی گھبرا گئے ۔ تپش دیوانہ تلوار چلا چلا کر جب تھک گیا اور امیر حمزہ کے ایک زخم بھی نہ آیا تو اُس نے تلوار پھینک دی اور آگے بڑھ کر گتھم گتھا ہو گیا ۔ تب امیر حمزہ کو اندازہ ہُوا کہ دیوانے کے جسم میں بڑی جان ہے اور وُہ کشتی کے داؤ پیچ بھی اچھّی طرح جانتا ہے ۔ بُہت دیر تک دونوں میں کانٹے کی کشتی ہُوئی ۔ کبھی امیر حمزہ اُسے دھکیلتے ہُوئے دُور تک لے جاتے اور کبھی وُہ حمزہ کو پیلتا ہُوا چلا جاتا ۔

یکایک امیر حمزہ نے ایک زور دار گھُونسا دیوانے کی کمر پر مارا ۔ وُہ تکلیف سے دوہرا ہو گیا ۔ حمزہ نے لات مار کر اُسے نیچے گرا دیا اور گھُونسے مار مار کر بے دم کر دیا ۔ عَمرو عیّار دوڑا دوڑا آیا ۔ تپش دیوانے کو بھی باندھا اور گھسیٹ کر اپنے لشکر میں لے گیا ۔

جب نوشیرواں کے یہ دونوں نامی گرامی پہلوان شکست کھا کر گرفتار ہُوئے تو زوبین اور بیزن نے اپنے لشکر کو حُکم دیا کہ حملہ کر دو ۔ اُس کی فوج آندھی طوفان کی طرح اُمڈی اور امیر حمزہ کی فوج پر آن پڑی ۔ میدانِ کار زار گرم ہُوا ۔ سر دھڑ کی بازی لگنے لگی اور خُون کی ندّیاں بہہ نکلیں ۔ امیر حمزہ کے ساتھی بہُت دِن سے جنگ کی آرزُو رکھتے تھے ۔ اُنھوں نے خُوب جی کے

حوصلے نکالے۔ اور ایک ایک بہادر نے کشتوں کے پشتے لگا دیے آخر نوشیروان کے لشکر کے قدم اُکھڑ گئے اور اُس کے سپاہی ہتھیار پھینک پھینک کر امان طلب کرنے لگے۔

یہ دیکھ کر نوشیروان، بختک، ژوپین، بیژن اور بہمن کے ہاتھ پاؤں پھُول گئے اور اُنھوں نے بھاگنے ہی میں عافیت سمجھی خضران شاہ کہنے لگا:

"جہاں پناہ، میری رائے یہ ہے کہ جنگ کا پانسا پلٹنے سے پہلے ہی آپ یہاں سے نکل جائیں۔ مُلک اِصفہان کو سیدھا راستہ جاتا ہے۔ وہاں کا حاکم مندیل اِصفہانی ہے۔ وُہ آپ کو پناہ دے گا۔"

یہ سب لوگ گھوڑوں پر سوار ہُوئے اور تیزی سے اِصفہان کی جانب روانہ ہو گئے۔ اِدھر جب امیر حمزہ فاتح بن کر قلعہ کاشمیر میں داخل ہُوئے تو خضران شاہ دست بستہ حاضر ہُوا، اور رو رو کر کہنے لگا:

"حضُور، میری سلطنت نوشیروان نے تباہ کر دی۔ میں نے اُس کو اِتنا سمجھایا مگر اُس نے ایک نہ سُنی۔ آخر اِس انجام کو پہنچا۔ اب وُہ اِصفہان گیا ہے۔ ژوپین، بیژن اور بہمن بھی اُس کے ساتھ ہیں۔"

" خضران شاہ کی یہ باتیں سُن کر امیر حمزہ نے قہقہہ لگایا۔

اور کہا۔" زیادہ مکر کرنے کی کوشش نہ کرو۔ خضران شاہ۔ ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ یہ سب کیا دھرا تمھارا ہی ہے اور تمھی نے مرزوق جادوگر کو بلا کر ہمیں گرفتار کرایا تھا۔"

اب تو خضران شاہ کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ قضا سر پر کھیلنے لگی۔ روتا ہوا امیر حمزہ کے قدموں پر گرا اور کہنے لگا" حضور، مجھے معاف کر دیجیے۔ آیندہ سے آپ کا غلام ہوں۔" امیر حمزہ نے اُسے معاف کیا اور چند روز کے لیے قلعہ کاشمیر میں ٹھہر گئے۔

اُدھر نوشیرواں اصفہان پہنچا۔ مندیل اصفہانی نے جب سُنا کہ شہنشاہ ہفت کشور آتا ہے تو وہ فوراً اُس کے استقبال کو آیا اور نہایت عزّت سے اپنے محل میں لے گیا۔ رات کو جب سب لوگ شاہی دسترخوان پر کھانا کھانے بیٹھے تو نوشیرواں نے ٹھنڈی آہ بھری اور گردن جھکا لی۔ مندیل نے حیران ہو کر کہا:

" اے بادشاہ، خیر تو ہے۔ آپ نے یہ سرد آہ کیوں کھینچی؟"

نوشیرواں نے رومال سے آنکھیں پونچھتے ہوئے جواب دیا:

" اے مندیل، کوئی بہادر ایسا پیدا نہ ہوا کہ حمزہ کو زیر کرتا۔"

یہ سُن کر مندیل ہنسا اور کہنے لگا" جہاں پناہ، آپ ہرگز غم نہ کریں۔ میں حمزہ کو زیر کر دوں گا۔" نوشیرواں یہ سُن

کر خوش ہُوا اور مندیل کی تعریف کرنے لگا۔

غرض اِسی طرح کئی دِن گزر گئے۔ اِدھر امیر حمزہ نے عادی پہلوان کو بُلا کر حکم دیا کہ اصفہان کی جانب کوچ کیا جائے تاکہ ہم اپنے دشمنوں سے جنگ کریں۔ عمرو عیّار کہنے لگا:

"اے حمزہ، میں چاہتا ہُوں کہ آپ مجھ کو پہلے رخصت کریں تاکہ میں اِصفہان پہنچ کر وہاں کے حالات کا جائزہ لُوں اور دیکھوں کہ وُہ لوگ کیا تیاریاں کر رہے ہیں۔ اِس کے علاوہ میں نے سُنا ہے کہ اِصفہان میں ایک بڑا نامی گرامی عیّار رہتا ہے۔ اُس کو گُل باد عراقی کہتے ہیں۔ چار ہزار اُس کے شاگرد ہیں۔ میری خواہش ہے کہ گُل باد عراقی سے مقابلہ کر کے اُسے شکست دُوں اور اِن عیّاروں کو اپنے قبضے میں لاؤں"

عمرو کی یہ باتیں سُن کر امیر حمزہ مُسکرانے لگے اور کہا کہ اچھا، تجھے وہاں جانے کی اِجازت ہے۔ لیکن خبردار کوئی ایسی حرکت نہ کیجیو جس سے ہماری عزّت میں حرف آئے اور لوگ کہیں کہ حمزہ کے دوست ایسے ہیں۔

عمرو عیّار خوشی خوشی اِصفہان کو روانہ ہُوا اور مہینوں کا سفر دِنوں میں طے کر کے منزل پر پہنچا۔ دیکھا کہ شہر میں بڑی دُھوم دھام ہے۔ وُہ بھیس بدل کر سیدھا مندیل اِصفہانی کے دربار میں گیا۔ وہاں نوشیرواں تختِ سلطنت پہ بیٹھا نظر آیا

اور بختک اُس کے دائیں ہاتھ ایک عالی شان کُرسی پر بیٹھا مُونچھوں کو تاؤ دیتا تھا۔ عمرو نے دِل میں کہا خُوب ٹھاٹ ہیں۔ اچھّا تُم سب کی خبر نہ لی تو کچُھ کام نہ کیا۔ ٹہلتے ٹہلتے دربار سے نِکلا، بازار میں آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ بُہت سے مزدُور سروں پر بوریاں اُٹھائے جاتے ہیں۔ عمرو نے ایک مزدُور سے پُوچھا کہ اِن بوریوں میں کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ "بختک وزیر کا بیٹا بختیارک سیر کرنے گیا ہے۔ کھانا پکنے والا ہے۔ اِن بوریوں میں نمک ہے۔

عمرو نے ہمدردی سے کہا۔ "اے بھائی، تُم تھک گئے ہو گے۔ لاؤ۔ یہ بوری میرے سر پہ رکھ دو۔ میں پہنچا دُوں گا۔"

مزدُور یہ سُن کر خُوش ہُوا اور نمک کی بوری عمرو کے سر پہ رکھ دی۔ تب عمرو آہستہ آہستہ ان مزدُوروں کے پیچھے چلا۔ راستے میں موقع دیکھ کر بوری کھولی اور نمک میں بے ہوشی کی دَوا مِلا دی۔ پھر سیرگاہ پہ آیا۔ وہاں بختک کا بیٹا بختیارک دوستوں کے ساتھ ایک بارہ دری میں بیٹھا قہقہے لگا رہا تھا۔ ایک جانب دیگیں چُولہوں پہ چڑھی تھیں اور طرح طرح کے لذیذ کھانے پک رہے تھے۔ عمرو نے نمک کی وُہ بوری باورچیوں کو دی اور اُنھوں نے وُہ نمک دیگوں میں مِلا دیا۔ جب کھانا تیّار ہُوا اور دسترخوان بچھا تو بختیارک اور اس کے یار دوست

کھانے بیٹھے۔ پھر نوکر چاکروں نے بھی اپنے اپنے دسترخوان بچھائے۔ لیکن سب کے سب کھانا کھاتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ عمرو نے جھٹ بختیارک کے کپڑے اُتار کر خود پہن لیے اپنی صُورت بھی ویسی ہی بنا لی اور اصلی بختیارک کو لکڑی کے ایک صندُوق میں بند کر دیا۔ اس کے بعد سب کو ہوش میں لایا اور کہنے لگا:

"خُدا معلُوم اس کھانے میں کس نے بے ہوشی کی دَوا مِلا دی ہے۔ جی اُچاٹ ہو گیا۔ چلو اب شہر میں چلتے ہیں۔"

سب آدمی قلعے میں آئے۔ نقلی بختیارک اپنے باپ بختک کے پاس گیا۔ اُس نے محبّت سے پُوچھا۔ "اے بیٹا، کہاں گئے تھے؟"

"ابّا جان، ذرا سیر کرنے گیا تھا لیکن کھانے میں کسی کم بخت نے بے ہوشی کی دَوا مِلا دی۔ سب مزا کِرکِرا ہو گیا۔"

یہ سُن کر بختک کا دِل دَھک دَھک کرنے لگا۔ سمجھ گیا کہ یہ حرکت عمرِو عیّار کے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا۔ مگر یہ اُس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اُس کے سامنے عمرِو عیّار ہی بختیارک بن کر کھڑا ہُوا ہے۔ آخر اُس نے نوشیرواں کے کان میں کہا:

"حضور، غضب ہو گیا۔ عمروعیّار اِصفہان میں آن پہنچا۔"

نوشیروان کا چہرہ بھی خوف سے اُتر گیا۔ قریب ہی اِصفہان کا وزیرِ اعظم مہلیل جنگ بھی بیٹھا تھا۔ اُس نے نوشیرواں کو پریشان دیکھا تو کہا:

"جہاں پناہ، کچھ گھبرائے گھبرائے سے نظر آتے ہیں خیریت تو ہے؟ کیا دُشمنوں کا مزاج کچھ ناساز ہے؟"

"اے مہلیل، کیا بتاؤں۔ ابھی ابھی بختک نے بتایا ہے کہ عُمروعیّار اِصفہان میں آن پہنچا ہے۔ یہ شخص چھلاوا ہے۔ کاش اسے کوئی گرفتار کرتا۔"

مہلیل نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا "جہاں پناہ، عمروعیّار کی کیا حقیقت ہے۔ آپ نے ہمارے عیّار گُل باد عراقی کو شاید نہیں دیکھا۔ عمروعیّار جیسے نہ معلُوم کتنے جُوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں۔"

"اُسے فوراً بُلاؤ۔" نوشیرواں نے کہا۔ "عمرو سے نپٹنے کے لیے ایسے ہی آدمی کی ضرورت ہے۔"

اُسی وقت گُل باد عراقی کو طلب کیا گیا۔ وُہ دربار میں آیا پہلے نوشیرواں کو سجدہ کیا۔ پھر اُس کے قدموں کو بوسہ دیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا رہا۔ مہلیل نے بختک سے کہا:

"کیوں جناب، آپ نے ہمارے عیّار کو دیکھا؟"

"ہاں صاحب، دیکھا ــ یہ زبردست آدمی ہے۔ مگر عمرو کے کاٹے کا بھی منتر نہیں ہے۔ مُوذی نے اٹھارہ برس سے ہمارے شہنشاہ کو پریشان کر رکھا ہے۔"

یہ سُن کر گُل باد عراقی نے کہا۔ "جنابِ والا، میں نے بڑے بڑوں کو نیچا دِکھایا ہے۔ عمرو کو مارنا تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ ذرا سامنے آئے تو اُسے پتا چلے کہ کتنے پانی میں ہے۔"

"بے شک۔" بختک نے کہا۔ "یہ بھی ممکن ہے کہ عمرو اِس وقت یہاں دربار میں موجُود ہو۔"

یہ سُن کر سب نے بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا مگر عمرو کہیں نظر نہ آیا۔ مہلیل جنگ کہنے لگا:

اے بختک تُو ہم سے مذاق کرتا ہے بھلا عمرو کی کیا مجال کہ اِس دربار میں قدم بھی رکھ سکے۔"

"جناب، آپ ہیں کس خیال میں۔" بختک نے کہا۔ "عمرو بہتّر [72] قِسم کی صُورتیں بدل سکتا ہے۔ اِس وقت کسی اور بھیس میں ہوگا۔ اُسے پہچاننا خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔"

اب تو دربار میں سنسنی پھیل گئی۔ مہلیل جنگ نے چاروں طرف دیکھا۔ پھر اُونچی آواز میں کہا:

"اگر اِس دربار میں عمرو عیّار موجُود ہے تو اپنی اصلی صُورت دِکھائے۔ ہمارا اُس سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ جو کچھ لڑائی ہے،

وُہ امیر حمزہ اور نوشیرواں کے درمیان ہے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ عمَرو کو پریشان نہ کریں گے۔"

مہلیل جنگ نے ابھی یہ کلمہ مُنہ سے نکالا ہی تھا کہ نقلی بختیارک اُٹھ کھڑا ہُوا۔ بختک نے کہا۔" اے بیٹے، کہاں چلے؟" بختیارک نے مُسکرا کر جواب دیا۔" ذرا مہلیل جنگ کو اپنی صُورت دِکھا دُوں۔"

یہ سُن کر بختک کے ہوش اُڑ گئے۔ بے اختیار چلّا اُٹھا۔" اے عمَرو، تیری مٹّی پلید ہو۔ میرے بیٹے بختیارک کا کیا حشر کیا؟"

" زیادہ غُل نہ مچا ــــ تیرا بیٹا سلامت ہے۔" عمَرو نے کہا۔ پھر ہنستا ہُوا مہلیل جنگ کے قریب آیا اور بولا۔" لیجیے جناب، عمَرو عیّار آپ کی خدمت میں حاضر ہے اور یہ اُس کی اصلی صُورت ہے۔"

دربار میں شور مچا۔ ژوپین اور بیژن کہنے لگے، پکڑو اِس بے ایمان کو ــــ ہتھیار بند غُلام چاروں طرف سے عمَرو کی طرف بڑھے لیکن مہلیل جنگ نے اُنھیں ڈانٹ کر واپس بھیجا اور کہنے لگا:

" ہم نے عمَرو سے جو وعدہ کیا ہے اُسے پُورا کریں گے۔ خبردار، کوئی شخص دربار میں عمَرو کو نُقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔"

یہ کہہ کر وہ عمرو کی جانب چلا اور نزدیک جا کر بولا۔ "اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم اکیلے اصفہان کیسے آ گئے؟"

"میں نے گُل باد عراقی کی تعریف سُنی ہے۔" عمرو نے جواب دیا۔ "اس کا امتحان کرنے آیا ہوں کہ وہ عیّاری میں کیسا ہے۔"

یہ سُن کر گُل باد عراقی جوش میں آیا اور کہنے لگا۔ "اے عمرو، تیری کیا حیثیت ہے جو میرا امتحان لینے آیا ہے۔ میرے سامنے بڑے بڑے عیّار پانی بھرتے ہیں۔ میں سینکڑوں کو باندھ چکا ہوں۔ خیر اسی میں ہے کہ واپس چلا جا، ورنہ مار کھائے گا۔"

عمرو نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے تُو صرف باتیں بنانا جانتا ہے۔ اپنی عیّاری کا کوئی کمال دکھا۔ تب مانوں کہ تُو سچ کہتا ہے یا جھوٹ۔"

"بہت اچھا، تیری یہ خواہش پوری کی جائے گی۔" گُل باد عراقی نے جواب دیا۔ "اب تُو چُپ چاپ یہاں سے نکل اور شہر سے باہر چلا جا۔ اس کے بعد اگر کسی بھی صورت سے شہر میں گھس آئے تو میں زندگی بھر کے لیے تیرا غلام بن جاؤں گا۔"

عمرو دربار سے نکل کر شہر کے باہر گیا۔ گُل باد عراقی نے اُسی وقت شہر کے آٹھوں دروازے بند کرائے اور اُن میں زبردست قفل ڈال دیے۔ صرف ایک دروازہ کھلا رہنے دیا اور آپ اس دروازے پر ہوشیاری سے بیٹھا۔ پھر شہر کے ارد گرد کھدی

ہوئی خندق میں پانی بھروایا اور چار ہزار عیّار آٹھوں دروازوں
کے بُرجوں پر پہرے کے لیے مُقرّر کیے۔ عمرِو عیّار پانچ روز
تک پھرتا رہا۔ لیکن شہر میں داخل ہونے کی راہ نہ پائی۔ اِتّفاق
سے ایک قافلہ وہاں آیا۔ اِس قافلے میں خواجہ داراب بھی شامل
تھا۔ یہ ایک بڑا تاجر تھا جو لاکھوں روپے کا سامانِ تجارت لے
کر مُختلف مُلکوں اور شہروں میں جایا کرتا تھا۔ خواجہ داراب کے
کاروبار میں گُل باد عراقی بھی شریک تھا۔ عمرِو عیّار صُورت بدل
کر اِس قافلے میں آیا اور سیر کرنے لگا۔ اِتنے میں اُس نے
اپنے ایک پُرانے دوست سرہنگ مصری کو دیکھا۔ تب عمرِو نے
سرہنگ مصری کو اپنی اصلی شکل دِکھائی اور کہا کہ گُل باد عراقی
نے شہر کے تمام دروازے بند کرا دِیے ہیں۔ لیکن مُجھے شہر
کے اندر جانا ہے۔ تُم مدد کرو۔ سرہنگ مصری تیّار ہو گیا۔
عمرِو نے اُسے ایک سوداگر کا لباس پہنایا اور سِکھا پڑھا کر خواجہ
داراب کے خیمے پر آیا۔ داراب نے سرہنگ مصری کی تعظیم
کی۔ پھر پُوچھا:

"فرمائیے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہُوں؟"

"جنابِ عالی، میں بھی آپ کی طرح ایک سوداگر ہُوں۔ میرا
مال اسباب راستے میں ڈاکوؤں نے لُوٹ لیا۔ فقط ایک غُلام
میرے پاس رہ گیا ہے۔ یہ بڑا صاحبِ کمال ہے۔ گاتا خُوب

ہے اور ساز بھی عُمدہ بجاتا ہے۔ بہادُر بھی ہے اور ایمان دار بھی ـــ اگر آپ چاہیں تو اِس غُلام کو خرید سکتے ہیں۔"

خواجہ داراب غُلام کی یہ خُوبیاں سُن کر بے حد خُوش ہُوا اور کہنے لگا۔ "وُہ غُلام کہاں ہے۔ فوراً بُلاؤ۔ میں اُسے خریدوں گا ـــ"

تب سرہنگ مصری نے عَمرو عیّار کو پیش کیا۔ وُہ سامنے آیا اور جُھک کر نہایت ادب سے داراب کو سلام کیا۔ پھر اپنا اِک تارا نکال کر اِس خُوبی سے بجایا کہ داراب جُھومنے لگا۔ غرض اُس نے مُنہ مانگی قیمت دے کر اُس غُلام کو سرہنگ مصری سے خرید لیا۔

اُدھر گُل باد عراقی کو معلُوم ہُوا کہ داراب سوداگر قافلے کے ساتھ آیا ہے۔ گُل باد نے اپنے عیّاروں سے کہا کہ داراب کو شہر میں آنے دو۔ اِس طرح عَمرو عیّار بھی داراب کے ساتھ آسانی سے شہر میں داخل ہو گیا اور کِسی نے اُس پر شک نہ کیا ـــ

داراب نے دیکھا کہ شہر میں افراتفری پھیلی ہُوئی ہے۔ جگہ جگہ پہرے دار ہتھیار لیے کھڑے ہیں اور ہر آنے جانے والے کی چھان بین کر رہے ہیں۔ اُس نے گُل باد عراقی سے پُوچھا یہ کیا ماجرا ہے؟ گُل باد نے عَمرو عیّار کی سب حقیقت

بیان کی۔ پھر کہنے لگا:

"تمہارے ساتھ اِس مرتبہ ایک غُلام نیا آیا ہے۔ یہ کون ہے اور اِسے کہاں سے لائے ہو؟"

داراب نے عَمرو کی طرف دیکھ کر جواب دِیا۔ "اے گُل باد میں ایک دُور دراز کے علاقے میں گیا تھا۔ وہیں سے یہ غُلام ہاتھ لگا ہے۔ نہایت باکمال آدمی ہے۔ اِس میں بہت سی خُوبیاں ہیں۔ اعلٰی درجے کا گوّیا ہے اور ساز تو ایسا بجاتا ہے کہ رُوئے زمین پر کوئی دُوسرا ایسا نہ بجاتا ہوگا۔"

غرض اِس غُلام کی اِتنی تعریفیں کیں کہ گُل باد عراقی بےقرار ہو گیا۔ کہنے لگا:

"یہ غُلام میرے ہاتھ بیچ دو، ورنہ بادشاہ نے دیکھ لیا تو اسے ہتھیا لے گا۔"

داراب راضی ہو گیا اور بیس ہزار اشرفیوں کے عوض غُلام کو گُل باد کے حوالے کر دِیا۔ گُل باد نے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ غُلام کو میرے گھر چھوڑ آؤ۔ عَمرو عیّار گُل باد کے گھر پہنچ گیا۔ گُل باد کی بیوی کا نام خُوبک تھا۔ نہایت بد مزاج اور پھوہڑ عورت تھی اور گھر کے سب نوکر چاکر اُس سے ڈرتے تھے۔ عَمرو نے جاتے ہی بڑی عاجزی سے خُوبک کو سلام کِیا۔ پھر اُس کی جُوتیاں صاف کر کے قاعدے سے رکھیں۔ یہ دیکھ

کر خُوبک خُوش ہُوئی اور کہنے لگی :

"ہاں، یہ غُلام سمجھ دار اور ہوشیار نظر آتا ہے"

عَمرو نے پھر سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا رہا۔ جب وہ مُنہ ہاتھ دھونے کے ارادے سے اُٹھی تو عَمرو نے جلدی سے لوٹے میں پانی بھر کر اُس کے آگے رکھا اور رُومال لے کر مکھیاں جھلنے لگا۔ اِس کے ساتھ ساتھ اُس نے گانا بھی شروع کر دیا اور اِس خُوبی سے گایا کہ خُوبک عش عش کر اُٹھی۔ کہنے لگی۔ "اے غُلام تُو نے مُجھے خُوش کیا۔ میں بھی تُجھے تکلیف نہ دُوں گی اور گُل باد سے تیری تعریف کرُوں گی۔ مُجھے یقین ہے کہ وُہ تُجھے تمام غلاموں کا سردار بنا دے گا"

شام کو گُل باد عراقی اپنے گھر میں آیا تو دیکھا کہ اُس کی بیوی بے حد خُوش ہے۔ اُس نے نئے غُلام کی بڑی تعریف کی۔ اُس کی خدمت گُزاری کا ذِکر کیا اور آخر میں کہا :

"یہ غُلام اِس قابل ہے کہ اِسے سب نوکروں کا سردار بنایا جائے۔"

گُل باد عراقی بھی خوش ہُوا اور کہنے لگا "اگر تُم یہ چاہتی ہو تو آج سے ہم نے اِسے تمام نوکروں کا سردار بنایا۔"

تب عَمرو نے جُھک جُھک کر دونوں میاں بیوی کو سلام کیا۔ جب آدھی رات ہُوئی اور سارا گھر سو گیا تو عَمرو اپنے

بستر سے اُٹھا اور اُس کمرے میں آیا جس میں گُل باد سو رہا تھا
دوائے بے ہوشی سُنگھا کر اُسے بے ہوش کیا۔ پھر خُوبک کے
کمرے میں گیا۔ اُسے بھی بے ہوش کیا۔ اُس کے بعد خُوبک کی
شکل اور لباس تبدیل کر کے گُل باد عراقی بنایا اور گُل باد عراقی
کی ڈاڑھی مونچھیں مونڈ کر اُسے خُوبک بنا دیا۔ پھر گھر کا سارا
قیمتی سامان سمیٹ کر اپنی زنبیل میں ڈالا، ایک رُقعہ لکھ کر
گُل باد کے گلے میں ڈالا اور رفُو چکّر ہو گیا۔

صُبح سویرے گُل باد اور خُوبک ہوش میں آئے اور دونوں
ایک دُوسرے کو دیکھ کر حیران ہُوئے۔ گُل باد نے دِل میں
کہا کہ یہ میری شکل صُورت کا دُوسرا شخص کہاں سے آیا، اور
خُوبک کو غُصّہ آیا کہ میری جیسی یہ عورت گھر میں کیسے آئی۔ یہ
سوچتے ہی اُس نے ایک دوہتّڑ گُل باد کے مارا اور چیخ کر
بولی:

"جلد بتا تُو کون ہے اور کہاں سے آئی ہے؟"

تب گُل باد اپنی آواز میں کہنے لگا۔ "اے نیک بخت،
ہوش کی دوا کر مُجھے کیوں مارتی ہے۔ میں تو تیرا شوہر گُل باد
ہُوں لیکن ذرا اپنی شکل تو آئینے میں دیکھ۔ بالکُل میرا حُلیہ بنایا
ہے۔"

آئینہ منگا کر دونوں نے اپنے حُلیے دیکھے تو سخت بدحواس

ہُوئے اور نوکروں پر برسنے لگے کہ یہ حرکت کس نے کی ہے۔
سب نے کانوں پر ہاتھ رکھے اور کہا ہمیں معلوم نہیں ۔تب
گُل باد نے حُکم دیا کہ نئے غُلام کو حاضر کرو۔ شاید اُسے کچھ
معلوم ہو۔تھوڑی دیر بعد نوکر دُہائی دیتے ہُوئے آئے اور
بتایا کہ غضب ہو گیا۔گھر کا سب قیمتی سامان غائب ہے اور
نئے غُلام کا بھی پتا نہیں۔ اب تو گُل باد عراقی کے غُصّے کی اِنتہا
نہ رہی۔طیش میں آن کر اپنا گریبان نوچ ڈالا۔ اچانک کاغذ کا
وہ پُرزہ ہاتھ میں آیا جو عُمرو اُس کے گلے میں باندھ گیا تھا۔
گُل باد نے اُس کاغذ پہ نظر ڈالی تو خوف سے کانپ اُٹھا اُس
میں لکھا تھا:

گُل باد عراقی کو معلوم ہو کہ میں شہر میں آ گیا ہُوں اور
سارا دِن اب تُمھارے گھر میں رہنے کے بعد جا رہا ہُوں —
تُمھاری زِندگی میرے رحم وکرم پر تھی۔ چاہتا تو ایک آن میں
موت کے گھاٹ اُتار دیتا ، مگر میں نے تُمھیں حقیر سمجھ کر چھوڑ
دیا——

عُمرِو عیّار

ابھی بے چارہ گُل باد اپنے حواس دُرست کرنے بھی نہ پایا
تھا کہ ایک غُلام آیا اور اُس نے کہا کہ مہلیل جنگ ، بختک اور
شہزادہ ہُرمُز اُس کے گھر آ رہے ہیں۔گُل باد نے کپڑے سے

اپنا چہرہ چھپایا اور اِن لوگوں کے استقبال کو مکان سے باہر نکلا۔ مہلیل، بختک اور ہرمز نے جب گل باد کا یہ حلیہ دیکھا تو قہقہے مارنے لگے اور کہا:

"اے عیّار، تیرا یہ حلیہ کس نے بنایا؟"

گل باد نے شرم سے گردن جھکا لی۔ پھر کہا "یہ سب عمرو عیّار کی شرارت ہے۔ بہرحال اب وُہ شہر میں آ گیا ہے۔ میں اُسے گھیر کر پکڑوں گا اور ایسی سزا دُوں گا کہ مرتے دم تک یاد رکھے گا۔"

چند روز بعد گل باد نقلی ڈاڑھی اور مونچھیں لگا کر شہر میں نکلا اور عمرو کی تلاش میں پھرنے لگا۔ کئی آدمیوں پر عمرو ہونے کا شک گزرا مگر دیکھ بھال کے بعد اُنھیں چھوڑ دیا۔ آخر تھک ہار کر ایک کوتوالی کے چبوترے پر آن کر بیٹھ گیا اور آنے جانے والوں کو کڑی نظروں سے دیکھنے لگا۔

ناگہاں ایک قلندر کو دیکھا کہ جھومتا ہُوا چلا آتا ہے ——
گل باد نے اِس سے پہلے اس قلندر کو شہر کے اندر کبھی نہ دیکھا تھا۔ دِل میں کہنے لگا، یہ ضرور عمرو عیّار ہے۔ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پُکار کر کہا:

"اے قلندر، کدھر جاتا ہے؟ ذرا اِدھر تو آ۔ تجھ سے ایک کام ہے۔"

قلندر نے گُل باد کو دیکھا اور قہقہہ لگا کر بولا "ہم تیرے نوکر نہیں ہیں۔ تُو خود ہمارے پاس آ۔"

گُل باد نے عمرو کی آواز پہچان لی۔ خنجر نکال کر دوڑا۔ عمرو بھی بے تحاشا بھاگا۔ گُل باد چیخنے لگا: "دوڑو...... پکڑو...... جانے نہ پائے......" گُل باد کی چیخ پکار سُن کر بہت سے لوگ چونکے اور قلندر کے پیچھے بھاگے۔ مگر وہ کسی کے ہاتھ نہ آیا اور ایک مکان کی چھت پر چڑھ کر منہ چڑانے لگا۔ اِتنے میں گُل باد کے شاگرد بھی آن پہنچے اور اُنھوں نے عمرو کو پکڑنے کی کوشش کی، مگر وہ ایک کوٹھے سے دُوسرے پر اور دُوسرے سے تیسرے کوٹھے پر جا نکلا۔ اِس طرح سارے شہر کی چھتیں پھلانگیں۔ اُس کا پیچھا کرنے والے مایُوس ہو کر لوٹ گئے۔

تب عمرو نے ایک مکان میں جھانکا۔ نیچے صحن میں ایک عورت کھڑی تھی۔ اُس نے نظریں اُوپر اُٹھائیں تو حیرت سے چِلّا اُٹھی:

"اے عمرو بھائی، تُم یہاں کیسے؟"

اصل میں یہ گھر عمرو عیّار کی سگی بہن سمینہ کا تھا اور وُہ مُدّت سے اِصفہان میں رہتی تھی۔ عمرو اپنی بہن کو دیکھ کر بے حد خُوش ہُوا۔ نیچے اُتر آیا اور سارا قِصّہ کہہ سُنایا۔ سمینہ کہنے لگی:

"میں نے تمہارے آنے کی خبر سن لی تھی او..اپنے شوہر کو تمہاری تلاش میں بھیجا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم ظالموں کے ہتھے نہیں چڑھے اور صحیح سلامت یہاں آ گئے۔"

عمرو کہنے لگا۔ "گل باد عراقی میری تلاش میں ہے۔ اُس کے چار ہزار شاگردوں نے مجھے گھیر لیا تھا۔ بڑی مشکلوں سے اُن بدبختوں کو غچا دے کر آیا ہوں۔"

سمینہ بانو نے کنیزوں سے کہا کہ جلد گرم پانی لاؤ اور میرے بھائی کے ہاتھ پیر دھلاؤ، پنکھا جھلو اور اُن کے لیے کھانا تیار کرو۔

عمرو ابھی دسترخوان پہ بیٹھا ہی تھا کہ دس بارہ سال کا ایک لڑکا سامنے آیا اور ماموں ماموں کہتا ہوا عمرو سے لپٹ گیا۔ سمینہ بانو نے کہا۔ "بھیا، یہ تمہارا بھانجا ابوالفتح ہے۔"

عمرو اُسے دیکھ کر بے حد خوش ہوا اور سینے سے لگا کر پیار کیا۔ اِس دوران میں لڑکے نے نہایت چالاکی سے ایک قیمتی انگوٹھی عمرو کی انگلی سے نکال لی۔ عمرو کو پتا بھی نہ چلا کھانے سے فارغ ہو کر جب ہاتھ دھونے لگا تو دیکھا کہ انگوٹھی غائب ہے۔ سخت حیران ہوا کہ انگوٹھی کہاں گئی۔ سمینہ بانو نے پوچھا۔ "اے بھائی، اِس قدر فکرمند کیوں ہو؟"

عمرو نے کہا۔ "جب میں یہاں آیا تھا، اُس وقت میرے

دائیں ہاتھ کی اُنگلی میں ایک قیمتی انگوٹھی تھی۔ اب دیکھتا ہوں تو غائب ہے۔"

یہ سُن کر ابُوالفتح نے قہقہہ لگایا۔ پھر جیب سے انگوٹھی نکال کر عمرو کو دیتے ہُوئے بولا۔" ماموں جان، دیکھیے یہ انگوٹھی آپ کی تو نہیں ہے؟ میں تو سُنتا تھا کہ آپ بڑے عیّار، چالاک اور ہوشیار ہیں۔ لیکن میں نے انگوٹھی اُنگلی سے اُتاری تو آپ کو بالکل خبر نہ ہُوئی۔"

اب تو عمرو سخت شرمندہ ہُوا۔ کہنے لگا۔" معلوم ہوتا ہے تُم میرے بھی اُستاد ہو۔ خُوب کام دِکھایا۔ خُدا نے چاہا تو میں تمھیں عیّاری کے فن میں کامل کر دُوں گا۔"

یہ سُن کر سمینہ اور ابُوالفتح بہت خُوش ہُوئے۔

ختم شد

عمرو عیّار اور گل باد عراقی کے حیرت انگیز کارنامے۔ شہزادہ قباد اور علم شاہ کی جنگ۔ عادی پہلوان کے عجیب کرتب۔ اِس سلسلے کی ساتویں کتاب " شہزادہ قباد شہریار" میں پڑھیے۔

شہزادہ شہریار

عمرو عیّار کا بھانجا

عمرو عیّار اصفہان میں اپنی بہن کے گھر چھپا ہُوا تھا اور اُدھر اُس کے دُشمن سارے شہر میں اُسے ڈھونڈھنے پھر رہے تھے، لیکن کچھ پتا نہ چلتا تھا کہ عمرو کو زمین کھا گئی یا آسمان نِگل گیا۔

عمرو کا بھانجا، 'اُبوالفتح' بڑا ذہین آدمی تھا۔ اُس نے کئی مرتبہ اپنے ماموں کو بھی غچّا دیا۔ حتّٰی کہ ایک روز عمرو نے اپنی بہن سے کہا: "آج ہم اپنے بھانجے کو باقاعدہ اپنی شاگردی میں لیتے ہیں اِس لیے پانچ سیر مٹھائی منگواؤ۔"

عمرو کی بہن سمینہ یہ سُن کر بے حد خُوش ہُوئی۔ اُسی وقت پانچ سیر مٹھائی منگوا کر سامنے رکھی۔ عمرو نے تھوڑی سی مٹھائی خُود کھائی، کُچھ اُبوالفتح کو کھِلائی اور باقی محلّے کے بچّوں میں بانٹ دی۔ اِس کے بعد اُبوالفتح نے عمرو سے پُوچھا۔

"ماموں جان، یہ آپ نے دائیں ہاتھ میں کیا چیز لپیٹ رکھی ہے؟"

"بیٹا، اِسے دستِ مالی کہتے ہیں۔" عُمرو نے بتایا۔ "اِس کے اندر دارُوئے بے ہوشی جمع رہتی ہے۔ اِسی کی مدد سے جس کو چاہتا ہُوں بے ہوش کر دیتا ہُوں۔"

"ماموں جان، تھوڑی دارُوئے بے ہوشی مُجھے بھی دے دیجیے۔" بھانجے نے خوشامد سے کہا۔ "میں بھی کسی کو بے ہوش کر کے دیکھوں گا۔"

عُمرو نے پہلے تو دوا دینے میں کچھ لیس و پیش کیا مگر بعد میں بھانجے کی ضِد کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اُس نے تھوڑی سی دارُوئے بے ہوشی اُبوالفتح کو دیتے ہُوئے کہا۔ "اِسے سنبھال کر رکھنا اور ناحق کسی کو مت ستانا۔"

بہت دِن تک گھر میں پڑے پڑے عُمرو کی طبیعت اُکتا گئی اور باہر نکلنے کا اِرادہ کرنے لگا۔ لیکن جب بھی اپنی بہن سے جانے کی اِجازت لیتا، وہ ناراض ہو کر کہتی۔ "بھیّا تُمھاری تو عقل ماری گئی ہے۔ چپّے چپّے پر دُشمن لگے ہُوئے ہیں۔ تُمھاری تِکا بوٹی کر کے چیل کوّوں کو کِھلا دیں گے۔ آرام سے گھر میں بیٹھے رہو اور باہر جانے کا خیال دِل سے نِکال دو۔ جب شہر والے تُمھیں بھُول جائیں گے، تب

چلے جانا۔"

عمرو مجبور ہو کر اُس کی بات مان لیتا۔ لیکن ایک دن اُس سے صبر نہ ہو سکا۔ وہ آدھی رات کے وقت بستر سے اُٹھا، اور چپکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اُس وقت شہر میں سناٹا تھا۔ آوارہ کتوں اور پہرے داروں کے سوا ہر شے سوئی ہوئی تھی۔ عمرو گھومتا پھرتا ایک عالی شان باغ کے نزدیک پہنچا۔ وہاں بے شمار کافوری شمعیں روشن تھیں اور رات کے وقت بھی دن کا سا سماں تھا۔ ان گنت آدمی باغ کے دروازے پر ہجوم کیے ہوئے تھے مگر قوی ہیکل حبشی پہرے دار کسی کو اندر گھسنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ باغ کے اندر ایک خوب صورت عمارت سنگِ مرمر کی بنی ہوئی تھی اور اُس میں سے کسی عورت کے گانے کی آواز آ رہی تھی۔ اس آواز پر لوگ جھوم رہے تھے۔ عمرو نے ایک آدمی سے پوچھا۔

"کیوں بھائی، اِس عمارت میں کون رہتا ہے؟"

اُس آدمی نے اُوپر سے نیچے تک عمرو کو دیکھا، پھر کہنے لگا "معلوم ہوتا ہے اس شہر میں نئے نئے آئے ہو۔ اِس میں مسعودہ رہتی ہے۔ موسیقی کے فن میں رُوئے زمین پر کوئی اِس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ دُور دُور سے بڑے بڑے

امیر، رئیس اور شہزادے اُس کا گانا سُننے آتے ہیں لیکن وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی۔ یہ لوگ اُس کے دروازے پر گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں جب اُس کا جی چاہتا ہے، گانا سُناتی ہے اور دولت مندوں سے مُنہ مانگی رقم وصول کرتی ہے۔ کبھی کبھی شطرنج بھی کھیلتی ہے اور جو شخص بازی ہار جائے اُس کی تمام دولت بھی جیت لیتی ہے۔ اس طرح صعُودہ نے نے ہزاروں کو مُفلس اور کنگال کر دیا ہے۔"

عَمرو یہ باتیں سُن کر حیران ہُوا۔ پھر ایک جانب ہٹ کر ایک شہزادے کا بھیس بھرا اور دروازے پر آن کر پہرے داروں سے کہا "جاؤ صعُودہ کو خبر کرو کہ ایران سے ایک شہزادہ آیا ہے اور گانا سُننا چاہتا ہے۔ مُنہ مانگا معاوضہ ادا کرے گا۔"

پہرے داروں نے فوراً صعُودہ کو خبر کی۔ اُس نے کہا کہ شہزادے کو عزّت کے ساتھ لے آؤ۔ عَمرو عیّار اس تدبیر سے محل میں پہنچا۔ صعُودہ کو دیکھا تو خُدا کی قُدرت پر عش عش کرنے لگا۔ ایسی حسین عورت آج تک اُس کی نظر سے نہ گُزری تھی۔ وہ کمخواب کا لباس پہنے ایک عالی شان تخت پر بیٹھی تھی۔ سر پر سُنہری تاج تھا۔ لباس اور تاج میں ایسے قیمتی لعل اور یاقُوت جڑے تھے کہ جن کی مثال بڑے بڑے

بادشاہوں کے ہاں بھی نہ تھی۔ تخت کے اِرد گِرد شاہانہ فرش بچھا تھا اور جا بجا جواہر نگار مسندیں لگی تھیں جن کے اُوپر زربفت کے پردے جھل مِل جھل مِل کر رہے تھے۔ شیشے اور بلور کے نہایت قیمتی برتن آبنوس کی میزوں پر دھرے تھے اور ان برتنوں میں لذیذ اور خوشبودار کھانے قرینے سے لگے تھے۔

صنُودہ نے مُسکرا کر عَمرو کا اِستقبال کیا اور کہا "خوش آمدید آئیے تشریف رکھیے"۔

عَمرو سلام کر کے ایک مسند پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا "بہت دِنوں سے آپ کے گانے کی تعریف سُنتا تھا آج آپ کی خدمت میں حاضر ہو ہی گیا۔ کچھ سُنائیے"۔

یہ کہہ کر اُس نے اپنی جیب سے کبُوتر کے انڈے کے برابر یاقُوت نِکالا اور صنُودہ کے سامنے رکھ دیا۔ صنُودہ نے یاقُوت کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا اور اُٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اُس نے دِل میں سوچا یہ ایرانی شاہزادہ تو واقعی بڑی دولت لے کر آیا ہے۔ نہ جانے اس یاقُوت جیسے کِتنے اور جواہر اس کے پاس ہوں گے۔ کوئی تدبیر ایسی کرُوں کہ سب ہتھیا لوں۔ اُس نے کہا۔ "ابھی تو آپ آئے ہیں۔ چند دِن یہاں آرام کیجیے۔ گانا

بھی سُن لیجیے گا۔ اِس وقت میرا دِل شطرنج کھیلنے کو چاہتا ہے۔ کہیے تو بساط بچھواؤں۔"

"ہاں ہاں ضرور" عمرو نے کہا۔

صعودہ نے تالی بجائی۔ اُسی لمحے ایک حبشی غلام نے شطرنج کی بساط لا کر بچھائی۔ صعودہ نے ہاتھی دانت کے مُہرے سجائے اور کھیل شروع ہو گیا۔ صعودہ جان بُوجھ کر پہلی بازی ہار گئی اور کہنے لگی۔

"اے شہزادے، تُم شطرنج اچھی کھیلتے ہو۔ لیکن یوں خالی کھیلنے کا کیا مزا؟"

عمرو نے کہا "میرے پاس اس وقت ایک سو یاقوت ہیں۔ اگر میں دس بازیاں ہار گیا تو سب یاقوت تمہارے۔"

صعودہ یہ سُن کر دِل میں بے حد خُوش ہُوئی اور سوچنے لگی یہ ایرانی شہزادہ مال دار ہونے کے ساتھ ساتھ بے وقُوف بھی ہے۔"

اُسی وقت شطرنج کی دُوسری بازی جمائی۔ عمرو یہ بازی جان بُوجھ کر ہار گیا۔ اُس کے بعد وہ یکے بعد دیگرے آٹھ بازیاں ہارا۔ صعودہ کی خُوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ اُس نے دِل میں کہا آخری بازی بھی جیت لینا کیا مُشکل ہے۔ اِس کے بعد سو یاقُوت میری ملکیت ہوں گے۔ اُدھر عمرو بھی دِل

ہی دل میں حساب لگا رہا تھا کہ اگر آخری بازی میں صعُودہ
اپنا تمام مال و اسباب داؤں پر لگا دے تو مزا آ جائے
اُس نے صعُودہ سے کہا۔

"یہ دسویں اور آخری بازی ہے۔ اگر میں ہار گیا تو سو
یاقوت تمہیں دے دُوں گا، لیکن تم ہار گئیں تو مجھے
کیا ملے گا؟"

"اے شہزادے، جو آپ فرمائیں گے میں پیش کروں گی۔"
صعُودہ نے جواب دیا۔

"بہت بہتر۔ تب میری شرط یہ ہے کہ اگر آپ دسویں
بازی ہار گئیں تو آپ کا یہ محل، تمام غلام باندیاں، محل
کا سارا سامان اور آپ کا تمام زر و جواہر میرے قبضے
میں آ جائیں گے۔ بولیے یہ شرط منظور ہے؟"

صعُودہ تو اپنی جیت کی خُوشی میں ایسی مست تھی کہ
اُس نے پُوری طرح یہ شرط سُنی بھی نہیں اور اقرار کر لیا
کہ ہاں، ہار جانے کی صُورت میں یہ سب چیزیں شہزادے
کی سمجھی جائیں گی۔"

دسویں بازی شرُوع ہوئی تو صعُودہ نے شرُوع ہی میں
ایسی چالیں چلیں کہ عمرو پریشان ہُوا۔ اُس نے توجّہ سے کھیلنے
کی کوشش کی مگر بازی تو خُود بخُود صعُودہ کے حق میں جا

رہی تھی اور عمرو کا ہار جانا یقینی ہو گیا تھا۔ یہ دیکھ کر عمرو کی ہستی گم ہوئی۔ سوچنے لگا اب کیا کروں۔ اگر صعودہ ایسی ہی ہوشیاری سے کھیلتی رہی تو وہ بازی جیت جائے گی۔ اچانک دماغ میں ایک تدبیر آئی۔ اُس وقت ہوا کچھ تیز چل رہی تھی۔ عمرو نے ایسی چالاکی سے پھونک ماری کہ شطرنج کے نزدیک رکھی ہوئی شمع گُل ہو گئی۔ صعودہ نے اپنے غلام کو آواز دی اور کہا۔

"جلدی سے دوسری شمع لاؤ۔"

جتنی دیر میں غلام دوسری شمع لے کر آیا، اتنی دیر میں عمرو نے مُہروں کی ترتیب بدل ڈالی۔ صعودہ کو پتا بھی نہ چلا کہ عمرو نے کیا چالاکی کی ہے۔ کھیل شروع ہوا تو صعودہ بازی ہار گئی۔ اب تو اُس کے چہرے کا رنگ فق ہوا اور غم کے مارے بے ہوش ہو گئی۔ عمرو نے اُس کے مُنہ پر پانی کے چھینٹے دیے تب ہوش میں آئی اور رو رو کر کہنے لگی۔

"اے شہزادے، تم دُنیا میں پہلے آدمی ہو جس نے مجھے ہرایا ہے۔ اب یہ محل اور اس کی تمام چیزوں کے مالک تم ہو۔ میں یہاں سے فقیرنی بن کے نکل جاتی ہوں۔"

یہ سُن کر عمرو نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ "اے صعودہ، میں

ایران کا شہزادہ ہوں۔ اِس جیسے بہت سے محل میرے پاس ہیں اور دولت کا تو کچھ اندازہ ہی نہیں۔ تمھارا محل اور اس کا سامان لے کر میں کیا کروں گا۔ یہ سب چیزیں تمھیں واپس دیتا ہوں۔ اب خوش ہو جاؤ اور مجھے گانا سناؤ۔"

صعُودہ یہ بات سُن کر عمرو کا منہ تکنے لگی۔ پھر خوش ہو کر بولی: "اے شہزادے آفرین ہے تیری سخاوت و ہمت پر۔ تو نے آج مجھے خرید لیا۔"

یہ کہہ کر غلاموں کو اشارہ کیا۔ انھوں نے طاؤس و رُباب لا کر سامنے رکھے اور صعُودہ نے اپنی سُریلی آواز میں گانا شروع کیا۔ جب گا چکی تو عمرو نے بڑی تعریف کی۔ پھر کہنے لگا۔

"ناگوار نہ ہو تو میں بھی کچھ آپ کو سناؤں؟"

"اے شہزادے، ضرور سناؤ۔ اِس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔"

اُس نے ظاہری طور پر تو یہ بات کہی مگر دِل میں ہنستی تھی کہ مجھ سے اچھا گانے والا اِس دُنیا کے پردے پر کون ہے۔ لیکن جب عمرو نے لحن داؤدی میں گانا شروع کیا تو محل کے در و دیوار وجد میں آ گئے، درخت جھومنے لگے اور گھونسلوں میں بسیرا کرنے والے پرندے بھی بے تاب

ہو کر باہر نکل کر فضا میں چکّر کاٹنے لگے۔ صعُودہ اور اُس کے لونڈی غُلاموں کا یہ حال تھا کہ فرش پر لوٹتے تھے۔

عَمرو نے گانا ختم کیا تو صعُودہ اُس کے قدموں پر گر پڑی اور بولی۔ "قسم ہے تُجھ کو پیدا کرنے والے کی کہ ایسا گانا آج تک نہ سُنا تھا۔ میں نے خواجہ عَمرو عیّار کے بارے میں سُنا تھا کہ وہ بہت اچھا گانا گاتے ہیں۔۔۔۔ مگر اے شہزادے مُجھے یقین ہے کہ خواجہ عَمرو تُجھ سے اچھا نہ گاتے ہوں گے۔"

عَمرو نے سر جُھکایا اور کہنے لگا "میں خواجہ عَمرو کے پیروں کی خاک بھی نہیں ہُوں۔ اُن سے اچھا کیا گاؤں گا۔"

صعُودہ چند لمحے تک عَمرو کو غور سے دیکھتی رہی، پھر یک لخت اُس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی:

"اے شہزادے، سچ سچ بتا۔ کیا تُو عَمرو عیّار نہیں ہے؟"

عَمرو بے اختیار ہنس پڑا اور کہا۔ "میں تُمھاری ذہانت کی داد دیتا ہُوں۔ بے شک میں عَمرو ہُوں۔"

یہ کہہ کر صعُودہ کو اپنی اصلی صُورت دِکھائی۔ اُس نے عَمرو کے ہاتھ چُومے اور کہنے لگی۔

"تُجھ جیسا باکمال دُنیا میں نہ ہو گا۔ خُدا کے لیے میری

مدد کر۔ تین آدمی ایسے ہیں جن کے ہاتھوں میں بہت پریشان ہوں۔ ان میں سے ایک گل باد عراقی، دوسرا مندیل اصفہانی اور تیسرا گرد عراقی ہے۔

"اے صعودہ، گھبرا مت۔۔ خدا نے چاہا تو یہ لوگ تیرا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گے۔" عمرو نے کہا۔ "اب میں سوتا ہوں۔ صبح کوئی تدبیر کروں گا۔"

صعودہ نے ایک سجے سجائے کمرے میں عمرو کو آرام دہ بستر پر سلا دیا اور خود اپنے کمرے میں جا کر سو رہی۔ لونڈیوں نے کافوری شمعیں گل کر دیں اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔

ادھر عمرو عیار بے خبر سوتا تھا اور اُدھر گل باد عراقی کا ایک شاگرد صعودہ کے محل میں داخل ہوا۔ گل باد کو کسی نے خبر دی تھی کہ ایک ایرانی شہزادہ صعودہ کے محل میں آیا ہے۔ وہ یہ خبر سن کر بڑا حیران ہوا۔ اس نے دل میں کہا ایران کا شہنشاہ نوشیرواں اور وزیرِ اعظم بختک یہاں موجود ہیں۔ ان کی موجودگی میں یہ کون سا ایرانی شہزادہ ہے جو اصفہان میں آیا ہے۔ یکایک اسے خیال آیا کہ یہ کہیں عمرو عیار نہ ہو۔ چنانچہ اس نے فوراً اپنے ایک شاگرد کو صعودہ کے محل میں بھیجا تاکہ اس شہزادے کا اتا پتا معلوم کرے۔

گل باد کا شاگرد بڑا چالاک تھا اس نے ایک غلام کو

اشرفیوں کا توڑا رشوت میں دے کر یہ معلوم کر لیا کہ ایرانی شہزادہ کس کمرے میں سو رہا ہے۔ جب وہ اس کمرے میں گیا اور شہزادے کی شکل غور سے دیکھی تو سمجھ گیا کہ یہ عمرو عیّار کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس نے فوراً جیب سے ایک شیشی نکال کر عمرو کی ناک کے قریب رکھی۔ اس میں ایسی بُو تھی کہ ناک میں جاتے ہی عمرو بے ہوش ہو گیا۔ گُل باد کے شاگرد نے عمرو کے ہاتھ پیر رسّی سے باندھے اور وہاں سے بھاگا تاکہ اپنے اُستاد کو اِس کارنامے کی خبر پہنچائے۔

اُدھر عمرو کے بھانجے ابُوالفتح کی آنکھ کھلی۔ دیکھا کہ ماموں جان اپنے بستر پر نہیں ہیں۔ وہ حیران ہُوا کہ آدھی رات کو ماموں جان کہاں غائب ہو گئے۔ اُس نے گھر میں اِدھر اُدھر تلاش کیا مگر پتا نہ چلا۔ تب ابُوالفتح کو فکر ہُوئی۔ اس نے کپڑے پہنے اور دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ گھومتے گھومتے جب صعُودہ کے محل کے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ گُل باد عراقی کا ایک شاگرد دوڑتا ہُوا محل میں سے نکلا ہے۔ ابُوالفتح نے اُسے روک کر پُوچھا۔

"کیوں جناب خیر تو ہے؟ آپ اتنی تیزی سے کہاں جا رہے ہیں؟"

"میاں لڑکے، میرا راستہ نہ روکو۔ میں نے عمرو عیار کو آج پکڑ لیا ہے۔ اب اپنے اُستاد کو بتانے جاتا ہوں۔"

یہ سُن کر ابُوالفتح کے ہوش اُڑ گئے۔ جب گُل باد کا شاگرد نظروں سے اوجھل ہو گیا تو ابُوالفتح نے باغ کی دیوار پر کمند پھینکی اور اوپر چڑھ کر اندر کُود گیا۔ پہرے داروں اور غلاموں کی نِگاہوں سے بچتا بچاتا آخر کار اُس کمرے میں جا نِکلا جس میں عمرو عیار بندھا پڑا تھا۔ ابُوالفتح نے اُسے ہلا جُلا کر بیدار کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ تب احساس ہُوا کہ ماموں جان بے ہوش پڑے ہیں۔ ابُوالفتح کی سمجھ میں اور کوئی تدبیر نہ آئی تو جھٹ ایک تکیے میں سے تھوڑی سی روئی نکال کر بتّی بنائی اور عمرو کی ناک میں دی۔ اُسی وقت عمرو نے چھینک ماری اور آنکھیں کھول دیں۔ کیا دیکھتا ہے کہ ابُوالفتح سامنے کھڑا ہنس رہا ہے۔ عمرو نے سمجھا کہ اِسی نے مُجھ کو شرارت سے باندھا ہے۔ ناراض ہو کر کہنے لگا۔

"اے شریر بھانجے، تجھے اپنے ماموں کے ساتھ ایسا بے ہُودہ مذاق کرتے ہُوئے شرم نہ آئی۔ جلد میرے ہاتھ پاؤں کھول ورنہ ایسی مرمّت کروں گا کہ ساری زندگی یاد کرے گا۔"

ابُوالفتح نے کہا۔ "ماموں جان آپ بھی عجیب آدمی ہیں بھلا

مجھے کیا ضرورت تھی کہ ایسی بے ادبی کرتا۔ یہ سب کیا دھرا گُل باد عراقی کے ایک شاگرد کا ہے۔ اب وہ اپنے اُستاد کو خبر کرنے گیا ہے۔ میں تو خود آپ کی تلاش میں تھا۔"

اب تو عمرو سخت گھبرایا۔ گڑگڑا کر کہنے لگا۔" پیارے بیٹے ذرا جلدی سے یہ رسّیاں کھولو۔ آج تم نے ایسا کام کیا ہے کہ جس کا بدلہ میں کبھی نہیں دے سکتا۔"

ابُوالفتح نے عمرو کو آزاد کرایا۔ اِتنے میں ایک کنیز اُدھر سے گزری۔ عمرو نے جھٹ اُسے پکڑ کر دوائے بے ہوشی سُنگھائی، پھر اُس کا حُلیہ اپنے ہی جیسا بنا کر رسّیوں سے باندھا اور مسہری پر ڈال دیا۔ اُس کے مُنہ میں کپڑا بھی ٹھونس دیا تاکہ چلّا بھی نہ سکے۔ اِس کے بعد دونوں ماموں بھانجے ایک بڑے پردے کے پیچھے چُھپ کر کھڑے ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد محل میں غُل مچا، روشنی ہُوئی۔ پھر گُل باد اپنے شاگردوں کے ساتھ وہاں آیا۔ وہ نقلی عمرو کو رسّیوں میں جکڑا دیکھ کر بے حد خُوش ہُوا۔ حکم دیا کہ جلد مسعودہ کو یہاں لے کر آؤ۔ اُس کے شاگرد گئے اور مسعودہ کو لے آئے۔ اب جو اُس نے عمرو کو اس حال میں دیکھا تو رونے لگی۔

اور گُل باد سے کہا۔

"اگر تم وعدہ کرو کہ عمرو عیّار کو قتل نہ کرو گے تو میں تم سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

گُل باد یہ سُن کر ہنسا اور کہنے لگا۔ "اے صعُودہ، افسوس کہ تُو بھی عمرو کے ساتھ قتل ہو گی۔ کیا جانتی نہیں کہ عمرو سرکاری مُجرم ہے۔ بادشاہ نے اس کی تلاش میں دن رات ایک کر دیا ہے۔ اب دیکھ کہ تیرے سامنے ہی اسے موت کے گھاٹ اُتارتا ہوں۔"

یہ کہہ کر گُل باد نے اپنی تلوار نیام سے کھینچی، پھر نقلی عمرو کو ہوش میں لایا۔ بے چاری کنیز نے گُل باد کو ہاتھ میں تلوار لیے دیکھا تو خوف سے کانپنے لگی اور زنانہ آواز میں چِلّا اُٹھی۔

"میں نے کیا قصُور کیا ہے جو مجھے مارنے کے درپے ہو۔"

"چُپ۔ زنانہ آواز نکال کر مجھے بے وقوف بناتا ہے لیکن یاد رکھ تیری ساری عیّاری دھری رہ جائے گی۔"

"خُدا کے لیے مجھے بچاؤ۔ گُل باد مجھے مارے ڈالتا ہے۔" کنیز نے صعُودہ سے فریاد کی۔

اب صعُودہ بھی سمجھی کہ عمرو نے عیّاری کا کمال دکھایا ہے۔ اس کنیز کو اپنی صُورت پر بنا کر نِکل گیا ہے۔ ایسا نہ

ہو کہ یہ بد نصیب عمرو کے دھوکے میں جان سے جلے۔
یہ سوچ کر گل باد سے کہنے لگی۔ لعنت ہو تم پر اور تمہاری
سمجھ بوجھ پر۔۔۔ میری ایک معمولی کنیز پر تلوار لے کر کھڑے
ہو گئے اور سمجھ رہے ہو کہ یہ عمرو عیار ہے۔"

اب تو گل باد عراقی شرمندہ ہوا۔ تاہم شبہ مٹانے کے
لیے آگے بڑھ کر کنیز کو غور سے دیکھا بھالا۔ پھر اپنے شاگرد
پر غصہ اتارنے لگا۔

"ابے گدھے، تو نے مجھے ناحق پریشان کیا۔ یہ عمرو عیار
کہاں ہے؟"

شاگرد کیا جواب دیتا۔ گردن جھکا کر خاموش کھڑا رہا۔ اب
صعودہ بھی شیر ہو گئی۔ جھلا کر کہنے لگی۔ تم حد سے بڑھتے
جاتے ہو۔ میں بادشاہ سے تمہاری شکایت کروں گی۔ تمھیں
بغیر اجازت میرے محل میں آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

گل باد کو اور کچھ نہ سوجھا تو بے اختیار اپنے شاگرد کو
پیٹنے لگا اور صعودہ سے معافی مانگ کر بولا۔ آیندہ ایسی
گستاخی نہ ہو گی۔"

یہ کہہ کر اپنے شاگردوں کو ساتھ لیا اور محل سے باہر
نکل گیا۔

گل باد کے جانے کے بعد عمرو عیار اور اس کا بھانجا

پردے کے پیچھے سے قہقہے مارتے ہوئے نکلے۔ صعودہ انھیں دیکھ کر حیران ہوئی۔ پھر عمرو نے کنیز کا حلیہ تبدیل کیا اور وہ بے چاری اپنی اصلی صورت پر آ گئی۔ عمرو وہاں سے رخصت ہو کر اپنی بہن کے گھر آیا۔

اگلے روز عمرو نے مالن کا بہروپ بھرا اور صعودہ کے محل میں پہنچا۔ اتفاق سے مہلیل، شہزادہ ہرمز اور بختک بھی آئے ہوئے تھے اور ایک چبوترے پر بیٹھے تفریح کر رہے تھے۔ یکایک گل باد نے دیکھا کہ ایک مالن، پھولوں سے بھری ٹوکری سر پر دھرے مٹکتی ہوئی آ رہی ہے۔ گل باد کو شک ہوا کہ عمرو عیار نہ ہو۔ یہ خیال آتے ہی مالن کو آواز دی۔

"او مالن، اِدھر آ۔ کہاں جاتی ہے؟"

گل باد کی آواز سن کر مالن رک گئی اور وہیں سے پکار کر کہنے لگی۔ "خدا کی شان... اب تم بھی ہمیں یوں ٹوکنے لگے۔"

"زیادہ باتیں نہ بنا اور یہاں آ کر اپنی ٹوکری ہمیں دکھا" گل باد نے کہا اور چبوترے سے اتر کر مالن کی طرف بڑھا ادھر عمرو بھی سمجھ گیا کہ گل باد نے پہچان لیا ہے۔ وہ الٹے پیروں بھاگا۔

گُل باد نے غُل مچایا۔ لینا۔۔۔ پکڑنا۔۔۔ جانے نہ پائے۔۔۔ یہ عُمرو عیّار ہے"

گُل باد کی چیخ پکار سُنتے ہی ہر طرف افراتفری مچ گئی۔ اس کے شاگرد اور عیّار مالن کو پکڑنے کے لیے دوڑے لیکن مالن اُن کے ہاتھ کیسے آتی۔ وہ سارے محل میں اُنہیں نچاتی پھر رہی تھی۔ آخر اُس نے ٹوکری میں سے پھول نکال نکال کر گُل باد کے شاگردوں اور عیّاروں پر پھینکنے شروع کیے۔ ان پھولوں میں یہ اثر تھا کہ جس کے مُنہ پر لگتا وہی بے ہوش ہو کر گر جاتا۔ گُل باد، مہلیل، بختک اور شہزادہ ہرمز سب بے ہوش ہو گئے۔ آخر میں گُل باد کا ایک شاگرد باقی بچا۔ اُس کا نام مہتر شان تھا۔ مالن نے کئی مرتبہ اُس پر پھول پھینکا، مگر وہ ہر مرتبہ بچ جاتا۔ آخر اُس نے ایک جگہ عُمرو کو روک ہی لیا۔ دونوں میں ہاتھا پائی ہونے لگی۔ عُمرو نے اڑنگے پر لا کر ایسی پٹخنی دی کہ مہتر شان چاروں شانے چت پڑا نظر آیا۔ عُمرو نے جھٹ دوائے بے ہوشی اس کی ناک میں رکھی۔ مہتر شان بے خبر ہُوا۔ عُمرو نے اُس کے کپڑے اُتارے اور ایک گڑھے میں پھینک دیا۔ پھر خود اُس کے کپڑے پہنے، اپنی شکل اُسی کی سی بنائی اور صعُودہ کے باغ میں آیا۔ اس اثنا میں گُل باد، بختک، مہلیل اور

ہُرمُز وغیرہ سب ہوش میں آ چکے تھے۔ اُنھوں نے مہتر شاں سے پوچھا کہ عَمرو کہاں گیا؟ وہ سر پر ہاتھ مار کر بولا۔

"کیا بتاؤں کہاں گیا۔ وہ آدمی نہیں، چھلاوہ ہے۔ اُسے پکڑنا خالہ جی کا گھر نہیں ۔۔۔ وہ مجھ سے کہنے لگا کہ اے مہتر شاں میں تمھارے ہاتھ نہ آؤں گا۔ ایک بات سُن اور جا کر اپنے آقا گُل باد سے کہہ دے۔ پھر اُس نے ایسی بات کہی کہ میرا خُون کھول گیا۔"

"جلدی بتا اُس نے کیا بات کہی تھی؟" گُل باد نے پوچھا۔

"جناب وہ بات آپ کے کان میں کہوں گا۔" مہتر شاں نے کہا۔ تب گُل باد اُس کے قریب اپنا کان لے گیا۔ اُسی وقت چٹاخ کی سی آواز سب نے سُنی اور دیکھا کہ مہتر شاں نے ایک طمانچہ اس زور کا گُل باد کے گال پر مارا کہ پانچوں اُنگلیوں کا نشان اُبھر آیا۔ پھر وہ اُچھل کر دُور جا کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

"اے گُل باد، میں عَمرو ہوں۔ ہمت ہے تو آ اور مجھے پکڑ لے۔"

بے چارہ گُل باد ہکّا بکّا اپنی جگہ کھڑا رہا۔ کسی کی جُرأت نہ ہوئی کہ عَمرو پر ہاتھ ڈالے۔ پھر وہ ہنستا اور اکڑتا

ہُوا وہاں سے چلا۔ اِتنے میں بختک نے گُل باد سے کہا۔
"لعنت ہے تُمہاری عیّاری پر۔ عمرو طمانچہ مار کر کِس صفائی سے نکلا جاتا ہے۔"

یہ طعنہ سُن کر گُل باد کو ہوش آیا۔ وہ عمرو کے پیچھے گیا۔ عمرو بھی غافل نہ تھا۔ اُس نے جھٹ جیب سے ایک پھُول نکال کر گُل باد کے مُنہ پر مارا۔ وہ اُسی وقت بیہوش ہُوا۔ عمرو نے الیاس علیہ السّلام کے جال میں گُل باد کو باندھا اور اُس کو کاندھے پر اُٹھا کر پُکارا۔

"گُل باد کے شاگردو، میں تُمہارے اُستاد کو باندھ کر لیے جاتا ہُوں۔ ہمت ہے تو مجھے روکو۔"

لیکن کسی کو آگے آنے کا حوصلہ نہ ہُوا۔ تاہم گُل باد کا بھائی کل باد عمرو کے پیچھے بھاگا۔ عمرو اتنی تیز دوڑا کہ کل باد بہت پیچھے رہ گیا۔ راہ میں دیکھا کہ ایک نوجوان دھوبی گدھے پر کپڑوں کی لادی رکھے ہُوئے چلا جاتا ہے۔ عمرو اس دھوبی کے قریب آیا اور اپنا ہاتھ دھوبی کے مُنہ پر پھیرا۔ وہ فوراً بے ہوش ہو گرا۔ عمرو نے دھوبی کو اُٹھا کر ایک طرف دیوار کی آڑ میں ڈال دیا اور خود اُس کی صُورت بنا لی۔ پھر گدھے پر سے لادی اُتار کر نیچے گُل باد کو رکھا اور اُوپر کپڑوں کی لادی رکھ کر گدھے کو

ٹخ ٹخ ہنکاتا ہوا دریا پر آیا۔ گل باد کو ایک جانب دکھا اُس پر کچھ کپڑے پھیلا دیئے اور آپ لنگوٹ کس کر چھوا چھو کپڑے دھونے لگا۔

اِتنے میں گل باد کا بھائی گل باد عمرو کی تلاش میں دریا کے کنارے آیا اور سب دھوبیوں سے پوچھنے لگا کہ اِدھر سے کوئی شخص کندھے پہ گٹھڑی اُٹھائے گزرا ہے؟ اس پر عمرو کہنے لگا۔

"ہاں ہاں، میں نے دیکھا ہے۔ وہ شخص مشرق کی طرف گیا ہے۔"

گل باز نے عمرو کی جانب دیکھا اور اُسے کچھ شبہ سا ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ اُس کے نزدیک آیا اور کہنے لگا۔ "یہ تو کس کے کپڑے دھوتا ہے؟ ذرا دکھا تو سہی۔"

عمرو نے تیوریاں چڑھا کر کہا۔ "آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے؟ جانتے نہیں کہ میں صعودہ کا دھوبی ہوں اور اس لادی میں سب کپڑے صعودہ کے ہیں۔"

یہ سن کر گل باد کو طیش آیا اور منہ میں جھاگ لا کر بولا۔ "کیا بکتا ہے؟ کیسی صعودہ اور کہاں کے کپڑے؟ جلد یہ لادی کھول۔"

"بہت اچھا۔ نتیجے کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔ آپ آ کر

خود لادی کھولیے اور دیکھ لیجیے۔"

یہ کہہ کر عمرو لادی اُٹھا کر ایک گوشے میں لے گیا۔ گل باد بھی سائے کی طرح اُس کے ساتھ تھا۔ اُس نے گرہ کھولی تو دیکھا کہ اُس کا بھائی گل باد بے ہوش پڑا ہے۔ تب گل باد نے لال پیلی نگاہوں سے عمرو کو دیکھا اور کمر سے خنجر نکال کر للکارا۔

"اب دیکھتا ہوں تمھیں کون بچاتا ہے۔"

یہ کہہ کر عمرو کی طرف جھپٹا۔ عمرو بھی غافل نہ تھا۔ گل باد کے ایسی لات جمائی کہ لڑھکنیاں کھاتا ہوا کئی گز دور ریت پر اوندھے منہ گرا۔ تب عمرو وہاں سے رفو چکر ہوا اور جاتے جاتے گل باد سے کہہ گیا۔

اِس وقت تو چھوڑے دیتا ہوں۔ آیندہ میرا پیچھا کیا تو ٹینٹوا دبا دوں گا۔"

گل باد نے بڑی مشکل سے گل باد کو ہوشیار کیا اور کہنے لگا۔

"بھائی جان، خدا کے واسطے عمرو عیّار کا خیال چھوڑ دیجیے۔ آج اُس نے ہماری جان بخشی کی، ورنہ وہ چاہتا تو ہم دونوں کو ٹھکانے لگا سکتا تھا۔"

بھائی کی یہ بات سن کر گل باد سخت ناراض

ہُوا۔ بولا۔

"بکو مت، عمرو کی کیا مجال کہ ہمیں کچھ نقصان پہنچائے وہ مجھ سے بڑا عیار نہیں ہے۔ ذرا دیکھتے جاؤ میں اس کی کیسی گت بناتا ہوں۔"

عمرو عیار گرفتار ہوتا ہے

مندیل اصفہانی کو جب گُل باد اور اُس کے بھائی گُل باد کے عمرو کے ہاتھوں پٹنے کی خبریں ملیں تو وہ سخت ناراض ہوا اور گُل باد سے کہنے لگا۔

"تُو واقعی بڑا بے حیا ہے، بار بار عمرو سے جُوتے کھاتا ہے لیکن اس کا خیال نہیں چھوڑتا۔"

گُل باد عراقی نے مُونچھوں پر تاؤ دیتے ہُوئے جواب دیا حضُور والا، آپ پریشان نہ ہوں۔ بے شک عمرو بھی عیار ہے لیکن آپ کے اِس غلام نے بھی چُوڑیاں نہیں پہن رکھی ہیں۔ اگر عمرو کی دس عیاریاں کامیاب ہوں گی تو کیا میری ایک عیاری بھی کام نہ دِکھائے گی؟ میں اُسے گرفتار کر کے دِکھاؤں گا۔"

بختک نامُراد بھی اِن دونوں کی یہ بحث سُن رہا تھا ہنس کر گُل باد سے کہنے لگا۔"میاں گُل باد، ایک بات ہم

بتاتے ہیں، عمرو کو پکڑنا ہے تو صعودہ اور اس کے محل پر کڑی نظر رکھو۔ وہ وہیں پکڑا جا سکتا ہے۔"

مندیل نے بھی اس بات کی تائید کی۔ تب گل باد نے اپنے شاگردوں کو حکم دیا کہ صعودہ کے محل میں آنے جانے والوں کی نگرانی کریں اور جونہی انھیں کسی شخص پر عمرو عیار کا شک گزرے، فوراً مجھے اطلاع دیں۔ یہ کہہ کر گل باد آرام کرنے اپنے گھر گیا۔ پھر رات گئے اس کا شاگرد گرد عراقی ہانپتا کانپتا آیا اور کہنے لگا۔

"جلد چلیے۔ عمرو عیار صعودہ کے محل میں موجود ہے۔"

بختک نے یہ بھی ہدایت کی تھی کہ جب عمرو کے آنے کی خبر ملے تو مجھے بھی راستے میں سے لے لیا جائے۔ چنانچہ گل باد اور گرد عراقی اسی وقت بختک کے گھر گئے۔ اسے جگا کر سوار کرایا اور صعودہ کے محل کی جانب چل دیے۔ اُدھر صعودہ نے اپنی ایک کنیز کو محل کی جنوبی کھڑکی میں بٹھا رکھا تھا کہ جونہی خطرہ دکھائی دے، فوراً اطلاع کرے۔ اس کنیز نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی اور دور سے دیکھ لیا کہ بختک، گل باد اور گرد عراقی آئے ہیں۔ اس نے دوڑ کر صعودہ کو خبر کی۔ وہ اس وقت عمرو عیار کا گانا سن رہی تھی۔ یہ خبر سن کر دہشت زدہ ہوئی اور عمرو سے کہا: "اے

عمرو، جلدی سے کہیں چھپ جا، ورنہ بُرا ہو گا۔"

عمرو ہنسا اور کہنے لگا "گھبراؤ مت۔ اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھی رہو۔ دیکھ، میں کیا تماشا دکھاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر ایک گوشے میں گیا اور اپنی صورت ایک کنیز کی سی بنا کر واپس آیا۔ صعودہ اُسے بالکل نہ پہچان سکی۔ سمجھی کہ میری کوئی کنیز ہے۔ اتنے میں گُل باد، بختک اور گرد عراقی اس کمرے میں داخل ہوئے۔ صعودہ نے اُٹھ کر تعظیم دی اور کہا۔

"میری خوش نصیبی ہے کہ نوشیرواں کے وزیرِ اعظم تشریف لائے۔ فرمائیے کیا خدمت کروں؟"

بختک نے تو صعودہ کو باتوں میں لگایا اور گُل باد و گرد عراقی نے چور نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنا بھالنا شروع کیا کہ عمرو کہاں ہے۔ اسی طرح صبح کے آثار نمودار ہو گئے مگر عمرو کا کہیں سراغ نہ ملا۔ ناشتے کے بعد بختک تو حقّہ پینے لگا اور گرد عراقی نے صعودہ سے کہا۔

"ذرا کسی حجّام کو تو بلوائیے۔ آکر میرا خط بنا دے۔"

عمرو، جو کنیز کے بھیس میں قریب ہی با ادب کھڑا تھا، یہ سن کر ایک کونے میں گیا اور اپنے آپ کو ایک بڈھے حجام میں تبدیل کر کے محل کے دروازے پر جا کھڑا ہو گیا۔ اپنے

میں صعُودہ کا ایک غلام حجام کو بُلانے کے اِرادے سے
دروازے پر آیا۔ دیکھا کہ ایک حجام پہلے ہی سے موجود ہے
اُسی کو ساتھ لے گیا اور گرد عراقی کے سامنے پہنچا دیا۔
گرد عراقی نے سر سے پیر تک حجام کا جائزہ لیا۔ پھر تیوری
پر بل ڈال کر بولا:
"او بُڈّھے، تُو کہاں سے آیا ہے؟ ہم نے پہلے تجھے اِس
شہر میں کبھی نہیں دیکھا۔"
"حضُور کا اِقبال بُلند ہو۔ میں گاؤں کا رہنے والا ہوں۔
روزگار کی تلاش میں اِدھر آیا ہوں۔ کچھ غریب پروری فرمایئے۔"
اُس نے ایسی لچھے دار باتیں بنائیں کہ گرد عراقی خوشی
خُوشی حجامت بنوانے بیٹھ گیا۔ عمرو دِل میں کہہ رہا تھا۔" دیکھتا
جا، کیسی حجامت بناتا ہُوں۔ زِندگی بھر یاد رکھے گا۔"
حجام نے چاندی کی کٹوری میں پانی بھرا۔ پھر اُسترا تیز
کیا۔ اس کے بعد گرد عراقی کی ڈاڑھی مُونچھوں پر خُوب پانی
لگایا اور اُسترے سے خط بنانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد گرد عراقی
کے ہاتھ میں شیشہ تھمایا اور کہا۔" دیکھیے حضُور، کیسا عُمدہ خط
بنایا ہے؟"
گرد عراقی کے آئینہ دیکھنے سے پہلے بختک اور گل باد
کی نظر اُس پر پڑ گئی۔ وہ بے اِختیار قہقہے لگا کر ہنس

پڑے اور بولے، "واہ بڑے میاں واہ۔ کیا خط بنایا ہے۔ تم تو اپنے فن کے بادشاہ ہو بادشاہ۔"

گرد عراقی نے گھبرا کر آئینے میں اپنی صورت دیکھی تو عجیب حلیہ نظر آیا۔ دائیں طرف کی ایک مونچھ اور بائیں جانب کی آدھی ڈاڑھی حجّام نے صفاچٹ کر دی تھی۔ گرد عراقی نے طیش میں آ کر حجّام سے کہا۔

"او بڈھے۔ تیرا ستیاناس ہو۔ یہ کیسی حجامت بنائی ہے؟"

"سرکار، میں تو اسی طرح کام کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر ایک چانٹا اِس زور کا گردِ عراقی کے منہ پر رسید کیا کہ اُس کی گردن چرخی کی طرح گھوم گئی۔ پھر اُس نے ایک زبردست نعرہ لگایا۔

"جو جانتا ہے وہ جانے اور جو نہیں جانتا وہ آج جان لے کہ میرا نام عمرو ہے اور میں عیّاروں کا بادشاہ ہوں۔"

یہ سن کر گرد عراقی عمرو کو پکڑنے کے لیے اُٹھا، عمرو نے فوراً کھڑکی کے پاس جا کر نیچے چھلانگ لگا دی۔ گرد عراقی بھی اُس کے پیچھے کُود گیا مگر دو منزلے سے گِر کر دونوں ہاتھ اور ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ عمرو کو پکڑنے کے لالچ میں یہ خیال ہی نہ رہا کہ یہ کھڑکی دُوسری منزل کی ہے عمرو تو صاف نِکل گیا مگر گردِ عراقی خُون میں لت پت پڑی

طرح چلّا رہا تھا۔ آخر چند غلاموں نے اُسے اُٹھایا اور شفا خانے لے گئے۔

اِدھر گُل باد بھی غافل نہ تھا۔ وہ عمرو کے تعاقب میں چلا اور چلتے چلتے ایک لق و دق صحرا میں جا نکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک ٹنڈ منڈ درخت کے نیچے ایک جوگی دھونی رمائے بیٹھا ہے۔ گُل باد نے سوچا اس کے پاس چلو، اپنا حال بیان کرو اور پوچھو کہ عمرو عیار ہاتھ آئے گا یا نہیں۔ چنانچہ اس ارادے سے جوگی کی طرف چلا۔ جب قریب پہنچا تو جوگی نے گردن اٹھائی اور ہنس کر کہنے لگا۔

"تُو جس ارادے سے آیا ہے، وہ ارادہ ضرور پورا ہوگا"

گُل باد حیران ہو کر پوچھنے لگا۔ بھلا جوگی جی، یہ تو بتاؤ کہ میرا کیا ارادہ ہے؟

"ارے بھائی، ارادہ کیا۔ تُو عمرو کو گرفتار کرنے آیا ہے نا؟ بس ہم نے کہہ دیا کہ اسے پکڑ لینے میں ضرور کامیاب ہو گا۔"

اب تو گُل باد کو پورا یقین ہو گیا کہ جوگی بڑا پہنچا ہوا ہے۔ جھٹ اُس کے قدموں پر گرا اور جیب سے پانچ روپے نکال کر نذر کیے۔ جوگی نے خوشی خوشی وہ پانچ روپے

لے کر رکھ دیے۔ پھر اپنی جھولی میں سے ریوڑیوں کا دونا نکال کر گُل باد کو دیا اور کہا۔

"لے بیٹا، یہ ہمارا تبرک ہے۔ اِسے کھاتا چلا جا۔"

گُل باد نے ریوڑیاں لے لیں اور آگے بڑھا۔ ناگاہ خیال آیا کہ یہ جوگی کہیں عَمرو عیّار نہ ہو۔ یہ خیال آتے ہی ریوڑیاں ناک کے قریب لایا۔ اُن میں سے دوائے بے ہوشی کی بُو آئی۔ ریوڑیاں چُپکے سے ایک طرف پھینک دیں اور پلٹ کر کمند کا حلقہ جوگی پر ایسا پھینکا کہ وہ اِس میں بندھ گیا۔ جوگی چیختا ہی رہا کہ ارے ظالم یہ کیا بے ادبی کرتا ہے۔ فقیروں کو ستاتا ہے لیکن گُل باد نے ایک نہ سُنی اور جب جوگی کو اچھی طرح گرفت میں لے چُکا تو قہقہہ لگا کر بولا۔

"عَمرو عیّار کے بچّے ۔۔۔ اب دیکھتا ہُوں تُو میرے ہاتھ سے بچ کر کیسے جاتا ہے؟"

عَمرو نے بڑی منتیں کیں اور بار بار کہا کہ بابا، تُمھیں دھوکا ہُوا ہے، میں عَمرو عیّار ہرگز نہیں ہُوں لیکن گُل باد نے نہ چھوڑا اور گھسیٹتا ہُوا اپنے گھر لے گیا۔ وہاں اُس کو ایک اندھی کوٹھڑی میں بند کر دیا اور اپنی بیوی سے کہا۔

"خبردار، اس کوٹھڑی کے قریب بھی نہ جانا۔ اس میں ایک خوفناک بلا بند ہے۔"

پھر وہ نہا دھو، کپڑے بدل، مندیل اصفہانی اور نوشیرواں کو یہ خبر سُنانے کے ارادے سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد کوٹھڑی میں سے کسی بڈھے کے رونے کی دردناک آواز سُنائی دی۔ گُل باد کی بیوی یہ سُن کر بے چین ہو گئی اور دل میں کہنے لگی، نہ جانے میرا شوہر کسے پکڑ لایا ہے، ذرا پوچھنا تو چاہیے کہ یہ بدنصیب ہے کون۔ یہ سوچ کر کوٹھڑی کے نزدیک آئی اور کہنے لگی۔

"سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟ آدمی ہو یا شیطان۔۔۔ جن ہو یا بھوت؟"

اندر سے عمرو نے ہچکیاں لیتے ہوئے یوں جواب دیا۔

"اے بیٹی، کیا پوچھتی ہے۔ میں شیرازی کباب فروش ہوں۔ گُل باد بہت دنوں سے میرے سر ہو رہا تھا کہ اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دوں مگر میں نہ مانتا تھا۔ آخر آج اس نے مجھے حیلے سے پکڑ لیا یہاں لا کر بند کر دیا اور خود نکاح پڑھوانے کے لیے قاضی کو بلانے گیا ہے۔"

یہ سُن کر گُل باد کی بیوی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ فوراً لونڈیوں کو حکم دیا کہ کوٹھڑی کھول کر اس

کباب فروش کو آزاد کرو۔ لونڈیوں نے دروازہ کھولا۔ عمرو عیار سو سالہ بوڑھے کی صورت بنا کر باہر آیا اور گل باد کی بیوی کے سر پہ ہاتھ پھیر کر بولا۔

بیٹی، تیرا بڑا احسان ہے مجھ پر۔۔۔اب تو ہرگز نہ گھبرائیو۔ میں جاتا ہوں اور اپنی برادری کے لوگوں کو جمع کر کے سارا قصہ سناتا ہوں کہ گل باد زبردستی میری بیٹی سے شادی کر رہا ہے۔"

"ہاں ہاں بابا، جلدی جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ موا شادی کر ہی لے۔ گھر آئے گا تو پھر اسے مزا چکھاؤں گی۔"

عمرو تو دعائیں دیتا ہوا وہاں سے رفو چکر ہوا اور اِدھر گل باد کی بیوی نے سب لونڈی غلاموں کو جمع کر کے کہا کہ اگر آج کسی نے میرا حکم نہ مانا تو سب کے کان ناک کٹوا دوں گی۔ حکم یہ ہے کہ جونہی گل باد گھر میں آئے، جوتیاں مار مار کر اس کا بھیجا پلپلا کر ڈالو۔

اب ذرا گل باد کی خبر لیں کہ اس پر کیا بیتی۔

جب وہ مندیل اصفہانی کے پاس پہنچا تو وہاں بختک بھی موجود تھا۔ گل باد نے دونوں کو جھک جھک کر سلام کیا اور کہنے لگا۔

"کیوں جناب، اگر عمرو عیّار کو پکڑ کر آپ کے سامنے پیش کردوں تو کیا انعام ملے گا؟"

مندیل نے اپنے گلے سے بیش قیمت موتیوں کا ہار اُتارا اور بختک نے یاقوتی انگوٹھی ——— پھر یہ دونوں چیزیں گُل باد کو دیتے ہُوئے کہا۔ "فی الحال تو یہ سنبھالو۔ اِس کے بعد تُمھیں کچھ اور دیا جائے گا۔"

گُل باد نے سلام کر کے دونوں چیزیں لے لیں اور مزے لے لے کر عَمرو کو پکڑنے کی ساری داستان کہی۔ بختک بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ فوراً کہنے لگا۔ "گُل باد، تُم نے یہ کیا بے وقُوفی کی کہ عَمرو کو اپنے گھر پر چھوڑ آئے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تُمھاری بیوی کو دھوکا دے کر نکل بھاگے۔"

"اجی توبہ کیجیے۔ عَمرو تو کیا عَمرو کا باپ بھی وہاں سے نکل نہیں سکتا۔ میری بیوی سمجھ دار عورت ہے۔ عَمرو اُسے دھوکا نہیں دے سکتا۔"

"بہر حال میرا دِل کہتا ہے کہ عَمرو ضرور بھاگ نِکلا ہو گا۔ تُم دیر نہ کرو۔ فوراً جاؤ۔ بلکہ ٹھہرو۔ ہم بھی تُمھارے ساتھ چلتے ہیں۔"

مندیل اور بختک گُل باد کے ساتھ اُس کے گھر کی طرف

چل دیے۔ اتفاق سے عُمرو بھی مندیل کے محل کی جانب جا رہا تھا۔ اُس نے جو ان تینوں کو آتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ بختک اور مندیل میری گرفتاری کی خبر سُن کر آ رہے ہیں اسی وقت سبز کمبل اوڑھ کر غائب ہو گیا اور ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا تاکہ باتیں سُنے۔ بختک بار بار گُل باد سے یہی کہتا تھا کہ تُم نے بڑی حماقت کی کہ عُمرو کو گھر پر چھوڑ آئے۔ اب وہ ہاتھ نہ آئے گا۔ گُل باد کہتا تھا جناب آپ کو تو رہ رہ کر دہشت ہوتی ہے۔ دُودھ کا جلا چھاچھ پُھونک پُھونک کر پیتا ہے۔ میں کئی مرتبہ عُمرو سے چوٹ کھا چُکا ہُوں لیکن اب کی بار وہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتا۔"

غرض اسی طرح کی باتیں کرتے ہُوئے وہ گُل باد کے مکان پر آئے۔ توقع کے خلاف وہاں خاموشی تھی۔ گُل باد کا ماتھا ٹھنکا۔ تاہم جی کڑا کر کے گھر میں داخل ہُوا اور سیدھا اُس کوٹھڑی کی طرف گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ دروازہ چوپٹ کُھلا ہے اور عُمرو غائب ہے۔ اب تو گُل باد کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اپنی بیوی سے پُوچھا۔

"اِس کوٹھڑی میں میں نے عُمرو عیّار کو بند کیا تھا کیا تُم نے اُسے رہا کر دیا؟"

یہ سنتے ہی گل باد کی بیوی نے آگے بڑھ کر ایک دو ہتڑ
اُس کی پیٹھ پر مارا پھر لونڈیوں باندیوں کو اشارہ کیا۔ وہ سب
کی سب جوتیاں اور لکڑیاں لے کر گل باد پر پل پڑیں اور
اُسے بے تحاشا پیٹنا شروع کیا۔ گل باد بری طرح شور مچا رہا
تھا کہ یہ کیا بدتمیزی ہے.... ہوش کی دوا کرو... لیکن بیوی
بار بار یہی کہتی تھی۔
"مجھ ہی کو فریب دینے پر تُل گیا ہے۔ بے چارے شہراتی
کباب فروش کو حیلے بہانے سے پکڑ لایا اور آپ اُس کی
بیٹی سے شادی کرنے کے درپے ہے۔ دیکھ ابھی تیرا خون
پیتی ہوں۔"
بختک اور مندیل دور کھڑے ہنستے تھے اور گل باد فریاد
کرتا تھا کہ مجھے بچاؤ۔ مگر گل باد کی بیوی سے سبھی ڈرتے
تھے۔ کون سامنے آ کر اپنی بے عزتی کراتا۔ اتنے میں عمرو
بھی ایک لونڈی کی شکل بنا کر وہاں آیا اور گل باد کے
کئی چپت رسید کیے۔ پھر بختک کی جانب دیکھ کر گل باد
کی بیوی سے کہنے لگا۔
"اے بیگم، یہ دیکھو موا قاضی بھی آیا ہے۔"
یہ سنتے ہی بختک نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی،
گل باد کی بیوی نے لپک کر اسے پکڑ لیا اور منہ پر

جُوتے برسانے شروع کیے۔ بڑی مشکل سے محلے والوں نے آن کر بختک اور گل باد کی جان بچائی۔ پھر بھی اِن کی اتنی مرمّت ہو چکی تھی کہ جو دیکھتا وہی مُنہ پھیر کر ہنسنے لگتا۔ مندیل اِن دونوں کو اسی حالت میں لے کر نوشیرواں کے سامنے گیا نوشیرواں نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"خیر تو ہے، کیا کسی سے ہاتھا پائی ہو گئی ہے؟ میں دیکھتا ہوں کہ تمھارے کپڑے تار تار ہیں۔ سر اور ڈاڑھی مونچھوں کے بال نُچے ہُوئے ہیں۔ جسم پر زخم ہیں اور اُن سے خُون رِس رہا ہے۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟"

تب مندیل نے ہنس ہنس کر نوشیرواں کو سارا قِصّہ سُنایا وہ بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔ اور قہقہہ لگا کر کہا۔

"ما بدولت نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ عمرو عیار گُلباد کے بس کا نہیں ہے۔"

یہ سُن کر گُل باد نے شرم سے گردن جھکا لی۔ آخر بختک نے اس کی سفارش کی۔ تب مندیل نے گل باد کو خلعت دیا اور کہا کہ جب تک عمرو کو پکڑ کر میرے سامنے نہ لاؤ اُس وقت تک اپنی شکل نہ دِکھانا۔

گُل باد بے چارہ حیران پریشان دربار سے نِکلا اور سوچنے لگا کِدھر جاؤں۔ گھر جانے کی جُرأت نہ تھی۔ عمرو نے ایسا

گُل کھلایا تھا کہ بیوی اُس کی جانی دُشمن بن گئی تھی۔ آخر کوتوالی کے قریب پہنچا اور چبوترے پر جا بیٹھا۔ جیبیں ٹٹولیں تو مندیل کا دیا ہُوا ہار اور بختک کی دی ہُوئی یاقوتی انگوٹھی غائب تھی۔ اپنی قسمت کو کوسنے لگا کہ یہ سب کیا دھرا عمرو کا ہے۔ جب سے یہ منحُوس اصفہان میں آیا ہے، میرا دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہو گئی ہے۔

گُل باد کئی دن تک گھر نہ گیا اور کوتوالی ہی میں رہا۔ وہ چُونکہ سارے شہر میں شیطان کی طرح مشہور تھا اِس لیے اسے دیکھنے کے لیے کوتوالی کے باہر ہر وقت لوگوں کا ہجُوم رہنے لگا۔ ایک روز وہ کوتوالی کے چبوترے پر رنجیدہ بیٹھا اسی سوچ میں گُم تھا کہ عمرو عیّار کو کہاں تلاش کیا جائے کہ یکایک اُس نے ایک بُڈھے کو دیکھا۔ یہ بُڈھا کمر جھکائے ایک لڑکے کا ہاتھ پکڑے چلا آتا تھا۔ پھر وہ ہجُوم کو چیرتا ہُوا کوتوالی میں آیا اور کوتوال سے کہنے لگا۔

"جناب میں ایک سوداگر ہُوں اور سرائے میں ٹھہرا ہُوا ہُوں۔ کل رات چوروں نے میرا سامان چُرا لیا ہے۔"

"بڑے میاں وہ سرائے کہاں ہے؟" کوتوال نے پُوچھا۔

"جناب، یہ سرائے گندے نالے کے قریب ہے۔ وہاں گائیں بندھتی ہیں اور آس مقام پر تاڑ کے بُہت سے درخت بھی ہیں۔"

گل باد غور سے اُس بوڑھے کو دیکھ رہا تھا۔ اُسے شبہ ہُوا کہ یہ کہیں عمرو عیار نہ ہو۔ چُپکے سے اپنے ایک شاگرد بہرام عراقی کو بُلایا اور اُس کے کان میں کہا: جب یہ بُڈھا کوتوالی سے باہر نکلے تو اِس کے پیچھے پیچھے جاؤ اور معلوم کرو کہ یہ کہاں جاتا ہے۔ پھر واپس آ کر مجھے آگاہ کرنا۔"

اُدھر کوتوال نے بُڈھے سوداگر کی شکایت کوتوالی میں درج کی۔ پھر کہا۔

"بڑے میاں، گھبراؤ نہیں۔ تمہارا سامان مل جائے گا۔ ہم ابھی تفتیش کے لیے سرائے میں جاتے ہیں۔ تُم وہیں پہنچ کر ہمارا اِنتظار کرو۔"

بُڈھا سلام کر کے کوتوالی سے باہر نکلا۔ بہرام عراقی بھی اپنے اُستاد کی ہدایت کے مطابق اُس کے تعاقب میں چلا۔ راستے میں ایک نان بائی کی دُکان تھی۔ بُڈھا وہاں پہنچا تو لڑکے نے کہا: میں بھوکا ہُوں، مجھ کو یہاں کھانا کھلاؤ۔"

بُڈھا یہ سُن کر ناراض ہُوا اور کہنے لگا: کھانا سرائے میں چل کر کھائیں گے۔ میرے پاس فضول خرچی کے لیے پیسے نہیں ہیں۔"

لڑکا رونے لگا اور ضد کی کہ میں تو نان بائی کی دُکان پر کھانا کھاؤں گا۔ اِن میں تکرار ہو ہی رہی تھی کہ بہرام عراقی

آگے آیا اور بڈھے سے کہنے لگا۔

"قبلہ، آپ اِس شہر میں اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ اِس اِعتبار سے آپ ہمارے مہمان بھی ہیں۔ آئیے نان بائی کی دُکان پر تشریف رکھیے۔ کھانا میں کِھلاتا ہُوں۔"

یہ سُن کر بڈھے نے اُوپر سے نیچے تک بہرام عراقی کو دیکھا اور اُس کے ہونٹوں پر پُر اسرار مُسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر کہنے لگا۔

"صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ۔ واقعی ہم مُسافر ہیں۔ یہ لڑکا نہایت ضِدی ہے۔ خواہ مخواہ پریشان کرتا ہے۔"

غرض اِسی قِسم کی باتیں کرتے ہُوئے یہ تینوں نان بائی کی دُکان میں داخل ہُوئے۔ بہرام عراقی نے کہا کہ بالا خانے پر چلے جائیے۔ میں شیرمال اور قورمہ وہیں بھیجتا ہُوں۔ آرام سے بیٹھ کر کھائیے گا۔ بڈھا اور لڑکا اُوپر چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد بہرام کھانا لے کر آیا اور تینوں مزے لے لے کر کھانے لگے۔ اِتنے میں ایک فقیر پھٹے حال بھیک مانگتا ہُوا آیا۔ بڈھے نے نان بائی سے کہا۔

بھائی، تُم اِس فقیر کو ایک اشرفی دے دو۔ میں لڑکے کو سرائے بھیج کر اشرفیاں منگواؤں گا تب تُمھیں دے دوں گا۔"

نان بائی نے ایک اشرفی فقیر کو دے دی اور وہ دُعائیں دیتا ہُوا چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور نابینا فقیر آیا۔ بڈھے

نے اُسے بھی نان بائی سے دو اشرفیاں دِلوائیں۔ بہرام عراقی نے سوچا کہ یہ بُوڑھا بڑا سخی ہے اور خاصا مال دار معلوم ہوتا ہے۔

جب کھانے سے فارغ ہوئے تو بڈھے نے لڑکے کو ایک چابی دیتے ہوئے کہا۔ "تُم فوراً سرائے میں جاؤ اور میرے صندُوقچے میں سے ایک سو اشرفیاں نِکال کر لے آؤ۔"

لڑکا روانہ ہو گیا۔ بہرام عراقی نے پھر بڈھے سے باتیں شروع کیں۔ اِتنے میں گُل باد عراقی بھی اپنے شاگرد کو ڈھونڈتا ہُوا اُدھر آ نِکلا۔ دیکھا کہ وہ نانبائی کی دُکان کے بالاخانے پر بیٹھا اُسی بڈھے سے باتیں کر رہا ہے۔ گُل باد نے اِشارے سے بہرام کو بُلایا۔ بہرام نے بڈھے سے کہا۔

"بڑے میاں، معاف کرنا۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں آیا۔"

بڈھے نے گردن اُٹھا کر دیکھا تو نیچے گُل باد عراقی کھڑا دکھائی دیا۔ سمجھ گیا کہ مُعاملہ نازک ہے۔ جیب سے چند پھل نِکال کر سامنے رکھ لیے۔ اِن سب میں بے ہوشی کی دوا مِلی ہُوئی تھی۔ اُدھر گُل باد نے بہرام سے پُوچھا۔

"کُچھ پتا چلا کہ یہ بڈھا کون ہے؟"

"اُستاد مُجھے یقین ہے کہ یہ عمرو عیار ہی ہے۔" بہرام نے جواب دیا۔

یہ سن کر گل باد بے حد خوش ہوا۔ پھر سوچنے لگا کہ کس تدبیر سے عمرو کو قابو میں کیا جائے۔ اس نے نان بائی سے فرنی کے پیالے لیے اور ان پر بے ہوشی کی دوا چھڑک کر نان بائی سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد یہ فرنی بالا خانے پر بھجوا دیجیو۔ اس کی قیمت ہم ادا کریں گے۔"

یہ انتظام کر کے اس نے بہرام عراقی کو بالا خانے پر بھیجا۔ اس نے دیکھا کہ بڈھے کے آگے پھل رکھے ہیں۔ بہرام کو دیکھتے ہی اس نے کہا۔

"ارے میاں، اتنی دیر کہاں لگائی؛ لو یہ کچھ پھل میں نے صبح ناشتے کے لیے خریدے تھے۔"

بہرام عراقی نے ایک پھل اٹھایا اور کھانا چاہتا ہی تھا کہ نان بائی کا نوکر فرنی کے پیالے لے کر آ گیا اور اس نے ایک ایک پیالہ دونوں کے سامنے رکھ دیا۔ بہرام نے پھل دستر خوان پر رکھا اور بڈھے سے کہنے لگا۔

"قبلہ یہ فرنی چکھ کر دیکھیے اس شہر کا خاص تحفہ ہے۔ آپ ضرور پسند فرمائیں گے۔"

بڈھے نے فرنی چکھی ہی تھی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ بہرام عراقی نے جھٹ پٹ اس کی مشکیں باندھیں اور گل باد

کو خبر کی۔ وہ اُسی وقت آیا، عمرو کو اُٹھا کر سیدھا مندیل اصفہانی کے دربار میں پُہنچا۔ اور آداب بجا لا کر بولا۔

"لیجیے حضور، اب انعام دلوائیے، عمرو عیار کو پکڑ لایا ہوں۔"

یہ کہہ کر گٹھڑی کھولی اور اُس میں سے بُڈھے کو نکال کر اُس کی نقلی ڈاڑھی مونچھیں اُکھاڑ ڈالیں۔ اب جو دیکھا تو بُڈھے کے بجائے عمرو عیار کی صورت نظر آئی۔ بختک خوشی سے بغلیں بجانے لگا اور نوشیرواں نے بھی خوش ہو کر سب عیاروں کو انعام دیا۔ پھر عمرو کو ہوش میں لائے۔ اُس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِرد گرد دیکھا۔ سمجھ گیا کہ پکڑا گیا ہوں اور اب دُشمنوں کے ہاتھوں میں ہوں۔ دیکھیے کیا سلوک کرتے ہیں۔

وہ یہی سوچ رہا تھا کہ بختک مکّار نے گرد عراقی سے کہا "صعُودہ کو بھی بُلاؤ اور اُس کے سامنے عمرو کو قتل کرو۔"

یہ سُنتے ہی گرد عراقی صعُودہ کے محل کی جانب روانہ ہوا۔ اُدھر صعُودہ کو بھی پہلے سے خبر ہو گئی تھی۔ اِتنے میں گرد عراقی شاہی غلاموں اور سپاہیوں کی ایک فوج لے کر صعُودہ کے محل میں آیا اور اُس سے کہنے لگا کہ جلد اُٹھ اور مندیل کے دربار میں چل۔ تجھے طلب کیا گیا ہے۔"

صعودہ دربار میں آئی تو عمرو بے اختیار ہنسا اور کہنے لگا: "موت اور زندگی خدا کے اختیار میں ہے۔ یہ مسخرے تو میرا بال بھی بیکا نہ کر پائیں گے۔ تم فکر نہ کرو"

یہ سن کر صعودہ کو کچھ تسلّی ہوئی اور چپ چاپ ایک جانب جا بیٹھی۔ بختک نے بے چین ہو کر مندیل اصفہانی کے کان میں کہا "حضور، اب دیر کاہے کی ہے۔ جلد جلّاد کو طلب کیجیے اور اس موذی کی گردن اڑائیے"

"نہیں۔ ابھی ہم اس سے گانا سنیں گے۔" مندیل نے جواب دیا۔ پھر عمرو کی طرف منہ کر کے بولا۔

"اے عمرو تمھارا وقت پورا ہو چکا ہے۔ کہو تو ابھی گردن مار دوں۔ لیکن کچھ مہلت اور دیتا ہوں اور وہ بھی اتنی کہ ہمیں گانا سنا دو"

"میں کبھی کسی کی فرمائش رد نہیں کرتا" عمرو نے کہا۔ "لیجیے گانا سنیے"

یہ کہہ کر اس نے اپنا اکتارہ نکال کر بجانا شروع کیا اور پھر ایسا گایا کہ سماں بندھ گیا۔ یکایک مہلیل وہاں آیا اور اس نے مندیل سے کہا۔

"جہاں پناہ، محل میں دسترخوان بچھ چکا ہے۔ چل کر خاصہ نوش فرما لیجیے۔ عمرو کا گانا بعد میں سن لیجیے گا۔"

یہ سُن کر سب کھانا کھانے چلے گئے۔ آدھ گھنٹے بعد واپس آئے تو عمرو نے پھر گانا شروع کیا۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سب اہلِ دربار آہستہ آہستہ بے ہوش ہو رہے ہیں۔ اتنے میں ایک نقاب پوش لڑکا آیا اور اُس نے بختک، مندیل، ہلیل اور گُل باد عراقی وغیرہ کے ہاتھوں اور گلے سے قیمتی انگوٹھیاں اور ہار اُتار اُتار کر ایک جگہ جمع کرنے شروع کیے۔ اِس کام سے فرصت پا کر وہ لڑکا عمرو کے نزدیک آیا اور کہنے لگا۔

"اے گویّے تُو کون ہے اور تجھے کِس جُرم میں پکڑا گیا ہے؟"

"میں ایک غریب آدمی ہُوں" عمرو نے جواب دیا۔ "گُل باد عراقی مجھے عمرو عیار کے دھوکے میں پکڑ لایا ہے۔"

"جھوٹ مت بول۔ سچ سچ اقرار کر کہ تُو کون ہے" لڑکے نے کہا۔ "اگر تُو کہہ دے کہ میں ہی عمرو عیار ہُوں تو ابھی تُجھ کو رہا کر دُوں گا۔"

عمرو نے دِل میں کہا کہ یہ لڑکا تو آفت کا پرکالہ ہے۔ اِس کی بات ماننی ہی پڑے گی۔ یہ سوچ کر مدّھم آواز میں کہا۔ "بے شک میرا نام عمرو ہے۔"

لڑکا کھلکھلا کر ہنسا۔ پھر کہنے لگا۔ اِس کاغذ پر یہ لکھ

دد کہ میں اِس لڑکے کا شاگرد ہُوا۔"

"ہرگز نہیں۔" عمرو نے چلّا کر کہا "دُنیا کیا کہے گی کہ عمرو عیار ایک لڑکے کا شاگرد ہُوا۔"

"نہیں لکھتے تو نہ لکھو۔ میں اِن سب درباریوں کو ہوش میں لاتا ہُوں۔ وہ ابھی تُمھاری تِکّا بوٹی کر دیں گے۔"

اب تو عمرو لڑکے کی بات مان لینے کے لیے مجبُور ہُوا۔ اُس نے فوراً کاغذ پر لکھ دیا کہ یہ لڑکا میرا اُستاد ہے اور میں اس کا شاگرد۔ جب اُس نے یہ تحریر لڑکے کو دے دی تب لڑکے نے چہرے سے نقاب اُٹھایا۔ عمرو اُس کی شکل دیکھتے ہی بے اختیار چِلّا اُٹھا۔

"ابُوالفتح..... میرا بھانجا....."

"جی ماموں جان۔" ابُوالفتح نے جُھک کر سلام کیا۔ پھر خنجر نِکال کر عمرو کے ہاتھ پیروں پر بندھی ہُوئی رسّیاں کاٹیں۔ آزاد ہوتے ہی عمرو نے دربار کا سارا قیمتی سامان اُٹھا اُٹھا کر اپنی زنبیل میں ڈالا۔ انگوٹھیاں اور ہار ابُوالفتح نے سنبھالے۔ پھر عمرو نے سب کے کپڑے بھی اُتار لیے۔ بیہوش صعُودہ کو اُٹھا کر زنبیل میں پھینکا اور اُس کے محل میں آیا۔ یہاں بھی عیاری سے محل کا تمام سامان اور اُس کی خواصوں، کنیزوں کو بے ہوش کر کے زنبیل میں ڈالا اور اُسی

وقت شہر اصفہان سے نکل کر اپنے لشکر کی جانب چلا۔
راستے میں سرہنگ مصری سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بتایا
کہ امیر حمزہ کا لشکر اصفہان کی جانب کوچ کرتا چلا آتا
ہے۔ اور اب مشکل سے دو منزل دور رہ گیا ہے۔ یہ
سن کر عمرو خوش ہوا اور حمزہ کے دربار میں آن کر سب
کو جھک جھک کر سلام کرنے لگا۔ امیر حمزہ نے اسے گلے
لگایا اور کہا۔
"اے عمرو تو اتنے دن کہاں رہا؟ ہم سخت پریشان
رہے۔"
"بھائی حمزہ، کچھ نہ پوچھو" عمرو نے کہا۔ اس مرتبہ ایسے
عیاروں سے مقابلہ ہو گیا ہے جو واقعی میری ٹکر کے ہیں۔
بڑی مشکل سے جان بچا کر آیا ہوں۔"
یہ کہہ کر گل باد عراقی اور صعودہ کا سارا قصہ سنایا مگر
یہ نہ بتایا کہ صعودہ کو ساتھ لایا ہوں۔ دوستوں سے ملنے
ملانے کے بعد عمرو نے اپنا خیمہ الگ قائم کیا۔ پھر
صعودہ کو زنبیل سے نکالا اور اسے ہوشیار کیا۔ اس نے
پوچھا۔
"اے عمرو، تم مجھ کو کہاں لے آئے ہو؟"
"اس وقت تم امیر حمزہ کے لشکر میں ہو۔ عمرو نے

جواب دیا۔

"میرا مال، اسباب اور کنیزیں کہاں ہیں؟ صعُودہ نے گھبرا کر کہا۔

"تب عمُرو نے زنبیل سے صعُودہ کا تمام مال اسباب اور کنیزیں نکال دیں۔ یہ دیکھ کر صعُودہ دنگ رہ گئی اور کہنے لگی "اے عمُرو، تُم آدمی ہو یا جن؟ ایسی کرامات تو دیکھی نہ سُنی۔"

عمُرو بولا۔ جب تک تُمھارا جی چاہے، یہاں رہو۔ پھر مجھے بتانا۔ میں تمھیں واپس اصفہان کے محل میں چھوڑ آؤں گا۔"

رات کو کھانے سے فارغ ہو کر صعُودہ نے چنگ درباب سنبھالا اور گانا شروع کیا۔ اُس کی آواز عادی پہلوان کے خیمے تک پہنچی۔ وہ اُس وقت اپنی لمبی چوڑی مسہری پر لیٹا خرّاٹے لے رہا تھا۔ یکایک اُس کی آنکھ کُھلی۔ اُٹھ کر باہر آیا اور عمُرو کے خیمے کی جانب چلا۔ اندر جانے کی جُرأت نہ ہوئی کیونکہ عمُرو کی حرکتوں سے ڈرتا تھا۔ آخر امیر حمزہ کی بارگاہ میں جا کر اُنھیں جگایا اور کہنے لگا۔

"دیکھیے حمزہ بھائی، یہ عمُرو عیّار سب کی نیندیں حرام کرتا ہے۔ آدھی رات کو اُس کے خیمے میں سے گانے بجانے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ ذرا معلوم تو کیجیے کہ یہ

کیا قِصّہ ہے۔"

امیر حمزہ تعجّب کرنے لگے۔ پھر وہ عادی پہلوان کو لے کر عمرو کے خیمے کی جانب گئے۔ واقعی ساز بج رہے تھے۔ امیر حمزہ نے پکار کر کہا۔

"بھائی عمرو، کیا کر رہے ہو؟ اجازت ہو تو ہم بھی آئیں؟"

عمرو امیر حمزہ کی آواز سُن کر خیمے سے باہر آیا اور اُن کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے جانے لگا۔ عادی پہلوان بھی آگے بڑھا مگر عمرو نے ڈانٹ کر کہا۔

تُم کو کس نے یہاں آنے کی اِجازت دی؟ جائیے تشریف لے جائیے۔ آپ کو موسیقی سے کیا دِل چسپی ہے۔

عادی اس بات پر شرمندہ ہُوا اور بڑبڑاتا ہُوا چلا گیا۔ امیر حمزہ خیمے میں گئے تو صعُودہ نے اُٹھ کر ادب سے سلام کیا۔ تب عمرو نے اُنھیں سارا قِصّہ سُنایا۔ صُبح اُنھوں نے ملکہ اطلس پوش سے صعُودہ کا ذکر کیا۔

اِتنے میں کنیزوں نے اِطّلاع کی کہ عمرو عیّار صعُودہ کو لے کر آیا ہے اور ملکہ اطلس پوش کی قدم بوسی کرنا چاہتی ہے۔ ملکہ نے کہا "آنے دو۔" صعُودہ نے آکر ملکہ کو سلام کیا۔ اطلس پوش اُسے دیکھ کر بے حد خُوش ہُوئی۔

اور اپنے پاس بٹھایا۔ پھر اُس نے جواہر خانے سے اپنا خاص صندوقچہ منگوا کر اُس میں سے ایک بیش قیمت ہار نکالا اور صعُودہ کو عطا کیا۔

اس کے بعد صعُودہ اطلس پوش سے رُخصت ہو کر اپنے خیمے میں آئی۔ عمٗرو نے اپنے سب شاگردوں کو ہدایت کر دی تھی کہ صعُودہ کے خیمے کی حفاظت کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ گُل بادِ عراقی کسی حیلے سے اُسے نکال کر لے جائے۔

نئی مُصیبت

امیر حمزہ کا لشکر اصفہان سے کچھ دُور ہی تھا کہ شہزادہ قباد شہر یار ایکا ایکی غائب ہو گیا۔ اُس کے یوُں غائب ہو جانے سے سارے لشکر میں غُل مچ گیا اور ایسی افراتفری مچی کہ بیان سے باہر ہے۔ امیر حمزہ سخت بد حواس اور پریشان تھے اور عمرو عیّار بھی مارا مارا پھرتا تھا۔ مگر قباد شہر یار کو کہیں نہ پاتا تھا۔ آخر گھومتے گھومتے کئی کوس مشرق کی جانب نکل گیا۔ وہاں ایک پہاڑی دکھائی دی جس کی چوٹی آسمان سے باتیں کرتی تھی۔ عمرو عیّار اُس چوٹی پر چڑھا اور چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ کیا دیکھتا ہے کہ جنوب کی جانب میلوں تک خیمے لگے ہوئے ہیں اور ایک عظیم فوج ٹھہری ہوئی ہے۔ عمرو چوٹی سے اُترا اور صُورت بدل کر لشکر میں آیا۔ وہ ایک شاہانہ اور نہایت عالی شان خیمے کے قریب پہنچا۔ وہاں دیکھا کہ مالک اژدر

اور دو عیار پاس کھڑے باتیں کرتے ہیں ۔ ان میں سے ایک عیار دراز عرب اور دوسرا اس کا شاگرد شاہنگ تھا۔سامنے ہی لکڑی کے ایک ستون سے شہزادہ قباد شہریار بندھا کھڑا تھا اور مالک اژدر اس سے کہہ رہا تھا۔

"اے شہزادے، اب بھی ہماری بات مان جا اور امیر حمزہ کا دین چھوڑ کر اپنے نانا نوشیرواں کا دین قبول کر لے ورنہ جان سے مارا جائے گا۔"

شہزادے نے نفرت سے زمین پر تھوکا اور کہا۔"اے بزدل میں تجھ پر اور تیرے مذہب پر ہزار لعنت بھیجتا ہوں۔"

یہ سن کر مالک اژدر کو طیش آیا۔ کہنے لگا، بھلا دیکھیں تو اب کیسے بچتا ہے۔ اسی وقت جلاد کو طلب کیا اور حکم دیا کہ قباد شہریار کی گردن تن سے جدا کر دے۔ جلاد نے اپنا چمکتا ہوا کلہاڑا اٹھایا۔ عین اسی لمحے ایک وزنی پتھر ہوا میں سنسناتا ہوا آیا اور جلاد کے اس زور سے لگا کہ اس کا شانہ اتر گیا۔ اس کے ہاتھ سے کلہاڑا چھوٹ گیا اور تکلیف سے چلانے لگا۔ تب مالک اژدر نے دوسرے جلاد کو طلب کیا۔ اس نے جونہی قباد کو مارنے کے لیے کلہاڑا اٹھایا، ایک اور پتھر اڑتا ہوا آیا اور جلاد کے سر پر اس طرح لگا کہ اس کا بھیجا باہر آ گیا۔ مالک اژدر

یہ دیکھ کر خوف زدہ ہُوا اور شباہنگ سے کہنے لگا۔
"یہ پتھر کہاں سے آتے ہیں؟ ضرور کوئی شرارت کر رہا ہے۔ ذرا معلوم تو کرو۔"
شباہنگ تو پتھر پھینکنے والے کی تلاش میں نکلا اور ادھر مالک اژدر نے تیسرے جلاد کو طلب کیا۔ اُس نے قباد کی گردن اُڑانے کے لیے جونہی تلوار اُٹھائی، تیسرا پتھر آیا اور اس زور سے جلاد کی چھاتی پر لگا کہ وہ اوندھے مُنہ نیچے گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ اب تو مالک اژدر کے خوف کی انتہا نہ رہی۔ لیکن دراز عرب بڑا ہوشیار تھا۔ اُس کی دُور بین نگاہوں نے پتھر پھینکنے والے شخص کو دیکھ لیا تھا۔ اُس نے اپنے عیاروں کو حکم دیا کہ پیادوں میں ایک شخص سبز پگڑی باندھے کھڑا ہے۔ اُسے پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔"
دراز عرب کے عیار عمرو کو پکڑنے کے لیے دوڑے مگر وہ ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتا ہُوا صاف نکل گیا اور نعرہ مارا کہ اگر کسی نے قباد شہریار کا بال بھی بیکا کیا تو اُسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ سب عیار ایک ایک کر کے پیچھے رہ گئے۔ لیکن شباہنگ برابر عمرو کے پیچھے دوڑتا رہا۔ آخر عمرو نے جیب سے ایک پُڑیا نکال کر شباہنگ کی طرف پھینکی۔ اِس میں دوائے بے ہوشی بھری تھی۔ جونہی

اُس کی بُو شباہنگ کی ناک میں پہنچی۔ اُسی دم غش کھا کر زمین پر گر گیا۔ عمرو نے اُسے گھسیٹ کر ایک گڑھے میں ڈالا۔ خُود اُس کی صورت بنا کر واپس آیا اور مالک اژدر کے برابر آن کھڑا ہوا۔ اُس نے پُوچھا۔

"کیا عمرو بچ کر نکل گیا؟"

"جی ہاں۔ میں اُسے اتنی دُور پہنچا آیا ہوں کہ اب اُس کا واپس آنا محال ہے۔" نقلی شباہنگ نے جواب دیا۔ پھر مالک اژدر نے چوتھے جلّاد کو طلب کیا اور حُکم دیا کہ قباد کی گردن اُڑا دے۔ اِس پر نقلی شباہنگ نے آگے بڑھ کر مالک اژدر سے کہا۔

"قباد کو قتل کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیجیے۔ وہ امیر حمزہ کا بیٹا اور نوشیرواں کا نواسا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کل کلاں نوشیرواں اِس کے خُون کا بدلہ آپ سے لے۔"

مالک اژدر یہ سُن کر سوچ میں پڑ گیا اور اشارے سے جلّاد کو منع کیا کہ پرے ہٹ جا۔ یہ دیکھ کر دراز عرب کو طیش آیا۔ وہ چیخ کر کہنے لگا:

"اے مالک اژدر، کیا ہم امیر حمزہ اور نوشیرواں سے ڈر جائیں گے؟ اگر قباد کو قتل نہ کیا گیا تو یہ ہماری

بزدلی ہو گی اور سب جگہ ہمارا مذاق اڑے گا۔ بہتر یہی ہے کہ اِس کا سر قلم کرو تاکہ امیر حمزہ اور نوشیرواں دونوں پر ہماری ہیبت بیٹھے۔"

مالک اژدر اب بھی قباد کے قتل پر آمادہ نہ ہوا۔ تب دراز عرب نے اپنی تلوار میان سے کھینچی اور دانت پیستا ہوا قباد شہریار کی طرف بڑھا مگر نقلی شباہنگ نے ایک نعرہ مار کر خنجر نکالا اور دراز عرب پر حملہ کیا۔ دراز عرب لہو لہان ہو کر زمین پر گرا اور تڑپنے لگا۔ مالک اژدر نے حیران ہو کر کہا۔

"اے شباہنگ، تجھے کیا ہوا۔ اپنے اُستاد کو زخمی کر دیا۔"

شباہنگ نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ "میں عمرو عیّار ہوں۔ خبردار کسی نے قباد کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھا تو آنکھیں نکال دوں گا۔"

یہ سن کر مالک اژدر کی سٹی گم ہوئی۔ کلیجا بیٹھنے لگا ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ "اے عمرو عیّار، میں تو پہلے بھی قباد کو مارنے کے حق میں نہ تھا۔ لیکن اس کم بخت دراز عرب نے مجھے مجبور کر دیا تھا ــــ اچھا ہوا تم نے اِس مردود کو سزا دی ۔ میں خوشی سے قباد کو آزاد

کرتا ہوں۔ لیکن امیر حمزہ سے میری شکایت نہ کرنا۔"
قصہ مختصر عمرو شہزادہ قباد کو آزاد کرا کے اپنے ساتھ امیر حمزہ کے پاس لایا۔ انھوں نے بیٹے کو صحیح سلامت دیکھا تو بے حد خوش ہوئے اور خدا کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کیا۔

امیر حمزہ ابھی اصفہان پر حملہ کرنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔
گرد عراقی شکار کھیلنے کے لیے کسی جنگل میں گیا۔ وہاں کسی نے اس کے سینے پر ایسا وزنی پتھر کھینچ مارا کہ اس کی ہڈیاں پسلیاں چرچرا گئیں اور وہ وہیں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ اس کے ساتھی لاش لے کر نوشیرواں کی بارگاہ میں آئے اور رو رو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ مندیل گل باد، بختک اور مہلیل سب کو گرد عراقی کی لاش دیکھ کر صدمہ ہوا۔ مگر بختک کے ذہن میں ایک انوکھی تدبیر نے جنم لیا۔ اس نے مندیل سے کہا۔
"اگر آپ میری بتلائی ہوئی تدبیر پر عمل فرمائیں تو یقین ہے کہ عمرو عیار خود بخود آپ کے قابو میں آ جائے گا۔"

یہ سن کر ہندیل اور نوشیرواں کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ انھوں نے کہا۔"جلد بتا وہ تدبیر کیا ہے؟"

"آپ ایسا کیجیے کہ گرد عراقی کی لاش تابوت میں بند کر کے امیر حمزہ کے پاس بھیج دیجیے۔ اس کے ساتھ ہی وہ پتھر بھی بھیجیے جس سے یہ مارا گیا ہے اور ایک زنانہ پوشاک بھی روانہ کیجیے۔ پھر امیر حمزہ سے قاصد یوں کہے کہ آپ کا سارا رعب داب عمرو عیار کی وجہ سے ہے۔ اگر وہ نہ ہو تو ایک دن بھی آپ کی حکومت اور پہلوانی قائم نہ رہ سکے یہ پتھر سوائے عمرو عیار کے اور کوئی شخص گرد عراقی کو نہیں مار سکتا۔ بہتر ہے کہ آپ یا تو زنانہ پوشاک پہنیے یا عمرو کے ہاتھ پیر باندھ کر ہمارے پاس روانہ کر دیجیے کیونکہ ایسی حرکتیں بہادروں کی شان کے شایاں نہیں ہیں۔

بختک کی بتائی ہوئی یہ تدبیر سن کر سبھی پھڑک اٹھے نوشیرواں نے خاص طور پر آفرین کہی۔ پھر جیسا کہ بختک نے کہا تھا، زنانہ پوشاک اور پتھر کے ساتھ گرد عراقی کی لاش تابوت میں بند کی گئی اور بہرام عراقی کے ذریعے امیر حمزہ کے پاس بھیج دی گئی۔ اس نے حمزہ سے کہا کہ یہ حرکت نہایت بزدلی کی ہے۔ عمرو عیار نے گرد عراقی کو اس پتھر سے ہلاک کیا ہے۔ یا تو آپ یہ زنانہ کپڑے پہن لیجیے ورنہ

عمرو کو ہمارے حوالے کیجیے۔

امیر حمزہ یہ بات سُن کر حیران رہ گئے۔ اُسی وقت عمرو عیار کو طلب کیا اور گرد عراقی کی لاش دِکھا کر کہا "سچ سچ بتا اُسے تو نے ہلاک کیا ہے؟"

عمرو نے قسم کھا کر کہا "یہ کام میرا نہیں ہے۔ کسی اور بد ذات کا ہے؟"

لندھور نے یہ قصہ سُنا تو امیر حمزہ سے کہا۔ میرا خیال ہے عمرو سچ کہتا ہے۔ یہ سب چالاکی بختک کی ہے۔ اُس نے عمرو پر قابو پانے کے لیے آپ کو بھڑکانے کی کوشش کی ہے۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ سوچ میں پڑ گئے۔ پھر عمرو سے کہنے لگے "اگر تم نے اُسے قتل نہیں کیا تو پھر کس نے کیا ہے؟ تین دن کے اندر اندر اصلی قاتل کا سُراغ لگا کر میرے سامنے پیش کرو ورنہ تمھیں باندھ کر نوشیرواں کے پاس بھیج دیا جائے گا۔"

"امیر حمزہ، میری بات کا یقین کرو۔ میں نے اِس مردُود کو ہرگز قتل نہیں کیا۔ اگر تم نے مجھے باندھ کر نوشیرواں کے پاس بھیجا تو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔"

"کچھ بھی ہو۔ تمھیں تین دن کی مُہلت ہے۔ اِس عرصے

میں اصلی قاتل کو ڈھونڈھ لاؤ۔"

اب تو عمرو مجبور ہوا اور کہا "بہت بہتر۔ میں جاتا ہوں اور قاتل کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"جانے سے پہلے اپنا ضامن مجھے دیتے جاؤ۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "اگر تم تین دن تک نہ لوٹے تو تمھارے ضامن کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا۔"

عمرو نے اِدھر اُدھر نظریں گھمائیں لیکن کوئی بھی ضامن بننے کے لیے تیار نہ تھا۔ تب اُس نے ایک آہِ سرد کھینچی اور کہا۔ افسوس کہ ہمارا کوئی دوست اِس بھری دُنیا میں نہیں جو ضمانت دے۔"

یہ سُن کر لندھور سے ضبط نہ ہو سکا۔ فوراً آگے آیا اور امیر حمزہ سے کہا "میں عمرو کا ضامن ہوں۔ اگر یہ تین دن تک واپس نہ آیا تو آپ کو اختیار ہے جو سلوک چاہے مجھ سے کریں۔"

امیر حمزہ نے لندھور کی طرف دیکھا اور کہنے لگے۔ اے لندھور، ذرا سوچ سمجھ کر عمرو کی ضمانت دو۔ یہ جان لو کہ مجھے عمرو سے زیادہ کوئی اور عزیز نہیں۔ جب میں اسے باندھ کر نوشیرواں کے پاس بھجوا سکتا ہوں تو تمھاری حیثیت کیا ہے؟ اگر یہ تین دن تک نہ لوٹا تو بخدا تمھیں

دُنیا کی کوئی طاقت موت کے ہاتھوں نہ بچا سکے گی۔ میں کسی کی سفارش نہ سُنوں گا۔"

"مجھ کو منظور ہے۔ لندھور نے ادب سے جواب دیا۔

عَمرو عیّار لندھور کو ضامن بنا کر ایک جانب روانہ ہُوا شام تک چاروں کھونٹ مارا مارا پھرا مگر کچھ پتا نہ چلتا تھا کہ کدھر جائے۔ آخر ایک جگہ بیٹھ کر فال کھولی۔ معلوم ہُوا کہ شمال کے رُخ ایک قدیم شہر آباد ہے قاتل کا سُراغ وہیں ملے گا۔ وہ تیزی سے شمال کی جانب دوڑنے لگا۔ آدھی رات کے وقت شہر میں آیا۔ وہاں اِتنی رونق تھی کہ دِن نِکلا ہُوا تھا۔ یکایک لوگوں نے اُسے پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہُوئے لے چلے۔ اُس نے فریاد کی کہ میرا قصور کیا ہے مگر کِسی نے ایک نہ سُنی اور کہا کہ اِس شہر کا حاکم ایک نابینا شخص ہے۔ اُس کا حُکم ہے کہ جو مُسافر شہر میں داخل ہو اُسے پکڑ کر پہلے میرے پاس لاؤ۔ وہ اُس کے ہاتھ کی ہتھیلی سُونگھتا ہے اور پھر فیصلہ کرتا ہے کہ اِس مُسافر کو شہر میں رہنا چاہیے یا نہیں۔

وہ لوگ عَمرو کو اندھے کے پاس لے گئے۔ اُس نے عَمرو کی ہتھیلی سُونگھی اور ہنس کر کہا۔

"آج بہت بڑا شکار ہاتھ لگا ہے۔ یہ امیر حمزہ کا دوست

عمرو عیار ہے۔ میں مدت سے اس کی تلاش میں تھا۔ خبردار جانے نہ پائے۔ اسے قید خانے میں بند کر دو۔"

اندھے کی یہ بات سن کر عمرو پر سکتہ طاری ہو گیا۔ دل میں کہا، یہ اندھا تو بڑا باکمال ہے۔ قصہ مختصر عمرو ایک مکان میں قید کر دیا گیا۔ ایک دن قید خانے میں گزر گیا اور رہائی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو وہ سخت پریشان ہوا۔ اپنے آپ سے کہتا تھا کہ، اے عمرو، ایک دن ابھی وعدے میں باقی ہے۔ اگر وقت پورا ہونے سے پہلے نہ پہنچوں گا تو سب کہیں گے کہ عمرو جان بچا کر چلا گیا۔ اور لندھور کو بے قصور قتل کروا دیا۔ یہ سوچ کر خدا سے رہائی کی دعا کرنے لگا۔

اتنے میں کیا سنتا ہے کہ پہرا دینے والا اپنی بھدی آواز میں کچھ گا رہا ہے۔ عمرو نے اس کی تعریف کے پل باندھ دیے۔ وہ خوش ہو کر قریب آ گیا اور دیر تک گاتا رہا۔ آخر عمرو سے کہنے لگا۔

"آج پہلا اتفاق ہے کہ تم جیسا قدردان ملا ہے۔ ورنہ سبھی میرا مذاق اڑاتے ہیں۔"

"ارے میاں پہرے دار، یقین کرو، جیسی سریلی آواز تمھاری ہے، ساری دنیا میں کسی کی نہ ہو گی۔ لوگ دراصل تم

سے جلتے ہیں۔ اِس لیے بُرائی کرتے ہوں گے۔" عمرو نے کہا۔

پہرے دار چند لمحے عمرو کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے تمھیں بھی گانے سے بہت دِل چسپی ہے۔ اب تُم کچھ سُناؤ۔"

"افسوس کہ میں ساز کے بغیر گا نہیں سکتا۔" عمرو نے کہا۔ اور تُم دیکھ رہے ہو کہ میرے دونوں ہاتھ بندھے ہُوئے ہیں۔"

پہرے دار نے اِدھر اُدھر دیکھ کر عمرو کے دونوں ہاتھ کھول دیے۔ پھر اپنا چنگ اُس کے حوالے کیا۔ عمرو نے اپنی سُریلی آواز میں ایک راگ چھیڑ دیا۔ پہرے دار وجد میں آ گیا۔ چند منٹ تک گانا گانے کے بعد عمرو نے کہا۔

"بھائی پہرے دار سخت پیاس لگی ہے۔ تالُو چیخ رہا ہے اچھی طرح گایا نہیں جاتا۔ ذرا سا پانی تو لا کر پلاؤ۔"

پہرے دار کے قریب ہی پانی سے بھری ہُوئی صُراحی رکھی تھی۔ اُس نے صُراحی اُٹھا کر عمرو کے حوالے کی اور کہا۔ "اِسے اپنے ہی پاس رکھو اور خُوب پانی پیو۔ جب مجھے ضرورت پڑے گی تو تُم سے مانگ لیا کروں گا۔"

عمرو نے پانی کی صراحی لے کر اپنی کوٹھڑی میں رکھی اور پہرے دار کی آنکھ بچا کر اُس میں دوائے بے ہوشی ملا دی۔ پھر چنگ بجا کر گانے میں مصروف ہُوا۔ تھوڑی دیر بعد پہرے دار کو پیاس لگی۔ اُس نے پانی مانگا۔ عمرو نے کٹورا بھرا اور پہرے دار کو دیا۔ اُس نے ابھی ایک گھونٹ ہی بھرا تھا کہ دھڑام سے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ عمرو نے جھٹ اُس کی جیبیں ٹٹول کر چابی نکالی اور کوٹھڑی کا قُفل کھول کر باہر آیا۔ آدھی رات کا وقت تھا اور ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ عمرو کو قید خانے سے فرار ہوتے ہُوئے کسی نے نہ دیکھا۔ دوڑتے دوڑتے شہر پناہ سے باہر نِکلا اور ایک صحرا کی طرف چلا۔

وہ صُبح صادق کے وقت دم لینے کو ایک نخلستان میں رُکا۔ اِتنے میں ایک بھیانک شکل کا ایک شخص ہاتھ میں نیزہ لیے دُور سے آتا دِکھائی دِیا۔ جب وہ عمرو کے قریب آیا تو کہنے لگا۔

"اے شخص، تیرے پاس جو کُچھ مال دولت ہے میرے حوالے کر دے ورنہ مارا جائے گا۔"

عمرو اُسے دیکھ کر ڈر گیا اور عاجزی سے کہا "بھائی، میں ایک غریب مُسافِر ہُوں۔ راستہ بھُول کر اِدھر آ نِکلا ہُوں

میرے پاس مال دولت کہاں ہے جو تم کو دوں۔ مجھے تو معاف کرو۔"

"زیادہ باتیں نہ بنا، جانتا نہیں میں صحرائی قزاق ہوں۔ جلد اپنے کپڑے اُتار کر میرے حوالے کر دے۔ مال دولت نہ سہی یہ کپڑے ہی میرے لیے کافی ہیں۔"

اب تو عمرو کو طیش آیا۔ کمر سے خنجر کھول کر قزاق کی طرف جھپٹا۔ وہ بھی غافل نہ تھا۔ دونوں میں خوب جنگ ہوئی۔ آخر قزاق کا نیزہ ٹوٹ گیا۔ اس نے لپک کر ایک بڑا پتھر اُٹھایا اور عمرو کی طرف پھینکا۔ وہ پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا ورنہ کھوپڑی پاش پاش ہو جاتی۔ یکایک عمرو نے اپنی زنبیل میں سے کمند کا حلقہ نکال کر قزاق پر پھینکا۔ وہ اُس میں گرفتار ہوا۔ تب عمرو نے اُس کے ہاتھ پیر باندھے اور خنجر اُس کے گلے پر رکھ کر کہنے لگا۔

"اب بول، یہ خنجر تیری گردن پر پھیر دوں؟"

قزاق گھگھیانے اور معافی مانگنے لگا۔ عمرو نے پوچھا "تیرا نام کیا ہے؟ سچ سچ بتا۔"

"مجھ کو اسلم بادیا کہتے ہیں۔"

"کیا گرد عراقی کو تو نے مارا تھا؟" عمرو نے کہا۔

"بے شک ــــــ اُس نے میرے باپ کی دونوں آنکھیں پھوڑ

ڈالی تھیں۔ میں نے اُسے مار کر اپنے باپ کا بدلہ لیا ہے۔"
اسلم یاد پا نے جواب دیا۔
تب عمرو عیار نے اُسے سارا قصہ سنا کر کہا کہ میں تیری تلاش میں نکلا ہوں اور تین دن کی مہلت لے کر آیا ہوں۔ لندھور میرا ضامن ہے۔ اگر آج شام تک واپس نہ پہنچا تو لندھور بے گناہ مارا جائے گا۔ تو میرے ساتھ چل کر امیر حمزہ سے صرف اتنا کہہ دے کہ گرد عراقی کو مارنے والا میں ہوں۔"
"واہ صاحب واہ۔ اچھا سبق پڑھاتے ہو۔" اسلم نے کہا۔"میں بھلا یہ کیوں کہنے لگا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں اپنے منہ سے اپنی ہی موت کو آواز دوں۔"
عمرو نے جب دیکھا کہ یہ کسی طرح نہیں مانتا تو دوائے بے ہوشی سنگھا کر بے ہوش کیا، پشتارہ باندھ کر زنبیل میں ڈالا اور ہوا کی مانند اپنے لشکر کی جانب روانہ ہوا۔
اب اُدھر کا حال سنیے۔ عمرو کو گئے ہوئے آج تیسرا دن تھا اور وہ بھی ختم ہونے والا تھا۔ لندھور کے ملازموں اور سپاہیوں میں چرچا ہو رہا تھا کہ دیکھا عمرو عیار نے دغا کی۔ اپنی جگہ ہمارے بادشاہ لندھور کو ضامن بنا کر بھاگ گیا۔ لیکن ہم لندھور کو یوں مرنے نہ دیں گے۔ اور اپنا خون

پانی کی طرح بہائیں گے۔ ہندی سپاہیوں کے بگڑنے اور بغاوت پر آمادہ ہونے کی خبریں امیر حمزہ تک بھی پہنچ گئیں۔ اُنھوں نے لندھور کو فوراً طلب کیا اور حکم بھیجا کہ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر حاضر ہو۔ لندھور نے چلتے وقت اپنی فوج سے کہا۔

"دیکھو، میں امیر حمزہ کی خدمت میں جاتا ہوں۔ میں نے اُن سے وفاداری اور جاں نثاری کا عہد کیا ہے۔ مردوں کی شان یہ ہے کہ وہ ہر حال میں عہد کو پورا کریں۔ اگر وہ مجھ کو جان سے مار دیں تب بھی تم لوگ چوں نہ کرنا اور بغاوت کا خیال بھی دل میں نہ لانا۔ اگر میرا وقت پورا ہو چکا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے بچا نہیں سکتی اور اگر کچھ زندگی باقی ہے تو خدا مجھے بچائے گا۔"

لندھور کی اس تقریر کا ہندی سپاہیوں پر اچھا خاصا اثر ہوا اور سب نے گردنیں جھکا دیں۔ اس کے بعد لندھور ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہن کر امیر حمزہ کے پاس آیا اور خاموش کھڑا رہا۔ امیر نے کہا۔

"بولو، اب کیا کہتے ہو؟ سورج چھپنے کو ہے اور عمرو عیار ابھی تک نہیں آیا۔ مرنے کے لیے تیار ہو؟"

"میں نے جو قول دیا ہے، اُسے پورا کرنے کے لیے حاضر

ہُوں۔ لِندھور نے ادب سے جواب دیا۔

بہت خُوب ہمیں تم سے اِسی کی اُمید تھی۔ امیر حمزہ نے کہا۔ ابھی کچھ وقت باقی ہے۔ تُم باہر جا کر بیٹھو۔ سُورج غُروب ہونے کے فوراً بعد تُمھاری گردن اُڑا دی جائے گی۔"

لِندھور سر جُھکائے باہر گیا اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ رہا۔ عادی پہلوان۔ استفتانوش، بخت مغربی، مُقبل وفادار اور بہرام سبھی پریشان تھے اور رو رہے تھے لیکن کسی کو امیر حمزہ کے پاس جاتے اور سفارش کرنے کی جُرأت نہ تھی۔ سب دِل ہی دِل میں دُعائیں مانگ رہے تھے کہ اے خُدا، عَمرو کو یہاں بھیج دے۔

سُورج غُروب ہو گیا تو امیر حمزہ نے عادی پہلوان کے بھائی ذُوالحمار عادی کو طلب کر کے حُکم دیا کہ کُلھاڑا اُٹھاؤ اور لِندھور کی گردن تَن سے جُدا کر دو۔ اِس موقع پر بہرام عراقی بھی موجُود تھا اور امیر حمزہ کے اِس فیصلے اور لِندھور کی اطاعت دیکھ کر حیران تھا۔ ذوالحمار عادی نے پانچ من وزنی کُلھاڑا کندھے پر اُٹھایا۔ اُس کا پھل اِتنا تیز تھا کہ درخت کے تنے پر پڑتا تو اُسے بھی آنِ واحد میں کاٹ ڈالتا۔

اچانک مشرق کی جانب سے گرد کا بادل اُٹھتا نظر

آیا۔ سب کی نظریں اُس پر جم گئیں۔ پھر یہ بادل چھٹ گیا۔ اور اُس میں سے عمرو عیار نمودار ہوا۔ امیر حمزہ اور اُن کے دوستوں نے خوشی کا نعرہ لگایا۔ عمرو ہانپتا کانپتا سامنے آیا۔ اور زنبیل میں سے پشتارہ نکال کر امیر حمزہ کے سامنے پٹخ دیا۔

"لیجیے یہ ہے گرد عراقی کا قاتل۔"

پشتارے میں اسلم بادپا بے ہوش پڑا تھا۔ اُسے ہوش میں لایا گیا۔ اُس نے جونہی امیر حمزہ کی صورت دیکھی۔ قدموں میں گرا اور بے اختیار پکار اٹھا۔ میں آپ کی اطاعت قبول کرتا ہوں۔ گرد عراقی کو واقعی میں نے ہلاک کیا تھا۔"

بہرام عراقی نے بھی اُس کے یہ الفاظ سُنے تب امیر حمزہ نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اے بہرام، تُو نے دیکھ لیا کہ گرد عراقی کا قاتل عمرو نہیں بلکہ اسلم بادپا ہے۔ اب تُو بختک اور مندیل اصفہانی کو جا کر بتا دے۔

بہرام عراقی سلام کر کے اصفہان کو روانہ ہوا۔ عمرو نے امیر حمزہ سے کہا۔ مجھے بھی اجازت دیجیے۔ بس دیکھ لی آپ کی محبت۔ آپ دشمنوں کے جھانسے میں آ کر ہماری ہی جانوں کے درپے ہو جاتے ہیں۔ فرض کیجیے اسلم بادپا مجھے نہ ملتا تو آپ یقیناً مجھے یا میرے ضامن لندھور کو

ہلاک کروا دیتے۔ بس ایسی دوستی سے باز آیا۔ اب جنگل میں جاتا ہوں۔ ساری عمر یادِ الٰہی میں بسر کروں گا۔"

یہ کہہ کر سب کو سلام کیا اور روانہ ہوا۔ امیر حمزہ پہلے تو حیرت سے دیکھتے رہے پھر پکار کر کہنے لگے۔ "عمرو بھائی کہاں جاتے ہو واپس آ جاؤ۔"

عمرو نے کچھ جواب نہ دیا۔ آخر لندھور نے آواز دی اور کہا "اے عمرو، یہ محبت سے بعید ہے کہ تم ہمیں یوں چھوڑ کر چلے جاؤ، دیکھو ہم نے تمہاری خاطر جان بھی داؤ پر لگا دی اور اب تم اس کا یہ صلہ دیتے ہو۔"

لندھور کی یہ بات سن کر عمرو واپس آیا اور کہنے لگا "بھائی لندھور تمہارے کہنے سے واپس آتا ہوں ورنہ اپنی شکل دکھانے کو جی نہیں چاہتا۔"

تب امیر حمزہ آگے بڑھ کر عمرو سے چمٹ گئے اور رونے لگے۔ عمرو کی آنکھیں بھی تر ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد سب دوست بیٹھے عمرو کے لطیفوں پر قہقہے لگا رہے تھے۔

خداوندِ مینار نشین

تین دن بعد امیر حمزہ نے اپنے لشکر کو کُوچ کا حکم دیا۔ اور شہر اصفہان کے سامنے پہنچ گئے۔ اُدھر جاسُوسوں نے مندیل اصفہانی اور نوشیرواں کو خبر دے دی تھی کہ امیر حمزہ فوج لے کر آتے ہیں۔ بختک مکار نے مندیل اور نوشیرواں سے پُوچھے بغیر طبلِ جنگ بجوا دیا۔ عادی پہلوان نے امیر حمزہ سے کہا کہ دُشمن طبلِ جنگ بجا رہا ہے، اجازت ہو تو ہماری جانب سے بھی نقارے بجائے جائیں۔ حمزہ نے اِجازت دی۔ تب ساری رات دونوں جانب سے لڑائی کی تیاریاں ہوئیں اور صُبح سویرے دونوں لشکر میدان میں نِکلے۔

سب سے پہلے مندیل اصفہانی ایک سفید تُرکی گھوڑے پر سوار میدان میں آیا اور امیر حمزہ کو مُقابلے کے لیے للکارا۔ امیر حمزہ اشقر دیوزاد پر سوار ہُوئے اور میدان میں

آئے۔ مندیل نے جب اُنھیں دیکھا تو حیران ہو کر بولا۔

"اے جوان، تُو کون ہے؟ میں نے حمزہ پہلوان کو پُکارا تھا۔"

"میرا ہی نام حمزہ ہے۔"

"بہت خُوب۔" مندیل نے کہا۔ "تیرا جسم دیکھ کر یقین نہیں آتا۔"

"اے مندیل، زیادہ باتیں مت بنا اور بڑھ کر حملہ کر۔ ابھی فیصلہ ہُوا جاتا ہے کہ میں کون ہُوں۔"

مندیل نے چمکتی ہُوئی تلوار میان سے کھینچی اور حملہ کیا امیر حمزہ نے ڈھال آگے کی لیکن بد قسمتی سے اشقر دیوزاد کا ایک پاؤں پھسلا اور وہ دائیں جانب جُھک گیا۔ اُسی لمحے مندیل کی تلوار امیر حمزہ کی پیشانی کو زخمی کرتی ہُوئی نکل گئی۔ یہ دیکھ کر مندیل کے لشکر نے نعرے لگائے۔ امیر حمزہ نے سنبھل کر وار کیا اور اس مرتبہ اُنھوں نے مندیل کو لہو لُہان کر دیا۔ پھر دونوں فوجیں آپس میں گتھ گئیں اور اس گھسان کی لڑائی ہُوئی کہ چند لمحوں میں کُشتوں کے پُشتے لگ گئے۔ لندھور اور بہرام نے مار مار کر دُشمن کی لاشوں کے انبار لگا دیے۔ اور نوشیروان کو گھیرے میں لینے کی کوشش کرنے لگے۔ تب بد حواس ہو

کر بختک نے واپسی کا نقّارہ بجوایا۔ مندیل کی بچی کھچی فوج فوراً قلعہ اصفہان کی طرف بھاگی۔ اور قلعے میں پناہ لے کر دروازے بند کر لیے۔

جب جنگ بند ہو گئی تو لندھور، بہرام اور عمرو نے امیر حمزہ کو میدانِ جنگ میں نہ پایا۔ بہت تلاش کیا مگر کچھ پتا نہ چلا کہ وہ کہاں غائب ہوئے ہیں۔ شہزادہ قباد شہریار نے عمرو سے کہا۔

"چچا جان، آپ ہی انھیں ڈھونڈھ سکتے ہیں۔ یہ کام کسی اور کے بس کا نہیں۔" عمرو نے سب کو دلاسا دیا اور امیر حمزہ کی تلاش میں روانہ ہوا۔

قصّہ اصل میں یہ تھا کہ اشقر دیوزاد نے جب دیکھا کہ امیر حمزہ سخت زخمی ہیں اور زیادہ خون بہہ جانے کے باعث اُن پر غشی طاری ہو رہی ہے تو وہ انھیں لے کر میدانِ جنگ سے چلا اور ایک خوش نما سبزہ زار میں پہنچا۔ اس کے ایک جانب بہت بڑی جھیل تھی اور سامنے اونچا پہاڑ تھا جس کی چوٹی پر برف جمی ہوئی تھی۔ اشقر دیو زاد نے امیر حمزہ کو جھیل کے کنارے اپنی پشت سے اُتارا اور خود گھاس چرنے لگا۔ اُس وقت امیر حمزہ کچھ ہوش میں تھے۔ اور کچھ بے ہوش۔ انھوں نے آگے بڑھ

کر جھیل میں سے پانی پینا چاہا مگر اتنی طاقت نہ تھی۔ اُن کا آدھا دھڑ پانی میں اور آدھا خشکی پر رہ گیا۔

یہ سبزہ زار شہزادی کاکل کُشا کا تھا اور اُس کے باپ کے دو نام مشہور تھے۔ پہلا نام سلیمان اور دُوسرا فاریاب شاہ بادشاہِ شہر فارس تھا۔ اس باغ میں کاکل کُشا اکثر سیر و تفریح کے لیے آیا کرتی تھی اور اُس روز بھی آئی ہوئی تھی۔ اُس کی خواصیں اور کنیزیں باغ میں ہنستی کھیلتی گھوم رہی تھیں۔ کوئی جھولا جھولتی تھی اور کوئی آنکھ مچولی کھیل رہی تھی۔ کاکل کُشا اپنی وزیر زادی دِل رُبا کا ہاتھ پکڑے جھیل میں پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔ یکایک اُس نے دیکھا کہ پانی کا رنگ کچھ سُرخ سُرخ سا ہے چُلّو میں پانی لے کر سُونگھا تو اُس میں سے لہُو کی بُو آئی۔ حیران ہو کر وزیر زادی سے کہنے لگی۔

"اے دِل رُبا، ذرا دیکھ تو پانی سے لہُو کی بُو آتی ہے۔"

دِل رُبا نے بھی پانی سُونگھا اور بول اُٹھی کہ اے ملکۂ عالم آپ سچ فرماتی ہیں۔ اِس پانی میں ضرور خُون مِلا ہُوا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ خُون آیا کہاں سے؟ اِس سے پہلے تو کبھی ایسا نہ ہُوا تھا۔ معلُوم کرنا چاہیے

کہ کیا بات ہے۔

تب شہزادی چند خواصوں اور کنیزوں کو لے کر جھیل کے دوسرے کنارے پر پہنچی۔ کیا دیکھا کہ ایک جوان شخص جس کا چہرہ آفتاب کی مانند روشن ہے لیکن زخموں سے لہو لہان ہے، جھیل کے کنارے بے ہوش پڑا ہے اور اسی کا خون ہے جو آہستہ آہستہ جھیل کے پانی میں شامل ہو رہا ہے۔

شہزادی نے خواصوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو اٹھا کر باغ کی بارہ دری میں لے چلو۔ ہم اس کا علاج کریں گے بے چارہ آفت کا مارا اور مصیبت زدہ ہے۔ اشقر دیو زاد نے جب دیکھا کہ چند عورتیں اس کے آقا کو اٹھا کر لے چلیں تو وہ بھی اُن کے پیچھے پیچھے آیا۔ شہزادی سمجھ گئی کہ یہ گھوڑا بھی اسی زخمی شخص کا ہے۔ اس نے خواصوں سے کہا کہ اسے ایک درخت سے باندھ دو اور دانے گھاس کا خیال رکھو۔

شہزادی نے بارہ دری کے ایک آرام دہ اور پُر سکون گوشے میں امیر حمزہ کو لٹایا۔ پھر شاہی طبیب کو طلب کیا ملکہ نے طبیب کو ایک ہزار اشرفیاں دیں اور کہا کہ اس شخص کے زخموں کا علاج کرو۔ جب یہ ٹھیک ہو جائے گا

تو ایک ہزار اشرفیاں اور عطا کروں گی۔

طبیب نے دل و جان سے امیر حمزہ کا علاج کیا۔ تین دن کے اندر اندر زخم بھر گئے اور جسم کی کھوئی ہوئی طاقت بھی لوٹ آئی۔ چوتھے دِن اُنھوں نے غُسلِ صحّت کیا شہزادی بہت خُوش ہوئی۔ پھر اُس نے امیر حمزہ سے پُوچھا۔

"اے شخص، بتا کہ تُو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور تجھے کِس نے زخمی کیا۔"

تب امیر حمزہ نے اُسے ساری داستان سُنائی۔ کاکُل کُشا اُن کے نام اور کارناموں سے خُوب آگاہ تھی لیکن اُنھیں دیکھنے کا یہ پہلا اِتّفاق تھا۔ جھٹ اُٹھ کھڑی ہُوئی، سات مرتبہ جُھک جُھک کر سلام کیا۔ پھر کہنے لگی۔

"یہ ہماری خُوش نصیبی ہے کہ آپ یہاں تشریف لائے اور ہمیں خدمت کا موقع دیا۔ جب تک جی چاہے یہاں رہیے اور مجھے اپنی لونڈی سمجھیے۔"

امیر حمزہ نے اُس کا شُکریہ ادا کیا اور کہنے لگے "میں اِنشاء اللہ ایک دو روز بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ ابھی کچھ کمزوری سی محسُوس کرتا ہُوں۔"

اِدھر تو اِن دونوں میں یہ باتیں ہو رہی تھیں اور اُدھر

عمرو عیار امیر حمزہ کو ڈھونڈتا ہوا بارہ دری تک آن پہنچا۔ دور سے دیکھا اور پہچان لیا کہ حمزہ صحیح سلامت ہیں، شہزادی اُن کے قریب بیٹھی پنکھا جھل رہی ہے۔ اور چاروں طرف کنیزیں اور خواصیں با ادب کھڑی ہیں۔ عمرو کو شرارت سُوجھی۔ اپنا سبز کمبل اوڑھا اور جیب سے قینچی نکال کر آگے آیا۔ چُپکے چُپکے سبھی کنیزوں کی چوٹیاں کاٹ ڈالیں اور اُن کو خبر تک نہ ہُوئی۔ یکایک کاکل گشتا کی نظر پڑی تو بے اختیار چلا اُٹھی۔

"اے کنیزو، ذرا اپنا حُلیہ تو دیکھو۔ تمھاری چوٹیاں کہاں غائب ہو گئیں؟"

سب نے فوراً سر پہ ہاتھ پھیر کر دیکھا تو چوٹیاں کٹی ہوئی تھیں۔ اب کیا تھا۔ ایک کہرام مچ گیا۔ امیر حمزہ بھی حیران تھے کہ ایسا کیونکر ہُوا۔ ضرور اِس باغ میں کوئی آسیب ہے۔ یکایک عمرو نے کمبل اُتارا اور اپنی شکل ایک بن مانس کی سی بنائی۔ کنیزوں اور خواصوں نے بن مانس کو دیکھا تو بد حواس ہوئیں اور چیختی چلاتی بھاگ نکلیں۔ ایک کنیز نے کاکل گشتا سے کہا۔

"حضور ملکۂ عالم، یہاں سے نکل چلیے ایک بن مانس باغ میں گُھس آیا ہے۔"

یہ سن کر شہزادی کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ لیکن امیر حمزہ نے اُسے تسلّی دی اور تلوار لے کر اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ کہنے لگے "گھبراؤ نہیں، بن مانس کو ابھی مار کر آتا ہُوں۔" یہ کہہ کر باغ کے اُس حِصّے میں چلے جہاں کنیزوں نے بن مانس کو دیکھا تھا۔ اُنھوں نے اِدھر اُدھر جھاڑیوں اور لمبی گھاس میں دیکھا بھالا مگر بن مانس کہیں نظر نہ آیا۔ یکایک پیچھے سے کسی جانور کے غُرّانے کی آواز آئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سات فُٹ اُونچا ایک سیاہ فام بن مانس دانت نکال کر اُنھیں گھُور رہا ہے۔ پھر وہ اُنھیں پکڑنے کے لیے اُچھلتا کُودتا آگے بڑھا۔ امیر حمزہ نے تلوار گھُمائی اور چاہتے تھے کہ بن مانس کے ہاتھ پاؤں قلم کریں کہ وہ چِلّایا۔

"اے حمزہ، ہاتھ روک لو۔ میں عَمرو ہُوں۔"

اب جو امیر حمزہ بغور دیکھتے ہیں تو سامنے عَمرو عیّار کھڑا مُسکرا رہا ہے۔ فوراً لپٹ گئے اور کہنے لگے۔ "مجھے پہلے ہی شک تھا کہ تُمھارے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا لیکن جب اُنھوں نے ایک بن مانس کا قِصّہ سُنایا تو میں بھی حیران ہُوا اچھا، اب میرے ساتھ آؤ۔ میں تُمھیں کاگل گُشا سے ملاؤں۔"

امیر حمزہ عَمرو عیّار کا ہاتھ پکڑے ہُوئے بارہ دری میں

آئے اور شہزادی سے کہا "یہ میرا بھائی عمرو ہے۔ فنِ عیاری میں لاثانی ہے۔ یہی آپ لوگوں کو بن مانس بن کر ڈرا رہا تھا۔"

کاکل کُشا عمرو کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ پھر دو صندوقچے جواہر سے بھرے ہوئے منگوائے اور عمرو کو دیے۔ عمرو نے فوراً زنبیل میں ڈال لیے اور بولا "اجازت ہو تو ایک گانا آپ کو سناؤں۔"

کاکل کُشا نے اجازت دی۔ عمرو نے اپنا اِکتارہ نکالا اور ایک راگ چھیڑ دیا۔ پھر لہک لہک کر گانے لگا۔

یہاں تو محفل گرم تھی اور اُدھر کسی کنیز نے جا کر سارا حال فاریاب شاہ سے کہہ دیا۔ وہ سمجھا کوئی دشمن باغ میں گھس آیا ہے۔ فوراً تلوار کھینچ کر باغ میں آیا۔ اور ٹیڑھی ترچھی نظروں سے امیر حمزہ اور عمرو کو دیکھ کر بولا "تم کون ہو اور یہ تمھارے ساتھ دوسرا آدمی کون ہے؟"

میرا نام حمزہ ہے۔ نوشیرواں کا داماد ہوں۔ یہ دوسرا شخص میرا دوست اور بھائی عمرو عیار ہے۔"

فاریاب شاہ نے دونوں کو سلام کیا اور کہنے لگا۔ "مرحبا اے حمزہ اور آفرین اے عمرو، خوب کیا کہ یہاں قدم رنجہ فرمایا۔ میں مدت سے اس فکر میں تھا کہ آپ لوگوں کی زیارت

کا شرف حاصل کروں مگر بدقسمتی سے کوئی موقع ہی نہ ملتا تھا قصّہ یہ ہے کہ میری سلطنت کی سرحد پہ ایک خُداوندِ مینار نشیں رہتا ہے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے؟ ہر سال اُس مینار پہ ایک زبردست میلا لگتا ہے۔ جس میں لاکھوں آدمی دُور و نزدیک سے آتے ہیں۔ آج کل بھی مینار پہ میلا لگا ہُوا ہے۔"

"کیا آپ ہمیں وہ مینار دکھائیں گے؟" امیر حمزہ نے کہا۔

"ضرور۔ بلکہ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔" فاریاب شاہ نے جواب دیا۔ آپ ایک آدھ دن آرام فرمایئے۔ پھر ہم وہاں چلیں گے۔"

قصہ مختصر تیسرے روز فاریاب شاہ، امیر حمزہ اور عمرو عیار کو لے کر ثُریا کوہ کی جانب روانہ ہُوا۔ دن رات کے مسلسل سفر کے بعد وہ ثُریا کوہ پہ آئے۔ دیکھا کہ ایک مینار عالی شان سونے کا بنا ہُوا ہے جس کی بلندی تین سو ساٹھ گز کی ہے۔ اور چبوترے کی لمبائی چوڑائی بھی ایک میل اور نصف میل کی ہے۔ لاکھوں آدمی وہاں جمع ہیں اور ابھی چیونٹیوں کی طرح لگاتار چلے آتے ہیں۔

سونے کا یہ عظیم مینار دیکھ کر عمرو کے منہ میں پانی بھر آیا لیکن مجبور تھا ورنہ اُسے اُٹھا کر زنبیل میں ڈال لیتا

معلوم ہوا کہ آلکہ زنگی اس مینار کا مالک اور کبل زنگی کوتوال ہے جو میلے کی حفاظت کے لیے کئی ہزار سوار لے کر آیا ہے اور اسی چبوترے پر اپنے مصاحبوں سمیت بیٹھا ہے۔ جتنے شہزادے اور امیر زادے ہیں سب چبوترے سے نیچے کھڑے ہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ چبوترے پر قدم بھی دھر سکے۔

فاریاب شاہ نے ایک طرف اپنا خیمہ لگوایا اور اس میں کچھ دیر آرام کیا۔ پھر وہ رات بھر میلے کی سیر دیکھتے رہے۔ جب صبح کے آثار نمودار ہوئے تب فاریاب شاہ نے امیر حمزہ سے کہا کہ جلدی چلیے، ورنہ چبوترے کے قریب جگہ نہ ملے گی۔ جونہی یہ تینوں چبوترے کے پاس پہنچے، دیکھا کہ اس مینار میں سے چمک پیدا ہوئی اور سب کی آنکھوں میں چکاچوند ہونے لگی۔ امیر حمزہ یہ شعبدہ دیکھ کر حیران ہوگئے۔ ادھر چمک ہوتے ہی آلکہ زنگی اور تمام حاضرین سجدے میں گر گئے لیکن امیر حمزہ اور ان کے ساتھیوں نے سجدہ نہ کیا۔

"یکایک مینار کے گنبد سے ایک گرج دار آواز آئی "اے آلکہ زنگی، ادھر آ۔"

آلکہ زنگی کانپتا ہوا اٹھا، گھٹنوں کے بل چل کر مینار کے نزدیک پہنچا۔ "اے خداوندِ مینار نشین، یہ غلام حاضر

ہے۔"

"اے اُلکہ زنگی، کچھ دیکھا بھی تو نے؟ فاریاب شاہ کے ساتھ امیر حمزہ اور عمرو عیار آئے ہیں۔ اور ان تینوں نے ہم کو سجدہ نہ کیا۔ اب تیرا فرض ہے کہ اِن کو مجبور کر کہ ہمیں سجدہ کریں۔"

اُلکہ زنگی نے سجدہ سے سر اُٹھایا اور کمیل زنگی کو طلب کر کے حکم دیا کہ فاریاب شاہ، امیر حمزہ اور عمرو عیار گرفتار کر کے ہمارے حضور حاضر کرو۔"

عمرو عیار ڈر کے مارے کانپنے لگا۔ بولا "اے حمزہ، یہاں سے بھاگو ورنہ گرفتار ہو جاؤ گے۔ آئندہ تمہیں اختیار ہے۔ میں تو جاتا ہوں۔ اِس ملعون خداوندِ مینار نشین نے دُور ہی سے ہمیں پہچان لیا۔"

امیر حمزہ نے عمرو کو جھڑکا اور کہا۔ ڈرتا کیوں ہے؟ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ یہ ملعون کیا کر سکتا ہے؟"

فاریاب شاہ نے عرض کیا۔ "اے حمزہ، آپ نے کچھ معلوم کیا کہ یہ خداوندِ مینار نشین کون ہے؟"

"میرا خیال ہے کوئی شیطان ہے جو خدا کے بندوں کو بھکاتا اور اُن کو اپنی پرستش پر مجبور کرتا ہے۔"

اِتنے میں کمیل زنگی اور اُس کے سپاہی تلواریں ہاتھوں

ہیں لیے اُدھر آتے۔ جدھر امیر حمزہ، فاریاب شاہ اور عمرؔ عیار موجود تھے۔ امیر حمزہ اور فاریاب نے بھی اپنی اپنی تلواریں میان سے نکالیں اور لڑنے کو تیار ہوئے۔ پھر تو ایسی سخت جنگ ہوئی کہ الاَمان وَ الحفیظ۔ لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں عمرؔ بھی اپنے خنجر سے کام لے رہا تھا۔ امیر حمزہ پر پُشت کی جانب سے جو حملہ ہوتا اُسے عمرؔو روکتا تھا۔ لیکن ایک عجیب بات امیر حمزہ نے یہ دیکھی کہ جتنے آدمی قتل ہوتے تھے، اُتنے ہی پھر سامنے آ جاتے تھے۔ آخر تلوار چلاتے چلاتے اُن کے بازو شل ہو گئے۔ فاریاب شاہ اس اثنا میں گرفتار ہوا۔ پھر دُشمن نے کمندوں کے حلقے پھینک پھینک کر امیر حمزہ کو بھی پکڑ لیا۔ عمرؔو نے جب بچاؤ کی کوئی صورت نہ پائی تو اُچھلا اور مجمع کو چیرتا پھاڑتا بھاگا۔ کبل زنگی کے آدمیوں نے دُور تک اُس کا تعاقب کیا لیکن عمرؔو اُن کے ہاتھ نہ آیا۔

کبل زنگی کے سپاہی امیر حمزہ اور فاریاب شاہ کے ہاتھ پیر باندھ کر مینار کے سامنے لائے۔ خُداوندِ مینار نشین کی آواز آئی۔

"اے اُلکڑ زنگی، ان دونوں کو تین دن تک قید میں رکھ اور سمجھا کہ مجھے سجدہ کریں۔ اگر تین دن بعد بھی

یہ سجدہ کرنے سے اِنکار کردیں تو ان کے سر قلم کر دے ہرگز جیتا نہ چھوڑے۔"

اُلکۂ زندگی ان دونوں کو اپنے ڈیرے پر لے گیا اور بے حد خوشامد کی کہ خُداوندِ مینار نشین کو ناراض مت کرو وہ بہت قوّت والا ہے۔ اُسے سجدہ کر لو گے تو جانیں بچ جائیں گی۔ امیر حمزہ نے اُلکۂ زنگی سے کہا "کہ وہ خُداوند نہیں بلکہ شیطان ہے۔ اس پر لعنت کرو۔"

اِس بحث مباحثے میں ایک دِن گزر گیا۔ اُلکۂ زنگی نے جب دیکھا کہ امیر حمزہ کسی طرح اِس کی بات نہیں مانتے ہیں، تب عاجزانہ انداز سے کہا "اچھا آپ کھانا تو کھائیے باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔"

امیر حمزہ نے ہنس کر کہا "اب تو تیری قید میں ہُوں، جو جائز بات تُو کہے گا وہ مانوں گا۔ لا کھانا لے آ۔"

اُلکۂ زنگی یہ بات سُن کر خُوش ہُوا اور دل میں کہا حمزہ واقعی شریف اور بہادر آدمی ہے۔ نہایت تکلّف سے دسترخوان بچھایا اور دُنیا جہان کی نعمتیں لا کر سامنے رکھیں۔ جب کھانے سے فارغ ہُوئے تو فاریاب شاہ نے امیر حمزہ کے کان میں کہا۔

بہتر یہی ہے کہ خُداوندِ مینار نشین کو سجدہ کر لیں ورنہ

جان جاتی رہے گی۔"

امیر حمزہ نے فاریاب کو گھور کر دیکھا اور کہنے لگے۔"تم چاہو تو سجدہ کر لو میں تمھیں منع نہیں کروں گا لیکن آیندہ یہ بات مجھ سے نہ کہنا ورنہ یہ لوگ تو تمھیں بعد میں ماریں گے میں اس سے پہلے ہی تمھارا تیا پانچا کر ڈالوں گا۔"

فاریاب شاہ ڈر کر خاموش رہا۔

اب سنیے کہ عمرو عیّار پر کیا بیتی۔ بھاگنے کو تو وہاں سے بھاگ لیا مگر کئی کوس جا کر رُکا۔ امیر حمزہ کی محبّت میں بے چین ہوا اور دل میں کہا کہ اے عمرو صد افسوس ہے تم پر۔۔۔ جان سے زیادہ عزیز بھائی اور دوست تو دشمنوں کی قید میں ہے اور تو اپنی جان بچا کر بھاگ آیا۔ بہتر یہی ہے کہ انھی کے ساتھ جان دے دے۔

اسی وقت صورت بدل کر واپس آیا۔ معلوم ہوا کہ امیر حمزہ اور فاریاب کو الکہ زنگی اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ الکہ زنگی کے ڈیرے پر آیا۔ اس وقت امیر حمزہ اور وہ فاریاب دسترخوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ عمرو نے دیکھا کہ طرح طرح کے لذیذ کھانوں کے خوان حمزہ کے آگے دھرے ہیں وہ مزے لے لے کر کھا رہے ہیں اور ہنس

ہنس کر اُلکہ زنگی سے باتیں کرتے جاتے ہیں۔ عمرو کو اطمینان ہُوا۔

رات کو عمرو اُس چبوترے کے پاس گیا۔ خداوندِ مینار نشین کا حکم تھا کہ رات کے وقت یہاں کوئی شخص نہ آئے ورنہ وہ اندھا ہو جائے گا۔ اُس مینار میں ایک سوراخ تھا عمرو نے دِن میں دیکھا تھا کہ ہر آنے والا شخص اپنی ہمت کے مطابق روپے، اشرفیاں اور جواہر اس سوراخ میں ڈالتا تھا۔ یہ دراصل خداوندِ مینار نشین کا نذرانہ تھا۔ عمرو یہ دیکھ کر حیران ہُوا کہ لوگ جو مال چڑھاتے وہ اس سوراخ میں سے اندر ہی اندر نہ جانے کہاں غائب ہو جاتا۔

عمرو چبوترے پر چڑھا۔ کچھ دہشت سی معلوم ہوئی۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہاں بالکل سناٹا تھا۔ پہلے تو چاروں طرف پھرا۔ جب کہیں راہ نہ پائی تو اپنی زنبیل سے فولادی کیلیں نکالیں۔ ایک کیل مینار پر گاڑی، اُس پر پاؤں رکھا پھر دوسری کیل گاڑی اور دوسرا پاؤں رکھا۔ تیسری کیل گاڑ کے پہلی اور دوسری کیل کو اُکھاڑ لیا۔ اسی طرح کیلیں گاڑتا اور اکھاڑتا ہُوا پاؤں رکھ رکھ کے چڑھا اور تین سو ساٹھ گز کی بلندی یونہی طے کی پھر گنبد کے اندر جا پہنچا۔ وہاں ایک زینہ نظر آیا۔

جو مینار کے اندر اُترتا تھا۔ عمرو اللہ کا نام لے کر اُس زینے میں اُترا اور اپنے آپ کو عجیب دلفریب مقام پر پایا۔

کیا دیکھتا ہے کہ ایک قیمتی قالین بچھا ہوا ہے اور اُس پر مسندِ جواہر نگار آراستہ ہے۔ چاروں طرف بڑے بڑے آئینے لگے ہیں۔ عمرو سمجھ گیا کہ یہ آئینے کس واسطے لگائے گئے ہیں۔ جس وقت سورج نکلتا ہے اور اُس کی روشنی اِن آئینوں پر پڑتی ہے تو خداوندِ مینار نشین پردہ اُٹھا دیتا ہے۔ سورج کی چمک سے سب کی آنکھیں چکا چوند کرتی ہیں۔ عمرو نے کمند کے حلقے دریچے سے ملا کر بچھا دیے اور دوسرا سرا اپنے ہاتھ میں لے کر ایک ستون کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔

جب صبح کے آثار دکھائی دینے لگے تو اُس نے دیکھا کہ ایک تخت ہوا میں اُڑتا آ رہا ہے۔ اُس پر ایک شخص بزرگ صورت بیٹھا ہے۔ اُس کی سفید گھنی ڈاڑھی ناف تک لمبی ہے۔ وہ تخت اُس دریچے کے برابر آن کر رُکا اور وہ بڈھا دریچے میں گردن ڈال کر مینار میں آنے لگا۔ جیسے ہی اُس نے اپنا پیر دریچے میں رکھا، عمرو نے کمند کو جھٹکا دیا۔ بڈھا اوندھے مُنہ فرش پر گرا۔ عمرو نے پھرتی

سے اُس کے ہاتھ پیر باندھے اور زنبیل میں پھینک دیا۔ پھر خُود اُسی کی صُورت بنائی اور مسند پر جا بیٹھا۔ اتنے میں لوگ جمع ہونے شروع ہوئے۔ اُلکہ زنگی امیر حمزہ اور فاریاب شاہ کو لے کر آیا۔ جب سُورج آسمان پر آیا تو عمرو نے آئینوں سے پردے اُٹھا دیے۔ نہایت تیز چمک پیدا ہُوئی۔ ہزاروں آدمی سجدے میں گر گئے۔

یکایک مینار سے ایک گرج دار آواز بلند ہُوئی۔ "اے اُلکہ زنگی کیا حمزہ سجدہ کرنے پر راضی ہو گیا؟"

"نہیں خُداوند — میں نے لاکھ سمجھایا وہ نہیں مانتا۔"

اُلکہ زنگی نے ادب سے جواب دیا۔

یہ سُن کر خُداوندِ مینار نشین نے قہقہہ لگایا اور امیر حمزہ سے کہنے لگا۔ "اے حمزہ، کیا تُو ہماری مہربانیاں اور عنایتیں بھُول گیا۔ ہم نے تجھے معمُولی مرتبے سے اُٹھا کر اِس جگہ تک پہنچایا کہ نوشیرواں جیسا عالی مقام شہنشاہ تجھ سے ڈر کر بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔ دُنیا بھر کے پہلوانوں کو تُو نے ہماری وجہ سے زیر کیا۔ ہم نے تجھے طاقت اور حکُومت دی اور اب تُو ہمیں سجدہ کرنے سے انکار کرتا ہے۔"

خُداوندِ مینار نشین کی تقریر سُن کر امیر حمزہ دنگ رہ گئے۔ پھر دِل میں توبہ کی اور کہنے لگے "میں خُوب

سمجھتا ہوں کہ تو کوئی شیطان ہے اور ان سب کو گمراہ
کیے ہوئے ہے۔ میں تیری ان باتوں میں آ کر اپنا دین
ایمان ہرگز نہیں کھو سکتا۔ جو تجھ سے ہو سکے کر لے۔"

تب خداوندِ مینار نشین غضب میں آیا اور الکہ زنگی کو
حکم دیا کہ بلاؤ جلاد کو۔ دم کے دم میں ایک حبشی جلاد
کندھے پر دس من وزنی کلہاڑا رکھے حاضر ہو گیا ——
فاریاب شاہ کے بدن پر جلاد کو دیکھ کر کپکپی طاری ہوئی۔
وہ امیر حمزہ کے کان میں کہنے لگا۔

"جناب، آپ خود بھی مریں گے اور مجھے بھی مروائیں گے
بہتر ہے آپ سجدہ نہ کیجیے لیکن میں خداوندِ مینار نشین پر
ایمان لاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر فاریاب شاہ گھٹنوں کے بل جھکا اور اپنی
ناک زمین پر رگڑ کر کہنے لگا۔

"میں خداوندِ مینار نشین کو سجدہ کرتا ہوں اور اسے
اپنا خدا مانتا ہوں۔"

جونہی اس نے سجدہ کیا، مینار سے ایک گونج سی
سنائی جیسے کوئی کھلکھلا کر ہنسا ہو۔ پھر ایک آواز آئی۔
"اے حمزہ، تو نے دیکھا کہ فاریاب شاہ کتنا عقل مند
ہے۔ اس نے ہمیں سجدہ کر کے اپنی جان بچا لی مگر

تجھے کچھ احساس نہ ہوا۔ معلوم ہوتا ہے تُو مرنے پر راضی ہو گیا ہے۔ اچھا مرنے سے پہلے ایک خط تُو پڑھ لے جو ہم نے تیرے نام لکھا ہے۔"

یہ کہہ کر عمرو نے ایک کاغذ پہ ایسی خفیہ زبان میں جسے امیر حمزہ ہی پڑھ سکتے تھے، ایک جملہ لکھا اور اُس کاغذ کو مینار کے دریچے سے اُچھال دیا۔ یہ کاغذ اُڑتا اُڑتا ٹھیک امیر حمزہ کے قدموں میں آن کر گرا۔ اُنھوں نے اُسے اُٹھایا اور دیکھا۔ تب دل میں ہنسے اور کہنے لگے۔ "مجھے پہلے ہی شُبہ ہو گیا تھا کہ معاملہ گڑ بڑ ہے۔"

کاغذ پر لکھا تھا۔ "میں عمرو ہوں۔ عیاری کے ذریعے خداوندِ مینار نشین کو قید کر کے داخلِ زنبیل کیا اور اب اُس کی جگہ سنبھال لی ہے۔ کوہِ ثُریّا کا سارا علاقہ اگر مجھے دے دو تو تمھاری جان بخشی کروں ورنہ مارے جاؤ گے۔"

جب وہ یہ رُقعہ پڑھ چکے تو اُونچی آواز سے کہا۔ "میں تجھے ایک پائی بھی دینے کو تیّار نہیں ہُوں۔"

تب عمرو نے چلّا کر الکہ زنگی سے کہا۔ "دیکھتا کیا ہے۔ جلد حمزہ کو قتل کر۔"

جلّاد نے امیر حمزہ کی گردن جھکائی۔ فاریاب شاہ رونے اور چلّانے لگا۔ پھر مینار سے آواز آئی۔

"اے حمزہ، اب بھی میری بات مان جا۔ مفت میں کیوں جان دیتا ہے۔ کوہِ ثریّا کا آدھا علاقہ مجھے دے دے۔"

"ہرگز نہیں — جو تیرے جی میں آئے کر لے۔" امیر حمزہ نے جواب دیا۔

"اے بے مروّت شخص۔ ہمارے سارے احسانات بھول گیا۔ یاد نہیں ہم نے تجھے بی بی زبیدہ کی مرغیوں کے انڈے چُرا کر کھلائے تھے۔ اب تجھ سے اِتنا نہیں ہوتا کہ یہ علاقہ مجھے دے۔"

امیر حمزہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔ الکہ زنگی سخت حیران پریشان تھا۔ امیر حمزہ سے کہنے لگا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خداوندِ مینار نشین سے تمھاری پُرانی دوستی ہے۔"

"اے الکہ زنگی، یہ میرا دوست عمرو عیّار ہے جو خداوندِ مینار نشین کو قید کر کے اُس کی جگہ بیٹھا ہوا ہے اور اب چالاکی سے کوہِ ثریّا کا علاقہ مجھ سے لینا چاہتا ہے مگر میں ایک ذرّہ بھی اُسے نہ دوں گا۔"

امیر حمزہ کی یہ بات سُن کر عمرو کو طیش آیا۔

اَلکہٗ زنگی سے کہنے لگا۔"حمزہ کی بات پر کان نہ دھرنا۔ اِن لوگوں کو یہاں سے جانے کا حکم دو تاکہ ہم خود آئیں اور حمزہ کو اپنے ہاتھ سے قتل کریں"۔

اَلکہٗ زنگی کے اِشارے پر سب لوگ وہاں سے چلے گئے۔ تب عمرو مینار سے اُتر کر سامنے آیا۔ اَلکہٗ زنگی، فاریاب شاہ اور کمبل زنگی نے اُسے دیکھتے ہی سجدہ کیا اور ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑے رہے۔ اُس نے گھور کر امیر حمزہ کو دیکھا اور کہنے لگا۔

"بھائی حمزہ، تم سخت کنجوس ہوتے جا رہے ہو۔ کوہِ ثریا کا علاقہ مجھے دے دیتے تو تمہارا کیا بگڑ جاتا۔ اِتنے آدمیوں کے سامنے مجھے ذلیل کیا"۔

"یہ علاقہ میرا نہیں ہے، تمہیں کیونکر دے دوں۔ امیر حمزہ نے کہا۔ فاریاب شاہ سے درخواست کرو۔ وہی اُس کا مالک ہے"۔

قِصّہ مختصر فاریاب شاہ نے ہنسی خوشی وہ علاقہ عمرو کے حوالے کیا۔ تب اُس نے اپنی اصلی صورت سب کو دِکھائی۔ کمبل زنگی اور اَلکہٗ زنگی فوراً دینِ اِبراہیمی میں داخل ہوئے۔ فاریاب شاہ بھی شرمندہ تھا کہ منع کرنے کے باوجود خداوندِ مینارہ نشین کو سجدہ کیا۔ آخر میں عمرو نے

اپنی زنبیل میں سے بُھتنے نکلے اور اُن کو حکم دیا کہ سونے کا یہ مینار زمین سے اُکھاڑ دو اور میری زنبیل میں رکھ دو۔ بھتنوں نے آناً فاناً مینار اُکھاڑا اور عَمرو نے اسے بھی داخلِ زنبیل کیا۔

یہاں سے فرصت پا کر نارِیاب شاہ سب کو لے کر شہر میں آیا اور دل و جان سے امیر حمزہ اور عَمرو کی خاطر تواضع میں مصروف ہُوا۔ شہزادی کاکُل کُشا اور وزیر زادی دل رُبا اُنھیں دیکھ کر بہت خوش ہُوئیں۔ چند روز یہاں قیام کر کے امیر حمزہ اور عَمرو عیار اصفہان کی جانب روانہ ہُوئے۔

شہزادہ قباد شہریار نے جب سُنا کہ امیر حمزہ اور عَمرو عیار آئے ہیں تو فوراً لاؤ لشکر کے ساتھ اِستقبال کو آیا اور اپنے والد کے قدموں پر بوسہ دیا۔ امیر حمزہ نے اُسے چھاتی سے لگایا۔ پھر دوستوں سے بغل گیر ہُوئے۔ عادی پہلوان کھا جانے والی نظروں سے عَمرو کو دیکھ رہا تھا۔ موقع پا کر کہنے لگا۔

"بھائی عَمرو، تُم سخت نا بکار آدمی ہو۔ خُدا جانتا ہے تُمھاری صُورت دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ اِتنے دِن سے کہاں تھے؟

"او پہلوان ذرا منہ سنبھال۔ ادب سے بات کر"
عمرو نے ناراض ہو کر کہا۔ معلوم ہوتا ہے چربی زیادہ
چھا گئی ہے۔ کہو تو ابھی مزاج پوچھوں"۔
"مر گئے مزاج پوچھنے والے۔" عادی نے منہ بنا کر کہا۔
"ہم تو کہتے ہیں جانے دو، جانے دو۔ مگر آپ سر ہی
پر چڑھے آتے ہیں۔ بھائی حمزہ کا لحاظ ہے ورنہ ابھی
ہاتھ پیر توڑ کے رکھ دوں۔ ساری عیاری بھول جاؤ۔"
عمرو کا مارے غصے کے برا حال ہو گیا لیکن اتنی ہمت
نہ تھی کہ عادی پہلوان سے دو دو ہاتھ کرتا۔ لندھور
اور بہرام ان کی چخ چخ سے مزے لے رہے تھے
اور کوئی انھیں روکتا نہ تھا بلکہ مقبل وفادار نے
عمرو کو چڑانے کے لیے کہا۔
"بس بھائی عمرو بس۔ دیکھتے نہیں عادی پہلوان اپنے
آپے میں نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمھاری گدی ناپ
دے۔"
"بکواس بند کرو جی۔" عمرو دہاڑا۔ میں نے ایسے ایسے
پہلوان بہت دیکھے ہیں۔ ابھی حمزہ سے شکایت کر کے
اس کی مرمت کراتا ہوں۔"
"اسے کہتے ہیں بزدلی۔ تم خود آؤ نا۔" عادی نے سینہ

پُھلا کر کہا۔

تب عمرؔو نے زنبیل میں سے خُداوندِ مینار نشین کو نِکالا اور اُس سے پُوچھا۔ سچ سچ بتا تُو کون ہے ورنہ آگ میں جلا دُوں گا۔"

"میں قومِ جنّات میں سے ہُوں اور شیطان کا چیلا ہُوں۔ اے عمرؔو مجھے چھوڑ دے۔ وعدہ کرتا ہُوں کہ آئندہ خُدا کی مخلوق کو گمراہ نہ کروں گا۔"

کھا سُلیمان علیہ السّلام کی قسم۔" عمرؔو نے کہا۔

اُس جن نے سلیمان علیہ السّلام کی قسم کھا کر اِقرار کِیا۔ عمرؔو نے اُسے کمندوں کے حلقے سے آزاد کیا پھر کہنے لگا۔

"اے جن میرا ایک کام تو کرتا جا۔"

"فرمائیے۔ مَیں حاضر ہُوں۔"

"عادی پہلوان کی طبیعت کُچھ دیر سے خراب ہے۔ ذرا اُسے درُست کر دے۔"

"بہت بہتر جناب۔" جن نے کہا اور فوراً ایک سیاہ فام دیو کی شکل میں ظاہر ہُوا اور عادی پہلوان کی طرف بڑھا۔ اُسے دیکھ کر عادی کو خُدا یاد آیا۔ سب خرمستیاں بھُول گیا۔ اور بھاگا ایک طرف۔ مگر جن اُس کے پیچھے

لپکا اور اُٹھا کر پٹخنی ایسی دی کہ عادی کی ہڈیاں چٹخ گئیں اور اُس کی چیخیں آسمان تک پہنچیں۔ اِتنے میں امیر حمزہ اُدھر آ نکلے دیکھا کہ ایک سیاہ فام دیو عادی کی ٹھکائی کرنے میں مصروف ہے اور عادی کی حالت یہ ہے کہ ذبح کیے ہُوئے مُرغ کی طرح پھڑپھڑا رہا ہے۔ تب امیر حمزہ نے اُسے للکارا اور کہا۔

"خبردار، وہیں رُک جا۔ بتا تُو کون ہے؟"

"جناب، یہ وہی خداوندِ مینار نشین صاحب ہیں جو کوہ ثُریا پر سونے کے مینار میں تشریف رکھتے تھے۔ اور خُدا کے بندوں کو صحیح راستے سے بھٹکاتے تھے۔ میں نے ان کو پکڑ کر قید کیا۔ معلُوم ہُوا کہ آپ جنّات میں سے ہیں۔ اِنھوں نے سلیمان علیہ السّلام کی قسم کھائی ہے کہ آیندہ یہ شیطانی حرکتیں نہ کریں گے۔ عادی پہلوان کے دماغ پر چربی کُچھ زیادہ چڑھ گئی تھی۔ جب سے میں آیا ہُوں اُسی وقت سے اول فول بک رہے تھے۔ میں نے اِس جن کو حکم دِیا ہے کہ ذرا عادی بھائی کی طبیعت صاف کر دے۔"

عَمرو کی یہ تقریر سُن کر امیر حمزہ اپنی ہنسی ضبط کر سکے۔ آخر عادی پہلوان گرتا پڑتا آیا اور عَمرو

سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ عمرو نے اُسے معاف کیا۔ پھر وہ جن نظروں سے غائب ہوا۔

اِتنے میں جاسوس خبر لائے کہ دشمن کی فوج قلعۂ اصفہان سے نِکل کر میدانِ جنگ میں صفیں باندھ رہی ہے اور اُس کی نیّت ٹھیک نہیں ہے۔ امیر حمزہ نے بھی اپنے لشکر کو آراستہ ہونے کا حکم دیا اور تھوڑی دیر بعد میدان میں جا پہنچے۔ دُوسری جانب سے مالک اژدر سُرخ گھوڑے پر سوار ہو کر آیا۔ نقارچیوں نے پُوری قوّت سے ڈھول تاشے بجائے۔ مالک اژدر نے بلند آواز سے کہا۔

"کوئی ہے جو میرے مقابلے پر آئے؟"

لِندھور نے اُس وقت امیر حمزہ کی طرف دیکھا اور عرض کیا کہ اجازت ہو تو میں اس کے مقابلے میں جاؤں۔ امیر نے اجازت دی۔ لِندھور نے اٹھارہ مَن وزنی گرز سنبھالا اور سیاہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آیا۔ وہ عادت کے مطابق اپنا گرز ہوا میں اُچھالتا جاتا تھا۔۔۔ مالک اژدر نے لِندھور کو دیکھا تو دہشت سے کلیجا اُچھل کر مُنہ کو آ گیا۔ پیشانی پسینے میں تر ہو گئی۔ ہکلا کر بولا۔

"اے شیر دِل پہلوان، سچ بتا تُو کون ہے؟ کیا تیرا

ہی نام حمزہ ہے؟"

لندھور بادل کی طرح گرجا اور بجلی کی مانند کڑک کر کہنے لگا۔"میرا نام لندھور ہے۔ سراندیپ کے جزیرے کا راجا ہوں۔ حمزہ کا منہ بولا بھائی اور جاں نثار ہوں۔"

مالک اژدر نے لندھور کا نام سُن رکھا تھا۔ وہ مقابلے سے جی چرانے لگا۔ بولا۔"اے لندھور، آفرین ہے تجھ پر کہ اپنی سلطنت چھوڑی اور حمزہ کی غلامی کا حلقہ کانوں میں ڈلوایا۔ میں بھی اپنے مُلک کا بادشاہ ہوں اور بادشاہ ہمیشہ بادشاہوں سے لڑا کرتے ہیں۔ تُو حمزہ کا غلام ہے اس لیے میں تجھ سے نہ لڑوں گا۔ بہتر یہی ہے کہ شہزادہ قباد شہریار کو بھیج۔"

لندھور نے قہقہہ لگا کر کہا۔"ارے بزدل، میں سمجھ گیا۔ تُو مجھ سے لڑنا نہیں چاہتا۔ بہانے بازی کرتا ہے بہتر ہے۔ تیری خواہش پوری کی جائے گی۔ یہیں موجود رہ۔ میں واپس جا کر شہزادہ قباد شہریار کو بھیجتا ہوں۔"

لندھور اپنے گھوڑے کو اُلٹے قدموں لایا اور امیر حمزہ سے سب ماجرا کہا۔ شہزادہ قباد شہریار سب کچھ سُنتا تھا۔ فوراً میدان میں جانے کے لیے آمادہ ہوا۔ مالک اژدر نے دیکھا کہ ایک حسین و جمیل شہزادہ جس کے چہرے پر

بھول پن کے آثار ہیں سفید گھوڑے پر سوار ہاتھ میں تلوار لیے مسکرا رہا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہی شہزادہ قباد شہریار ہے۔ پھر بھی اپنا شک دور کرنے کے لیے پوچھا۔

"کیوں صاحب زادے، کیا تمہارا نام قباد شہریار ہے اور تمہی حمزہ کے بیٹے اور نوشیرواں کے نواسے ہو؟"

"اے اژدر، خوب پہچانا۔ تو عقل مند آدمی دکھائی دیتا ہے۔ اب یہ بحث چھوڑ اور کچھ کام دکھا۔ تیری قسمت اچھی تھی کہ لندھور نے تیرے ساتھ جنگ نہ کی ورنہ تیرا جسم قیمہ بن جاتا۔ میں تجھے ایسی عبرت ناک موت نہ ماروں گا۔"

مالک اژدر کا چہرہ مارے غصے کے لال بھبوکا ہو گیا۔ میان سے تلوار کھینچ کر شہریار کی طرف لپکا اور اتنی پھرتی سے حملہ کیا کہ شہریار کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کا جسم ہزار ٹکڑے ہو کر زمین پر گرتا مگر شہزادہ شہریار مسکرا مسکرا کر مالک اژدر کا ہر حملہ روکتا رہا۔ جب تلوار چلاتے چلاتے اژدر کے بازو شل ہوئے اور شہریار کو خراش تک نہ آئی تب اژدر کے دل پر ہیبت طاری ہوئی اور اس نے بھاگنے کی ٹھانی لیکن شہزادہ اس کا ارادہ بھانپ گیا اور ایسا ہاتھ تلوار کا مارا کہ اژدر کی گردن بھٹا سی اڑ گئی۔ اس کا لاشہ گھوڑے سے زمین پر

گرا اور چند لمحے تڑپنے کے بعد سرد پڑ گیا۔

امیر حمزہ کے لشکر نے فتح کا نعرہ اس زور سے لگایا کہ زمین ہل گئی۔ ادھر بختک نے فوراً واپسی کا طبل بجوایا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے دشمنوں کی فوج میدان چھوڑ کر قلعے میں پناہ گزین ہوئی۔ لندھور اور بہرام نے امیر حمزہ کو مشورہ دیا کہ فی الفور قلعہ اور شہر اصفہان پر قبضہ کیا جائے مگر انھوں نے ہنس کر کہا۔

"میں جب چاہوں خدا کے فضل سے قلعہ اور شہر پر قبضہ کر سکتا ہوں لیکن نوشیرواں کا احترام اب بھی میرے دل میں ہے۔ پہلے اسے پیغام بھیجتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ کیا صلاح ہے، پھر کارروائی کروں گا۔"

امیر حمزہ کی یہ تجویز سب نے پسند کی البتہ عمرو منہ سے کچھ نہ بولا۔ حمزہ نے خیال کیا کہ شاید اسے یہ تجویز پسند نہیں آئی۔ کہنے لگے۔ بھائی عمرو، تم بھی کچھ مشورہ دو۔ چپ چپ کیوں ہو؟"

مشورہ تو میں دے سکتا ہوں مگر آپ مانیں گے نہیں۔ اس لیے چپ رہنا ہی بہتر ہے۔" عمرو نے جواب دیا۔

"نہیں نہیں، ایسا نہ کہو۔ اگر تمھاری بات معقول ہوئی تو

ضرور مانی جائے گی۔"

میری تجویز یہ ہے کہ قلعے اور شہر پہ فی الحال قبضہ نہ کیا جائے البتہ نوشیرواں اور مندیل اصفہانی سے خراج ضرور وصول کرنا چاہیے اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ میں عادی پہلوان کو اپنے ساتھ لے کر اصفہان میں جاتا ہوں اور نوشیرواں سے کہتا ہوں کہ اس پہلوان کے وزن کے برابر سونا تول کر میرے حوالے کرو۔"

عمرو کی یہ تجویز ایسی عجیب تھی کہ ہنستے ہنستے سب کے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ امیر حمزہ نے کہا۔

"ہمیں یہ بات منظور ہے بشرطیکہ عادی پہلوان تمہارے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو جائے۔"

"اُسے راضی کرنا میرا کام ہے۔" عمرو نے کہا۔ "آپ نوشیرواں کے نام خط لکھیے۔"

امیر حمزہ تو نوشیرواں کے نام خط لکھنے میں مصروف ہوئے اور اُدھر عمرو عیار عادی کو ڈھونڈنے نکلا۔ وہ اپنے خیمے میں پڑا بے خبر سو رہا تھا اور خراٹوں کی بھیانک آواز سے زمین لرز رہی تھی۔ عمرو نے اُس کے تلوے سہلائے۔ عادی نے آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا کہ عمرو پائنتی کھڑا مسکرا رہا ہے۔ عادی نے دل میں سینکڑوں گالیاں دیں مگر ظاہر

یہ کیا کہ اُسے عَمرو کو دیکھ کر بے حد خوشی ہُوئی ہے۔ فوراً اُٹھ بیٹھا اور کہنے لگا۔

"آئیے آئیے۔ تشریف لائیے۔ کوئی نیا گُل کھِلانے کا اِرادہ ہے؟"

"ارے نہیں عادی بھائی ــ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کبھی کبھی مُجھ پر پاگل پن کا دورہ پڑا کرتا ہے اور اِس دورے کی حالت میں کُچھ ہوش نہیں رہتا کہ میں کیا حرکتیں کرتا ہُوں۔ تُم سے بھی کئی بار اِسی حالت میں گستاخی کر چُکا ہُوں۔ اب اِس کی معافی مانگنے آیا ہُوں۔"

یہ سُن کر عادی بڑا خُوش ہُوا۔ بولا "عَمرو بھائی اب اِس قِصّے کو نہ چھیڑو۔ خُدا جانتا ہے میں تُمھاری کتنی عِزّت کرتا ہُوں۔ اکیلے میں بے شک سو جُوتے مار لو مگر سب کے سامنے بے عِزّتی نہ کیا کرو۔"

"بُہت اچھا، آیندہ خیال رکھوں گا۔" عَمرو نے کہا۔ "آؤ آج تُمھاری حلوے کی دعوت ہے۔"

"واہ وا۔ پھر تو مزے آ گئے۔" عادی ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہُوئے بولا۔ "جلدی چلو۔"

عَمرو عیّار عادی پہلوان کو باتوں میں لگاتا اور بہلاتا پُھسلاتا ہُوا اپنے خیمے پر لایا۔ پھر باورچیوں کو بُلا کر حکم

دیا کہ حلوے کی کڑاہیاں چڑھاؤ۔ چار پانچ من حلوا پکایا گیا اور اُس میں عمَرو نے طرح طرح کے میوے اور خُوب گھی ڈلوایا۔ عادی حیران تھا کہ آج عمَرو کو کیا ہو گیا ہے۔ اِس نے ایسی سخاوت پہلے کبھی نہ کی تھی۔

عادی نے حلوا کھانا شرُوع کیا اور اِتنا کھایا اِتنا کھایا کہ حلق تک پیٹ بھر گیا اور اُس سے اُٹھ کر کھڑا بھی نہ ہُوا جا سکا۔ تب عمَرو نے ایک پالکی طلب کی۔ اِس میں عادی کو بٹھایا اور اِس پالکی کو ہاتھی پر رکھوا کر اصفہان کی جانب روانہ ہو گیا۔ عادی پہلوان رستے ہی میں خرّاٹے لینے لگا۔ اُس نے عمَرو سے یہ بھی پُوچھنے کی زحمت نہ کی کہ مجھے کہاں لیے جا رہے ہو۔

قلعہ اصفہان کے دروازے پر پہنچ کر عمَرو نے پہریداروں سے کہا: "نوشیرواں بادشاہ کو خبر کرو کہ عمَرو امیر حمزہ کا خط لے کر آیا ہے۔"

پہرے داروں نے جس وقت نوشیرواں کو عمَرو کے آنے کی اطّلاع دی اُس وقت نوشیرواں کے پاس بختک بھی بیٹھا ہُوا تھا۔ یہ سُن کر اُس کا رنگ زرد ہُوا۔ دِل میں ڈرا کہ ضرُور کوئی آفت آنے والی ہے۔ نوشیرواں بھی گھبرا

گیا۔ مگر کچھ بھی ہو، بہر حال وہ بادشاہ تھا۔ پہرے داروں سے کہا کہ عمرو کو لے آئیں۔"

عمرو جب دربار میں داخل ہوا۔ تو سب سنبھل کر بیٹھ گئے۔ جس ہاتھی پر عادی پہلوان لدا ہوا خراٹے لے رہا تھا وہ بھی عمرو کے پیچھے پیچھے دربار میں چلا آیا۔ عمرو نے چاروں طرف گھومتی ہوئی نظر ڈالی۔ خواجہ بزرجمہر نوشیرواں کے دائیں جانب کرسی پر بیٹھے تھے۔ عمرو نے پہلے انھیں جھک کر سلام کیا پھر نوشیرواں کو۔ اس کے بعد جیب سے ریشمی تھیلی نکال کر نوشیرواں کو پیش کی۔ بادشاہ نے تھیلی میں سے ہرن کی جھلی پر لکھا ہوا خط نکال کر بختک کی طرف بڑھایا اور کہا۔

"اسے اونچی آواز سے پڑھ کر سنا۔"

بختک نے خط دیکھ کر منہ بنایا۔ پھر یوں پڑھنے لگا۔ حمزہ کی جانب سے نوشیرواں کو معلوم ہو کہ شہر اصفہان اور قلعۂ اصفہان پر قبضہ کرنا میرے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے لیکن اپنے بھائی عمرو کی سفارش پر میں نے فی الحال قلعے اور شہر پر قبضہ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے لیکن ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ عادی پہلوان کے وزن کے برابر سونا تول کر عمرو کے حوالے کیا جائے۔ اگر ایسا نہ

ہُوا تو نتیجے کی ذمّہ داری نوشیرواں پر ہوگی۔

امیر حمزہ کا یہ خط جب پڑھا گیا تو دربار میں چند لمحوں کے لیے سنّاٹا چھا گیا۔ ہر شخص ایک دُوسرے کا مُنہ دیکھ رہا تھا۔ آخر نوشیرواں نے مہلیل سے کہا۔ "تمھاری کیا رائے ہے؟"

حضُور، میری رائے میں سونا دے دیا جائے تو اچھا ہے ورنہ شہر اور قلعہ ہمارے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔"

مندیل نے بھی اِس رائے سے اِتّفاق کیا۔ اب عُمرو نے رُوئی کی بتّی بنا کر عادی کی ناک میں ڈالی۔ عادی نے ایسی بھیانک چھینک ماری کہ در و دیوار ہِل گئے اور ہاتھی خوف زدہ ہو کر بُری طرح چنگھاڑنے لگا۔ عادی نے آنکھیں کھولیں تو اپنے سامنے شہنشاہ نوشیرواں، خواجہ بزُرجمہر اور بختک وغیرہ کو بیٹھے پایا۔ پھر اُس نے عُمرو کو دیکھا کہ قریب ہی کھڑا ہنس رہا ہے۔ عادی نے کنکھیوں سے اہلِ دربار کو دیکھتے ہُوئے عُمرو سے پُوچھا۔

"یہ کیا قِصّہ ہے عُمرو بھائی، تُم مُجھے کہاں لے آئے؟"

"اے پہلوان ہوش میں آؤ۔ ہاتھی کی پیٹھ خالی کر کے زمین پر اُترو۔ ابھی تُم کو سونے میں تولا جائے گا۔"

تھوڑی دیر میں ایک ترازو وہاں لائی گئی جس کے

ایک پلڑے میں بڑی مشکل سے عادی پہلوان کو ٹھونسا گیا۔ پھر دوسرے پلڑے میں سونے کی اینٹیں رکھی جانے لگیں۔ لیکن عادی کا پلڑا کسی طرح نہ اُٹھا۔ آخر مندیل اور نوشیرواں دونوں کے خزانے خالی ہو گئے۔ پھر سونے کے بعد جواہرات کی باری آئی۔ آخر میں کئی لاکھ اشرفیاں بھی پلڑے میں ڈالی گئیں۔ تب عادی کا پلڑا آہستہ آہستہ زمین سے اُٹھا اور نوشیرواں کی جان میں جان آئی۔ بختک دِل ہی دِل میں عمّرو کو گالیاں دے رہا تھا کہ کم بخت نے سونا ہتھیانے کی اچھی تدبیر کی ہے کہ عادی جیسے انسانی ہاتھی کو اپنے ساتھ لے آیا ہے۔

عمّرو نے وہ تمام سونا اور ہیرے جواہرات اُٹھا کر زنبیل میں رکھے اور سب کو سلام کر کے واپس آیا۔ راستے میں عادی پہلوان کے پیٹ میں گڑبڑ شروع ہوئی اور اُس کا بُرا حال ہو گیا۔ عمّرو اُسے جُوں تُوں کر کے لشکر میں لایا۔ امیر حمزہ سے سارا ماجرا کہا۔ اُنھوں نے عادی کی حالت دیکھی اور اُسے ڈانٹا کہ اتنا حلوا ہڑپ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ خبردار آیندہ ایسی حرکت کی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔ پھر طبیب اقلیموں کو طلب کر کے حکم دیا کہ عادی پہلوان کا عِلاج کرو۔ اگر یہ مر

گیا تو اس کے ساتھ تمہیں اور عمرو دونوں کو دفن کروں گا۔"

یہ سن کر طبیب اقلیموس اور عمرو دونوں کے حواس گم ہو گئے۔ اُدھر عادی پہلوان کی نبضیں آہستہ آہستہ چھوٹنے لگیں عمرو نے طبیب اقلیموس کے پیر پکڑ لیے اور کہا۔ "حکیم جی، اسے جلد ٹھیک کرو ورنہ ہم دونوں مارے جائیں گے۔"

یہ پہلا موقع تھا کہ طبیب اقلیموس کے سامنے عمرو لاچار ہوا۔ اقلیموس بھی اُس کی حرکتوں سے سخت پریشان تھا۔ اطمینان سے کہنے لگا: "اسے ٹھیک تو میں کر دوں گا مگر سونے کی ایک ہزار اینٹیں تمہیں دینا ہوں گی۔ بولو یہ شرط منظور ہے؟ اگر منظور ہے تو اینٹیں پیشگی مجھے دے دو۔"

طبیب اقلیموس کی یہ شرط سن کر مارے غصّے کے عمرو کا بُرا حال ہو گیا۔ اُس کا بس چلتا تو اقلیموس کو کچا چبا جاتا مگر معاملہ بڑا بے ڈھب تھا۔ دِل میں کہا آج بُرے پھنسے۔ اِس حکیم کے بچّے کو بھی یہ موقع خوب ہاتھ آیا۔ سونے کی ایک ہزار اینٹیں مجھ سے ہتھیانے پر تُلا ہُوا ہے۔ اچھا بیٹا، تجھ کو وہ مزا چکھاؤں گا کہ زندگی بھر فراموش نہ کرے۔

عمرو نے زنبیل سے ایک ہزار اینٹیں نکال کر اقلیموں کے آگے دھر دیں اور کہا۔ "حکیم جی، ایک ہزار اینٹیں کیا بھائی عادی کی جان بچانے کے لیے میں اپنی جان دینے کو بھی تیار ہوں۔"

اقلیموں جانتا تھا کہ یہ سب ظاہرداری ہے۔ عمرو کے دل میں کچھ اور ہے اُس نے ان اینٹوں کو اپنے خیمے میں بھجوایا۔ پھر عادی کو ایک زبردست جلّاب دیا جس سے اُس کا پیٹ تھوڑی دیر میں بالکل صاف ہو گیا۔ اور درد کی تکلیف جاتی رہی۔

رات ہوئی تو عمرو نے سبز کمبل اوڑھا اور طبیب اقلیموں کے خیمے میں داخل ہوا۔ وہ بے چارہ مسہری پر پڑا بے خبر سو رہا تھا۔ عمرو اُس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اور ٹینٹوا دبایا۔ اقلیموں کی آنکھ کھل گئی۔ سینے پر بھاری وزن محسوس ہوا اور گلے پر کسی اَن دیکھے ہاتھ کا دباؤ ــــ دہشت سے رُواں رُواں کھڑا ہو گیا۔ تب عمرو نے آواز بدل کر کہا۔

"اے اقلیموں، اُٹھ میرے ساتھ چل ــــ تیری رُوح قبض کرنے آیا ہوں۔"

لیکن.... لیکن تم ہو کون؟ اور رُوح کیوں قبض کرنا

چاہتے ہو؟"

"ہاہاہا ــ تو پوچھتا ہے میں کون ہوں؟ ارے بد بخت میں موت کا فرشتہ ہوں۔"

"مگر کیا میرا وقت پورا ہو گیا؟" اقلیموں نے کہا۔

"اور نہیں تو کیا میں تجھ سے مذاق کرنے آیا ہوں۔" عمرو نے بھیانک آواز میں کہا۔ اچھا اب باتیں مت بنا اور مرنے کے لیے تیار ہو جا ــ کوئی وصیت وغیرہ کرنی ہو تو جلدی سے لکھ لے۔"

طبیب اقلیموں کے حواس گم تھے۔ اس کے منہ سے دیر تک کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ آخر عمرو نے ڈپٹ کر کہا۔ "اب بولتا کیوں نہیں؟ کیا سوچ رہا ہے؟ جان بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔"

"وہ کیا؟ جلدی بتاؤ۔ میں اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"اپنی ساری دولت عمرو عیار کے سپرد کر دے۔"

یہ کہہ کر عمرو نے اقلیموں کا گلا ذرا زور سے دبایا۔ بے چارے کی زبان باہر آ گئی۔ وہ بری طرح تڑپا۔ پھر حلق پھاڑ کر چلایا "میں زندہ رہنا چاہتا ہوں ــ جو کہو گے مجھے منظور ہے۔"

تب عمرو اس کی چھاتی سے اترا اور کہنے لگا۔ "اب میں جاتا ہوں۔ اگر تم نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

صبح سویرے طبیب اقلیموں اٹھا اور سیدھا امیر حمزہ کے پاس پہنچا۔ انھیں رو رو کر ساری داستان سنائی اور آخر میں کہا "جناب یہ سب شرارت عمرو عیار کی معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ موت کے فرشتے یوں باتیں نہیں کیا کرتے۔ آپ مہربانی کر کے عمرو کو سمجھائیں کہ ایسی حرکتیں میرے ساتھ نہ کرے۔"

اقلیموں کی داستان سن کر امیر حمزہ خوب ہنسے اور اسی وقت عمرو کو طلب کیا۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا آیا۔ دیکھا کہ طبیب اقلیموں منہ پھلائے بیٹھا ہوا ہے۔ سمجھ گیا کہ میری شکایت ہو گئی ہے۔ انجان بن کر پوچھنے لگا۔

"خیر تو ہے بھائی حمزہ، سویرے سویرے مجھے کیوں بلوایا ہے؟"

"روز بروز تمھاری حرکتیں عجیب ہوتی جا رہی ہیں" امیر حمزہ نے کہا "آخر طبیب اقلیموں سے تمھاری کیا دشمنی ہے جو تم انھیں تنگ کرتے ہو؟"

"دشمنی؟ طبیب اقلیموں سے؟ آپ سے کس نے کہا ہے

کہ میں ان کا دشمن ہوں۔" عمرو نے کہا۔

"زیادہ چالاک مت بنو۔ میں نے سب کہانی سُن لی ہے تم نے رات کو انھیں بہت پریشان کیا ہے۔ اب اس کی سزا یہ ہے کہ ایک ہزار سونے کی اینٹیں اور ان کے حوالے کرو اور آیندہ میں کوئی شکایت تمھاری نہ سنوں۔"

عمرو کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اُلٹی آنتیں گلے پڑیں۔ اقلیموں کی دولت تو کیا ہاتھ آتی اپنے پلّے سے ایک ہزار سونے کی اینٹیں اور دینی پڑیں۔ وہ خون کے گھونٹ پیتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور غلاموں کے ہاتھ اقلیموں کے ڈیرے پر اینٹیں بھجوا دیں لیکن دل میں عہد کر لیا تھا کہ اس اقلیموں کے بچّے کو موقع پاتے ہی وہاں ماروں گا جہاں پانی بھی نہ ملے گا۔

لندھور کہاں گیا؟

ایک دِن عمرو عیار صحرا کی سیر کو نکلا۔ یکایک دیکھا کہ گل باد عراقی اور اُس کا بھائی گل باد چلے آتے ہیں۔ انھوں نے عمرو کو گھیر لیا اور لڑائی ہونے لگی۔ ممکن ہے اُس وقت عمرو اُن دونوں پر قابو پا لیتا لیکن اِتنی ہی دیر میں گل باد کے کئی شاگرد اُدھر آ گئے۔ تب عمرو اپنی جان بچا کر وہاں سے بھاگا اور کئی کوس دُور نکل گیا۔

وہ ایک حسین نخلستان میں پہنچ کر رُکا۔ قریب ہی ایک چشمہ بھی موجود تھا جس کا پانی ایک تالاب میں جمع ہو رہا تھا۔ عمرو کو پیاس لگ رہی تھی، سوچے سمجھے بغیر اُس تالاب میں مُنہ ڈال کر پانی پی لیا۔ پانی کا حلق سے اُترنا تھا کہ بے ہوش ہو کر گرا۔ گل باد اور گل لو بھی پھرتے پھراتے اُدھر آ نکلے۔ دیکھا کہ عمرو عیار تالاب کے کنارے بے ہوش پڑا ہے۔ انھوں نے اُسی وقت

اُس کو پکڑ لیا پھر اُس کی جیبیں ٹٹولیں۔ ایک جیب میں سے کچھ پڑیاں بر آمد ہوئیں۔ گُل باد اور گل باد نے اُن پُڑیوں کو کھول کر دیکھا اور فوراً غش کھا کر گرے۔ در اصل اُن پُڑیوں میں دوائے بے ہوشی تھی۔ تھوڑی دیر بعد عَمرو ہوش میں آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ گُل باد اور گل باد دونوں لمبے لمبے پڑے ہیں۔ عَمرو نے جھٹ کمند سے اُن کو باندھ کر زنبیل میں ڈالا اور اپنے لشکر میں آیا۔ امیر حمزہ نے پُوچھا تو سارا حال بیان کیا۔ اُنھوں نے کہا کہ ابھی گُل باد اور گل باد کو قید میں رکھو۔ ایک دو روز بعد اُن سے گفتگو کریں گے۔

اِتنے میں ایک شخص گھوڑے پر سوار سرپٹ آیا۔ عَمرو نے اُس سے پُوچھا۔ تُو کون ہے اور تجھ پر کیا آفت آئی ہے کہ یُوں بھاگا آتا ہے؟

سوار نے گھوڑے سے اُتر کر امیر حمزہ کو سلام کیا اور کہا۔ جناب، مجھے فاریاب شاہ نے بھیجا ہے۔ مرزبان خُراسانی لشکرِ جرّار لے کر اُس کے مُلک پر چڑھ آیا ہے اور کہتا ہے کہ اگر اپنی بیٹی کاگل گشتا سے میری شادی نہ کی تو شہر کی اِینٹ سے اِینٹ بجا دُوں گا اور تمام باشندوں کو سُولی پر لٹکاؤں گا۔ فاریاب شاہ میں اُس سے

مُقابلے کی ہمّت نہیں ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی بیٹی کی شادی مرزبان خُراسانی سے کر دے لیکن کاکُل گُشا نے یہ شرط رکھی ہے کہ اگر مرزبان حمزہ یا لِندھور سے کُشتی لڑے اور اُن میں سے کسی ایک کو پچھاڑ دے تب میں اُس سے شادی کروں گی۔ میں اِسی لیے آپ کے پاس آیا ہُوں۔"

قادر کی یہ کہانی سُن کر امیر حمزہ سوچ میں پڑ گئے۔ پھر ایک غلام کو روانہ کیا کہ لِندھور کو بُلا لائے۔ تھوڑی دیر بعد بُہت سے ہندی سپاہی روتے پیٹتے آئے اور کہنے لگے کہ لِندھور کا کہیں پتا نہیں۔ معلُوم ہُوا کہ رات کو اپنے خیمے میں سویا تھا۔ پھر نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔

امیر حمزہ سخت حیران اور پریشان ہُوئے۔ اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ لِندھور ایکا ایکی کُچھ بتائے بغیر کہاں چلا گیا۔ اِدھر اُدھر پُوچھ گچھ کی مگر کُچھ پتا نہ چلا۔ آخر عَمرو نے فال نِکالی۔ اُس سے صِرف اِتنا معلُوم ہُوا کہ مرزبان خُراسانی کے ایک عیّار سُبک پا، نے دھوکے سے لِندھور کو اِغوا کیا ہے اور اپنے ساتھ بے ہوش کر کے شیراز کی طرف لے گیا ہے تاکہ کُشتی نہ لڑنی پڑے۔

امیر حمزہ نے عمرو سے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عیار سُبک پا تم سے بھی زیادہ چالاک ہے۔ دیکھو کس صفائی سے لندھور کو نکال کر لے گیا۔ اب لطف یہ ہے کہ لندھور کو آزاد کرانے کے ساتھ ساتھ تم سُبک پا اور مرزبان خراسانی کو بھی کسی طرح اُٹھا لاؤ تاکہ ہم لندھور اور مرزبان کی کُشتی کا تماشا دیکھیں۔"

عمرو نے کہا "یہ کون سی بڑی بات ہے۔ ابھی جاتا ہوں اور سُبک پا کو رگیدتا ہوں۔" یہ کہہ کر زنبیل میں ہاتھ ڈال کر گل باد اور گل باد کو باہر نکالا۔ انھیں ہوش میں لایا۔ جب انھوں نے عمرو کو اپنے سر پہ کھڑے پایا تو بڑے شرمندہ ہوئے۔ جھٹ اُس کے قدموں پہ گرے اور کہنے لگے۔

"آج سے ہم تمھاری شاگردی میں داخل ہوتے ہیں۔ تم واقعی اُستاد ہو۔ تم سے کوئی بازی نہیں لے جا سکتا۔"

عمرو یہ سُن کر خوش ہوا اور انھیں گلے سے لگایا۔ پھر وہ دونوں سچے دل سے دینِ ابراہیمی میں داخل ہوئے جب عمرو رخصت ہونے لگا تو گل باد، گل باذ اور سرہنگ مصری اور ابوالفتح نے بھی ضد کی کہ ہم بھی ساتھ

چلیں گے۔ سب عیاروں نے اپنی اپنی صورتیں بدلیں اور شیراز کی جانب روانہ ہوئے۔ شہر میں پہنچ کر ایک سرائے میں اُترے۔ عمرو نے کہا۔

اِس شہر میں آ کر اپنے پاس سے خرچ کر کے روٹی کھائی تو ہماری عیاری پر ہزار لعنت ہے۔ کمال تو جب ہے کہ اپنی گرہ سے ایک کوڑی خرچ نہ کریں اور پیٹ بھر جائے"

"اُستاد آپ ہی کوئی تدبیر کیجیے" گُل باد نے کہا۔

عمرو نے ایک سوداگر کی صورت بنائی اور اِن چاروں کو اپنا مُلازِم بنا کر شیراز کے بڑے بازار میں آیا۔ وہاں ایک نان بائی کی دُکان پر گاہکوں کا ہجوم تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ نان بائی سب سے اچھا کھانا پکاتا ہے۔ عمرو اُسی دُکان میں داخل ہوا۔ نان بائی نے دیکھا اور خیال کیا کہ کوئی بڑا سوداگر ہے۔ اُس نے اُٹھ کر سلام کیا اور نہایت احترام سے بٹھایا۔ عمرو نے رُعب سے کہا۔

"دیکھو میاں نان بائی، جو سب سے عُمدہ اور مہنگا کھانا ہو وہ ہمارے سامنے لاؤ۔ قیمت کے عِلاوہ ہم تمھیں اِنعام بھی دیں گے۔"

"بہت بہتر سرکار" نان بائی نے خوش ہو کر کہا۔ پھر اُس

نے عمرو اور اُس کے شاگردوں کے آگے نیا دسترخوان بچھایا اور ہر رنگ اور ہر ذائقے کا کھانا لا کر چُن دیا۔ پانچوں نے خُوب سیر ہو کر کھایا۔ اِس اثنا میں ایک فقیر نے آن کر سوال کیا۔ عمرو نے نان بائی سے کہا کہ فقیر کو پانچ روپے دے دو۔ اُس نے صندوقچہ کھول کر پانچ روپے دے دیے۔ عمرو نے کہا کہ ہم کھانا کھا لیں تو بعد میں قیمت کے ساتھ یہ روپے بھی ادا کریں گے۔ اِتنی دیر میں کئی فقیر اور آئے۔ عمرو نے اُن کو بھی نان بائی سے پانچ پانچ روپے دِلوائے۔ پھر چند فقیر اور آ گئے اُن کو بھی روپے دیے گئے یہاں تک کہ نان بائی نے دو سو روپے فقیروں ہی میں تقسیم کر دیے۔

اِتنے میں عمرو اور اُس کے ساتھی کھانے سے فارغ ہو کر چلنے کے لیے تیار ہُوئے۔ تب عمرو نے نان بائی سے کہا۔ تمھارے صندوقچے میں اب کتنے روپے ہیں؟

نان بائی نے روپے گنے اور کہا کہ دو سو روپے ہیں۔

عمرو کہنے لگا۔ تم نے اپنے روپے گن لیے؟

"جی ہاں — مگر کھانے کی قیمت کے عِلاوہ جو روپے آپ نے خیرات میں دِلوائے ہیں، وہ بھی تو دیجیے۔"

"یار کیوں مذاق کرتے ہو۔ ابھی تو اپنے سامنے گِنوا کر

میں نے صندوقچے میں رکھوائے ہیں۔"
یہ سنتے ہی نان بائی ہکّا بکّا رہ گیا۔ پھر ہنس کر کہنے لگا۔"واللہ، آپ بڑے ظریف ہیں۔ لائیے میرے روپے ادا کیجیے۔"
اتنے میں بہت سے لوگ وہاں اور آ گئے۔ عمرو نے اُن سے کہا۔"دیکھیے صاحب، ہم آپ کے شہر میں اجنبی ہیں۔ یہ نان بائی بے ایمانی سے دوبارہ پیسے مانگتا ہے۔ ابھی میں نے دو سو روپے اسے دیے ہیں اور اس نے گِن کر صندوقچے میں رکھے ہیں۔ یقین نہ آئے تو آپ لوگ خود گِن کر دیکھ لیں۔"
لوگوں نے نان بائی پر لعن طعن شروع کی اور وہ بے چارہ غُل مچانے لگا کہ یہ سوداگر بڑا بے ایمان اور دغا باز ہے۔ اس نے کھانا الگ کھایا اور فقیروں کو روپے الگ دلوائے اور اب مکر کر رہا ہے۔"
اتفاق کی بات کہ تُبک پا عیار بھی اُدھر سے گزر رہا تھا۔ نان بائی کی دکان پر یہ ہنگامہ دیکھ کر اُدھر آیا عمرو نے ایسے دردناک لہجے میں اپنی کہانی سنائی کہ تُبک پا کو ترس آیا اور نان بائی کے سر پر جوتے مار کر کہنے لگا۔

"چُپ بے حیا، شریف سوداگر پر تہمت لگاتا ہے۔ خبردار، آیندہ ایسی حرکت کی تو جیل میں سڑوا دُوں گا۔"

عَمرو نے سُبک پا کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اپنے گھر کا پتا بتائیے۔ میں کچھ نایاب چیزیں لایا ہُوں۔ آپ کو دِکھاؤں گا جی چاہے تو خرید لیجیے گا۔ سُبک پا نے اُسے اپنے گھر کا پتا بتا دِیا۔

اگلے روز عَمرو نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی شکلیں تبدیل کیں۔ گُل باد کو مُردہ بنا کر چارپائی پر ڈالا، کالی چادر اُس کے اُوپر پھینکی اور سُبک پا کے دروازے پر پُہنچے۔ اُس نے قطعاً نہ پہچانا کہ یہ وہی سوداگر ہے۔ کہنے لگا "کیا بات ہے؟ اس چارپائی پر کس کی لاش ہے؟"

"جناب، یہ بے چارہ ایک لاوارث آدمی تھا۔ کل رات انتقال کر گیا۔ اب کفن دفن کے لیے چندہ جمع کر رہے ہیں۔ کچھ آپ بھی دیں ثواب کا کام ہے۔"

سُبک پا نے اُسی وقت جیب سے پچاس روپے نِکال کر دِیے۔ عَمرو نے ان روپوں سے سرائے میں کھانا پکوایا۔ خُود بھی کھایا، دُوسروں کو بھی کھلایا اور پاؤں پھیلا کر اطمینان سے سویا۔ وہ تین دِن تک روزانہ ایک مُردے کو چارپائی پر ڈال کر سُبک پا کے گھر لے جاتا رہا اور

اُس سے کفن دفن کے لیے روپے لیتا رہا۔ چوتھے روز عمَرو کے درد اُٹھا وہ کہنے لگا: "لو بھائیو، ہمارا سلام ہے۔ اب ہم ہمیشہ کے لیے رُخصت ہوتے ہیں۔" یہ کہتے کہتے دم توڑ دیا۔ گُل باد، گُل باد، سرہنگ مصری اور ابوالفتح کے ہوش اُڑ گئے۔ بے اختیار رونے اور سینہ پیٹنے لگے۔ تب عمَرو نے آنکھیں کھولیں اور چُپکے سے کہا۔

"یارو، تُم سب نالائق ہو۔ آج مُردہ بننے کی میری باری ہے۔ لو اب دیر نہ کرو۔ جلدی سے مُجھے چارپائی پر ڈالو اور سُبک پا کے مکان پر لے چلو۔"

عمَرو کو زِندہ سلامت دیکھ کر ان چاروں کی جان میں جان آئی اور دِل میں اُس کی عیّاری کے قائل ہُوئے پھر اُسے چارپائی پر ڈال کر روتے پیٹتے سُبک پا کے مکان پر لے گئے۔ وہ آواز سُنتے ہی باہر آیا اور ناراض ہو کر کہنے لگا۔

تُم روز ایک مُردہ لے کر آن مرتے ہو۔ آخر یہ چکّر کیا ہے؟ کیا تُم مُجھے دھوکا تو نہیں دیتے۔ چارپائی پر سے چادر ہٹاؤ۔ ہم ذرا مُردے کی صُورت تو دیکھیں:

چاروں عیّاروں نے چادر ہٹائی۔ سُبک پا نے دیکھا کہ حقیقت میں مُردہ ہے۔ چہرے پر مُردنی چھائی ہے۔ ناک کا

بانسا پھرا ہوا ہے، کانوں کی لویں بھی مڑ گئی ہیں۔ آنکھوں میں حلقے پڑے ہیں اور نبضیں بھی رکی ہوئی ہیں۔ جسم سے مُردے کی بُو آتی ہے۔

یہ حال دیکھ کر ٹبک پا کو افسوس ہوا کہ اُس نے اِن غریبوں پر خواہ مخواہ غصّہ کیا۔ پھر ایک شخص کو بلایا اور کہا اس میت کو غسل دو اور قبرستان میں قبر کھدوا کر دفن کر دو۔"

وہ شخص مُردے کو دریا کے کنارے لایا۔ چارپائی کے چاروں طرف قناتیں لگائیں، مُردے کو اُٹھا کر تختے پر لٹایا اور نہلانا شروع کیا۔ پھر کفن پہنایا۔ یکایک عمرو اُٹھ بیٹھا اور کہنے لگا۔

"میں بھوکا ہوں۔ مجھے کچھ کھلاؤ۔"

غسل دینے والا دہشت کے مارے بے ہوش ہو گیا۔ عمرو نے اُسے تھوڑی سی دوائے بے ہوشی بھی سنگھا دی تاکہ جلدی ہوش میں نہ آئے۔ پھر اُس کے کپڑے اُتار کر اپنا کفن اُسے پہنایا اور خود اُسی کی صورت بنا لی۔ اپنے عیّاروں کو بلایا اور اُس بے چارے کو چارپائی پر ڈال کر جنازے کی شکل میں قبرستان کی جانب لے چلے۔ گورکن نے قبر کھود رکھی تھی۔ عمرو نے اُس کی مدد سے جب غسّال کو قبر

میں اُتارا تو اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ اپنے آپ کو کفن میں لپٹا ہُوا دیکھا تو غُل مچایا۔ گورکن مُردے کو زندہ ہوتے دیکھ کر بھاگا اور مُردہ اُس کے پیچھے لپکا۔ بھاگتے بھاگتے دونوں شہر میں آ گئے۔ لوگوں نے ایک مُردے کو کفن پہنے ہُوئے آتے دیکھا تو بھگدڑ مچ گئی اور جس کا جدھر مُنہ اُٹھا، اُدھر بھاگ نکلا۔

وہ شخص سیدھا مُبک پا کے مکان پر گیا اور رو رو کر ساری داستان سُنائی۔ مُبک پا سُن ہو گیا۔ اُس نے سوچا کہ یہ شرارتیں اور عیّاریاں عمرو اور اُس کے ساتھیوں کے سوا کسی دُوسرے کی نہیں ہو سکتیں۔

اُدھر مرزبان خُراسانی کو بھی کسی نے یہ خبر پہنچا دی کہ عمرو عیّار شہر میں گھس آیا ہے اور مُبک پا کو کئی روز سے چکما دے رہا ہے۔ اِتنے میں مُبک پا خُود وہاں آیا۔ مرزبان نے اُسے دیکھتے ہی ناراض ہو کر کہا۔

"لعنت ہے تجھ پر اور تیری عیّاریوں پر۔۔۔ عمرو تجھے کئی دِن سے ذلیل کر رہا ہے اور تجھ سے کچھ بھی نہ ہو سکا۔ دُور ہو جا میرے سامنے سے۔ آیندہ اپنی شکل مجھے نہ دِکھائیو۔"

سُبک پا نہایت شرمندہ ہُوا۔ اُسی وقت اپنے چند آدمیوں کو لے کر عَمرو کی تلاش میں نکلا اور سرائے میں آیا۔ لیکن عَمرو اپنے عیاروں کو لے کر کہیں گیا ہُوا تھا۔ سُبک پا تو عَمرو کی جُستجُو میں رہا اور اُدھر عَمرو لِنڈھور کو ڈھونڈتا ہُوا اُس باغ میں آیا جہاں مرزبان خُراسانی نے اُسے قید کر رکھا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ لِنڈھور ایک کوٹھڑی میں بند ہے جس کے باہر دو حبشی غُلام پہرا دے رہے ہیں۔ عَمرو نے جھٹ اپنی صُورت سُبک پا کی سی بنائی اور کوٹھڑی کے نزدیک آیا۔ غلاموں نے سُبک پا کو پہچان کر سلام کیا اور کہا۔

"کیا حُکم ہے جناب؟"

"جلد قیدی کو باہر نکالو" عَمرو نے حُکم دیا۔

غُلاموں نے فوراً کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر لِنڈھور کو باہر نکالا۔ وہ بے چارا لوہے کی موٹی موٹی زنجیروں میں جکڑا ہُوا تھا۔ سُبک پا کو اپنے سامنے دیکھتے ہی لِنڈھور کو تاؤ آیا اور کہنے لگا۔

"بد ذات، کیوں تیری شامت آئی ہے۔ عَمرو کو اگر پتا چل گیا کہ تُو مجھے دھوکے سے بے ہوش کر کے اُٹھا لایا ہے تو تیری ایسی گت بنائے گا کہ مرتے دم تک

نہ بھول سکے گا۔"

نقلی مُبک پا نے قہقہہ لگایا اور کہا "میں نے عمرو کا بھی بندوبست کر لیا ہے۔ اُسے چھٹی کا دودھ یاد نہ دِلایا تو میرا نام مُبک پا نہیں کچھ اور رکھ دینا ــــ آؤ اب میرے ساتھ چلو۔ مرزبان خُراسانی تمھیں یاد کرتا ہے۔"

عمرو لندھور کو ایک گاڑی میں بٹھا کر لے چلا۔ پھر باغ سے باہر نکل کر اُسے کسی بہلنے دوائیے بے ہوشی سُنگھائی اور جب وہ بے ہوش ہوا تو زنبیل میں ڈال لیا۔

عمرو کے جانے کے آدھ گھنٹے بعد اصلی مُبک پا بھی اپنے آدمیوں کے ساتھ باغ میں آیا اور حبشی غُلاموں سے کہنے لگا "قیدی کا کیا حال ہے؟"

غُلاموں نے حیرت سے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا اور کچھ جواب نہ دیا۔ اِس پر مُبک پا کو طیش آیا۔ چلّا کر بولا "تم لوگ پتھر کے بُت کیوں بن گئے؟ میری بات کا جواب ہی نہیں دیتے؟ میں پُوچھتا ہوں قیدی کس حال میں ہے؟"

"جناب، یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔" ایک غُلام نے جواب دیا۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ تشریف لائے تھے اور قیدی

کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔"

"کیا بکتے ہو؟ میں کب آیا تھا اور کب قیدی کو لے گیا۔ سُبک پا کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔" کہیں گھاس تو نہیں کھا گئے؟"

یکایک اُسے خیال آیا کہ عَمرو چوٹ دے گیا۔ سُبک پا نے کوٹھڑی میں جھانکا تو اُسے کنجوس کے دل کی طرح خالی پایا۔ پریشان ہو کر سر پیٹ لیا۔ پھر ہنٹر نکال کر حبشی غلاموں پر پل پڑا اور انھیں اتنا پیٹا کہ بے چاروں کے جسم لہو لہان ہو گئے۔ کسی نے جا کر مرزبان کو یہ ساری داستان سنائی۔ وہ خود دوڑا دوڑا آیا اور اُسی ہنٹر سے سُبک پا کو پیٹنا شروع کر دیا۔ اور کہا۔

"نالائق، اپنا قصور اِن بے گناہ غلاموں کے سر تھوپتا ہے؟ شرم نہیں آتی؟"

"حضور، میرا خیال ہے کہ لندھور کو عَمرو نکال کر لے گیا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں کسی طرح لندھور کو دوبارہ پکڑ لاؤں۔"

"نہیں۔ یہ کام تمھارے بس کا نہیں ہے۔" مرزبان نے جواب دیا۔ پھر اپنا گھوڑا منگوا کر اس پر سوار ہوا، سیدھا

فاریاب کے پاس پہنچا اور کہا۔ "تمھاری بیٹی کا گُل کُشا کی خواہش ہے کہ میں لندھور سے کشتی لڑوں۔ میں اس کے لیے تیار ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ یہ کشتی نوشیرواں کے سامنے ہو گی اور تم میرے ساتھ چلو گے۔"

فاریاب شاہ نے کہا۔ "بھلا مجھے اس میں کیا اعتراض ہے جس طرح چاہو کرو۔"

دونوں اپنی اپنی فوجیں لے کر اصفہان کی جانب روانہ ہوئے۔

اُدھر عمرو عیار شیراز سے نکلا اور اصفہان کی جانب آیا۔ راستے میں ایک مقام پر رُک کر لندھور کو زنبیل سے نکالا اور اُس سے سارا حال بیان کیا۔ لندھور بے حد خوش ہوا اور کہا کہ لشکر میں چلو، تمھیں مُنہ مانگا انعام دوں گا۔"

جب یہ لوگ اصفہان سے کئی منزلیں دُور رہ گئے اور رات سر پر آئی تو ایک پہاڑ کے دامن میں اُترے اور سو گئے۔ صبح عمرو نے گُل باد سے کہا کہ تم جاؤ اور امیر حمزہ کو خبر دو کہ لندھور مل گیا ہے اور ہم تھوڑی دیر بعد آتے ہیں۔ گُل باد تو حمزہ کو خبر دینے گیا اور اِدھر عمرو صحرا کی سیر کو نکل گیا۔ یکایک پہاڑ پر سے

چند عورتیں اُتر کر آئیں اور لِنڈھور سے کہنے لگیں کہ آپ یہاں صحرا میں کیوں پڑے ہیں؟ چلیے ہمارا مکان حاضر ہے۔ اُس میں چل کر آرام فرمائیے۔ لِنڈھور اُن کی باتوں میں آ گیا اور اُن کے ساتھ چل پڑا۔ وہ حیران تھا کہ اِس ویران پہاڑ پر مکان کہاں سے آیا۔

یہ عورتیں لِنڈھور کو لے کر پہاڑ کے ایک غار میں داخل ہوئیں اور جب دوسری جانب نکلیں تو لِنڈھور نے اپنے آپ کو ایک پُر فضا مقام پر پایا۔ یہ نہایت حسین اور خوش نُما باغ تھا جس کے بیچوں بیچ سنگِ مرمر کی عالی شان بارہ دری بنی ہوئی تھی۔ جا بجا فوارے چل رہے تھے اور باغ کے اندر سینکڑوں خوش اِلحان پرندے درختوں کی شاخوں اور ٹہنیوں پر بیٹھے نغمے گا رہے تھے۔ بارہ دری کے اندر مخمل کا فرش بچھا تھا اور اُس پر ایک مسندِ جواہر نگار آراستہ تھی۔ لِنڈھور نے دیکھا کہ ایک شہزادی اِس مسند پر نہایت وقار اور دبدبے سے بیٹھی ہے۔ لِنڈھور نے اُسے سلام کیا تو وہ بولی۔

"خوش آمدید۔ خوش آمدید۔ سراندیپ کے ہزار جزیروں کے راجا لِنڈھور کو ہمارا سلام ہے۔"

لِنڈھور نے بھی سلام کا جواب دیا اور دِل میں حیران ہوا

کہ اسے میرے نام کا کیونکر علم ہوا۔ شہزادی نے لندھور کو اپنے پاس بٹھایا اور خوب خاطر تواضع کی۔ پھر کہنے لگی۔

"مجھ کو معلوم ہے کہ آپ امیر حمزہ کے دوست ہیں اور حمزہ آپ کی ہر بات مانتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ میرے خدمت گاروں میں شامل ہو جائیں۔"

لندھور اس بات پر اور حیران ہوا اور کچھ جواب نہ دیا۔ تب شہزادی کہنے لگی۔

"اے لندھور کس سوچ میں پڑا ہے؟ دیکھ میرا نام ریحانہ جادوگرنی ہے۔ چاہوں تو آناً فاناً تجھے جلا کر راکھ کر دوں۔"

لندھور یہ سن کر طیش میں آیا اور اٹھ کر جانا ہی چاہتا تھا کہ شہزادی نے منہ ہی منہ میں کوئی منتر پڑھ کر لندھور کے پیر پر پھونکا۔ لندھور کا پیر وہیں کا وہیں رک گیا اور حرکت کرنے کے قابل نہ رہا۔ اس کے بعد ریحانہ جادوگرنی نے اپنی کنیزوں کو حکم دیا کہ اسے لے جاؤ اور تاریک غار میں قید کر دو۔"

عمرو عیار جب سیر سے واپس آیا تو دیکھا لندھور غائب ہے۔ ابوالفتح، سرہنگ مصری اور گل باد سے پوچھا کہ

لِنڈھور کہاں گیا؟ اُنھوں نے بتایا کہ پہاڑ کی چوٹی سے چند عورتیں اُتر کر آئی تھیں۔ وہ لِنڈھور کو اپنے ساتھ لے گئی ہیں۔ یہ سُن کر عَمرو پریشان ہُوا تاہم دِل مضبوط کر کے پہاڑ پر چڑھنے لگا۔

ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ اُوپر سے چند عورتیں آئیں اور عَمرو کو اپنے ساتھ اُسی باغ میں لے گئیں۔ ریحانہ جادُو گرنی اُسے دیکھ کر کچھ خوف زدہ ہوئی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہ شخص بہُت ہوشیار اور چالاک ہے۔ اِس پر قابُو پانا آسان نہ ہو گا۔

عَمرو بھی اُسے دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہ جادُو گرنی ہے، اُس نے خنجر نِکال کر آستین میں چھپا لیا۔ ریحانہ جادُو گرنی نے مُسکراتے ہُوئے اُس کا اِستقبال کیا اور کہا "خوش آمدید اے عیّاروں کے عیّار خوش آمدید۔"

اب تو عَمرو کے دِل میں کوئی شُبہ نہ رہا کہ یہ واقعی جادُو گرنی ہے۔ مسند پر بیٹھتے ہی کہنے لگا۔ "میں اپنے ایک دوست لِنڈھور کی تلاش میں آیا ہُوں۔ معلُوم ہُوا ہے کہ وہ اِسی طرف آیا تھا۔ تمھیں کچھ معلُوم ہو تو بتاؤ۔"

ریحانہ جادُو گرنی نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ لِنڈھور بڑا

بے وقوف آدمی ہے۔ ہم نے اُس سے ایک فرمائش کی
جسے پُورا کرنے سے اُس نے اِنکار کیا اِس لیے ہم
اُسے قید کر دیا ہے۔"
عمرو کو طیش آیا۔ خنجر نکال کر جادو گرنی کی گردن
گھونپ دیا۔ ریحانہ جادوگرنی کے حلق سے ایک بھیانک
چیخ نکلی اور اُس کا جسم کوئلے کی طرح جل کر سیاہ ہو
یہی حال اُس کی کنیزوں کا ہُوا۔ پھر آندھی آئی۔ باغ
تمام درخت اُکھڑ اُکھڑ کر گرنے لگے اور بارہ دری دھ
سے زمین پر آ گری۔ عمرو وہاں سے بھاگا اور ایک
غار کے دہانے پر آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہاں لندھو
بے ہوش پڑا ہے۔ عمرو اُسے ہوش میں لایا اور پُوچھ
لگا۔
"اے لندھور تجھ پر کیا آفت آئی کہ اُن عورتوں
کہنے میں آ کر یہاں آ گیا؟ لندھور شرمندہ ہو کر چپ
رہا۔ پھر یہ سب لوگ امیر حمزہ کے لشکر میں آئے۔
اُدھر مرزبان اور فاریاب شاہ اصفہان پہنچ کر نوشیرواں
دربار میں داخل ہُوئے۔ نوشیرواں اُنھیں دیکھ کر حیران ہو
پھر اپنے تخت کے قریب بٹھایا اور حال احوال پُوچھنے لگا
اِس پر بہت سے درباریوں نے ناک بھوں چڑھائی او

سرگوشیاں کرنے لگے کہ مرزبان کو نوشیروان نے ایسی جگہ بٹھایا ہے جو مندیل اصفہانی کی کرسی سے اونچی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مندیل کوئی فتنہ برپا کرے۔

تھوڑی دیر بعد مندیل اصفہانی دربار میں آیا اور اپنی کرسی پر بیٹھا لیکن دل میں بہت تاؤ کھایا کہ مرزبان مجھ سے بلند جگہ پر بیٹھا ہوا ہے۔ جہلیل نے اس کے کان میں کہا۔

"یہ آپ کی سخت توہین ہے کہ مرزبان آپ سے اونچی جگہ بیٹھے۔ اس سے کہیے کہ وہاں سے اٹھے اور کہیں دوسری جگہ جا کر بیٹھے۔"

مندیل اسی وقت اٹھ کر مرزبان کے قریب گیا اور کڑے تیور سے کہا۔ "اگر شہنشاہ نوشیرواں نے تمہیں چند لمحوں کے لیے اپنے پاس بٹھا کر عزت بخشی ہے تو اب تم یہیں ٹک گئے؟ اٹھو اور کہیں اور جا کر بیٹھو۔ تم اس جگہ بیٹھنے کے لائق نہیں ہو۔"

مندیل کی یہ بات سن کر مرزبان کا خون کھول گیا۔ تلوار میان سے کھینچ کر بولا۔ "مجھ کو یہاں بادشاہ نے بٹھایا ہے۔ تم کون ہوتے ہو مجھے اٹھانے والے؟"

"میں اصفہان کا بادشاہ مندیل ہوں۔"

"میں بھی خراسان کا بادشاہ ہوں۔" مرزبان نے کہا۔ کوئی بھنگی چمار نہیں ہوں جو اپنے مہمانوں سے یوں سلوک کروں۔"

مندیل نے جھلا کر نوشیرواں کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"دیکھیے حضور، یہ بدبخت مجھے بھنگی چمار کہتا ہے۔ حکم ہو تو ابھی اس کی زبان کاٹ ڈالوں۔"

تب نوشیرواں نے مندیل کو سختی سے ڈانٹا اور کہا۔

"مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا تم کو روا نہیں۔ جاؤ اپنی جگہ پر بیٹھو۔"

مندیل دل میں غم و غصّے کا طوفان لیے اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا۔ اور خونی نظروں سے مرزبان کو گھورتا رہا۔ جب دربار برخاست ہوا تو وہ اپنے محل میں آیا۔ دل میں سوچتا تھا کہ نوشیرواں شہنشاہ ہفت کشور کہلاتا ہے لیکن احسان فراموش آدمی ہے۔ حمزہ نے حشام ڈاکو کو مار کر اس کا تاج تخت واپس دلایا۔ اور اب اُسی کے خلاف ہو گیا ہے۔ اس کے مقابلے میں حمزہ کتنا شریف، بہادر اور نیک ہے۔

یہ سوچ کر وہ اپنے بھائی کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"اے برادر، نوشیرواں سے مجھ کو بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ ہم نے اُس کو اپنے شہر میں اتارا اور اپنے خاندان کی تباہی اور

بربادی کا کچھ خیال نہ کیا۔ نوشیرواں کی خاطر حمزہ سے لڑے اور اُس کی دُشمنی مول لی۔ اِس کا بدلہ یہ مِلا ہے کہ نوشیرواں نے بھرے دربار میں مجھے ذلیل کیا اور بے حقیقت سمجھا۔ اب میں حمزہ کے پاس جاتا ہُوں کیونکہ میں بیک وقت مرزبان اور نوشیرواں سے نہیں لڑ سکتا۔"

مندیل کی یہ باتیں سُن کر اُس کا بھائی بھی ہاں میں ہاں مِلانے لگا۔ اور کہا کہ بے شک اب یہاں ٹھہرنا بے عزتی کرانا ہے۔ اِس لیے اصفہان سے نکل چلو۔ چنانچہ مہلیل، مندیل اور شہنشاہِ عراقی سب اپنی فوجوں کو لے کر اصفہان سے چل کھڑے ہُوئے۔ اُدھر امیر حمزہ کو اُن کی آمد کی خبر مِلی۔ سمجھ گئے کہ ضرور مرزبان خُراسانی نے کوئی گُل کھِلایا ہے۔ تبھی یہ لوگ نوشیرواں سے خفا ہو کر میرے پاس آئے ہیں۔ امیر حمزہ نے مندیل اور مہلیل کے اِستقبال کو اپنے سردار روانہ کیے۔ اُنھوں نے کچھ فاصلے پر جا کر نہایت دُھوم سے مندیل کا اِستقبال کیا اور ایسی عزّت سے پیش آئے کہ مندیل حیران رہ گیا۔ پھر یہ سب لوگ امیر حمزہ کی بارگاہ میں آئے۔ دیکھا کہ ایسی عالی شان بارگاہ ہے جو نوشیرواں کو خواب میں بھی میسّر نہ ہو گی۔ سونے کے تخت پر شہزادہ قبادِ شہر یار نہایت شان و شوکت سے بیٹھا ہے۔ دائیں

بائیں نامی گرامی پہلوان اور سپہ سالار دبدبے سے بیٹھے ہیں
امیر حمزہ پیشوائی کو آگے آئے۔ مندیل اور مہلیل نے جُھک
کر سلام کیا اور اُن کے ہاتھ چُومے۔ امیر حمزہ نے باری
باری سب کو گلے سے لگایا۔ پھر قباد شہریار کو نذر دِلوائی
قباد نے مندیل اور مہلیل کو خلعتِ سُلیمانی عطا کیے۔
پھر حمزہ نے عَمرو سے کہا کہ اے خواجہ، ان مہمانوں کے
واسطے باناتِ سلیمانی اور تاشِ تمامی کا عالی شان خیمہ لگوادو
جس میں زربفت اور مخمل کا فرش ہو۔ خدمت کے لیے خادِم
مُہیّا کیے جائیں اور اِنھیں کسی قِسم کی تکلیف نہ پہنچے۔
عَمرو نے فوراً حُکم کی تعمیل کی اور آن کی آن میں بانات
کا خیمہ کھڑا کر دیا۔

مندیل اور مہلیل یہ شاہی اِنتظامات دیکھ دیکھ کر حیران
ہوتے اور دانتوں میں اُنگلیاں دباتے تھے۔ لندھور اور
عَمرو عیّار بھی اُن کے ساتھ خیمے میں آئے اور بیٹھ کر باتیں
کرنے لگے۔ اگلے روز نوشیرواں کو پتا چلا کہ مندیل اور مہلیل
اپنی فوج سمیت حمزہ کے لشکر میں چلے گئے ہیں تو وہ
بزرجمہر کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

"یہ سب تیرا فساد ہے تُو اگر مندیل سے بد زبانی نہ کرتا
تو وہ کبھی نہ جاتا۔ بہرحال اب میں اُسے سزا دیے بغیر

نہ مانوں گا۔ میں نے سُنا ہے کہ مندیل اور مہلیل کے بُہت سے عزیز، رشتے دار عراق میں رہتے ہیں۔ اب کوئی شخص عراق میں جائے اور مندیل کے رشتہ داروں کو تہِ تیغ کرے۔"

یہ سُن کر فاریاب شاہ اور مرزبان خُراسانی نے اُٹھ کر سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر بولے: "اگر حُکم ہو تو ہم عراق جائیں اور مندیل اور مہلیل کے رشتے داروں کو ہلاک کریں۔"

نوشیرواں نے اجازت دی۔ یہ دونوں کئی لاکھ سوار اپنے ساتھ لے کر عراق کی جانب روانہ ہُوئے۔ جاسُوسوں نے فوراً یہ خبر امیر حمزہ کو پہنچائی۔ اُس وقت مندیل اور مہلیل بھی حمزہ کے پاس بیٹھے تھے۔ یہ سُن کر اُن کے ہوش اُڑ گئے۔ فوراً اُٹھ کھڑے ہُوئے اور امیر حمزہ سے کہنے لگے۔ ہمیں رُخصت کیجیے۔ ایسا نہ ہو کہ دُشمن کی فوج عراق میں قتلِ عام کرے۔"

امیر حمزہ نے کہا: "آپ لوگ یہیں آرام سے رہیے میں دُشمن کی سرکوبی کے لیے بہرام یا لندھور کو بھیجے دیتا ہُوں۔"

مگر مندیل نے یہ بات نہ مانی۔ تب امیر حمزہ نے مجبور ہو کر کہا "تمھیں اختیار ہے۔" دونوں نے قباد شہر یار اور امیر حمزہ کو سلام کیا اور بارگاہ سے باہر آ کر اپنے اپنے

گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ سات لاکھ فوج کو تیاری کا حکم دیا
اور تیزی سے عراق کی جانب روانہ ہوئے۔
نوشیرواں کو بھی ایک ایک لمحے کی خبریں مل رہی تھیں
جب اُس نے سُنا کہ مندیل اور مہلیل اپنے رشتے داروں
کو بچانے کی نیت سے عراق کی طرف چل پڑے ہیں تو
وہ بے حد غضبناک ہوا اور طولِ شجر زنگی کو حکم دیا
کہ تُو بھی اپنے ایک لاکھ سوار لے کر فاریاب شاہ اور
مرزبان کی مدد کو جا۔ اِدھر امیر حمزہ نے لندھور سے کہا
کہ بھائی، مقابلہ سخت ہے ایسا نہ ہو کہ مندیل و مہلیل
ہار جائیں اس لیے تم اپنے لشکر کو لے کر اُن کے پیچھے
جاؤ۔ لندھور نے اپنے دو لاکھ جوانوں کو تیار ہونے کا حکم
دیا اور مندیل کی کمک پر عراق کی طرف چلا۔ نوشیرواں کے
پاس بھی یہ خبر پہنچی کہ لندھور مندیل کی مدد کو نکلا ہے۔
اُس نے طیش میں آ کر اپنے دونوں بیٹوں ہرمز اور فرامرز
سے کہا کہ اب تم بھی اپنے اپنے لشکر ساتھ لو اور
مرزبان کی مدد کو پہنچو۔
امیر حمزہ کو جب ہرمز اور فرامرز کے جانے کی
خبر ملی تو وہ بھی عراق کی طرف چلے۔ نوشیرواں نے
سُنا کہ حمزہ بھی اپنے سپہ سالاروں کی مدد کو پہنچا ہے

تو وہ تخت سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ بختک یہ سمجھا کہ آرام کرنے کے لیے محل میں جاتا ہے مگر نوشیرواں نے سواری طلب کی اور آپ بھی اپنی فوج سمیت عراق کی جانب کُوچ کیا۔ ہرکاروں نے یہ خبر شہزادہ قباد شہریار کو پہنچائی تو قباد نے بھی ڈیرا خیمہ اُٹھایا اور بقیہ فوج کو لے کر منزلوں پہ منزلیں طے کرتا ہُوا عراق کی طرف بڑھنے لگا۔

خوف ناک جنگ

مرزبان خُراسانی اور فاریاب شاہ سب سے پہلے عراق میں پُہنچے۔ عراق کے لوگوں کو بھی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ مندیل اصفہانی اور مہلیل امیر حمزہ سے جا ملے ہیں اور نوشیرواں نے غضب ناک ہو کر مرزبان کو بھیجا ہے تاکہ مندیل اور مہلیل کے رِشتے داروں کو موت کے گھاٹ اُتار دے۔ کِسی کو اِس بات کا یقین نہ آتا تھا۔ ناگہاں صحرا کی جانِب سے گرد کا ایک ہیبت ناک بادل اُٹھا۔ لوگوں میں غُل مچ گیا کہ مرزبان فوج لے کر آتا ہے۔ اُنھوں نے فوراً قلعے کا دروازہ بند کر دیا اور فصیل پر تیر انداز بٹھا دِیے۔ اِتنے میں مرزبان اپنی فوج کو لے کر قلعے کے نزدیک آیا اور پُکار کر کہا۔

"نوشیرواں کا حکم ہے کہ قلعے کا دروازہ فوراً کھول دو۔"

"ہم نہیں جانتے کہ نوشیرواں کون ہے۔ خبردار، اگر قدم

آگے بڑھایا تو تیروں سے چھلنی کر دیں گے۔" فصیل پر سے عراقی تیر اندازوں نے جواب دیا۔
یہ سُن کر فاریاب شاہ نے مرزبان سے کہا "یہ لوگ یوں نہ مانیں گے۔ حملہ کر دو۔"
مرزبان نے اپنے لشکر کو عام حملے کا حکم دے دیا۔ مرزبان کے سپاہی ڈھالیں سروں پر رکھے قلعے کی طرف بڑھے اور سیڑھیاں لگا لگا کر فصیل پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگے مگر عراقی تیر اندازوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے مرزبان کے سینکڑوں سپاہی ہلاک اور زخمی ہوئے۔ لڑائی دن بھر جاری رہی لیکن آہستہ آہستہ عراقیوں کی تعداد میں بھی کمی ہونے لگی اور اُنھوں نے محسوس کیا کہ مرزبان کا مقابلہ کرنا مشکل ہے بہتر یہی ہے کہ ہتھیار ڈال دیے جائیں۔ عین اُسی لمحے پھر صحرا میں گرد کا بادل اُٹھتا نظر آیا۔ اور جب عراقیوں نے یہ خبر سُنی کہ مندیل اور مہلیل لشکرِ جرار کے ساتھ آن پہنچے ہیں تو اُن کے حوصلے بلند ہو گئے اور وہ جم کر لڑنے لگے۔
مندیل کا لشکر بھوکے شیروں کی طرح مرزبان کی فوج پر جھپٹا۔ اور ایسی تلوار چلی کہ بیان سے باہر ہے۔ دم بھر میں کشتوں کے پشتے لگ گئے اور موت کا بازار ایسا گرم ہوا

کہ جدھر دیکھو خُون ہی خُون نظر آتا تھا یا کٹے ہُوئے
پیر اور دھڑ۔

مرزبان قلعے کے بڑے پھاٹک تک پہنچ چُکا تھا وہ فو
پلٹا اور گھوڑا دوڑاتا ہُوا میدان میں آیا۔ اُس نے دُور سے
مندیل کو دیکھا اور خیال کیا کہ یہی اس فوج کا سپہ سالا
ہے۔ اگر اسے مار ڈوں تو دُشمن کے چھکے چھُوٹ جائیں گے
یہ سوچ کر سپاہیوں کو مارتا کاٹتا اور راستہ بناتا مندیل
طرف بڑھا۔ اُدھر مندیل نے بھی مرزبان کو پہچان لیا تھا۔ و
بھی مقابلے پر ڈٹ گیا۔ مرزبان نے نعرہ مار کر تلوار کا ہا
مارا۔ مندیل نے ڈھال آگے کر دی۔ مرزبان کی فولادی تلو
ڈھال پر پڑی اور اُچٹ کر مندیل کی پیشانی پر آن لگی
دو اُنگل کے قریب گہرا زخم آیا اور مندیل کا چہرہ خُون
سے تر ہو گیا۔ یہ دیکھ کر مرزبان کو اور جوش آیا۔ ایک
نعرہ مارا اور دُوسرا وار کیا مگر مندیل نے یہ وار خا
دے کر اِس زور سے حملہ کیا کہ اُس کی تلوار ڈھال کو
کاٹتی ہُوئی مرزبان کے شانے میں چھ اُنگل تک اُتر گئی
مرزبان کا دایاں ہاتھ بے کار ہُوا اور تلوار اُس کے ہا
سے چھُوٹ گئی۔ اُس نے پہلو سے دُوسری تلوار نکالی ا
بائیں ہاتھ سے لڑنے لگا اور ایسی تلوار ماری کہ مند

کے گھوڑے کا سر اُڑ گیا۔ مندیل گھوڑے کے ساتھ ہی زمین پر گرا۔ چاروں طرف لاشیں ہی لاشیں پڑی تھیں۔ مندیل میں اُٹھنے کی طاقت نہ تھی۔ اُس نے ایک لاش کی چھاتی پر ہاتھ ٹیک کر مرزبان کے گھوڑے کے تلوار ماری۔ گھوڑے کا پاؤں زخمی ہوا اور وہ مرزبان کو لے کر بے تحاشا ایک طرف بھاگا۔ اِس اثنا میں مندیل کے سپاہی اُس کے قریب پہنچ گئے۔ اور کہنے لگے۔

"آپ اپنے خیمے میں چل کر آرام کیجیے۔ زخم گہرے ہیں خون زیادہ نکل گیا ہے۔"

مندیل نے کسی کی بات نہ مانی اور یہی کہا کہ جب تک جسم میں خون کا آخری قطرہ موجود ہے میں میدانِ جنگ سے واپس نہ جاؤں گا۔

یکایک میدانِ جنگ دِل دہلا دینے والے نعروں سے گونج اٹھا۔ مندیل نے اپنے سپاہیوں سے پوچھا کہ یہ شور کیسا ہے؛ انھوں نے بتایا کہ مرزبان کی فوج پسپا ہو رہی تھی کہ طول شجر زنگی اپنے لشکر کو لے کر آ گیا اور اُس کی تازہ دم فوج نے عراقیوں اور ہمارے لشکر کو تلواروں کی باڑھ میں رکھ لیا ہے۔ اب خدا ہی ہے جو بچائے۔
یہ سنتے ہی مندیل کو جوش آیا کہنے لگا۔ میرے لیے گھوڑا

لاؤ۔ سپاہی گھوڑا لائے اور اُسے سوار کرایا۔ مندیل اُسی حالت میں تلوار تھام کر دُشمنوں کے اندر جا گھسا اور ایسی بے خوفی سے لڑا کہ سب نے واہ وا کی۔

اِتنے میں پھر نعروں اور ڈھول تاشے بجنے کی آوازیں سُنائی دیں۔ معلوم ہُوا کہ بہرام خاقانِ چین اپنی فوج لے کر مندیل کی مدد کو آن پہنچا۔ مندیل اِس خبر سے خُوش ہُوا اور اُس کے سپاہیوں کے حوصلے بھی بڑھ گئے۔

بہرام کا میدانِ جنگ میں آنا قیامت کے آنے سے کم نہ تھا۔ اُس نے بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ طُول شجر زنگی اور مرزبان خُراسانی جان بچانے کی فکر کرنے لگے۔ اچانک بہرام گھوڑا دوڑاتا ہُوا آیا اور طُول شجر زنگی کو گھیر کر للکارا۔

"او بُزدل، کہاں جاتا ہے؟ اِدھر آ۔"

طُول شجر زنگی نے جب جان بچنے کی کوئی صُورت نہ دیکھی تو مجبُوراً لڑنے کے لیے آمادہ ہُوا اور بہرام کی طرف نیزہ پھینک کر مارا۔ اُس نے تلوار کے ایک وار سے نیزہ کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیا۔ یہ دیکھ کر طُول شجر زنگی پر ہیبت طاری ہُوئی اور بھاگنے کا اِرادہ کیا مگر اُسی لمحے بہرام کی تلوار بجلی کی طرح اُس کے سر پہ چمکی۔ زنگی دھڑام

سے نیچے گرا اور چند لمحے تڑپنے کے بعد مر گیا۔

بہرام کی دہشت سے طُول زنگی اور مرزبان خُراسانی کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ اتنے میں نوشیرواں کے بیٹوں شہزادہ ہُرمُز اور شہزادہ فرامُرز کی فوجیں آن پہنچیں اور بھاگتے ہُوئے سپاہیوں کے قدم پھر جم گئے۔ بہرام نے تلوار بازی کے ایسے کمالات دِکھائے کہ دوست دُشمن سب نے بے اِختیار داد دی۔ میدانِ جنگ کا یہ حال تھا کہ لاشوں کے انبار لگے تھے اور خُون پانی کی طرح بہتا تھا۔

ہُرمُز اور فرامُرز کی فوجوں نے جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا اور اب عراقیوں کا پلڑا پھر کمزور پڑنے لگا۔ یکایک لندھور اپنے ہندی لشکر کے ساتھ نمُودار ہُوا۔ وہ اٹھارہ من کا فولادی گُرز فضا میں اُچھالتا ہُوا آ رہا تھا۔ اس دیو قامت آدمی کو دیکھ کر خُراسانی سپاہیوں کے دل بیٹھنے لگے۔ خُود ہُرمُز اور فرامُرز پر بھی دہشت طاری ہُوئی۔ دِل میں پچھتائے کہ ناحق یہاں آئے۔ اس دیو کے ہاتھوں بچنا مُشکل ہے۔

لندھور نے آتے ہی گُرز گھمانا شرُوع کیا اور دُشمنوں کے پرخچے اُڑنے لگے۔ ہر طرف غُل مچ گیا کہ بھاگو۔ موت لندھور کی صُورت میں آئی ہے۔ ابھی لندھور سے پناہ کی کوئی شکل نہ نِکلی تھی کہ امیر حمزہ کا نشانِ اژدہا پیکر آتا

دِکھائی دیا۔ عراقیوں نے خُوشی سے نعرے لگائے۔ حمزہ نے آتے ہی گاجر مُولی کی طرح دُشمن کے سپاہیوں کو کاٹنا شرُوع کیا۔ جو سامنے آیا، زندہ بچ کر نہ گیا۔ بختک یہ سماں دیکھ کر گھبرایا اور شہزادوں سے کہنے لگا۔

"اگر حمزہ اور اُس کے ساتھی یُونہی تلوار بازی کرتے رہے تو ہمارا ایک سپاہی بھی زندہ نہ بچے گا۔ بہتر یہی ہے کہ واپسی کا طبل بجا دو۔"

شہزادے پہلے ہی بہانہ تلاش کر رہے تھے۔ اُنھوں نے بختک کی تجویز کو پسند کیا اور واپسی کا طبل بجوا دیا۔ یکایک نوشیرواں اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ نمُودار ہوا اور اُس نے جب سُنا کہ بختک کے کہنے سے شہزادوں نے فوج کی واپسی کا طبل بجوا دیا ہے تو بے حد غضب ناک ہُوا اور کہنے لگا۔

"طبل بجانا موقُوف کیا جائے۔ آج فیصلہ کُن جنگ ہو گی۔ تخت یا تختہ۔"

یہ کہہ کر خود میدانِ جنگ میں آیا اور اِس شان سے لڑا کہ سب حیران رہ گئے۔ نوشیرواں کو یُوں لڑتا دیکھ کر مرزبان خُراسانی، طُول شہر زنگی اور ہُرمُز فرامُرز کی فوجوں میں بھی جوش پیدا ہُوا اور لڑائی زور شور سے ہونے لگی

اچانک امیر حمزہ کی فوجیں پیچھے ہٹنے لگیں۔ یہ دیکھ کر حمزہ گھبرا گئے مگر اُسی وقت طبلِ سکندری بجنے کی آواز کانوں میں آئی اور قباد شہریار اپنا لشکر لیے آن پہنچا۔ بختک، جو تھوڑی دیر پہلے خوشی سے ناچ رہا تھا، بے اختیار چلّا اُٹھا کہ اب پانسا پلٹ جائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ واپسی کا طبل بجوایا جائے۔ نوشیرواں بھی قباد کی آمد سے پریشان ہُوا اور بختک کے کہنے سے واپسی کا اعلان کیا۔ دونوں لشکر اپنے اپنے خیموں میں آئے اور زخمیوں کی مرہم پٹی ہونے لگی۔

نوشیراں اپنی بارگاہ میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ قیصر رُومی اور علَم شاہ نو لاکھ فوجی سپاہی لے کر میدان میں آئے۔ اُس وقت نوشیرواں افسوس سے ہاتھ مل کر کہنے لگا۔

"اگر آپ لوگ تھوڑی دیر پہلے آ جاتے تو میں واپسی کا طبل نہ بجواتا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔" قیصر رُومی اور علَم شاہ نے نوشیرواں کو دلاسا دیا کہ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ ہم کل امیر حمزہ سے جنگ کریں گے۔

شہزادہ قباد شہریار اور امیر حمزہ اپنے خیمے میں بیٹھے تھے کہ ایک لڑکا امیر حمزہ کے سامنے آیا اور سلام کیا اُس کا نام سُلطان سعد تھا اور وہ حمزہ کے بیٹے عامر

کا لڑکا تھا۔ اُس کی عُمر دس برس کی تھی مگر ابھی سے اُس کی جی داری اور بہادری کے جھنڈے گڑے ہُوئے تھے۔

امیر حمزہ نے سعد کو اپنے پاس بُلا کر پیار کیا۔ پھر پُوچھا "بیٹا، خیر تو ہے۔ تم اِس وقت کیسے آئے؟"

"دادا جان! میں نے سُنا ہے کہ میرے والد کی تلوار اور اُن کا گھوڑا عَلَم شاہ کے قبضے میں ہے۔ آپ یہ دونوں چیزیں مجھے دِلوا دیجیے۔"

امیر حمزہ سعد کی یہ بات سُن کر ہنسے اور کہا "بس اِتنی سی بات کے لیے پریشان ہو؟ فِکر نہ کرو۔ دونوں چیزیں تمھیں مِل جائیں گی۔"

سُلطان سعد خُوش خُوش اپنے خیمے میں آیا اور اپنی ماں حُور رُخ سے کہا۔

"امّی جان، دادا کہتے ہیں کہ عَلَم شاہ سے گھوڑا اور تلوار چھین کر تمھیں دُوں گا۔ یہ دونوں چیزیں میرے ابا کی ہیں۔"

شہزادی حُور رُخ نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔ پھر آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی "بیٹا، تم ایک بہادر باپ کے بیٹے اور نامور دادا کے پوتے ہو۔ تمھارے

واسطے یہ زیبا نہیں کہ دوسروں کے سہارے کوئی کام کرو
اگر تمھیں اپنے باپ کی تلوار اور گھوڑے کی ضرورت ہے
تو خود علم شاہ سے مقابلہ کر کے یہ چیزیں حاصل کرو
تاکہ دنیا تمھیں عزت کی نگاہ سے دیکھے۔"

ماں کی یہ بات سلطان سعد کے دل میں اُتر گئی۔
اُس نے کہا۔"امّی جان، آپ صحیح فرماتی ہیں۔ مجھے اپنے
زورِ بازو سے کام لینا چاہیے۔"

اُسی روز جبکہ آدھی رات گزر گئی تھی، سلطان سعد
اپنے بستر سے اُٹھا اور تمام ضروری ہتھیار بدن پر سجائے
پوشاک کے اُوپر زرہ پہنی، پھر خنجر کی جوڑی کمر سے لگائی،
تلوار گلے میں حمائل کی، دستانے پہنے، نیزہ ہاتھ میں لیا اور
چُپکے چُپکے خیمے سے باہر نکلا۔ اپنی سواری کے گھوڑے کو بھی
خود کسا اور اس کے بعد نوشیرواں کے لشکر کی جانب روانہ
ہُوا۔

پَو پھٹنے کے بعد سعد وہاں پہنچ گیا۔ ہر طرف ہزاروں
خیمے لگے تھے جن میں سپاہی اور افسر پڑے سوتے تھے
اور سوائے پہرے داروں کے کوئی جاگتا نہ تھا۔ پہرے دار سمجھے
کہ یہ لڑکا کسی سپہ سالار یا پہلوان کا بیٹا ہے۔ سعد دیر تک
اِدھر اُدھر پھرتا اور علم شاہ کا خیمہ ڈھونڈتا رہا مگر کچھ

پتا نہ چلا۔ آخر تھک ہار کر ایک درخت کے نیچے جا کھڑا ہوا اتنے میں ایک نوجوان مشکی گھوڑے پر سوار نہایت شان و شوکت سے آیا اور سعد کو وہاں کھڑے دیکھا تو رُک گیا۔ پہلے اُسے اُوپر سے نیچے تک غور سے دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔

"کیوں میاں صاحب زادے، اِس وقت یہاں کیسے کھڑے ہو؟"

"میں علم شاہ کا خیمہ ڈھونڈتا ہوں۔ اگر آپ کو معلوم ہو تو بتائیے۔" سعد نے جواب دیا۔

یہ سُن کر نوجوان چونک گیا۔ پھر مُسکرا کر بولا۔ "آخر معلوم تو ہو کہ علم شاہ سے تمھیں اتنی سویرے سویرے کیا کام ہے؟"

"دیکھیے صاحب، میرا نام سُلطان سعد ہے اور میرے باپ کا نام عامر بن امیر حمزہ ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ میرے باپ کی تلوار اور گھوڑا علم شاہ کے پاس ہے میں یہ دونوں چیزیں اُس سے لینے آیا ہوں۔"

گھڑ سوار نوجوان سعد کی یہ بات سُن کر زور سے ہنسا۔ پھر دل میں کہا، اے علم شاہ، امیر حمزہ کا پوتا اس عُمر میں بھی کیسا جری ہے کہ اپنے باپ کی تلوار اور گھوڑا لینے دُشمنوں کے اس عظیم لشکر میں اکیلا چلا آیا۔

سعد نے پریشان ہو کر نوجوان سے کہا۔" آپ ہنسے کس بات پر ؟"

"میں یوں ہنسا کہ تم نے ابھی علم شاہ کا نام ہی سنا ہے اُسے دیکھا نہیں ہے ورنہ ایسی بات کبھی نہ کہتے۔ علم شاہ کو رُستم کا خطاب ملا ہے۔ اُس نے بچپن ہی میں ایک مست ہاتھی کی سُونڈ کھینچ لی تھی اور اُسے مار بھگایا تھا۔ تمھارے باپ عامر نے اپنی خُوشی سے عَلَم شاہ کو گھوڑا اور تلوار دی تھی اب تمھیں کیا حق ہے کہ یہ چیزیں واپس مانگو؟"

یہ سُن کر سعد کو طیش آیا، لیکن ضبط کر کے کہا۔" جناب، آپ کو اِس سے کیا بحث کہ ان چیزوں پر میرا حق ہے یا نہیں۔ میں نے تو آپ سے صرف اِتنا پُوچھا تھا کہ علَم شاہ کا خیمہ کدھر ہے اور آپ نے حق ناحق شروع کر دیا۔ بتانا ہے تو بتائیے ورنہ میں کسی اور سے پُوچھ لُوں گا۔"

تب علم شاہ نے مُسکرا کر کہا۔ میں ہی علَم شاہ ہوں۔ بولو، اب کیا کہتے ہو؟"

سُلطان سعد ایک لمحے کے لیے بھونچکا رہ گیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔" اگر تم ہی علم شاہ ہو تو میرے باپ کا گھوڑا

اور تلوار میرے حوالے کرو۔"

"اور اگر میں نہ دوں تب؟"

"تب میں تم سے لڑوں گا اور اُس وقت تک لڑوں گا جب تک خود نہ مارا جاؤں یا تمھیں نہ مار دوں۔"

"بہت بہتر۔ اگر تمھیں جنگ کا دعویٰ ہے تو حملہ کرو۔" علَم شاہ نے کہا۔

"حملے میں پہل کرنا ہمارا اصُول نہیں ہے۔" سعد نے کہا۔ پہل تم کرو۔"

"اچھا، تو پھر سنبھل۔" علَم شاہ نے اپنا نیزہ ہاتھ میں لیا اور حملے کی نیت سے نہیں بلکہ سعد کو ڈرانے کے اِرادے سے اُس کی طرف بڑھایا۔ سعد نے جھٹ اپنی تلوار میان سے کھینچی، علَم شاہ کا وار خالی دے کر اِس پھُرتی سے تلوار کا ہاتھ مارا کہ نیزہ کٹ کر دُور جا گرا اور علَم شاہ کے ہاتھ پر کاری زخم آیا۔ تب اُس نے چلّا کر کہا۔

"اے لڑکے، تُو نے تو غضب کیا۔ آج میرا ہاتھ ہی کٹ گیا ہوتا۔"

اِس کے بعد اُس نے بھی اِحتیاط سے حملے کرنے اور روکنے شرُوع کیے۔ دونوں میں دیر تک شمشیر زنی ہوئی۔ پھر

سعد نے تلوار مار کر علم شاہ کے گھوڑے کو زخمی کیا۔ گھوڑا غضب ناک ہو کر الف ہو گیا اور اُس نے اپنے سوار کو نیچے پھینک دیا۔ سعد بھی اپنے گھوڑے سے کُودا اور علم کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ دونوں میں کشتی ہونے لگی لیکن سعد بچہ تھا اور علم شاہ ایک پہلوان۔ تھوڑی ہی دیر میں سعد کا دم پُھول گیا لیکن وہ برابر لاتیں اور گھونسے مارتا رہا۔ آخر علم شاہ نے سعد کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے، زمین سے اُٹھا کر کندھے پر بٹھا لیا اور اسی طرح اُٹھائے اُٹھائے قیصر کے پاس آ کر، تمام حال بیان کیا۔ قیصر بہت طیش میں آیا۔ حُکم دیا کہ اس لڑکے کے ہاتھوں اور پیروں میں لوہے کی زنجیریں ڈالی جائیں اور نوشیرواں کے پاس بھیج دیا جائے۔

سعد نے نوشیرواں کے دربار میں پہنچ کر ایک گھومتی ہوئی نظر چاروں طرف ڈالی۔ پھر عقل سے خواجہ بزرجمہر کو پہچان کر کہا "میرا سلام پہنچے خواجہ بزرجمہر کو۔"

"اے فرزند، میرا بھی سلام ہے۔" خواجہ بزرجمہر نے محبت سے جواب دیا۔

یہ دیکھ کر بختک نامُراد آگ بگولا ہو گیا اور سعد سے کہنے لگا "اے بد بخت لڑکے، تُو نے بزرجمہر کو سلام کیا

اور شہنشاہ نوشیرواں کو سلام نہ کیا۔

"میں نے اِسے تین باتوں کی بنا پر سلام نہ کیا۔" سعد نے کہا۔ پہلی بات تو یہ کہ نوشیرواں آتش پرست ہے اور دُوسری بات یہ کہ بُزدلوں کی طرح بھاگا پھرتا ہے۔ آج یہاں کل وہاں۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ یہ اِحسان فراموش ہے۔"

سعد کی اِس بات پر دربار میں سناٹا چھا گیا۔ سب دم بخُود رہ گئے۔ نوشیرواں کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اُس کی ڈاڑھی کا ایک ایک بال کھڑا ہو گیا۔ آنکھیں کبُوتر کے خُون کی طرح سُرخ ہو گئیں۔ وہ چیخ کر بولا۔ "لے جاؤ اس خبیث لڑکے کو اور فوراً قتل کر دو۔"

بختک نے خوشی سے بغلیں بجائیں لیکن خواجہ بُزرجمہر نے جُھک کر نوشیرواں کے کان میں کہا۔ "حضُور، اپنے فیصلے پر غور فرما لیجیے۔ اِس لڑکے کے قتل سے قیامت برپا ہو جائے گی۔ حمزہ ہم میں سے کِسی کو جیتا نہ چھوڑے گا آگے آپ کو اِختیار ہے۔"

بُزرجمہر کی یہ بات سُن کر نوشیرواں سوچ میں پڑ گیا پھر بختک کی جانب دیکھا۔ اُس نے گردن ہلا کر کہا۔ "حضُور میری رائے یہی ہے کہ لڑکے کو زِندہ نہ چھوڑا جائے۔ ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ اِسے حمزہ کے سامنے ہی قتل

کریں تاکہ اُس پر ہماری دہشت بیٹھ جائے۔"

علَم شاہ خاموش بیٹھا سب کچھ سُن رہا تھا۔ اب اُس سے صبر نہ ہو سکا۔ اپنی جگہ سے اُٹھ کر کہنے لگا۔ "کیا اِس لڑکے کو قتل کرنا ضروری ہے؟ آخر اِس نے کون سا جُرم کیا ہے؟ خبردار، اگر کسی نے اِس کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔"

علَم شاہ کی یہ بات سُن کر سب کو حیرت ہُوئی۔ قیصرِ رُومی نے اُسے سمجھاتے ہُوئے کہا۔ "بیٹا ایسی بات مُنہ سے نہیں نِکالتے۔ نوشیرواں ہمارے شہنشاہ ہیں اور اُن کا حُکم بجا لانا ہم سب کا فرض ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن جب تک میں زِندہ ہوں، اِس لڑکے کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔" علَم شاہ نے غُصّے سے کہا اور اُٹھ کر چلا گیا۔ نوشیرواں اپنی اِس توہین پر طیش کے مارے کانپنے لگا اور قیصرِ رُومی سے کہا۔

"ابھی اِس لڑکے کو باہر کُھلے میدان میں لے جا کر قتل کرو۔ ذرا ہم بھی دیکھیں کون اِسے بچاتا ہے۔"

حُکم کی دیر تھی ایک حبشی جلّاد سعد کو کھینچتا ہُوا باہر لے گیا اور تلوار نکال کر اُس کی دھار دیکھنے لگا۔

پھر سعد سے کہا: "اے لڑکے، اب تیری موت قریب ہے۔ کوئی خواہش ہو تو بتا تاکہ پوری کی جائے۔ کچھ پینا ہو تو کھا پی لے۔"

سعد نے کہا: "اے جلاد تو اپنا کام کر۔ وقت ضائع کیوں کرتا ہے؟ مجھے بالکل بھوک پیاس نہیں۔"

"اچھا تو پھر آنکھوں پر پٹی بندھوا لے۔" جلاد نے کہا۔

"اس کی بھی ضرورت نہیں۔ تو تلوار اٹھا۔ سعد نے کہا۔

جلاد کو لڑکے کی بہادری اور بے خوفی پر بڑا تعجب ہوا۔ دل میں کہا صد افسوس کہ ایسا جی دار لڑکا میرے ہاتھ سے مارا جائے۔ کسی طرح اس کی جان بچانی چاہیے۔ یہ سوچ کر سعد کے کان میں کہنے لگا۔

"گھبرائیو نہیں۔ میں تجھے بچاؤں گا۔ آ، میرے کندھے پر بیٹھ جا۔"

سعد اچک کر جلاد کے کندھے پر جا بیٹھا اور وہ اسے لے بھاگا۔ قیصر رومی کے سپاہیوں نے غل مچایا کہ جلاد لڑکے کو لے کر بھاگ گیا۔ چند سپاہیوں نے اس کا تعاقب بھی کیا مگر جلاد نے سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈال دیا۔ پھر ایک گھوڑے پر بیٹھ کر تیز رفتاری سے روانہ ہوا۔ راستے میں سعد

نے اُسے بتایا کہ امیر حمزہ میرے دادا ہیں۔ تب جلّاد اُسے لے کر سیدھا امیر حمزہ کے لشکر میں آیا۔ وہاں سُلطان سعد کی گُم شدگی پر بڑا ہنگامہ برپا تھا اور شہزادی خُور رُخ نے رو رو کر اپنی آنکھیں سُجا لی تھیں۔ اِتنے میں حبشی جلّاد نے جسے زرد پوش کہتے تھے سعد کو وہاں پہنچایا۔ امیر حمزہ اپنے پوتے کو صحیح سلامت دیکھ کر بے حد خوش ہُوئے۔ زرد پوش کو خلعت عطا کی اور سعد کو اُس کی ماں خُور رُخ کے پاس پہنچایا۔

اُدھر قیصرِ رُومی نے علَم شاہ کو خبر دی کہ غضب ہو گیا۔ زرد پوش جلّاد سُلطان سعد کو لے کر بھاگ گیا ہے۔ علَم شاہ یہ سُن کر گھبرایا۔ اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر زرد پوش کی تلاش میں نِکلا۔ راستے میں چند زخمی سپاہی مِلے۔ اُنھوں نے بتایا کہ زرد پوش سعد کو لے کر امیر حمزہ کے لشکر میں گیا ہے۔ تب علَم شاہ بھی گھوڑا دوڑاتا ہُوا امیر کے لشکر میں آیا، امیر حمزہ کو سلام کیا اور کہنے لگا۔

"میں زرد پوش جلّاد کی تلاش میں آیا ہُوں۔ وہ میرا ایک قیدی لے کر بھاگ آیا ہے۔ سُنا ہے وہ آپ کے لشکر میں چُھپا ہُوا ہے۔"

علَم شاہ کو دیکھ کر امیر حمزہ کے دِل میں باپ کی محبت جاگ اُٹھی۔ خُون نے جوش کیا اور نرمی سے کہا۔ "گھوڑے سے نیچے اُترو۔ پھر کچھ بات کرو۔"

علَم شاہ گھوڑے سے اُترا۔ امیر حمزہ محبت سے اُس کا ہاتھ پکڑ کر خیمے میں لے گئے اور نشست پر بٹھا کر کہنے لگے۔ زرد پوش میرے پوتے سُلطان سعد کو لے کر آیا تھا اس کے بعد کہاں گیا، مجھ کو کچھ معلوم نہیں۔"

"اچھا خیر، اب سعد کو بُلوائیے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

"بہت بہتر، ابھی بُلواتا ہُوں۔" یہ کہہ کر امیر حمزہ نے سعد کو بُلوایا اور علَم شاہ سے کہا۔"اے رُستم، یہ سعد موجُود ہے۔ جی چاہے تو اسے قید کر کے لے جا۔"

علَم شاہ نے جب امیر کا یہ رویّہ دیکھا تو شرمندہ ہُوا اور کہنے لگا۔ معاف کیجیے گا۔ میں اپنی اِس حرکت پر شرمندہ ہُوں۔ سعد کو یُوں قید کر کے لے جانا میری شان کے خلاف ہے۔ اب میں اِجازت چاہتا ہُوں۔

"ارے صاحب، اتنی جلدی کیا ہے۔ چلے جائیے گا۔ دو گھڑی ہمارے پاس بھی بیٹھیے۔" امیر حمزہ نے کہا۔ پھر اُسے ساتھ لے کر قباد شہریار کے پاس پہنچے، قباد نے بڑی محبت

سے علم شاہ کو گلے لگایا اور تخت پر اپنے قریب ہی بٹھا لیا۔ علم شاہ یہ شاہانہ شان و شوکت دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا اور دل ہی دل میں اس کا مقابلہ قیصر رومی اور نوشیرواں کے دربار سے کرتا مگر ہر بار یہی ماننا پڑتا کہ وہاں کے مقابلے میں یہاں کی شان کا کیا کہنا۔

امیر حمزہ نے علم شاہ کی ایسی خاطر تواضع کی کہ وہ گردن جھکا کر کہنے لگا۔

آپ نے مجھ پر وہ شفقت کی ہے جیسے کوئی بزرگ اپنے عزیز فرزند پر کرتا ہے اور یہ اعلیٰ ظرفی تو میں نے کسی میں نہ دیکھی کہ اپنے ہی پوتے کو قید کر کے میرے حوالے کرنے پر تیار ہو گئے۔"

امیر حمزہ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا آئیے، اب آپ دو گھڑی ہمارے ساتھ بیٹھیے۔ علم شاہ خوشی سے آمادہ ہو گیا۔ امیر حمزہ اُسے لے کر ایک بڑے سے خیمے میں پہنچے اس محفل میں امیر حمزہ کے دائیں بائیں تمام نامور پہلوان بیٹھے تھے۔ لندھور، بہرام، استفتا نوش، صدف نوش، سلطان بخت مغربی، عادی کرب اور مقبل وفادار۔ علم شاہ نے باری باری سب کو غور سے دیکھا۔ آخر لندھور پر نظریں جم گئیں۔ دل میں کہنے لگا کہ آدمی کیا ہے، آدم خور شیر ہے

اُدھر لندھور بھی تاڑ گیا کہ علَم شاہ نظروں ہی نظروں میں مجھے بھانپ رہا ہے۔ آخر علَم شاہ نے امیر حمزہ سے پُوچھ ہی لیا۔

"جناب، وہ صاحب جو آپ کے دائیں جانب بیٹھے ہیں، اُن کا نام کیا ہے؟"

امیر حمزہ نے لندھور کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔ "یہ میرے نائب لندھور ہیں۔ سراندیپ کے ہزار جزیرے کے بادشاہ قُوّت، ہمّت، جرأت اور بہادری میں بے نظیر ہیں۔"

"بہت خُوب، بہت خُوب۔ میرا جی چاہتا ہے کہ لندھور سے پنجہ لڑاؤں۔" علَم شاہ نے کہا۔

یہ سُن کر امیر حمزہ دنگ رہ گئے۔ پھر سمجھانے لگے کہ اِس خیال کو جانے دو۔ خواہ مخواہ بدمزگی ہو گی۔ اگر لندھور ہار گیا، تب بھی مجھے رنج ہو گا۔ تُم ہار گئے تب بھی میں خُوش نہ ہُوں گا۔ اُنھوں نے ہر چند علَم شاہ کو سمجھایا مگر وہ کِسی طرح نہ مانا۔ آخر امیر نے لندھور سے علَم شاہ کی اِس خواہش کا ذکر کِیا۔ لندھور مُنہ کھول کر ہنسا اور اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر علَم شاہ سے کہا۔

"لیجیے، یہ پنجہ حاضر ہے۔"

علَم شاہ نے بھی اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور دونوں

میں زور ہونے لگا۔ امیر حمزہ کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا۔ دل ہی دل میں دُعائیں مانگتے تھے کہ یا الٰہی، عزّت رکھیو۔ اُنھوں نے دیکھا کہ لندھور جب زور کرتا ہے تو علَم شاہ اِس طرح اُس کی طرف کھنچے آتے ہیں جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچ لیتا ہے اور جب علَم شاہ زور کرتا ہے تو یہی حال لندھور کا ہوتا ہے۔ دیر تک دونوں پنجہ آزمائی کرتے رہے۔ لندھور کی پیشانی پسینے میں تر ہو گئی اور علَم شاہ کا چہرہ تپے ہُوئے تانبے کی مانند سُرخ ہو گیا۔ دونوں بُری طرح ہانپنے لگے۔ تب امیر حمزہ نے بیچ میں آ کر اپنے سر کی قسم دی اور کہا بس زور ہو چُکا۔ یہ کہہ کر دونوں کو الگ الگ کیا۔ پھر گلے مِلوایا۔ عمرو بھی ایک طرف بیٹھا یہ تماشا دیکھ دیکھ کر مُسکراتا تھا۔ امیر حمزہ نے اُس سے کہا۔

"اے خواجہ تُمھاری بتیسی کیوں بار بار کُھل رہی ہے؟ ذرا اِدھر آؤ اور کُچھ گا کر مہمان کا دِل خُوش کرو۔"

عمرو نے کڑوے لہجے میں جواب دیا "کیا آپ نے مُجھے کوئی مراثی یا گویّا مُقرّر کیا ہے۔ جب دیکھو گانا، جب دیکھو گانا۔"

"ناراض کیوں ہوئے ہو۔ ہم تو ہر ایک سے تُمھاری تعریف

کرتے پھرتے ہیں اور تُم کریلے کی طرح نیم پر چڑھے جاتے ہو، لو اب نخرے چھوڑو اور کچھ گاؤ۔"

دُوسروں نے بھی عمْرو کی خوشامد کی تب وہ آگے آیا۔ زنبیل سے داؤد علیہ السلام کا دِیا ہُوا ساز نکالا اور اُسے بجا کر ایک گیت سُنانے لگا۔ سب جُھومنے لگے۔ علَم شاہ کا تو یہ حال ہو گیا کہ زمین پر سر مارنے لگا۔ تب عمْرو نے اپنا گانا ختم کیا۔ علَم شاہ نے بے حد تعریف کی اور کہا میں نے ایسا گانا کبھی نہ سُنا تھا۔

اِدھر تو یہ رنگ تھا اور اُدھر قیصر رومی نے بے چین ہو کر اپنا ایک جاسُوس علَم شاہ کی تلاش میں روانہ کیا۔ وہ سیدھا امیر کے لشکر میں آیا۔ دیکھا کہ علَم شاہ مَسند سے لگا بیٹھا ہے اور عمْرو عیّار گانا گا رہا ہے۔ جاسُوس اُلٹے قدموں گیا اور قیصر رومی کو یہ وحشت ناک خبر سُنائی۔

بختک نامُراد اِس خبر سے خوش ہو کر ناچنے لگا اور قیصر سے کہا۔ "لیجیے، آپ کا بیٹا بھی ہاتھ سے گیا اور واپس بھی آیا تو آپ کے کسی کام کا نہ رہے گا۔ اُس پر حمزہ نے اپنا جادُو کر دیا ہے۔"

قیصر رُومی سخت پریشان ہُوا۔ اسی وقت سیّارہ رومی کو

طلب کر کے حکم دیا کہ اسّی ہزار سوار اپنے ساتھ لے کر جاؤ اور جس طرح بن پڑے علم شاہ کو اپنے ساتھ لے کر آؤ۔ کوشش یہی کرنا کہ لڑائی جھگڑے کی نوبت نہ آئے۔ سیارہ رومی آداب بجا لا کر روانہ ہوا اور امیر حمزہ کے لشکر میں آیا تو وہی دیکھا جو قیصر رومی کے جاسوس نے بیان کیا تھا۔ اُس نے پہرے داروں سے کہا جا کر علم شاہ کو خبر کرو کہ سیارہ رومی آیا ہے۔ پہرے داروں نے پہلے امیر حمزہ کو بتایا کہ اس اس طرح ایک شخص آیا ہے اور علم شاہ سے ملنا چاہتا ہے۔ اُنھوں نے کہا یہاں کسی کے ملنے جُلنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اُس شخص کو بُلاؤ۔ تب سیارہ رومی بارگاہ کے اندر آیا۔ امیر حمزہ قباد شہریار اور علم شاہ کو سلام کیا۔ پھر علم شاہ کے کان میں کچھ کہا جسے سنتے ہی وہ گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور امیر حمزہ سے کہنے لگے۔

"مجھے اب اجازت دیجیے۔ پھر کبھی حاضر ہوں گا۔ میرے والد قیصر رومی نے مجھے فوراً بلایا ہے۔ نہ جانے کیا ضروری کام آن پڑا ہے۔ مگر ایک درخواست قبول کیجیے"۔

"ہاں ہاں، ضرور کہیئے" امیر حمزہ نے کہا۔

درخواست یہ ہے کہ جب میں عمرو کو اپنے پاس بلواؤں

تو آپ انھیں ضرور بھجوا دیجیے گا۔ مجھے ان کا گانا سُننے کا بڑا اشتیاق ہے۔"

"بہت بہتر۔ آپ عمرو کو بلوانے کے لیے اپنا آدمی بھیج دیجیے گا۔" یہ کہہ کر امیر حمزہ نے اسے رخصت کیا۔

اُدھر سُلطان سعد کا رنج و غم سے عجیب حال ہوا۔ دل میں کہا، دادا جان نے آج عجیب بات کی۔ دشمن کو اپنی مسند پر بٹھایا اور اُس کی ایسی خاطر تواضع کی جیسے اپنا ہی بیٹا ہے۔ اُس سے میرے والد کی تلوار اور گھوڑا لینے کے بجائے یہاں تک تیار ہو گئے کہ مجھے بھی اُسی کے حوالے کر دینا چاہتے تھے۔ یہ باتیں سوچ سوچ کر چپکے چپکے روتا تھا۔

علم شاہ نے قیصر رومی اور نوشیرواں کے سامنے امیر حمزہ کی اتنی تعریف کی کہ دونوں جل کر کباب ہو گئے اور جب اُس نے عمرو کے گانے کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے تو قیصر سے ضبط نہ ہو سکا۔ کہنے لگا۔

"عمرو بے چارہ گانا کیا جانے۔ وہ تو چھلاوہ ہے چھلاوہ۔"

"یہ بات آپ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ آپ نے عمرو

کا گانا نہیں سنا۔ اجازت ہو تو اُسے بُلواؤں؟"

یہ سن کر بختک کا خون خشک ہوا۔ ہاتھ جوڑ کر علم شاہ سے کہنے لگا۔ حضور، بس یہی کام نہ کیجیے گا۔ عمرو کا آنا قیامت سے کم نہیں۔ سب کو حواس باختہ کر دے گا۔"

"کیا تمھارے طلب کرنے سے عمرو آ جائے گا؟ مجھے تو یقین نہیں آتا۔" نوشیرواں نے کہا۔

"وہ ضرور آئے گا۔ امیر حمزہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جب عمرو کو طلب کرو گے وہ آ جائے گا۔"

"اچھا، تو اُسے بُلواؤ، ہم بھی اُس کا گانا سُنیں گے۔" قیصر نے کہا۔

علم شاہ نے اُسی وقت سیارہ رومی کو بُلایا اور کہا کہ میری جانب سے امیر کی خدمت میں سلام عرض کر کے کہنا کہ عمرو کو بُلایا ہے۔

سیارہ رومی نے امیر حمزہ کو علم شاہ کا پیغام دیا۔ انھوں نے اُسی وقت عمرو سے کہا کہ سیارہ رومی کے ساتھ چلا جا اور جس طرح علم شاہ کہے، ویسا ہی کر۔ یہ حکم سُن کر عمرو کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جل کر کہنے لگا۔

"خدا جانتا ہے، اب تو میری ذلت و خواری کی انتہا ہو

گئی ہے۔ میں عیّاروں کا شہنشاہ ہوں۔ مجھے گانے بجانے سے کیا دِل چسپی ہے۔ میں ہرگز نہ جاؤں گا۔"

امیر حمزہ نے دیکھا کہ کسی طرح نہ مانے گا تو اپنے ایک غلام سے کہا کہ خزانے میں جا اور ایک لاکھ اشرفیوں کے توڑے لے آ۔ چشم زدن میں سونے کی چمکتی دمکتی اشرفیاں سامنے آ گئیں۔ امیر حمزہ انھیں گِننے بیٹھ گئے عمرو للچائی ہوئی نظروں سے اشرفیاں دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

"بھائی حمزہ، ہم تو تمھارے نوکر ہیں۔ جیسا کہو گے ویسا کریں گے۔ اگر تمھاری خوشی اسی میں ہے کہ ہم علَم شاہ کی خِدمت میں حاضر ہو کر گانا سنائیں تو ہمیں کیا اِنکار ہے۔"

امیر حمزہ ہنس پڑے اور کہا "یہ اشرفیاں میں نے تیرے ہی لیے منگوائی ہیں مگر شرط یہ ہے کہ جب علَم شاہ کو خوش کر کے واپس آئے گا، تب تجھے عطا کروں گا۔"

علَم شاہ کے دربار میں

سورج چھپنے کے کوئی دو گھنٹے بعد عمرو عیار اصفہان میں پہنچا اور علَم شاہ کے دربار میں جا کر اُسے ادب سے سلام کیا۔ علَم شاہ عمرو کو دیکھ کر بے حد خوش ہوا اور اُسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ بختک بھی وہاں موجود تھا۔ اُس نے جونہی عمرو کی صورت دیکھی، کلیجا اچھل کر حلق میں آ گیا۔ علَم شاہ سے کہنے لگا:

"جناب، میں یہاں سے رخصت ہونے کی اجازت چاہتا ہوں۔"

"نہیں نہیں.... آپ یہیں بیٹھیے۔" علَم شاہ نے کہا۔ "عمرو چچا سے تو آپ کی پرانی دوستی ہے۔"

"بے شک — دوستی ہی نہیں، بلکہ رشتے داری بھی ہے۔ کیوں صاحب، میں کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا۔" عمرو نے قہقہہ لگا کر بختک سے کہا۔ وہ بے چارہ گردن

ہلا کر رہ گیا۔

علم شاہ نے عمرو کی بے حد خاطر تواضع کی۔ پھر قیصرِ رومی اور نوشیرواں کو پیغام بھیجا کہ عمرو آ گیا ہے۔ اگر جی چاہے تو اس کا گانا سننے کے لیے تشریف لائیے۔ تھوڑی دیر بعد دونوں بادشاہ وہاں آئے۔ علم شاہ نے تعظیم دے کر انھیں بھی قرینے سے بٹھایا۔ پھر عمرو سے کہنے لگا۔

"سب لوگ آپ کا گانا سننے کے منتظر ہیں۔ شروع کیجیے۔"

"دیکھیے جناب، میں کوئی ڈوم یا مراثی تو ہوں نہیں۔ جو یوں گاتا پھروں ـــ اپنا جی خوش کرنے کو کبھی کبھار چیخ لیا کرتا ہوں۔ لوگ اسے گانا سمجھتے ہیں۔ اِس وقت تو امیر حمزہ کے عہد کا پاس تھا، اِس لیے آ گیا ورنہ کبھی نہ آتا اور گانا سنانے کا تو سوال ہی کیا ہے۔ بہر حال آپ کی فرمائش ٹالنا نہیں چاہتا۔ لیجیے سنیے۔ مگر اتفاق سے میرے پاس ساز بجانے والے نہیں ہیں۔ ذرا اپنے ہاں کے سازندوں سے کہیے کہ وہ ساز بجائیں۔"

قیصرِ رومی کے درباری گویے اور سازندے بھی

اِس محفل میں حاضر تھے اور عمرو کو حقارت کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ عمرو کی یہ بات سُن کر اُن کی تیوری پر بَل پڑ گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ ذرا دیکھو تو اس مسخرے کو۔ اِس کی خاطر ہم جیسے اُستاد ساز بجائیں گے۔ اُنھوں نے دبی زبان سے کہا۔

"جناب والا، ہم نہیں جانتے کہ عمرو عیار صاحب کہاں کے گویّے ہیں اور کیا معلوم ان کو گانا آتا بھی ہے یا نہیں۔"

یہ سُن کر علم شاہ کو تاؤ آیا۔ ہنٹر نِکال کر کہنے لگا۔

"اگر تُم لوگوں نے اِنکار کیا تو اِسی ہنٹر سے سب کی کھال اُدھیڑ دُوں گا۔" بھلا عمرو کا اور تمھارا کیا مُقابلہ۔ تُم نے ابھی تک عمرو کا گانا نہیں سُنا ہے اِس لیے ایسی بکواس کرتے ہو۔ جب سُن لو گے تو خُود تعریف کرو گے۔"

اِس موقع پر نوشیرواں نے بھی مُسکرا کر علم شاہ کی تائید کی اور کہا:

"ہمیں ایک مرتبہ عمرو کا گانا سُننے کا اِتّفاق ہُوا تھا۔

واقعی علم شاہ سچ کہتا ہے۔ عمرو سے بہتر گانے والا اس وقت رُوئے زمین پر کوئی نہیں ہے۔"

نوشیرواں کی یہ بات سُنی تو گویّوں اور سازندوں کے مُنہ لٹک گئے اور اُنھوں نے ساز بجانے شروع کیے۔ عمرو نے گانا شروع کیا اور اِس خُوبی سے گایا کہ ساز بجانے والے عاجز آ گئے اور سب نے اُٹھ کر عمرو کے قدموں پر سر رکھ دیے کہ آپ اُستاد اور ہم شاگرد۔۔۔

غرض عمرو کئی گھنٹے تک ایسا گایا کہ در و دِیوار جُھومنے لگے۔ قیصرِ رُومی اور نوشیرواں داد دیتے دیتے تھک گئے لیکن عمرو گانے سے نہ تھکا۔ آخر علم شاہ نے اُسے روکا اور ایک قیمتی ہار اُس کے گلے میں ڈالتے ہُوئے کہنے لگا۔

"تُم واقعی موسیقی کے بادشاہ ہو۔"

پھر غلاموں کو حکم دیا کہ زر و جواہر کی کشتیاں لائی جائیں۔ اُسی وقت حکم کی تعمیل کی گئی۔ علم شاہ نے کہا۔ یہ سب جواہرات تمھارا اِنعام ہیں۔ اِنھیں قبول کرو۔ لیکن عمرو نے اِنکار کیا اور کہنے لگا کہ مجھ کو امیر حمزہ نے منع کیا ہے اس لیے یہ چیزیں ہرگز نہ

لوں گا۔ پھر علم شاہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اُس نے پُوچھا، اے عُمرو کس بات پر ہنسے؟ کہنے لگا۔

"ابھی آپ نے میرا گانا ہی سُنا ہے۔ میرا ناچ نہیں دیکھا۔ پیروں میں گھُنگھرو باندھ کر ناچتا ہُوں اور شربت سے بھرا گلاس اپنے ہاتھ میں تھام لیتا ہُوں۔ کیا مجال کہ گلاس چھلک جائے۔ اُس کے علاوہ مجھ میں ایک کمال یہ ہے کہ اگر چاہُوں تو ناچنے میں صرف ایک گھُنگھرو آواز دے اور چاہُوں تو سب آواز دیں۔

علم شاہ بہت خُوش ہُوا اور عُمرو سے کہا اب تو ہم تُمھارا ناچ بھی ضرُور دیکھیں گے اور تُمھارے ہاتھ سے شربت بھی پئیں گے۔ اُسی وقت گھُنگھرو لائے گئے جنھیں عُمرو نے اپنے پیروں میں باندھ لیا، پھر خوشبُودار لذیذ شربت منگوایا گیا۔ عُمرو نے آنکھ بچا کر اُس میں دوا سے بے ہوشی مِلائی اور ناچنا شرُوع کر دیا۔ ناچتے ناچتے شربت کا گلاس بھرتا اور کسی نہ کسی کو پلا دیتا۔ جب بختک کے پاس گلاس لے کر آیا تو اُس نے پینے سے اِنکار کیا اور کہا۔

"جناب، مجھے تو مُعاف کیجیے، یہ شربت میرے پینے کے لائق نہیں۔ دُوسروں ہی کو پلائیے"

عمرو نے قیصر رومی اور نوشیرواں کی جانب منہ کر کے کہا۔

"حضور سنتے ہیں آپ، بختک صاحب فرماتے ہیں کہ یہ شربت میرے پینے کے لائق نہیں۔ یعنی جو شربت بادشاہوں کے پینے کے لائق ہے وہ بختک صاحب اپنے لائق نہیں سمجھتے۔"

یہ سن کر قیصر رومی، نوشیرواں اور علم شاہ طیش میں آئے اور پکار اٹھے کہ جوتے مار مار کر بختک کا بھیجا پلپلا کرو۔ یہ بد تمیز ہے۔ بادشاہوں کی محفل میں بیٹھنے کے لائق نہیں۔ عمرو نے اسی وقت بختک کے سر پر چھ سات جوتے جڑ دیے۔ آخر اس نے چلا کر کہا۔

"میرا قصور معاف کرو۔ میں شربت پی لیتا ہوں۔"

"ہاں، اب آئے سیدھے راستے پر۔" عمرو نے کہا اور بختک کو بھی شربت پلایا۔

تھوڑی دیر بعد ایک ایک کر کے سب کی آنکھیں بند ہوئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے سب بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ عمرو نے تمام زر و جواہر کی کشتیاں زنبیل میں الٹیں۔ پھر قیصر رومی، نوشیرواں اور تمام درباریوں، سازندوں گویوں، اور پہرے داروں، حتیٰ کہ غلاموں کے کپڑے بھی

اُتار لیے صرف علم شاہ کو چھوڑ دیا۔ اِس کے بعد وہاں سے رفو چکر ہوا اور صبح کے وقت امیر حمزہ کے پاس آیا۔ اُنھوں نے پوچھا کہ علم شاہ کے ہاں سے کب آئے تو اُس نے جواب دیا۔

"ابھی ابھی آیا ہوں۔ میرا گانا سن کر بہت خوش ہوئے۔ زر و جواہر سے بھری ہوئی کشتیاں اِنعام میں دینے لگے۔ مگر میں نے کہہ دیا کہ بھائی حمزہ نے منع کیا ہے۔ دراصل علم شاہ کے آدمیوں نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اِس شخص کی سخاوت کا عجب عالم ہے۔ رات کو اِنعام و اِکرام عطا کرتا ہے اور صبح سب کچھ چھین لیتا ہے۔"

امیر حمزہ یہ سن کر چپ ہو رہے۔ عمرو اپنے خیمے میں آیا اور لمبی تان کر سو رہا۔

اُدھر سورج نکلنے کے بعد قیصر رومی، نوشیروان اور علم شاہ وغیرہ ہوش میں آئے۔ دیکھا کہ سب کے کپڑے غائب ہیں۔ زر و جواہر کی کشتیاں اور بادشاہوں کے تاج بھی نظر نہیں آئے۔ بختک نے بغلیں بجا بجا کر کہنا شروع کیا کہ اور سُنیے عمرو کا گانا۔ یہ سب اُسی مردود کا کیا دھرا ہے۔ میں پہلے ہی سمجھاتا تھا کہ اُسے یہاں نہ بُلائیے مگر آپ نے ایک نہ سُنی۔ اب اُس کے ہاتھوں خود بھی ذلیل ہوئے

اور ہمارے شہنشاہ نوشیرواں کو بھی ذلیل کیا۔ اب آپ کے کلیجے میں ٹھنڈ پڑی۔"

غرض ایسی جلی کٹی باتیں کیں کہ علم شاہ کا چہرہ غُصّے سے سُرخ ہو گیا۔ دِل میں کہنے لگا کہ اے علم شاہ تیری سب عزّت خاک میں مل گئی۔ اب یہ مُنہ قیصر اور نوشیرواں کو دِکھانے کے قابل نہیں رہا۔ بہتر یہی ہے کہ امیر حمزہ سے کہہ کر عُمرو کو سزا دِلواؤں۔

علم شاہ اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر چلا اور امیر حمزہ کے لشکر میں آیا۔ خادموں نے خبر کی کہ علم شاہ غُصّے میں بھرا ہُوا آتا ہے۔ امیر حمزہ حیران ہُوئے اور خیمے سے باہر نِکل آئے۔ علم شاہ نے امیر کو سلام نہ کیا بلکہ غُصّے سے کہا۔

"عُمرو کہاں ہے؟ ذرا بُلوائیے۔

"خیر تو ہے؟ آپ بہت ناراض دِکھائی دیتے ہیں؟ — گھوڑے سے تو اُتریے۔" امیر حمزہ نے کہا۔

علم شاہ کسی طرح گھوڑے سے نیچے اُترنے پر راضی نہ ہوتا تھا۔ آخر امیر حمزہ نے بہت سی قسمیں دیں، تب بارگاہ کے اندر آیا۔ مسند پر بیٹھ کر سارا حال سُنایا اور آخر میں کہا۔ عُمرو نے جو سلُوک میرے ساتھ کیا ہے اُس کا عِلاج

یہی ہے کہ اب میں کچھ کھا کر مر جاؤں۔"

امیر حمزہ تھوڑی دیر چپ رہے پھر کہنے لگے۔

"آپ رنج نہ کریں۔ عمرو آپ سے معافی مانگے گا۔ میں اپنا تاج آپ کو پیش کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر امیر حمزہ نے اپنا تاج منگوایا اور خود علم شاہ کے سر پہ رکھا۔ علم شاہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ غرض امیر نے علم شاہ کی ایسی عزت کی کہ اُس کے دل سے سارا غبار دُھل گیا۔ پھر اُنھوں نے عمرو کو بلوایا۔ اُس نے بھی معافی مانگی اور کہا کہ میں بختک اور نوشیرواں کو ذلیل کرنا چاہتا تھا۔ آپ کو رنج کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

علم شاہ امیر حمزہ سے رخصت ہو کر اپنے لشکر میں آیا اور سارا ماجرا قیصر سے کہا۔ وہ تاج بھی دکھایا۔ قیصر رومی نے بھی تاج کی تعریف کی۔ شہزادہ ہرمز کو وہ تاج بے حد پسند آیا اور علم شاہ سے کہا کہ یہ تاج مجھے دے دو۔ اُس نے فوراً وہ تاج اُس کو دے دیا۔

اُدھر جاسوسوں نے یہ خبر امیر حمزہ کو پہنچائی کہ آپ نے جو تاج علم شاہ کو عطا کیا تھا، وہ اُس نے نوشیرواں کے بیٹے ہرمز کو دے دیا ہے۔

امیر حمزہ کہنے لگے۔ میں نے تاج علم شاہ کو دیا اب وہ

اُس کی ملکیت ہے جس کو چاہے دے۔" سلطان سعد نے بھی یہ قصّہ سُنا۔ اُسے بے حد صدمہ ہُوا کہ دادا جان نے تو حد کر دی۔ اپنا قیمتی تاج ہی علم شاہ کو دے دیا اور علم شاہ نے اُس کی ایسی بے قدری کی کہ اُٹھا کر شہزادہ ہُرمُز کے حوالے کر دیا۔

چار گھڑی رات رہے سعد گھوڑے پر سوار ہُوا اور صُبح ہوتے ہوتے نوشیرواں کے لشکر میں آیا۔ ایک سپاہی سے پُوچھا کہ شہزادہ ہُرمُز کا خیمہ کِدھر ہے۔ اُس نے پتا بتایا۔ سعد اپنے گھوڑے سمیت شاہی خیمے میں گُھس گیا۔ دربانوں نے دیکھا تو غُل مچایا۔ سعد نے کسی کو خنجر مارا اور کسی کو نیزہ۔ اُس وقت ہُرمُز بیٹھا ہُوا مُنہ دھو رہا تھا اور دائیں بائیں اُس کے مُلازم کھڑے تھے۔ سعد ہُرمُز کے قریب آیا اور اُس کے سر سے تاج اُتار لیا۔ ہُرمُز کی حفاظت کرنے والے غُلام تلواریں کھینچ کر دوڑے لیکن سعد گھوڑا دوڑاتا ہُوا نِکل گیا۔

علم شاہ کو خبر ہُوئی تو غُصّے سے لال پیلا ہو کر خیمے سے نِکلا اور کہا کہ میں سُلطان سعد سے یہ تاج لے کر آتا ہُوں۔ نوشیرواں اور قیصرِ رُومی بھی فوج تیار کر کے چلے۔ اُنھیں یقین تھا کہ اب تلوار ضرُور چلے گی۔

وہاں امیر حمزہ نے بھی خبر پائی کہ آج سُلطان سعد پھر

دشمن کے لشکر میں گیا اور ہرمز سے تاج چھین کر لے آیا۔ پھر اُنھوں نے نوشیرواں کا لشکر آنے کی خبر بھی سُنی ۔ فوراً اپنے پہلوانوں کو لے کر نکلے۔ اُدھر علَم شاہ نے راستے ہی میں سعد کو جا لیا اور للکار کر کہا۔

"او لڑکے، رُک جا بھاگ کر کہاں جائے گا؟ میں آن پہنچا۔"

سعد علَم شاہ کی یہ للکار سُن کر ٹھہر گیا۔ علَم شاہ نزدیک آیا اور کہنے لگا۔

"تُو نے یہ تاج ہُرمُز کے سر سے کیوں اُتارا؟"

"آپ کون ہیں مجھ سے یہ پُوچھنے والے؟" سعد نے کہا۔ جب آپ نے یہ تاج ہُرمُز کو دے دِیا تو وہی اِس کا مالِک ہے۔ میں نے اُس سے اپنی قُوّت کے بل پر چھین لیا۔ اگر آپ اِسے خُود پہنتے تو میں یہ حرکت نہ کرتا۔"

"خیر، یہ تاج تُو کسی طرح نہیں لے جا سکتا۔" علَم شاہ نے کہا۔

"لیے تو جاتا ہُوں اور کِس طرح لے جاؤں؟" سعد نے کہا۔ ہمّت ہے تو مجھے روک لو۔" یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ علَم شاہ حلق پھاڑ کر چِلّایا۔

"میں کہتا ہُوں یہ تاج واپس کر دو ورنہ یہیں تُمھارے

ٹکڑے کر دُوں گا۔"

اِتنے میں قیصرِ رُومی اور نوشیرواں اپنی فوجیں لے کر آ گئے۔ سعد نے ہنس کر علم شاہ سے کہا۔

"بس معلوم ہو گیا جناب اِنھی حمایتیوں کے سہارے رُستمی کرتے ہیں۔"

علم شاہ نے شرمندہ ہو کر گردن جھکا لی۔ کوئی جواب نہ سُوجھا۔ مگر فوراً ہی لِندھور ایک لشکرِ جرّار کے ساتھ نمودار ہُوا۔ اُس کے ساتھ امیر حمزہ بھی تھے۔ پھر قباد شہریار اپنی فوج لے کر آیا۔ اب علم شاہ نے سعد سے کہا۔

"اے لڑکے دیکھ تیرے حمایتی بھی آن پہنچے۔"

سعد نے لِندھور کو دیکھا تو خُوش ہُوا اور دِل میں کہا دادا جان کو ہماری سب خبر ہے اور وہ ہم سے غافل نہیں ہیں۔ امیر حمزہ ایک جانب کھڑے ہو کر تماشا دیکھنے لگے۔ علم شاہ اور سعد دونوں تلواریں کھینچے لڑنے کو تیار ہیں مگر کوئی پہل نہیں کرتا۔ لِندھور نے امیر سے عرض کی کہ سعد بچّہ ہے، وہ علم شاہ سے کیونکر لڑے گا۔ بہتر ہے کہ اُسے واپس بُلائیے۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ امیر حمزہ کہنے لگے کہ اے لِندھور تُم سچ کہتے ہو مگر وہ میرا پوتا ہے۔ اگر بُلاتا ہُوں تو لوگ ساری زندگی

اُسے میدان سے پیٹھ پھیرنے کا طعنہ دیں گے۔ اِس سے تو یہی بہتر ہے کہ علَم شاہ کے ہاتھوں بہادری کی موت مارا جائے۔"

امیر حمزہ کی یہ بات سُن کر لندھور عش عش کرنے لگا۔ عَمرو عیّار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُسے سُلطان سعد سے بے حد محبّت تھی۔ خُدا سے دُعا کرنے لگا کہ یا اِلٰہی اِس بچّے کی جان بچا۔

عَمرو کی دُعا خُدا نے سُن لی۔ یکایک ایک نقاب پوش سوار نمُودار ہُوا اور علَم شاہ سے کہنے لگا "تیرا کیا نام ہے؟"

علَم شاہ کہنے لگا: "تجھے میرے نام سے کیا کام؟ جو کچھ کہنا ہے کہہ دے۔"

تب نقاب پوش نے کہا: "اگر تیرا نام علَم شاہ ہے تو ذرا اکیلے میں چل اور میری دو باتیں سُن لے۔"

یہ سُن کر علَم شاہ حیران ہُوا اور کہنے لگا "یہ وقت باتیں سُننے کا نہیں ہے۔ تجھے جو کہنا ہے یہیں کہہ دے۔"

نقاب پوش نے اپنے پائنچے کو پاؤں پر سے ہٹایا۔ علَم شاہ نے دیکھا کہ اُس کے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہیں۔ پھر اُس نے چہرے پر سے نقاب اُٹھایا اور کہنے لگا۔

"اے علم شاہ، تُو نے مجھ کو پہچانا؟ میں شیوہ وزیر زادی ہُوں۔ تمھاری ماں ملکہ اطلس پوش اور تمھارا نانا کاؤس رُومی ہے۔ اِن سب کو قیصر نے قید کیا ہے اور تُم کو بھی قتل کرتا تھا لیکن قیصر کی بیوی نے تمھیں اپنا بیٹا بنا کر پالا ہے۔ میں عمرو عیّار کی بیوی ہُوں اور سیّادۂ رُومی میرا بیٹا ہے۔ امیر حمزہ تمھارے والد ہیں اور یہ لڑکا سعد سُلطان تمھارا بھتیجا ہے۔ اے نادان تُو کس سے لڑتا ہے۔ پہلے اپنی ماں اور نانا کو قیصر کی قید سے رہا کرا۔"

یہ سُنتے ہی علم شاہ گھوڑے کو گُھما کر قیصر کے پاس آیا۔ نقاب پوش کی تمام باتیں سُلطان سعد بھی سُن رہا تھا۔ دِل میں کہنے لگا کہ علم شاہ تو میرا چچا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اب قیصر اسے کوئی نُقصان پہنچائے۔ یہ سوچ کر وہ بھی علم شاہ کے پیچھے پیچھے چلا۔ اُدھر قیصر نے ناراض ہو کر کہا:

"اے علم شاہ، تُو نے ہماری آبرُو خاک میں مِلائی۔ یہ ذرا سا لڑکا تجھ سے مارا نہ گیا اور تُو میدان سے پیٹھ پھیر کر چلا آیا۔"

"چُپ رہ۔" علم شاہ نے گرج کر کہا۔ "تُو نے بہت دِن مُجھ کو بے وقُوف بنایا۔ میری ماں اور نانا کو قید میں

ڈالا اور میرے باپ کو مجھ سے چھڑایا۔
قیصر نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ مارو علَم شاہ کو۔ غلام تلواریں اور خنجر لیے علَم شاہ کی طرف جھپٹے۔ علَم شاہ نے آناً فاناً چار پانچ کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈال دیا۔ ایک نامراد حبشی غلام پُشت کی جانب سے علَم شاہ پر حملہ کرنے آیا۔ سعد نے چِلّا کر علَم شاہ کو خبردار کیا اور کہا۔
"چچا جان، پیچھے دیکھیے۔ ایک دشمن وار کرتا ہے۔"
علَم شاہ نے گھوم کر تلوار کا ہاتھ مارا اور غلام دو ٹکڑے ہو کر گرا۔ پھر علَم شاہ نے سعد سے کہا۔
"میرے بیٹے، تم اب اپنے دادا کے پاس جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی تمھیں زخمی کر دے۔"
سعد نے کہا کہ میں آپ کو چھوڑ کر کہاں جاؤں گا۔
اتنے میں قیصرِ رومی غضب ناک ہو کر آیا اور علَم شاہ سے جنگ کرنے لگا۔ علَم شاہ نے اُس کا حملہ روک کر ایسا ہاتھ مارا کہ تلوار قیصر کے سر پر لگی اور گردن کاٹتی ہوئی سینے تک آئی۔ قیصر ایک ہولناک چیخ مار کر زمین پر گرا اور مر گیا۔ قیصر کے مرتے ہی اُس کی فوج نے ہلّا بول دیا۔ اُسی وقت امیر حمزہؓ، لندھور

اور بہرام بھی بھوکے شیروں کی طرح دشمن پر آن پڑے۔ مُقبل وفادار نے تیروں کی بارش برسا دی اور اَن گنت آدمی مار ڈالے۔ لِندھور کا گُرز جس پہ پڑا فنا ہُوا۔ امیر حمزہ لڑتے ہُوئے نوشیرواں کے قریب پہنچ گئے اور اُس کے جھنڈے کو چار ٹکڑے کیا۔ نوشیرواں جان بچا کر بھاگا۔ لیکن بھاگتے بھاگتے گستم کے بیٹوں کو حکم دے گیا کہ حمزہ کو اشقر دیوزاد پر سے گھسیٹ لو۔ وہ دونوں غرّاتے ہُوئے آئے اور چاہا کہ امیر حمزہ کو اشقر کی پیٹھ سے اُتار لیں کہ امیر حمزہ نے ایک کے سینے میں تلوار گھونپ دی اور دُوسرے کو بائیں ہاتھ کا گھونسا اِس زور کا مارا کہ اُس کا جبڑا ٹُوٹ گیا۔

تھوڑی دیر میں لڑائی کا نقشہ ہی بدل گیا۔ رُومی سپاہیوں نے ہتھیار پھینک دیے اور علَم شاہ سے کہنے لگے کہ قیصر تو مارا گیا۔ اب آپ ہمارے بادشاہ ہیں۔ ہم کو پناہ دیجیے۔ یہ دیکھ کر بختک مکّار نے واپسی کا طبل بجوا دیا۔ سُلطان سعد نے بڑھ کر اِس طبل پر تلوار ماری اور اُسے کاٹ کر پھینک دیا۔ بختک نے دُوسرا طبل بجوایا۔ امیر حمزہ نے عمرو سے کہا کہ سعد کی خبر لاؤ۔ دیکھو کس طرف ہے؟ عمرو

زندوں اور مُردوں کو چیرتا پھاڑتا سعد کی تلاش میں نکلا مگر کئی گھنٹے کی تلاش کے باوجود نہ سعد کا پتا چلا اور نہ علم شاہ کا۔ لہراسپ بھی گُم تھا۔ تب ایک سپاہی نے بتایا کہ علم شاہ اور سعد نوشیرواں کے تعاقب میں رُوم گئے ہیں۔

امیر حمزہ سے عمرو کی لڑائی، عمرو نے اپنی الگ حکومت بنا لی اور ایک ایک کر کے امیر حمزہ سمیت تمام پہلوانوں کو گرفتار کر لیا۔ علم شاہ کی قیصر اور نوشیرواں سے بغاوت، خواجہ بزرجمہر کی ایک عجیب نصیحت یہ دل چسپ اور حیرت انگیز واقعات اس داستان کے آٹھویں حصّے "عیاروں کی حکومت" میں پڑھیے۔

عیّاروں کی حکومت
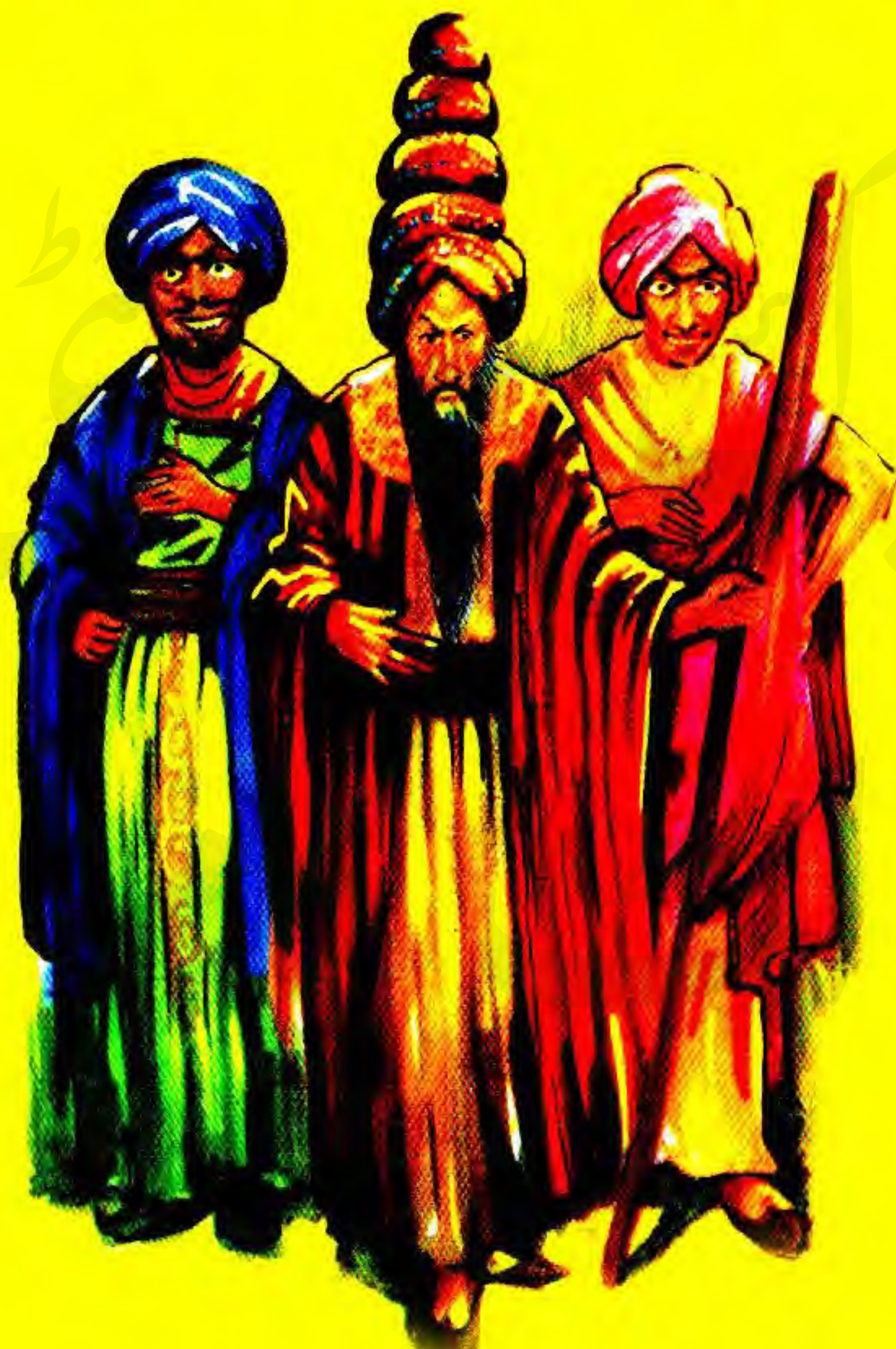
نئی عیّاریاں

اِس حیرت انگیز داستان کے ساتویں حصّے (شہزادہ شہریار) میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ نوشیرواں اصفہان سے بھاگ کر رُوم پہنچ گیا اور عُلم شاہ اور شہزادہ سُلطان سعد اس کے تعاقب میں گئے۔ اِس دوران میں مالک اژدر اور مرزبان خُراسانی نے امیر حمزہ کو جنگ میں اُلجھائے رکھا لیکن آخر میں اُن کی اِطاعت قبول کر لی اور دینِ ابراہیمی پر ایمان لائے۔ نوشیرواں نے جب یہ خبر سُنی کہ مالِک اژدر اور مرزبان نے امیر حمزہ کی غُلامی کا حلقہ گردن میں ڈال لیا تو اُسے بے حد صدمہ پہنچا۔ اُس نے بختک سے کہا کہ مُجھ میں اب امیر حمزہ سے مُقابلہ کرنے کی ہمّت نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ اپنا سر اُس کے آگے جھکا دُوں۔ بختک نے نوشیرواں کو دلاسا دیا اور کہنے لگا کہ آپ ابھی سے ہمّت ہار گئے؟ آپ ایک طرف بیٹھ کر تماشا دیکھیے کہ میں کس طرح امیر حمزہ کا ناطقہ بند کرتا ہُوں۔ چُناں چہ

بختک نامُراد نے کچھ ایسی کارروائی کی کہ امیر حمزہ کی توجّہ یکایک نوشیرواں سے ہٹ کر ایک اور طرف ہو گئی۔ ہماری یہ داستان یہیں سے شرُوع ہوتی ہے۔

مالک اژدر اور مرزبان خُراسانی کے اِطاعت قبُول کر لینے کی خُوشی میں امیر حمزہ نے شان دار جشن منانے کا حُکم دیا۔ کئی دِن تک خُوب جلسے ہُوئے اور آتش بازی چھوڑی گئی ناگہاں تنگِ رواحل سے خبر آئی کہ دو سگے بھائی آب دان اور تاب دان ہیں جنھوں نے بے شُمار آدمی جمع کرکے ایک عظیم لشکر تیّار کیا ہے اور تنگِ رواحل کے قلعے پر حملہ کر کے اُس پر قبضہ جما لیا ہے۔

امیر حمزہ یہ خبر سُن کر فکر مند ہُوئے اور اپنے دوستوں سے کہنے لگے کہ تُم میں سے کوئی فوج لے کر جائے اور ان بدمعاشوں کو قلعے سے باہر نکالے۔ تب عادی پہلوان پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہُوا اپنی جگہ سے اُٹھا اور کہنے لگا:

"بھائی حمزہ، بہُت دِن سے بیکار پڑا روٹیاں توڑ رہا ہُوں۔ اِجازت ہو تو میں جاؤں؟"

امیر حمزہ نے کہا "عادی بھائی، مرحبا ہے۔ میرا اِرادہ لندھور کو روانہ کرنے کا تھا مگر اب تُمھاری درخواست منظور

کرتا ہوں۔ فوراً لشکر لے کر تنگِ رواحل کی جانب روانہ ہو جاؤ۔"

قصّہ مختصر عادی پہلوان روانہ ہُوا اور جب تنگ رواحل کے قلعے کے نزدیک پہنچا تو دُشمن کی فوج سے گھمسان کی جنگ ہُوئی۔ عادی پہلوان بہُت بہادری سے لڑا مگر زخمی ہو کر گرا اور اُس کے سپاہی اُسے اُٹھا کر خیمے میں لے گئے۔ اُدھر ہرکاروں نے عادی کے زخمی ہونے کی خبر امیر حمزہ کو پہنچائی۔ وُہ بے چین ہُوئے اور فوراً عَمرِو عیّار کو خبر لینے کے لیے روانہ کیا۔ عَمرِو آیا، عادی سے ملا اور پُوچھا کہ کیا حال ہے؟ اس نے تکلیف سے کراہتے ہُوئے جواب دیا:

"عَمرِو بھائی، کچھ نہ پُوچھو۔ بڑے زبردست دُشمن سے پالا پڑا ہے۔ آب دان اور تاب دان دونوں بڑے منجھے ہُوئے جنگ جُو ہیں اور اُن کی فوج بڑی بہادری سے لڑ رہی ہے۔ مجھے اُمّید نہیں کہ قلعہ آسانی سے ہمارے ہاتھ آئے۔"

عَمرِو یہ سُن کر سوچ میں پڑ گیا۔ پھر عادی سے کہنے لگا۔ "ایک تدبیر سے قلعہ فتح ہو سکتا ہے۔ لیکن وعدہ کرو کہ حمزہ سے اس کا ذِکر نہ کرو گے۔"

"وعدہ کرتا ہوں۔ تم بے کھٹکے بیان کرو۔" عادی نے خوش ہو کر کہا۔

تب عمرو کہنے لگا "میں کسی تدبیر سے قلعے میں جاکر آب دان اور تاب دان دونوں کو بے ہوش کر کے قتل کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد تم حملہ کر دینا۔ لوگ جانیں گے یہ دونوں بھائی لڑائی میں مارے گئے ہیں۔"

عادی یہ تدبیر سن کر اپنی ساری تکلیف بھول گیا اور ایک قیمتی لعل عمرو کو دیا۔

آدھی رات ہوئی تو عمرو عیّاری کی کمند کے ذریعے قلعے کی فصیل پر چڑھا اور قلعے میں داخل ہو گیا۔ پھر ایک پہرے دار کا بھیس بدل کر ادھر اُدھر گھومنے لگا آب دان اور تاب دان کا خیمہ تلاش کر کے خنجر سے قنات چاک کی۔ دیکھا کہ دونوں بے خبر سوتے ہیں۔ عمرو نے تاب دان کو بے ہوش کیا اور ابھی آب دان کو بے ہوش کرنے ہی والا تھا کہ عادی پہلوان نے جلد بازی سے کام لے کر اپنی فوج کو شب خون مارنے کا حکم دے دیا۔ عمرو نے دل میں عادی کو سینکڑوں گالیاں دیں۔ اتنے میں آب دان کی آنکھ کھل گئی۔ عمرو نے جلدی سے تاب دان کو قتل کیا اور وہاں سے بھاگ نکلا۔ آب دان

نے اُٹھ کر دیکھا تو بھائی مرا پڑا تھا۔ قریب ہی ایک خنجر خُون میں بھرا ہُوا مل گیا۔ آب دان نے وُہ خنجر حفاظت سے رکھا اور خُود باہر نکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ عادی پہلوان کی فوج قلعے میں گُھس آئی ہے اور زور شور کی لڑائی ہو رہی ہے۔ آب دان نے اپنی فوج کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی مگر بھائی کے مارے جانے کا صدمہ ایسا تھا کہ وُہ بدحواس ہو گیا۔ چند لمحوں میں اس کی فوج نے ہتھیار پھینک دیے۔ آب دان جان بچا کر بھاگا۔ اِدھر قلعے پر عادی پہلوان کا قبضہ ہو گیا۔ عَمرو نے جا کر امیر حمزہ کو خبر دی کہ قلعہ تنگِ رواحل پر عادی نے قبضہ کر لیا ہے۔ امیر حمزہ بہُت خُوش ہُوئے۔

اُدھر آب دان سیدھا مدائن پہنچ کر نوشیرواں کے پاس گیا اور بھائی کے مارے جانے کا سارا قِصّہ سُنایا۔ پھر وُہ خنجر نکال کر دِکھایا۔ بختک نے یہ خنجر دیکھا تو فوراً چِلّا اُٹھا کہ یہ تو عَمرو عیّار کا ہے۔ دیکھو، اِس کے دستے پر عَمرو کا نام بھی کُھدا ہُوا ہے اور بالکُل ایسا ہی ایک خنجر امیر حمزہ کے پاس بھی ہے۔

"اب بتائیے جناب، میں کیا کروں؟" آب دان نے نوشیرواں سے روتے ہُوئے کہا۔

نوشیرواں سوچ میں پڑ گیا اور کچھ کہہ نہ سکا۔ آخر بختک نے کہا "میں تجھے ایک تدبیر بتاتا ہوں۔ اس پر عمل کر مجھے یقین ہے کہ امیر حمزہ عمرو کو ضرور سزا دے گا۔ تدبیر یہ ہے کہ یہ خنجر حمزہ کے پاس لے جا اور کچھ چوڑیاں اور زنانہ کپڑے بھی تیار کر کے اپنے ساتھ رکھ۔ یہ چیزیں حمزہ کو دکھا کر کہنا کہ آپ عمرو عیّار کے بھروسے پر بہادری دکھاتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ یہ چوڑیاں پہن کر بیٹھیے۔

غرض آب دان کو بختک نے خوب سکھا پڑھا کر روانہ کیا۔ وہ امیر حمزہ کی بارگاہ میں آیا اور سارا قصّہ کہا۔ حمزہ حیران ہوئے۔ اُسی وقت عمرو عیّار کو طلب کیا اور پوچھا کہ سچ سچ بتا کیا ماجرا ہے؟ کیا تاب دان کو تُو نے قتل کیا ہے؟ عمرو نے انکار کیا۔ تب آب دان نے عمرو کا خنجر نکال کر حمزہ کے سامنے رکھ دیا۔ اب تو امیر کو یقین آ گیا کہ آب دان سچّا ہے اور عمرو جھوٹ بول رہا ہے۔ غصّے میں آ کر کہنے لگے:

"تُو نے میرے نام کو بٹّا لگایا۔ اب تیری سزا یہی ہے کہ تجھے باندھ کر آب دان کے حوالے کروں تاکہ وہ تجھ سے اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ لے۔"

عمرو نے ناراض ہو کر کہا "اے حمزہ، معلوم ہوتا ہے

تمہارا دماغ ٹھکانے نہیں رہا۔ تم ایک کافر کے خون کے بدلے مجھے دشمنوں کے حوالے کرنے پر تُل گئے ہو۔ حالاں کہ میں نے عادی کی جان بچائی کہ تمہارا دودھ شریک بھائی ہے۔ میرا یہ احسان نہیں مانتے، الٹا میری جان لینے کے درپے ہو؟ خدا کے غضب سے ڈرو۔"

عمرو کی اس تقریر کا امیر حمزہ پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ وہ زیادہ ناراض ہو کر بولے "مجھے تمہاری کسی بات کا یقین نہیں۔ اب زیادہ بک بک نہ کرو اور میرے پاس آؤ تا کہ میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر آب دان کے حوالے کروں۔"

عمرو نے قہقہہ لگا کر کہا "کسی کی کیا مجال ہے کہ مجھے پکڑے۔ لیجیے میں رخصت ہوتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہاں سے بھاگا اور ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتا ہوا کوسوں دور نکل گیا۔ امیر حمزہ کے اشارے پر بہت سے سپاہی اور غلام عمرو کو پکڑنے دوڑے مگر وہ بھلا کس کے ہاتھ آتا۔ تب امیر حمزہ نے آب دان سے کہا:

"تو نے دیکھا کہ عمرو بھاگ نکلا۔ اب بہتر یہی ہے کہ یہ لباس اور چوڑیاں واپس لے جا کر نوشیرواں کو پہنا دے۔

اگر عمرو میرے ہاتھ آیا تو پکڑ کر تیرے پاس بھیج دوں گا"
آب دان وہاں سے چلا گیا۔

اُدھر کئی روز بعد عمرو کے بارہ سو شاگرد بھی جو امیر حمزہ کے لشکر میں تھے، عمرو کے پاس پہنچ گئے اور اُس سے کہنے لگے:

"ہمارے بادشاہ تو آپ ہیں۔ ہمیں حمزہ سے کیا کام"۔

عمرو اپنے شاگردوں کی آمد پر بے حد خوش ہوا۔ سب کی پیٹھ ٹھونکی۔ قلعۂ زہرمار کے حاکم پر چڑھائی کر کے اُسے شکست دی اور قلعے پر قبضہ کر کے تخت پر بیٹھا۔ اپنا خطاب شاہ جہاں اور شہریارِ جہاں رکھا۔ پھر اپنے سب عیّاروں کو خان کا خطاب عطا کیا۔ اِس کے بعد عیّاروں سے کہنے لگا:

"اب ہمارا کام یہ ہے کہ امیر حمزہ کے لشکر میں جائیں اور تمام پہلوانوں اور سپہ سالاروں کو دھوکے سے پکڑ کر لے آئیں۔ میں امیر حمزہ کو پکڑ کر لاؤں گا"۔ سب عیّار اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔

اُدھر جاسوسوں نے امیر حمزہ کو یہ خبریں پہنچائیں اور بتایا کہ بارہ سو عیّار عمرو کے پاس پہنچ گئے ہیں اور اُنھوں نے قلعۂ زہرمار پر قبضہ کر کے اپنی حکومت بنا لی ہے۔

عمرو نے اپنا خطاب شاہ جہان اور شہریار جہان رکھ لیا ہے۔ امیر حمزہ کو بے حد تاؤ آیا۔ مقبل وفادار کو بلا کر حکم دیا کہ جس عیار نمک حرام کو دیکھنا، پکڑ کر میرے پاس لے آنا۔ عمرو کے یوں چلے جانے سے تمام پہلوانوں کو سخت صدمہ ہوا۔ اُنھوں نے کہا کہ امیر حمزہ ناحق عمرو پر خفا ہوئے ہیں۔ اس نے جو کیا ٹھیک کیا۔ بہتر یہی ہے کہ امیر حمزہ کو سمجھا بجھا کر ان کا غصّہ ٹھنڈا کریں۔ اور ایسی تدبیر ہو کہ عمرو یہاں آئے اور حمزہ سے معافی مانگ لے۔ چُناں چہ لندھور، بخت مغربی، استغنا نوش، صدف نوش، لہراسپ، بہرام، مالک اژدر اور مرزبان خراسانی وغیرہ شہزادہ قباد شہریار کے پاس آئے اور سب ماجرا کہا۔

شہزادہ قباد کہنے لگا "آپ لوگ خاطر جمع رکھیں۔ میں کل ابّا جان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ عمرو کا قصور معاف کر دیں۔" یہ سُن کر سب پہلوان خوش خوش اپنے خیموں میں آئے اور سو رہے۔

اگلے روز امیر حمزہ کا دربار لگا اور چھوٹے چھوٹے سردار آنے شروع ہوئے۔ لیکن بڑے پہلوانوں میں سے کوئی نہ آیا۔ امیر حمزہ پریشان ہوئے۔ چوب داروں کو خبر لینے

کے لیے بھیجا۔ وہ تھوڑی دیر میں روتے پیٹتے اور سروں پر خاک ڈالتے آئے اور کہا کہ سب پہلوانوں کے خیمے خالی پڑے ہیں۔ شہزادہ قباد شہریار بھی غائب ہے۔

امیر حمزہ سمجھ گئے کہ یہ حرکت عمرو اور اُس کے عیّاروں کی ہے۔ غصّے سے تھر تھر کانپنے لگے مگر مجبور تھے۔ کر ہی کیا سکتے تھے۔ اُدھر عمرو نے اپنے عیّاروں کو حکم دیا کہ سب پہلوانوں کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کے قید خانے میں ڈال دو۔ شہزادہ شہریار کو سونے کا طوق اور زنجیر پہناؤ۔

یہ کہہ کر اُسے کچھ خیال آیا اور وہ لندھور کے پاس آ کر کہنے لگا "اے لندھور، کہو تو تمھیں آزاد کر دوں۔ تمھارا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ اِس لیے جی نہیں چاہتا کہ تُم کو قید میں رکھوں لیکن شرط یہ ہے کہ حمزہ کی اطاعت چھوڑ کر میری اطاعت قبول کرو۔"

یہ سُن کر لندھور ہنسا اور کہنے لگا۔ "اے عمرو، تُو نے یہ حرکت اچھی نہ کی۔ اب بھی وقت ہے۔ حمزہ سے معافی مانگ لے۔ وہ تجھے کچھ نہ کہیں گے۔ میں ذمّہ لیتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں۔" عمرو نے چلّا کر کہا "میں حمزہ سے

معافی نہیں مانگوں گا۔ میں تو اُسے بھی پکڑنے کی فکر میں ہُوں۔"

دُوسرے روز عمرو نے عیّاروں سے کہا کہ نوشیرواں اور بختک وغیرہ کو سب سرداروں سمیت پکڑ لاؤ۔ عیّار گئے اور سب کو پکڑ لائے۔ عمرو نے ان کو بھی قید میں رکھا۔ اب وہ ان کو صُبح شام کوڑے مارتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ سب فساد تُو نے برپا کیا۔

آہستہ آہستہ عمرو نے اپنی سلطنت وسیع کرنی شروع کی۔ ایک بڑا لشکر تیّار کر لیا اور چین سے حکُومت کرنے لگا۔ ایک دِن گلباد نے کہا:

"اے اُستاد، تُم اپنا کام بھُول گئے۔ تُم نے کہا تھا کہ حمزہ کو پکڑ کر لاؤں گا۔"

"خُوب یاد دِلایا۔" عمرو نے کہا۔ "حکُومت کے نشے میں میں اپنا اصل کام بھُول ہی چُکا تھا۔ آج ہی یہ کام کرتا ہُوں۔"

وُہ آدھی رات کو امیر حمزہ کی بارگاہ میں آیا اور ایک خادم کی صُورت اِختیار کر کے خیمے میں داخل ہُوا۔ امیر حمزہ نے ایک نظر اُسے دیکھا اور فوراً سمجھ گئے کہ خادم کے بھیس میں عمرو ہے۔ اُسی وقت مُقبل وفادار کو آواز

دی کہ پکڑنا جانے نہ پائے۔ مُقبل عمَرو کی طرف لپکا مگر عمَرو چھلانگ لگا کر خیمے سے باہر نکل گیا اور چلّا کر کہنے لگا:

"اے حمزہ، مجھے معلوم نہ تھا کہ تم اتنی جلد میرے احسانات فراموش کر دو گے۔ اچھّا، میرا نام بھی عمَرو ہے۔ تمھارا دِن کا آرام اور رات کی نیند حرام نہ کر دُوں تو مجھے عمَرو نہ کہیو۔" یہ کہہ کر وُہ چلا گیا۔

امیر حمزہ نے مُقبل وفادار سے کہا "تم نے سُن لیا جو عمَرو نے کہا ہے؟ اب ہمیں بھی کچھ انتظام کر لینا چاہیے۔ ایسا کرو کہ تم اپنا پلنگ ہمارے پلنگ کے پاس بچھا لو یا خیمے کے دروازے پر تیر کمان لیے بیٹھے رہو۔ جس وقت عمَرو آئے، فوراً تیر سے نشانہ کرنا۔ خبردار چُوکنا نہیں۔ اور اگر تم ساری رات نہ جاگ سکو تو میں اندر جا کر سو رہوں؟"

مُقبل نے کہا "آپ شوق سے آرام کیجیے۔ میں رات بھر جاگوں گا۔"

"کوشش میں بھی کروں گا کہ جتنی دیر جاگ سکوں، جاگتا رہوں۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "چُوں کہ عمَرو بھیس بدل کر دھوکا دینے میں کمال رکھتا ہے اِس لیے ہم آپس میں ایک دُوسرے

کی پہچان کے لیے کوئی نشانیاں مُقرّر کرلیں۔ جب میں اپنی ناک کا دایاں نتھنا کھجاؤں تو تم بایاں نتھنا کھجانا اور جب میں دایاں کان پکڑوں تو تُم اپنا بایاں کان پکڑنا۔ بس یہ نشانیاں یاد رکھو۔ اِس طرح عَمرو کسی بھی بھیس میں آئے وُہ ہمیں فریب نہ دے سکے گا۔"

امیر نے تو اپنی حفاظت کا یہ بندوبست کیا، اِدھر عَمرو صُبح کے وقت دربار میں آیا تو سب نے پُوچھا کہ اُستاد، رات کا حال سُنائیے؟ حمزہ کو پکڑ کر لے آئے؟ تب عَمرو نے سارا حال بیان کیا۔ شاگرد سُن کر چُپ رہے۔ عَمرو کہنے لگا:

"میں تُمھارے دِل کی بات جانتا ہُوں۔ اپنے جی میں کہتے ہوگے کہ ہمیں تو یہ تاکید کی کہ آج ہی جا کر سب شاگردوں اور سپہ سالاروں کو پکڑ لاؤ اور اپنے سے کچھ نہ ہو سکا۔ لیکن تُم ابھی ناسمجھ ہو۔ امیر حمزہ کا مُقابلہ اِن بے وقوف پہلوانوں سے نہ کرو۔ اُسے گرفتار کرنا خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔ پھر اُسے لاؤں گا تو میں ہی لاؤں گا۔ اور اگر یقین نہ ہو تو جن صاحب کا دِل چاہے، جا کر دیکھیں۔"

عیّاروں نے کہا: "حضُور، آپ جیسا اُن کو جانتے ہیں

ہم کیا جانیں۔"

اگلے روز رات کو عمرو پھر آیا۔ دیکھا کہ مُقبِل وفادار تیر کمان ہاتھ میں لیے ہُوئے دروازے پر بیٹھا ہے۔ عمرو بہت دیر اِس اِنتظار میں رہا کہ مُقبِل کو نیند آئے تو خیمے میں گھُسے لیکن وُہ نہایت مُستعدی سے پہرا دیتا رہا تب عمرو گھُوم کر ایک ٹیلے کے پیچھے آیا جو امیر حمزہ کے خیمے کے بالکُل سامنے تھا۔ عمرو کی پرچھائیں مُقبِل نے دیکھی تو تیر کمان سنبھال لیا۔ اِتنے میں عمرو نے ٹیلے کے پیچھے سے سر نکال کر دیکھا۔ مُقبِل نے فوراً تیر چلایا۔ جو عمرو کی گردن میں لگا۔ اُسی وقت مُقبِل چلّایا:

"اے حمزہ، جلد آؤ۔ میں نے عمرو کو مار گرایا۔"

امیر حمزہ بستر سے اُٹھ کر آئے اور ٹیلے کے نزدیک جا کر دیکھا تو قہقہہ مار کر ہنسے وہاں عمرو کی شکل کا ایک پُتلا پڑا تھا اور مُقبِل کا تیر اس پُتلے کی گردن میں پیوست تھا۔ مُقبِل نہایت شرمندا ہُوا اور دِل ہی دِل میں عمرو کی اِس چالاکی پر آفرین کہنے لگا۔

اُدھر عمرو موقع پا کر امیر حمزہ کے خیمے میں گھُس گیا اور ایک پردے کے پیچھے جا چھُپا۔ تھوڑی دیر بعد حمزہ آئے اور پلنگ پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ چند لمحے

بعد عَمرو نے حمزہ کے خرّاٹے لینے کی آواز سُنی۔ تب پردے کے پیچھے سے نکلا اور دبے پاؤں پلنگ کے نزدیک آیا" دَوائے بے ہوشی جیب سے نکال کر حمزہ کی ناک سے لگانا چاہتا ہی تھا کہ باہر قدموں کی آہٹ سُنائی دی اور مُقبل وفادار خیمے میں آیا۔ عَمرو نے جھٹ شمعیں بُجھا دیں۔ امیر حمزہ یکایک جاگ گئے اور پُکار کر کہا :

"مُقبل، عَمرو جانے نہ پائے۔ وُہ خیمے کے اندر موجُود ہے۔"

عَمرو سخت بدحواس ہُوا اور خیمے کی قنات خنجر سے چاک کر کے بھاگ گیا۔ امیر حمزہ نے مُقبل سے کہا "دیکھا، عَمرو نے جو کہا تھا وہی کیا۔ سونا حرام کر دیا۔"

اُدھر عَمرو نے صُبح کو ساری حقیقت اپنے شاگردوں، شہزادہ قُباد اور لندھور سے کہی۔ لندھور کہنے لگا۔ "اے عَمرو، تُم میری خاطر اپنا قصُور امیر حمزہ سے معاف کرا لو۔"

شہزادہ قباد نے بھی لندھور کی تائید کی۔ مگر عَمرو نے اِنکار میں گردن ہِلائی اور کہا :

"میں اُن سے ہرگز معافی نہ مانگوں گا۔ البتّہ تُم لوگ چاہو تو حمزہ کو سمجھاؤ کہ وُہ مُجھ سے اُلجھنا چھوڑ دے۔"

تب شہزادہ قباد نے امیر حمزہ کی خدمت میں بھیجنے کے

لیے اِس مضمون کا ایک خط لکھا "اے امیر، یہ خط سب سرداروں اور پہلوانوں کی جانب سے ہے۔ ہم پر رحم کیجیے اور عَمرو کا قصور معاف کر دیجیے تاکہ ہم اِس بَلا سے نجات پائیں۔"

یہ خط ایک غُلام کے ذریعے امیر حمزہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ امیر حمزہ نے اِس کے جواب میں لکھا کہ میں نے تُم سب کو خُدا کے سپُرد کیا۔ اگر یُونہی موت آنی ہے تو اِس میں میرا کیا دخل ہے لیکن میں ہرگز ہرگز عَمرو کا قصور معاف نہ کروں گا بلکہ اُس کی بوٹی بوٹی الگ کروں گا۔

امیر حمزہ کا یہ جواب عَمرو نے پڑھا تو دِل میں بے حد ڈرا۔ مگر دُوسروں کو دکھانے کے لیے ہنسا اور کہنے لگا: "حمزہ مُجھے بھائی کہتا ہے۔ کیا اُسے اپنے بھائی کی تکّا بوٹی کرتے ہُوئے شرم نہ آئے گی۔ اچھّا، اب جو ہو سو ہو۔ بندہ تو گردن جُھکانے کو تیّار نہیں ہے۔"

اگلے دِن عَمرو پھر شام کو چوب دار کا بھیس بدل کر امیر حمزہ کے پاس پہنچا۔ مُقبِل اُس وقت پہرے پر موجُود نہیں تھا۔ وُہ سیدھا خیمے میں گھس گیا۔ امیر پلنگ پر لیٹے تھے۔ عَمرو دبے پاؤں اُن کے قریب گیا اور سفوف بے ہوشی نکال کر ہتھیلی پر رکھا اور حمزہ کی طرف پھُونک مارنا چاہتا

ہی تھا کہ اُنھوں نے کروٹ بدل کر جلدی سے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ عمرو اپنے بدن پر خوب تیل مل کر آیا تھا۔ اُس نے جھٹکا دیا تو ہاتھ پھسل کر چھوٹ گیا اور وہ بھاگا۔ امیر حمزہ بھی اُس کے پیچھے لپکے۔ ایک جگہ عمرو ٹھوکر کھا کر گرا۔ حمزہ برابر پہنچ گئے۔ عمرو نے کوشش کی کہ اُٹھ کر بھاگے مگر حمزہ نے اُس کا پاؤں پکڑ لیا۔ تب عمرو دردناک آواز میں چیخا:

"بھائی حمزہ، خُدا کے واسطے میرا پاؤں چھوڑ دو۔ اِس میں پھوڑا ہے۔"

امیر حمزہ نے گھبرا کر پاؤں چھوڑ دیا اور عمرو فوراً فرار ہو گیا۔ حمزہ کو بڑی شرمندگی ہُوئی۔ تھوڑی دیر بعد مُقبل وفادار آیا۔ امیر حمزہ نے اس سے کہا کہ آج عمرو نے بڑی مکّاری سے کام لیا۔ میرے ہاتھ میں اس کا پاؤں آ گیا تھا۔ اُس نے چِلّا کر کہا کہ اس میں پھوڑا ہے۔ میں نے فوراً پاؤں چھوڑ دیا۔ مُقبل یہ بات سُن کر ہنسنے لگا اور عمرو کی چالاکی پر بہت حیران ہُوا۔

اگلے روز سُورج غرُوب ہونے کے فوراً بعد عمرو آیا۔ دیکھا کہ امیر کی رہائش گاہ کے سامنے مُقبل بیٹھا جاگ رہا ہے اور تیر کمان ہاتھ میں ہے۔ "خُدا اسے غارت کرے۔"

عمرو نے دانت پیس کر کہا۔ پھر ایک کونے میں جا کر اسّی سال کے بُڈّھے کا بھیس بدلا اور لاٹھی ٹیکتا ہُوا مُقبل کے پاس آیا۔ اُس نے بُڈّھے کو اُوپر سے نیچے تک گھُور کر دیکھا اور کہا:

"کیوں بڑے میاں، کیسے آئے؟ کیا کام ہے؟"

بُڈّھا زار زار رونے لگا۔ مُقبل پریشان ہو کر اُٹھ کھڑا ہُوا اور کہنے لگا "بڑے میاں، روؤ نہیں۔ اپنا حال مجھ سے کہو۔ کیا تکلیف ہے؟"

"حضُور، میں رنگ ریز ہُوں..." بُڈّھے نے ہچکیاں لیتے ہُوئے کہا "آج امیر حمزہ کا ایک غُلام میرے پاس آیا تلوار کی نوک میرے سینے پہ رکھ دی اور کہنے لگا کہ اپنی ساری جائداد میرے نام کر دے ورنہ قتل کر دُوں گا۔ حضُور میں موت کے خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ غُلام کی مِنّت خوشامد کی کہ ذرا دم لے، یہ تلوار میرے سینے سے ہٹا، تب بات کر۔ بڑی مُشکل سے اُسے اپنے گھر بٹھا کر یہاں فریاد کے لیے آیا ہُوں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔ اگر غُلام کو چل کر سمجھائیں کہ مجھے پریشان نہ کرے۔"

بُڈّھے کی یہ کہانی سُن کر مُقبل غُصّے سے لال پیلا ہو گیا اور خنجر نکال کر بولا "بڑے میاں، تُم بالکل نہ گھبراؤ۔

اُس غُلام کی کیا مجال کہ تمھیں ستائے۔ میں تمھارے ساتھ چلتا ہُوں اور اُس مُوذی کو ایسی سزا دُوں گا کہ زندگی بھر نہ بھُولے گا۔"

"خُدا حضُور کو سلامت رکھے۔" بُڈّھے نے آنسو پونچھتے ہُوئے کہا اور لاٹھی ٹیکتا ہُوا چلا۔ مُقبل اُس کے ساتھ تھا راستے میں سے بُڈّھے نے زمین پر پڑا ہُوا ایک بٹوا اُٹھایا اور مُقبل کو دیتے ہُوئے بولا:

"نہ معلُوم یہ کس کا بٹوا ہے۔ راستے میں گر گیا ہے۔ خاصا بھاری ہے۔"

"بڑے میاں، کھول کر دیکھو۔ اِس میں کیا ہے؟" مُقبل نے کہا۔

"نہیں حضُور، میری کیا مجال جو بٹوا کھولوں۔ خُدا معلُوم کس کا ہے۔ خواہ مخواہ مجھ پر بددیانتی کا اِلزام لگے۔ آپ ہی اسے کھولنے کا حق رکھتے ہیں۔"

مُقبل نے بٹوا اُس کے ہاتھ سے لے لیا اور کھولنا چاہا مگر نہ کھُلا۔ آخر سینے سے لگا کر زور کیا تو بٹوا جھٹکے سے کھُلا اور اُس میں سے سفید سفید دُھواں تیزی سے نِکل کر مُقبل کی ناک میں گھُسا۔ وُہ اُسی وقت بے ہوش ہو کر گِرا عمرو نے مُقبل کے کپڑے اُتار کر خود پہن لیے اور بے ہوش

مُقبل کو گھسیٹ کر قریب ہی کھڑی ہُوئی ایک بیل گاڑی کے نیچے ڈال دیا۔ یہ بیل گاڑی کِسانوں کی تھی جو کچھ فاصلے پر رہتے تھے۔

اب عَمرو مُقبل وفادار کی شکل بنا کر امیر حمزہ کے خیمے پر آیا اور غُلاموں سے کہا "میں نے بُڈھے رنگ ریز کو اس موذی غُلام کے ہاتھوں نجات دلائی۔ تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کیا۔ یہ سُن کر سب غُلام تھر تھر کانپنے لگے اور دِل میں کہنے لگے کہ آج کل مُقبل کا خُون کھولا ہُوا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ کوئی اُس کے سامنے نہ جائے۔

اِتنے میں خیمے کے اندر سے امیر حمزہ نے غُلام کو آواز دی کہ پانی پلاؤ۔ غُلام ایک پیالے میں سرد پانی بھر کر لایا اور خیمے کے اندر جانا چاہتا تھا کہ نقلی مُقبل نے وُہ پیالا اُس کے ہاتھ سے لے لیا اور کہا لاؤ، آج ہم حمزہ کو پانی پلائیں گے۔ غُلام سلام کر کے واپس چلا گیا۔ تب نقلی مُقبل نے اُس میں سفوفِ بے ہوشی بلایا اور پیالا ہاتھ میں لے کر خیمے کے اندر داخل ہُوا۔

امیر حمزہ نے اُسے دیکھ کر اپنی ناک کا بایاں نتھنا پکڑا۔ عَمرو حیران ہُوا اور اس نے اس کا کچھ جواب نہ

دیا۔ اِشارہ اُسے معلوم ہی نہ تھا۔ یہ دیکھ کر امیر حمزہ سنبھل گئے اور کہا "بھائی مُقبل ذرا آگے تو آؤ"۔ عمرو اور آگے آیا۔ امیر حمزہ نے دِل میں سوچا شاید مُقبل اِشارے بھُول گیا ہو۔ اِس مرتبہ اُنھوں نے اپنا کان پکڑا۔ عمرو حیران تھا۔ کُچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حمزہ ایسی حرکتیں کیوں کر رہے ہیں۔ کبھی ناک پکڑتے ہیں، کبھی کان — آخر عمرو نے بھی سوچے سمجھے بغیر اپنا کان پکڑ لیا۔ تب امیر حمزہ نے پہچان لیا کہ یہ مُقبل کے بھیس میں عمرو عیّار ہے۔ ہنس کر کہنے لگے:

"مُقبل بھائی، تُم ہم سے دُور دُور رہنے لگے ہو۔ ذرا قریب تو آؤ۔ کان میں ایک بات کہنی ہے۔"

عمرو بدحواس ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ امیر حمزہ اُٹھنے لگے تب عمرو نے پانی کا پیالہ اُن کے مُنہ پر کھینچ مارا اور بھاگ گیا۔

اب مُقبل کا حال سُنیے۔ مُنہ اندھیرے اُسے ہوش آیا تو دیکھا کہ بیل گاڑی کے نیچے پڑا ہے۔ بدن کے کپڑے غائب ہیں اور صرف ایک لنگوٹی بندھی رہ گئی ہے۔ سمجھ گیا کہ بُڈھے رنگ ریز کے بھیس میں عمرو آیا اور اُس نے یہ شرارت کی ہے۔ اُدھر کسانوں نے جو دیکھا کہ ایک شخص

تنگ دھڑنگ اُن کی بیل گاڑی کے نیچے سے نکلا ہے تو وُہ سب کے سب بھاگتے ہُوئے آئے اور بے تحاشا مُقبل کو پیٹنے لگے۔ وُہ اُسے چور سمجھ بیٹھے تھے۔

یہ دیکھ کر کہ ایک چور پکڑا گیا ہے، اِدھر اُدھر کے راہ گیر اور تماشائی بھی آن کھڑے ہُوئے۔ کسی نے گھُونسا مارا، کسی نے لات چلائی اور کسی نے سونٹے سے خبر لی۔ جب مُقبل پٹتے پٹتے ادھ مُوا ہو گیا تو اُس نے چیخ کر کہا:

"بدبختو، مُجھے بھی نہیں پہچانتے؟ میں حمزہ کا دوست مُقبل وفادار ہُوں۔"

اُس وقت ایک دو آدمیوں نے پہچانا اور اُن کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ پھر تو کسانوں کے ہاتھوں کے طوطے بھی اُڑے اور وُہ خوف سے کانپتے ہُوئے مُقبل کے قدموں میں گِر گئے۔

بے چارہ مُقبل پٹ پٹا کر اور اپنا حُلیہ بدلوا کر خیمے میں آیا اور سارا حال امیر حمزہ سے بیان کیا۔ وُہ بے حد ہنسے اور عمرو کی عیّاریوں پر بے اختیار آفرین کہی۔ پھر کہنے لگے:

"بے شک، عمرو کی حرکتیں اب برداشت سے باہر ہوتی

جاتی ہیں۔ کسی طرح اِس کو قابو میں لانا چاہیے۔ ورنہ یہ ہماری زندگی اجیرن کر دے گا۔"

اِدھر تو یہ دونوں عمرو کو پکڑنے کی تدبیروں پر غور کرتے رہے اور اُدھر اگلے روز عمرو پھر رات گئے آیا اور اِس مرتبہ ایک غلام کی شکل بنا کر امیر کے خیمے کے اندر گھس گیا۔ دیکھا کہ امیر حمزہ اپنے پلنگ پر پڑے سو رہے ہیں۔ عمرو نے اُنھیں بے ہوش کرنا چاہا، مگر اُن کی آنکھ کھل گئی۔ عمرو وہاں سے بھاگا مگر حمزہ نے مقبل کو آواز دی کہ خبردار، عمرو بھاگنے نہ پائے۔ مقبل نے سپاہیوں اور غلاموں کو پکارا اور سب پلک جھپکتے میں امیر حمزہ کے خیمے کے چاروں طرف پھیل گئے۔ عمرو خیمے کی چوب پکڑ کر اُوپر چڑھا اور چھپکلی کی مانند چھت سے چمٹ گیا۔

غلام اور سپاہی عمرو کو اِدھر اُدھر ڈھونڈتے رہے مگر اس کا سراغ نہ پایا۔ آخر حیران ہو کر کہنے لگے:

"خدا معلوم کہاں گیا! ہم نے اُسے خیمے سے باہر نکلتے نہیں دیکھا۔"

"وہ بڑا مکّار ہے۔ تم سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گیا ہو گا۔" مقبل نے کہا "اب تم لوگ جاؤ اور آرام کرو، جب ضرورت ہو گی آواز دے لوں گا۔"

سپاہی سلام کر کے چلے گئے۔ مُقبل خیمے کے اندر داخل ہُوا۔ حمزہ کہنے لگے "اے مُقبل، کتنی رات باقی ہے۔"

"ابھی تو پہر رات گزری ہے۔ کئی پہر باقی ہیں۔" مُقبل نے کہا۔

"اِس عمرو نے تو نیند غارت کر دی ہے۔ اچھّا، تُم باہر ہوشیاری سے بیٹھو۔ میں بھی چوکنّا رہوں گا۔"

مُقبل باہر جا بیٹھا۔ امیر حمزہ نے شمع اپنے آگے رکھ لی اور ایک کتاب کھول کر پڑھنے لگے۔ عمرو عیّار چھت سے چمٹا ہُوا اِس فکر میں تھا کہ کیا عیّاری کروں کہ امیر حمزہ پر قابُو پاؤں۔ سوچتے سوچتے ایک انوکھی تدبیر دماغ میں آئی۔ زنبیل سے رُوئی نکالی اور اُس میں دوائے بے ہوشی مل کر پروانے اور پتنگے بنائے۔ پھر زنبیل سے کمند نکالی اور اُس سے کہا کہ اے کمند، بال سے باریک ہو جا اور کسی کی نظر میں نہ آ۔ پھر اِس میں پروانہ باندھ کر شمع پر مارا۔ وُہ بھُر سے جل گیا۔ امیر حمزہ سمجھے کہ کوئی پروانہ تھا۔ جل گیا۔ عمرو نے اسی طرح ساٹھ ستّر پروانے بنا کر شمع پر مارے اور وُہ سب بھُر بھُر ہو کر جلے۔ آہستہ آہستہ تمام خیمے میں بُو پھیلنے لگی اور پھر امیر حمزہ کتاب پڑھتے پڑھتے یکایک

بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

عمرو خوش خوش نیچے اُترا۔ امیر حمزہ کے ہاتھ پیر باندھ کر پشتارا بنایا اور اُسے زنبیل میں ڈال دیا۔ پھر اپنی شکل حمزہ کی سی بنائی اور اطمینان سے اُن کے پلنگ پر سو گیا۔ صبح کو اُس نے مُقبل کو بُلا کر رات کا سارا حال دُہرایا۔ اُس کے بعد اشقر دیو زاد گھوڑے کو طلب کیا اور اُس پر سوار ہو کر بُرج زہر مار میں چلا آیا۔ جاتے جاتے پُکار کر مُقبل سے کہتا گیا:

"او مُقبل بے وقوف، دیکھ میں عمرو ہوں اور حمزہ کو زنبیل میں ڈال کر لیے جاتا ہوں۔ ہو سکے تو مجھے پکڑ لے۔"

بے چارہ مُقبل ہکّا بکّا رہ گیا۔ عمرو نے اشقر کو ایڑ لگائی اور آناً فاناً نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر اُس نے قلعے میں آن کر امیر حمزہ کو زنبیل سے نکالا اور طوق و زنجیریں جکڑنے کے بعد قید خانے میں بھیج دیا پھر سرہنگ خان کو بُلا کر حکم دیا کہ قلعے کے میدان میں ٹکٹکی باندھ دے اور جلّاد سے کہہ دے کہ کل وہ اپنے کام پر حاضر ہو۔ چند آدمیوں کی گردنیں اُڑانی ہیں۔ اِس حکم کے بعد عمرو نے اپنے بھانجے ابُوالفتح خان کو طلب

کیا اور اُس سے کہا کہ تُو ابھی حمزہ کے لشکر میں جا اور تمام سپاہیوں اور سرداروں سے کہہ دے کہ تُم اب ہماری نوکری کرو اور اگر منظُور نہ ہو تو صاف صاف جواب دو تاکہ تُم سے جنگ کی جائے۔

ابُوالفتح خان روانہ ہُوا۔ امیر حمزہ کے غائب ہو جانے کی خبر لشکر میں پھیل چکی تھی اور سبھی خوف زدہ تھے۔ ابُوالفتح نے عمرو کا پیغام دیا تو سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہم عمرو کی نوکری کرنے کو تیار ہیں۔ جب امیر حمزہ ہی پکڑے گئے تو عمرو کے آگے ہماری کیا حقیقت ہے وُہ سب کے سب تمام سامان لے کر عمرو کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ صرف مُقبل وفادار اور ملکہ اطلس پوش نہ آئے۔ عمرو نے ملکہ کو کہلا بھیجا کہ تُمہارے آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں ہو، وہیں بیٹھ کر مُجھے دُعائیں دیتی رہو۔ تن کو کپڑا اور پیٹ کو روٹی سرکار شاہ جہاں اور شہر یار جہاں سے تُم کو ملتی رہے گی۔

ملکہ اطلس پوش نے یہ پیغام سُنا تو غُصّے سے چہرہ سُرخ ہو گیا۔ کہنے لگی " اُس نمک حرام عمرو سے کہہ دینا کہ خُدا تجھ کو غارت کرے گا۔ اپنا روٹی کپڑا کسی اور کو جا کر دے۔ میں فقیرنی نہیں ہُوں۔ بادشاہ کی بیٹی ہُوں۔ میں

بھی اپنے شوہر کے ساتھ قید خانے میں رہوں گی۔"

چُناں چہ ملکہ اطلس پوش اپنی تمام کنیزوں، خادماؤں اور لونڈیوں کو لے کر قلعہ برُج زہر مار میں چلی آئی اور قید خانے میں رہنے لگی۔

یہاں عمرو نے جلّادوں کو حُکم دے دیا تھا کہ سب سامان تیار رکھیں۔ صُبح سویرے تمام سامان لے کر جلّاد حاضر ہُوئے اور خُونی میدان تیّار ہُوا۔ عمرو نے سُرخ کپڑے پہنے، تاج شاہی سر پر رکھا، تخت پر ننگی تلوار لے کر بیٹھا اور سب قیدیوں کو طلب کیا۔ ایک طرف نوشیرواں اور بختک وغیرہ کو اور دُوسری طرف حمزہ کو تمام پہلوانوں سمیت بٹھایا گیا۔ عمرو حمزہ کی طرف دیکھ کر مُسکرایا اور کہنے لگا:

"او حمزہ، تُو نے دیکھا کہ خُدا نے یہ کیا سامان کر دیا۔ تُجھ کو شاید اس دِن کی خبر نہ تھی۔ اب میری اِطاعت کر ورنہ قتل کر دُوں گا۔"

عمرو کی یہ بات سُن کر امیر حمزہ زور سے ہنسے اور جواب میں کہا:

"یہ بھی خُدا کی قُدرت ہے کہ تجھ غُلام کو میں نے اِس مرتبے پر پہنچایا۔ اگر زندگی ہے اور میں قید سے چھُوٹا تو بند بند تیرا الگ کر دوں گا۔"

عمرو طیش میں آیا اور ایک جلاد کو بلا کر حکم دیا کہ حمزہ کی پیٹھ پر کوڑے مارو۔ جلاد کوڑا لے کر حمزہ کی طرف بڑھا تو عمرو نے اسے آنکھ کے اشارے سے منع کر دیا کہ نہ مارنا۔ مگر زبان سے یہی کہتا رہا کہ مارو، مارتے کیوں نہیں؟ یہ تماشا دیکھ کر لندھور اپنی جگہ سے اٹھا اور کہنے لگا:

"بس بھائی عمرو، زیادہ نالائقی مت دکھاؤ۔ حکومت ہو چکی۔ اب اپنی خطا امیر حمزہ سے معاف کراؤ۔ ورنہ قسم ہے پیدا کرنے والے کی کہ اگر کوڑا ذرا بھی اُن کے بدن سے چھو گیا تو ہم قید توڑ کر تم کو مار ڈالیں گے اور بالکل لحاظ نہ کریں گے۔ اب ہماری آنکھوں میں خون اتر آیا ہے۔"

لندھور کی یہ بات سن کر عمرو کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اٹھ کر اندر چلا گیا اور جلادوں کو اشارہ کیا کہ آب دان کی پیٹھ پر کوڑے برساؤ۔ انھوں نے آب دان کی پیٹھ لہولہان کر دی۔ برابر میں بختک نامراد بیٹھا تھا۔ کئی کوڑے اس کی پیٹھ پر بھی برس گئے اور وہ بیمار اونٹ کی طرح بلبلانے لگا۔ پھر عمرو نے نوشیرواں کی طرف اشارہ کیا اور جلادوں نے ایک دو کوڑے اسے بھی مار دیے۔ تب عمرو کھل کھلا کر ہنسا اور اپنے سپاہیوں سے کہا:

"آج کا تماشا ختم ہُوا - اِن سب قیدیوں کو لے جاؤ اور قید خانے میں بند کر دو۔"

رات ہُوئی تو عَمرو نے خواب دیکھا کہ ایک نُورانی صُورت کے بُزرگ آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے عَمرو، حمزہ کے قدموں پر گِر اور اپنا قصُور معاف کرا لے۔ وُہ تیرا خُداوندِ نعمت ہے۔

اُدھر امیر حمزہ اور تمام پہلوانوں نے بھی یہ خواب دیکھا کہ عَمرو آئے گا اور قدموں میں گرے گا۔ پھر ایک بُزرگ نے خواب ہی میں امیر حمزہ سے کہا "اے حمزہ، عَمرو تیرا بچپن کا ساتھی اور جان نثار ہے۔ اگر اُس نے تیری خاطر ایک کافر کو مارا تو کیا خطا کی؟ جو ہونا تھا، وُہ ہو چُکا۔ اب تُم اُسے معاف کر کے گلے سے لگا لو۔"

صُبح کو امیر حمزہ نے یہ خواب سب سے بیان کیا۔ پہلوانوں نے کہا ہم نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے۔ اگر عَمرو معافی مانگنے کے لیے آئے تو سمجھ لیجیے کہ یہ خواب سچا ہے۔

ابھی یہ ذِکر ہو رہا تھا کہ عَمرو تاجِ شہنشاہی سر پر رکھے آیا اور قید خانے کا دروازہ کُھلوایا۔ پھر وُہ امیر حمزہ کے قریب پہنچا اور قدموں پر گر کر رونے لگا۔

امیر حمزہ خاموش رہے۔ تب شہزادہ قباد شہر یار اُٹھ کر آیا اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگا "ابّا جان، اب آپ عمرو کو سینے سے لگا لیجیے۔"

امیر بھی یہی چاہتے تھے۔ انھوں نے عمرو کو لپٹا لیا۔ عمرو آنسو پونچھ کر کہنے لگا۔ "اے حمزہ، شکر کرو کہ تمھارا یہ مرتبہ خدا نے کیا کہ تمھاری سرکار کا ایک ادنیٰ غلام اتنی طاقت رکھتا ہے۔"

حمزہ ہنس پڑے۔ پھر عمرو نے لوہاروں کو طلب کیا اور حکم دیا کہ سب کی زنجیریں کاٹو۔ مگر اس سے پہلے کہ لوہار آئیں، امیر حمزہ، لندھور، بہرام وغیرہ نے زور لگا کر زنجیریں توڑ ڈالیں اور آزاد ہو گئے۔ یہ دیکھ کر عمرو سنّاٹے میں آ گیا اور دل میں سوچا، خدا نے بڑی خیر کی کہ میں نے حمزہ سے معافی مانگ لی ورنہ یہ لوگ تو آزاد ہونے کی قدرت رکھتے تھے۔

اس کے بعد عمرو سب کو ساتھ لے کر قلعے میں آیا۔ شہزادہ قباد کو تخت پر بٹھایا اور امیر حمزہ کو سونے کی ایک عالی شان کرسی پر۔ تمام پہلوان، اور سردار دائیں بائیں بیٹھے۔ پھر حکم دیا کہ نوشیرواں اور بختک کو حاضر کرو جب وہ سامنے آئے تو امیر حمزہ نے نوشیرواں سے کہا:

"اے بادشاہ، تُو نے دیکھا کہ خُدا نے ذِلّت اور رُسوائی تیری تقدیر میں لکھ دی ہے۔ اب بھی یہ غرور چھوڑ دے اور خُدا پر ایمان لے آ۔ ورنہ تیرا حال بُرا ہو گا۔"

نوشیروان نے گردن جُھکا لی اور کچھ جواب نہ دیا۔ آخر امیر حمزہ نے کہا "جائیے، ہم نے آپ کو آزاد کیا۔"

نوشیرواں اپنے ساتھیوں کو لے کر عراق کی جانب چلا گیا امیر حمزہ اپنے دوستوں سمیت وہاں آئے جہاں اُن کے لشکر کا پڑاؤ تھا۔ خیمے دوبارا لگائے گئے اور جشن منانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔

چند روز بعد آب دان اپنے لشکر سمیت آیا اور سچے دِل سے دینِ ابراہیمی پر ایمان لا کر امیر حمزہ کی اِطاعت کا حلقہ گردن میں ڈالا۔ اُس کے آنے سے سب کو بے حد خوشی ہوئی۔

قوبیل ہندی اور دوبیل ہندی

امیر حمزہ اور عمرو کو تھوڑی دیر کے لیے یہیں چھوڑ کر ہم نوشیرواں کی خبر لیتے ہیں کہ اُس پر کیا گزری۔ امیر حمزہ نے جب اُسے آزاد کیا اور کوئی انتقام نہ لیا تو وہ دل میں بے حد شرمندہ ہُوا اور امیر حمزہ کی عالی ظرفی پر عش عش کرنے لگا۔ اُس نے سوچا کہ مجھے اِن حالوں پہنچانے والا یہ نامراد بختک ہے۔ اگر میں اِس کے مشوروں پر نہ چلتا تو میری یہ گت نہ بنتی اور یُوں مارا مارا نہ پھرتا۔ وُہ ناراض ہو کر بختک سے کہنے لگا:

"مردود، اگر تُو مر جائے تو میری مصیبتوں کا خاتمہ ہو۔ تُو نے مجھے اِس حالت کو پہنچایا۔ میں تو اپنے شہر مدائن میں عہد کر کے جا بیٹھا تھا کہ اب حمزہ کا مقابلہ نہ کروں گا لیکن تُو نے مجھے ورغلایا اور اصفہان میں لایا۔ آخر نوبت یہاں تک آئی کہ مجھے حمزہ کے سامنے گردن جھکانی

پڑھی۔ تُو نے تو مُجھ سے کہا تھا کہ تُو نے نجُوم کی "کتابِ
نمدی" میں دیکھا ہے کہ اِصفہان میں حمزہ کو شکست ہو گی
لیکن وُہ پیش گوئی جھُوٹی نکلی۔"

بختک نے بادشاہ کے بگڑے ہُوئے تیور دیکھے تو روتا
ہُوا اُس کے قدموں پر گِرا اور کہنے لگا "حضُور، میں آپ
کا غُلام اور جان نثار ہُوں۔ میرا دل چیر کر دیکھ لیجیے کہ
اس میں آپ کی محبّت اور خیر خواہی کے سوا کُچھ نہیں۔
کتابِ نمدی میں تو ایسا ہی لکھا تھا مگر آپ کی تقدیر کے
آگے کِسی کا کیا زور ہے۔ دیکھیے آپ کے سارے جاں نثار
ایک ایک کر کے امیر حمزہ کے قدموں میں جا گرے مگر میں
اب تک آپ کے پسینے کی جگہ خُون گرانے کو تیّار ہُوں۔"

بختک کی اِن چکنی چُپڑی باتوں سے نوشیرواں خُوش
ہُوا اور کہنے لگا:

"خیر، اب جو ہُوا سو ہُوا۔ آیندہ میں حمزہ سے کوئی
دُشمنی مول لینے کو آمادہ نہیں ہُوں۔"

یہ سُن کر بختک چند لمحے تک خاموش رہا، پھر ہاتھ
باندھ کر بولا:

"مگر حضُور، میں تو آپ کے دو جاں نثاروں قُوبل ہندی
اور دوبِل ہندی کو لکھ چُکا ہُوں کہ اپنا اپنا لشکر لے کر

آئیں اور حمزہ کا تیا پانچا کریں۔ اب اُنھیں کیا مُنہ دِکھاؤں گا۔"

"میری طرف سے تُم بھی جہنّم میں جاؤ اور وُہ بھی ——" نوشیرواں نے جھلاّ کر کہا "جب میں ایک مرتبہ طے کر چُکا ہُوں کہ حمزہ سے جنگ نہ کروں گا تو فِیل ہندی اور دِیل ہندِی کی مدد کی مُجھے ضرُورت نہیں ہے۔ اب میں مدائن کو جانے کا اِرادہ کر رہا ہُوں۔ اُمیّد ہے کہ حمزہ میرا راستہ نہ روکے گا۔"

بختک نے زیادہ بحث کرنے کی کوشش کی تو نوشیرواں نے میان سے تلوار نکال کر دِکھاتے ہُوئے کہا۔" اگر اب تُو نے لڑائی کا نام لیا تو تیرا سر قلم کر دُوں گا"۔ بختک مکّار ڈر کے مارے چُپ ہو رہا۔

اِس کے بعد نوشیرواں نے عراق سے کُوچ کیا اور مدائن کی طرف روانہ ہُوا۔ ساسانی سپاہیوں کی ایک چھوٹی سی فوج اس کے ساتھ تھی۔ راستے میں بختک نے فوج کے سرداروں سے کہا:

"تُم لوگ اپنی اپنی نوکری کی فِکر کرو۔ بادشاہ طے کر چُکا ہے کہ آیندہ حمزہ سے لڑائی نہ کرے گا۔ اِس لیے فوج رکھنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وُہ مدائن پہنچتے ہی سب

کو نوکری سے الگ کر دے گا۔"

یہ سُن کر فوجیوں کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ ہاتھ جوڑ جوڑ کر بختک سے کہنے لگے:

"آپ ہمارے مائی باپ ہیں۔ کچھ غریب پروری کیجیے اگر بادشاہ نے ہمیں نکال دیا تو ہمارے بال بچّے بھوکے مر جائیں گے۔ کوئی تدبیر ایسی کیجیے کہ بادشاہ دوبارہ حمزہ سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہو جائے۔"

بختک سوچ میں پڑ گیا۔ پھر کہنے لگا "بادشاہ کو اِس فیصلے سے ہٹانا ہے تو مشکل کام مگر تم لوگوں کی خاطر مجھے اپنی جان پر کھیل کر اُس سے کہنا ہی پڑے گا۔ لیکن یاد رکھو۔ بھرے دربار میں تم سب کو میری تائید کرنی ہو گی۔"

فوجیوں نے اِقرار کیا کہ جیسا آپ کہیں گے، ہم وہی کریں گے۔

مدائن کے لوگوں نے بڑی گرم جوشی سے نوشیرواں کا اِستقبال کیا اور جب اُنھوں نے یہ سُنا کہ بادشاہ یہ فیصلہ کر چکا ہے کہ آیندہ امیر حمزہ سے لڑائی نہ کرے گا تو سبھی خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اب امن امان ہو جائے گا۔

ایک دِن نوشیرواں دربار میں بیٹھا لوگوں کے مُقدّمے سُن رہا تھا کہ ایک شخص روتا پیٹتا اور سر پر خاک ڈالتا آیا اور پُکار پُکار کر کہنے لگا کہ نوشیرواں عادِل کی دُہائی ہے۔

بادشاہ نے اُس سے پُوچھا "تُجھ پر کیا آفت آئی جو یُوں شور مچاتا ہے؟ تفصیل سے بیان کر۔ ہم اِنصاف کریں گے۔"

اُس شخص نے روتے ہُوئے کہا "جہاں پناہ، اب چند روز کے اندر اندر مدائن پر ایک آفت نازِل ہونے والی ہے۔ میں امیر حمزہ کے لشکر کا ایک سپاہی ہُوں۔ ایک دِن میں نے سُنا کہ حمزہ اپنے سپاہیوں سے کہہ رہا تھا کہ نوشیرواں مدائن چلا گیا ہے۔ اب مزا یہ ہے کہ مدائن جا کر لُوٹ مار کریں اور بادشاہ کی گردن تن سے جُدا کریں۔ میں یہ سُن کر گھبرایا اور وہاں سے بھاگا تاکہ آپ کو خبر کروں۔"

نوشیرواں یہ سُن کر سناٹے میں آگیا۔ بختک کی طرف دیکھا تو اس نے مکّاری سے آنکھیں گھماتے ہُوئے کہا "میں تو پہلے ہی حضُور کی خِدمت میں عرض کر چُکا ہُوں کہ حمزہ سے کِسی نیکی اور بھلائی کی اُمیّد نہ رکھیے۔ وُہ اور اُس کے دوست آفت کے پرکالے ہیں۔ کبھی آپ کو چَین سے نہ

بیٹھنے دیں گے۔ ساری دُنیا میں آپ بدنام ہو رہے ہیں کہ عرب کے ایک غریب اور پھٹے حال نوجوان نے شہنشاہِ ہفت کِشور نوشیرواں کا ایسا ناک میں دم کیا ہے کہ بے چارہ اپنی جان بچانے کے لیے بھاگتا پھرتا ہے۔ آپ کی سلطنت حمزہ کی وجہ سے خاک میں رل گئی۔ رُعب و دبدبہ ختم ہُوا۔ سب مُلک حمزہ نے چھین لیے۔ اب وُہ آپ کی جان کے دَرپے ہُوا ہے۔"

دراصل بختک نے اُس شخص کو سکھا پڑھا کر دربار میں بھیجا تھا تاکہ نوشیرواں کو بدحواس کیا جائے۔ یہ تدبیر کام یاب رہی اور امیر حمزہ کے آنے کی خبر سُن کر بادشاہ کے اوسان خطا ہو گئے۔ اِس پر بختک کی تقریر نے اُسے اور پریشان کیا۔ وُہ گھبرا کر کہنے لگا :

"اب بتا، میں کیا کروں؟ کِدھر جاؤں؟"

بختک نے کہا "حضُور، گھبرانے کی کیا بات ہے۔ فوج آپ پر قربان ہونے کے لیے تیّار ہے۔ میں پھر قویل ہندی اور دویل ہندی کو خط لکھتا ہُوں۔ یہ دونوں بھائی ایسے طاقت وَر اور شہ زور ہیں کہ دیو بھی اِن کے آگے پانی بھرتے ہیں۔ لندھور اور عادی جیسے پہلوان اِن کے سامنے بچّے ہیں۔ قویل ہندی کا آہنی گُرز ستائیس من کا ہے اور

میں نے کتابِ ہندی میں دیکھا ہے اور سب نجومی بھی یہی کہتے ہیں کہ قوِیل ہندی کے ہاتھوں یہ سب شکست کھائیں گے۔ کیا عجب ہے کہ اِس طرح حمزہ سے نجات مِل جائے۔"

یہ کہہ کر اُسی وقت بختک نے قوِیل ہندی اور دوِیل ہندی کے نام اس مضمون کا خط لکھا کہ نوشیرواں شہنشاہِ ہفت کِشور کو حمزہ نے بہت تنگ کیا ہے۔ بادشاہ ہر مُلک میں پناہ لینے کے لیے بھاگتا پھرتا ہے مگر حمزہ اُسے کہیں دم لینے نہیں دیتا۔ اب بادشاہ نے مدائن میں پناہ لی ہے مگر حمزہ کا ارادہ ہے کہ یہاں آ کر شہر کو تباہ و برباد کرے اور بادشاہ کی گردن اُڑائے۔ جتنی جلد ممکن ہو، تم دونوں بھائی بادشاہ کی مدد کو پہنچو۔

قوِیل ہندی نے یہ خط پڑھا تو اُسی وقت اپنے لشکر کو لے کر مدائن کی جانب روانہ ہُوا۔

اُدھر امیر حمزہ اپنے دوستوں کے ساتھ جنگلوں اور صحراؤں میں شکار کھیلتے پھرتے تھے اور اُنھیں کچھ خبر نہ تھی کہ بختک نامُراد کیا گُل کھلا رہا ہے۔ ایک روز صحرا میں ایک شخص نمودار ہُوا اور امیر حمزہ کو ایک کاغذ دے کر چلا گیا۔ حمزہ نے کاغذ کھول کر دیکھا۔ اُس میں لکھا تھا:

"بزرجمہر کی جانب سے اپنے فرزند حمزہ کو سلام پہنچے۔

میں تمھیں اطلاع دیتا ہوں کہ تمھارے لشکر پہ ایک عظیم آفت آنے والی ہے۔ اگر ایک مہینہ اور اصفہان میں رہو گے تو کوئی زندہ نہ بچے گا۔ نوشیرواں قویل ہندی اور دویل ہندی کو ساتھ لے کر تم سے لڑنے کو آئے گا۔ تم اور تمھارے سب ساتھی بیماری میں مبتلا ہوں گے۔ عمرو کے مشورے سے شمالی کی جانب اصفہان سے بہت دُور جا کر قیام کرو۔ خبردار' اصفہان میں ہرگز نہ رہنا اور جب یہ منحوس دن ختم ہو جائیں۔ تب تمھیں اختیار ہے جہاں جی چاہے رہو۔"

امیر حمزہ نے یہ خط پڑھ کر جیب میں رکھ لیا۔ جب شکار سے واپس آئے تو عمرو کو اپنے پاس بلایا اور بزرجمہر کا نام لیے بغیر کہنے لگے:

"بھائی عمرو، ایک شفیق بزرگ نے ہمیں کچھ نصیحتیں کی ہیں۔" یہ کہہ کر بزرجمہر کا خط سنایا۔ عمرو ایک دم چلّا اُٹھا:

"یا امیر، میں سمجھ گیا کہ یہ خط کس کا ہے۔ خدا کے واسطے جلد یہاں سے نکل چلو۔"

یہ سُن کر حمزہ ہنسے اور کہنے لگے "مگر لوگ کہیں گے کہ حمزہ قویل ہندی اور دویل ہندی کے ڈر سے بھاگ گیا۔ میں تو نہیں جاتا۔"

عمرو نے اُن کی بے حد منّت سماجت کی لیکن امیر حمزہ

ٹس سے مس نہ ہُوئے۔ نیتجہ یہ نکلا کہ چند روز کے اندر اندر لشکر میں بُخار کی وبا پھیل گئی۔ تمام سردار اور پہلوان شدید بُخار میں مُبتلا ہُوئے اور بیماری کا ایسا زور بندھا کہ بے ہوشی طاری ہونے لگی۔

عمؔرو نے ملکہ اطلس پوش سے کہا کہ اب سب کا خاتمہ ہُوا چاہتا ہے۔ میں حمزہ سے کہتا ہُوں کہ یہاں سے چلیے تو ناراض ہوتے ہیں اور منع کرتے ہیں۔ اب آپ ہی بتائیے کیا کروں۔

اطلس پوش نے روتے ہُوئے کہا "بھائی عمرو، امیر حمزہ جو کہتے ہیں، کہنے دو۔ تُم فوراً لشکر کو یہاں سے روانہ کرو تاکہ اِس صحرا کی نحوست دُور ہو"

ملکہ اطلس پوش کی اِجازت پا کر عمرو نے لشکر کو روانہ کیا پھر حمزہ کو بے ہوش کر کے پالکی میں ڈالا اور شمال کی جانب چل دِیا۔

اُدھر نوشیرواں کے پاس قویل ہندی اور دویل ہندی آئے اور سارا حال سُن کر امیر حمزہ کے لشکر کی جانب روانہ ہُوئے جب وُہ اصفہان میں پہنچے تو دیکھا کہ چند لوگ، جن کے گھر قلعے میں تھے، اپنے بال بچّوں سمیت وہاں موجُود ہیں لیکن امیر کے لشکر کا کہیں پتا نہیں۔ اِن لوگوں نے بتایا کہ سُنا ہے کہ حمزہ کا لشکر شمال کی جانب گیا ہے۔

بختک کہنے لگا " میں سمجھ گیا۔ شمال کی طرف قلعۂ قضا و قدر اور شہرِ عدن واقع ہے۔ امیر حمزہ اُسی طرف گئے ہوں گے"
فیل ہندی اور دوبیل ہندی بھی اپنی فوجوں کو لے کر تیزی سے شمال کی جانب روانہ ہُوئے۔ امیر حمزہ کے لشکر میں دو آدمی ایسے تھے جو بُخار سے بچے ہُوئے تھے۔ ایک عمرو عیّار اور دُوسرا شہزادہ قباد شہریار۔ تاہم جُوں جُوں اُن کا لشکر اصفہان کی سرزمین سے دُور ہوتا گیا، اُسی قدر بُخار کی شدّت کم ہوتی چلی گئی اور سپاہی آہستہ آہستہ تندرُست ہونے لگے۔ لیکن امیر حمزہ، مالک اژدر اور لندھور کی حالت میں ابھی تک کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وُہ چار چار پہر بے ہوش پڑے رہتے۔ عمرو نے سب سے کہہ دیا ہے کہ خبردار، کوئی شخص امیر حمزہ سے یہ بات نہ کہے کہ لشکر نے اصفہان سے کُوچ کر دیا ہے۔

بائیس روز کے مُسلسل سفر کے بعد یہ لشکر ایک عظیم اور لق و دق صحرا میں پہنچا۔ یہاں پتھّر کا بنا ہُوا ایک قلعہ آسمان سے کھڑا باتیں کرتا تھا۔ اس کا دروازہ کُھلا تھا۔ عمرو قلعے میں آیا۔ سینکڑوں عُمدہ اور عالی شان کمرے دیکھے۔ مگر سب کے سب خالی۔ وُہ حیران پریشان قلعے میں گھُومنے لگا مگر کہیں آدمی نہ آدم زاد۔ دِل میں سوچنے لگا، یا الٰہی،

اِن مکانوں کے مکینوں پر کیا آفت آئی؟ کہاں غائب ہو گئے؟

اچانک ایک جانب سے پھنکار کی آواز سُنائی دی۔ عمرو نے پلٹ کر دیکھا تو مارے خوف کے رگوں میں خُون جم گیا۔ ایک بہت بڑا سیاہ اژدہا سر اُٹھائے، پھن پھیلائے جھُوم رہا تھا۔ اس کی سبز آنکھوں سے روشنی کی شعاعیں پھُوٹ رہی تھیں اور لال لال زبان باہر نکل کر لہراتی تھی۔ عمرو وہاں سے بھاگا۔ اب جدھر جاتا ہے، اُدھر ہزاروں لاکھوں سانپ اور بچھّو نظر آتے ہیں، بڑی مُشکل سے بچتا بچاتا قلعے سے باہر آیا اور کہنے لگا۔ اب پتا چلا کہ اِنھی مُوذیوں کی وجہ سے قلعے کے لوگ بھاگ گئے ہیں۔ اُس نے قلعے سے کئی کوس دُور لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حُکم دیا۔

کئی روز بعد نوشیرواں بھی اپنی فوجیں لے کر آیا اور یہاں آن کر سُنا کہ امیر حمزہ اور اُن کے پہلوان بخار سے بے ہوش ہیں۔ قویل ہندی کہنے لگا کہ اب لڑائی کا کیا لطف ہے۔ حمزہ تو بیمار ہیں۔ بختک نے خوشی سے بغلیں بجا کر کہا:

"یہ تو بہت اچھّی بات ہے۔ فوراً طبلِ جنگ بجواؤ اور سب کا کام تمام کر دو۔ دُشمن کو کبھی چھوڑنا نہ چاہیے۔ جس

حال میں پاؤ، جان سے مار دو۔"

نوشیرواں نے کہا "ہاں ہاں، یہی مناسب ہے۔ بختک ٹھیک کہتا ہے۔" قویل ہندی حملہ کرنے کے لیے راضی نہ ہوا لیکن دویل ہندی کہنے لگا "ہمیں نوشیرواں کا حکم بجا لانا چاہیے۔"

یہ کہہ کر اُس نے طبلِ جنگ بجوایا۔ اُس کی آواز امیر حمزہ کے کانوں میں پہنچی تو آنکھیں کھول دیں۔ عمرو سے پوچھا کہ یہ آواز کیسی ہے؟ تب اُس نے ساری کیفیت سُنائی اور بتایا کہ ہم لشکر کو لے کر اصفہان سے چلے آئے ہیں اور اب نوشیرواں، قویل اور دویل ہندی کو ساتھ لے کر حملہ کرنے آیا ہے۔ یہ اُن کے طبلِ جنگ کی آواز ہے۔

امیر حمزہ یہ سُن کر کہنے لگے "اے عمرو، تُو نے ہمیں بدنام کیا جو اصفہان سے لے کر چلا آیا۔ لوگ کہیں گے کہ حمزہ دشمن کے ڈر سے بھاگ نکلا۔ خیر، اب تُو ہمیں اٹھا کر بٹھا لشکر کو لڑائی کی تیاری کا حکم دے اور ہمیں ایسی جگہ لے جا جہاں سے لڑائی کا میدان ہماری نظروں کے سامنے رہے۔

اتنے میں لندھور، بہرام، مالک اژدر، مندیل اصفہانی، صدف نوش اور استفتا نوش وغیرہ سب کو خبر ہوئی اور وہ امیر کے پاس آئے۔ ان سب کا بیماری سے بُرا حال تھا۔

ہتھیار تک نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ مگر سب نے حمزہ کی حفاظت کے لیے تلواریں اپنے سامنے رکھ لیں اور قسم کھائی کہ جب تک جان میں جان ہے، حمزہ کا بال بھی بیکا نہ ہونے دیں گے۔

شہزادہ قباد شہریار نے اپنے لشکر کو آراستہ کیا اور میدانِ جنگ میں آیا۔ اُدھر سے نوشیرواں کی فوج بھی پرے باندھ کر نمودار ہوئی۔ امیر حمزہ نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور کہا:
"یا الٰہی، تُو ہی فتح دینے والا ہے۔ تُو ہی مشکل آسان کرے گا۔"

ابھی نقیب میدان میں آکر دونوں لشکروں کے بہادروں کو مقابلے کی دعوت دے ہی رہے تھے کہ مغرب کی جانب سے گرد کا ایک عظیم بادل اُٹھتا دِکھائی دیا۔ اِس بادل نے سُورج کا چمکتا چہرہ بھی سیاہ کر دیا۔ معلُوم ہُوا کہ ایک عظیم لشکر آتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد گرد کا پردہ چاک ہُوا اور دیکھا کہ آگے آگے تین نقاب دار گھوڑے اُڑاتے ہُوئے چلے آتے ہیں اور اُن کے پیچھے کئی لاکھ سپاہی ہیں۔ اِن میں سے نقاب دار نارنجی پوش آگے، نقاب دار یاقوت پوش اُس کے پیچھے اور نقاب دار سفید پوش سب سے پیچھے ہے۔
اِس لشکر کے آنے سے عجیب غُل مچا اور کسی نے نہ جانا

کہ یہ لشکر کہاں سے آیا ہے اور تینوں نقاب دار کون ہیں اور کِس کی مدد کو آئے ہیں۔ میدان کے ایک جانب اِس لشکر نے بھی صفیں باندھ لیں۔ تب نقاب دار یاقُوت پوش نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور میدان کے بیچ میں آ کر للکارا :

"میں نوشیرواں کو مُقابلے کی دعوت دیتا ہُوں۔ اگر اُس میں ہمّت ہے تو سامنے آئے۔"

اِس للکار کو سُن کر امیر حمزہ کی فوج نے مسّرت سے نعرے لگائے اور نوشیرواں کی فوج بدحواس ہو گئی۔ نوشیرواں نے گھبرا کر دائیں بائیں دیکھا۔ تب دوِیل ہندی اپنا آہنی گُرز گھُماتا ہُوا ایک سیاہ ہاتھی پر سوار میدان میں آیا اور یاقُوت پوش سے کہنے لگا :

"او بُزدِل، تیری کیا مجال جو نوشیرواں سے مُقابلے کی جُراَت کرے۔ ابھی نوشیرواں کے غُلام زِندہ ہیں۔ پہلے ان سے تو دو دو ہاتھ کر لے۔ لے سنبھل، میں آن پہنچا۔"

یاقُوت پوش نے قہقہہ لگا کر کہا "بہتر ہے۔ پہلے اپنا نام پتا تو بتا دے تاکہ بے نِشان نہ مارا جائے۔"

یہ سُن کر دوِیل ہندی کو تاؤ آیا۔ گُرز ہوا میں اُچھال کر بولا "چہرے سے نقاب اُٹھا کر بات کر۔ مُنہ کیوں چھُپاتا ہے؟ دیکھتا نہیں کہ میرے خوف سے حمزہ اور اُس

کے تمام پہلوان میدان میں آنے کا حوصلہ نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن تیری قضا تجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔"

نقاب دار یاقوت پوش نے للکار کر کہا "او بے وقوف، کیا جھک مارتا ہے۔ بس، منہ سنبھال۔ نہیں تو ابھی گُدّی سے زبان کھینچ لوں گا۔"

اب تو دویل ہندی کے تلوؤں میں آگ لگی اور چوٹی تک گئی۔ گرز گھما کر یاقوت پوش کو مارا۔ اُس نے وار بچایا مگر دویل کا فولادی گرز یاقوت پوش کے گھوڑے کی گردن پر لگا اور اُسی وقت گھوڑے کا کام تمام ہُوا۔ نوشیرواں کے لشکر نے خوش ہو کر نعرہ مارا۔ یاقوت پوش زمین سے اُٹھا اور ایک نیزہ اس زور سے دویل کے ہاتھی پر مارا کہ اُس کی سُونڈ کٹ کر گری اور ہاتھی چنگھاڑتا ہُوا بھاگا۔ یاقوت پوش اُس کے پیچھے لپکا اور تلوار کا ایک اور وار کیا۔ اِس مرتبہ ہاتھی نے اپنے سوار کو نیچے پھینکا اور دُشمن کی صفوں کو روندتا ہُوا نہ جانے کِدھر نکل گیا۔

دویل ہندی ہاتھی کی پیٹھ پر سے گرا تو اُس سے اُٹھا نہ گیا۔ اِتنے میں یاقوت پوش اُس کے سر پہ پہنچ گیا اور گرج کر کہا:

"جلد اُٹھ اور مُقابلہ کر ورنہ تلوار تیرے سینے میں بھونک

دُوں گا۔"

دِویل ہندی کی آنکھوں کے سامنے چنگاریاں سی اُڑنے لگیں۔ بڑی مُشکل سے اُٹھا اور یاقُوت پوش سے کُشتی لڑنے لگا یاقُوت پوش نے اپنی تلوار پھینک دی اور زور آزمائی شروع کی۔ یکایک اُس نے ایک زبردست نعرہ لگا کر دِویل ہندی کو کمر سے پکڑ کر اُٹھایا اور ایک چکّر دے کر زمین پر دے مارا۔ اُس کی ہڈّیاں ٹُوٹنے اور چٹخنے کی آواز سب نے سُنی۔ پھر دِویل ہندی کے مُنہ اور ناک کان سے خُون کے فوّارے چھُوٹنے لگے اور وُہ وہیں مر گیا۔

امیر حمزہ اور اُن کے ساتھیوں نے یاقُوت پوش کی ہمّت اور قوّت پر آفرین کہی۔

ابھی یاقُوت پوش اپنا سانس دُرست کرنے نہ پایا تھا کہ قوِیل ہندی اپنے بھائی کا بدلہ لینے کے لیے طُوفان کی طرح میدان میں آیا اور بڑھ کر تلوار ماری۔ ایک بار پھر یاقُوت پوش کا گھوڑا کام آیا اور وُہ پیدل ہو گیا۔ قوِیل ہندی بھی اپنے گھوڑے سے کُود کر پیدل ہو گیا اور دونوں میں اِس زور کی تلوار چلی کہ دوست دُشمن سب الاَمان الاَمان پُکار اُٹھے۔

اچانک یاقُوت پوش نے ایک زبردست نعرہ لگا کر ایسا

حملہ کیا کہ قویل ہندی کے اوسان خطا ہوئے اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے گرا۔ اُسی لمحے یاقوت پوش کی تلوار نے قویل کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیے۔ قویل ہندی کے مرتے سے امیر حمزہ کی فوج میں غل مچا اور مرحبا اور آفرین کے شور سے زمین اور آسمان کانپ گئے۔

یہ دیکھ کر بختک نامراد نے اپنی فوج کو حملہ کرنے کا اشارہ کیا اور نوشیرواں کے سپاہی تلواریں کھینچ کھینچ کر میدان میں آ گئے۔ تینوں نقاب پوش بھی بڑے جوش و خروش سے لڑنے لگے۔ اُدھر خدا نے امیر حمزہ اور اُن کے ساتھیوں کو صحّت عطا کر دی اور وہ بھی اپنے اپنے ہتھیار سنبھال کر آ گئے۔ دیکھتے دیکھتے لاشوں کے انبار چاروں طرف نظر آنے لگے اور خون کی ندّیاں بہہ نکلیں۔

نوشیرواں اور قویل ہندی دویل ہندی کے لشکروں میں زیادہ دیر مقابلہ کرنے کی تاب نہ تھی۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ اپنے آدمی گاجر مولی کی طرح کٹے جاتے ہیں تو نوشیرواں نے غصّے سے کانپتی ہوئی آواز میں بختک سے کہا:

"کیوں او بدذات، یہ کیا ہوا؟"

بختک مسکرا کر کہنے لگا "حضور آپ خواہ مخواہ پریشان ہوتے ہیں۔ آپ کے جسم پہ تو خراش تک نہ آئی۔ جن کی

جانیں گئیں، وہ تو معمولی سپاہی تھے۔ اب جو ارادہ آپ کا ہے اُسے پورا کیجیے۔ یعنی بھاگ چلیے اور مدائن کا راستہ لیجیے۔ یہ بھی ایک تماشا تھا، سو دیکھ لیا۔"

نوشیرواں بدحواس ہو کر بھاگا اور اُس کی بچی کھچی فوج بھی ہتھیار پھینک کر فرار ہوئی۔ تینوں نقاب پوش اُن کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ امیر حمزہ نے مُقبل وفادار اور عمرو عیّار کو بھیجا کہ جا کر اِن نقاب پوشوں کو اپنے ساتھ لے آؤ۔

عمرو نے قریب پہنچ کر ان کو روکا اور کہا کہ امیر حمزہ کا حُکم ہے آگے نہ جاؤ۔ یہ سُن کر تینوں نقاب دار رُک گئے۔ عمرو نے کہا:

"ماشاء اللہ، آپ نے ایسی شُجاعت اور جاں نثاری کی کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ آئیے، امیر حمزہ آپ کو بُلاتے ہیں۔"

نقاب داروں نے ایک دُوسرے کی طرف عجیب سے اشارے کیے۔ پھر اُن میں سے ایک نے کہا "امیر حمزہ کی خدمت میں ہماری جانب سے سلام عرض کر کے کہنا کہ ہم آپ کے غُلام ہیں۔ پھر کسی وقت حاضر ہوں گے۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ مُقبل وفادار بھی قریب پہنچ گیا اور سلام کر کے کہا "امیر حمزہ فرماتے ہیں کہ تُم

لوگوں کو ہمارے سر کی قسم ہے ضرور آؤ۔ اگر نہ آؤ گے تو ہم خود تمہارے پاس آئیں گے۔"

نقاب دار کہنے لگے "وہ کیوں تکلیف کریں۔ ہم خود حاضر ہوتے ہیں۔"

تینوں نقاب دار امیر حمزہ کے پاس آئے اور گھوڑوں سے اُتر کر باری باری اِن کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ حمزہ نے اُنھیں گلے سے لگایا اور عزّت سے بٹھانے کے بعد کہنے لگے:

"مجھے اِن نقاب داروں سے محبّت کی بُو آتی ہے اور دِل کو عجیب سی خوشی حاصل ہوتی ہے۔" نقاب دار یہ بات سُن کر خوش ہُوئے۔ پھر امیر حمزہ نے کہا "اے دوستو، تُم نے مجھ پر اِس قدر اِحسان کیا ہے کہ میں بدلہ نہیں دے سکتا۔ اب ایک اِحسان اور کرو اور وہ یہ کہ نقاب اُٹھا کر اپنی اپنی شکلیں دکھاؤ تاکہ میں اور زیادہ خوش ہوں۔"

یہ سُن کر نقاب دار یاقوت پوش رونے لگا۔ امیر حمزہ حیران ہُوئے اور اپنے ہاتھ سے اُس کا نقاب اُٹھایا تو یہ دیکھ کر حیران ہُوئے کہ وہ عَلَم شاہ ہے۔ دِل میں کہا اللہ اکبر، یہ زور اور یہ قُوّت۔ پھر سفید پوش کا نقاب اُٹھایا تو وہ لہراسپ نکلا۔ اُس نے کہا "اے امیر، یہ تیسرا نقاب دار

آپ کا پوتا ہے۔" حمزہ نے اُس کا نقاب اُٹھایا تو دیکھا کہ شہزادہ سُلطان سعد ہے۔

امیر حمزہ نے دوبارہ سب کو گلے سے لگایا اور خُوب رودیے۔ پھر حُکم دیا کہ اِن نقاب داروں کے آنے کی خُوشی میں جشن منایا جائے۔ طرح طرح کے کھانے پکیں اور آتش بازی چھوڑی جائے۔

چند روز بعد سب سرداروں نے مِل کر عَلَم شاہ کی دعوت کی اور طے پایا کہ لندھور کے خیمے میں یہ دعوت ہو۔ امیر حمزہ اور شہزادہ قباد شہریار کے سوا سبھی سردار اور پہلوان دعوت میں شریک تھے۔ عمرو عیّار نے شربت میں ایسی دوا ملائی کہ سب بہک گئے اور اوّل فُول بکنے لگے۔ عَلَم شاہ نے قہقہہ لگا کر کہا:

"اب حمزہ کو چاہیے کہ مکّے چلے جائیں اور اپنی جگہ مُجھے دے دیں۔ میں رُستم ہُوں اور جتنی طاقت میرے جسم میں ہے، رُوئے زمین پر کِسی میں نہیں ہے۔ کہو تو اپنے کندھوں پر ہاتھی کو اُٹھا لُوں۔"

یہ بات سُن کر لندھور کو جوش آیا، سینے پر ہاتھ مار کر بولا "اے عَلَم شاہ، زیادہ بک بک نہ کر۔ تُو نے طاقت دیکھی بھی ہے یا یُونہی باتیں بناتا ہے؟ بھلا مُجھ سے زیادہ

زور آور حمزہ کے لشکر میں اور کون ہے۔ میں نے بھی حمزہ سے کبھی شکست نہیں کھائی ہے۔ اُن کی جگہ لینے کا حق مجھے پہنچتا ہے۔"

غرض دونوں میں خوب تکرار ہوئی۔ منذیل اور مہلیل نے اُنھیں سمجھانے کی کوشش کی کہ ایسی باتیں کرنا زیب نہیں دیتا۔ اگر امیر حمزہ کو پتا چل گیا تو خواہ مخواہ دل میں رنج کریں گے اور طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا ہوں گی مگر لندھور اور عَلَم شاہ نے اُن کی ایک نہ سُنی۔

دُوسرے روز مُقبل وفادار نے ساری باتیں امیر حمزہ کو بتائیں۔ اُنھوں نے خاموشی اختیار کی اور کچھ نہ کہا۔ یہاں تک کہ اپنے راز دار دوست عمرو سے بھی ذکر نہ کیا کہ مجھے یہ باتیں ناگوار گزری ہیں۔

تین چار دن بعد صلاح ٹھہری کہ دریائے عدن پر چل کر غسلِ صحّت کا جشن منایا جائے۔ سب تیّار ہوئے اور دریا پر پہنچ گئے۔ پہلوان عادی نے لنگر لنگوٹ کسا اور دریا میں اُتر گیا۔ امیر حمزہ بھی عادی کے قریب ہی نہا رہے تھے۔ یکایک ایک بہت بڑی موج دریا میں اُٹھی اور اِن دونوں کو اپنے ساتھ بہا کر لے گئی۔

تھوڑی دیر بعد دریا میں طوفان کچھ تھما تو سرداروں اور

پہلوانوں کو معلوم ہُوا کہ امیر حمزہ اور عادی پہلوان غائب ہیں سب کو تشویش ہُوئی۔ دریا میں دُور دُور تک تلاش کیا مگر کچھ پتا نہ چلا کہ یہ دونوں کہاں نکل گئے۔

اُدھر امیر حمزہ بہتے بہتے کنارے پر پہنچے اور خشکی پر آئے۔ حیران پریشان وہاں کھڑے سوچ رہے تھے کہ یہ کون سی جگہ ہے کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار آتا دکھائی دیا۔ امیر حمزہ نے اُسے آواز دی اور کہا "اے سوار، اِدھر آ۔ مجھے کچھ پُوچھنا ہے۔" اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔ شاید یہ خیال کیا کہ کوئی ماہی گیر یا ملّاح ہے۔ گھوڑا دوڑاتا ہُوا قریب سے گزر گیا۔ تب امیر حمزہ نے پُکار کر کہا:

"اے شخص، تجھے قسم ہے۔ ایک بات میری سُن لے۔"

اُس نے ناراض ہو کر کہا "کہہ، کیا کہتا ہے؟"

یہ کہہ کر وُہ قریب آیا۔ امیر کو غُصّہ آیا، کہنے لگے:

"تو بہت بد اخلاق ہے۔ بات کرنے کی تمیز نہیں۔"

یہ سُن کر وُہ شخص ایک دم بھڑک اُٹھا۔ کمر سے تلوار کھینچی اور حمزہ پر حملہ کیا۔ اُنھوں نے وار بچا کر تلوار کے قبضے پر ہاتھ ڈالا اور تلوار چھین لی۔ پھر وہی تلوار تول کر ایک ہاتھ ایسا مارا کہ وُہ شخص زخمی ہو کر گرا۔ یہ دیکھ کر حمزہ کو اُس کے حال پر افسوس آیا اور پچھتانے لگے کہ خدا

خیر کرے، ناحق یہ قتل ہُوا۔ مگر ابھی اُس میں کچھ جان باقی تھی۔ وُہ کہنے لگا:

"میں شرمندہ ہُوا کہ ناحق تجھ سے جھگڑا کیا۔ اب پُوچھ کیا پُوچھنا چاہتا ہے؟"

امیر حمزہ اُس کے سرہانے بیٹھ گئے اور کہنے لگے "میں تو تجھ سے صرف اِتنا معلُوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ جگہ کون سی ہے اور تُو کون ہے؟ مگر تُو نے ایسا جواب دِیا کہ مُجھے غُصّہ آیا اور میرا ہاتھ تجھ پر اُٹھ گیا۔ اللہ تجھ پہ رحم کرے۔"

یہ سُن کر وُہ شخص رونے لگا اور کہا "دریا کے اِس کنارے پر دس کوس دُور شہر عدن ہے اور ایک سوداگر خواجہ خُورشید وہاں رہتا ہے۔ میں اُس کا غُلام ہُوں۔"

اِتنی بات کر کے وُہ مر گیا۔ امیر حمزہ نے اُس کے کپڑے اور سب ہتھیار لے لیے اور خُود پہن لیے۔ پھر اُسے ریت میں گڑھا کھود کر دفنایا اور اُس کے گھوڑے پر سوار ہو کر شہر عدن میں آئے۔ لوگوں سے پُوچھا کہ یہاں اچھی سرائے کون سی ہے؟ سب نے اُنھیں تعجّب سے دیکھا اور کہنے لگے کہ یہ کپڑے، ہتھیار اور گھوڑا خواجہ خُورشید کے غُلام کا ہے۔ اِس شخص نے کہاں سے یہ چیزیں لیں؟ اُنھوں نے خواجہ خُورشید کو یہ خبر پہنچائی۔ وُہ اُسی وقت آیا اور امیر

حمزہ سے کہنے لگا :

"اے اجنبی، سچ سچ بتا تُو کون ہے اور تُو نے میرے غلام کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ معلوم ہوتا ہے تُو قزّاق ہے اور میرے غلام کو مار کر تُو نے یہ چیزیں ہتھیا لی ہیں۔"

تب امیر حمزہ نے اُسے سارا واقعہ سُنایا۔ اُس نے غور سے اُن کی شکل دیکھی اور پہچان لیا کہ واقعی یہ امیر حمزہ ہیں۔ خواجہ خُورشید سوداگر تھے ایک مرتبہ مُلک اِصفہان میں کُچھ سامان اِن کے ہاتھ بیچا تھا۔ اس نے امیر حمزہ کی بے حد تعظیم کی اور کہنے لگا :

"میں نے آپ کو پہچان لیا۔ بے شک آپ امیر حمزہ ہیں اور شہنشاہ نوشیرواں کے داماد ہیں۔ اب آپ میرے گھر تشریف لے چلیے اور میری عزّت بڑھائیے۔"

امیر حمزہ خواجہ خُورشید کے ساتھ اُس کے عالی شان مکان میں پہنچے۔ اُس نے کھانا لا کر سامنے رکھا۔ جب کھانے سے فارغ ہُوئے تو پُوچھا "اے خُورشید، اِس شہر کا بادشاہ کون ہے؟"

"جناب، قارن عدنی یہاں کا بادشاہ ہے۔" خُورشید نے جواب دیا۔ "مجھے اچھّی طرح جانتا ہے۔ میں اکثر اُس کی خدمت میں جایا کرتا ہُوں۔"

"خُوب، خُوب ۔ ہماری بھی مُلاقات بادشاہ سے کرا دو۔" امیر حمزہ نے کہا۔

"بہُت بہتر۔" خواجہ خُورشید نے ہاتھ باندھ کر کہا "مجھے یقین ہے کہ بادشاہ آپ سے مِل کر بے حد خُوش ہو گا۔"

"اچھّا میاں سوداگر، ایک بات غور سے سُنو۔" امیر حمزہ نے کہا: "ہم چند روز کے لیے دیوانے بن جاتے ہیں۔ تُم اپنے مکان سے ایک سُرنگ شہر پناہ تک کھُدواؤ۔ ہم اِس سُرنگ میں جا کر رہیں گے۔"

خواجہ خُورشید اِس عجیب فرمائش پر حیران رہ گیا۔ لیکن اُسے کُچھ اور پُوچھنے کی جُرأت نہ ہُوئی۔ ادب سے بولا:

"حضُور کے اِس حُکم کی بھی تعمیل کی جائے گی۔ آج ہی سے چند مزدُوروں کو کام پر لگا دیتا ہُوں۔ چند روز کے اندر اندر سُرنگ کھُد جائے گی۔"

"اے سوداگر، رُوپے پیسے کی فکر نہ کرنا۔ جِتنا خرچ ہو گا، ہم ایک ایک کوڑی ادا کریں گے۔"

قصّہ مُختصر خواجہ خُورشید نے اپنے مکان کے اندر سے شہر پناہ کے دروازے تک سُرنگ تیّار کرا دی اور امیر حمزہ دو گھڑی رات رہے، اُس سُرنگ میں آن کر بیٹھے اور یہ عجیب نعرہ لگایا:

"بلا لُوم ..... بلا لُوم ... بلا لُوم ... بلا لُوم ....."

اِس نعرے کی آواز سات کوس تک گئی اور سارا شہر ہِل گیا۔ لوگوں میں ہل چل مچ گئی اور اُنھوں نے خیال کیا کہ شاید زلزلہ آیا ہے۔ کہتے ہیں تین رات مُسلسل امیر حمزہ نے یہ نعرہ لگایا۔ آخر قارن عدنی کو خبر ملی۔ وُہ شہر پناہ کے دروازے پر آیا۔ دیکھا کہ اُس کے نیچے ایک سُرنگ کُھدی ہُوئی ہے اور اِس سُرنگ میں ایک دِیوانہ بیٹھا بلا لُوم بلا لُوم کا نعرہ لگاتا ہے۔ خواجہ خُورشید سوداگر بھی اِس دِیوانے کے پاس ہی بیٹھا ہے۔ بادشاہ نے سوداگر سے پُوچھا:

"یہ دِیوانہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟"

تب امیر حمزہ نے ایک کاغذ پہ کچُھ لِکھ کر خواجہ خُورشید کو دیا اور اِشارے سے کہا کہ یہ کاغذ بادشاہ کو دے دو۔ بادشاہ نے اِس کاغذ کو دیکھا۔ لکھا تھا:

"اے قارن عدنی، ہمارا نام دِیوانہ کرگنگ ہے۔ ہمیں پتا چلا ہے کہ نوشیرواں آج کل بہُت پریشان اور خوف زدہ ہے۔ کوئی عرب امیر حمزہ نامی ہے۔ اُس نے نوشیرواں کے کئی مُلک چھین لِیے ہیں۔ اب ہم اِس لِیے یہاں آئے ہیں کہ امیر حمزہ سے یہ مُلک چھین کر واپس نوشیرواں کو

دیں۔ اِس لیے تجھے لازم ہے کہ نوشیرواں کو عدن میں آنے کی دعوت دے۔"

قارن عدنی یہ رُقعہ پڑھ کر بے حد خوش ہُوا اور دیوانے کی خُوب تعظیم کی۔ پھر واپس اپنے محل میں جا کر ایک چِٹھی نوشیرواں کے نام لکھ کر قاصد کے ذریعے روانہ کی۔ قاصد نے وُہ چِٹھّی بختک وزیر کو دی۔ وُہ اُسے پڑھ کر حیران ہُوا اور آخر اُس نے نوشیرواں کو سفر پہ آمادہ کر لیا۔ چند روز بعد نوشیرواں عدن میں داخل ہُوا۔ قارن سے مُلاقات ہُوئی۔ اُس نے سارا حال بیان کیا۔ پھر نوشیرواں کو اپنے ساتھ سُرنگ پہ لایا اور دیوانہ کرکنگ کو دِکھایا۔ دیوانے نے نوشیرواں کو دیکھتے ہی اِس زور سے بلا لُوم بلا لُوم کا نعرہ مارا کہ زمین تھرّا گئی اور ڈر کے مارے بختک اور نوشیرواں کا خُون جم گیا۔ وُہ دونوں قارن سے کہنے لگے:
" جلد یہاں سے چلو ورنہ ہمارے دِل کی حرکت بند ہو جائے گی۔"

یہ سُن کر دیوانے نے اپنی سُرخ سُرخ آنکھوں سے نوشیرواں کو گھُورا اور کہا " اے بادشاہ، ہم تیری مدد کو آئے ہیں۔ اب فِکر نہ کر۔ بُلا حمزہ کو اور تماشا دیکھ" یہ سُن کر بختک خُوشی سے بغلیں بجانے لگا۔ اُس

نے فوراً ایک خط امیر حمزہ کے نام لکھا اور قاصد کے ہاتھ روانہ کیا۔ ظاہر ہے امیر حمزہ اپنے لشکر میں نہ تھے۔ اُن کی جگہ عَلَم شاہ بیٹھا تھا۔ شہزادہ قباد شہریار نے یہ خط پڑھ کر عَلَم شاہ کو دیا۔ عَلَم شاہ نے اُسی وقت لشکر کو کُوچ کرنے کا حُکم دیا۔ غرض یہ بھی عدن میں پہنچے۔ قارن کو خبر ہُوئی۔ اُس نے عَلَم شاہ کو پیغام بھیجا کہ تمہیں کس نے بُلایا تھا کہ یہاں آ گئے؟ ہم تو حمزہ کو بُلاتے ہیں۔ اُسے بھیجو۔ عَلَم شاہ نے جواب میں لکھ بھیجا کہ حمزہ دریا میں ڈُوب گئے۔ اب میں نے اُن کی گدّی سنبھالی ہے۔ جُرأت ہے تو میرے سامنے آؤ۔

بختک نے جب امیر حمزہ کے دریا میں ڈُوبنے کی خبر سنی تو اُسے یقین نہ آیا۔ دِل میں کہنے لگا، ضرور کوئی چال ہے۔ ورنہ حمزہ ایسا شخص نہیں جو دریا میں ڈُوب جائے۔ اچھّا خیر، دیکھا جائے گا۔ اُس نے یہ تمام باتیں دیوانہ کرکنگ کو جا کر بتائیں۔ دِیوانے نے حُکم دِیا کہ طبلِ جنگ بجواؤ۔ ہم عَلَم شاہ کا کَس بَل دیکھیں گے۔

بختک نے طبلِ جنگ بجوایا اور دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے۔ قارن نے اپنے ایک پہلوان طُوفان عدنی کو اِشارہ کیا کہ میدان میں نکلے اور مُقابلے کے لیے للکارے

طوفان عدنی گرجتا برستا میدان میں آیا اور للکار کر کہا :
"جسے موت کی آرزو ہے - میرے سامنے آئے - دم کے
دم میں دوسری دنیا کو پہنچا دوں گا -
ابھی یہ للکار مشکل سے ختم ہوئی تھی کہ صحرا کی جانب
سے گرد اڑی اور اس میں سے دیوانہ کرکنگ نمودار ہوا
اس نے آتے ہی طوفان عدنی کے ایک گھونسا ایسا مارا کہ
اس نے زمین پر ستر قلابازیاں کھائیں اور ڈھیر ہو گیا -
قارن عدنی نے غل مچایا کہ یہ دیوانہ عجیب بے ہودہ آدمی
ہے - میرے ہی پہلوان کو ہلاک کر دیا - تب دیوانے
نے قارن سے کہا :
"کیا اس پہلوان کو معلوم نہ تھا کہ ہم میدان میں آنے
والے ہیں - پھر یہ ہماری اجازت کے بغیر کیوں نکلا ؟ اس
کی سزا یہی تھی ۔"
یہ سن کر قارن عدنی ڈر کے مارے خاموش ہو رہا -
اتنے میں دیوانہ علم شاہ کی فوج کے سامنے آیا اور پوری
قوت سے چلایا :
" بلا لوم ... بلا لوم ... بلا لوم ..."
یہ نعرہ اس غضب کا تھا کہ علم شاہ کا کلیجا بھی بیٹھ گیا -
اس نے سلطان سر برہنہ کو اشارہ کیا کہ میدان میں نکل

اور دیوانے کا مقابلہ کر۔ سر برہنہ شمشیر لے کر میدان میں آیا اور دیوانے کے رُو برُو پہنچ کر بولا:

"تُو صِرف نعرے لگانا جانتا ہے یا کچھ بہادری بھی دکھلائے گا؟"

دیوانہ یہ سُن کر طیش میں آیا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک بھاری لکڑی تھی وہی ماری۔ سر برہنہ نے اپنا سر بچایا۔ لکڑی اُس کے گھوڑے کی گردن پر لگی۔ گھوڑا اُلٹ کر گرا اور مر گیا۔ سر برہنہ دھڑام سے گھوڑے کے ساتھ ہی گرا۔ دیوانے نے لپک کر اُس کے ہاتھ پیر باندھے اور قارن کے سپاہیوں کے حوالے کیا۔

تھوڑی دیر بعد طیش دیوانہ میدان میں آیا۔ دیوانہ کرکنگ نے اُس کا بھی یہی حشر کیا۔ پھر طوفان بن بہمن نکلا۔ اُسے بھی باندھا۔ اِسی طرح شام ہونے تک کرکنگ نے عَلَم شاہ کے سات پہلوانوں کو شکست دے کر باندھا اور قارن کے لشکر میں بھیجا۔ جُونہی سُورج غرُوب ہُوا بختک نے واپسی کا طبل بجوایا۔ دیوانہ کرکنگ اپنی تُرنگ اور نوشیرواں قارن کے ساتھ محل میں واپس آیا۔ بختک نامُراد نے موقع پا کر تنہائی میں نوشیرواں سے کہا:

"حضُور، آپ نے کچھ دیکھا اور سمجھا؟ مجھے تو یہ کرکنگ

دیوانہ حمزہ معلوم ہوتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اِس میں کیا راز ہے۔"

نوشیرواں نے ناراض ہو کر کہا "تُو ہمیشہ عقل کے پیچھے لٹھ لیے دوڑا کرتا ہے۔ بھلا کہاں حمزہ اور کہاں یہ دیوانہ۔"

"ممکن ہے آپ کا اِرشاد درست ہو۔" بختک نے کہا۔ "مگر ایک تدبیر میں عرض کرتا ہُوں۔ اِس دیوانے سے کل کہیے کہ وُہ گرفتار ہونے والے سات پہلوانوں میں سے کِسی ایک کو قتل کر دے۔ اگر وُہ قتل کر دے تو سمجھ لیجیے کہ حمزہ نہیں کوئی اور ہے۔ اور اگر یہ دیوانہ حمزہ ہے تو وُہ اِن پہلوانوں میں سے کِسی کو قتل نہ کرے گا۔"

اگلے روز نوشیرواں سُرنگ کے نزدیک گیا اور دیوانے سے وہی بات کہی۔ دیوانے نے گھُور کر بختک کی طرف دیکھا اور گرج کر کہا "اے نوشیرواں، معلوم ہوتا ہے یہ بات تجھے اِس بدمعاش وزیر نے بتائی ہے۔ یہ سات پہلوان تو کیا چیز ہیں، کہے تو حمزہ کے لشکر کے ایک ایک سپاہی کو قتل کر دُوں۔ مگر ابھی مجھے اِجازت نہیں ہے۔ جب اِجازت ملے گی تب تجھے کہنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ ابھی تو اِن پہلوانوں کو قید میں رکھ اور

جا کر طبلِ جنگ بجوا۔"

دیوانے کی باتیں بختک نے سُنیں تو چہرے کا رنگ ہلدی کی طرح پیلا پڑ گیا۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا "جناب میں آپ کا غُلام ہُوں۔ بادشاہ کو صحیح مشورہ دینا میرا فرض ہے۔"

"زیادہ بک بک نہ کرو اور یہاں سے دفان ہو جاؤ۔" دیوانہ گرج اُٹھا اور بختک کو مارنے کے لیے اپنی لکڑی اُٹھائی۔ بختک وہاں سے سر پہ پیر رکھ کر بھاگا اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا۔

نوشیرواں نے طبلِ جنگ بجانے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر میں میدانِ جنگ دونوں فوجوں کے نعروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سے گُونج رہا تھا۔ اس روز دیوانے نے حیرت انگیز شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ کئی سرداروں اور پہلوانوں کو چٹکی بجاتے ہیں باندھ کر ڈال دیا۔ یکایک سلطان سعد نے عَلَم شاہ سے کہا:

"چچا جان، یہ دیوانہ تو ہمارے ہر پہلوان کو قید کرتا چلا جاتا ہے۔ اجازت ہو تو اِس کے مقابلے کے لیے میں میدان میں نکلوں؟"

"نہیں بیٹا، تُم ابھی کم عُمر اور ناتجربہ کار ہو۔ اس

دِیوانے سے کیوں کر جیت سکو گے "۔ عَلَم شاہ نے جواب دیا۔ مگر وُہ نہ مانا اور مُقابلہ کرنے کے لِیے ضِد کرنے لگا۔ مجبُور ہو کر عَلَم شاہ نے سعد کو اِجازت دے دی اور وُہ گھوڑا بڑھا کر میدان میں آیا۔

دِیوانہ کرگنگ نے حیرت سے سعد کو دیکھا اور چُپکے سے مُسکرایا۔ پھر کہنے لگا " اے بچّے، کیا حمزہ کے لشکر میں کوئی بڑا آدمی باقی نہیں رہا جو تُجھے لڑنے کو بھیجا ہے ؟ مُجھے تُجھ پر ترس آتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ واپس چلا جا اور کسی بڑے پہلوان کو بھیج "۔

سعد نے بے خوفی سے جواب دِیا " اے دِیوانے، میری عُمر اور ناتجربہ کاری پر مت جا۔ میں نے بڑے بڑے شہ زور پہلوانوں کی گردنیں جُھکائی ہیں خُدا کو منظُور ہو گا تو تیری گردن بھی نیچی کروں گا۔ اب زیادہ وقت ضائع نہ کر اور وار کر "۔

" اچّھا تو پھر سنبھل "۔ دِیوانے نے کہا اور اپنی لکڑی کا وار کیا۔ سعد نے وار بچایا مگر اُس کا گھوڑا اُلٹ کر گِرا اور مر گیا۔ تب سعد نے چھلانگ لگائی اور دِیوانے سے لپٹ کر کُشتی لڑنے لگا۔ دِیوانہ دیر تک سعد کو ایک اُستاد کی طرح زور کراتا رہا اور جب اُس نے دیکھا کہ

سعد بُری طرح تھک گیا ہے اور ہانپنے لگا ہے تو اُسے باندھا اور قارن عدنی کے حوالے رکیا۔

بختک نے خُوشی سے پھر بغلیں بجائیں اور واپسی کا طبل بجوایا۔ اس کے بعد اپنا وہی شبُہہ نوشیرواں پر ظاہر کیا کہ یہ دِیوانہ کرکنگ اصل میں حمزہ ہے۔ ورنہ رُوئے زمین پہ اور کون ہے جو یُوں حمزہ کے تمام پہلوانوں اور سرداروں کو قابُو میں کرے۔ خواجہ خُورشید سوداگر نے یہ سُن کر کہا:

"آپ نے کل بھی یہی بات کہی تھی اور دِیوانے کو پتا چل گیا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ وُہ ناراض ہو کر آپ ہی کا کام تمام کرڈالے۔ بہتر ہے کہ زبان بند رکھیے۔"

یہ گُفتگو ہو رہی تھی کہ غُل مچا کہ دِیوانہ آتا ہے۔ اِتنے میں وُہ دِیوانہ اپنے مُنہ زور گھوڑے پر سوار نوشیرواں کے دربار میں آیا۔ سب ڈر کے مارے تعظیم کے رلیے اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ نوشیرواں نے خُوش ہو کر کہا:

"آؤ بھائی دِیوانے، یہاں ہمارے پاس تخت پر آن کر بیٹھو۔"

دِیوانہ گھوڑے سے اُترا اور تخت پر اِس طرح چڑھا کہ اُس کی چُولیں ہِل گئیں۔ پھر نعرہ لگایا: بلا نُوم ...

بلا ٹوم .... نوشیرواں، بختک اور قارن عدنی تھر تھر کانپنے لگے۔ چند لمحے بعد بختک نے خواجہ خُورشید کے کان میں کوئی بات کہی۔ تب خواجہ خُورشید نے دِیوانے سے کہا:

"اے دِیوانہ بلا ٹوم ..... وزیر صاحب کہتے ہیں کہ ہمیں شک ہے کہ آپ دِیوانے کے بھیس میں حمزہ ہیں اور اگر آپ حمزہ نہیں ہیں تو سُلطان سعد کو اپنے ہاتھ سے قتل کیجیے تاکہ ہمارا شک دُور ہو۔"

دِیوانے نے گھُور کر بختک کو دیکھا تو وُہ چِلّایا ——

"نہیں جناب، میں نے ہرگز ایسی بات نہیں کہی۔ یہ خواجہ خُورشید جھُوٹ بولتا ہے۔"

دِیوانہ زور سے ہنسا اور کہنے لگا "ہم خُوب جانتے ہیں کہ تُم میں کون سچّا ہے اور کون جھُوٹا۔ کل ہم اپنے پیرومُرشد کی خدمت میں جائیں گے اور اُن سے سُلطان سعد کو قتل کرنے کی اِجازت لیں گے۔ اگر اِجازت مِل گئی تو پہلے سُلطان سعد کو اور پھر بختک کو شک کرنے کے جُرم میں موت کے گھاٹ اُتارا جائے گا۔"

اب تو بختک کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ دِل اِس زور سے دھڑکا جیسے سینے سے نِکل کر باہر آن پڑے گا۔ موت سر پہ منڈلاتی دِکھائی دی۔ اُسی وقت روتا ہُ

دیوانے کے قدموں پر گرا اور معافی مانگنے لگا۔ دیوانے نے اُس کو ٹھوکر مار کر پرے ہٹایا اور کہا :

"جاؤ، ہم نے معاف کیا لیکن یاد رکھو، آیندہ تم نے کوئی گڑبڑ کی تو جیتا نہ چھوڑوں گا۔"

یہ کہہ کر دیوانہ اپنے گھوڑے پر سوار ہُوا اور شہر کے بازاروں میں گھُومنے لگا۔ ایک جگہ اُس نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ایک دُبلے پتلے شخص کو گھیرے ہُوئے ہیں اور وُہ آئیں بائیں شائیں کر رہا ہے۔ دیوانہ کرکنگ قریب پہنچا تو لوگوں نے راستہ دے دیا۔ دُبلے دیوانے نے غُصّے سے کرکنگ کو دیکھا اور کچھ بُڑبُڑایا۔ تب کرکنگ نے نعرہ لگایا :

"بلا لُوم .... بلا لُوم .... بلا لُوم ...."

دُوسرے دیوانے نے بھی حلق پھاڑ کر کہا "جلا لُوم ... جلا لُوم .... جلا لُوم ...."

"کیوں بھئی، یہ جلا لُوم کیا ہے ؟" کرکنگ نے اُس سے پُوچھا۔

"اور میں پُوچھتا ہُوں یہ بلا لُوم کیا ہے۔" دُوسرے دیوانے نے کہا۔

"تُجھے معلُوم نہیں کہ میں منات دیوتا کا پُجاری ہُوں۔"

کرکنگ نے کہا۔

"اور تُجھے نہیں معلوم کہ میں لات دیوتا کا شاگرد ہوں"

دُوسرا دیوانہ بولا" آج سے اِس شہر میں میرا حُکم چلے گا۔ سمجھا کہ نہیں ؟"

اِن باتوں سے امیر حمزہ کو شک ہُوا کہ یہ ضرور عمرو عیّار ہے جو میری طرح دیوانہ بن کر آیا ہے۔ نرمی سے کہنے لگا:

"اے دیوانے، تیرا نام کیا ہے ؟ مُجھے کرکنگ دیوانہ کہتے ہیں۔"

"اور مُجھے دیوانہ گویا۔" عمرو نے جواب دیا۔" اب تُو یہاں سے بھاگ جا ورنہ بُرا حشر کروں گا۔"

یہ سُن کر کرکنگ کو طیش آیا اور عمرو کو مارنے کے لیے گھوڑے سے اُترا مگر عمرو مُنہ چِڑاتا ہُوا دُور جا کھڑا ہُوا۔ کرکنگ اُس کے پیچھے لپکا۔ عمرو اور تیز بھاگا۔ آخر دونوں دوڑتے بھاگتے وہاں آن پہنچے جہاں عَلَم شاہ کی فوج ٹھہری ہُوئی تھی۔ عمرو سیدھا قباد شہریار کی بارگاہ میں گھُس گیا۔ دیوانہ کرکنگ بھی بلا لُوم بلا لُوم کا نعرہ لگاتا ہُوا بارگاہ میں گھُس گیا اور جب دیکھا کہ شہزادہ قباد شہریار تخت پہ بیٹھا دربار کر رہا ہے تو

آپ بھی اُچک کر اُس کے برابر جا بیٹھا اور اپنی ٹانگیں اُس کی جانب پھیلا کر اِشارے سے کہا... دباؤ۔

یہ گستاخی دیکھ کر دربار کے پہرے داروں کو غُصّہ آیا۔ اور وُہ تلواریں کھینچ کر دِیوانے کی طرف لپکے۔ مگر قباد شہریار نے اُنھیں روک دِیا اور کہا :

"خبردار، اِس شخص کو کوئی نُقصان نہ پہنچے۔ یہ ہمارا مہمان ہے اور صُورت سے کوئی بزُرگ معلُوم ہوتا ہے۔ اِس لیے پیر دابنے میں کیا مُضایقہ ہے۔"

اِتنے میں کسی نے عَلَم شاہ اور لندھور کو یہ خبر پہنچائی وُہ بھاگے ہُوئے دربار میں آئے اور دِیوانے سے آمنا سامنا ہُوا عَلَم شاہ اور لندھور گھُونسے تان کر مارنے کے لیے آگے بڑھے۔ مگر قباد شہریار نے اُنھیں اپنے سر کی قسم دی اور کہا :

"دیکھیے یہ ہمارا مہمان ہے۔ اِس سے یہاں کچھ نہ کہنا۔"

تب عَلَم شاہ اور لندھور چُپ ہو رہے اور دِیوانہ اُٹھ کر شہر میں چلا گیا۔

اگلے روز طبلِ جنگ بجا۔ دونوں لشکر میدان میں آئے۔ لندھور نے چاہا کہ میدان میں جا کر مُقابلہ کرے لیکن شہزادہ قباد شہریار نے منع کیا۔ لندھور حیران تھا کہ

میں جب بھی جنگ کا اِرادہ کرتا ہُوں قباد شہریار منع کرتا ہے۔ اُدھر عَلَم شاہ نے دِیوانے سے لڑنے کا اِرادہ کیا۔ اچانک قباد کے لشکر میں سے ایک عجیب سے حُلیے کا دِیوانہ نِکلا اور بڑھ کر دِیوانہ کرکنگ کے سامنے پہنچ گیا۔ یہ عمرِو عیّار تھا۔ کرکنگ نے نعرہ لگایا:

"بلا بُوم ...... بلا بُوم ....."

عمرِو نے بھی جواب میں کہا:

"جلا بُوم ..... جلا بُوم ....."

یہ سُن کر کرکنگ نے عمرِو کو مارنے کے لِیے اپنی لکڑی اُٹھائی۔ تب عمرِو نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"بھائی حمزہ، میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ آخر ہم جاں نثاروں پر یہ کس بات کی خفگی ہے؟ کیوں آپ نے یہ رویّہ اِختیار کیا؟"

"اے عمرِو، میں نے بھی تُجھے پہچان لیا ہے"۔ حمزہ نے کہا "بہتر یہی ہے کہ مُجھ سے بحث مت کر اور چُپ چاپ واپس چلا جا، ورنہ باندھ کر لے جاؤں گا"۔

"اچّھا، تو یہ سر حاضر ہے۔ کاٹ لیجیے"۔ عمرِو نے جواب دیا اور گردن جُھکائی۔ امیر حمزہ نے جھلّا کر لکڑی ماری عمرِو گر پڑا۔ امیر نے جلدی سے اُسے باندھا، خواجہ خورشید

کے حوالے کیا اور کہا "یہ قیدی بہت خطرناک ہے۔ اِسے حفاظت سے رکھنا۔ ایسا نہ ہو نکل جائے۔"

خواجہ خورشید نے عمرو کو لے جا کر اُسی سُرنگ میں ڈالا جس میں امیر حمزہ رہتے تھے۔ رات کو امیر حمزہ نے عمرو کو طلب کیا۔ وہ آتے ہی امیر کے قدموں پر گرا اور کہنے لگا:

"یہ آپ نے کیا کیا؟ سارے لشکر کا خاتمہ کر دیا۔"

امیر کو اُس کے رونے پر ترس آیا۔ کہنے لگے "اے عمرو، کسی پر اِس راز کو ظاہر نہ کرنا۔ وہ بات یاد ہے: جب عَلَم شاہ نے کہا تھا حمزہ مکّے کو جائیں اور اب میں اُن کی جگہ سنبھال لوں گا اور یہی بات لندھور نے بھی کہی تھی۔ اے عمرو، میں نے ان لوگوں کی آزمائش کی ہے۔ خیر، اب ہم تجھے اپنا نوکر بنا کر رکھیں گے۔"

صُبح کو امیر حمزہ نے خواجہ خورشید سے کہا کہ قارن عدنی کو اطلاع کر دو کہ یہ دیوانہ گویا ہے۔ جس کا نام جلا نوم ہے۔ اِسے ہم نے پسند کیا ہے اور اپنا مُلازم بنائیں گے۔ خواجہ خورشید نے جا کر یہ بات نوشیرواں سے کہی۔ قارن عدنی بھی وہاں حاضر تھا۔ وہ کہنے لگا:

"دیوانہ کرکنگ کا ہم پر بڑا اِحسان ہے کہ اُس۔

حمزہ کے اتنے بڑے بڑے پہلوانوں کو باندھا ہے۔ ہم بڑی خوشی سے اُس کے مُلازم دِیوانہ گویا کی تنخواہ دیں گے۔ یہ دُوسرا دِیوانہ بھی بڑا چلتا پُرزہ نظر آتا ہے۔"

بختک نامُراد نے مُنہ بنا کر کہا "اب تو مجھے پُورا یقین ہو چُکا ہے کہ ہمارے خلاف کوئی سازِش ہو رہی ہے۔ یہ نیا دِیوانہ ضرور عَمرِ عیّار ہے۔ مجھے اِس کی چال ڈھال پر شُبہ ہے۔"

یہ سُن کر نوشیرواں نے طیش میں آکر ایک چانٹا بختک کے مُنہ پر مارا اور کہا "تُو ہر وقت بکواس کرتا ہے۔ کبھی چُپ نہیں رہتا۔ بھلا عَمرو یہاں کہاں اور حمزہ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ دِیوانے کا بھیس بنائے اور اپنے ہی آدمیوں کو باندھ باندھ کر ہمارے حوالے کرے۔"

تیسرے دِن دونوں دِیوانے میدان میں آئے اور طبلِ جنگ اِس زور سے بجوایا کہ دوست دُشمن سب کانپ اُٹھے اِس مرتبہ پھر لندھور نے مُقابلے کا اِرادہ کیا مگر قباد شہریار نے منع کیا۔ لندھور نے ادب سے کہا:

"اے شہزادے، میری جان آپ پر قُربان۔ آپ بار بار مجھے شرمندہ کرتے ہیں۔ میں دیکھتا ہُوں کہ اِس دِیوانے کی گُستاخیاں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں۔ اُس نے ہمارے

یہ تقریر سُن کر دِیوانہ کرکنگ نے پھر بلا تُوم بلا تُوم کا نعرہ لگایا۔ تب عَلَم شاہ نے جھلّا کر اپنا نیزہ دِیوانے کو مارا اُس نے ڈھال پر روکا اور خُود بھی حملہ کیا۔ دونوں بہت دیر تک نیزہ بازی ہُوئی۔ یکایک دِیوانے نے بائیں ہاتھ سے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ عَلَم شاہ کا نیزہ کٹ کر دُور جا گِرا۔ یہ دیکھ کر عَلَم شاہ نے گُرز سنبھالا اور نعرہ لگا کر گُرز سے حملہ کیا۔ دِیوانے نے یہ حملہ بھی ڈھال پر روکا مگر بدن پسینے سے نہا گیا اور گھوڑے کی کمر ٹُوٹ گئی۔ عَلَم شاہ بھی جوش میں آکر اپنے گھوڑے سے اُترا اور گُرز گھمانے لگا۔ اِتنے میں کرکنگ کے مُلازِم دِیوانہ گویا نے بھی اپنے آقا کو ایک آہنی گُرز لا کر دِیا۔ دونوں بہت دیر تک ایک دُوسرے پر گُرز مارتے رہے۔ اِن کے ٹکرانے سے ایک ہولناک شور پیدا ہوتا تھا اور چنگاریاں آسمان تک جاتی تھیں۔ حتّٰی کہ دونوں کے گُرز ٹُوٹ گئے۔

اب اُنھوں نے تلواریں سنبھالیں۔ دِیوانے نے بارڈھ بچا کر قبضے پر ہاتھ ڈالا اور جھٹکا مار کر تلوار عَلَم شاہ کے ہاتھ سے چھین لی۔ عَلَم شاہ نے طیش میں آکر دِیوانے کو ٹکّر ماری اور اُس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا — دِیوانے نے بھی تلوار پھینک دی اور عَلَم شاہ کا گریبان

پکڑ لیا۔ دونوں میں کُشتی کے داؤ پیچ شروع ہوئے۔ عَلَم شاہ کے بدن میں بے پناہ طاقت تھی۔ امیر حمزہ نے محسوس کیا کہ وُہ اُن پر حاوی ہو رہا ہے۔ تب اُنھوں نے دِل ہی دِل میں خُدا سے دُعا کی کہ اے پروردگارِ عالم، یہ جوان اور زور آور ہے۔ میں اِس کے مُقابلے میں بُوڑھا اور کمزور ہُوں۔ تُو ہی میرا حامی اور مددگار ہے تُو اپنے فضل و کرم سے مُجھ کو عَلَم شاہ پر فتح یاب کر۔

کہتے ہیں کہ دو دِن تک مُسلسل کُشتی ہوتی رہی۔ تیسرے دِن شام کے وقت امیر حمزہ نے عَلَم شاہ کو پکڑ کر زمین سے اُٹھایا اور سر پر گُھما کر نیچے دے مارا۔ عَلَم شاہ شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ دِلوانے سے کہا:

"تُو جیتا اور میں ہارا — یہ دراصل اُس بڑے بول کا نتیجہ ہے جو میں نے بولا تھا۔"

عمرُو نے جھٹ پٹ عَلَم شاہ کو باندھا اور سُرنگ میں لے گیا۔

بختک نے اُسی وقت واپسی کا طبل بجوایا۔ نوشیرواں اور قارن عدنی کی خُوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ کرکنگ نے اپنے مُلازم سے کہا کہ عَلَم شاہ کو سُرنگ میں کیوں رکھا ہے؟ جہاں دُوسرے قیدی رکھے ہیں وہیں اسے بھی لے جاؤ۔

غرض کئی روز تک طبلِ جنگ نہ بجا۔ اُدھر امیر حمزہ کے لشکر میں ملکہ اطلس پوش کا غم کے مارے بُرا حال تھا۔ بار بار کہتی تھی کہ نہ جانے امیر حمزہ کہاں گئے۔ اِس دِیوانے نے کیسی آفت مچائی ہے اور عَمَرو بھی کئی دِن سے غائب ہے۔ شاید حمزہ کی تلاش میں گیا ہے۔ مگر اب رکھا ہی کیا ہے۔ لشکر میں سوائے قباد اور لندھور کے کوئی باقی نہیں رہا۔

قباد شہر یار کو بھی عَلَم شاہ کے گرفتار ہونے کا وُہ صدمہ ہُوا کہ کھانا پینا چھوڑ دیا۔ لندھور بار بار تسلّیاں دیتا مگر شہزادے پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ اِدھر امیر حمزہ بھی فکر مند تھے۔ جانتے تھے کہ اب مُقابلہ لندھور جیسے پہلوان سے ہے۔ خُدا اُس کی ضرب سے بچائے۔ عَمَرو سے کہنے لگے:

"میرا جی گھبراتا ہے۔ لندھور کا سامنا ہے۔ کوئی تدبیر بتاؤ کہ لندھور پر قبضہ کر لوں۔"

عَمَرو بھی حیران پریشان تھا۔ کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی۔ آخر حمزہ نے کہا "اے عَمَرو، تُو کِسی طرح میرے لشکر میں جا اور اشقرِ دیو زاد کو لے آ۔"

عَمَرو اُسی دیوانے کے رُوپ میں قباد شہر یار کے پاس آیا اور سلام کر کے بولا۔ "اے شہر یار، آپ نے اِس

غُلام کو پہچانا ؟"

شہزادے نے دیکھا اور نفرت سے مُنہ پھیر کر کہا "میں تجھے پہچانتا ہُوں۔ تُو اُس دِیوانے کرکنگ کا غُلام ہے جس نے یہ حشر برپا کیا ہے۔ کیا تیری موت آئی ہے کہ اِدھر چلا آیا؟ جانتا نہیں کہ لندھور جیسا پہلوان ابھی میرے پاس ہے جو آن کی آن میں تجھے کچّا چبا جائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ یہاں سے دفان ہو جا۔"

عَمرو نے قہقہہ لگایا اور قباد شہریار کو اپنی اصلی صُورت دِکھائی۔ قباد حیران ہو کر کچُھ کہنے ہی والا تھا کہ عَمرو نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اِشارہ کیا اور کہا:

"اے شہزادے، میں آپ سے یہ کہنے آیا ہُوں کہ گھبرانا نہیں۔ حوصلے سے کام لینا۔ خُدا نے چاہا تو چند دِن کے اندر اندر بگڑے ہُوئے حالات سُدھر جائیں گے۔ امیر حمزہ خیریت سے ہیں اور عن قریب آپ سے ملیں گے۔"

یہ کہہ کر عَمرو عیّار نے سبز کمبل اوڑھا اور نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ شاہی اصطبل میں اشقر دیو زاد اپنے تھان پر بندھا ہُوا تھا۔ تب عَمرو نے جِناتی زبان میں اُس سے کہا:

"اے اشقر، تیرے آقا نے تجھے طلب کیا ہے۔"

یہ سنتے ہی اشقر نے خوشی سے گردن ہلائی جیسے چلنے کے لیے رضا مند ہے۔ تب عمرو نے اسے کھولا اور اپنے ساتھ لے گیا۔ امیر حمزہ اشقر کو دیکھ کر خوش ہوئے اور خواجہ خورشید سے کہا کہ یہ ہمارا خاص گھوڑا ہے۔ کوہ قاف سے ساتھ لایا تھا۔ اس کے دانے گھاس کا اچھا بندوبست کرنا۔

اگلے روز اتفاق سے قارن عدنی خواجہ خورشید سے ملنے آیا۔ اشقر دیو زاد کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ خواجہ خورشید سے کہنے لگا "اے سوداگر، یہ گھوڑا تو نے کہاں سے پایا اور اس کی قیمت کیا ہے؟"

"جہاں پناہ، یہ گھوڑا میرا نہیں۔ دیوانہ کرکنگ کا ہے" خواجہ خورشید نے جواب دیا۔

"خیر، ہمیں اس سے غرض نہیں کہ گھوڑا کس کا ہے۔ اسے خریدنا چاہتے ہیں اور منہ مانگے دام دیں گے۔"

"حضور، آپ اس کا سودا تو دیوانے سے کریں۔ میں اسے کیسے بیچ سکتا ہوں۔"

خواجہ خورشید کا یہ دو ٹوک جواب سن کر قارن عدنی خاموش ہو رہا۔ اس میں اتنی جرأت نہ تھی کہ دیوانے سے

جا کر بات کرتا۔ وہ سیدھا نوشیرواں کے پاس گیا اور سارا ماجرا کہا۔ نوشیرواں نے بھی گھوڑا دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ خواجہ خورشید نے کہا:

"ایسا نہ ہو کہ دیوانہ ناراض ہو جائے۔ آپ صبح یہ گھوڑا میدانِ جنگ میں دیکھیے گا۔"

قصّہ مختصر صبح سویرے امیر حمزہ کے حکم سے طبلِ جنگ بجا دونوں لشکر میدان میں نمودار ہوئے۔ دیکھا کہ دیوانہ کرکتک اشقرِ دیو زاد پر سوار ہے اور اس کا غلام رکاب تھامے چلا آتا ہے۔ میدان کے درمیان میں آ کر دیوانہ رُکا اور بلا بلا لُوم کا نعرہ لگایا۔ یہ سنتے ہی لندھور نے اپنا آہنی گرز سنبھالا، سیاہ ہاتھی پر سوار ہو کر شہزادہ قباد شہر یار کے سامنے گیا اور سلام کرنے کے بعد کہا:

"آج تک آپ نے مجھے جنگ سے روکے رکھا، مگر اب صبر کی انتہا ہو چکی ہے۔ آپ سے رخصت ہونے آیا ہوا اجازت دیجیے کہ میدان میں جاؤں اور دیوانے سے دو دو ہاتھ کروں۔"

عمرو نے تو پہلے ہی قباد شہر یار کو مطمئن کر دیا تھا گھبرانا مت، حالات بہت جلد سدھر جائیں گے۔ اِس لیے قباد نے لندھور کو میدان میں اُترنے کی اجازت دے دی

رُخصت کرتے ہُوئے کہا:

"جاؤ چچا لنڈھور، تمھیں خُدا کے سپُرد کیا۔"

تب لنڈھور کا ہاتھی جھُومتا ہُوا میدان میں آیا۔ خُود لنڈھور کا یہ حال تھا کہ آنکھیں کبُوتر کے خُون کی مانند سُرخ تھیں، مُنہ سے جھاگ اُبل رہا تھا اور سات من کا فولادی گُرز کھلونے کی طرح ہوا میں اُچھالتا ہُوا چلا آتا تھا۔ جس نے اُسے اِس عالم میں دیکھا، ڈر کر آنکھیں بند کرلیں اور دِل میں کہا بے شک یہ کوئی دیو یا جن ہے۔ جو اِنسان کی شکل میں آیا ہے۔

جُونہی لنڈھور دِیوانہ گرگنگ کے نزدیک آیا، اُس نے نعرہ مارا۔ "بلا لُوم ..... بلا لُوم....."

لنڈھور نے غضب ناک ہو کر "او بے ادب، سنبھل کر اب تیری موت کا وقت قریب ہے۔ اُس روز تُو ہمارے بادشاہ کے دربار میں آیا اور گستاخی کر کے چلا گیا۔ خُدا جانتا ہے کہ اگر بادشاہ نے مُجھے روکا نہ ہوتا تو وہیں تیری لاش پھڑکتی دکھائی دیتی۔"

دِیوانے نے پھر بلا لُوم کا نعرہ لگایا۔ اب تو لنڈھور کا مارے غُصّے کے بُرا حال ہُوا، جھلاّ کر کہنے لگا "یہ کیا بلا لُوم بلا لُوم کی رٹ لگا رکھی ہے۔ اِنسانوں کی زبان

ہیں بات کر۔"

"یہ پُوچھتا ہے کہ تمہارا نام پتا کیا ہے؟" کرلنگ کے غُلام نے لندھور سے کہا۔ یہ سُن کر لندھور کا غُصّہ کچھ کم ہُوا مُنہ کھول کر بجلی کی مانند ہنسا اور بادل کی طرح گرج کر بولا:

"تُو نہیں جانتا تو سُن کہ میرا نام لندھور ہے۔ سراندیپ کے ہزار جزیرے کا بادشاہ ہُوں۔ دُنیا کا کوئی پہلوان میری پیٹھ زمین سے نہیں لگا سکا ہے۔ امیر حمزہ کا جانشین ہُوں۔"

یکایک دیوانے نے اپنا گھوڑا بڑھایا اور اپنے ہاتھ کی لکڑی اس زور سے لندھور کے ہاتھی پر ماری کہ اس کا مغز پاش پاش ہُوا اور ہاتھی لندھور سمیت دھم سے زمین پر گرا۔ لندھور کا عجب حال ہُوا۔ دِل میں کہا۔ واقعی یہ دیوانہ تو طاقت میں لاثانی اور بلائے ناگہانی ہے۔ جلدی سے اُٹھ کھڑا ہُوا اور دونوں ہاتھوں میں گُرز تھام کر دیوانے پر حملہ کیا۔ اس نے وہی لکڑی آگے کر دی۔ لندھور کا گُرز ایک ہولناک دھماکے سے لکڑی پر لگا اور آگ کا ایک شُعلہ آسمان تک گیا۔ لکڑی تڑاخ سے دو ٹکڑے ہو گئی اور دیوانہ تیورا کر گِرا۔ اُس پر غش طاری ہو گیا۔ اُس کا غُلام حلق پھاڑ کر چلّایا کہ اے آقا، ہوش میں آؤ۔ دُشمن سر پہ آن پہنچا۔ یہ چیخ پُکار سُن کر دیوانے نے آنکھیں

اِدھر تو یہ کارروائی ہو رہی تھی اور اُدھر بختک کے جاسوسوں نے نوشیرواں تک یہ خبر پہنچائی کہ وہی ہُوا جو بختک کہتا تھا ۔ یہ دِلوانہ امیر حمزہ نکلا اور اب سب پہلوان قید خانے سے باہر آ کر شہر پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔

نوشیرواں کا رنگ ہلدی کی طرح پیلا پڑ گیا۔ یہی حال قارن عدنی کا ہُوا۔ اِتنی دیر میں قباد شہریار بھی اپنا لشکر لے کر آن پہنچا اور تلوار چلنے لگی۔ نوشیرواں بھاگ کھڑا ہُوا۔ قارن عدنی تلوار ہاتھ میں لیے قید خانے کی طرف آیا تو وہاں خواجہ خُورشید سے سامنا ہُوا۔ قارن عدنی کہنے لگا :

"او بد ذات سوداگر، یہ سب کیا دھرا تیرا ہے۔ اب دیکھتا ہُوں، تجھے کون بچاتا ہے۔"

یہ کہہ کر تلوار ماری۔ خواجہ خُورشید نے وار خالی دیا۔ اِتنے میں لندھور نے اُٹھ کر قارن کا ہاتھ پکڑا اور کلائی مروڑ کر تلوار چھین لی۔ پھر بائیں ہاتھ کا گھُونسا اِس زور سے قارن کی گردن پر مارا کہ وُہ لٹُو کی طرح گھوما اور زمین پر گر کر مر گیا۔

جب قارن مارا گیا اور نوشیرواں کے فرار ہونے کی خبر مشہور ہُوئی تو فوج نے ہتھیار ڈال دِیے۔ امیر حمزہ نے

شہر پہ قبضہ کیا اور خواجہ خورشید کو نہایت شان و شوکت سے تختِ شاہی پر بٹھایا۔ یہ بات اُس کے وہم و گُمان میں بھی نہ تھی کہ کبھی عدن کی حکومت اُس کے ہاتھ آئے گی۔ بے اختیار امیر حمزہ کے ہاتھ پیر چُومنے لگا۔ امیر حمزہ نے اُسے دینِ ابراہیمی میں داخل کیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ چند دِن یہاں آرام کرو۔ پھر نوشیرواں کے تعاقب میں روانہ ہوں گے۔

عادی پہلوان کے کرتب

اب سُنیئے کہ دریائے عدن کی لہروں میں بہہ جانے
بعد عادی پہلوان پر کیا گزری۔ کئی روز تک لہروں
تھپیڑے کھانے سے عادی ادھ مُوا ہو چکا تھا اور بھوک
مارے دم لبوں پر آ گیا تھا۔ مگر مچھلیوں اور کچھوؤں
سوا دریا میں کچھ نہ تھا۔ وہ مچھلیاں پکڑ پکڑ کر اپنے پیٹ
کی آگ بجھاتا رہا۔

ایک مہینے بعد کنارے پر آیا۔ باہر نکل کر دیکھا کہ
ایک آبادی ہے۔ لڑھکتا لڑکھڑاتا ہُوا اُسی طرف چلا۔
جلد بستی میں آن پہنچا اور یہ دیکھ کر خوش ہُوا کہ بازاروں
بڑی رونق ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں افراط سے ہیں
دکانوں پر خریداروں کا ہجوم ہے۔

چند لوگوں نے عادی پہلوان کو اُوپر سے نیچے تک
پھر پھبتیاں کستے اور قہقہے لگاتے ہُوئے نکل گئے۔

نے اُس وقت صِرف ایک لنگوٹ باندھ رکھا تھا۔ اِس کے علاوہ جسم پہ کوئی کپڑا نہ تھا۔ شہر کے لڑکے، بالے تالیاں پیٹتے اُس کے پیچھے لگ گئے اور ایک عجیب ہنگامہ برپا ہُوا۔

عادی پہلوان غُصّے سے پاگل ہو گیا۔ لڑکوں کو بُرا بھلا کہتا اور اُچھل پھاند کرتا ہُوا ایک حلوائی کی دُکان کے آگے آیا۔ چمکتے تھالوں میں لذیذ مٹھائیاں سجی ہُوئی تھیں۔ جن کی خوشبُو سے پُورا بازار مہک رہا تھا۔ عادی کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ بے تکلّف مٹھائیاں اُٹھا اُٹھا کر مُنہ میں رکھنے لگا اور اِس سے پہلے کہ حلوائی بے چارہ کچھ کر سکے، اُس کی آدھی دُکان عادی کے پیٹ میں پہنچ چُکی تھی۔

حلوائی نے سر پیٹ لیا۔ پھر عادی کو مارنے کے لیے لوہے کا ایک کرچھا اُٹھایا۔ عادی نے کرچھا حلوائی سے چھین کر موم کی طرح توڑ موڑ کر دُور پھینک دیا۔ پھر وہاں سے آگے بڑھا اور نان بائی کی دُکان پہ پہنچ کر روٹیوں اور سالن کی بھری ہُوئی پتیلیوں کا صفایا کیا۔

نان بائی نے غُل مچایا کہ اے لوگو، یہ دیو کہاں سے آیا کہ شہر میں لُوٹ مچاتا پھر رہا ہے اور کوئی اِس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ کیسا اندھیر ہے۔ اِتنی دیر میں عادی

چوک میں نمودار ہُوا اور وہاں بھی لُوٹ کھسوٹ شروع کی۔ لوگوں نے کوتوال سے فریاد کی۔ کوتوال نے چند سپاہیوں کو بھیجا کہ اس وحشی کو پکڑ کر میرے پاس لے آؤ، اور مارے جُوتوں کے اس کی کھوپڑی پلپلی کر دو۔ عادی کو دیکھ کر سپاہیوں کے ہوش اُڑ گئے۔ یہ دیو بھلا اُن کے قابُو میں آنے والا تھا۔ پکڑنا تو ایک طرف رہا۔ کسی کو عادی کے نزدیک بھی جانے کی جُراَت نہ ہُوئی۔ اُنھوں نے کوتوالی سے اور سپاہی بُلوائے۔ اُنھوں نے تلواریں نکالیں۔ اور عادی کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ عادی نے جھٹ لکڑی کا ایک ستُون اُکھاڑا اور تیزی سے گھُمانا شروع کیا۔ جو سپاہی اس کی زد میں آیا، وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اب تو ہر طرف ہاہا کار مچ گئی اور لوگ ایک دُوسرے پر گرتے پڑتے بھاگ نکلے۔ سپاہیوں نے بھی تلواریں پھینکیں اور اپنی جان بچا کر فرار ہُوئے۔

ہرکاروں نے بادشاہ کے حضُور میں پرچہ داخل کیا۔ بادشاہ نے فوج کو طلب کیا اور حُکم دیا کہ جس طرح بھی مُمکن ہو، اُس پاگل کو ہمارے حضُور میں حاضر کیا جائے۔ فوجی سپاہیوں نے جب دیکھا کہ لڑنے بھڑنے سے کام نہ چلے گا تو حکمت سے کام لیا۔ عادی پہلوان کے قریب آن

کر کہنے لگے :

"جناب ، یہ جنگ ختم کیجیے - ہم آپ سے لڑنے کی ہمّت نہیں رکھتے - بادشاہ سلامت آپ کو یاد فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آئیے ہم آپ کو خوش کر دیں گے اور ممکن ہے آپ کو فوج کا سپہ سالار بھی بنا دیں"۔

یہ سُن کر عادی پہلوان خُوش ہُوا اور سپاہیوں کے ساتھ بادشاہ کے دربار میں آیا ۔ بادشاہ اُس کا ڈیل ڈول اور صُورت دیکھ کر ہی حواس باختہ ہو گیا اور دیر تک کچُھ نہ بول سکا ۔ آخر عادی پہلوان نے گرج دار آواز میں کہا :

"اے بادشاہ ، تُو نے ہم کو یاد کیا ، ہم چلے آئے - اب چُپ کیوں ہے ؟ کچُھ تو مُنہ سے بول"

بادشاہ نے کہا " صاحب ، آپ کا نام کیا ہے ؟"

عادی پہلوان نے خوف ناک قہقہہ لگا کر جواب دیا" اے بادشاہ ، ہمارا نام زمانے بھر میں مشہُور ہے ۔ حیرت ہے تُو نہیں جانتا ۔ میں عادی پہلوان ہُوں ۔ کسی زمانے میں تنگِ رواحل کا بادشاہ تھا ۔ امیر حمزہ رُستمِ زماں کا دُودھ شریک بھائی ہُوں ۔ اب تُو بتا کہ اِس شہر کا کیا نام ہے اور تجُھے کیا کہتے ہیں ؟"

عادی کی یہ تقریر سُن کر بادشاہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا ۔

"میری خوش قسمتی ہے کہ آپ یہاں تشریف لائے۔ میں نے بہت عرصہ ہوا آپ کا نام اور امیر حمزہ کے کارنامے سُنے تھے۔ اِس شہر کو اُندلس کہتے ہیں اور میرا نام معروف شاہ ہے۔"

"بہت خوب، بہت خوب۔" عادی نے کہا۔ "اچھا بھائی بادشاہ، باتیں تو بعد میں ہوں گی۔ کئی مہینے کے فاقے سے ہوں۔ کچھ کھانے پینے کا انتظام تو کرو۔"

معروف شاہ کو طیش تو بہت آیا مگر کر ہی کیا سکتا تھا۔ اُس نے امیر حمزہ کا نام سُن رکھا تھا اور خوب جانتا تھا کہ یہ عادی پہلوان واقعی اُن کا دُودھ شریک بھائی ہے۔ اس نے باورچیوں کو بُلا کر حکم دیا کہ دستر خوان بچھاؤ اور ہمارے مہمان کی خوب خاطر تواضع کرو۔

یہ سُن کر عادی پہلوان نے کہا۔ "ارے میاں، دستر خوان وستر خوان چھوڑو۔ مجھے تو تم سیدھے سیدھے باورچی خانے میں لے چلو، ہاں۔"

عادی پہلوان نے باورچی خانے میں پہنچ کر جب دیگوں پر نظر ڈالی تو طبیعت خوش ہو گئی۔ کسی میں قورمہ تھا تو کسی میں زردہ پلاؤ۔ کسی میں بریانی اور کسی میں مُتنجن۔ وہ جو کھانے بیٹھا تو صُبح سے شام اور شام سے رات ہو گئی

اور جب تک سارا کھانا ختم نہ ہو گیا، وُہ وہاں سے نہ اُٹھا
اُس کی خوراک دیکھ کر بادشاہ کے محل میں دہشت کی لہر
دوڑ گئی۔ باورچی آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ اگر اِس
جیسے ایک دو اور آ گئے تو پُورے مُلک میں قحط پڑ جائے
گا اور لوگ دانے دانے کو ترسا کریں گے۔

معرُوف شاہ بھی اپنے محل میں سر پکڑے بیٹھا قسمت
کو رو رہا تھا۔ کہ عادی پہلوان کی صُورت میں یہ بلا کہاں
سے آن پہنچی اور اس سے چُھٹکارا پانے کی اب کیا صُورت
ہو۔ اِسی طرح کئی مہینے گُزر گئے۔ عادی کسی طرح جانے
کا نام نہ لیتا تھا۔ دِن رات پیٹ پُوجا کرنے میں لگا ہُوا
تھا۔ رات کو ایسے بھیانک خرّاٹے لیتا کہ کوسوں دُور سُنے
جا سکتے تھے اور اِن خرّاٹوں نے اُندلس کے شہریوں کی
نیندیں حرام کر دی تھیں۔

ایک دِن امیر حمزہ کو خیال آیا کہ عادی پہلوان کی کچُھ
خیر خبر معلُوم ہونی چاہیے کہ کدھر گیا۔ یہ کام اُنھوں نے
عمرو عیّار کے سپُرد کیا۔ عمرو عیّار پُوچھتا دریافت کرتا اُندلس
شہر میں داخل ہُوا اور ایک سوداگر کی شکل بنا کر بازاروں
میں گھُومنے لگا۔ ایک شخص کی خُوشامد درآمد کر کے معرُوف
شاہ کے دربار میں پہنچا تو اُس نے پُوچھا:

تان کر عمْرو کی طرف بڑھا اور کہنے لگا " ابے او سوداگر، میں تیرا غلام ہُوں ؟ کیا غُلام مُجھ جیسے ہی ہوتے ہیں ؟"

عمْرو نے دیکھا کہ اب بچنے کی کوئی صُورت نہیں ہے۔ اگر عادی کا ایک ہی گھُونسا پڑ گیا تو دُوسری دُنیا میں پہنچے بغیر نہ رہُوں گا۔ اُس نے فوراً آنکھ کا اِشارہ کیا اور قریب جا کر چُپکے سے کہا :

" عادی بھائی، خُدا کے واسطے مُجھے نہ مارنا۔ میں عمْرو ہُوں۔"

یہ کہہ کر اپنی بائیں آنکھ کا تِل نِشانی کے طور پہ دِکھایا تب عادی کو اِطمینان ہُوا۔ کِھل کِھلا کر ہنسا اور کہنے لگا "یار تُم سخت نا معقُول آدمی ہو۔ یہاں آکر کیا کہہ دیا۔ آخر مُجھے ذلیل کرنے میں تمُھیں کیا مزا آتا ہے ؟"

پھر اُس نے معرُوف شاہ کو بتایا کہ سوداگر کے بھیس میں یہ ہمارا پیارا دوست عمْرو عیّار ہے۔ معرُوف شاہ نے عمْرو کے بارے میں بہُت کچھ سُن رکھا تھا۔ اُسے دیکھ کر خُوش ہُوا اور خُوب خاطِر تواضُع کی۔ اس کے بعد عادی پہلوان عمْرو کو اپنے مکان پر لے گیا اور کہنے لگا :

" بھائی عمْرو، میری مانو تو تُم بھی یہیں آجاؤ۔ مزے ہی مزے ہیں۔ ایسے ایسے لذیذ کھانے کھاتے ہیں کہ زِندگی

میں کبھی نہ کھائے تھے۔ اچھا، یہ تو بتاؤ امیر حمزہ کیسے ہیں اور دُوسرے دوستوں لندھور وغیرہ کا کیا حال ہے؟"

"بھائی عادی، بُرا ماننے کی بات نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ تُم سا طوطا چشم اور بے مُروّت آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ بندۂ خُدا تمھیں کھانے پینے اور سونے کے سوا دُنیا میں کوئی اور کام بھی ہے یا نہیں؟ ہم لوگ جئیں یا مریں، تمھاری بلا سے۔"

"یار تُم تو ناراض ہو گئے۔ کہو تو ابھی بوریا بِستر باندھ کر تمھارے ساتھ چل دُوں۔"

"ابھی نہیں، کل چلیں گے۔" عمرو نے کہا "معرُوف شاہ سے اِجازت بھی تو لینی پڑے گی۔"

غرض اگلے روز عمرو عیّار اور عادی پہلوان معرُوف شاہ سے اِجازت لے کر روانہ ہو گئے۔ شہر کے لوگوں نے جب سُنا کہ عادی پہلوان رُخصت ہو گیا تو سب نے اطمینان کا سانس لیا۔

وہ عدن میں پہنچے تو معلُوم ہُوا کہ امیر حمزہ کُوچ کی تیّاریاں کر رہے ہیں۔ اُنھیں پتا چلا تھا کہ نوشیرواں مدائن جانے کے بجائے کوہ مشتشدر کی طرف چلا گیا ہے۔ وہاں جمشید کی حکُومت ہے۔ اُس نے نوشیرواں کو پناہ دی ہے

اور اُس سے کہا ہے کہ اے بادشاہ تُو ایک حمزہ کے
سے بھاگتا پھرتا ہے۔ تُونے ایک ایک کر کے اپنے
مُلک چھنوا دِیے۔ یہ کیا غضب کیا؟ اب اِطمینان سے
رہ۔ حمزہ کی کیا مجال جو یہاں آ کر تجھے پریشان کر
یہ سُن کر بختک نامُراد دِل میں خُوب ہنسا تھا لیکن
میں جمشید کی بے حد تعریف کی اور کہا "حمزہ، آپ
سامنے کل کا بچّہ ہے۔ وُہ اِدھر آنے کا کبھی حوصلہ نہ
گا۔ مگر بعض باتیں ایسی ہیں جو میں فُرصت میں آپ
عرض کروں گا۔"

جب امیر حمزہ کوہ شُشدر کے قریب پہنچے تو نو
کو اُن کے آنے کی خبر ہُوئی۔ اُس وقت وُہ کھانا کھ
تھا۔ مارے خوف کے نوالہ ہاتھ سے گِر پڑا اور چہرے
رنگ اُڑ گیا۔ جمشید بھی دسترخوان پر موجُود تھا۔ اُس
نوشیرواں کی یہ حالت دیکھی تو حیرت سے دانتوں میں
داب لی اور کہنے لگا:

"اے نوشیرواں، حمزہ کا نام سُنتے ہی تیرے جسم
تھرتھری پڑ گئی۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ حمزہ آدمی
یا کوئی جن؟"

بختک یہ بات سُن کر بول اُٹھا "اے جمشید، کچھ

پوچھ - ہم ایسے بدبخت ہیں کہ جس شہر میں جاتے ہیں،
وہ شہر تباہ و برباد ہو جاتا ہے - تُم بھی یا تو قتل ہو گے
حمزہ کی غُلامی کا حلقہ اپنی گردن میں ڈالو گے - بس اُس
سامنا کرنے کی دیر ہے۔"
جمشید یہ سُن کر غضب میں آیا اور کہنے لگا "او
بدذات، زبان کو لگام دے - ورنہ چمڑی اُدھیڑ دُوں گا۔"
نوشیرواں نے بختک کو ڈانٹا اور جمشید کو سمجھا بجھا کر
نرم کیا - اُس وقت امیر حمزہ کوہ شُشدر سے پانچ منزل
دُور ایک تالاب کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہُوئے تھے اور
جنگی چالیں سوچنے میں مصرُوف تھے کہ یکایک مکّے سے
ایک تیز رفتار قاصد خواجہ عبدُالمُطّلب کا خط لے کر آیا - اس
میں لکھا تھا:
"فرزندِ ارجمند حمزہ کو سلام پہنچے - از ہر زنگی نے بارہ
سو ہاتھیوں سے شہر کو گھیرا ہے اور کہتا ہے کہ شہر کی
اینٹ سے اینٹ بجا دُوں گا - میں نے چند دِن کی مُہلت
اُس سے مانگی ہے - اب تُم دیر نہ کرو اور جلد یہاں پہنچو۔"
اپنے والِد کا یہ خط پڑھ کر امیر حمزہ بے چین ہو
گئے - شہزادہ قباد شہریار سے کہنے لگے "بیٹا، تُم لشکر
سمیت یہیں رہو - اگر جمشید حملہ کرے تو عَلَم شاہ، لندھور

اور بہرام وغیرہ اس سے نپٹ لیں گے۔ لیکن جب
میں واپس نہ آؤں، تم آگے بڑھنے کا اِرادہ نہ کرنا۔
فقط عمرِو عیّار کو اپنے ساتھ لیے جاتا ہُوں۔"

قباد شہریار نے کہا "ابّا جان، مُناسب تو یہ ہے
فوج کے ایک دو دستے ضُرور اپنے ساتھ لے جائیے۔"

امیر حمزہ نے اِنکار کیا مگر شہزادہ ضِد کرنے لگا۔
امیر حمزہ نے مجبُور ہو کر بہرام کی فوج کے چند سپاہی
لیے اور مکّے کی جانب روانہ ہو گئے۔ جاسُوسوں نے
یہ خبر جمشید اور نوشیرواں کو پہنچائی کہ امیر حمزہ اور
عیّار چند سپاہیوں کو لے کر مکّے کی طرف گئے ہیں۔ کیو
وہاں ازہر زنگی ہاتھیوں کی فوج لے کر آیا ہے۔ بخ
یہ سُن کر بے حد خُوش ہُوا اور بغلیں بجا بجا کر کہ
لگا، یہی وقت ہے کہ حمزہ کے لشکر پہ ہلّا بول دیا
جمشید لال پیلی آنکھیں کر کے بولا:

"او بُزدِل، کیا تُو نے ہم کو بھی اپنے ہی جیسا
ہے؟ مجھ کو تو حمزہ سے دو دو ہاتھ کرنے کی خواہش
ہے۔ جب تک وُہ واپس نہ آئے گا، میں جنگ نہ
کروں گا۔"

"اے جمشید، میری بات مان اور حملہ کر دے۔ ا

سُنہری موقع پھر نہ ملے گا۔ حمزہ اور عمرو عیّار دونوں غیر حاضر ہیں۔ اگر تُو اِس وقت لڑے گا تو ضرور فتح پائے گا۔"

لیکن جمشید نے بختک کی اِس بکواس پر بالکُل کان نہ دھرا اور وہاں سے اُٹھ کر چلا گیا۔ بختک سوچنے لگا کہ جمشید کو ذلیل کرنے کی کوئی تدبیر کروں۔ سوچتے سوچتے ایک خیال دماغ میں آیا۔ اُس نے جمشید کی جانب سے ایک خط شہزادہ قباد شہریار کے نام روانہ کیا۔ جِسے پڑھ کر قباد کا خُون کھول گیا۔ عَلَم شاہ نے قباد کا جو یہ حال دیکھا تو وُہ خط اُٹھا کر پڑھا۔ اُس کے بھی تن بدن میں آگ لگ گئی۔ پھر تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا:

"اگر حُکم ہو تو ابھی جاؤں اور اِس مردُود جمشید کو سزا دُوں۔"

"ہاں بھائی، ضرُور جاؤ۔" شہریار نے اِجازت دے دی۔ عَلَم شاہ باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہُوا ——— کئی جاں نثاروں نے ساتھ جانے کا اِرادہ کیا مگر عَلَم شاہ نے سب کو منع کیا۔ حتّٰی کہ سیّارہ رُومی کو بھی ہمراہ نہ لیا۔ تن تنہا کوہ شُشدر پہنچا لیکن سُلطان سعد اپنے چچا کی

محبّت سے مجبور ہو کر پیچھے پیچھے آ گیا تھا۔ چوبداروں نے عَلَم شاہ کو روکنے کی کوشش کی مگر وُہ سب کو کوڑے مار کر ہٹاتا ہُوا سیدھا جمشید کے دربار میں آیا اور گھوڑے سے کُود کر تخت پر اُس کے برابر جا بیٹھا۔ پھر خنجر نکال کر جمشید کی گردن پر رکھ دیا اور کہا:

"او بدذات، کِس بِرتے پر بادشاہی کرتا ہے؟ کیا بادشاہوں کی یہی شان ہے کہ دُوسرے بادشاہوں کو گالیاں لکھ کر بھیجیں۔ دیکھ ابھی تیری گردن کاٹتا ہُوں۔"

خوف کے مارے جمشید کی گھگھّی بندھ گئی۔ زبان سے ایک لفظ نہ نِکل سکا۔ اُس کے مُحافظ تلواریں کھینچ کھینچ کر عَلَم شاہ کی طرف بڑھے تو اُس نے خنجر کی نوک جمشید کے گلے پر دبا کر کہا "اے جمشید، اپنے اِن غُلاموں کو روک ورنہ خُدا جانتا ہے تجھے جیتا نہ چھوڑوں گا۔"

نوشیرواں اور بختک نے غُلاموں کو روکا اور کہا کہ اپنی تلواریں میان میں رکھو اور واپس جاؤ۔ اِتنے میں سُلطان سعد بھی گھوڑے پر سوار دربار میں آن پہنچا اور جمشید کی حالت دیکھ کر ہنسا۔ پھر عَلَم شاہ سے کہنے لگا:

"چچا جان، مُجھے حُکم دِیجیے کہ اِس مُوذی کو سزا

دُوں ۔"

جمشید کے غُلام سعد کو مارنے کے لِیے بڑھے تو عَلَم شاہ نے للکار کر کہا ۔" خبردار، اگر کسی کے ہاتھوں سعد کو ہلکی سی خراش بھی آئی تو سب کی بوٹی بوٹی کر دُوں گا۔"

بختک ہاتھ باندھ کر بولا " حضُور، کِسی کی کیا مجال ہے جو کوئی بولے ۔"

غرض عَلَم شاہ نے جمشید کی تین مرتبہ اُٹھا بیٹھی کرائی پھر اُس نے ناک فرش پر رگڑی اور کانوں کو ہاتھ لگایا۔ تب عَلَم شاہ نے اپنا خنجر اُس کی شہ رگ سے ہٹایا ۔ اس کے بعد عَلَم شاہ وہی خنجر لے کر نوشیرواں کی طرف بڑھا اور کہنے لگا :

" آج تیرا بھی قِصّہ پاک کِیے دیتا ہُوں تاکہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو ۔"

" اے عَلَم شاہ ، خبردار ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو اچّھا نہ ہو گا ۔ یہ حرکت تیری شان کے خلاف ہے ۔" خواجہ بزرجمہر نے پُکار کر کہا ۔

عَلَم شاہ نے حیرت سے خواجہ بزُرجمہر کو دیکھا ۔ پھر عقل سے پہچانا کہ یہی خواجہ بزُرجمہر ہیں جن کا نام امیر حمزہ ادب سے لیتے ہیں ۔ پس اُس نے اپنا خنجر کمر میں باندھا

اور بزرجمہر کو سلام کر کے کہنے لگا :

" حضرت، آپ بھی اِس کو نہیں سمجھاتے کہ امیر حمزہ سے دُشمنی کیوں کرتا ہے "

بزرجمہر نے کوئی جواب نہ دیا۔ تب عَلَم شاہ اپنے گھوڑے پر سوار ہُوا دربار کے پہرے داروں اور غُلاموں نے پھر اُسے روکنے کی کوشش کی تو اُس نے گرج کر کہا " اگر کسی نے شرارت کی تو ایک ایک کو قتل کروں گا اور کسی کی سِفارش نہ سنوں گا۔"

بختک گھبرا کر بولا " حضُور، آپ تشریف لے جائیں۔ کوئی شخص جُنبش بھی نہ کرے گا "

جب عَلَم شاہ اور سُلطان سعد باہر چلے گئے تب بختک نے درباریوں، سپاہیوں اور پہرے داروں سے کہا کہ تُم سب پرلے درجے کے بُزدِل ہو۔ دو آدمی بھرے دربار میں بادشاہ کو ذلیل کر کے چلے گئے اور تُم اُن کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ اب بھی موقع ہے اُنھیں راستے میں گھیر لو۔"

یہ سُن کر بہُت سے سپاہی جھٹ پٹ گھوڑوں پر سوار ہُوئے اور عَلَم شاہ کے تعاقُب میں روانہ ہُوئے۔ وُہ دونوں ابھی بازار ہی میں تھے کہ جمشید کے سپاہی آن پہنچے اور

غیرت ہے تو ابھی جاؤ اور کپتان سے اِنتقام لو۔"

قباد شہریار کی یہ بات سُن کر عَلَم شاہ غُصّے سے تھر تھر کانپنے لگا۔ ایک طمانچہ قباد شہریار کے اِس زور کا مارا کہ وُہ لُڑھکنیاں کھاتا ہُوا دُور جا گِرا اور بے ہوش ہو گیا۔ یہ دیکھ کر سب پہلوان طیش میں آئے اور لندھور کی آنکھوں میں تو خُون اُتر آیا۔ گرج کر کہنے لگا:

"اے عَلَم شاہ، تُو نے یہ کیا بے ادبی کی؟ جانتا نہیں کہ قباد ہمارا بادشاہ اور حمزہ کا بیٹا ہے۔ اگر امیر حمزہ مُجھے قسم نہ دے گئے ہوتے تو ابھی تیرے دو ٹکڑے کر دیتا۔"

عَلَم شاہ نے کُچھ جواب دِیے بغیر جھٹ سے اپنا خنجر لندھور کے کھینچ مارا۔ لندھور نے وار خالی دیا۔ مگر پھر بھی کندھا زخمی ہو ہی گیا۔ لندھور دانت پِیس کر بولا:

"اے عَلَم شاہ، تُو چاہتا کیا ہے؟"

"یہی کہ مُجھے بے غیرت کہنے والا اِس دُنیا میں نہ رہے۔"

لندھور چند لمحے کانپتا رہا۔ پھر آہستہ سے کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ اب تُو یہاں سے نِکل جا ورنہ فساد برپا ہو گا اور تیری آبرُو میں فرق آئے گا۔"

عَلَم شاہ نے بھی دیکھ لیا تھا کہ بہرام ، اِستفتانوش
اور بخت مغربی کے تیور بگڑے ہُوئے ہیں اور اِن سے
مُقابلہ کرنا مُمکن نہیں ہے۔ پس وُہ گھوڑے پر سوا ہُوا
اور اپنی فوج کو ساتھ لے کر رُوم کی جانب روانہ
ہُوا۔

عَلَم شاہ کے کارنامے

سُلطان سعد کو عَلَم شاہ سے بے حد محبّت تھی اور اُسے عَلَم شاہ کا یُوں چلے جانا سخت ناگوار گُزرا تھا۔ وُہ بھی گھوڑے پر سوار ہُوا اور لندھور کی آنکھ بچا کر عَلَم شاہ کے پیچھے چلا گیا۔ تھوڑی دُور ہی گیا تھا کہ کِسی سپاہی نے عَلَم شاہ کو بتایا کہ سُلطان سعد آتا ہے۔ عَلَم شاہ نے گھوڑا روکا اور حیرت سے کہنے لگا:

"اے سعد، تُو کیوں آیا؟ میں تو اپنی زندگی سے بے زار ہُوں۔ حقیقت میں مجُھ سے بڑی بُری حرکت ہُوئی ہے۔ مجُھے قباد کے طمانچہ نہیں مارنا چاہیے تھا۔ سوچتا ہُوں کہ امیر حمزہ کو اپنی شکل کیسے دِکھلاؤں گا۔"

سُلطان سعد نے جواب دیا "چچا جان، قباد بھی میرا چچا ہے اور آپ بھی۔ یہی عزّت میرے دِل میں لندھور کی ہے۔ میں اِس معاملے میں کیا بولوں اور کیا رائے

دوں۔ ہاں، یہ جانتا ہوں کہ آپ کا ساتھ کسی قیم
نہ چھوڑوں گا۔ خُدا کے لیے مجھے بودا اور کم ز
جانیے اور اگر آپ نے مجھے ساتھ نہ لیا تو اللہ
ہے کہ پتھّروں سے سر پھوڑ کے مر جاؤں گا۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ لہراسپ بھی گھو
ہُوا وہاں پہنچ گیا۔ عَلَم شاہ نے کہا " اے لہراسپ
کیوں چلا آیا ؟"

لہراسپ نے محبّت کی نظروں سے سعد کو دیکھا
کہنے لگا "سُلطان سعد میرے مرحوم دوست عامر
کی نشانی ہے۔ اِس لیے یہ مجھے بے حد عزیز ہے۔
یہ جائے گا، میں بھی وہیں جاؤں گا۔"

اِتنے میں لہراسپ کا غُلام زنگادہ بھی آیا اور کہ
کہ جہاں آقا وہیں اُس کا غُلام۔ میں اِس سے الگ
سکتا۔" یکایک ایک اور شخص دوڑتا ہُوا آیا۔ وُہ تیّا
تھا۔ غرض یہ چاروں عَلَم شاہ کے ساتھ رُوم کی جانب
ہُوئے۔

اُدھر قباد کو ہوش آیا تو بڑا پریشان ہُوا۔ کسی
نے لندھور سے کہا "تم نے عَلَم شاہ کو جانے کیوں
اِس گستاخی کی سزا اُسے ضرور ملنی چاہیے تھی۔"

لندھور نے کہا "شاید آپ بھول گئے کہ علم شاہ بھی حمزہ ہی کا بیٹا ہے اور اُس کی قدر قباد سے کچھ کم نہیں ہے۔"

تب قباد شہریار کہنے لگا کہ ہاں، لندھور صحیح کہتا ہے۔ کچھ قصور میرا بھی ہے۔ مجھے ایسی گری ہوئی بات علم شاہ سے نہیں کہنی چاہیے تھی۔ بہرحال اب جو ہُوا سو ہُوا۔ اِس قصّے پر خاک ڈالو۔

کپتان فرنگی، مرزوق فرنگی کا بیٹا تھا اور دولائے فرنگی کی موت کا اِنتقام لینے نو لاکھ سپاہیوں کے ساتھ رُوم پر چڑھ آیا تھا۔ اُس نے خُوب قتلِ عام کیا۔ کاؤس رُومی کو مارا اور آصف و الیاس کو زنجیروں میں جکڑ کر قید میں ڈال دیا۔

علم شاہ جب فوج کو لے کر رُوم کے نزدیک پہنچا تو تباہی اور بربادی کے آثار دیکھے۔ جا بجا ہزارہا رُومیوں کی لاشیں پڑی تھیں جنھیں گدھ اور کُتّے نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ نہروں کا پانی خُون سے سُرخ ہو رہا تھا مکان آگ میں جل جل کر گر چکے تھے۔

علم شاہ نے حُکم دیا کہ کاؤس رُومی کی لاش تلاش

کی جائے۔ تین روز کی جان توڑ کوشش کے بعد کاؤس
کی لاش ملی۔ عَلَم شاہ اُسے دیکھ کر خُوب رویا۔ پھر
کر دیا۔ پھر پُوچھا کہ کپتان فرنگی کہاں ہے؟ ہامان
نے بتایا کہ وہ دریا کے پار پڑاؤ ڈالے ہُوئے ہے
ہمارے چار سو آدمی اُس کی قید میں ہیں۔ تب عَلَم
نے کہا کہ میں کپتان کے لشکر میں جاتا ہُوں۔ یہ کہہ
گھوڑے پر سوار ہُوا۔ ہامان نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"اے رُستم، آپ اکیلے وہاں نہ جائیے؟ اِس میں جا
کا خطرہ ہے۔"

"اے ہامان، مجھ کو اپنی جان کی پروا نہیں ہے
میرا مُحافِظ ہے۔"

اِتنے میں سیّارہ رُومی قریب آیا اور کہنے لگا "ایک
انوکھی تدبیر میرے ذہن میں آئی ہے۔ مگر پہلے قسم کھا
کہ جو مشورہ دُوں گا، آپ اُس پر عمل کریں گے۔"

عَلَم شاہ نے قسم کھائی، تب وُہ کہنے لگا "میں ایک
نقّارہ لاتا ہُوں۔ آپ چل کر کپتان کی فوج پر شب
ماریں۔ میں نقّارہ بجاؤں اور آپ یہ نعرہ لگائیں کہ میں
حمزہ ہُوں۔ پھر سُلطان سعد یہ نعرہ لگائیں کہ میں لندھ
ہُوں۔ سراندیپ کے ہزار جزیرے کا بادشاہ۔ اور لہراسپ

یہ نعرہ بلند کرے کہ میں مالکِ اژدر ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اِن نعروں سے کپتان فرنگی اور اس کی فوج میں کھلبلی مچ جائے گی۔"

عَلَم شاہ کو سیّارہ رُومی کی یہ عیّاری پسند آئی اور اس پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ تب سیّارہ نے عَلَم شاہ سے کہا آپ اِس ٹیلے پر تھوڑی دیر آرام کریں۔ میں ابھی نقّار خانے میں جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اُس نے نقّار خانے کا رُخ کیا۔

اُدھر عَلَم شاہ کی طبیعت میں جلد بازی بہت تھی۔ جب سیّارہ کے آنے میں کچھ دیر ہوئی تو وہ کہنے لگا:

"معلُوم ہوتا ہے کہ سیّارہ نے مُجھ سے مذاق کیا ہے۔ اب میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا اور کپتان کے لشکر کی جانب جاتا ہوں۔"

لہراسپ اور سعد نے اُسے روکنے کی بڑی کوشش کی مگر اُس نے کسی کا کہا نہ مانا اور اِن دونوں کو ناراض کر کے چلا گیا۔ دریا کی طرف جو راستہ جاتا تھا۔ اُس پر تو نہ گیا بلکہ ایک لق و دق صحرا کی طرف جا نکلا۔ آسمان سے سُورج آگ برسا رہا تھا اور تیز لُو چل رہی تھی۔ مارے پیاس کے عَلَم شاہ کی زبان میں کانٹے پڑ گئے مگر وہاں ریگستان میں پانی کہاں؟ کچھ دُور جا کر دیکھا کہ ایک

بلند ٹیکرا ہے جو اُس ٹیکرے پر سایہ دار درخت کثرت سے ہیں۔ قریب ہی ایک گہرا کنواں بھی ہے۔ کنویں سے پانی نکالنے کے لیے رسّی اور ڈول کا انتظام بھی ہے۔ عَلَم شاہ بھاگم بھاگ کنویں کے نزدیک آیا۔ دیکھا کہ اس کی مُنڈیر پر نہایت خُوب صُورت آب خورے شفّاف اور سرد پانی سے بھرے دھرے ہیں۔ ایک آب خورہ اُٹھا کر مُنہ سے لگانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ٹیکرے کی طرف سے آواز آئی :

"اے پانی پینے والے بھائی، ذرا رُک جا — تُو پسینے میں شرابور ہے۔ ایک دم پانی پینا مُناسب نہیں ہے۔ اِس ٹیکرے پر چند لمحوں کے لیے آ جا۔ پھر پانی پیجیو۔"

عَلَم شاہ نے یہ آواز سُنی، آب خورہ ہاتھ سے رکھ دیا اور ٹیکرے پر جا پہنچا۔ دیکھا کہ ایک درویش، جس کی سفید لمبی ڈاڑھی اور ایسی ہی بھویں ہیں، ایک ہاتھ میں حُقّہ اور دُوسرے میں پنکھا لیے بیٹھا ہے۔ عَلَم شاہ کو دیکھتے ہی کہنے لگا :

"آئیے، تشریف لائیے۔ فقیر کی گُدڑی حاضر ہے۔"

عَلَم شاہ نے دِل میں سوچا کہ یہ ضرور کوئی پہنچا ہُوا بُزرگ ہے۔ نہایت ادب سے اُسے سلام کیا اور دو زانُو

ہو کر اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ فقیر نے حُقّہ اور پنکھا
شاہ کی طرف بڑھاتے ہُوئے کہا :

"آپ کی کیا خاطر کروں ؟ لیجیے حُقّہ نوش فرمائیے
اور پنکھا جھلیے تاکہ پسینہ خُشک ہو اور آپ کے ہوش
حواس بجا ہوں "

فقیر کی جھونپڑی کے نزدیک چند پنجرے رکھے تھے
جن میں طرح طرح کے حسین پرندے بند تھے۔ فقیر پرندو
کو دانہ پانی دینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد عَلَم شاہ نے کہ
"حضرت، اگر حُکم ہو تو اب پانی پیئُوں ؟"

"ہاں ہاں، ضرور ــــ اب کچھ مُضائقہ نہیں" فقیر نے
کہا "آپ پانی پی کر یہیں آئیے۔ میرے بستر پر آرا
کیجیے۔ ابھی دُھوپ تیز ہے۔ شام کو ٹھنڈے وقت چ
جائیے گا"

عَلَم شاہ نے پانی پیا۔ جان میں جان آئی۔ پھر فقیر
بستر پر آن لیٹا۔ اتنے میں فقیر پرندوں کو دانہ پانی د
کر فارغ ہُوا۔ پھر شیشے کی ایک عُمدہ پیالی لایا، ا
سُنہری ڈبیا کھولی جس میں افیون رکھی تھی۔ ڈبیا میں
افیون کی ایک گولی نکالی اور پیالی میں گھولنے لگا۔ گ
تازہ کر کے اپنے آگے رکھا اور ایک فلک شگاف

لگایا۔ عَلَم شاہ حیرت سے فقیر کی یہ حرکتیں دیکھ رہا تھا۔ فقیر نے افیُون کی چُٹکی لگائی اور عَلَم شاہ سے کہا:

"میاں مُسافِر، گھبرانا نہیں۔ یہاں تُمھاری جان کو کوئی خطرہ نہیں۔ جو عجیب واقعات تُمھیں دکھائی دیں، اُن کو یہیں بستر پر لیٹے لیٹے دیکھنا۔"

تھوڑی دیر بعد فقیر نے دُوسرا نعرہ لگایا۔ جُوں ہی یہ نعرہ ختم ہُوا، گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز آنے لگی۔ عَلَم شاہ نے خیال کیا کہ دیکھیے کیا ظہُور میں آتا ہے ــــ اچانک چار نقاب پوش نمُودار ہُوئے۔ ٹیکرے کے نزدیک آن کر اپنے اپنے گھوڑے سے اُترے اور فقیر کے پاس آن کر بیٹھ گئے۔ پھر ایک نے کہا:

"لائیے شاہ صاحب۔"

اس مردِ پُراسرار نے وہی افیُون کی پیالی اور بھرا ہُوا حُقّہ پیش کیا۔ اِن چاروں نقاب پوشوں نے اُس پیالی میں سے ایک ایک چُٹکی افیُون کی لگائی اور حُقّے کا ایک ایک کش لگا کر فقیر سے کہنے لگے:

"ہاں شاہ صاحب، اب فرمائیے کہ آپ کا کیا کام کرنا ہے تاکہ جلد کر دیا جائے۔"

فقیر نے عَلَم شاہ کی طرف اِشارہ کرتے ہُوئے کہا: "یہ

مُسافر جو لیٹا ہے ، دینِ ابراہیمی پہ ایمان رکھتا ہے اور کپتان فرنگی کے مقابلے کو تنہا جاتا ہے۔ راہ بھول کر مہری جانب آ نکلا۔ اس کا وہاں تک پہنچنا دشوار ہے۔ اس لیے آپ کو تکلیف دی ہے کہ اگر آپ لوگ چاہیں تو اس کی مشکل آسان ہو جائے "

یہ سُن کر اُن چاروں نے گردن اُٹھا اُٹھا کر عَلَم شاہ کو دیکھا۔ پھر کہنے لگے " شاہ صاحب ، ہم آپ کے اِرشاد کی تعمیل کریں گے۔ بھائی ، اُٹھیے اور ہمارے ساتھ تشریف لے چلیے "

عَلَم شاہ اُن کے ساتھ چلا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہونے کا اِرادہ کیا مگر ایک نقاب پوش نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھوڑے پر بٹھایا اور کہا " میاں مُسافر ، ذرا آنکھیں بند کرو "

عَلَم شاہ نے آنکھیں بند کیں۔ چند لمحے بعد آواز آئی ، " آنکھیں کھول دو "

عَلَم شاہ نے آنکھیں کھولیں۔ اپنے آپ کو اُسی ٹیلے کے نزدیک کھڑے پایا جہاں سے چلا تھا۔ نگاہ سامنے اُٹھائی تو دیکھا کہ سیّارہ رُومی نقّارہ گلے میں لٹکائے چلا آتا ہے۔ عَلَم شاہ نے کہا :

"اے سیارہ تُو نے نقّارہ لانے میں اِتنی دیر کی
لگائی۔"

سیّارہ حیران ہو کر عَلَم شاہ کی صُورت دیکھنے لگا۔
چِلّا کر بولا۔ "ابھی چند لمحے پہلے تو میں نقّارہ لینے گیا
آپ فرماتے ہیں دیر ہو گئی۔"

یہ سُن کر عَلَم شاہ کے ہوش اُڑے۔ کچھ سمجھ میں
آیا کہ کیا ماجرا ہے۔ اُس نے دِل میں کہا کہ میں اُس
کی جھونپڑی میں کم از کم دو پہر ضرُور رہا ہُوں گا
اب یہ سیّارہ کہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ چند لمحے گزرے
ہیں۔ اُس نے سُورج کی طرف نگاہ کی۔ اندازہ ہُوا کہ
وقت ٹیلے پر آیا ہے۔ سُورج اُسی جگہ چمک رہا تھا
اب بھی ہے۔

قِصّہ مختصر عَلَم شاہ اِس عجیب واقعے پر سر دُھنتا
شام کے وقت دریا پار پہنچا۔ وہاں کپتان فرنگی کا
پڑاؤ ڈالے ہُوئے تھا۔ عَلَم شاہ نے سب سے پہلے
فرنگی کا جھنڈا کاٹ کر زمین پر گرایا، پھر خیموں کی طنابیں
کاٹ ڈالیں۔ اِتنے میں سیّارہ رُومی نے نقّارہ بجایا۔
سعد نے لندھور کا نعرہ لگایا۔ پھر لہراسپ نے مالک
کا نعرہ لگایا۔ فرنگی کے جو سپاہی اپنے خیموں میں آ

کر رہے تھے، بیدار ہو گئے اور تلواریں سنبھال کر باہر آئے۔ دیکھا کہ ہر طرف غُل مچا ہُوا ہے۔ جلتی ہُوئی مشعلیں بجھ گئی ہیں۔ گھوڑے بُری طرح ہنہنا رہے ہیں۔ بہُت سے سپاہی خیموں کے نیچے دب کر چلّا رہے تھے۔ جب اُنھوں نے نقّارے کی آواز سُنی تو سمجھے کہ دُشمن کی فوج نے حملہ کر دیا ہے۔ پس وُہ تلواروں سے ایک دُوسرے ہی کو کاٹنے لگے۔ اِتنے میں عَلَم شاہ نے امیر حمزہ کا نعرہ بلند کیا۔ کپتان فرنگی کو خبر ہُوئی۔ وُہ اپنے خیمے سے نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر آیا۔ عَلَم شاہ نے دُوسرا نعرہ لگایا تو فرنگی سمجھا کہ امیر حمزہ نے حملہ کیا ہے۔ للکار کر کہنے لگا:

"اے حمزہ، میں نے تیری بہادری کے جو قصّے سُنے تھے، وُہ سب جھُوٹ نکلے۔ رات کی تاریکی میں تُو نے ہم پر حملہ کیا۔ یہ کہاں کی دلیری ہے؟ اچھّا، اب تُو آ ہی گیا ہے تو اپنے حوصلے نکال لے۔ مگر میرے سامنے نہ آئیو ورنہ ٹکڑے اُڑا دُوں گا۔"

عَلَم شاہ نے فرنگی کے یہ کلمے سُنے تو خُون جوش مارنے لگا۔ لڑتا بھِڑتا اُس کے قریب پہنچ ہی گیا اور گرج کر کہا:

"اے فرنگی، تُو مجھے نہیں جانتا۔ میں رُستمِ فیل تن ہُوں۔ میں نے دوِیل ہندی اور قوِیل ہندی جیسے پہلوانوں کو اُٹھا کر زمین پر دے مارا تھا۔ تیری کیا ہستی ہے"

کپتان فرنگی نے سات من کا گُرز اُٹھا کر عَلَم شاہ پر حملہ کیا۔ عَلَم شاہ نے ڈھال پر وار روکا۔ پھر اللہ کا نام لے کر اپنا گُرز گُھمایا اور پُوری قُوّت سے کپتان کے سر پر دے مارا۔ ایک ہولناک آواز بلند ہُوئی اور فرنگی اپنے گھوڑے سمیت آدھا زمین میں دھنس گیا۔ پھر عَلَم شاہ نے تلوار کا ایک ہاتھ ایسا مارا کہ خربُوزے کی پھانک کی طرح اُس کا جسم کٹ کر دو حِصّوں میں تقسیم ہو گیا۔

کپتان فرنگی کے مرنے سے اُس کی فوج کا جی چھوٹ گیا۔ سب سپاہی بے تحاشا بھاگے۔ ایک مقام پر آصف اور الیاس اپنے چار سو آدمیوں سمیت قید تھے۔ اُن کو رہا کیا گیا۔ عَلَم شاہ نے اُنھیں سلام کیا۔ آصف اور الیاس نے اُسے گلے سے لگایا اور پیٹھ ٹھونکی۔

اچانک لہراسپ خُون میں نہایا ہُوا آیا۔ اُس وقت عَلَم شاہ کو سعد کا خیال آیا۔ پُوچھا کہ سُلطان سعد کہاں ہے؟ لہراسپ نے جواب دیا "مجھے کیا معلُوم۔ میں تو آپ کے ساتھ ہی ساتھ دُشمنوں سے لڑ رہا تھا"

اب عَلَم شاہ کا یہ حال ہُوا کہ فتح کی ساری خُوشی جاتی رہی۔ بے چین ہو کر سیّارہ رُومی سے کہا "جلد سعد کو تلاش کر۔ اُس کے بغیر میری زندگی بیکار ہے۔"

سیّارہ رُومی نے سعد کو ہر طرف ڈھونڈا مگر کہیں نہ پایا۔ آخر ایک ادھ مُوئے فرنگی سپاہی نے بتایا کہ اِس حُلیے کے ایک نوجوان کو کپتان فرنگی کے سپاہیوں نے زخمی کر دیا تھا۔ پھر بھاگتے ہُوئے اُسے بھی ساتھ لے گئے ہیں خیال ہے کہ اُنھوں نے اُس نوجوان کو پہچان لیا تھا کہ یہی حمزہ کا پوتا ہے اور شاید کبھی وقت اُس کے ذریعے ہم حمزہ سے اپنی من مانی شرطیں منوا سکیں۔

سیّارہ نے یہ بات عَلَم شاہ کو بتائی۔ عَلَم شاہ سوچ میں پڑ گیا، پھر کہنے لگا "سعد کا گرفتار ہونا قیامت ہے۔ اب تُو ایسا کر کہ ایک خط امیر حمزہ کے نام لکھ اور ان کے پاس مکّے جا۔ میں سعد کو رہا کرانے مُلک فرنگستان جاتا ہُوں۔"

اِس خط میں عَلَم شاہ نے شرُوع سے آخر تک ہر بات امیر حمزہ کو لکھوائی تھی۔ سیّارہ یہ خط لے کر مکّے روانہ ہُوا عَلَم شاہ لہراسپ کو لے کر سُمندر کے کِنارے آیا۔ دیکھا کہ ایک جہاز سفر پہ روانہ ہونے کے لیے تیار ہے۔ ملّاحوں

سے کہا کہ ہم تمھیں مُنہ مانگا اِنعام دیں گے۔ جتنی جلد
مُمکن ہو ہم کو فرنگستان میں پہنچا دو۔
سُلطان سعد کو دراصل کپتان فرنگی کا وزیر ریحان پکڑ
کر لے گیا تھا۔ جب وُہ مُلک فرنگستان میں پہنچا تو مرزُوق
کو اِطّلاع دی کہ کپتان فرنگی عَلَم شاہ کے ہاتھوں اپنی موت
کو پہنچا اور ہمیں شکست ہُوئی۔ اب میں حمزہ کے پوتے
سُلطان سعد کو گرفتار کرکے لایا ہُوں۔
مرزُوق فرنگی کو اپنے بیٹے کے مارے جانے کا اِس قدر
صدمہ ہُوا کہ اُسی وقت کھانا پینا چھوڑ دیا۔ ہر قِسم کے
جشن، کھیل تماشے مُلک بھر میں موقُوف کر دِیے گئے اور
سب نے کالے کپڑے پہن لیے۔ جب ریحان نے دربار
میں آ کر کپتان کے مارے جانے کا واقعہ سُنایا تو مرزُوق
اور اُس کے سردار آلا گرد فرنگی سپہ سالار، مالا گرد فرنگی
اور پیکرین فرنگی خُوب روئے پیٹے۔ آخر مرزُوق نے حکم
دیا کہ سُلطان سعد کو ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ سعد
دربار میں آیا اور کِسی کو سلام نہ کیا بلکہ بہادُری سے سینہ
تان کر کھڑا رہا۔ اُس کے ہاتھوں پیروں میں ہتھکڑیاں اور
بیڑیاں پڑی ہُوئی تھیں۔ مرزُوق نے حیرت سے اِس نوجوان
کو دیکھا اور کہنے لگا:

"اے لڑکے، کیا تجھے کسی نے یہ تعلیم نہیں دی کہ اپنے سے بڑوں کو سلام کرنا چاہیے؟"

سعد نے بے خوفی سے جواب دیا۔ "بزدلوں کو ہمارے مذہب میں سلام کرنا جائز نہیں۔"

یہ سُن کر مرزوق کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا۔ دانت پیس کر بولا۔ "اے لڑکے، ہوش میں آ۔ زبان ٹھیک کر ورنہ مارا جائے گا۔"

"او بزدل، تُو زیادہ سے زیادہ یہی دھمکی دے سکتا ہے۔" سعد نے کہا۔ "میرے ہاتھ پیر زنجیروں میں بندھے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے انھیں کھلوا دے اور میرے ہاتھ میں تلوار دے دے پھر دیکھتا ہوں کون مجھے مارتا ہے۔"

مرزوق نے چلّا کر کہا "او بدبخت، میں تجھے اپنے ہاتھ سے قتل کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر مرزوق نے تلوار کھینچی اور سعد کی طرف لپکا اُسی وقت ریحان سامنے آیا اور ہاتھ باندھ کر بولا "حضور، ایک عرض میری بھی سُن لیجیے۔ اگرچہ یہ لڑکا اپنی گستاخیوں کی وجہ سے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں رکھتا مگر مصلحت یہ ہے کہ اِسے ابھی چند روز کے لیے زندہ رہنے دیا جائے مجھے یقین ہے کہ عَلَم شاہ اِسے رہا کرانے کی نیّت سے

فرنگستان میں ضرور آئے گا۔ پھر آپ عَلَم شاہ کے ساتھ
اِسے بھی موت کے گھاٹ اُتار دیجیے۔"
ریحان کی رائے مرزوق فرنگی کو بہت پسند آئی۔ اُس
نے جیل خانے کے داروغہ اشقش کو طلب کر کے سعد کو
اُس کے سپرد کیا اور کہا "اِس لڑکے کو خُداوندِ زرّیں تن
کے پاس لے جا۔ وُہ جیسا حُکم دے، ویسا ہی کرنا۔"
اشقش، سُلطان سعد کو خُداوندِ زرّیں تن کے پاس لے
گیا۔ وُہ ایک خُوش نُما اور وسیع باغ میں رہتا تھا۔ اِس
باغ میں ایک عالی شان بارہ دری یاقُوت کی بنی ہُوئی
تھی اور خُداوندِ زرّیں تن ایک مسندِ جواہر نگار پہ نہایت
غرُور سے گردن اکڑائے بیٹھا تھا۔ چاروں طرف طرح طرح
کے چھوٹے بڑے بُت دھرے تھے۔ معلوم ہُوا کہ یہ سب
بُت فرنگستان میں پُوجے جاتے ہیں اور اِن بُتوں کا سردار
خُداوندِ زرّیں تن ہے۔
اشقش نے آتے ہی خُداوند کو سجدہ کیا مگر سُلطان سعد
ویسے ہی کھڑا مُسکراتا رہا۔ خُداوندِ زرّیں تن کو اِس گستاخی
پر طیش آیا۔ کہنے لگا "او لڑکے، تُو نے ہمیں سجدہ
نہیں کیا؟"
"ہم اپنے جیسے آدمیوں کو نہ خُدا مانتے ہیں اور نہ اُنھیں

سجدہ کرتے ہیں۔" سعد نے جواب دیا۔

اشقش نے سعد سے کہا "اے لڑکے، اپنی جوانی پر ترس کھا اور خُداوند کو سجدہ کرکے جان بچالے۔ ورنہ یاد رکھ کُتّے کی موت مارا جائے گا۔"

سعد نے زور سے کہا "اے اشقش، کیا بکواس کرتا ہے۔ یہ کام مُجھ سے ہرگز نہ ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے تُمھارا یہ خداوند کوئی شیطان یا شیطان کا بچّہ ہے۔ میں اِس پر لاکھ لعنت بھیجتا ہُوں۔"

سعد کی یہ باتیں سُن کر خُداوندِ زرّیں تن غُصّے سے کانپنے لگا۔ مُنہ میں جھاگ لا کر بولا "اے سعد، ہم نے تیرے دادا حمزہ کو کوہ قاف میں بھیجا اور اُسے ہیبت ناک دیووں پر فتح دی۔ پھر وہاں سے بحفاظت بُلا کر نوشیرواں کے مُلک اس کو دِلوائے۔ پھر تُجھ کو اور عَلَم شاہ رُومی کو صِرف چار آدمیوں کی مدد سے نو لاکھ سپاہیوں پر فتح دی۔"

"او مردُود، یہ کیا بکتا ہے۔" سعد نے للکار کر کہا "یہ سب خُدائے واحِد کا فضل و کرم ہے کہ اُس نے میرے دادا حمزہ کو یہ فتوحات دیں۔ تُو کیا اور تیری ہستی کیا۔"

اب تو خُداوندِ زرّیں تن کے غضب کی اِنتہا نہ رہی۔

اشقش سے کہا " لے جاؤ اِس گستاخ لڑکے کو اور جہنّم میں ڈال دو۔"

تب اشقش نے ہاتھ باندھ کر زرّیں تن سے کہا کہ اِس لڑکے کا ابھی مار ڈالنا مُناسب نہیں۔ اِس کے ذریعے ہم عَلَم شاہ پر قابُو پا سکیں گے اور پھر دونوں کو ایک ہی مرتبہ جہنّم میں ڈالیں گے۔

زرّیں تن یہ سُن کر خوش ہُوا۔ کہنے لگا " تُمھاری بات معقُول ہے۔ عَلَم شاہ کے آنے تک اِسے قید میں رکھو۔"

اشقش نے سعد کو قید خانۂ قُدرت میں لے جا کر رکھا یہ بہت بڑا قید خانہ تھا۔ اُدھر ریحان مکّار نے مرزُوق سے کہا کہ عَلَم شاہ ضرُور فرنگستان میں آئے گا۔ اُس کی شکل سعد سے بے حد مِلتی ہے۔ اِس لِیے ضرُوری ہے کہ سعد کی بہت سی تصویریں مُصوّروں سے بنوا کر پُورے مُلک میں پھیلا دی جائیں اور یہ مُنادی کرا دی جائے کہ جہاں اِس حُلیے کا آدمی نظر آئے، اُسے پکڑ کر دربار میں بھیج دِیا جائے۔

مرزُوق کو یہ تدبیر پسند آئی اور اُس نے ایسا ہی کیا۔

اب عَلَم شاہ کی سُنیے۔ کئی روز تک تو اُس کا جہاز سُمندر میں ٹھیک ٹھاک چلتا رہا۔ پھر ایک رات غضب کا طُوفان

آیا۔ اُونچی اُونچی لہریں اُٹھنے لگیں اور اِن لہروں نے جہاز کو ایک گیند کی طرح اِدھر سے اُدھر پھینکنا اور اُچھالنا شروع کر دیا۔ آخر جہاز کے پرخچے اُڑ گئے۔ عَلَم شاہ اور لہراسپ نے ایک تختے پر پناہ لی اور موجوں میں ڈُوبتے اُبھرتے نہ جانے کِدھر نکل گئے۔

کئی روز تک یہ تختہ سُمندر کی لہروں پر بہتا رہا۔ اِنھیں کچھ خبر نہ تھی کہ کِدھر جا رہے ہیں۔ اُوپر آسمان تھا اور نیچے حدِ نظر تک پانی ہی پانی۔ ساتویں روز اُن کا تختہ ایک جزیرے کے کِنارے جا کر رُکا۔ دونوں خُدا کا شُکر بجا لائے اور جزیرے پر گھومنے پھرنے لگے۔ یہاں پھل دار درخت کثرت سے تھے اور ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے جا بجا بہہ رہے تھے۔ کئی روز کے بھُوکے پیاسے تھے، اِس لیے خُوب پیٹ بھر کر پھل کھائے اور پانی پیا۔ پھر ایک جگہ پڑ کر سو گئے۔

آنکھ کھُلی تو اپنے قریب ایک شخص کو کھڑے پایا۔ عَلَم شاہ نے اُس سے پُوچھا:

"کیوں صاحب، آپ کون ہیں اور اِس جزیرے کا کیا نام ہے؟ کیا قریب ہی کوئی شہر ہے؟"

اُس نے ہنس کر کہا "میاں، تُم راہ بھُول کر اِدھر آ

نکلے ہو۔ یہاں شہر کیسا اور آبادی کہاں ؟ یہ مقام طلسم ہے فولاد حصار اس کا نام ہے ۔ جتنی جلد ممکن ہو یہاں سے نکل جاؤ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے ۔"

عَلَم شاہ نے کہا "بہتر ہے ۔ ہم یہاں سے چلے جاتے ہیں مگر اتنا کرم کرو کہ ہمارے واسطے دو گھوڑے تو مہیا کر دو ۔"

اُس شخص نے سیٹی بجائی تو فوراً دو خوب صورت سفید گھوڑے دوڑتے ہوئے آ گئے ۔ عَلَم شاہ اور لہراسپ اِس طلسم سے حیران ہوئے ۔ کچھ کہے بغیر اِن گھوڑوں پہ سوار ہوئے اور اللہ کا نام لے کر ایک طرف چل پڑے ۔

پندرہ دن تک سفر کرتے رہے ۔ راہ میں کہیں پانی ملتا تو پی لیتے اور درختوں سے پھل توڑ کر کھا لیتے ۔ اِس دوران میں اُنھیں کوئی جانور اور کوئی اِنسان دِکھائی نہ دیا ۔ پرندے بھی نظر نہ آئے ۔ سولھویں روز سارا دِن اُنھیں پانی نہ ملا اور پیاس کے ہاتھوں سخت پریشان ہوئے ۔ یکایک دیکھا کہ کسی باغ کا عالی شان دروازہ سامنے ہے ۔ لہراسپ خوش ہو کر کہنے لگا :

"اے رُستم ، اِس باغ میں چلو ۔ شاید وہاں پانی مل جائے ۔"
عَلَم شاہ اور لہراسپ دونوں باغ میں داخل ہوئے ۔ کیا

دیکھتے ہیں کہ سُرخ رنگ کے چمک دار پتّھر کا بنا ہُوا ایک عالی شان محل ہے اور اس محل کی بارہ دری میں ایک سو سالہ بُڈھا گردن جُھکائے بیٹھا ہے۔ اس نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سُنی تو گردن اُٹھا کر دیکھا۔ عَلَم شاہ اور لہراسپ نے اُسے "بزرگ جان کر ادب سے سلام کیا۔ وُہ سلام کا جواب دِیے بغیر کہنے لگا:

"یارو، تُم نے غضب کِیا۔ گھوڑوں سمیت باغ میں گُھس آئے۔"

"باباجی، یہ ڈانٹ ڈپٹ بعد میں کر لیجیے گا، پیاس کے مارے ہمارا بُرا حال ہے۔ پہلے پانی پلائیے۔" لہراسپ نے کہا۔

یہ سُن کر وہ بُڈّھا اُٹھ کر ایک طرف گیا اور شیشے کے دو گلاسوں میں پانی بھر کر لایا۔ اِن دونوں نے ایسا سرد اور شیریں پانی اِس سے پہلے کبھی نہیں پیا تھا۔ جب کلیجا ٹھنڈا ہو گیا اور جان میں جان آئی تب عَلَم شاہ نے کہا "بڑے میاں، آپ نے بڑی مہربانی ہم غریب مُسافروں پر فرمائی۔ آپ کا نام کیا ہے اور یہ باغ کِس کا ہے؟"

"مجھے بابا لدّھا کہتے ہیں" بُڈّھے نے کہا "اور یہ باغ ملکہ سمینہ بانو کا ہے جو مرزُوق فرنگی کے سپہ سالار آلا گرد

کی بیٹی ہے ۔ میں سب باغبانوں کا داروغہ ہُوں ۔ میں نے سمینہ بانو کو گود میں کھلایا ہے۔"

عَلَم شاہ نے کہا: "بابا لدّھا، تمُھاری کوئی اولاد بھی ہے؟"

"ارے بھائی، ہماری اب تک شادی ہی نہیں ہُوئی۔"

یہ سُن کر عَلَم شاہ اور لہراسپ ہنس پڑے۔ پھر عَلَم شاہ نے کہا "بابا جی، فکر نہ کرو۔ ہم تمُھاری شادی کرا دیں گے۔"

یہ سُنتے ہی لدّھا خُوشی سے ناچنے لگا۔ اُس کے ناچنے پر عَلَم شاہ اور لہراسپ کو بڑی ہنسی آئی۔

ابھی یہ تماشا جاری تھا کہ ملکہ سمینہ بانو اور اُس کی کنیزیں، خواصیں اور لونڈیاں باغ میں آ گئیں۔ لدّھا کے اوسان خطا ہو گئے۔ گھبرا کر عَلَم شاہ سے کہنے لگا:

"جلدی سے کہیں چھُپ جاؤ۔ اگر ملکہ نے تُم کو دیکھ پایا تو زندہ نہ چھوڑے گی۔ اِسے مردوں سے سخت نفرت ہے۔ اور یُوں بھی اِس باغ میں غیر مردوں کا آنا منع ہے۔"

عَلَم شاہ وہیں کھڑا رہا اور کہنے لگا "سمینہ بانو آتی ہے تو آنے دو۔ ہم بھی اپنی جان بچانے کا گُر جانتے ہیں۔"

"ارے میاں، اپنی نہیں، تو میری ہی جان پہ ترس کھاؤ۔"

لدھا نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"بابا لدھا، تم بہت جی لیے۔ اب زیادہ جی کر کیا کرو گے؟" لہراسپ نے جواب دیا۔

یہ سُن کر لدھا غصے میں آکر بُرا بھلا کہنے لگا۔ اِتنے میں سمینہ بانو اور اُس کی سہیلیاں بارہ دری میں آ گئیں۔ دیکھا کہ بابا لدھا دو حسین نوجوانوں سے تُو تُو میں میں کر رہا ہے۔ سمینہ بانو کی کنیز گُل عذار نے اُسے ڈانٹا اور کہا:

"بابا، یہ دو آدمی کون ہیں اور اِنھیں باغ میں آنے کی جُرأت کیوں کر ہوئی۔ جانتے نہیں کہ اِس باغ میں آنے کی سزا موت ہے"

"سرکار، یہ اجنبی مُسافر ہیں" لدھا نے کہا "پیاس کے مارے مر رہے تھے۔ پانی کی تلاش میں یہاں آ گئے۔ ابھی اِن کو نکالے دیتا ہوں"

"ٹھہرو، ذرا ہم اِن کی شکلیں تو دیکھیں" سمینہ بانو نے کہا۔ پھر آگے آ کر جونہی اُس کی نظر عَلَم شاہ پر پڑی حیرت سے دانتوں میں اُنگلی داب لی۔ پھر دل میں کہا:

یہ تو وہی شخص ہے جس کا نام عَلَم شاہ رُومی ہے اور سُلطان سعد کا چچا ہے۔

دراصل سمینہ بانو نے سعد کی تصویر دیکھی تھی اور اس

تصویر کی مدد سے عَلَم شاہ کو فوراً پہچان لیا ۔ گُل عِذار سمجھ رہی تھی کہ اب اِن نوجوانوں کی قضا کو کوئی نہیں ٹال سکتا کیوں کہ اِس سے پہلے بھی سمینہ بانو بہت سے آدمیوں کو باغ میں داخل ہونے پر مروا چُکی تھی ۔

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد سمینہ بانو نے عَلَم شاہ سے کہا "بولیے ، اب آپ کو کیا سزا دی جائے ؟"

"جو آپ کے جی میں آئے ۔ ہم واقعی قصُور وار ہیں ۔" عَلَم شاہ نے جواب دیا ۔

تب سمینہ بانو نے گردن جُھکا لی ۔ گُل عِذار کو اِن دونوں پر ترس آ رہا تھا ۔ اُس نے چُپکے سے کہا "تُم لوگوں نے بڑا غضب کیا کہ یہاں آ گئے ۔ آگے بڑھ کر ملکہ کے قدم چُھو لو اور معافی مانگو ۔ مُمکن ہے تمھاری جان بچ جائے ۔"

"اے خاتُون ، ہم کِسی کے قدم چُھونے اور معافیاں مانگنے کے عادی نہیں ہیں ۔" لہراسپ شاہ نے کہا ۔

"بس تو پھر مرنے کے لیے تیّار ہو جاؤ ۔ ارے بے وقُوفو ، اب بھی موقع ہے ۔ ملکہ نے سزا کا حُکم نہیں سُنایا ہے ۔ سلام کر لو تو بچ جاؤ گے ۔"

عَلَم شاہ نے کہا "کہو تو تمھیں سلام کر لوں ۔ ملکہ کو تو سلام کبھی نہ کروں گا ۔"

گُل عِذار نے جل کر کہا " موت سر پر منڈلا رہی ہے اور مُوذوں کو مذاق سُوجھ رہا ہے ۔ میری جُوتی کی نوک سے ــ مت کرو سلام ۔"

ملکہ سمینہ نے گُل عِذار سے جُھنجھلا کر کہا " تُجھے کیا پڑی ہے جو اِن کی خوشامد کر رہی ہے ۔ سلام نہیں کرتے تو نہ کریں ۔ ہمیں اِن جیسوں کی کیا پروا ہے ۔ اِن سے کہو، گھبرائیں نہیں ۔ اِطمینان سے ایک طرف بیٹھ جائیں ۔ ہم اجنبی مُسافروں کو کُچھ نہیں کہتے ۔"

یہ سُن کر سمن رُخ نام کی ایک کنیز نے عَلَم شاہ سے کہا " لو میاں ، مُبارک ہو ۔ جان بچ گئی ۔ بیٹھنے کا حُکم بھی مل گیا ۔"

سمن رُخ کے کہتے ہی عَلَم شاہ آگے بڑھا اور سمینہ بانو کے برابر تخت پر جا بیٹھا ۔ کنیزوں نے شور مچایا کہ یہ گُستاخی کرتے ہو ۔ خبردار ، اُٹھو وہاں سے ۔ لیکن سمینہ بانو نے کنیزوں کو روکا اور کہا :

" یہ ہمارے مہمان ہیں ۔ جہاں اِن کا جی چاہے ، بیٹھیں ۔ میری شان و شوکت میں کوئی فرق نہیں آتا ۔"

کنیزیں یہ سُن کر پرے ہٹ گئیں ۔ اب سمینہ بانو نے عَلَم شاہ سے کہا " ہاں ، اب سچ سچ بتاؤ ، تم اِس باغ

میں کس لیے آئے تھے ؟"

"بابا لدّھا نے بتایا تو تھا کہ پانی کی تلاش میں آئے تھے ۔ اُس نے ہم پہ بڑی مہربانی کی، پانی پلایا ۔ ہم نے وعدہ کیا ہے کہ بابا لدّھا کی شادی کرا دیں گے ۔"

سمینہ بانو اس بات پر خُوب ہنسی اور بولی "میاں مُسافر، تُم بڑے ہنسوڑ آدمی ہو ۔ اچھّا، اپنا نام تو بتا دو ۔"

عَلَم شاہ نے کہا "اے ملکہ، تجُھ کو میرے نام سے کیا کام ۔ میرا نام نہ پُوچھ، اسے چھُپا ہی رہنے دے ورنہ یہاں کا کھانا پینا ہمارے لیے حرام ہو جائے گا ۔"

یہ سُن کر سمن رُخ کنیز نے ہنس کر کہا "واہ میاں مُسافر وہی مثل ہے مان نہ مان میں تیرا مہمان — یہی کیا کم عنایت ہے کہ ہماری ملکہ نے تمُھیں قتل نہ کروایا — اب زبردستی مہمان بنے جاتے ہو ۔"

سمینہ بانو نے ناراض ہو کر سمن رُخ سے کہا ۔ "چُپ رہ مُردار، کیوں ستاتی ہے ۔ وُہ تو تیری بکواس کا کچُھ جواب دیتے نہیں اور تُو خواہ مخواہ ٹیں ٹیں کیے جاتی ہے ۔"

پھر سمینہ بانو عَلَم شاہ سے کہنے لگی "اچھّا صاحب، آپ اپنا نام بتا دیجیے ۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کسی سے نہ کہیں گے ۔"

جب سمینہ بانو نے اپنی قسم دی تو عَلَم شاہ مجبور ہُوئے اور کہا "میرا نام رُستم پیل تن پسرِ امیر حمزہ عَلَم شاہ ہے"

"آہ، تب تو کپتان فرنگی کو تمھیں نے مارا تھا؟"

"ہاں، مَیں نے ہی اُسے قتل کیا ہے"

یہ سُنتے ہی سب کنیزیں سناّٹے میں آ گئیں اور خوف زدہ نظروں سے عَلَم شاہ کو دیکھنے لگیں۔ آخر سمینہ بانو نے اُن سے کہا:

"خبردار، یہ بات کوئی زبان سے نہ نکالے۔ اگر کسی نے باغ سے باہر اِس کا ذکر کیا تو ناک کان کٹوا دُوں گی"

سُلطان سعد کی کہانی

عَلَم شاہ اور لہراسپ تو ملکہ سمینہ بانو کے باغ میں مز
اُڑا رہے ہیں اور اُدھر سُلطان سعد کو قلعۂ قُلاب کے قی
خانے میں پہنچا دیا گیا ہے۔ اشفقش نے سعد پہ ظُلم و سِتم
کی اِنتہا کر دی ہے۔ طرح طرح کی تکلیفیں دیتا ہے اور پھر
بھی اس کا جی نہیں بھرتا۔

مرزُوق فرنگی کی ایک بیٹی شہزادی گوہر بند ہے۔ جب
سے اُس نے اپنے بھائی کپتان فرنگی کے مارے جانے کی خ
سُنی ہے، آٹھ پہر رویا کرتی ہے۔ بھائی کے غم میں سیاہ پو
پہنی ہے۔ کھانا پینا چھُوٹ گیا ہے اور اپنا حال پاگلوں
سا بنایا ہے۔ اُس کی تین سہیلیاں ہیں۔ ایک کا نام دِل رُ
دُوسری کا ہوش رُبا اور تیسری کا انجمن آرا۔ یہ تینو
سہیلیاں شہزادی گوہر بند کی حالت دیکھ کر کُڑھتی او
افسوس کرتی ہیں۔ اُسے سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہیں کہ جو ہ

تھا سو ہو گیا ۔ اِس طرح رنج کرنے اور اپنی جان کو گھلانے سے کیا فائدہ ۔ مگر شہزادی گوہر بند پر کوئی اثر نہیں ہوتا ۔ اُسے بدستور رونے دھونے سے کام ہے ۔

آخر اِن سہیلیوں نے مرزوق فرنگی سے سب کیفیت بیان کی اور کہا کہ اگر حکم ہو تو ہم چند روز کے لیے شہزادی گوہر بند کو صحرا کی کھلی ہوا میں لے جائیں اور اِدھر اُدھر کی سیر کرائیں تا کہ بھائی کے مرنے کا غم کچھ غلط ہو ورنہ خطرہ ہے کہ شہزادی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پاگل ہو جائے گی ۔

مرزوق یہ باتیں سُن کر فکر مند ہوا اور کہا بے شک ہماری جانب سے اِجازت ہے ۔ شہزادی کو جہاں جی چاہے لے جاؤ اور اس کا دِل بہلاؤ ۔ مگر خداوندِ زرّیں تن سے بھی اِجازت لے لو ۔

قِصّہ مختصر اِن سہیلیوں نے شہزادی گوہر بند کو اپنے ساتھ لیا اور خداوندِ زرّیں تن کے پاس لے گئیں ۔ وہاں سب نے اُس کو سجدہ کیا اور اپنا حال بیان کیا ۔ زرّیں تن نے کہا :

"قلعۂ قلّاب کی جانب کا علاقہ بے حد صحت افزا ہے ۔ شہزادی کو اُسی علاقے میں لے جاؤ ۔"

صحرا میں آکر شہزادی کی طبیعت کچھ سنبھلی اور
پینا شروع ہُوا۔ ایک دن گھومتے پھرتے قلعۂ قُلاب
نزدیک آ گئی۔ اشقش نے شہزادی کے آنے کی خبر سُنی
بھاگا بھاگا آیا اور حیران ہو کر کہنے لگا:

"خیر تو ہے؟ آپ کے چہرے پر رنج کے آثار دِکھا
دیتے ہیں؟"

شہزادی نے آنکھ سے آنسُو ٹپکاتے ہُوئے جواب دیا
"اے اشقش، میرا حال مت پُوچھ۔ جب سے بھائی کپتا
فرنگی اس دُنیا سے رُخصت ہُوئے ہیں، غم کے مارے
حال ہے۔ گھبرا کر اپنی سہیلیوں کے ساتھ اِس علاقے
سیر کے لیے نِکل آئی ہُوں۔ تُجھے دیکھ کر بہُت خوش
کبھی کبھی یہاں آیا کروں گی۔"

شہزادی نے جو یہ الفاظ کہے تو اشقش دِل میں بے
خوش ہُوا۔ دِل میں کہا کہ خُداوندِ زرّیں تن نے مُجھ پر
مہربانی کی کہ شہزادی کو یہاں بھیجا۔ اب میں کوشِش کر
تو شہزادی سے شادی کر سکتا ہُوں۔

اشقش کی بہُت دِل سے خواہش تھی کہ وُہ شہزادی گو
بند سے شادی کرے۔ مگر مرزُوق فرنگی سے درخواست کرنے
کی ہِمّت نہ ہوتی تھی۔ اب خُود بخُود کام بن رہا تھا، اِ

لیے وُہ خُوشی سے پھُولا نہ سمایا۔ ہاتھ باندھ کر کہنے لگا:
"شہزادی صاحبہ، آپ نے اِس غلام کی عزّت افزائی کی ہے۔ اِس کا شُکریہ کیسے ادا کروں۔ میرے لائق کوئی خِدمت ہو تو فوراً حُکم دِیجیے گا۔ اس کی تعمیل میں جان لڑا دُوں گا۔ یہاں ایک پُر فضا اور خوش نُما باغ ہے۔ جس میں سنگِ مَرمَر کی بارہ دری بنی ہے۔ کہیے تو اُسے آپ کے لیے خالی کرا دُوں۔ چند دِن اِس میں آرام فرمائیے۔ آپ کا جی خوش ہو گا۔"

اشقش نے ایسی چکنی چُپڑی اور خوشامدانہ باتیں کیں کہ شہزادی گوہر بند اِس بارہ دری میں رہنے کے لیے تیّار ہو گئی۔ اشقش اپنے ماتحتوں میں جا کر شیخی بگھارنے اور ڈینگیں مارنے لگا کہ شہزادی گوہر بند خاص طور پر خُداوندِ زرّیں تن کی اِجازت سے یہاں آئی ہے اور مُجھے میزبانی کا شرف عطا کیا ہے۔ ماتحتوں نے بھی اشقش کو خوش کرنے کے لیے زمین آسمان کے قُلابے ملائے اور کہا:
"ضرُور کوئی بات ہے ورنہ شہزادی اِدھر آنے کے بجائے کسی اور طرف چلی جاتی۔ ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ مرزُوق نے اُس کی شادی آپ سے کر دینے کا اِرادہ کر لیا ہے۔"
کئی دِن گُزر گئے۔ اشقش یہی کوشش کرتا کہ زیادہ

سے زیادہ دیر تک بارہ دری میں شہزادی کے سامنے حاضر
رہے اور اس کی تعریفیں کرتا رہے۔ حتّٰی کہ اُس کی بے جا
خوشامد سے شہزادی اُکتا گئی اور کہنے لگی:

"اے اشفقش، تیری مہربانیاں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں
اور اِس سے ہماری آزادی میں فرق آتا ہے۔ آیندہ سے خیال
رکھنا۔ جب تک ہم خُود طلب نہ کریں، بارہ دری میں قدم
نہ رکھنا۔"

یہ سُنتے ہی اشفقش کا چہرہ اُتر گیا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا
کہ ایکا ایکی شہزادی کو کیا ہُوا۔ گھبرا کر معافیاں مانگنے لگا
مگر شہزادی نے ڈانٹ کر کہا "اب ہمیں زیادہ پریشان نہ
کرو اور یہاں سے چلے جاؤ۔ جب تمھاری ضرورت ہو گی
بُلا لیں گے۔" اشفقش اپنا سا مُنہ لے کر بارہ دری سے چلا
آیا۔

اُدھر شہزادی نے اپنی سہیلیوں کو ساتھ لیا اور قلعہ
قُلاب کی سیر کا اِرادہ کیا۔ پھرتے پھراتے قید خانے کے
دروازے پر آن نکلی۔ دیکھا کہ دروازے پر ایک حبشی
سپاہی، کندھے پر کلہاڑا رکھے پہرا دے رہا ہے۔ شہزادی
کو دیکھتے ہی حبشی نے سلام کیا اور ادب سے پُوچھا:
"حضُور شہزادی صاحبہ، کیا حُکم ہے؟"

"اِس قید خانے میں کون ہے اور کِس قصُور پر اُسے قید کیا گیا ہے۔"

"شہزادی صاحبہ، اِس میں ایک خطرناک شخص بند ہے۔ اِس کا نام سُلطان سعد ہے اور یہ عَلَم شاہ رُومی کا بھتیجا اور امیر حمزہ کا پوتا ہے۔ اِسی نے کپتان فرنگی کو مارا تھا۔"

حبشی سپاہی کی یہ بات سُن کر شہزادی کا غم تازہ ہو گیا۔ بھائی کی شکل آنکھوں کے سامنے گھُومنے لگی۔ جلال میں آ کر کہنے لگی "اے پہرے دار، جلد دروازہ کھول اور ہمیں اِس بدبخت قیدی کی صُورت دِکھلا۔"

حبشی سخت پریشان ہُوا۔ بدحواس ہو کر کہنے لگا: "حضُور، اِس قید خانے کا داروغہ اشقش ہے۔ اگر اُسے پتا چل گیا کہ آپ نے یہاں قیدی کو دیکھا ہے تو وُہ مجھے جان سے مار ڈالے گا۔"

"اشقش کی کیا مجال کہ تجھے ہاتھ لگائے۔" شہزادی نے چلّا کر کہا۔ "زیادہ وقت ضائع نہ کر اور دروازہ کھول۔"

حبشی نے قید خانے کا دروازہ کھولا۔ شہزادی اور اس کی سہیلیاں اندر داخل ہُوئیں۔ پتھروں کی بنی ہُوئی اندھیری کوٹھڑی میں ایک حسین اور کم عُمر نوجوان گردن جھُکائے گہری سوچ میں بیٹھا نظر آیا۔ قدموں کی آہٹ سُن

کر نوجوان نے سر اُٹھایا۔ دیکھا کہ ایک لڑکی جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند چمکتا ہے، حیران نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اُس کے دائیں بائیں تین اور لڑکیاں بھی ادب سے کھڑی ہیں۔

شہزادی نے جُونہی سعد کا بھولا بھالا چہرہ دیکھا، دِل سے سارا رنج اور غُصّہ دُور ہو گیا۔ پتّھر کے بُت کی طرح کھڑی اُس کی شکل تکتی رہی۔ اِتنے میں دل رُبا نے سعد سے کہا:

"اے قیدی، اُٹھ کر کھڑا ہو اور شہزادی گوہر بند کو سلام کر۔"

سُلطان سعد نے نظریں اُٹھائے بغیر جواب دِیا۔ "ایک معمُولی قیدی اتنی بڑی شہزادی کو اگر سلام نہ کرے تو کیا فرق پڑ جائے گا۔"

شہزادی گوہر بند نے کہا "کیا تُو نے میرے بھائی کپتان فرنگی کو مارا تھا؟"

"ہاں" سعد نے مُسکرا کر جواب دِیا۔ اُس کے چہرے سے بے خوفی جھلک رہی تھی۔

یہ سُنتے ہی شہزادی نے غضب کے عالم میں کمر سے بندھا ہُوا خنجر کھینچا اور چیخ کر بولی "میں تجھے زندہ نہ

چھوڑوں گی ۔ تو میرے بھائی کا قاتل ہے ۔"

سُلطان سعد نے گردن جُھکا دی اور کہا "بے شک میں اِسی لائق ہُوں کہ مارا جاؤں ۔ اے شہزادی، اب دیر کس بات کی ہے ۔ آگے بڑھ اور اپنے بھائی کے قاتل کا سر کاٹ لے ۔"

دِل رُبا، ہوش رُبا اور انجمن آرا کے ہوش اُڑے ۔ اُنھوں نے شہزادی کے ہاتھ سے خنجر چھینا اور اُسے سمجھانے لگیں کہ قیدی بے شک اِسی لائق ہے کہ اس کی گردن اُڑائی جائے مگر اُسے خُداوندِ زرّیں تن کے حُکم سے زندہ رکھا گیا ہے ۔ اگر آپ نے اسے مار ڈالا تو خُداوند ناراض ہوگا ۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اشقش بدحواس ہو کر بھاگتا ہُوا قید خانے میں داخل ہُوا ۔ حبشی پہرے دار نے اُسے شہزادی کے آنے کی خبر بھجوا دی تھی ۔ اشقش آتے ہی شہزادی کے قدموں پر گِرا اور رونے لگا کہ اگر آپ نے قیدی کو مار ڈالا تو مرزوق فرنگی میری کھال کھنچوا دے گا ۔ خُداوندِ زرّیں تن کا واسطہ دیتا ہُوں کہ مُجھ پر رحم کیجیے اور یہاں سے چلی جائیے ۔ اِس قیدی سے کِسی کو مُلاقات کی اِجازت نہیں ہے ۔

شہزادی نے اشقش کے سر کو ٹھوکر ماری اور کہا "اے

غُلام، گُستاخی مت کر اور پرے ہٹ ۔ یہ قیدی اِقرار کرتا ہے کہ اِسی نے میرے بھائی کو مارا ہے ۔ میں اِسے ضرور ہلاک کروں گی ۔ مُجھے نہ اپنے باپ مرزُوق کی پروا ہے اور نہ خُداوندِ زرّیں تن کا خوف ۔"

یہ کہہ کر اُس نے پھر خنجر نکال لیا تب اشقش نے چِلّا کر کہا " اے شہزادی ، قیدی جھُوٹ بولتا ہے ۔ اُس نے کپتان فرنگی کو ہرگز نہیں مارا ۔ یہ حرکت اُس کے چچا عَلَم شاہ رُوم کی ہے ۔ وہی قصُوروار ہے ۔ اگر آپ نے قیدی کو مار ڈالا تو عَلَم شاہ رُومی ہمارے ہاتھ نہ آئے گا ۔"

اشقش کی یہ بات شہزادی کے دِل کو لگی ۔ خنجر دوبارہ کمر میں باندھا اور دونوں ہاتھوں سے مُنہ ڈھانپ کر رونے لگی ۔ پھر قید خانے سے چلی گئی ۔

کئی دِن اِسی طرح گُزرے آخر شہزادی ایک روز پھر قید خانے میں گئی اور حبشی پہرے دار کو خنجر سے ہلاک کر کے سعد کو اپنے ساتھ لے گئی ۔ اِس حادثے کی خبر اشقش کو لگی ۔ اُس نے سخت پیچ و تاب کھایا اور تلوار لے کر اُس باغ میں آیا جس میں شہزادی گوہر بند رہتی تھی دیکھا کہ سُلطان سعد بھی وہاں موجُود ہے اور شہزادی اُس کی خاطِر تواضُع میں بِچھی جاتی ہے ۔

اب تو اشقش کے طیش کی حد نہ رہی ۔ تلوار چمکاتا ہُوا بارہ دری کی جانب دوڑا ۔ دِل رُبا نے خوف زدہ ہو کر شہزادی سے کہا "اے شہزادی، اشقش نامُراد تلوار کھینچے آتا ہے ۔"

یہ سُنتے ہی شہزادی بدحواس ہو گئی اور بھاگنے کا اِرادہ کیا ۔ تب سُلطان سعد نے ہنس کر کہا "اے شہزادی، تُم اِطمینان سے یہیں بیٹھی رہو اور اِس ظالم کو آنے دو ۔ دیکھو میں اُس کی کیا گت بناتا ہُوں ۔"

لیکن شہزادی نے سعد کی بات نہ سُنی اور ایک طرف بھاگی ۔ اشقش نے دیکھا اور للکار کر کہا "او بد بخت شہزادی کہاں بھاگی جاتی ہے ؟ اِدھر آ نہیں تو وہیں آ کر تُجھے قتل کرُوں گا ۔"

سعد اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہُوا اور اشقش سے کہا ۔ "او بزدِل .... اُدھر کہاں جاتا ہے ؟ عورت کو کمزور سمجھ کے غُصّہ دِکھاتا ہے ۔ تیری کیا مجال جو شہزادی کی طرف نگاہ بھی اُٹھا سکے ۔ اِدھر آ ۔ مُجھ سے آنکھ ہلا ۔ تب تُجھے آٹے دال کا بھاؤ معلُوم ہو ۔"

اشقش سُلطان سعد کی طرف لپکا اور تلوار سے حملہ کیا ۔ سعد نے قریب ہی پڑا ہُوا ریشمی تکیہ اُٹھایا اور اُسے ڈھال

بنا کر اشقش کے تمام حملے روکے۔ آخر اشقش بُری طرح ہانپنے لگا۔ تب سعد نے پھرتی سے شمشیر کے قبضے پر ہاتھ ڈالا اور جھٹکا مار کر تلوار اشقش کے ہاتھ سے چھین لی۔ پھر اُلٹے ہاتھ کا طمانچہ اُس کے گال پر اِس زور سے مارا کہ پانچوں اُنگلیوں کا نشان اشقش کے گال پر اُبھر آیا اور وہ مُنہ کے بل گرا۔ سعد نے اُسی کی تلوار اُس کی گردن پر رکھی اور کہا :

"بول، اب کیا کہتا ہے ؟"

"حضُور، آپ جیتے، میں ہارا" اشقش نے گڑگڑا کر کہا۔ "میں اپنے قصُور پر شرمندہ ہُوں۔ آیندہ سے آپ کا فرماں بردار ہُوں لیکن مرزُوق فرنگی کو پتا چلے گا تو مُجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔"

سُلطان سعد نے اشقش کو دینِ ابراہیمی میں داخل کیا اور اُسے اطمینان دلایا کہ کُچھ خوف نہ کر۔ خُدا نے چاہا تو مرزُوق فرنگی بہت جلد ہمارے قدموں میں آن گرے گا۔

امیر حمزہ مکّے پہنچے تو دیکھا کہ ازہر زنگی نے شہر کا محاصرہ کر رکھا ہے اور شہریوں پر آب و دانہ حرام کر رکھا ہے۔ ازہر زنگی نے جب سُنا کہ حمزہ آیا ہے تو مُقابلے کو مُستعد

ہُوا۔ لیکن جنگ میں بُری طرح شکست کھا کر کُتّے کی موت مارا گیا۔ امیر حمزہ نے ازہر زنگی کا خزانہ عمرو عیار کے حوالے کیا پھر خواجہ عبدالمطلب کی قدم بوسی کی اور اپنے سب بھائیوں سے مُلاقات کی۔

امیر حمزہ کے آنے اور دُشمن کو ہلاک کر دینے کی خوشی میں شہر کے لوگوں نے خُوب جشن منایا اور امیر حمزہ کی سلامتی اور دولت و اِقبال کی دُعائیں مانگیں۔

کچھ دن اپنے والد کی خدمت میں رہ کر امیر حمزہ واپس اپنے لشکر کی جانب آئے اور ملکہ اطلس پوش سے ملے، بیٹوں کو گلے لگایا۔ اُنھوں نے دیکھا کہ دربار میں سب پہلوان اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے ہیں مگر عَلَم شاہ اور لندھور نظر نہیں آتے۔ امیر حمزہ نے قباد شہریار سے پوچھا:

"تمھارے بھائی اور چچا لندھور کہاں ہیں؟ دِکھائی نہیں دیتے۔"

شہزادہ قباد شہریار نے گردن جھکا لی اور کچھ جواب نہ دیا۔ امیر حمزہ حیران ہُوئے، بہرام اور سُلطان بخت مغربی سے پوچھا۔ اُنھوں نے بھی کچھ جواب نہ دیا پھر حمزہ نے صدف نوش اور استفنا نوش کی جانب دیکھا تو اُنھوں نے بھی حمزہ سے آنکھ نہ ملائی۔ آخر عادی پہلوان اپنی جگہ سے

اُٹھا۔ اُس کے ہونٹ خشک تھے اور زبان لڑکھڑا رہی تھی۔
"حمزہ بھائی، بات یہ ہے...... بات یہ ہے کہ رُوم سے ایک قاصد آیا تھا اُس نے بتایا کہ مرزوق فرنگی کا بیٹا کپتان فرنگی لشکر لے کر آیا اور اُس نے رُوم کو تباہ کیا لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتارا، کاؤس رُومی کو قتل کیا اور آصف و الیاس کو قید خانے میں ڈال دیا۔ شہزادہ قباد نے عَلَم شاہ سے کہا کہ آپ بڑی بہادری کا دم بھرتے ہیں۔ جا کر اپنے ماموؤں کو رہا کرائیے اور اپنے نانا کے خُون کا بدلہ لیجیے۔ عَلَم شاہ کو قباد کی یہ بات ناگوار گزری اور اُس نے قباد کو ایسا طمانچہ مارا کہ وُہ بے ہوش ہو گیا۔ اُس کی اِس حرکت سے سب پہلوان بگڑ گئے۔ لندھور تو بے حد خفا ہُوا لیکن اُس نے غصّہ ضبط کیا اور عَلَم شاہ سے صرف اِتنا کہا کہ بہتر یہی ہے یہاں سے چلا جا ورنہ خُون خرابا ہو گا۔ چُناں چہ عَلَم شاہ اُسی وقت رُوم کی جانب روانہ ہو گیا۔ سُلطان سعد، لہراسپ اور سیّارہ رُومی اُس کے ساتھ گئے ہیں۔ ابھی تک کُچھ معلوم نہیں کہ عَلَم شاہ پر کیا بیتی اور وُہ کِس حال میں ہے۔"

عادی پہلوان کی زبانی یہ واقعہ سُن کر امیر حمزہ نہایت برہم ہُوئے۔ غضب ناک ہو کر قباد شہریار کو دیکھا۔ پھر

کہنے لگے " اے قباد، تُو بہت مغرور ہو گیا ہے۔ عَلَم شاہ تُجھ سے بہادری، شُجاعت، بے خوفی اور دلیری میں کسی طرح کم نہیں ہے۔ بلکہ کُچھ بڑھ کر ہی ہے۔ اُس نے کئی مرتبہ میری مدد کی ہے اور مُجھے آفتوں سے نکالا ہے۔ جو کام اُس نے کیا، تُم سے ہرگز نہ ہو سکے گا۔ اگر تُم اپنے دِل میں سمجھتے ہو کہ تُم نوشیرواں کے نواسے ہو تو عَلَم شاہ بھی کاؤس رُومی جیسے بادشاہ کا نواسا ہے۔"

غرض امیر حمزہ قباد شہریار پر خُوب گرجے برسے۔ وُہ چُپ بیٹھا سُنتا رہا اور اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گِرتے رہے۔ سرداروں اور پہلوانوں پر بھی لرزہ طاری تھا اور کِسی کو قباد کی سِفارش کرنے کی جُرأت نہ ہُوئی۔

یکایک سیّارہ رُومی عَلَم شاہ کا خط لے کر آیا۔ جِس میں سارا قِصّہ تفصیل سے درج تھا۔ خط کے آخر میں لِکھا تھا:

میں نے کپتان فرنگی سے مُقابلہ کر کے اُسے قتل کیا۔ اور لشکرِ فرنگ کو مار مار کر بھگایا لیکن افسوس کہ سُلطان سعد کو فرنگی وزیر ریحان نے گرفتار کر لیا اور بھاگتے وقت اپنے ساتھ فرنگستان لے گیا ہے۔ اب میں سعد کو رہا کرانے اور مرزوق فرنگی کو سزا دینے مُلک فرنگستان پر

دھاوا بولتا ہُوں۔ رُوم کی بادشاہت اپنے ماموں آصف شاہ کے سپُرد کر دِی ہے اور اُنھوں نے شہر کو دوبارہ آباد کر دِیا ہے۔"

امیر حمزہ نے عَلَم شاہ کا خط پڑھا۔ پھر بلند آواز سے سب کو سُنایا اور قباد سے کہا "کیوں، تُم نے عَلَم شاہ کا خط سُنا؟ اِسے کہتے ہیں بہادُری اور دانش مندی۔"

چند لمحے امیر حمزہ کِسی گہری سوچ میں گُم رہے۔ پھر کہنے لگے "اے عَمرو، لشکر میں مُنادی کرو کہ تین دِن کی مُہلت تیّاری کے واسطے دی جاتی ہے۔ اِس مُدّت بعد ہم مُلک فرنگستان کی طرف کُوچ کریں گے۔ عَلَم شاہ کی مدد کو پہنچنا ہمارا فرض ہے۔"

جب دربار برخاست ہُوا تو قباد شہر یار محل میں آیا اور اپنی سوتیلی ماں ملکہ اطلس پوش سے سب ماجرا کہا۔ اطلس پوش کو بھی افسوس ہُوا۔ قباد کو تسلّی دی مگر اُس کے دِل پر ایسا صدمہ تھا کہ کھانا پینا چھوڑ دیا اور محل کے ایک گوشے میں مُنہ سر لپیٹ کر پڑ رہا۔ امیر حمزہ نے کئی بار دربار میں بُلایا مگر نہ گیا۔ آخر امیر حمزہ ناراض ہو کر محل میں آئے اور ملکہ اطلس پوش سے کہا:

"قباد شہر یار کہاں ہے؟ دربار میں کیوں نہیں آتا؟"

ملکہ اطلس پوش نے جواب دیا "آپ نے بھرے دربار میں جو سلوک اس کے ساتھ کیا ہے اُس کی وجہ سے وُہ شرمندہ ہے۔ آپ کو یہ ہرگز مُناسب نہ تھا کہ سب کے سامنے ایسی باتیں قباد سے کہتے۔"

امیر حمزہ نے اطلس پوش کی یہ بات سُنی تو اُس پر بھی خفا ہُوئے اور کہا "کیا عُلَم شاہ میرا بیٹا نہیں ہے جو قباد نے بھرے دربار میں اُس کو طعنہ دیا کہ اگر تُم میں کُچھ غیرت ہے تو اپنے نانا کے خُون کا بدلہ لو اور ماموؤں کو کپتان فرنگی کی قید سے چُھڑاؤ۔ کوئی بھی اپنے بھائی کو ایسا ذلّت کا کلمہ بھرے دربار میں کہتا ہے؟"

ملکہ اطلس پوش نے دیکھا کہ قباد کی بلا اُس کے سر آئی تو وُہ ڈر کر خاموش ہو رہی۔ ایک کنیز یہ باتیں پردے کے پیچھے سے سُن رہی تھی۔ جب امیر حمزہ محل سے چلے گئے تو اُس کنیز نے تمام باتیں شہزادہ قباد سے کہہ دیں۔ اُس نے دِل میں کہا، خُدا نے چاہا تو میں چند روز میں یہاں سے نِکل جاؤں گا اور کوئی ایسا کارنامہ دِکھاؤں گا کہ ابّا جان بھی قائل ہوں۔

دُوسرے روز بھی قباد دربار میں نہ آیا اور امیر حمزہ نے بھی نہ بُلایا۔ چوتھے روز امیر کا لشکر عدن سے کُوچ کر کے

رُوم کی جانب روانہ ہُوا ۔ تمام پہلوان اور عمرو عیّار سب ساتھ چلے ۔ تیزی سے منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہُوئے پندرھویں روز رُوم میں داخل ہُوئے ۔ آصف اور الیاس امیر حمزہ کے آنے کی خبر پا کر فوراً حاضر ہُوئے اور اُن کی زبانی بھی عَلَم شاہ کے کارنامے کی تفصیل معلُوم ہُوئی ۔

اِدھر قباد شہریار پر زِندگی تنگ ہُوئی ۔ جب امیر حمزہ کا لشکر رُخصت ہو گیا تو وُہ محل کے خُفیہ گوشے سے باہر آیا اور دِل میں کہا اب موقع ہے کہ یہاں سے نِکل جانا چاہیے ۔ دو پہر رات گئے پیدل چلتا ہُوا دریا کے کنارے پہنچا ۔ ایک کشتی تلاش کی ۔ خُدا پر توکُّل کر کے اس کشتی میں بیٹھا اور چپّو چلاتا ہُوا ایک اَن جانی منزِل کی جانب روانہ ہو گیا ۔

مُلکِ فرنگستان میں

شہزادہ قباد شہریار کو اُس کے حال پہ چھوڑ کر ہم آپ
کو دوبارہ مُلکِ فرنگستان میں لیے چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں
کہ عَلَم شاہ اور لہراسپ پر کیا بیتی۔ سمینہ بانو نے اِن
دونوں کو اپنے باغ میں چھپا رکھا تھا اور اِنھیں وہاں کسی
قِسم کی تکلیف نہ تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک روز عَلَم شاہ نے
ہرن کے شکار کا اِرادہ کیا۔ لہراسپ بھی ساتھ چلنے کے
لیے آمادہ ہُوا۔ آخر دونوں گھوڑوں پہ سوار ہُوئے اور
جنگل میں نکل گئے۔ ناگاہ سامنے سے ایک خُوب صُورت اور
لمبے سینگوں والا ہرن نمُودار ہُوا۔ عَلَم شاہ اور لہراسپ نے
ہرن پہ گھوڑا ڈالا لیکن وُہ چوکڑیاں بھرتا ہُوا کوسوں دُور
نکل گیا۔ دونوں نے ہرن کا پیچھا کیا۔ حتّٰی کہ رات سر
پہ آئی۔ اِس اثنا میں ہرن غائب ہو گیا اور یہ دونوں
واپس چلے مگر راستہ بھُول کر کہیں سے کہیں جا نکلے۔ آخر

تھک ہار کر ایک درخت کے نیچے رات کاٹی ۔ صبح پھر گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے ۔ راستے میں پھر وہی ہرن دکھائی دیا ۔ عَلَم شاہ نے اُس کے پیچھے گھوڑا ڈالا ۔ ہرن قابو میں نہ آیا ۔ سارا دن پھر اسی تگ و دو میں نکل گیا شام کے وقت جنگل میں ایک مُسافِر آتا نظر آیا ۔ عَلَم شاہ نے اُس سے پُوچھا تُو کہاں سے آتا ہے ؟ اُس نے جواب دیا یہ سامنے شہر ہے وہیں سے آتا ہُوں ۔ اِتنی بات کہہ کر مُسافِر چلا گیا ۔ عَلَم شاہ نے لہراسپ سے کہا ، چلو اِس شہر میں کوئی سرائے تلاش کریں اور رات وہاں کاٹیں ۔ لہراسپ نے کچھ سوچتے ہُوئے کہا :

"اے رُستم ، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اِس شہر میں جائیں اور کِسی ناگہانی آفت میں مُبتلا ہوں "

عَلَم شاہ نے قہقہہ لگا کر کہا "آفتوں سے ڈرنا کیسا؟ جو ہو گا دیکھا جائے گا "

یہ سُن کر لہراسپ خاموش ہو رہا ۔ دونوں شہر میں آئے دیکھا کہ نہایت گھنی آبادی ہے ۔ بازاروں میں خریداروں کا ہجُوم ہے ۔ ہر شے بِک رہی ہے ۔ یہ سرائے کی تلاش میں چلے جاتے تھے کہ حمّام مِلا ۔ حمّامی نے اِن جوانوں کو دیکھا اور سمجھا کہ مُسافِر ہیں ۔ دُور دراز کا سفر طے کر کے آئے

ہیں۔ چہروں پہ تھکن کے آثار ہیں اور لباس گرد میں اٹے ہُوئے ہیں۔ آئینہ لے کر سامنے آیا اور کہنے لگا:

"حضور، آئیے۔ حمّام میں نہائیے۔ سفر کی سب تھکن دُور ہو جائے گی۔"

عَلم شاہ حمّام دیکھ کر خُوش ہُوا۔ لہراسپ بھی گھوڑے سے اُترا۔ حمّامی نے ان کے گھوڑے ایک طرف باندھے اور دونوں کو الگ الگ حمّاموں میں داخل کیا۔ عَلَم شاہ جب حمّام کے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ اُس کی تصویر دروازے پہ لگی ہے۔ دِل میں نہایت حیران ہُوا کہ یہ تصویر کس نے بنائی اور حمّام کے دروازے پہ کیوں لگائی۔ حمّامی بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ اُس نے تاڑ لیا کہ یہ مُسافر اس تصویر کو دیکھ کر گُم سُم ہے۔ اب جو اُس نے عَلَم شاہ کی شکل غور سے دیکھی تو اس تصویر میں اور عَلَم شاہ کے چہرے میں بال برابر کا فرق نہ پایا۔ اس کے برابر میں حجّام کی دُکان تھی۔ فوراً اس کے پاس گیا اور کہا:

"جلدی سے فولاد زنگی کوتوال کو جا کر اِطلاع دے کہ وہی شخص آیا ہے جس نے کپتان فرنگی کو مارا تھا۔ اگر ہم اس شخص کو گرفتار کروا دیں تو بادشاہ مالا مال کر دے گا۔"

حجّام نے اپنا کام دھندا چھوڑا اور فولاد زنگی کو خبر دینے دوڑا - فولاد نے اُسی وقت پیادے روانہ کیے کہ جا کر اس نوجوان کو پکڑ لاؤ - پھر خُود بھی پیچھے پیچھے آیا۔

جب فولاد کے سپاہی حمّام کے نزدیک آئے اور حمّامی نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سُنی تو عَلَم شاہ سے کہا :

"اِس شہر کا کوتوال گشت پر نکلا ہے - اِدھر ہی آتا ہے شاید نہانے کا ارادہ ہے" عَلَم شاہ اور لہراسپ اِس دوران میں نہا دھو کر فارغ ہو چُکے تھے اور اب کپڑے پہن رہے تھے - جُوں ہی وُہ اپنے ہتھیار وغیرہ لگا کر حمّام سے باہر آئے، فولاد زنگی کے پیادوں سے سامنا ہُوا اُنھوں نے دونوں کو گھیر لیا اور کہا :

"چلو ہمارے ساتھ - تمھیں کوتوال بُلاتا ہے"

عَلَم شاہ نے ایک پیادے کے تھپّڑ رسید کیا اور کہا "کیا بکتا ہے - میرے سامنے سے دُور ہو - کیا میں کوتوال کا نوکر ہُوں کہ اُس کے بُلانے پر حاضر ہو جاؤں"

پیادوں نے تلواریں نکال لیں اور کہا "ہم نے تجھے پہچان لیا ہے - تُو نے کپتان فرنگی کو مارا تھا - اب تیری موت نے تجھے یہاں بھیجا ہے"

تب لہراسپ نے عَلَم شاہ کی طرف دیکھا اور کہا "لیجیے

پہلی آفت آئی۔ اب اس سے نپٹیے۔"

عَلَم شاہ نے تلوار نکال کر لڑنا شروع کیا۔ ستّر پیادے ہلاک کیے۔ تقریباً اتنے ہی آدمیوں کو لہراسپ نے مارا۔ شہر میں غُل مچ گیا اور ایسی بھگدڑ پڑی کہ آناً فاناً بازار خالی اور گلی کُوچے وِیران ہو گئے۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں جا چھُپے اور دروازے بند کر لیے۔

اِتنے میں فولاد زنگی بھی آن پہنچا۔ دیکھا کہ پیادوں کی لاشیں بازار میں بکھری پڑی ہیں۔ وُہ وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور شہر کے حاکم ضمیران شاہ کو سب حالات کی خبر دی۔ ضمیران شاہ کے دِل پر عَلَم شاہ اور لہراسپ کی ہیبت طاری ہُوئی مگر سنبھل کر بولا: "اے فولاد زنگی، جس طرح بھی مُمکن ہو۔ اِن دونوں آدمیوں کو ہمارے پاس لے آ۔"

فولاد زنگی بے چارہ کیا کرتا۔ جنگ کرتا تو جان کا خطرہ تھا۔ آخر ہاتھ باندھ کر عَلَم شاہ کے سامنے آیا اور کہنے لگا "حضُور، ہمارے حاکم ضمیران شاہ نے آپ کو یاد کیا ہے اگر مُناسب سمجھیں تو تشریف لے چلیں۔"

عَلَم شاہ نے مُسکرا کر کہا "اچھّا، ہم تُمھارے ساتھ چلتے ہیں۔"

کر دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور فولاد زنگی
آگے آگے چلا۔ اس طرح ضمیران شاہ کے دربار میں آئے
دیکھا کہ بڑا عالی شان دربار ہے۔ بیش قیمت قالین بچھے
ہیں اور اُونچی چھت پر سونے چاندی کے جھاڑ فانُوس لٹکے
ہُوئے ہیں۔ جا بجا حبشی غُلام پہرا دے رہے ہیں۔ ضمیران
شاہ کے دائیں بائیں چار سو گراں ڈیل پہلوانوں کی کرُسیاں
ہیں۔

عَلَم شاہ بے خوفی سے دربار میں آیا اور ضمیران شاہ کو
سلام کیے بغیر کہا "کیا بات ہے؟ ہمیں کیوں بُلوایا ہے
ہم کوئی چور اُچکے یا ڈاکُو تو نہیں جو اِتنے آدمیوں کو
ہماری گرفتاری کے لیے بھیجا گیا تھا۔"

ضمیران شاہ کا چہرہ غُصّے سے سُرخ ہو گیا۔ للکار کر
اپنے آدمیوں سے کہا کہ پکڑو اِن دونوں کو۔ عَلَم شاہ اور
لہراسپ نے تلواریں کھینچیں اور بھُوکے شیروں کی طرح
دُشمن پر ٹُوٹ پڑے۔ آناً فاناً دربار میں خُون کی ندی بہہ
نکلی۔ سینکڑوں آدمی کاٹ کر ڈال دیے۔ اب عَلَم شاہ اور
لہراسپ کے سامنے کسی کو آنے کا حوصلہ نہیں ہوتا تھا
سب دُور کھڑے چلّا رہے تھے۔ خُود ضمیران شاہ کی
کیفیّت تھی کہ خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا اور بجا

کی کوئی راہ نہیں سُوجھتی تھی۔ عَلَم شاہ قدم بڑھا کر تخت کے قریب پہنچا اور ضمیران شاہ پر حملہ کیا۔ اُس نے دیکھا کہ اب جان بچنے کی کوئی صُورت دِکھائی نہیں دیتی تو جھٹ ہاتھ باندھ کر کہنے لگا:

"میں امان طلب کرتا ہُوں اور غُلامی کا حلقہ گردن میں ڈالتا ہُوں۔"

تب عَلَم شاہ نے اُسے امان دی۔ ضمیرانِ شاہ ظاہر میں دینِ ابراہیمی پر ایمان بھی لے آیا مگر اندر ہی اندر عَلَم شاہ اور لہراسپ سے بدلہ لینے کی فِکر میں تھا۔ کئی روز کے بعد اُس نے اِن دونوں کی اپنے محل میں دعوت کی اور کھانے میں دوائے بے ہوشی مِلا دی۔ عَلَم شاہ اور لہراسپ کھانا کھاتے ہی بے ہوش ہُوئے۔ ضمیران شاہ نے اُسی وقت لوہاروں کو بُلا کر حُکم دِیا کہ اِن دونوں کے ہاتھوں اور پیروں میں فولادی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال کر قید خانے میں پھینک دو۔

دو روز تک بے ہوش پڑے رہنے کے بعد عَلَم شاہ اور لہراسپ نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو اِس حال میں پایا۔ سمجھ گئے کہ ضمیران شاہ نے مکّاری سے کام لیا ہے۔ تیسرے روز اُنھیں قید خانے سے نکال کر ضمیرانِ شاہ

کے سامنے لے جایا گیا۔ اُس نے دیکھتے ہی قہقہہ لگایا اور
کہا :

"اب بولو، کیا سلوک تمھارے ساتھ کروں ؟"

دونوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ تب ضمیران شاہ نے حکم
دیا کہ اِن کو ابھی قتل کرو۔ حکم پاتے ہی حبشی جلّاد، شیر
کی کھال کندھے پر ڈالے اور دو من وزنی کلہاڑا لیے
پہلے ریت کا ایک چبوترا بنایا گیا جس پر اِن دونوں
بٹھایا گیا۔ پھر ان کی گردنوں پہ کالی روشنائی سے نشان
لگائے تاکہ کلہاڑا اُسی جگہ پڑے۔ اِس کام سے فارغ ہو
کر جلّاد نے عَلَم شاہ اور لہراسپ سے کہا :

"مرنے سے پہلے اپنی آخری خواہش بتاؤ۔ اگر ہمارے
اِمکان میں ہو گا تو پُوری کریں گے۔ تمھاری موت کا ایک
حکم ہو چکا ہے۔ ابھی دو حکم باقی ہیں "

عَلَم شاہ نے ہنس کر جواب دیا " اے جلّاد، تُو اپنا
فرض ادا کر۔ ہماری نہ کوئی خواہش ہے نہ حاجت ــــ اگر
پروردگار کو زندگی منظور ہے تو دُنیا کی کوئی طاقت ہمارا بال
بھی بیکا نہیں کر سکتی اور اگر ہمارا وقت پُورا ہو چکا ہے
تو آخری خواہش یہی ہے کہ پروردگار ہم سے خوش ہو "

ضمیران شاہ یہ گفتگو سُن رہا تھا۔ اُس نے عَلَم شاہ

طرف گھور کر دیکھا اور کہا "بس تو پھر سمجھ لو کہ تمھارا وقت پُورا ہو ہی گیا ہے۔ خُداوندِ زرّیں تن کی شان میں تُم نے گستاخیاں کی ہیں اور اِن گستاخیوں کی سزا موت ہے۔"

یہ کہہ کر اُس نے جلّاد کو اِشارہ کیا کہ اِن کی گردنیں تن سے جُدا کر دے کہ اچانک ایک مُصاحِب اُٹھ کر ضمیران شاہ کے پاس آیا اور ہاتھ باندھ کر بولا:

"جہاں پناہ، ایک عرض میری بھی سُن لیجیے۔ آپ خُود مختار حاکم نہیں ہیں۔ یہ شہر مرزُوق فرنگی کی سلطنت میں شامِل ہیں اور آپ کو مرزُوق نے یہاں کا اِنتظام سونپا ہے ایسا نہ ہو کہ اِن قیدیوں کے قتل سے مرزُوق فرنگی ناراض ہو۔ عین مُمکن ہے وُہ کِسی مصلحت سے اِنھیں زِندہ رکھنا زیادہ پسند کرتا ہو۔ اِس لیے اپنے فیصلے پر پھر غور فرما لیجیے۔"

مُصاحِب کی یہ بات ضمیران شاہ کے دِل میں اُتر گئی تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہنے لگا "بے شک تیرا مشورہ صحیح ہے۔ تاہم مرزُوق فرنگی کو اِن کی گرفتاری کی اِطّلاع دینی ضروری ہے۔"

"جہاں پناہ، اِس ناچیز غُلام کی رائے میں آپ خُود اِن قیدیوں سمیت مرزُوق فرنگی کے پاس تشریف لے جائیں تو

زیادہ مُناسِب ہو گا۔" دُوسرے مُصاحِب نے کہا۔

ضمیرانِ شاہ کو یہ رائے بھی پسند آئی۔ اُسی وقت سفر کی تیّاری کی اور قیدیوں کو ساتھ لے مرزُوق فرنگی کے دربار میں حاضری دی۔ وہاں کچُھ اور ہی گُل کِھلا ہُوا تھا۔ معلُوم ہُوا کہ سپہ سالار آلا گرد کی بیٹی سمینہ بانو دینِ ابراہیمی پر ایمان لے آئی ہے اور قلعے کے حاکم اشعر کو بھی اُس نے اپنے ساتھ مِلا لیا ہے۔ اس کے عِلاوہ زلزال نامی پہلوان بھی دو لاکھ سواروں سمیت سمینہ بانو کے پاس چلا آیا ہے اور وہ مرزُوق کا باغی ہے۔

مرزُوق فرنگی نے یہ تمام واقعات ضمیرانِ شاہ کو سُنائے اور آخر میں کہا "اب میں چاہتا ہُوں کہ کوئی شخص جائے اور کِسی طرح سمینہ بانو کو پکڑ لائے اور اُس قلعے پر بھی قبضہ کرے۔"

فولاد زنگی بھی ضمیرانِ شاہ کے ساتھ آیا تھا اور دربار میں حاضِر تھا۔ وُہ اُٹھ کر کھڑا ہُوا اور کہنے لگا۔ "حضُور والا، اگر اِجازت ہو تو یہ غُلام جائے اور سمینہ بانو کو گرفتار کرے؟"

مرزُوق فرنگی نے حیرت سے فولاد کو دیکھا اور مُسکرا کر کہا "تُم کیا کرو گے؟ زلزال پہلوان کے پاس دو لاکھ

سواروں کی طاقت ہے۔ اُس سے لڑ بھڑ کر قلعہ لے لینا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔"

"حضور، میں ایک اور ہی تدبیر کروں گا۔" فولاد نے کہا "میرے پاس عَلَم شاہ رُومی کی خاص انگوٹھی ہے جو میں نے بے ہوشی کے دوران میں اس کی اُنگلی سے اُتار لی تھی۔ میں سوداگر کا بھیس بدل کر سمینہ بانو کے قلعے میں جاؤں گا اور اپنے صندُوقوں میں دو دو سپاہیوں کو بند کر دُوں گا۔ قلعے دار سے کہوں گا کہ میں عَلَم شاہ کا آدمی ہُوں اور یہ مال اُسی نے بھیجا ہے۔ جب وُہ نِشانی مانگیں گے تو عَلَم شاہ کی انگوٹھی دِکھا دُوں گا۔ اِس ترکیب سے قلعے میں داخل ہونے کا موقع مِل جائے گا۔ پھر سمینہ بانو پر قابُو پانا کچھ مُشکل نہ ہو گا۔"

مرزُوق فرنگی یہ تدبیر سُن کر پھڑک گیا اور فولاد زنگی کو قلعۂ آہن حِصار کی جانب جانے کی اِجازت دے دی۔ جب فولاد زنگی اپنے سامان کے ساتھ قلعے کے نزدیک پہنچا تو اشعر کوتوال کو خبر ہُوئی۔ وُہ فصیل پر آیا اور پُوچھا کہ تُو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ فولاد زنگی نے کہا کہ عَلَم شاہ رُومی نے مُجھے بھیجا ہے۔ میرے پاس اُس کی انگوٹھی موجُود ہے جو سمینہ بانو کو دِکھاؤں گا۔ تو قلعے کا دروازہ کھول

تاکہ میں اندر جاؤں۔

اشعر نے اسی وقت سمینہ بانو کو اطلاع دی۔ وہ علم شاہ اور لہراسپ کی گمشدگی سے سخت پریشان تھی۔ جونہی اسے معلوم ہوا کہ ایک تاجر علم شاہ کا بھیجا ہوا آیا ہے تو خوشی سے پھولی نہ سمائی۔ اشعر سے کہنے لگی کہ اس تاجر کو قلعے کے اندر آنے دو۔ تب اشعر سوچ میں پڑ گیا۔ سمینہ بانو نے حیرت سے کہا:

"اے اشعر، تو کس سوچ میں گم ہے؟"

اشعر نے جواب دیا "مجھے اس تاجر پر کچھ شک ہے وہ علم شاہ کا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ ذرا سوچو تو اگر علم شاہ کو انگوٹھی دینی ہی تھی تو وہ لہراسپ کے ہاتھ کیوں نہ بھجواتا؟"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ علم شاہ نے لہراسپ کو کہیں اور بھیجا ہو۔" سمینہ بانو نے کہا۔

"ہاں، یہ بھی ممکن ہے۔" اشعر نے کہا۔

آخر سوچ سوچ کر یہ تدبیر نکالی کہ تاجر کا سامان تو قلعے کے اندر آنے دیا جائے مگر خود تاجر کو اندر داخل ہونے کی اجازت نہ ہو۔ چناں چہ اشعر نے یہی بات فولاد زنگی سے کہی کہ مال بھیج دو لیکن تم قلعے میں نہیں آسکتے ہاں جب علم شاہ یہاں آیا تو تم بھی آجانا۔

اشعر کی یہ بات سُن کر فولاد زنگی دل میں بے حد جھنّایا مگر ظاہرا طور پر ہنس کر کہنے لگا "معلوم ہوتا ہے مجھ پر آپ کو کوئی شک ہے۔ خیر، میں زیادہ اِصرار نہیں کرتا۔ آپ یہ صندُوق ہی منگوا لیجیے۔ میرا قلعے میں آنا کچھ ضروری بھی نہیں ہے۔"

غرض تمام صندُوق ایک ایک کر کے قلعے میں پہنچ گئے ان میں سے ہر صندُوق کے اندر دو دو سپاہی چھپے ہُوئے تھے اور ان کو صرف اندر ہی سے کھولا اور بند کیا جا سکتا تھا۔ اشعر نے سب صندُوق محل کے ایک کمرے میں رکھوا دیے۔ آدھی رات ہُوئی تو یہ صندُوق کھلے، اور ہتھیار بند سپاہی باہر آ گئے۔ اُنھوں نے قلعے کے مُحافظوں کو فوراً قتل کر دیا اور بڑا دروازہ کھول دیا۔ فولاد زنگی پہلے سے مُنتظر تھا۔ فوراً لشکرِ جرّار لے کر قلعے میں گھس آیا اور خُوب تباہی مچائی۔

اشعر نے تھوڑی دیر تک مُقابلہ کیا۔ مگر زخمی ہو کر گرفتار ہُوا۔ فولاد زنگی نے محل میں داخل ہو کر سمینہ بانو کو بھی گرفتار کیا اور اُسی لمحے ایک سوار کو مرزُوق فرنگی کے پاس روانہ کیا تاکہ فتح کی خبر سُنائے۔

قلعۂ آہن حصار پر قبضہ جمانے کے بعد فولاد زنگی

نے قلعۂ قُلّاب کا رُخ کیا۔ اُسے بالکُل خبر نہ تھی کہ اشقنش سچّے دِل سے دینِ ابراہیمی پہ ایمان لا کر سُلطان سعد کا فرماں بردار بن چُکا ہے۔ قلعۂ قُلّاب کے نزدیک پہنچ کر فولاد زنگی نے اشقنش کو پیغام بھیجا کہ عَلَم شاہ اور لہراسپ شہر ریحانیہ میں گرفتار کیے جا چُکے ہیں اور اِس وقت ضمیران شاہ اُنھیں لے کر مرزُوق فرنگی کے پاس پہنچ چُکا ہے۔ اب مُناسب یہ ہے کہ تو بھی سُلطان سعد کو لے کر مرزُوق کے دربار میں حاضر ہو تاکہ اِن قیدیوں کی قِسمت کا فیصلہ کر دیا جائے۔

اشقنش نے یہ پیغام فوراً سعد تک پہنچایا کہ جلد کچھ اِنتظام کیجیے ورنہ فولاد زنگی قلعے میں گھُس آئے گا۔ آپ کے چچا عَلَم شاہ اور لہراسپ پکڑے جا چُکے ہیں اور فولاد نے قلعہ آہن حِصار سے سمینہ بانو اور اشقر کوتوال کو بھی گرفتار کیا ہے۔ سُلطان سعد یہ سُن کر طیش میں آیا، اور تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر بولا:

"میں ابھی جاتا ہُوں اور سمینہ بانو کو قید سے چُھڑاتا ہُوں۔ فولاد کی کیا مجال کہ اُسے کوئی نقصان پہنچائے۔"

اشقنش نے سعد کو روکا اور کہا کہ موقع محل دیکھ کر کام کیجیے۔ میں کِسی بہانے سے فولاد کو ٹالے دیتا ہُوں کہ

سعد کو صُبح پیش کروں گا - آپ آدھی رات کے وقت دس ہزار سواروں کے ساتھ فولاد پہ ہلّا بول دیجیے - اس کی فوج خوابِ خرگوش میں ہو گی - بھیڑ بکریوں کی طرح کٹ جائے گی -

سعد کو یہ تدبیر پسند آئی - اشقش نے فولاد زنگی سے کہلوایا کہ آپ دُور سے آئے ہیں۔ تھکے ہُوئے ہوں گے اِس لیے رات کی رات آرام فرمائیے - صُبح سویرے ہی قیدی کو خدمت میں حاضر کر دُوں گا - فولاد مُطمئن ہو گیا - آدھی رات کے وقت سعد اپنی فوج لے کر قلعے سے باہر آیا - اور اُس کے سپاہی بھُوکے چیتوں کی طرح فولاد کے آدمیوں پر ٹُوٹ پڑے اور ہزارہا آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا - اِس ہنگامے میں فولاد زنگی کی آنکھ کُھلی - اپنے خیمے سے باہر نکلا اور ایک سپاہی سے پُوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے - اُس نے جواب دیا کہ ایک نقاب پوش نے شب خُون مارا ہے اور ہمارے آدمیوں کو بے دریغ قتل کر رہا ہے -

یہ سُنتے ہی فولاد زنگی کا خُون پانی ہُوا - اُسی وقت ہتھیار بدن پر سجائے اور سیاہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آیا - اتنے میں سُلطان سعد نے نعرہ لگایا - فولاد

نے یہ نعرہ سُنا اور اپنا گھوڑا دوڑاتا ہُوا سعد کے سامنے آیا دیکھا کہ ایک نو عُمر لڑکا چہرے پر نقاب ڈالے پُھرتی سے تلوار چلا رہا ہے۔ فولاد کی نظروں کے سامنے اِس لڑکے نے دس آدمی قتل کر ڈالے۔

فولاد نے للکار کر کہا "او لڑکے، معلُوم ہوتا ہے تیری موت نے تُجھے یہاں بھیجا ہے۔ ہوشیار ہو۔"

یہ کہہ کر فولاد نے پُوری قُوّت سے سعد پر حملہ کیا۔ سعد نے گینڈے کی کھال سے بنی ہُوئی ڈھال پر یہ حملہ روکا اور جواب میں تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ فولاد زنگی گھوڑے سمیت چار ٹُکڑے ہو کر زمین پر گرا۔ فولاد کے مرتے ہی اُس کے سپاہیوں کے دِل چھُوٹ گئے اور اُنھوں نے ہتھیار پھینک دِیے۔

سعد نے اشتر کوتوال اور اس کے مُلازموں کو آزاد کرایا۔ وُہ سعد کے قدموں سے لپٹ کر کہنے لگا کہ اے شہزادے آفرین ہے تُجھ پر۔ کیسا کام دِکھایا ہے۔

سعد نے اشتر سے کہا "میری جانب سے سمینہ بانو کی خدمت میں سلام عرض کرو اور کہو کہ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فوراً بتائیے۔ آپ میری چچی ہیں۔"

اُدھر سمینہ بانو بے چاری ایک الگ قید خانے میں پڑی

رو رہی تھی۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ فولاد زنگی ہلاک ہو چکا ہے
اِتنے میں اشعر کوتوال نے وہاں پہنچ کر اُسے سلام کیا اور
ہتھکڑیاں بیڑیاں کھولیں۔ پھر کہا کہ عَلَم شاہ کے بھتیجے سُلطان
سعد نے فولاد زنگی کو جہنّم رسید کیا ہے اور آپ کو بہُت
بہُت سلام کہلوایا ہے۔

سمینہ یہ سُن کر بہُت خُوش ہُوئی اور کہنے لگی " سعد
سے کہو کہ تُم میرے سامنے کیوں نہیں آتے؟"

اشعر نے یہ پیغام سعد کو دیا۔ وُہ سمینہ بانو کے سامنے
آیا اور جُھک کر ادب سے سلام کیا۔ سمینہ نے دُعائیں دیں
اور بلائیں لیں۔ پھر سعد نے اشعر اور اشقش کے ساتھ
سمینہ بانو کو قلعۂ قلّاب کی جانب روانہ کیا اور کہہ دیا کہ
آپ شہزادی گوہر بند کے پاس رہیں۔ میں اب چچا عَلَم
شاہ کو چُھڑانے جاتا ہُوں۔

دُوسرے دِن اشقش آدھے راستے سے لوٹ آیا اور
اشعر اکیلا سمینہ بانو کو قلعۂ قُلّاب کی طرف لے گیا۔ سعد
نے حیران ہو کر کہا " اے اشقش تُو کیوں واپس آیا؟
ہم نے تو تجھے سمینہ بانو کے ساتھ روانہ کیا تھا؟"

تب اشقش نے سعد کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور آنکھوں
میں آنسُو لا کر بولا " اے شہزادے، میں چلا تو گیا مگر

راستے بھر آپ کا خیال ستاتا رہا - اِس لیے واپس چلا آیا - میں آپ کے قدموں سے جُدا ہونا نہیں چاہتا - اشعر کوتوال نہایت ہوشیار اور بہادر آدمی ہے - وُہ بخیر و عافیت سمینہ بانو کو قلعۂ قُلّاب تک پہنچا دے گا -"

سعد یہ بات سُن کر خُوش ہُوا اور کہنے لگا "اے اشقش، میں تیری اِس محبّت کو دیکھ کر بہُت خُوش ہُوا ہُوں - رفیق ایسے ہی ہُوا کرتے ہیں - اب میں چچا عَلَم شاہ کو مرزُوق فرنگی کی قید سے رہا کرانے جاتا ہُوں - تیرا مشورہ کیا ہے ؟"

اشقش گہری سوچ میں گُم ہُوا - پھر رُک رُک کہنے لگا "اے شہزادے، مُجھے ایک بات کا کھٹکا ہے جس سے گھبراتا ہُوں - عَلَم شاہ کو مرزُوق اور ضمیران شاہ کی قید سے آزاد کرانا اِتنا آسان نہیں ہے جتنا آپ سمجھے ہُوئے ہیں - اُن کے پاس لاکھوں سپاہی ہیں اور چپّے چپّے پر حفاظت کا اِنتظام ہے - اس کی بہترین صُورت یہ ہے کہ آپ قیدی بن کر میرے ساتھ چلیں - میرا حال ابھی تک مرزُوق فرنگی اور ضمیران شاہ کو معلُوم نہیں ہے - اُنھوں نے فولاد زنگی کے ذریعے مُجھے بھی طلب کیا تھا کہ آپ کو لے کر اُن کے پاس پہنچوں - جب آپ وہاں پہنچیں گے تو چند روز

کے لیے آپ کو قید خانے میں عَلَم شاہ اور لہراسپ کے پاس رکھیں گے۔ اِس طرح اُن سے مُلاقات ہو جائے گی، اور پھر اچانک حملہ کر کے آزاد ہو جانا کچھ مُشکل نہ ہو گا۔"

سُلطان سعد نے غور سے اشقش کی باتیں سُنیں۔ پھر گردن ہلا کر کہا "یہ ہرگز نہ ہو گا کہ میں قیدی بن کر مرزوق فرنگی کے سامنے جاؤں۔ میں بزورِ شمشیر عَلَم شاہ کو آزاد کراؤں گا۔ اگر مرزوق کے پاس لاکھوں سپاہی ہیں تو ہُوا کریں۔ انشاء اللہ وہ میرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔"

اشقش نے ہاتھ باندھ کر عرض کی "اے شہزادے، بے شک آپ بہادر اور جری ہیں مگر یاد رہے کہ سپہ گری کے چھتّیس فن ہیں۔ جیسا موقع دیکھے، ویسا کرے۔ اگر مرزوق کے سپاہیوں نے آگے بڑھ کر آپ کو روکا اور اس اثنا میں اُنھوں نے عَلَم شاہ اور لہراسپ کو مار ڈالا تو پھر کیا ہو گا؟ میں نے مانا کہ آپ مرزوق اور ضمیران شاہ کو بھی ہلاک کر دیں گے لیکن عَلَم شاہ کو جیتا نہ پائیں گے۔"

سُلطان سعد کو اشقش کی باتوں میں وزن محسوس ہُوا چند لمحے غور کرنے کے بعد اشقش سے کہا "تمھارا مشورہ مُناسب ہے۔ ایسا ہی کرنا چاہیے۔"

چُناں چہ وُہ دونوں دِن رات منزلیں طے کرتے ہُوئے شہر کے نزدیک پہنچے۔ اِس دوران میں اشقش نے سعد کے ہاتھوں اور پیروں میں زنجیریں ڈال کر قیدی بنا دیا تھا۔ شہر سے باہر ضمیران شاہ ایک عظیم لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہُوئے تھا۔ یکایک کچھ لوگ فولاد زنگی کی لاش کے ٹُکڑے لے کر وہاں آئے اور خبر دی کہ ایک پُراسرار نقاب دار نے فولاد کے لشکر پر شب خُون مارا اور ہزارہا سپاہیوں کو قتل کر کے فولاد کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ یہ اُس کی لاش ہے۔

ضمیران شاہ پر خوف طاری ہُوا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے لاش کو تکنے لگا۔ اِتنے میں خبر آئی کہ اشقش سُلطان سعد کو لیے آتا ہے۔ ضمیران شاہ نے فوراً پیغام بھجوایا کہ قیدی کو جلد ہماری خدمت میں حاضر کرو۔

شام کے وقت جب کہ ضمیران شاہ اپنے خیمے کے باہر ٹہل رہا تھا، اشقش قیدی کو لیے آیا۔ سعد نے اللہ اکبر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ ضمیران شاہ سخت ناراض ہُوا اور کہنے لگا یہ کیا کہتا ہے؟ اشقش نے جواب دیا:

"جہاں پناہ، یہ جب سے قید ہُوا ہے، ہر وقت اپنے خُداوند کا نام لیا کرتا ہے۔"

"اے اشقش، تُو نے بھی اِسے کچھ نہ سمجھایا؟" ضمیران شاہ نے کہا۔

"حضُور، میری کیا مجال جو اِسے کچھ سمجھاؤں۔ اُس نے مرزُوق فرنگی کے سامنے بھی یہی نعرہ لگایا اور خُداوند زرّیں تن کو بھی بُرا بھلا کہا۔"

"اچھّا؟ کیا یہ ہمارے خُداوند سے بھی نہیں ڈرتا؟" ضمیران شاہ نے پُوچھا۔

"جناب، ڈرنا تو ایک طرف یہ اُس پر لعنت بھیجتا ہے۔"

ضمیران شاہ غُصّے سے تھر تھر کانپنے لگا۔ پھر اشقش سے کہا "اچھّا ہُوا تم اِسے لے کر آج ہی یہاں آ گئے۔ ہم فیصلہ کر چُکے ہیں کہ کل سُورج نکلنے سے پہلے ہی عَلَم شاہ اور لہراسپ دونوں کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔ اب یہ قیدی بھی اُن کے ساتھ ہی مارا جائے گا۔ فی الحال اسے لے جا کر اُسی قید خانے میں رکھو جہاں دونوں قیدی پہلے سے موجُود ہیں۔"

اشقش سعد کو اُس خیمے میں لے گیا جس میں عَلَم شاہ اور لہراسپ قید تھے۔ اشقش اور سعد کو دیکھ کر دونوں قیدی خُوشی سے اُچھل پڑے۔ سعد نے سب واقعہ سُنایا۔

پھر اشقنش نے سعد کی زنجیریں کھول دیں اور چلا گیا۔
صبح کے وقت قید خانے کا داروغہ خیمہ میں آیا تاکہ قیدیوں کو قتل گاہ میں لے جائے۔ اُس بدنصیب کو کیا معلوم تھا کہ سعد کی زنجیریں کھلی ہوئی ہیں۔ جونہی وہ خیمے میں داخل ہوا، سعد نے اُچھل کر اُس کی گردن ناپی اور اس زور سے ٹینٹوا دبایا کہ اُس کا دم نکل گیا۔
داروغہ کا کام تمام کر کے سعد نے اُس کی جیب سے ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کے تالوں کی چابیاں نکالیں اور اپنے ساتھیوں کو آزاد کر دیا۔ پھر خیمے سے باہر آ کر چند سپاہیوں کو مارا اور اُن کے ہتھیار چھین لیے۔
اِن قیدیوں کے آزاد ہونے کی خبر ضمیران شاہ تک پہنچی تو اُس کے ہوش اُڑ گئے۔ جلدی سے اپنے بیٹے سہراب کو بھیجا کہ کچھ بندوبست کرے۔ سہراب غیظ و غضب کی تصویر بن کر آیا اور علم شاہ سے للکار کر کہا:
"اے قیدی، تیری اتنی جرأت کہ یوں نکل بھاگے۔ دیکھ کیسا مزا چکھاتا ہوں۔"
یہ کہہ کر تلوار سے علم شاہ پر حملہ کیا۔ علم شاہ کے جوش کا اُس وقت کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ ایک سہراب کیا، ہزار آ جاتے تب بھی اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔

عَلَم شاہ نے ڈھال پر وار روکا پھر آگے بڑھ کر سُہراب کی گردن پکڑ لی اور یُوں اُوپر اُٹھایا جیسے عقاب ہرن کے بچّے کو اپنے پنجوں میں دبا لیتا ہے اور اِس سے پہلے کہ سُہراب سنبھل سکے، عَلَم شاہ نے اِس زور سے اُس کو فضا میں پھینکا کہ تنکے کی طرح اُڑتا ہُوا آسمان کی جانب گیا۔ جب واپس زمین پر آیا تو عَلَم شاہ نے تلوار کا ہاتھ مارا۔ سُہراب دو ٹکڑے ہو کر گرا۔

جاسُوسوں نے سُہراب کے مارے جانے کی خبر ضمیران شاہ کو دی۔ بیٹے کی موت سے اُس کی آنکھوں میں خُون اُتر آیا۔ سوچے سمجھے بغیر میدانِ جنگ میں کُود پڑا اور عَلَم شاہ کے نزدیک آن کر بولا:

"او رُومی، یہ تُو نے کیا غضب کیا کہ میرے جواں مرد بیٹے کو مار ڈالا؟ اب تُو میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا۔"

عَلَم شاہ نے مُسکرا کر جواب دیا "اے بدبخت، تُو خُود اپنی موت سے بچنے کی کوشش کر۔"

یہ کہہ کر اُس نے ضمیران شاہ کو کھینچ کر گھوڑے سے اُتارا اور سر سے اُونچا اُٹھا کر کئی چکّر دیے۔ ضمیران شاہ کے حلق سے خُون کا فوّارہ جاری ہُوا۔ سمجھا کہ واقعی موت

آئی ۔ گھبرا کر امان امان چلّانے لگا ۔ عَلَم شاہ نے اُسے زمین پر آہستہ سے پٹخ دیا ۔ پھر کہنے لگا :

"تُو ایک بار پہلے بھی ایمان لا کر دغا کر چکا ہے اور اب پھر امان امان پکارتا ہے ۔ جی تو نہیں چاہتا کہ تجھے زندہ چھوڑوں مگر یہ ہمارا قاعدہ ہے کہ جو امان طلب کرے اُسے امان دیں ۔"

ضمیران شاہ نے عَلَم شاہ کے قدم تھام لیے اور رو کر کہا "اب ایسی خطا نہ ہو گی ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اقبال آپ کا مُقدّر ہے ۔ آپ پر کوئی شخص فتح نہیں پا سکتا اور آپ کا دین بھی برحق ہے ۔ اگر خُدائے زرّیں تن سچّا ہوتا تو میرے بیٹے سُہراب کو زندہ کر دیتا ۔"

غرض اِس مرتبہ ضمیران شاہ سچّے دل سے کلمہ پڑھ کر دینِ ابراہیمی میں داخل ہُوا ۔ کہتے ہیں کہ اُس روز ضمیران شاہ اپنے دو لاکھ سواروں کے ساتھ ایمان لایا تھا ۔ اگلے روز اُس نے عَلَم شاہ ، لہراسپ ، سعد اور اشقش کی دعوت کا انتظام کیا ۔ جب سب لوگ کھانے پینے سے فارغ ہُوئے تو اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں ۔ عَلَم شاہ نے کہا :

"اب میرا اِرادہ ہے کہ مرزُوق فرنگی کو جہنّم رسید کروں ۔"
ضمیران شاہ یہ سُن کر کہنے لگا "حضُور ، ابھی اِس

ئے لیے وقت مناسب نہیں ہے۔ مرزوق فرنگی کی حد
میں ساٹھ لاکھ تجربہ کار سپاہی ہیں۔ آپ کتنوں کو قتل کریں
گے؟ زیادہ سے زیادہ تین یا چار لاکھ قتل کر دیں گے۔
بہتر یہ ہے کہ میرے ساتھ شہر ریحانیہ کو لوٹ چلیے۔ زلزال
کو بلائیے۔ ممکن ہے اس دوران میں امیر حمزہ بھی یہاں
آجائیں۔ ایسی صورت میں مرزوق فرنگی سے جنگ کا
مزا آجائے گا۔"

عَلم شاہ نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا "اس
میں کوئی شک نہیں کہ تیری بات درست ہے۔ واقعی ہر
کام سوچ سمجھ کر اور موقع محل دیکھ کر کرنا چاہیے ـــ
مجھے یقین ہے کہ امیر حمزہ مکّے سے واپس آتے ہی
ملکِ فرنگستان کا رُخ کریں گے۔"

چناں چہ انھوں نے شہر ریحانیہ کی جانب کوچ کی
تیّاریاں کیں۔ تب سلطان سعد نے لہراسپ سے کہا:
"میری جانب سے چچا عَلم شاہ کی خدمت میں عرض کرو کہ
میں چند روز کے لیے قلعہ قلاب میں جاتا ہوں۔ وہاں
کچھ لوگ ابھی کافر ہیں۔ انھیں دینِ ابراہیمی میں داخل
کر کے واپس ریحانیہ آؤں گا۔"

لہراسپ نے یہ بات عَلم شاہ سے کہی۔ اُس نے مسکرا

کر کہا ذرا سعد کو بُلاؤ۔ لہراسپ نے جا کر سعد سے کہا کہ چلیے آپ کے چچا آپ کو یاد کرتے ہیں۔ سعد نہایت سعادت مندی سے گردن جُھکائے عَلَم شاہ کے سامنے آیا۔ عَلَم شاہ نے کہا:

"کیوں بیٹا، تُم ہمارا ساتھ کس لیے چھوڑتے ہو؟"

سعد نے جواب دیا "چچا جان، خُدا جانتا ہے کہ جب تک میرے جسم میں جان ہے، آپ کے قدموں سے ہرگز جُدا نہ ہُوں گا۔ میں نے تو صرف یہ عرض کیا تھا کہ آپ ابھی ریحانیہ تشریف لیے جاتے ہیں۔ میں بھی چند روز کے لیے قلعۂ قُلاب کا چکّر لگا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہُوں۔"

"اچھا بیٹا جاؤ، تُمھیں خُدا کے سپرد کیا۔"

غرض عَلَم شاہ، ضمیران شاہ اور لہراسپ تو شہر ریحانیہ کی جانب چلے اور سُلطان سعد اور انتقش قلعۂ قُلاب کی طرف آئے۔

سُلطان سعد شہزادی گوہر بند سے کہہ گیا تھا کہ جس وقت سمینہ بانو آئیں تو تُم اُنھیں سلام کرنا اور قلعے کے دروازے تک اِستقبال کے لیے جانا۔ اُنھیں اپنی بُزرگ سمجھنا کیوں کہ وُہ میری چچی ہیں اور کبھی یہ خیال نہ کرنا

کہ میں شہزادی ہوں اور وہ ایک سپہ سالار کی بیٹی ہیں۔
شہزادی گوہر بند نے سعد کی ہدایت پر پورا عمل کیا۔
جب سُنا کہ سمینہ بانو آئی ہیں، وہ خود دروازے تک
گئی، استقبال کر کے لائی، اپنی مسند پر بٹھایا اور نذر
پیش کی۔ اتنے میں سُنا کہ سلطان سعد آئے ہیں۔
شہزادی گوہر بند اور سمینہ بانو بے حد خوش ہوئیں۔
سعد محل کے اندر آیا۔ سمینہ بانو کو جھک کر سلام کیا
اور ادب سے بیٹھا۔ سمینہ نے عَلَم شاہ کا حال پوچھا
سعد نے تفصیل سے سب بیان کر دیا اور آخر میں کہا
کہ اب وہ ضمیران شاہ اور لہراسپ کو لے کر شہر ریحانیہ
کی جانب گئے ہیں۔

سمینہ بانو کئی دن تک قلعے میں رہی، پھر سعد
سے کہا "اب مجھ کو رُخصت کر دو۔"

سعد نے کہا "میری رائے میں آپ یہیں رہیے
یہ جگہ آپ کے قلعۂ آہن حصار سے زیادہ محفوظ
ہے۔"

مگر سمینہ نے سعد کی درخواست نہ مانی اور جانے
کی ضد کی۔ سعد نے مجبور ہو کر کہا "بہتر ہے۔ آپ
کو اختیار ہے۔" سمینہ بانو رُخصت ہوئی۔ اشعر اُس

کے ساتھ چلا۔ سعد نے اُسے سمجھایا کہ ذرا ہوشیاری سے جانا۔ دُشمنوں کی شرارت کا ہر وقت اِمکان ہے۔ اشعر کہنے لگا، آپ فکر نہ کیجیے۔ میں نے بھی کچّی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔ کسی کی کیا مجال ہے کہ میرے ساتھ شرارت کرے۔

آلا گرد اور مالا گرد

سُلطان سعد کو قلعۂ قُلاب میں چند دِن آرام کرنے دیجیے اور ذرا مرزُوق فرنگی کی خبر لیجیے کہ جب اُس نے ضمیران شاہ کے دینِ ابراہیمی میں داخل ہونے کی خبر سُنی تو اُس پر کیا بیتی۔ جاسُوسوں نے اُسے ایک ایک بات تفصیل سے بتائی۔ مرزُوق فرنگی کا خُون کھولنے لگا۔ اسی وقت مالا گرد کو حُکم بھیجا کہ تُو شہر ریحانیہ پر حملہ کر اور عَلَم شاہ، ضمیران شاہ اور لہراسپ کی گردنیں اُتار کر میرے سامنے پیش کر۔ پھر آلا گرد کو حُکم دیا کہ تُو قلعۂ قُلاب پر دھاوا بول اور سعد کو گرفتار کر کے لا۔

آلا گرد اور مالا گرد زبردست پہلوان تھے اور بے شُمار جنگیں جیت چُکے تھے۔ دُنیا بھر میں ان دونوں بھائیوں کی دھاک بیٹھی ہُوئی تھی۔ جب مالا گرد ایک عظیم لشکر لے کر شہر ریحانیہ کے قریب پہنچا تو عَلَم شاہ کو اُس

کی آمد کا پتا چلا۔ ضمیران شاہ کسی قدر خوف زدہ تھا اس نے علم شاہ سے کہا:

"حضور، یہ مالا گرد پہلوان بڑا تنہ زور اور جی دار ہے۔ ملکِ فرنگستان میں اس جیسا پہلوان کوئی اور نہیں ہے۔ اِس کا بھائی آلا گرد پہلوان بھی ایسا نہیں ہے۔ اگر اِجازت ہو تو قلعے کے دروازے بند کر لیں۔"

عَلم شاہ یہ سُن کر سخت برہم ہُوا اور کہا "خبردار، اب کبھی ایسا کلمہ زبان سے نہ نکالنا۔ جو قوم قلعہ بند ہو کر لڑتی ہے، وُہ کبھی دُشمن پر فتح نہیں پا سکتی۔ میدان اُنھی کے ہاتھ رہتا ہے جو میدان میں نکل کر مرنا مارنا جانتے ہیں۔ فوراً جنگ کی تیّاری کی جائے۔ اور خبردار قلعے کا کوئی دروازہ ہرگز بند نہ ہو۔"

اُسی وقت زلزال کو خط لکھا کہ بہُت جلد یہاں پہنچو مالا گرد پہلوان لڑنے آیا ہے۔ جب قاصد عَلم شاہ کا یہ نامہ لے کر زلزال کے دربار میں پہنچا تو وُہ اپنے مُصاحبوں سے کہہ رہا تھا کہ یارو، عَلم شاہ کی بھی کُچھ خیر خبر ہے کہ نہیں؟ اِتنے میں قاصد نے عَلم شاہ کا خط پیش کیا۔ زلزال نے اُٹھ کر تعظیم دی اور خط کو آنکھوں سے لگایا، چُوما اور پڑھا۔ اُسی وقت حُکم دیا کہ

لشکر تیّار ہو اور شہر ریحانیہ کی طرف کُوچ کرے۔

اِدھر چار روز تک مالا گرد اور عَلَم شاہ کی فوجیں لڑائی کی تیّاریاں کرتی رہیں۔ پانچویں روز سُورج نکلتے ہی مالا گرد نے طبلِ جنگ بجوایا۔ عَلَم شاہ نے بھی طبل بجانے کا حُکم دیا۔ دونوں فوجیں صفیں باندھ کر مُقابلے کے لیے آمنے سامنے آ گئیں۔ مالا گرد فرنگی گھوڑے پر سوار ہو کر دُھوم دھام سے میدان میں آیا اور گھُڑ دوڑ کے کمالات دکھانے لگا۔ جس پر دوست دُشمن سب نے واہ وا کی۔ جب خُوب پسینے میں تر ہو گیا اور گھوڑا بھی تھکا تب وہ رُکا اور ضمیران شاہ سے کہنے لگا:

"او ضمیران شاہ، تُو نے پہلے اپنے آقا مرزُوق فرنگی سے نمک حرامی کی اور اب میرا سامنا کرتا ہے۔ خیر، جس پر تیرا بھروسا ہو اُس کو میرے مُقابلے میں بھیج۔"

یہ سُننا تھا کہ عَلَم شاہ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور مالا گرد کے قریب آن کر رُکا اور اُسے سلام کِیا۔ مالا گرد نے حیرت سے کہا:

"تُو نے مُجھے سلام کیوں کِیا؟"

"اِس لیے کہ ہم لوگوں کا قاعدہ یہی ہے کہ دُشمن کو بھی سلام کرنے میں پہل کرتے ہیں۔"

مالا گرد ہنس کر کہنے لگا "اے عَلَم شاہ، تُو نے ایسے قصور کیے ہیں کہ اب تیری جان بخشی کی کوئی صورت باقی نہیں۔"

"اے مالا گرد، تُو ہے کس ہوا میں؟ میں اپنی جان بخشی نہیں چاہتا ہُوں، بلکہ میں نے تجھے اپنا بُزرگ سمجھا اور چچیا خُسر جان کر سلام کیا ہے۔"

عَلَم شاہ کی بات بالکُل صحیح تھی کیوں کہ اس کی بیوی سمینہ بانو مالا گرد کے سگے بھائی آلا گرد کی بیٹی تھی۔ عَلَم شاہ کے مُنہ سے یہ کلمہ سُن کر مالا گرد کے تلووں میں آگ لگی، تو کھوپڑی تک گئی۔ غضب میں آکر نیزے سے حملہ کیا۔ عَلَم شاہ نے اِطمینان سے اپنے نیزے پر روکا۔ اب دونوں میں نیزہ بازی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ دونوں کے نیزوں کی چمک دار انیاں بالکُل بے کار ہو گئیں اور نیزے درمیان میں سے ٹُوٹ گئے۔ تب اُنھوں نے نیزے پھینکے اور تلواریں کھینچ لیں۔

مالا گرد نے تلوار ماری، عَلَم شاہ نے وار خالی دے کر حملہ کیا۔ مالا گرد نے اپنی ڈھال میں چہرہ چھُپا لیا۔ مگر تلوار سپر پر پڑی اور اُس کے دو ٹکڑے ہُوئے۔ اب عَلَم شاہ کی تلوار مالا گرد کے آہنی خود پر پہنچی، اُسے بھی

کاٹا اور پیشانی کو زخمی کرتی ہوئی نکل گئی۔ مالا گرد نے اپنا خون بہتے دیکھا تو اِس شدّت سے حملہ کیا کہ عَلَم شاہ سنبھل نہ سکا اور عین اسی وقت مالا گرد کی تلوار اس کے کندھے میں اُتر گئی۔ کندھے سے خُون کا فوّارہ بُلند ہُوا اور عَلَم شاہ پر غشی طاری ہونے لگی۔ مالا گرد کی حالت بھی ابتر تھی اور وہ تلوار اُٹھانے کے قابل نہ تھا۔ اِدھر عَلَم شاہ کا گھوڑا اُسے لے کر میدان سے نکل گیا۔ مگر مالا گرد نے ہمّت کر کے گھوڑے کے پیچھے اپنا گھوڑا ڈالا۔ یہ دیکھ کر لہراسپ کی آنکھوں میں خُون اُتر آیا۔ وہ نعرہ مار کر مالا گرد کو روکنے کے لیے لپکا۔۔۔ ضمیران شاہ نے دِل میں خیال کیا ایسا نہ ہو کہ مالا گرد کے ہاتھ سے لہراسپ مارا جائے۔ پھر میں عَلَم شاہ کو کیا مُنہ دِکھاؤں گا۔ اِس لیے کہ جب عَلَم سنا زخمی ہُوا تو لہراسپ کی کیا حقیقت ہے۔

چُناں چہ ضمیران شاہ بھی اپنے دستے سمیت مالا گرد کی فوج پر آن پڑا اور بے دریغ تلوار چلنے لگی۔ پلک جھپکتے میں دونوں طرف کے ہزارہا سپاہی گاجر مُولی کی طرح کٹ گئے۔ شام ہُوئی تو ضمیران شاہ نے واپسی کا طبل بجوایا۔ دونوں لشکر اپنے اپنے مقام پر واپس آگئے

جب جنگ بند ہُوئی تو لہراسپ اور ضمیرانِ شاہ کو عَلَم شاہ کی فکر ہُوئی - اِدھر اُدھر تلاش کیا مگر کہیں نہ ملا - تِین روز تک مِیلوں کوسوں دُور ڈھونڈا لیکن خُدا جانے عَلَم شاہ کو زمِین نگل گئی یا آسمان کھا گیا -

چوتھے روز مالا گرد نے پھر طبلِ جنگ بجوایا - ضمیرانِ شاہ کو خبر ہُوئی - اُس نے لہراسپ سے کہا کہ رات کو نکل چلو، قلعہ بند ہو کر لڑو -

لہراسپ نے یہ بات نہ مانی اور کہنے لگا "آج میں خود مالا گرد سے مُقابلہ کر کے دیکھوں گا - اُس کے بعد تُمھیں اِختیار ہے جو چاہے کرنا"

غرض لہراسپ میدان میں آیا - مالا گرد پہلے ہی سے موجُود تھا اور مُقابلے کے لِیے پہلوان طلب کر رہا تھا - لہراسپ نے اس کے سامنے پہنچ کر کہا :

"اے مالا گرد، زیادہ بڑھ مت ہانک - لا جو حربہ رکھتا ہے، اُسے آزما - بعد میں نہ کہیو کہ حسرت دِل میں رہ گئی -"

مالا گرد نے قہر آلُود نظروں سے لہراسپ کو گھورا اور بولا "اُس دِن تُو میرے ہاتھ سے بچ گیا - اگر وُہ نمک حرام ضمیرانِ شاہ تیری مدد کو نہ آتا تو اب تک تیری

ہڈیاں بھی گل چکی ہوتیں ۔ خیر، آج تیری عمر کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا۔"

یہ کہہ کر مالا گرد نے دانت پیسے اور لہراسپ پر تلوار ماری ۔ اس نے ڈھال آگے کر کے اپنے کو بچانا چاہا، مگر مالا گرد جیسے قوی پہلوان کا وار یہ ڈھال کیا روک سکتی تھی، صاف کٹ گئی اور دو اُنگل گہرا زخم لہراسپ کی پیشانی پر آیا ۔ ضمیران شاہ نے دیکھا کہ لہراسپ بھی زخمی ہُوا تو اپنی فوج کو حملہ کر دینے کا اشارہ کیا ۔ اُدھر سے مالا گرد کی فوج بھی آ گئی اور تلوار چلنے لگی ۔ یکایک ضمیران شاہ کی فوج میں شکست کے آثار دکھائی دینے لگے اور قریب تھا کہ سپاہی ہتھیار چھوڑ کر بھاگیں کہ مشرق کی جانب سے ایک عظیم لشکر آتا نظر آیا ۔ جب گرد کا پردہ چاک ہُوا تو دیکھا کہ زلزال آن پہنچا ہے ۔

زلزال کی فوج نے آتے ہی دُشمن کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا اور شدّت سے حملہ کر کے مالا گرد کی فوج کو پیچھے دھکیلا ۔ ضمیران شاہ کی فوج کے قدم بھی جم گئے اور شام تک ہار جیت کا فیصلہ ہُوئے بغیر لڑائی ختم ہو گئی ۔ واپسی کا طبل بجا ۔ دونوں لشکر

میدان سے پھرے - اپنے اپنے خیموں میں آئے -

ضمیران شاہ نے بارگاہ میں آکر لہراسپ کے زخم دُھلوائے پھر طبیب نے ٹانکے دیے - اِس کے بعد زلزال سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ شہزادہ عَلَم شاہ مالا گرد کے ہاتھوں زخمی ہُوا اور اس کا گھوڑا نہ جانے کہاں نکل گیا - کہیں پتا نہیں لگتا اور اب لہراسپ بھی زخمی ہے - لہٰذا جب تک عَلم شاہ واپس نہ آئے، اُس وقت تک مالا گرد سے قلعہ بند ہو کر لڑنا چاہیے -

زلزال یہ سُن کر کہنے لگا "کل میں مالا گرد سے مُقابلہ کر لُوں - اِس کے بعد تُمھیں اِختیار ہے جو جی چاہے کرنا"

ضمیران شاہ نے اُسے سمجھایا کہ ایسا خیال دِل میں نہ لاؤ۔ اگر خُدا نخواستہ تُم بھی زخمی ہو گئے تو میں تنہا قلعہ بند ہو کر بھی مالا گرد سے لڑ نہ سکُوں گا - معلُوم ہوتا ہے آج کل ہمارا ستارہ گردش میں ہے - آخر زلزال، ضمیران شاہ کی بات ماننے پر مجبور ہُوا اور قلعے میں آیا -

یہ خبر صُبح کو مالا گرد تک پہنچی - وُہ ہنس کر کہنے لگا کچُھ پروا نہیں ہے - آخر بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی - کبھی نہ کبھی تو چُھری کے نیچے آئے گی - اس

کے بعد اُس نے قلعے کا مُحاصرہ کر لیا اور سرداروں سے
کہا کہ تیسرے روز قلعے پر قبضہ کر لُوں گا۔ سرداروں نے
آپس میں کہا کہ مالا گرد جو کہتا ہے، وہی کرتا ہے۔ بے شک
یہ قلعے پر قبضہ کر لے گا۔

یہ خبر ضمیران شاہ کو ہُوئی کہ مالا گرد ایسی بات کہتا
ہے تو خوف سے اُن کا دَم ہی نکل گیا۔ بھاگم بھاگ لہراسپ
کے پاس آیا اور سارا حال بیان کیا۔ لہراسپ نے کہا:
"خُدا کو یاد کرو اور مالا گرد کو آنے دو۔ جب مالا گرد
آئے گا تب دیکھا جائے گا۔ تُم مُجھ کو قلعے کے دروازے
پر بٹھا دو۔ میں اُس سے اپنے آپ نپٹ لُوں گا۔"

غرض لہراسپ نے ضمیران شاہ کی ہمّت بندھائی اور
خُود دروازے پر آن بیٹھا۔ سپاہیوں اور سرداروں کا حوصلہ
بڑھایا۔ تیسرے روز صُبح ہی صُبح مالا گرد نے زبردست حملہ
کیا اور یلغار کرتا ہُوا قلعے کے صدر دروازے تک آ گیا۔
اس کے سپاہی سیڑھیاں لگا لگا کر قلعے کی فصیل پر چڑھنے
کی کوشش کرنے لگے اور خُوب گھمسان کی جنگ شروع
ہُوئی۔ لہراسپ بڑی بہادری سے لڑا اور دُشمنوں کے
چھکّے چُھڑا دِیے۔ ضمیران شاہ اور زلزال بھی دائیں بائیں
سانس لیے بغیر تلوار چلا رہے تھے مگر مالا گرد کا دباؤ

ہر لمحہ بڑھتا ہی چلا جاتا تھا۔

یکایک مالا گرد نے ضمیران شاہ کو دیکھا اور پکار کر کہا " او نمک حرام، خیر اسی میں ہے کہ قلعے کا دروازہ کھول دے، ورنہ تیری بوٹی بوٹی اپنے خنجر سے الگ کروں گا۔ کیوں بے وقوفی سے اپنے آدمیوں کو قتل کرواتا ہے۔ مجھ سے مقابلہ تیرے بس کی بات نہیں۔"

یہ سنتے ہی ضمیران شاہ تھر تھر کانپنے لگا۔ مالا گرد کی ایسی دہشت اُس کے دل میں بیٹھی کہ اپنے ساتھیوں کو ہتھیار پھینک دینے کا مشورہ دیا۔ اِس پر لہراسپ نے ڈپٹ کر کہا:

" اے ضمیران، ہوش کی دوا کر۔ مالا گرد کی کیا مجال کہ قلعے کے اندر قدم بھی رکھ سکے۔ جب تک ہماری جان میں جان ہے، اُسے اندر نہ آنے دیں گے۔"

کیا مالا گرد نے قلعۂ ریحانیہ پر قبضہ کر لیا؟ پلنگینہ پوش کی آمد — وہ کون تھا؟ علم شاہ کدھر گیا؟ امیر حمزہؑ ملک فرنگستان میں آتے ہیں۔ شہزادہ قباد شہریار پر کیا گزری؟ سلطان سعد کے کارنامے۔

اِس سلسلے کی نویں کتاب

جادُو کا شہر

مسیں پڑھیے

جادو کا شہر

پلنگینہ پوش

اِس داستان کے آٹھویں حصّے "عیّاروں کی حکومت" میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مرزوق فرنگی کے ایک پہلوان مالا گرد نے قلعۂ ریحانیہ کا محاصرہ کر رکھا ہے، زلزال، لہراسپ اور ضمیران شاہ اُس کے ہاتھوں سخت پریشان ہیں علَم شاہ زخمی ہو کر نہ جانے کہاں نکل گیا ہے۔ اس کا کوئی سُراغ نہیں ملتا۔ امیر حمزہ اپنے ساتھیوں سمیت مُلکِ فرنگستان کی جانب روانہ ہونے والے ہیں تاکہ سُلطان سعد اور علَم شاہ کی خبر لیں کہ کِس حال میں ہیں شہزادہ قباد شہر یار ایک اَن جانے سفر پہ اکیلا روانہ ہو گیا ہے۔

اب ہم آپ کو قلعۂ ریحانیہ کی جانب لیے چلتے ہیں تا کہ دیکھیں مالا گرد کے ہاتھوں ضمیران شاہ اور لہراسپ پر کیا بیتی۔

چوتھے روز مالا گرد نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ قلعۂ ریحانیہ کی مضبوط فصیل میں جگہ جگہ شگاف پڑ گئے اور دراڑیں آ گئیں۔ ضمیران شاہ کے سپاہی بھاگ گئے لہراسپ اور زلزال نے حد درجہ بہادری اور شجاعت دکھائی اور خاصی دیر تک مالا گرد کو قلعے میں داخل ہونے سے روکے رکھا مگر اس دوران میں یہ دونوں شدید زخمی ہُوئے اور اس بات کا اِمکان پیدا ہو گیا کہ قلعے پر مالا گرد کا قبضہ ہو جائے گا۔

یکایک مالا گرد قلعے کے بڑے دروازے کے سامنے نمودار ہُوا اور بُلند آواز سے کہنے لگا:

"اے ضمیران شاہ، اب بھی قلعے کا دروازہ کھول دے۔ تُو جانتا ہے کہ میں جو کہتا ہُوں، وہی کرتا ہُوں میں تیرا قصُور مرزُوق سے کہہ سُن کر معاف کروا دُوں گا۔"

مالا گرد کی للکار سُن کر ضمیران شاہ کا خُون خُشک ہو گیا۔ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ یہ مالا گرد بُری بلا ہے۔ اِس کے ہاتھوں جان بچانا محال ہے۔ بہتر ہے قلعے کا دروازہ کھول دیا جائے۔

لہراسپ نے جھلّا کر ایک دھپ ضمیران شاہ کے سر پر مارا اور کہا "اگر اب تُو نے دروازہ کھولنے کا نام لیا تو خُدا کی قسم یہی تلوار تیرے سینے میں گھونپ دُوں گا۔ تُو نے بُزدلی کی حد کر دی ہے۔ مالا گرد ہماری لاشوں پر سے گزر کر ہی قلعے میں جا سکتا ہے خُدا سے دُعا کرو کہ مدد بھیجے۔ وُہ ضرور ہماری فریاد کو سُنے گا۔"

ابھی لہراسپ کی زبان سے یہ الفاظ بمُشکل ادا ہُوئے تھے کہ مالا گرد کے سپاہیوں نے اندھا دُھند بھاگنا شرُوع کر دیا۔ اُسی وقت ایک سپاہی ہانپتا ہُوا آیا اور لہراسپ سے کہا:

"عجب تماشا ہے۔ مالا گرد کی فوج بدحواس ہو کر میدان چھوڑ رہی ہے۔ معلُوم ہوتا ہے کسی طاقت ور غنیم نے اس کی پُشت پر حملہ کر دیا ہے۔"

یہ سُنتے ہی لہراسپ نے زبردست نعرہ لگایا اور فصیل پر چڑھنے لگا۔ زلزال اور ضمیران شاہ اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سیاہ رنگ کے خُوب صُورت گھوڑے پر ایک نقاب دار سوار ہے۔ اس کے ہاتھ میں خُون سے بھری ہُوئی تلوار ہے اور

وہ بجلی کی طرح تڑپ تڑپ کر مالا گرد کے آدمیوں پر حملہ کر رہا ہے۔ نقاب دار کے ساتھ کئی ہزار سپاہی بھی ہیں اور سب کے سب نقاب پوش ہیں۔

سپاہیوں کو مارتا کاٹتا یہ پُراسرار نقاب دار مالا گرد کے قریب آن پہنچا اور گرج کر کہا۔ "او ڈاکو، تیری کیا مجال کہ اِس قلعے کے اندر اپنے ناپاک قدم بھی رکھ سکے۔ اگر مرد ہے تو اِدھر آ اور مجھ سے دو دو ہاتھ کر تاکہ تجھے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو۔"

اِس للکار سے مالا گرد چونکا اور نقاب دار کی جانب دیکھ کر سوچنے لگا کہ یہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے؟ اِتنے میں نقاب دار نے مالا گرد کے گھوڑے پر لات ماری۔ گھوڑا ہنہناتا ہُوا چھ قدم پیچھے ہٹ گیا۔ یہ دیکھ کر مالا گرد کے طیش کی اِنتہا نہ رہی۔ چِلّا کر کہنے لگا:

"اے بُرقع پوش، کیا تیری قضا نے پُکارا ہے کہ یہاں آن مرا؟ ذرا دیکھوں، تُو کیسا بہادر ہے۔ جس طرح جی چاہے حملہ کر۔"

"حملے میں پہل کرنا ہمارا قاعدہ نہیں۔" نقاب دار نے کہا۔ "ہم خُدا پرست ہیں۔ تجھ کو بھی لازم ہے کہ

زرّیں تن پر لعنت کر۔"

یہ سُننا تھا کہ مالا گرد نے غضب میں آ کر تلوار ماری، نقاب دار نے خالی دی اور اپنا وار کیا۔ مالا گرد نے ڈھال میں مُنہ چھُپایا لیکن نقاب دار کی تلوار نے ڈھال کو کاٹا اور مالا گرد کے سر میں لگی۔ دو اُنگل گہرا زخم آیا مالا گرد کے حلق سے ایک ہولناک چیخ نکلی اور وُہ لڑکھڑا کر گھوڑے سے گرا۔ اُسی وقت چند سپاہی دوڑے اور اپنے سپہ سالار کو اُٹھا کر لے گئے۔ پھر ہزاروں نے یک دم ہلّا کر کے نقاب دار کو گھیر لیا۔ وُہ ذرا نہ گھبرایا اور اِطمینان سے دونوں ہاتھوں میں تلواریں لیے ببر کی طرح لڑتا رہا۔

اِدھر لہراسپ نے یہ کارروائی دیکھی تو ضمیران شاہ سے کہا۔" اب تُو کھڑا کیا سوچتا ہے؟ جلد نقاب دار کی مدد کو پہنچ۔"

ضمیران شاہ اپنی فوج لے کر قلعے سے باہر نکلا اور مالا گرد کی فوج پر جا گرا۔ اُس نے اِس شدّت سے حملہ کیا کہ دُشمن کے قدم اُکھڑ گئے۔ یُوں بھی مالا گرد کے زخمی ہونے سے اُس کی فوج میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ اب جو ضمیران شاہ کے آدمیوں نے پُوری قوّت

سے حملہ کیا تو مالا گرد کے سپاہی قلعے سے دُور بھاگ گے، اور ایک دم جنگ کا پانسا پلٹ گیا۔

نقاب دار نے اِس دوران میں دُشمن کے چھکّے چھُڑا دِیے تھے۔ وُہ جدھر کا رُخ کرتا تھا، پرے کے پرے صفا کرتا چلا جاتا اور مالا گرد کے سپاہی اُس سے ڈر کر بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگتے۔

جب جنگ ختم ہو گئی اور میدان میں بے شمار لاشوں اور زخمی سپاہیوں کے سِوا کچھُ باقی نہ رہا، تب لہراسپ آیا اور نقاب دار کو جُھک کر سلام کرنے کے بعد بولا:

"آپ کا ہم لوگوں پر بڑا اِحسان ہے کہ عین وقت پر مدد کے لیے تشریف لائے۔ مگر یہ تو فرمائیے۔ آپ ہیں کون؟ اپنے غلاموں کو ذرا نقاب اُٹھا کر شکل مُبارک تو دِکھائیے۔"

یہ سُن کر نقاب دار ہنسا اور کہنے لگا: "اے لہراسپ میں نے ایسی کون سی بات کی ہے جِس کا ذِکر یُوں کرتے ہو؟ تُمھاری مدد کو پہنچنا تو میرا فرض تھا۔ کیوں کہ تُم بھی خُدا پرست ہو اور میں بھی خُدا پرست ہُوں، ہم آپس میں بھائی بھائی ہیں اور کوئی بھائی دُوسرے بھائی کو مُصیبت میں دیکھ کر آرام سے نہیں بیٹھ سکتا۔"

لہراسپ نے نقاب دار کے قدم چُومے اور عاجزی سے کہا۔ "بے شک آپ صحیح فرماتے ہیں مگر خُدا کے لیے اپنا نام تو بتاتے جائیے۔"

یہ سُن کر نقاب دار نے کہا۔ "میرا نام عامر بن امیر حمزہ ہے۔ خُدا کے حُکم سے اِس وقت تُمھاری مدد کو پہنچا۔ اِس بات کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ خُدا حافظ۔"

یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ نقاب دار کے ساتھی بھی اُس کے پیچھے پیچھے چلے اور پلک جھپکتے میں نظروں سے غائب ہو گئے۔

مالا گرد کے آدمی قلعے سے پانچ کوس کے فاصلے پر جا کر رُکے۔ یہاں اُنھوں نے مالا گرد کے زخم میں ٹانکے لگائے اور طے پایا کہ مالا گرد اچھّا ہوتے تو پھر جیسا مناسب ہو گا، ویسا کیا جائے گا۔

اب عَلَم شاہ کی سُنیے کہ مالا گرد کے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد اُس پر کیا گُزری۔

جب اس کی پیشانی پر گہرا زخم آیا اور خُون خاصی بڑی تعداد میں نکل گیا تو عَلَم شاہ پر غشی طاری ہُوئی۔ عین اُسی لمحے دُشمنوں نے عَلَم شاہ کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی اور مُمکن تھا کہ وُہ وہیں مارا جاتا کہ وفادار

گھوڑے نے خطرے کی بُو پائی اور اپنے آقا کو لے کر ایک طرف بھاگا۔ کوسوں دُور ایک خُوش نُما باغ میں جا کر رُکا اور گھاس چرنے لگا۔ پھر ایک تالاب پر گیا اور جی بھر کر پانی پیا۔ اس کے بعد عَلَم شاہ کو جھٹکا مار کر اپنی پیٹھ سے نیچے گھاس پر گرا دیا۔ وُہ اُس وقت تک ہوش میں نہ آیا تھا۔

اِتفاقاً اُس طرف سے ایک زمیندار کا گزر ہُوا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک خُوب صُورت جوان خُون میں تر بتر بے ہوش پڑا ہے۔ اس کا گھوڑا بھی قریب ہی گھاس چر رہا ہے۔ اُس نے گھوڑے کو پکڑا اور عَلَم شاہ کو اُس کی پیٹھ پر لاد کر اپنے گھر لے گیا۔ پھر جرّاح کو بُلوا کر عَلَم شاہ کا زخم دُھلوایا اور اس میں ٹانکے لگوا کر پٹی باندھ دی۔

جب عَلَم شاہ کو ہوش آیا تو زمیندار نے پُوچھا۔ "اے جوان، سچ بتا تُو کون ہے اور تُجھے کِس نے زخمی کیا؟"

"بھائی، میں ایک سوداگر ہُوں۔ قزّاق میرا مال و اسباب لُوٹ کر لے گئے اور مُجھ کو بھی زخمی کیا۔"

زمیندار نے بڑی ہمدردی ظاہر کی اور کہا "گھبراؤ نہیں، سب کُچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

چند روز کے اندر اندر عَلَم شاہ کا زخم اچھّا ہو گیا۔ کبھی کبھی وُہ سیر کو بھی جانے لگا۔ ایک روز پھرتا پھراتا صحرا میں پہنچا۔ وہاں ایک بہت بڑا باغ دِکھائی دیا۔ جس میں انار کے اَن گنت درخت لگے ہُوئے تھے اور ہر درخت سُرخ سُرخ اناروں سے لدا ہُوا تھا۔ عَلَم شاہ باغ کی سیر کرنے لگا مگر انار توڑ کر نہ کھایا۔

یکایک پیچھے سے لوہے کی زنجیر کے کھڑکنے کی آواز آئی۔ عَلَم شاہ نے مُڑ کر دیکھا۔ ایک دیوانہ زنجیریں گلے میں ڈالے اور ہاتھ میں بھاری لکڑی لیے دوڑا آتا تھا وہ عَلَم شاہ کے نزدیک آن کر رُکا اور چلّا کر بولا:

"اے بے وقُوف، تُو کون ہے اور تجھے اِس باغ میں گھُسنے کی جُرأت کیوں کر ہُوئی؟ اب میں تجھے ضرور مار ڈالوں گا۔ میں ہر روز ایک نہ ایک آدمی کو ہلاک کرتا ہُوں۔ آج تیری باری ہے۔"

عَلَم شاہ نے مُسکرا کر کہا۔ "ارے بھائی، میری خطا تو بتاؤ۔ یا یُونہی بے خطا مار ڈالو گے؟"

دِیوانہ کہنے لگا "اگر میں بر وقت نہ آتا تو تُم ضرور انار توڑ کر کھا جاتے اور مُمکن ہے بہُت سے انار اپنے ساتھ بھی لے جاتے۔ معلُوم ہوتا ہے تُم کوئی چور ہو۔"

"کیا کہتا ہے؟" عَلَم شاہ نے غُصّے سے کہا: "ہم تجھے چور اُچکّے نظر آتے ہیں؟"

یہ سُن کر دیوانے نے وُہ لکڑی عَلَم شاہ کے ماری۔ عَلَم شاہ نے بائیں ہاتھ سے لکڑی پکڑ کر چھین لی۔ دیوانہ اب عَلَم شاہ سے لپٹ گیا اور کُشتی ہونے لگی۔ عَلَم شاہ جب بھی اُسے گھُونسا مارتا، وُہ بھیڑیے کی طرح دانت نکال کر عَلَم شاہ کی کلائی یا گردن میں کاٹنے کی کوشش کرتا۔ یہ دیکھ کر عَلَم شاہ نے اُس کے جبڑے پر ایسا گھونسا مارا کہ پُوری بتیسی باہر آ گئی اور وُہ چیخیں مارتا ہُوا بھاگا۔ مگر عَلَم شاہ نے اُسے دوبارہ پکڑ لیا اور زمین پر گرا کر اپنا گھٹنا اُس کے سینے پر رکھا اور زور لگایا تو دیوانے کی آنکھیں اور زبان باہر آ گئی۔ اُس نے گڑگڑا کر کہا:

"مجھے معاف کر دے۔ آیندہ ایسی حرکت نہ کروں گا۔"

عَلَم شاہ نے اُسے چھوڑ دیا۔

دیوانہ کہنے لگا: "تجھ سا تنہ زور آدمی آج ہی دیکھا ہے۔ میرا نام مسرُوق ہے اور میں اس مُلک کے بادشاہ مرزُوق فرنگی کا حقیقی بھائی ہُوں۔ میرے پاس تیس ہزار دیوانوں کا لشکر ہے۔ ایک مرتبہ میں نے خواب میں کسی

بزرگ کو دیکھا تھا۔ اُنھوں نے کہا تھا کہ اے مسرُوق، تجھے رُوم سے آنے والا ایک جوان زیر کرے گا اور اُس کا نام عَلَم شاہ بن امیر حمزہ ہو گا۔"

"میرا ہی نام عَلَم شاہ بن حمزہ ہے۔"

یہ سُنتے ہی مسرُوق دِیوانہ جھٹ اس کے قدموں پر گرا اور کہنے لگا۔ "آج سے میں آپ کا غُلام ہُوں۔ آئیے میرے گھر چلیے۔"

عَلَم شاہ نے اُسے کلمہ پڑھا کر پہلے دینِ ابراہیمی میں داخل کیا پھر اُس کے گھر گئے۔ مسرُوق کے دِیوانوں نے دیکھا کہ ایک نیا آدمی آتا ہے تو سب کے سب غُل مچاتے ہُوئے آئے اور عَلَم شاہ کو گھیر کر مارنے کا اِرادہ کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر مسرُوق نے سب کو ڈانٹا اور کہا:

"یہ کیا کرتے ہو؟ اِس جوان سے کوئی جیت نہ سکے گا۔"

عَلَم شاہ نے سب دیوانوں کو دینِ ابراہیمی میں داخل کیا اور کئی روز تک مسرُوق کا مہمان رہا۔ پھر اِجازت طلب کی کہ اب قلعۂ ریحانیہ کو جاتا ہُوں۔ نہ جانے میرے دوست کِس حال میں ہوں گے۔

مسرُوق نے کہا۔ "اب میں آپ سے الگ نہ ہوں گا

میرا جینا مرنا آپ کے ساتھ ہے۔"

چناں چہ عَلَم شاہ رُومی اور اُس کے تیس ہزار دیوانے قلعۂ ریحانیہ کی جانب روانہ ہُوئے۔

اُدھر قلعۂ قیلاب میں ایک دِن سُلطان سعد کو خبر ملی کہ شہزادہ عَلَم شاہ مالا گرد کے ہاتھوں زخمی ہو کر غائب ہو گیا ہے۔ لہراسپ اور زلزال بھی زخمی ہُوئے ہیں اور اب ضمیران شاہ قلعہ بند ہو کر مالا گرد سے لڑ رہا ہے یہ خبر سُن کر سعد بے چین ہُوا اور اشقش سے کہنے لگا:

"تُم یہیں رہو۔ میں قلعۂ ریحانیہ پر جا کر مالا گرد کی خبر لیتا ہُوں۔"

اشقش نے ہر چند سمجھایا کہ آپ کا جانا مناسب نہیں مگر سعد نہ مانا اور پانچ ہزار سوار لے کر تیزی سے روانہ ہُوا۔ اِدھر مالا گرد بلنگینہ نقاب دار کے ہاتھوں مار کھا کر قلعۂ ریحانیہ سے پانچ کوس دُور ایک پہاڑ کے دامن میں بیٹھا اپنے زخم چاٹ رہا تھا کہ ناگہاں ایک رات سعد نے اُس پر شب خُون مارا اور آناً فاناً کُشتوں کے پُشتے لگا دیے۔ مالا گرد بھی اِس اِثنا میں کچھ ٹھیک ہو گیا تھا

اس کو خبر ہوئی کہ شب خون مارنے والا سُلطان سعد ہے تو وُہ جلدی سے ہتھیار باندھ کر گھوڑے پر بیٹھا اور سعد سے مُقابلہ کرنے آیا۔

اُس وقت کوئی دو گھڑی رات باقی تھی۔ سعد نے کہا، اگر صُبح ہو گئی تو بڑا غضب ہو گا۔ اس وقت تاریکی میں مالا گرد کے سپاہی آپس ہی میں ایک دُوسرے کو دُشمن سمجھ کر لڑ رہے ہیں مگر صُبح کے اُجالے میں دوست دُشمن کی تمیز ہو جائے گی۔ اِس لیے اب یہاں سے نِکل جانا چاہیے۔ لیکن نکلتے نکلتے بھی صُبح ہو ہی گئی۔ مالا گرد کے سپاہیوں نے دیکھا کہ سعد ایک طرف گھوڑا دبائے چلا جاتا ہے۔ وُہ چاروں طرف سے اُسے گرفتار کرنے کے لیے دوڑے۔ سعد نے بہت سوں کو مارا، زخمی کیا۔ مگر اکیلا آدمی ہزاروں کا مُقابلہ کہاں تک کرتا۔ اُس کے اپنے سپاہی تِتّر بِتّر ہو چُکے تھے۔

مالا گرد کے آدمیوں نے کمند پھینک پھینک کر سعد کو جکڑ لیا۔ اُسے پکڑ کر مالا گرد کے پاس لے گئے۔ اور بولے:

"اب اِس قیدی کو سیدھے مرزوق کے پاس لے چلیے ضمیران شاہ تو قلعہ بند ہے اور عَلم شاہ کا اِس وقت تک

کہیں پتا نہیں۔ ابھی آپ کے زخم بھی اچھی طرح ٹھیک نہیں ہوئے ہیں۔ جب کامل صحت ہو، تب آن کر قلعہ ریحانیہ پر قبضہ کر لینا۔"

مالاگرد نے یہ تجویز بے حد پسند کی اور حکم دیا کہ لوہاروں کو بلاؤ۔ لوہار آئے اور سعد کے ہاتھوں، پیروں اور گردن میں زنجیریں پہنائیں۔ پھر وہاں سے کوچ کیا۔

مالاگرد کے سرداروں نے کہا۔" جلد یہاں سے چلیے، ایسا نہ ہو کہ وہ نقاب دار پھر آ جائے۔"

نقاب دار کا سن کر مالاگرد کی روح فنا ہوتی تھی۔ کہنے لگا۔" سچ کہتے ہو۔ نہ معلوم وہ کون تھا کہ ہماری فتح کو شکست میں بدل کر چلا گیا۔ ممکن ہے وہ سعد کو رہا کرانے بھی آئے۔ اب میں خود قیدی کی نگرانی کروں گا۔"

مالاگرد رات رات بھر جاگتا اور سعد کی نگرانی کرتا رہا آخر کئی منزلیں طے کرنے کے بعد یہ لوگ شہر افروقیہ میں پہنچے۔ مالک افروقیہ کو خبر ہوئی کہ مالاگرد فرنگی سلطان سعد کو گرفتار کر کے آتا ہے تو وہ جلدی سے تیار ہوا، شہر سے باہر آیا اور مالاگرد کا استقبال کیا۔ اپنے محل میں لے جا کر زور دار دعوت کی۔ جب کھا پی کر فارغ ہوئے

تب مالا گرد نے الف سے لے کر یے تک تمام داستان مالک افروقیہ کو سنائی۔ پلنگینہ نقاب دار کا خاص طور پر ذکر کیا کہ ہر لمحہ اس کے آ جانے کا ڈر ہے۔ مالک افروقیہ ہنس کر کہنے لگا:

"میری اصلاح یہ ہے کہ سعد کو میرے پاس چھوڑ جائیے میں اس کی اچھی طرح حفاظت کروں گا اور آپ جا کر مرزوق کو اطلاع دیجیے یا وہ زیادہ فوج بھیج کر قیدی کو بلوا لے گا یا یہیں سے اس کا سر کاٹ کر منگوائے گا۔ قیدی کو اتنی دور مرزوق کے پاس ان حالات میں لے جانا خطرناک ہے۔ آپ کے پاس سپاہی بھی کم ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ پراسرار نقاب دار راستے میں دھاوا بول دے۔"

مالا گرد کو یہ تدبیر پسند آئی۔ اُس نے چند روز وہاں قیام کیا اور پھر سلطان سعد کو مالک افروقیہ کے سپرد کر کے مرزوق فرنگی کے دربار میں حاضر ہو گیا۔ اسے سارا حال کہہ سنایا۔ مرزوق نے مالا گرد کی پیٹھ ٹھونکی اور خوب شاباش دی اور کہا:

"اے پہلوان، تُو نے خوب کام کیا۔ میں تجھ سے بے حد خوش ہوں اور آئندہ سے آلا گرد کی جگہ فوجوں کی سپہ سالاری تیرے سپرد کرتا ہوں۔ اب تُو یہیں میرے پاس آرام کر

سعد کا سر لانے کے لیے میں کسی اور کو روانہ کیے دیتا ہوں ۔"

ملا گرد نے جھک کر مرزوق کو سلام کیا، اُس کے پاؤں چومے اور اپنی کرسی پر جا بیٹھا ۔ مرزوق فرنگی نے غوری پہلوان کی طرف دیکھ کر کہا :

"اے غوری، تجھے ہم نے بہت دن سے کوئی کام نہیں بتایا ۔ تُو بیکار پڑا روٹیاں توڑ رہا ہے ۔ اپنی فوج لے کر افریقیہ جا اور سُلطان سعد کا سر کاٹ کر ہمارے حضور میں پیش کر ۔"

غوری نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا ۔" جہاں پناہ کا حُکم سر آنکھوں پر ۔ اِس غُلام کی جان آپ پر نثار ہے ۔ ابھی جاتا ہوں ۔"

آپ کو یاد ہو گا کہ آلا گرد سپہ سالار کو مرزوق فرنگی نے قلعۂ قُلاب پر حملہ کرنے بھیجا تھا ۔ اب کچھ حال اس کا بھی سُنیے ۔ یہ واقعہ سُلطان سعد کی قلعۂ قُلاب سے ریحانیہ کو روانگی کے بعد کا ہے ۔ جب آلا گرد کے آنے کی خبر تنقش کے کانوں تک پہنچی تو اُس نے شہزادی گوہر بند سے کہا :

"بڑا غضب ہُوا۔ آپ کے والد آلا گرد سپہ سالار کو مرزوق فرنگی نے بھیجا ہے تاکہ آپ کو گرفتار کر کے لے جائے۔"

شہزادی گوہر بند یہ سُنتے ہی گھبرا گئی اور کہا "اے اشقش، یہ تُو نے بُری خبر سُنائی۔ ابّا جان کا سامنا کرنے کی مجھ میں ہمّت نہیں ہے۔ اُن کا غُصّہ مشہور ہے۔ وُہ تو مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ میں قلعۂ آہن حِصار میں سمینہ بانو کے پاس چلی جاؤں۔ ہم دونوں پر جو گُزرے گی ایک ساتھ ہی گُزرے گی۔"

اشقش نے ہر چند سمجھایا کہ یہ خیال بھی دِل میں نہ لائیے۔ اگر راستے میں آلا گرد کے آدمیوں نے آپ کو گھیر لیا تو بڑا غضب ہو گا۔ یہ قلعہ بڑا مضبُوط ہے اور اِس کی فصیل توڑنا خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔ قلعے کے اندر خوراک کی بھی کمی نہیں ہے۔ آلا گرد چاہے مہینوں مُحاصرہ کیے رہے، وُہ ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔

لیکن شہزادی گوہر بند نے اشقش کی کِسی نصیحت پر کان نہ دھرا اور قلعۂ آہن حِصار میں سمینہ بانو کے پاس جانے کی ضد کرتی رہی۔ آخر اشقش مجبُور ہُوا اور ساٹھ ہزار ہتھیار بند سوار ہمراہ لے کر قلعے کے چور دروازے سے نِکلا۔

دیکھا - شمال کی طرف سے گرد کا پردہ چاک ہُوا تو دیکھا کہ تیس ہزار دیوانے لوہے کی زنجیریں کھڑکھڑاتے چلے آتے ہیں - اِن کے بیچ میں عَلَم شاہ اور مسروق دیوانہ تھے -

سُلطان سعد عَلَم شاہ کو دیکھ کر بہُت خُوش ہُوا - عَلَم شاہ نے سعد کو گلے لگایا، پھر میدان میں نگاہ دوڑائی - دیکھا کہ آلا گرد اور مالا گرد لڑائی کے لیے تنے کھڑے ہیں عَلَم شاہ مالا گرد کے قریب آیا اور سلام کر کے کہا :

" چُوں کہ تُم میرے خُسر ہو اِس لیے سلام کرتا ہُوں - تمھیں بھی چاہیے کہ خُدائے زریں تن پر لعنت بھیجو اور ہمارے دین میں آ جاؤ "

مالا گرد نے ناراض ہو کر تلوار ماری - عَلَم شاہ نے اپنے آپ کو بچایا لیکن گھوڑے کا سر کٹ گیا - عَلَم شاہ نے مالا گرد سے کہا :

" بڑی شرم کی بات ہے کہ میں پیدل لڑوں اور تُم گھوڑے پر سوار ہو کر لڑو "

یہ سُنتے ہی مالا گرد بھی اپنے گھوڑے سے زمین پر کُودا - عَلَم شاہ فوراً اُچھل کر اُس کے گھوڑے پر بیٹھ گیا اور سلام کر کے بولا " جب بُزرگ اپنے چھوٹوں کو

اُدھر غوری پہلوان افرِیقیہ پہنچا تو مالک افرِیقیہ نے استقبال کیا ۔ حال پُوچھا کہ کیسے تشریف لائے ؟ تب غوری نے مرزوق کا ایک خط نکال کر مالک افرِیقیہ کو دکھلایا جس میں لکھا تھا کہ غوری پہلوان ہماری اِجازت سے تُمھارے پاس آیا ہے ۔ ہم نے اُسے حُکم دیا ہے کہ سعد کا سر کاٹ کر لائے ۔ اب تُم اِسے سعد کا سر کاٹ لینے دو ۔

مالک افرِیقیہ یہ خط پڑھ کر خاموش ہو رہا ۔ دِل میں سعد کی جوانی پر افسوس کیا کہ ایسا خُوب صُورت اور دلاور جوان یُوں مارا جاتا ہے ۔ پھر غوری سے کہنے لگا :

"آپ دُور سے سفر کر کے آئے ہیں ۔ تھکے ہُوئے ہیں ۔ قیدی کہیں بھاگا نہیں جاتا ۔ جب جی چاہے ، سر کاٹ لیجیے ۔ آپ کے لیے ایک خُوش نُما باغ خالی کرا دیا ہے ۔ اُس میں چند روز آرام فرمائیے ۔"

غوری پہلوان اپنے پچّاس ہزار سواروں کے ساتھ اس باغ میں اُترا اور عیش کرنے لگا ۔ اُدھر مالک افرِیقیہ نے سعد سے جا کر کہا :

" مرزُوق فرنگی نے تیرا سر کاٹنے کے لیے غوری پہلوان کو بھیجا ہے اُسے میں نے باغ میں ٹھہرایا ہے ۔ اب تُو مرنے کے لیے تیار ہو جا ۔"

سعد نے اطمینان سے کہا۔" اے مالک، میرا اس میں کیا دخل ہے۔ جو مرضی پروردگار کی ہو گی، وہی ہو گا۔"

ساتویں روز غوری نے مالک افروقیہ سے کہا۔" میں بہت آرام کر چکا۔ اب اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کرنے کا ارادہ ہے۔ کسی اچھے سے جلاّد کو حکم دے کہ قیدی کا سر اُتارے۔ میں خود بھی آتا ہُوں۔"

سپاہی سعد کو قید خانے سے نکال کر ایک کھلے میدان میں لے گئے۔ لاکھوں آدمی یہ تماشا دیکھنے کے لیے میدان میں پہنچ گئے تھے۔ ایک حبشی جلاّد کئی من وزنی کلہاڑا کندھے پر رکھے ہُوئے آیا۔ اُس نے سعد کی آنکھوں پر پٹّی باندھنی چاہی مگر سعد نے انکار کر دیا۔ غوری پہلوان بھی اپنے سواروں سمیت بڑی دُھوم دھام سے وہاں آیا اور سعد کے قریب جا کر کہنے لگا:

"اے قیدی، اپنی جوانی پر ترس کھا۔ ابھی تُو نے دُنیا میں دیکھا ہی کیا ہے جو مرنے پر آمادہ ہو گیا اگر اب بھی خُدائے زرّیں تن کے سامنے گردن جُھکا دے تو میں مرزُوق سے سفارش کر کے تیرا قصُور معاف کرا دُوں گا۔"

سعد نے چِلّا کر کہا۔" میں تجھ پر، مرزُوق پر اور

تیرے خُدائے زرّیں تن تینوں پر لعنت بھیجتا ہُوں "۔

اِتنے آدمیوں کے سامنے غوری اپنی اس توہین پر غُصّے سے آگ بگولا ہو گیا۔ تلوار نکال کر سعد پر لپکا اور کہنے لگا۔" حبشی جلاّد کے بجائے میں تجھے قتل کروں گا "۔

یہ کہہ کر پُوری قوّت سے تلوار ماری۔ سعد نے ہتھکڑی سامنے کر دی اور خُدا کو یاد کیا۔ اِتفاق ایسا ہُوا کہ غوری کی تلوار سے زنجیر کٹ گئی۔ اب سعد نے نعرہ لگا کر زور کیا تو باقی زنجیریں بھی تڑ تڑ ٹُوٹ گئیں۔ یہ دیکھ کر غوری کا دم نکل گیا۔ بھاگنے کا اِرادہ کیا۔ مگر سعد نے پکڑ لیا اور ایک پٹخنی ایسی دی کہ غوری کی ہڈّیاں پسلیاں کڑ کڑا گئیں اور وُہ وہیں مر گیا۔ سعد نے جلدی سے اُس کی تلوار پر قبضہ کیا اور چیخ کر کہا:

"اگر کِسی نے آگے بڑھنے کی جُراُت کی تو کاٹ کر ڈال دُوں گا۔"

سعد کی آواز سُن کر کئی لاکھ کے مجمع کو سانپ سُونگھ گیا۔ لوگ خوف زدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ البتّہ غوری کے سپاہیوں نے حملہ کیا۔ تلوار چلنے لگی۔ سعد اکیلا تھا اور جو شخص اُس کی تلوار کی زد میں آتا، جان سلامت لے کر نہیں جاتا۔ لڑتے لڑتے کئی گھڑیاں بیت گئیں۔ اب

سعد بھی آہستہ آہستہ زخمی ہو رہا تھا اور اُس کے بازوؤں میں تھکن کے آثار اُبھر رہے تھے۔ دِل میں برابر دعا کر رہا تھا کہ یا الٰہی، اِن کافروں سے مجھ کو بچا۔

یکایک پہاڑ کی جانب سے ایک لشکرِ جرّار آیا۔ سب کے چہرے نقابوں میں چھُپے ہُوئے تھے۔ لشکر کے آگے آگے ایک شخص سفید براق گھوڑے پر سوار آندھی کی رفتار سے اُڑا آ رہا تھا۔ یہ پلنگینہ نقاب دار اور اُس کے سپاہی تھے۔ اُنھوں نے آتے ہی اللہ اکبر کا ایسا نعرہ مارا کہ زمین تھرّا گئی اور آسمان کانپ اُٹھا۔ پھر پلنگینہ نقاب دار نے مالک افروقیہ اور غوری پہلوان کے آدمیوں کو تلوار کی باڑھ پہ دھر لیا اور ایسا قتلِ عام کیا کہ خُدا کی پناہ۔

سعد نے جُونہی یہ غیبی اِمداد دیکھی اور نعرہ اللہ اکبر کا سُنا، اُس کا خُون بھی سیروں کے حساب سے بڑھ گیا۔ اِتنے میں نقاب دار دُشمنوں کی صفوں کو چیرتا پھاڑتا سعد کے نزدیک آیا اور کہنے لگا:

"اے سعد، گھبرانا نہیں۔ میں اللہ کے حُکم سے تیری مدد کو آن پُہنچا۔ اِتنا جان لے کہ تیرے باپ کا دوست ہُوں۔ یہ کافر تیرا کُچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

سعد نے غور سے نقاب دار کو دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔
"آپ میرے بزرگ ہیں۔ آپ نے تشریف لا کر مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ لیکن یہ کیا بات کہی کہ گھبرانا نہیں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مجھ کو کہیں پہ بھی خوف زدہ پایا؟
نقاب دار نے ہنس کر کہا۔" سعد بیٹا، اتنی سی بات کا برا مان گئے۔ وہ تو میں نے یونہی ایک بات کہی تھی۔ تم جیسا بہادر، شہ زور اور جری نوجوان روئے زمین پر نہ ہوگا۔"
اِدھر مالک افرِیقیہ نے پلنگینہ نقاب دار کو دیکھا کہ بڑا زبردست پہلوان ہے۔ اُس نے آتے ہی لاشوں پر لاشیں گرا دی ہیں۔ اِس سے لڑنا چاہیے۔ اُسی وقت اپنے گھوڑے کو چمکا کر نقاب دار کے سامنے آیا اور پکار کر کہا:
"او نقاب دار، ہوشیار کہ تیری موت آن پہنچی۔"
یہ کہہ کر تلوار ماری۔ نقاب دار نے ڈھال پہ وار روکا۔ پھر آگے بڑھ کر مالک افرِیقیہ کی کلائی پر ہاتھ ڈال کر تلوار چھین لی اور کمر پکڑ کر گھوڑے کی پُشت سے اُٹھا کر زمین پر دے مارا۔ مالک کے مُنہ سے خُون اُبلنے لگا۔ اِتنے میں نقاب دار نے اپنی تلوار کی نوک اس کے سینے پر

رکھ دی اور کہا :

" بول ، اب کیا کہتا ہے ؟"

مالک نے امان طلب کی ۔ نقاب دار نے جان بخش دی تب لڑائی موقوف ہُوئی ۔ مالک نے اُٹھ کر نقاب دار کے قدم چُومے اور ہاتھ باندھ کر بولا :

" اب آپ میرے شہر میں تشریف لے چلیے اور مُجھے میزبانی کا شرف عطا فرمائیے ۔"

غرض مالک افرِقیہ سُلطان سعد اور نقاب دار کو لے کر شہر میں آیا اور سب دینِ ابراہیمی میں داخل ہُوئے ۔ خُداوندِ زرّیں تن کے بُت پاش پاش کیے اور تمام مندر توڑ ڈالے ۔

ایک دِن سعد نے ہاتھ باندھ کر نقاب دار سے کہا کہ اب اپنا چہرۂ مُبارک دکھائیے ۔ اِس بات پر نقاب دار کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے ۔ اُس نے سعد کو گلے سے لگا کر کہا :

" بیٹا ، ابھی مصلحت نہیں ہے ۔ صبر سے کام لو ۔ چند روز میں تُم پر سب کچُھ ظاہر ہو جائے گا ۔ اب میں رُخصت ہوتا ہُوں ۔"

سعد بھی رو پڑا ، پھر کہنے لگا ۔" مُجھے آپ کی پل بھر

جُدائی بھی شاق ہے۔ کیا آپ پھر کبھی ملیں گے ؟"

"میں کبھی کبھی تمہیں دیکھنے آیا کروں گا" نقاب دار نے محبت سے کہا۔ پھر مالک افرِوقیہ کی طرف رُخ کر کے کہنے لگا۔ "خبردار، کان کھول کر سُن اگر تُو نے سعد کو تکلیف پہنچائی اور مجھ تک خبر پہنچی تو یہ سمجھ لینا کہ تیری نسل میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا"

نقاب دار کی یہ بات سُن کر مالک افرِوقیہ خوف سے لرز گیا۔ کیوں کہ وُہ سچّے دِل سے دینِ ابراہیمی پر ایمان نہ لایا تھا اور صِرف جان کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا۔ وُہ یہ سوچ رہا تھا کہ نقاب دار یہاں سے جائے تو سعد کو بے ہوش کر کے مرزُوق فرنگی کے پاس بھیجے۔ اب جو اُس نے نقاب دار کا یہ جُملہ سُنا تو دوڑ کر قدموں پر گِرا اور رو رو کر کہنے لگا:

"حضُور، میری کیا مجال جو سعد کو تکلیف پہنچاؤں۔ میں آپ کا بھی غُلام ہُوں اور سعد کا بھی۔ سچ یہ ہے کہ پہلے میرے دِل میں بے ایمانی تھی۔ مگر اب سچّے دِل سے کلمہ پڑھتا ہُوں۔"

اِس مرتبہ مالک افرِوقیہ نے سچ کہا تھا۔ جب نقاب دار سعد سے رُخصت ہو کر اپنے ساتھیوں سمیت چلا گیا تو

مالک افرِقیہ نے سعد سے کہا ۔" آپ تخت پر بیٹھیے ۔ کیوں کہ وُہ آپ ہی کو زیب دیتا ہے ۔ میں آپ کے سامنے تخت پر ہرگز نہ بیٹھوں گا ۔"

سعد نے مُسکرا کر کہا ۔" اے مالک، تیرا تخت تجھی کو مُبارک رہے ۔ مجھ کو بادشاہی کی ہوس نہیں ہے ۔ چند روز یہاں رہ کر چلا جاؤں گا ۔"

ایک دِن مالک افرِقیہ نے سعد سے کہا کہ مُخبر نے خبر دی ہے کہ مرزُوق فرنگی کے سپہ سالار آلا گرد پہلوان نے قلعۂ قُلاب کا مُحاصرہ کیا ہے اور شہزادی گوہر بند خوف کے مارے قلعۂ قُلاب سے نِکل کر قلعۂ آہن حِصار کو جاتی تھی کہ راستے میں آلا گرد نے اُسے گھیر لیا ۔

اِتنا سُننا تھا کہ سعد بے چین ہو گیا ۔ مالک سے کہا کہ ابھی ایک گھوڑا مُجھے دو ۔ میں شہزادی گوہر بند کو آلا گرد سے بچانے جاتا ہُوں ۔

مالک افرِقیہ گھبرا کر کہنے لگا ۔" اے شہزادے، میں نے سُنا ہے کہ چار لاکھ فوج آلا گرد کے ساتھ ہے اور آپ اکیلے ہیں ۔ اِتنے بڑے لشکر سے کیوں کر لڑیں گے آلا گرد بڑا قوی پہلوان ہے اور اُس کی تلوار سے کہیں پناہ نہیں ہے ۔"

سعد نے جھنجھلا کر کہا "اے مالک، مجھے اِس سے بحث نہیں ہے کہ آلا گرد کتنا قوی ہے اور اُس کے پاس کتنی فوج ہے۔ میرا بھروسا اپنے خُدا پر ہے۔ وہی کوئی صُورت آلا گرد پر قابُو پانے کی نکالے گا۔ میں ہر صُورت میں شہزادی گوہر بند کو بچانے جاؤں گا۔"

جب مالک افرقیہ نے دیکھا کہ سعد کسی طرح بھی جائے بغیر نہ مانے گا تو اُس نے کہا:

"بہت اچھّا، میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہُوں۔ جہاں آپ کا پسینہ گرے گا، وہاں اپنا خُون بہاؤں گا۔"

یہ کہہ کر اپنی فوج کو تیّاری کا حُکم بھیجا اور پھر دونوں دو لاکھ سواروں کے ساتھ قلعۂ قُلاب کی جانب روانہ ہُوئے۔

اب کچھ حال شہزادی گوہر بند اور اشقش کوتوال کا سُنیئے۔

جب اشقش، شہزادی کو ساتھ لے کر قلعے سے نکلا تو دو روز تک خوف کے مارے راستے میں کہیں قیام نہ کیا۔ تیسرے دن ایک پہاڑ کے دامن میں رُکا۔ لشکر نے کمر کھولی، کچھ کھانا پکایا، آرام کیا۔ اشقش نے شہزادی گوہر بند کو ایک خیمے میں اُتارا۔ اُدھر جاسُوسوں نے یہ

خبر آلا گرد کو پہنچائی کہ اشقش شہزادی گوہر بند کو لے کر قلعۂ قلاب سے نکل گیا ہے۔ یہ سنتے ہی آلا گرد نے پیچھا کیا اور تیزی سے سفر کرتا ہوا اشقش کے نزدیک پہنچ گیا۔ آلا گرد نے دو کوس کے فاصلے پر پڑاؤ ڈال دیا۔ اشقش کے آدمیوں نے آلا گرد کے آنے کی خبر سنائی شہزادی تو خبر سنتے ہی خوف سے رونے لگی اور اشقش سے کہنے لگی کہ بھیّا، کسی طرح راتوں رات یہاں سے بھاگ چلو۔

اشقش نے کہا: "شہزادی، خدا کو یاد کرو۔ اتنا گھبراتی کیوں ہو؟ پہلے تو تم نے میری بات نہ مانی اور قلعے سے نکل پڑیں۔ اب اگر بھاگیں گے تو کیا آلا گرد ہمیں چھوڑ دے گا؟ ہم بھی جم کر لڑیں گے۔"

یہ سن کر شہزادی نے کہا: "اچھّا، مجھ کو تھوڑا سا زہر منگا دو کیوں کہ آلا گرد پر تمھارا فتح یاب ہونا تو خدا کے اختیار میں ہے لیکن جب وہ مجھے پکڑنے کو آئے گا اور میں دیکھوں گی کہ خیمے میں گھس آیا ہے، تو میں زہر کھا کر اپنا خاتمہ کر لوں گی۔ اب مرزوق فرنگی کی صورت دیکھنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

اشقش نے بہت تسلّی دی اور ہر طرح سمجھایا بجھایا

کہ خُدا نے چاہا تو ایسی نوبت ہی نہ آنے پائے گی، لیکن شہزادی کو یقین نہ آیا کہ اشقش آلا گرد جیسے زبردست پہلوان کو شکست دے سکے گا۔

اُدھر اشقش شہزادی کے خیمے سے باہر نکلا اور اپنی فوج کے بڑے بڑے سرداروں کو طلب کر کے کہنے لگا کہ بھائیو، اب عزّت تمہارے ہاتھ ہے۔ آلا گرد سے مُقابلہ کرنے میں ذرا کوتاہی نہ کرنا ورنہ سُلطان سعد کہے گا کہ میرے ساتھی بُزدِل تھے۔

اُس نے ایسی جوشیلی تقریر کی کہ تمام سرداروں نے اپنی جان کی قسمیں کھائیں کہ مر جائیں گے پر آلا گرد کو قریب نہ آنے دیں گے۔ اِدھر تو یہ تدبیریں ہو رہی تھیں اور اُدھر جاسُوسوں نے آلا گرد کو خبریں پہنچائیں کہ اشقش مُقابلہ کرنے کے لیے مُستعد ہے۔

یہ خبر سُنتے ہی آلا گرد نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ ابھی جا کر گھیرا ڈال لو۔ کوئی بھی بھاگنے کا اِرادہ کرے تو فوراً گرفتار کر کے میرے پاس لے آؤ یا مار ڈالو۔

پھر آلا گرد نے اپنے ایک سردار مولائی فرنگی سے کہا کہ تُو اشقش کے پاس جا۔ اُسے تمام اُونچ نیچ سمجھا کر میری جانب سے ڈراتا دھمکاتا اور کہنا کہ شہزادی

کو فوراً میرے حوالے کر دے ورنہ بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔ تیری بوٹیاں چیل کوّوں کو کھلاؤں گا اور کہنا کہ اے نالائق، تجھے مرزوقِ فرنگی کا بھی خوف نہیں ہے جو تُو دینِ ابراہیمی پر ایمان لا کر لے ایمان ہو گیا۔

مولائی فرنگی یہ پیغام لے کر اشقتش کے پاس آیا۔ اور جو جو باتیں آلا گرد نے کہی تھیں، حرف بہ حرف سب اُس سے کہہ دیں۔

اشقتش نے جواب دیا "میری جانب سے آلا گرد کی خدمت میں تسلیم عرض کرنا اور کہنا کہ میں شہزادی گوہر بند کا غُلام ہُوں۔ میں نے اُس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کیا۔ اب آپ نے ایسا ارشاد فرمایا ہے۔ بہُت بہتر۔ مجُھے ایک دِن کی مُہلت ملے تا کہ شہزادی کو سمجھا بجُھا کر خدمتِ عالی میں لے آؤں۔ اگر اُس پر جبر کرُوں گا تو یقین ہے کہ وُہ زہر کھا کر مر جائے گی۔"

مولائی فرنگی نے آ کر یہ تمام گُفتگُو آلا گرد سے بیان کی۔ اُس نے کہا "خیر، ایک دِن کی مُہلت دی۔ پھر اشقتش کیا عُذر کرے گا۔"

اِدھر اشقتش نے شہزادی گوہر بند کے خیمے پر دو طاقت ور غُلام پہرا دینے کے لِیے مُقرر کِیے اور اُن سے

کہہ دیا کہ خبردار، جس وقت میں مارا جاؤں، فوراً شہزادی کو بھی قتل کر ڈالنا۔

یہ کہہ کر چلا ہی تھا کہ دیکھا سامنے سے کچھ لوگ چلے آتے ہیں۔ وہ قریب آئے تو معلوم ہُوا کہ اشعر کوتوال بیس ہزار ہتھیار بند سواروں سمیت آیا ہے اور اس کے ساتھ سمینہ بانو بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب مالا گرد کو یقین ہو گیا کہ غوری پہلوان سُلطان سعد کا سر لینے گیا ہے تو اُس نے سوچا کہ تُو چل کے اب سمینہ بانو کا کام تمام کر دے۔ یہ خیال کرکے اپنے ہمراہ ایک لاکھ سوار لیے اور قلعۂ آہن حصار کی طرف چلا۔ سمینہ بانو کو بھی مالا گرد کے آنے کی خبر مل گئی۔ یہ بھی اشعر کوتوال کو ساتھ لے کر قلعۂ قُلاب کی طرف چلی راستے میں سُنا کہ اشقنش اور شہزادی گوہر بند بھی آلا گرد کے خوف سے بھاگے آتے ہیں۔

قصّہ مختصر سمینہ بانو، شہزادی گوہر بند کے پاس آئی اور سارا حال کہا۔ اُدھر اشقنش نے خُوش ہو کر اشعر سے کہا۔" بہت اچھا ہُوا کہ تُم آ گئے۔ اب ہم مل کر آلا گرد سے لڑیں گے اور اگر ہم نے ہمّت نہ ہاری تو آلا گرد پہ فتح پائیں گے۔"

اگلے روز مولائی فرنگی پھر آن موجود ہُوا اور اشقش سے جواب طلب کیا۔ ساتھ ہی آلا گرد کی جانب سے اتنا پیام اور دیا کہ اے اشقش، ہم نے سُنا ہے کہ سمینہ بانو بھی آئی ہے۔ آج کا دن وعدے کا ہے لہٰذا شہزادی گوہر بند کے ساتھ سمینہ بانو کو بھی ہمارے پاس لے کر آ۔

اشقش بہت ہوشیار آدمی تھا۔ اُس نے سوچا یہ موقع مصلحت سے کام لینے کا ہے۔ دباؤ اور دھمکی سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ وُہ مولائی فرنگی کی خاطر تواضع کرنے کے بعد عاجزی سے کہنے لگا:

"بھائی جان، میری جانب سے پہلوان آلا گرد کی خدمت میں سات سلام کے بعد کہنا کہ کل سمینہ بانو اپنے لشکر کے ساتھ یہاں آ گئی۔ اِس لیے شہزادی گوہر بند کو سمجھانے کا موقع ہی نہ ملا۔ اب ایک دِن کی مُہلت اور دیجیے تا کہ دونوں کو راضی کر کے لے آؤں۔"

مولائی فرنگی نے یہی بات جا کر آلا گرد سے کہی وُہ غُصّے سے مُنہ بنا کر بولا۔ "یہ اشقش، بہُت ذلیل آدمی ہے۔ خواہ مخواہ بہانے کر کے وقت ضائع کر رہا ہے۔ اچھا، ایک دِن کی مُہلت اور سہی۔ اگر کل تک دونوں عورتوں کو اپنے ساتھ یہاں نہ لایا تو خُداوندِ نتّیں تن

کی قسم آگ میں جلا کر کوئلہ کر دُوں گا۔"

وہ رات اشقش، اشعر، گوہر بند اور سمینہ بانو پر قیامت کی رات تھی۔ سینکڑوں وہم اور ہزاروں وسوسے دلوں میں آتے تھے۔ یہی دِکھائی دیتا تھا کہ اگر غیبی مدد نہ پہنچی تو آلا گرد کے ہاتھوں بڑی ذلت و رُسوائی ہو گی۔

آدھی رات کے بعد یکایک شور غُل کی آواز سُنائی دی سب کے کلیجے لرز گئے۔ خیال ہُوا کہ آلا گرد کے آدمیوں نے شب خُون مارا ہے لیکن فوراً ہی ایک چوب دار یہ خبر لے کر آیا کہ سُلطان سعد ایک عظیم لشکر کے ساتھ آیا ہے۔ اشقش اور اشعر دوڑے گئے دیکھا کہ واقعی سُلطان سعد ہے۔ دونوں نے فوراً قدم بوسی کی اور خُوشیاں مناتے ہُوئے واپس آئے۔ پھر معلُوم ہُوا کہ سعد کے ساتھ مالک افروقیہ بھی آیا ہے۔

شہزادی گوہر بند اور سمینہ بانو خُوشی سے بے حال ہو گئیں۔ سعد نے سب سے پہلے سمینہ بانو کے پاس جا کر ادب سے سلام کیا۔ اُس نے دُعائیں دیں۔ پھر شہزادی گوہر بند کو دیکھا اور اُسے بھی سلام کیا۔

صُبح کو جب سعد اور مالک افروقیہ کے آنے کی خبر

آلا گرد کے کانوں تک پہنچی تو ہوش اُڑ گئے۔ سخت پریشان ہُوا۔ دِل میں کہا یہ تو بڑا غضب ہُوا۔ سعد کے آنے سے بساط ہی پلٹ گئی ہے۔ اب شہزادی گوہر بند اور سمینہ بانو کا ہاتھ آنا مُحال ہے۔

اُدھر مالا گرد نے قلعۂ حِصار میں پہنچ کر سُنا کہ سمینہ بانو قلعہ قُلاب کی جانب فرار ہُوئی ہے۔ یہ بھی تعاقُب کرتا کرتا ہُوا آیا اور تیسرے دِن اپنے بھائی آلا گرد کے لشکر میں پہنچا۔ یہاں کی کیفیّت دریافت کی۔ آلا گرد پر سخت خفا ہُوا کہ اس نے اشقفش کو دو دِن کی مُہلت کیوں دی۔ اُسی وقت کام تمام کرنا تھا۔ خیر اب پچھتائے کیا ہوت جب چِڑیاں چُگ گئیں کھیت۔

غرض مالا گرد نے آتے ہی طبلِ جنگ بجوا دیا۔ رات بھر دونوں طرف زور شور سے جنگ کی تیّاریاں ہوتی رہیں۔ صُبح دونوں لشکر میدان میں آ گئے۔ مالا گرد نے اپنے بھائی آلا گرد سے کہا:

"اشقفش سے تُم لڑو اور اشعر سے میں لڑوں گا۔ اِسی طرح سعد سے میں لڑوں گا اور مالک افریقیہ سے تُم لڑنا۔"

ابھی لڑائی شرُوع بھی نہ ہُوئی تھی کہ دُور سے نقّارہ بجنے کی آواز آئی۔ دونوں لشکروں نے حیرت سے اُس طرف

کوئی چیز دیتے ہیں تو چھوٹے سلام کر کے لے لیتے ہیں۔ آپ نے مجھے یہ گھوڑا دیا اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

مالا گرد بے حد شرمندہ ہُوا اور دُوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر عَلَم شاہ کے سامنے آیا۔ دوپہر تک دونوں میں خُوب نیزہ بازی اور تلوار بازی ہُوئی۔ نہ وُہ ہارا، نہ یہ جیتا۔ شام کے وقت جب دونوں کے ہتھیار بے کار ہُوئے۔ وُہ ایک دُوسرے سے لپٹ گئے اور کُشتی ہونے لگی۔ آخر عَلَم شاہ نے مالا گرد کی کمر میں ہاتھ ڈال کر سر سے اُونچا اُٹھا لیا اور پُوچھا:

"بول تیرا سچّا پروردگار کون ہے؟"

مالا گرد نے کچھ جواب نہ دیا۔ تب عَلَم شاہ نے اُسے زنجیروں میں جکڑ کر اپنی فوج کے حوالے کیا۔ مالا گرد کے سپاہی اپنے سپہ سالار کو گرفتار ہوتے دیکھ کر طیش میں آئے اور حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن آلا گرد نے اُنھیں روکا اور کہا:

"رات کی رات صبر کرو۔ صُبح اس سے سمجھ لیں گے۔"

غرض آلا گرد نے واپسی کا طبل بجوایا اور اپنی فوجوں کو میدان سے لے گیا۔ عَلَم شاہ کے لشکر میں فتح کے نقّارے بجنے لگے۔ رات بھر چراغاں ہُوا۔ اگلے روز صُبح

عَلَم شاہ نے اپنی بارگاہ سجائی اور مالا گرد کو طلب کیا۔ کُرسی پر بٹھایا اور کہا :

" اے مالا گرد ' اب اپنے خُداوندِ زرّیں تن سے کہو کہ تُمھیں ہمارے قبضے سے چُھڑا کر لے جائے ۔"

مالاگرد نے ندامت سے گردن جُھکا لی ۔ تب عَلَم شاہ نے اُسے دینِ اِبراہیمی میں داخل ہونے کے لیے کہا

عَلَم شاہ تو مالا گرد کو دینِ کی تلقین کرنے میں مصرُوف تھے اور اُدھر مسُردق دیوانہ شہزادی گوہر بند اور سمینہ بانو کے خیمے میں بغیر اِجازت جا گُھسا ۔ سمینہ بانو نے اُٹھ کر سلام کیا مگر گوہر بند ایک گوشے میں چُھپ گئی ۔ یہ خبر سُن کر عَلَم شاہ اور سلطان سعد دوڑے ۔ عَلَم شاہ نے مسُردق سے کہا :

" یہ کیا حرکت تھی ؟ تمُھیں بغیر اِجازت عورتوں کے خیمے میں جانا نہیں چاہیے تھا ۔"

مسُردق نے ہنس کر کہا ۔" میاں ، ناراض کیوں ہوتے ہو ۔ میں کسی غیر عورت کے خیمے میں نہیں آیا ۔ گوہر بند میری حقیقی بھتیجی ہے ۔"

یہ کہہ کر باہر آیا اور وہاں پہنچا جہاں مالا گرد بیٹھا تھا ۔ اُس سے کہنے لگا کہ خُداوندِ زرّیں تن پہ لعنت بھیجو

اور دینِ ابراہیمی میں داخل ہو کر ہمارے بھائی بن جاؤ۔ ورنہ مارے جاؤ گے۔ اتنے میں سمینہ بانو وہاں آئی اور مالاگرد کے قدموں میں گر کر کہنے لگی۔" اے چچا، خُدا کے واسطے اِن لوگوں کی بات مان لیجیے۔ یہ حق پر ہیں۔"

مالاگرد تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر کہنے لگا۔" میں ہرگز اپنا مذہب نہ چھوڑوں گا۔ خواہ یہ لوگ مجھے زندہ رہنے دیں یا مار ڈالیں۔"

یہ سُنتے ہی عَلَم شاہ نے اپنے ہاتھوں سے مالاگرد کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کھول دیں اور کہا۔" جائیے آپ آزاد ہیں۔ ہم کسی پر جبر نہیں کرتے۔"

مالاگرد اس سلوک سے حیران رہ گیا۔ پھر عَلَم شاہ سے لپٹ کر رونے لگا اور کہا۔" بیٹا، تمھاری اِس شجاعت نے مجھے ہمیشہ کے لیے خرید لیا ہے۔ اب کہاں جاؤں گا؟ میرا ٹھکانا تو یہی ہے۔ مجھے دینِ ابراہیمی میں داخل کر لو۔"

مالاگرد نے کلمہ پڑھ لیا۔ اِس خُوشی میں تین دِن تک جشن منایا گیا۔ چوتھے روز اُس نے عَلَم شاہ سے کہا" اب میں تھوڑی دیر کے لیے اپنے لشکر میں جا کر آلاگرد کو بھی نصیحت کرتا ہُوں۔"

عَلَم شاہ نے جانے کی اِجازت دے دی ۔ مالا گرد اپنے لشکر میں آیا اور آلا گرد سے کہنے لگا۔" بھائی ، اگر عَلَم شاہ سے لڑنے کا اِرادہ ہے تو پہلے مجھ سے لڑ۔ میں تو کلمہ پڑھ کر دینِ ابراہیمی میں داخل ہو گیا ہُوں۔ اور خُداوند زرّیں تن پر لعنت بھیجتا ہُوں "۔

آلا گرد یہ سُن کر بھونچکا رہ گیا۔ پھر ہنس کر کہنے لگا "آپ اِتنی دُور سے تھکے ماندے آئے ہیں۔ کُچھ دیر آرام کیجیے۔ پھر بات کریں گے۔ آپ کا حُکم مان لینے میں مجھے کیا عُذر ہے۔ آپ بڑے ہیں مُجھ سے بہتر سمجھتے ہیں"۔

غرض اُس نے چکنی چُپڑی باتیں کر کے مالا گرد کو اپنے پاس بٹھایا اور دسترخوان بچھانے کا حُکم دیا۔ لیکن خُفیہ طور پر باورچیوں کو ہدایت کر دی کہ مالا گرد کے کھانے میں دوائے بے ہوشی ملا دیں۔ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ مالا گرد نے ابھی چند ہی لقمے کھائے تھے کہ لُڑھک کر ایک طرف جا گِرا۔ آلا گرد نے اُسی وقت زنجیروں میں بندھوایا اور قید خانے میں پھینک دیا۔ پھر اپنے سرداروں سے کہا کہ میں عَلَم شاہ سے جنگ کروں گا۔ اگر جیت گیا تو خیر ورنہ مالا گرد کو لے کر سیدھا مرزُوق کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔

اُدھر جاسوسوں نے عَلَم شاہ کو یہ ساری خبریں پہنچا دیں کہ آلا گرد نے بڑے بھائی مالا گرد کے ساتھ کیا حرکت کی ہے۔ عَلَم شاہ اسی وقت طیش میں آن کر اٹھ کھڑا ہُوا اور شمشیر تول کر کہنے لگا:

"آلا گرد کی ہستی کو ابھی جا کر خاک و خُون میں ملائے دیتا ہُوں۔"

اشقنش نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ "جہاں پناہ، ایسا نہ کیجیے بلکہ جب آلا گرد لڑنے کے لیے میدان میں آئے تو سب کے سامنے اُسے گرفتار کیجیے۔"

عَلَم شاہ نے یہ مشورہ نہ مانا۔ تب سعد آگے بڑھ کر کہنے لگا۔ "بہتر ہے۔ پھر مُجھی کو جانے کی اِجازت دیجیے۔ کیوں کہ آلا گرد پہلے مُجھ پر حملہ کرنے آیا تھا۔"

عَلَم شاہ یہ سُن کر چُپ ہو رہا۔ اِتنے میں آلا گرد نے طبلِ جنگ بجوایا۔ عَلَم شاہ خُوشی سے جھوم کر کہنے لگا۔

"اِس بَدبخت کی قضا آخر اُسے میدان میں لے ہی آئی۔

شہزادہ قباد شہریار کی داستان

عَلَم شاہ اور آلا گرد کو اُن کے حال پر چھوڑ کر ہم اب امیر حمزہ اور اُن کے ساتھیوں سے مُلاقات کرنے چلتے ہیں جو مُلک فرنگستان جانے کے لیے سُمندر کے کنارے کشتیوں میں سوار ہو رہے ہیں۔

ابھی اُنھوں نے سُمندر میں سفر شروع بھی نہیں کیا تھا کہ چند کشتیاں سوداگروں کی آئیں اور کنارے پر لگیں۔ معلُوم ہُوا کہ یہ لوگ مُلکِ فرنگستان سے واپس آئے ہیں۔ امیر حمزہ نے عمرو سے کہا:

"ذرا اِن سوداگروں کو یہاں بُلاؤ اور ان سے کچھ حال پوچھو۔ مُمکن ہے عَلَم شاہ اور سعد کے بارے میں اِنھیں کچھ معلُوم ہو۔"

عمرو اِن سوداگروں کو بُلا لایا تو امیر حمزہ نے پوچھا "کہوں صاحبو، تمھیں کچھ عَلَم شاہ اور سُلطان سعد کی بھی

خبر ہے؟ بہت دن ہوئے یہ دونوں ملکِ فرنگستان میں گئے تھے۔ پھر پتا نہ چلا کہ ان پر کیا گزری۔"

عَلَم شاہ اور سعد کا نام سنتے ہی سوداگروں کے چہرے روشن ہو گئے۔ اُنھوں نے کہا "یا امیر، کچھ نہ پوچھو کہ اِن بہادروں نے فرنگستان میں شجاعت اور مردانگی کا کیسا ڈنکا بجایا ہے۔ فرنگیوں کا مار مار کر کچومر نکال دیا ہے۔ جو مقابلے پر آیا، مات کھا گیا۔"

پھر اِن سوداگروں نے تفصیل سے سارا قِصّہ سُنایا، اور نقاب دار پلنگینہ پوش کا بھی ذکر کیا کہ اِس مردِ پُر اسرار نے کئی بار سعد کی جان بچائی ہے۔

امیر حمزہ اِن سوداگروں کی زبانی یہ داستان سُن کر بے حد خوش ہوئے۔ ہر ایک کو خلعت عطا کی، اور عمرو سے کہا کہ اب ہم کو بہت جلد فرنگستان میں پہنچنا چاہیے۔ جب آدمیوں کی گنتی ہونے لگی تو معلوم ہُوا کہ شہزادہ قباد شہریار موجود نہیں ہیں۔ اتنے میں کسی نے امیر حمزہ کو خبر دی کہ شہریار نہ جانے کہاں چلا گیا ہے۔ یہ سُنتے ہی امیر حمزہ کا رنج کے مارے بُرا حال ہُوا۔ دُور دُور تک قباد کی تلاش میں عیّاروں کو بھیجا مگر اُس کا کہیں پتا نشان نہ پایا۔ کہتے ہیں ایک

مہینے تک امیر حمزہ سُمندر کے کنارے اِسی اُمید پر ٹکے رہے کہ شاید شہر یار کا سُراغ مِل جائے۔

ایک روز امیر حمزہ نے خواب میں دیکھا ایک نہایت خُوش نُما چمن میں عالی شان مکان بنا ہُوا ہے۔ پانی سے لبریز نہریں جاری ہیں اور طرح طرح کے پھُول اور پھَل دار درخت جھُوم رہے ہیں۔ بُلبُلیں چہک رہی ہیں اور پھُولوں کی کلیاں رنگا رنگ کی کِھل رہی ہیں — یکایک ایک بُزرگ سبز پوشاک پہنے اور عصا ہاتھ میں لیے وہاں آئے۔ امیر حمزہ نے اِن بُزرگ کی نُورانی صُورت دیکھ کر ادب سے سلام کیا۔ اُنھوں نے بڑی محبّت اور شفقت سے سلام کا جواب دیا اور کہا:

"اے حمزہ، تُو اِس قدر غمگین اور رنجیدہ کیوں ہے؟"

"حضرت، کیا عرض کروں۔ میرا ایک فرزند جس کا نام قباد ہے، کہیں چلا گیا ہے۔ اُس کی جُدائی میں بے چین ہُوں۔ بہُت ڈھنڈوایا مگر اُس کا کہیں پتا نہ مِلا۔"

یہ سُن کر اُن بُزرگ نے امیر حمزہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ "اِطمینان رکھ اور دِل کو تسلّی دے تیرا گُم شُدہ فرزند تجھے ضرور مِلے گا۔ وُہ بڑا بہادُر اور

جری نوجوان ہے۔ تیرا نام روشن کرے گا۔ اب تجھ کو لازم ہے کہ یہاں سے مُلکِ فرنگستان کی جانب کُوچ کر اِنشاء اللہ وہیں قباد شہریار سے مُلاقات ہو گی۔"

اِتنا کہہ کر وُہ بُزرگ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اور امیر حمزہ کی آنکھ کُھل گئی۔ اُسی وقت عَمرو، لندھور اور بہرام وغیرہ کو طلب کر کے سارا حال خواب کا بیان کیا اور کہا کہ اے عَمرو، لشکر میں مُنادی کرا دو کہ ہم مُلکِ فرنگ کی جانب کُوچ کیا چاہتے ہیں۔ سب مُستعد ہوں اور اپنا اپنا سامان دُرست کریں۔

عَمرو عیّار نے لشکر میں کُوچ کی مُنادی کر دی۔ تمام سردار، پہلوان اور سپاہی ہتھیاروں سے لیس ہو کر دُرست ہُوئے۔ عَمرو نے کِشتیوں کا مُعاینہ کیا اور اپنی نگرانی میں اسباب لدوایا۔ جب سارا لشکر جہازوں اور کِشتیوں میں سوار ہو گیا تو عَمرو نے امیر حمزہ سے کہا:

"اب یہ خادِم آپ سے اِجازت چاہتا ہے۔ میں آپ کے ساتھ نہ جاؤں گا۔"

امیر حمزہ نے حیرت سے عَمرو کی طرف دیکھا اور کہا "معلوم ہوتا ہے تُمھارے دماغ میں پھر کوئی کیڑا رینگا

ہے۔ آخر نہ جانے کا کیا تُک ہے؟"

"جناب، مجھے سمندر سے ڈر لگتا ہے۔ بہت عرصہ ہُوا ایک نجومی نے مجھے خبردار کیا تھا کہ سمندر میں نہ جائیو، ورنہ تمھاری موت واقع ہو جائے گی۔"

امیر حمزہ اور لندھور وغیرہ نے بہتیرا سمجھایا مگر عَمرو ٹس سے مَس نہ ہُوا۔ آخر اُنھوں نے روپے کا لالچ دیا اور کہا کہ فرنگستان میں بہت زر و جواہر ہے اگر تم ساتھ چلو گے تو یہ سب تمھیں دیں گے لیکن عَمرو نے کہا میں ایسے زر و جواہر پر تھوکتا بھی نہیں جب جان ہی نہ رہی تو زر و جواہر کو لے کر چاٹوں گا؟

آخر امیر حمزہ نے ایک لاکھ اشرفیاں عَمرو کو دیں تب وُہ چلنے کے لیے آمادہ ہُوا اور جہاز پر آیا۔ تین ماہ بعد فرنگستان کا ساحل دِکھائی دیا اور سب نے بخیر و عافیت سفر طے ہو جانے پر خُدا کا شُکر ادا کیا۔ ساحل پر خیمے لگائے گئے اور امیر حمزہ کے لیے بارگاہ بنائی گئی۔ عیّار خبر لینے کے لیے بھیجے گئے تاکہ معلوم کریں مُلکِ فرنگستان کا یہ مُقام کون سا ہے۔ اُنھوں نے آن کر بتایا کہ اِس مُقام کو دربند ریحانیہ کہتے

ہیں اور چند دِن پہلے عَلَم شاہ کا لشکر اِسی راستے سے گزرا تھا۔ یہ سُن کر امیر حمزہ خُوش ہُوئے اور کہا کہ چند روز بعد یہاں سے روانہ ہوں گے۔ پھر عیّاروں سے کہا کہ جو کوئی شہزادہ قباد کا حال بتائے گا، میں اُسے بہُت کچھ اِنعام دُوں گا اور خوش کروں گا۔

شہزادہ قباد شہریار کی کشتی بہُت دِن تک دریا کی لہروں کے رحم و کرم پر بہتے بہتے آخر کنارے پر جا لگی۔ شہزادہ کشتی سے اُترا اور پیدل چلا۔ کئی دِن کی بھُوک نے نڈھال کر دیا تھا اور حالت یہ تھی کہ چند قدم چلتا اور گر پڑتا۔ پھر اُٹھتا اور پھر گر جاتا۔ اِسی حالت میں چلتا چلتا بیابان میں آیا۔ وہاں ایک چار دیواری نظر آئی لیکن اِس کا دروازہ کہیں نہ تھا۔ دیواریں نیچی تھیں، اِس لیے آسانی سے ایک دیوار پھاندی اور اندر پہنچ گیا۔ دیکھا کہ یہ گھوڑوں کا اصطبل سا ہے۔ کہیں کہیں لمبی میخیں گڑی ہیں اور تھان بنے ہُوئے ہیں مگر گھوڑا کوئی نہیں ہے۔

یہ چار دیواری بہُت وسیع علاقے میں تھی۔ شہزادہ

وہاں سے چلا تو ایک باغ نظر آیا جس کا دروازہ بند تھا۔ شہزادے نے دروازے پر دستک دی۔ پھر زور زور سے آواز لگائی لیکن اندر سے کوئی جواب آیا اور نہ کسی نے دروازہ کھولا۔ یہ ماجرا دیکھ کر شہزادہ حیران ہُوا۔ آخر ہمّت کر کے باغ کی دیوار بھی پھاندی اور اندر داخل ہُوا۔ دیکھا کہ ایک پُر بہار چمن ہے۔ ایک نفیس بارہ دری بنی ہے۔ جس میں عالی شان مُسند لگی ہے اور قریب ہی ہاتھی دانت کی بنی ہُوئی میز پر نہایت لذیذ کھانا چُنا رکھا ہے۔ مگر بارہ دری اور باغ میں نہ کوئی آدم ہے نہ آدم زاد۔

شہزادے نے کھانے پینے کا یہ سامان دیکھ کر خُدا کی بارگاہ میں شُکریہ ادا کیا اور اِطمینان سے کھانے لگا۔ جب خُوب پیٹ بھر گیا تو قریب ہی لگی ہُوئی مسہری پر پڑ کر سو گیا۔ سہ پہر کو آنکھ کھُلی۔ اچانک گھوڑے کے دوڑنے کی آواز کان میں آئی۔ شہزادہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اِتنے میں ایک قوی ہیکل شخص وہاں آیا۔ قباد نے اُسے سلام کیا تو وُہ سخت ناراض ہو کر بولا:

"او بے ادب، تُو کون ہے اور بغیر اجازت اِس

باغ میں کیوں آیا ؟"

شہزادے نے نرمی سے جواب دیا۔" بھائی، میں ایک مصیبت زدہ آدمی ہوں۔ کئی دن کے فاقے سے تھا۔ مجبوراً اِدھر چلا آیا۔ اب جو جی چاہے، مجھے سزا دو۔ تمھیں اختیار ہے۔"

"تُو نے جو قصور کیا ہے اس کی سزا موت کے سوا اور کچھ نہیں۔" اُس آدمی نے کہا۔" چل یہاں سے باہر نکل۔"

یہ سُن کر شہزادہ بارہ دری سے باہر آیا۔ دیکھا کہ بہت سے مرد وہاں بیٹھے ہیں۔ تب پہلے شخص نے قباد سے کہا۔" تیرے پاس کوئی ہتھیار ہے۔ جس سے میرا مقابلہ کرے گا ؟ ایسا نہ ہو کہ بے بسی اور بے کسی میں مارا جائے"

قباد نے اطمینان سے کہا۔" بھائی، میں بالکل خالی ہاتھ ہوں۔ یہاں جان کے لالے پڑے تھے۔ میں اپنے پاس ہتھیار کہاں رکھتا۔

اُس شخص نے قباد کو ایک نیزہ دیا اور دُوسرا خُود سنبھالا۔ پھر دونوں میں لڑائی شروع ہوئی۔ بہت جلد اُس شخص کو معلوم ہو گیا کہ اُس کا مقابلہ جس جوان

سے ہے وہ بھی فنِّ سپہ گری سے اچھی طرح واقف ہے اور اُسے مارنا آسان کام نہیں ہے۔ اچانک قباد نے نیزہ اِس زور سے مارا کہ اس شخص کا نیزہ درمیان سے دو ٹکڑے ہو گیا۔ اُس نے جھلّا کر تلوار نکالی۔ قباد نے جھٹ اس کی کلائی پر ہاتھ ڈالا اور تلوار چھین کر دُور پھینک دی۔ پھر اُسے پکڑ کر سر سے اُونچا اُٹھایا اور چکّر دے کر زمین پر رکھ دیا۔ وُہ شخص بے حد شرمندہ ہُوا اور کہنے لگا:

"اے جوان، تُو جیتا میں ہارا۔ مگر اب تو اپنا نام پتا بتا دے۔"

تب شہزادے نے اپنی تمام حقیقت بیان کی۔ وُہ شخص کلمہ پڑھ کر دینِ ابراہیمی میں داخل ہُوا۔ اُس کے سب ساتھی بھی ایمان لائے۔ اب اُس نے اپنی کیفیت بیان کی کہ میرا نام فیروز زہر خوار ہے۔ جس طرح مُلکِ فرنگستان میں آلا گرد اور مالا گرد دو نامی گرامی پہلوان ہیں، اسی طرح ایک میں بھی ہُوں۔ مجھ سمیت چار پہلوان پُورے مُلک میں سب سے بڑے سمجھے جاتے تھے۔ ایک دِن کا ذکر ہے کہ میں نے مرزُبق فرنگی کی بیٹی شہزادی گوہر بند کو دیکھا اور خواہش

ظاہر کی کہ اُس کی شادی مجھ سے کر دی جائے۔ مگر بعد میں پتا چلا کہ شہزادی مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ اور میرا نام سُننا بھی پسند نہیں کرتی۔ جب مرزُوق کو میرے اِرادے کا عِلم ہُوا تو وُہ خفا ہو کر میری گرفتاری کے دَرپے ہُوا۔ میں اُس کے خوف سے بھاگ کر اِس صحرا میں آیا اور اب میرا پیشہ ڈاکے ڈالنا ہے۔ قافلوں اور مُسافروں کو لُوٹتا ہُوں۔ یہ سب لوگ میرے فرمانبردار ہیں۔

شہزادہ قباد شہریار کئی دن فیروز کا مہمان رہا۔ ایک دن اُسے خیال آیا کہ اے قباد، تُو نے ذرا سی بات پر شاہی تخت کو ٹھکرایا۔ اب یہاں کیا سمجھ کے پڑا ہے؟ وُہ فیروز سے کہنے لگا:

"بھائی، میں چاہتا ہُوں کہ اب تُم سے رُخصت ہوں اور جہاں سینگ سمائے وہاں چلا جاؤں۔"

فیروز یہ سُن کر حیران ہُوا اور کہنے لگا "اے شہزادے، تُجھے یہاں کیا تکلیف ہے جو جانے کا نام لیتا ہے؟ اب میں تُجھے جانے نہ دُوں گا۔ کیوں کہ تُو مُجھے سگے بھائیوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اگر تُو نہ مانے گا تو میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا۔"

فیروز کی یہ ضِد دیکھ کر قباد گھبرایا اور دِل میں سوچا کہ اگر یہ میرے ساتھ رہا تو نہ معلوم کِن کِن آفتوں میں پھنسوں گا۔ اِس لِیے یہی بہتر ہے کہ فیروز کو ٹال دُوں۔ اُس نے کُچھ جواب نہ دیا اور خاموش ہو رہا۔

رات کو جب سب غافِل سو گئے تو قباد چُپکے سے اُٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر ایک جانب چل دیا۔ دِن رات مُسلسل سفر کرنے کے بعد ایک جنگل میں گُزر ہُوا۔ وہاں ایک عالی شان محل نظر آیا۔ قباد بے تکلّف محل میں جا گھُسا۔ دیکھا کہ ہر طرف سناٹا ہے۔ کوئی نظر نہیں آتا۔ تب درختوں سے پھل توڑ کر کھائے اور ایک گوشے میں پڑ کر سو گیا۔ آنکھ کھُلی تو اپنے سامنے ایک نقاب پوش کو کھڑے پایا۔ قباد نے اُٹھ کر سلام کیا۔ نقاب پوش نے سلام کا جواب دیا اور پُوچھا:

"اے جوان، تُو کون ہے اور کہاں سے آیا؟"

تب شہزادے نے شرُوع سے آخر تک اپنی رام کہانی سُنائی اور آخر میں کہا۔ "میں اب عُلم شاہ کے مُقابلے میں نِکلا ہُوں۔ وُہ اپنے آپ کو رُستم سمجھتا ہے میں اُس سے کِسی طرح کم نہیں ہُوں۔"

یہ سُن کر وُہ نقاب پوش ہنسا اور کہنے لگا: "اے قباد، تیرے دماغ سے ابھی تک غرُور کی بُو نہیں گئی رُستم تو بڑی چیز ہے، پہلے مُجھ سے دو دو ہاتھ کر لے تاکہ تُجھے اپنی قوّت کا صحیح عِلم ہو۔"

قباد نے حیرت سے نقاب پوش کو دیکھا اور کہا: "اگر تُجھے ایسا ہی شوق ہے تو آجا۔ میں مُقابلے کے لیے تیار ہُوں۔"

دونوں میں کُشتی شرُوع ہُوئی اور چند لمحے بعد ہی قباد نے اندازہ کر لیا کہ نقاب پوش کے جسم میں بڑی جان ہے اور کُشتی کے ہزاروں داؤ پیچ جانتا ہے۔ بہُت جلد قباد بڑی طرح ہانپنے لگا اور زیادہ لڑنے کی ہمّت نہ رہی۔ تب نقاب پوش نے اُسے اُٹھا کر زمین پر دے مارا اور چاروں شانے چت کر کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ پھر اپنا خنجر نکال کر اس کی گردن پر رکھا اور کہا:

"بول، اب کیا کہتا ہے؟ یہ خنجر تیرے سینے میں اُتار دُوں؟"

قباد نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں اور سمجھا کہ نقاب پوش کے بھیس میں موت کا فرشتہ ہے۔ یکایک

نقاب پوش نے خنجر ہٹا لیا اور اُٹھ کر پرے جا
ہُوا ۔ پھر قباد کو زمین سے اُٹھایا اور ہنس کر بولا
"میں بھی دینِ ابراہیمی پر ایمان رکھتا ہُوں
لیے تیری جان بخشتا ہُوں ۔ دیکھ عَلَم شاہ مرزُوق
سے لڑنے گیا ہے اور خُدا نے چاہا تو فتح یاب
کر لوٹے گا ۔ اب تُو یہاں سے چلا جا اور خبر
پھر کبھی اِدھر کا رُخ نہ کرنا "
یہ کہہ کر وُہ نقاب پوش چلا گیا ۔ شہزادہ قباد
آنکھوں سے آنسُو جاری تھے ۔ زندگی میں ایسی ذلّ
اور پشیمانی کبھی نہ اُٹھائی تھی ۔ دِل میں خیال کیا کہ
قباد ، تیری زندگی پر لعنت ہے ۔ ایسے جینے سے
مر جانا ہی اچھّا ہے ۔
یہ سوچ کر صحرا کی راہ لی اور ایک درخت
نیچے جا کر رُکا ۔ کھانا پینا سب چھوڑ دیا اور موت
اِنتظار کرنے لگا ۔ آخر ایڑیاں رگڑنے کی نوبت
اور رُوح کھنچ کر حلق میں آ گئی ۔ یکایک ایک
ضعیف ، جس کی عُمر کا اندازہ کرنا دُشوار تھا ، صحرا
نمودار ہُوا ۔ اُس نے شہزادے کے قریب آ کر کہا
"اے قباد ، کیوں حرام موت مرتا ہے ؟ ابھی تیر

زندگی بہت باقی ہے۔ مرنے کا ارادہ ترک کر دے۔"
قباد نے اُس بُزرگ کو دیکھا اور رو رو کر سارا قِصّہ سُنایا۔ بُزرگ نے قباد کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔" جا، اب دُنیا کا کوئی پہلوان تیری پیٹھ زمین سے نہ لگا سکے گا۔"
یہ سُن کر قباد خوش ہُوا۔ بُزرگ کے پاؤں کو بوسہ دیا اور پُوچھا۔" حضرت، یہ تو فرمائیے آپ کون ہیں؟"
"میرا نام آدم صفی اللہ ہے۔ اب زیادہ باتیں مت کر اور اُسی محل میں جا جہاں نقاب پوش نے تجھے زیر کیا تھا۔"
یہ کہتے ہی وُہ بُزرگ غائب ہو گئے۔ قباد دیر تک حیران پریشان سوچتا رہا کہ یہ خواب ہے یا بیداری؟ پھر دِل میں خیال آیا کہ اپنی طاقت کا اِمتحان کرنا چاہیے۔ جِس درخت کے نیچے بیٹھا تھا، اُس کے تنے کو دونوں بازوؤں میں لے کر زور کیا تو درخت جڑ سے اُکھڑنے لگا۔ اب تو شہزادہ خوشی کے مارے دیوانہ ہو گیا۔ بے اِختیار بھاگتا ہُوا اُسی محل میں آیا اور نقاب پوش کو لڑائی کے لیے للکارا۔ وُہ آواز سُن

کر آیا اور قباد کو دیکھ کر کہنے لگا :

"میں نے تجھے خبردار کیا تھا کہ اب یہاں نہ آنا مگر تُو نہ مانا۔ معلوم ہوتا ہے ہڈیاں پسلیاں تڑوا کر جائے گا۔"

قباد نے نرم لہجے میں کہا "اُس وقت میں تھکا ماندہ آیا تھا جب تُو نے مجھے چت کیا۔ اب میں تازہ دم ہوں۔"

"بس بس... پتا چل گیا کہ تُو بڑا ڈھیٹ ہے۔" نقاب پوش نے کہا۔ "مجھے تیری کم عمری پر ترس آتا ہے۔"

یہ کہہ کر نقاب پوش نے آگے بڑھ کر قباد کے دو گھونسے اِس زور سے مارے کہ اگر کسی بیل یا سانڈ پر پڑتے تو وہ بھی پانی نہ مانگتا۔ مگر قباد اسی طرح کھڑا مسکراتا رہا۔ اب تو نقاب پوش کے اوسان خطا ہوئے۔ سمجھا کہ کچھ اور ماجرا ہے۔ قباد کی کمر پکڑ لی اور زور لگا کر اُسے اُٹھانے کی کوشش کی مگر زمین نے قباد کے پاؤں پکڑ لیے تھے۔ نقاب پوش عرق عرق ہو گیا۔ اب قباد نے ایسا دھکّا دیا کہ نقاب پوش نے ستّر لڑھکنیاں کھائیں اور اُٹھ نہ سکا

تب قباد نے اپنا خنجر نکال کر اُس کے سینے پر رکھا اور کہا :

"بول اب کیا کہتا ہے ؟ جان سے مار دُوں یا چھوڑ دُوں ؟"

نقاب پوش نے کچھ جواب نہ دیا ۔ تب قباد اُس کے سینے سے ہٹا اور حضرت آدم کے تشریف لانے کا واقعہ سُنایا ۔ نقاب پوش قباد سے بولا ۔" ہاں ، اب آپ رُستم کا مُقابلہ کرنے کے لائق ہُوتے ہیں ۔"

اُس نے نہایت عزت سے قباد کو اپنے محل میں ٹھہرایا اور خادموں کی طرح ہر حُکم کی تعمیل کرتا رہا ۔ آخر ایک دن قباد وہاں سے رُخصت ہُوا اور شمال کی جانب سفر کرنے لگا ۔ دس روز بعد ایسے علاقے سے گُزرا جہاں دو لشکروں میں بڑی خوف ناک جنگ چھڑی ہُوئی تھی ۔ قباد بھی ایک جانب رُک کر جنگ کا تماشا کرنے لگا ۔

قباد نے دیکھا کہ ایک طرف کوئی دو لاکھ سوار اور پیادے ہیں اور دُوسری طرف نو دس لاکھ کا عظیم لشکر ہے ۔ جس طرف فوج کم ہے ، اُدھر کا سپہ سالار کیشتہ فرنگی زخمی ہو چُکا ہے اور اس کی فوج میں بھگدڑ مچی ہُوئی ہے ۔ مرزوق فرنگی کے دو بیٹے ارشی تاجدار اور قرشی

تاجدار بھی میدانِ جنگ میں موجود ہیں اور اپنے سپہ سالار
کیشۂ فرنگی کے زخمی ہو جانے پر سخت پریشان ہیں
قصّہ اصل میں یہ ہے کہ فرنگستان کے ایک
زبردست بادشاہ صفا تُرک کی مرزُوق فرنگی سے پرانی
دُشمنی چلی آتی تھی۔ دونوں آپس میں مُدّت سے لڑتے
بھڑتے چلے آ رہے تھے۔ کبھی مرزُوق فرنگی اپنے دُشمن
صفا تُرک پر غالب آجاتا اور کبھی صفا تُرک حملہ
کے مرزُوق کی سلطنت کا کوئی شہر چھین لیتا۔ اِس
وقت بھی صفا تُرک نے مرزُوق کا ایک شہر چھیننے
اِرادے سے نو لاکھ سواروں کے ساتھ حملہ کیا تھا۔ اِس
شہر کا نام قرشیہ تھا اور یہاں کے حاکم مرزُوق کے بیٹے
ارشی تاجدار اور قرشی تاجدار تھے۔
صفا تُرک کے لشکر کا سب سے عظیم پہلوان موت
اعظم تھا۔ اُس کا وزن آٹھ من سے کم نہ ہو گا۔ لوہے
کی سلاخیں موم کی طرح اس کے ہاتھوں میں پگھلی جاتی
تھیں اور جو پہلوان اُس کے مُقابلے میں آتا، جان
سلامت لے کر نہ جاتا۔ ہر طرف اس کی دھاک بیٹھی
ہُوئی تھی۔ اس وقت بھی موتِ اعظم میدان کے بیچ
بیچ کھڑا دُشمن کو للکار رہا تھا اور کہتا تھا کہ جس

موت کی آرزو ہو، وہ میرے سامنے آئے مگر ارشی
اور قرشی تاجدار کے لشکر میں سے کوئی پہلوان موتِ
اعظم کے مقابلے کو نہیں نکلتا تھا۔
یہ حال دیکھ کر شہزادہ قباد شہریار کا خون کھولنے
لگا۔ اگرچہ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ دونوں لشکر کافروں
کے ہیں اور ان میں سے کسی کی مدد کرنے کا کوئی
فائدہ نہیں ہے۔ پھر بھی موتِ اعظم پہلوان کی شیخی
سُن کر وہ اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا اور گھوڑا
دوڑاتا ہوا اُس کے سامنے آن کر بولا:
"اے پہلوان، یہ کہاں کی دلاوری ہے کہ جو شخص
ہار جائے اسے یوں للکارتے ہو؟"
موتِ اعظم نے حقارت کی نگاہ سے قباد کو دیکھا
اور ہنس کر کہا۔" یہ بچونگڑا کہاں سے نکل آیا، اسے
سمجھاؤ کہ اپنے والدین کے کلیجے سے لگ کر بیٹھے
ابھی تو اِس کے مُنہ سے دُودھ کی بُو بھی نہیں گئی۔"
موتِ اعظم کے یہ الفاظ سُن کر اُس کے لشکری زور
سے ہنسے۔ شہزادہ قباد نے بُلند آواز سے کہا۔" جس
جس کو ہنسنا ہو، وہ اب ہنس لے بعد میں شاید
موقع نہ ملے۔"

یہ سُن کر موتِ اعظم نے قہقہہ لگایا۔ اس کی آواز اتنی بھیانک تھی کہ دُور و نزدیک کے درختوں پر بیٹھے ہُوئے پرندے ڈر کر اُڑے اور فضا میں چکّر کاٹنے لگے۔ قباد نے پھر کہا:

"دیکھتا جا، تُو ابھی اِسی مُنہ سے خُون تھُوکے گا جس مُنہ سے تُو نے قہقہہ لگایا ہے۔"

اب تو موتِ اعظم کا رنگ غُصّے کے مارے سیاہ پڑ گیا۔ نیزہ اُٹھا کر قباد کو مارا مگر قباد نے ڈھال کے بجائے وار کو اپنے ہاتھ پر روکا اور ایک ہی جھٹکے سے نیزہ چھین کر دُور پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر ارشی اور فرشی تاجدار کے لشکر نے خوشی سے نعرے لگائے۔ موتِ اعظم پہلوان اپنے گھوڑے سے نیچے اُتر آیا اور چلّا کر بولا:

"اے جوان، تُو بھی اپنے گھوڑے سے اُتر اور مجھ سے پنجہ ملا۔"

قباد نے ایسا ہی کیا۔ جُونہی وہ موتِ اعظم کے قریب آیا، اس نے اُچھل کر قباد کے سینے میں مُکّا مارا۔ شہزادے کی آنکھوں کے سامنے چنگاریاں سی اُڑنے لگیں اور زمین گھُومتی ہُوئی دِکھائی دی۔ قباد

لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ اِتنے میں موتِ اعظم نے ٹکّر مارنے کے لیے اپنی گردن آگے بڑھائی۔ قباد نے جھٹ اپنی بغل میں اس کی گردن دبا لی اور ایسا زور لگایا کہ اُس کی چیخیں آسمان تک گئیں۔ اُس نے آزاد ہونے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، مگر بے سُود۔ تب شہزادے نے اس کا دایاں پنجہ پکڑ کر مروڑا اور اُنگلیوں کے بند جُدا کر دیے۔ اس کے بعد موتِ اعظم کو گھُما کر زمین پر دے مارا۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی، مگر شہزادے نے اُس کی پیٹھ پر لات جمائی اور وُہ لُڑھکتا ہُوا دُور جا گِرا۔

اس کی فوج نے اپنے سپہ سالار کی مرمّت ہوتے دیکھی تو ایک دم دھاوا بول دیا۔ اِتنی دیر میں قباد نے موتِ اعظم پہلوان کو باندھ کر ارشی تاجدار کے عیّاروں کے حوالے کیا اور خُود تلوار کھینچ کر مخالف لشکر پر ٹُوٹ پڑا۔ ایسا معلُوم ہُوا گویا بکریوں کے ریوڑ میں شیر گھُس آیا ہو۔ چند ساعت کے اندر اندر ہزاروں کو کاٹ کر ڈال دیا۔ یہاں تک کہ صفا تُرک کے سپاہی ہتھیار پھینک پھینک کر بھاگے۔

مرزُوق فرنگی کے بیٹوں نے فتح کے شادیانے

بجوائے اور شہزادہ قباد شہر یار کو اپنے ساتھ لے کر اپنی قیام گاہ پر واپس آئے۔ شہزادے کی حد درجہ خاطر تواضع کی اور نہایت ادب سے پوچھا:

"جنابِ والا نے ابھی تک اپنے نام سے آگاہ نہیں فرمایا اور نہ یہ بتایا کہ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

شہزادے نے انھیں اپنا صحیح نام بتانا مُناسب نہ سمجھا۔ صرف اِتنا کہا۔"میں ایک معمولی سوداگر ہُوں شہاب میرا نام ہے۔ مُلک فرنگستان کی سیر و سیاحت کے لیے آیا ہُوں۔"

"خُوش آمدید۔ خُوش آمدید۔" ارشی تاجدار نے خُوش ہو کر کہا۔"آپ سوداگر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت بہادُر سپاہی بھی ہیں۔ موتِ اعظم کا پنجہ مروڑ کر آپ نے ہماری عزّت رکھی ہے۔ اس کے لیے ہم مرتے دم تک آپ کے احسان مند رہیں گے۔ یہ شہر بھی آپ کا ہے۔ جب تک جی چاہے یہاں رہیے۔ ہمیں آپ کی خدمت بجا لا کر خوشی ہو گی۔"

غرض شہزادہ قباد شہر یار شہر قرشیہ میں رہنے لگا وہاں اُسے ہر طرح کا عیش و آرام مُیسّر تھا۔ مرزُوق

فرنگی کے بیٹے اس کے حکم کی تعمیل معمولی غلاموں کی طرح کرتے تھے۔

ایک دِن شہزادہ قباد باغ کی سیر کرتے ہوئے اُس حصّے میں جا نکلا جو صرف شاہی محل کی عورتوں کے لیے مخصوص تھا۔ وہاں شہزادے کی ملاقات شہزادی ماہِ سیما سے ہوئی جو مرزوق فرنگی کی بھانجی تھی اور ارشی تاجدار سے اس کی شادی ہونے والی تھی۔ ماہِ سیما نے جب قباد کو دیکھا تو حیران ہوئی اور اپنی ایک کنیز سے پوچھا:

"یہ شخص کون ہے جو زنانہ باغ میں یوں گھوم رہا ہے۔ کیا اس گستاخ کو معلوم نہیں کہ اِدھر آنے کی سزا موت ہے۔"

وُہ کنیز اتّفاق سے قباد کو پہچانتی تھی۔ اُس نے دانتوں میں اُنگلی دبائی اور شہزادی ماہِ سیما سے کہنے لگی "اے حضور، یہ وہی شہ زور ہے جس نے موتِ اعظم پہلوان کا پنجہ توڑا اور اُسے گرفتار کیا تھا۔ یہ ہمارے شہزادوں ارشی تاجدار اور فرشی تاجدار کا مہمان ہے۔"

شہزادی ماہ سیما نے جب یہ بات سُنی تو اس بہادر

جوان سے ملنے کا ارادہ کیا اور اپنی کنیز کو بھیجا کہ اُسے بُلا لائے۔ قباد کنیز کے ساتھ گیا اور شہزادی کو جھک کر سلام کیا۔ اُس نے پُوچھا:

"کیوں صاحب، آپ کا نام کیا ہے اور کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

قباد نے سوچا کہ اس شہزادی کے سامنے سب کچھ سچ سچ کہہ دینا چاہیے۔ ہنس کر جواب دیا "میرا نام قباد شہریار ہے۔ نوشیرواں کا نواسا اور جناب امیر حمزہ کا بیٹا ہُوں۔"

شہزادی ماہ سیما نے قباد اور امیر حمزہ کا نام پہلے ہی سُن رکھا تھا۔ وُہ بے حد خُوش ہُوئی۔ پھر رو کر کہنے لگی "اے شہزادے، افسوس کہ تُم بہت دیر سے آئے۔ اب کوئی دِن جاتا ہے کہ میری شادی ارشی تاجدار سے ہونے والی ہے۔ لیکن میں اُسے پسند نہیں کرتی۔ کاش، میری شادی تُمھارے ساتھ ہو سکتی۔"

"اے شہزادی رو مت اپنے آنسُو پُونچھ لو۔" قباد نے کہا۔ "میں ارشی کے بھائی فرشی سے بات کر کے اسے سمجھاؤں گا مُمکن ہے وُہ میری بات مان لے۔"

شہزادی ماہ سیما کو تسلیاں اور دلاسا دے کر قباد

سیدھا قرشی تاجدار کے محل میں گیا اور ساری داستان سُنا کر کہا۔ "ماہ سیما تمہارے بھائی کے ساتھ شادی کرنا بالکل پسند نہیں کرتی۔ اِس لیے بہتر ہے اُسے مجبور نہ کرو۔ میں اس کے ساتھ شادی کرنے کو تیّار ہُوں۔"

قرشی تاجدار نے یہ بات سُنی تو اُس کا خُون کھول گیا۔ اس نے دِل میں کہا ایک معمُولی سوداگر بچّہ ایک عالی مرتبہ شہزادی سے شادی کرنے کی جُرأت کرے۔ ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس نوجوان نے موتِ اعظم جیسے زبردست پہلوان کو شکست دی ہے۔ اِس سے لڑنا آسان نہیں۔ کسی فریب سے کام لینا چاہیے۔ اُس نے مُسکرا کر قباد سے کہا:

"یہ تو بہت معمُولی بات ہے۔ میں ابھی اپنے بھائی ارشی کو بُلاتا ہُوں۔ اُمیّد ہے وُہ مان جائے گا۔ آپ بے فکر رہیں۔"

جب قباد وہاں سے چلا گیا تو قرشی نے ارشی کو بُلوایا اور سارا قِصّہ سُنایا۔ اس نے جوش کے مارے اپنی تلوار کے قبضے پر ہاتھ ڈال دیا۔ اور کہا: "اِس نوجوان کی اِتنی جُرأت ہُوئی کہ وُہ شہزادی ماہ سیما سے شادی کرنے پر تُل گیا ہے۔ ایسا ہر گز نہیں

ہو گا۔ میں ابھی جاتا ہوں اور اُس کا سر قلم کرتا ہوں"
"زیادہ جوش میں نہ آؤ۔ ہوش میں آن کر میری بات سُنو" قرشی نے اُسے روکا۔ "شہاب سے لڑنا خالہ جی کا گھر نہیں۔ تُم اُس کی طاقت اور شجاعت دیکھ ہی چکے ہو۔ وہ اکیلا ہزاروں آدمیوں پر بھاری ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کوئی ایسی تدبیر سوچو جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے"
"ہاں بھائی، کہتے تو تُم ٹھیک ہو" ارشی نے کہا۔
پھر دونوں قباد سے نپٹنے کی تدبیریں سوچنے میں مصروف ہو گئے۔ اتنے میں ایک کنیز وہاں آئی اور دونوں بھائیوں کو ساری بات بتا دی کہ جسے تُم لوگ شہاب سوداگر سمجھ رہے ہو، وہ نوشیرواں کا نواسا امیر حمزہ کا بیٹا اور عَلَم شاہ کا بھائی ہے۔
یہ سُنتے ہی ارشی اور قرشی کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ سکتہ طاری ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اوسان بحال ہوئے تو اپنے عیاروں کو طلب کر کے سارا واقعہ بیان کیا۔ عیاروں نے کہا قباد کو گرفتار کر لینا کون سا مشکل کام ہے۔ کھانے میں دوائے بے ہوشی ملا کر کھلا دو۔ جب بے ہوش ہو جائے

تو باندھ کر مرزُدق فرنگی کے پاس بھیج دو ۔ وُہ امیر حمزہ اور اُس کے خاندان والوں کی تلاش میں ہے اور ان کے خُون کا پیاسا ہے ۔ اِس تدبیر سے تُم مرزُوق کو خُوش بھی کر دو گے اور قباد سے پیچھا بھی چھُوٹ جائے گا ۔"

عیّاروں کی بتائی ہُوئی اِس تدبیر پر ارشی اور فرنشی نے اسی رات عمل کیا ۔ قباد کو کھانے میں دوائے بے ہوشی ملا کر بے ہوش کیا اور باندھ کر قید خانے میں ڈال دیا ۔ صُبح جب قباد کو ہوش آیا تو اپنے آپ کو زنجیروں میں بندھا پایا ۔ قریب ہی موت اعظم پہلوان بھی اسی حال میں پڑا تھا ۔ اس نے قباد کو پہچانا اور حیران ہو کر کہا :

"اے نوجوان ، تجھ پر کیا آفت آئی کہ یُوں زنجیروں میں باندھ کر یہاں پھینکا گیا ہے ۔"

تب قباد نے اُسے ساری داستان سُنائی اور کہا ۔ "مُجھے شک ہے کہ اِن لوگوں کو میری اصلیّت کا پتا چل گیا ہے ۔"

موتِ اعظم پہلوان نے کہا ۔" اے قباد ، خوف زدہ نہ ہو ۔ میں تیرے ساتھ ہُوں ۔ اِس کُفر سے اُکتا گیا ہُوں

اب تیرے ہاتھ پر کلمہ پڑھ کر دینِ ابراہیمی میں داخل ہوتا ہوں۔"

تین دن بعد قباد اور موتِ اعظم دونوں کو قید خانے سے نکالا گیا۔ دیکھا کہ کیتشۂ فرنگی سامنے کھڑا دانت نکال رہا ہے۔ قباد نے پوچھا ۔"اب ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا ؟"

"آہا ہا.... سلوک ؟" کیتشۂ فرنگی نے قہقہہ لگایا۔ "گھبراؤ نہیں بیٹا۔ میں تمھیں کچھ نہ کہوں گا۔ ہاں، مرزوق فرنگی کو تمھاری تلاش ہے۔ وُہ جو مُناسب سمجھے گا، تُم سے سلوک کرے گا۔"

اِتنے میں ارشی تاجدار اور قرشی تاجدار کی سواری آئی۔ اُنھوں نے قباد کو گھورتے ہُوئے کہا۔" تُم نے ہم پر بڑی بہادری کا رُعب جمایا تھا اور جھُوٹ بولا تھا کہ تُمھارا نام شہاب ہے۔ حالاں کہ ہمیں معلُوم تھا کہ تُم امیر حمزہ کے بیٹے ہو۔ مگر ہم نے تُمھارا اِحسان مانا اور کچھ نہ کہا۔ حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تُم ہماری ہی عزّت پر ڈاکا ڈالنے کو تیار ہو گئے۔"

قباد نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتّہ موتِ اعظم گرج کر کہنے لگا۔" مرزُوق فرنگی کے مکّار بیٹو، یہ نہ سمجھنا

کہ تم ہمیں آسانی سے موت کے گھاٹ اُتار دو گے۔
یہ لوہے کے چنے ہیں۔ تم سے نہ چبیں گے۔"
"لے جاؤ اِن کو۔ میری نظروں کے سامنے سے
دُور کرو۔" ارشی تاجدار نے چلاّ کر کیشۂ فرنگی کو حُکم
دیا۔ وہ ایک ہزار ہتھیار بند سواروں کے ساتھ دارُالحکُومت
کی جانب روانہ ہو گیا۔
اِدھر شہزادی ماہ سیما کو بھی ان دونوں بھائیوں کے
کرتُوت کا پتا چل چُکا تھا۔ اس نے قباد شہریار کو
کیشۂ فرنگی کی قید سے چھُڑانے کا تہیّہ کر لیا۔ جب
سُورج چھُپ گیا تو ماہ سیما نے اپنی چار سو کنیزوں
باندیوں کو مردانہ کپڑے پہنائے اور سب کو ہتھیاروں
سے لیس کر کے کیشۂ فرنگی کے تعاقُب میں روانہ
ہُوئی۔ لیکن جاسُوسوں نے ارشی اور قرشی تک خبر
پہنچا دی کہ شہزادی ماہ سیما کِس ارادے سے گئی
ہے۔ یہ دونوں بھائی بھی دو ہزار سواروں کے ساتھ
شہزادی کے پیچھے روانہ ہُوئے۔
آدھی رات کا وقت تھا کہ شہزادی کی زنانہ فوج
نے کیشۂ فرنگی کو راستے میں جا لیا۔ وُہ اُس وقت
ایک پہاڑ کے تلے آرام کر رہا تھا۔ یکایک شہزادی نے

حملہ کیا اور بہت سے سواروں کو قتل کر کے قباد اور موتِ اعظم کی زنجیریں کاٹ دیں۔ اب کیا تھا، اللہ دے اور بندہ لے۔ قباد اور موتِ اعظم نے مار مار کر کیشتۂ فرنگی اور اس کے سپاہیوں کا بھرکس نکال دیا۔ آخر سب نے ہتھیار پھینک کر ہار مان لی۔ اِتنے میں ارشی اور قرشی بھی آن پہنچے۔ اُن کے گُمان میں بھی نہ تھا کہ قیدی یُوں آزاد ہو جائیں گے۔ جب اُنھوں نے قباد اور موتِ اعظم کے ہاتھوں میں تلواریں دیکھیں تو تھر تھر کانپنے لگے اور امان امان چلّاتے ہُوئے جھٹ قباد کے قدموں پر آن گِرے اور کہا:

"اے قباد، ہم پر ترس کھا۔ تُو شیر دِل باپ کا شیر دِل بیٹا ہے۔"

تب قباد نے اُنھیں معاف کیا اور کہا: "اگر دینِ ابراہیمی پر ایمان لاؤ تو میں تُم سے خُوش ہُوں۔"

ارشی اور قرشی فوراً ایمان لے آئے۔ کیشتۂ فرنگی نے بھی کلمہ پڑھا لیکن دِل ہی دِل میں قباد کو گالیاں دیتا جاتا تھا اور سوچ رہا تھا کہ موقع ملے تو اِسے ایسی جگہ ماروں جہاں پانی نہ ملے۔

غرض یہ سب لوگ واپس شہر قرشیہ میں آئے۔
ایک دن کیشۂ فرنگی نے قباد سے کہا۔" اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نہایت دلاور اور جری آدمی ہیں۔ لیکن میں اس وقت آپ پر پُورا پُورا بھروسا کروں گا جب آپ ایک خوف ناک اژدہے کو ہلاک کر دیں۔ یہ اژدہا کوہِ پُرشکوہ پر رہتا ہے اور اب تک ہزار ہا آدمیوں کو ہڑپ کر چکا ہے۔"
شہزادہ قباد نے کہا۔" تُم میرے ساتھ چلو اور مجھے وہ جگہ دِکھاؤ جہاں یہ اژدہا رہتا ہے۔ پھر میں اُسے ہلاک کرنے کی کوشش کروں گا۔"
موتِ اعظم نے جب یہ باتیں سُنیں تو کیشۂ فرنگی کی طرف قہر کی نظر سے دیکھا اور قباد سے کہا۔" اے شہزادے، یہ کیشہ نہایت نمک حرام اور دغا باز ہے۔ یہ دِل میں آپ سے دُشمنی رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح آپ کی جان کو نُقصان پہنچائے۔ اِس کی بکواس پر بالکُل دھیان نہ دیجیے۔ میرا کام سمجھانا تھا آگے آپ کو اختیار ہے۔"
قباد نے ہنس کر کہا۔" ممکن ہے تُو ٹھیک کہتا ہو مگر یہ ہماری شان سے بعید ہے کہ کسی کی درخواست

کو رد کر دیں۔ اب ہم اُس اژدہے کو مارنے ضرور جائیں گے اور خُدا کی ذات سے اُمّید ہے کہ کام یاب واپس آئیں گے۔"

شہزادی ماہ سیما نے جب اِس خطرناک مُہم کا ذِکر سُنا تو اُس نے بھی قباد کو روکنے کی بڑی کوشش کی مگر اُس نے ایک نہ سُنی اور اگلے ہی روز کیشۂ فرنگی اور موتِ اعظم پہلوان کو ساتھ لے کر کوہِ پُرشکوہ کی جانب روانہ ہُوا۔

دربند ریحانیہ میں امیر حمزہ اور ان کا لشکر بہُت دِن ٹھہرا رہا مگر عَلَم شاہ اور سُلطان سعد کی کچھ خبر نہ پائی۔ اِس اثنا میں خوراک کا ذخیرہ ختم ہُوا اور سپاہی اور جانور بھُوکے مرنے لگے۔ اِرد گِرد کوسوں تک صحرا ہی صحرا پھیلا ہُوا تھا وہاں خوراک تو درکنار میٹھے پانی کا ایک قطرہ مِلنا بھی دُشوار تھا۔

دوستوں نے مشورہ دیا کہ دوبارہ کشتیوں اور جہازوں میں سوار ہوں اور کِسی دُوسرے علاقے میں جا کر اُتریں۔ امیر حمزہ نے یہ مشورہ مان لیا اور سُمندر میں دوبارہ سفر شرُوع ہُوا۔ تین روز بعد

ساحل پر سے ایک سرسبز میدان دکھائی دیا۔ امیر حمزہ اور ان کے ساتھی زمین پر آئے۔ گھوڑوں کو تو گھاس کھانے کے لیے مل گئی تھی مگر انسانوں کے لیے غلّہ درکار تھا۔

عمرو نے چند عیّاروں کو روانہ کیا کہ ذرا گھوم پھر کر معلوم کریں کہ قریب کوئی شہر ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو اس کا نام کیا ہے اور شہر کا حاکم کون ہے۔ عیّار ہوا کی رفتار سے گئے اور واپس آئے اُنھوں نے بتایا کہ ایک پہاڑ کے پیچھے شہر کورانیہ آباد ہے اور وہاں کا حاکم گیرنگ شاہ ہے۔ اس پہاڑ پر ایک مضبوط قلعہ بھی بنا ہُوا ہے جس میں شہر کی حفاظت کے لیے بڑی تعداد میں فوج رہتی ہے۔

اِتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ پچاس ساٹھ ہتھیار بند سوار گھوڑے اُڑائے چلے آتے ہیں۔ قریب آن کر وہ رُکے اور اُن کے سردار نے کہا:

"تُم لوگ کون ہو اور اِس مُلک میں آنے کا مقصد کیا ہے۔؟"

"ہم سوداگر ہیں۔ تجارت کا سامان لائے ہیں۔ اتّفاق سے ہمارے پاس غلّہ بالکُل ختم ہو گیا ہے اگر

آپ مہربانی کریں تو کچھ سامان ہم سے لے لیں اور غلّہ دے دیں۔" عمرو عیّار نے جواب دیا۔

یہ سُن کر سپاہیوں کا سردار ناراض ہُوا اور کہنے لگا۔" ہمارے حاکم گیرنگ شاہ کا حُکم ہے کہ تُم لوگ جدھر سے آئے ہو اسی طرف فوراً واپس چلے جاؤ یہاں ٹھہرنے کی کسی کو اِجازت نہیں ہے۔"

امیر حمزہ نے کہا۔" بھائی ہم ہمیشہ اِسی طرف سے آتے جاتے رہیں آخر منع کرنے کی کوئی وجہ تو ہو؟"

" زیادہ بحث نہ کرو۔" سردار نے چلّا کر کہا۔" ہمارے حاکم کے پاس مرزوق فرنگی کا حُکم آیا ہے۔ اِس میں لکھا ہے کہ کورانیہ کے ساحِل پر، خواہ سوداگر ہو، خواہ مُسافر۔ کسی کو اُترنے کی اِجازت نہ دی جائے۔"

" بہت بہتر۔ ہم واپس چلے جاتے ہیں، مگر اپنے حاکم گیرنگ شاہ سے کہیے کہ ہمیں غلّہ دے اور قیمت لے۔" عمرو نے کہا اور چُپکے سے رشوت کے طور پر اشرفیوں سے بھری ہُوئی ایک تھیلی سردار کو تھما دی۔ اس نے جیب میں رکھ لی اور کہنے لگا:

" اچھّا، میں ابھی گیرنگ شاہ سے بات کر کے آتا ہُوں۔ غلّے کے عوض تُم لوگ ہمیں کیا دو گے؟"

"جناب، یہ بڑے بڑے صندوق آپ دیکھ رہے ہیں۔ اِن سب میں اشرفیاں اور جواہر بھرے ہُوئے ہیں۔ ایسے ایسے چالیس صندُوق آپ کی خدمت میں پیش کیے جائیں گے۔" عَمرو نے کہا اور پھر ایک صندُوق کھول کر بھی دِکھلا دِیا جو سونے کی اشرفیوں اور قیمتی پتھّروں سے اُوپر تک بھرا ہُوا تھا۔

اِتنا مال دولت دیکھ کر سردار کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ اُسی وقت دوڑا دوڑا گیا اور گیرنگ شاہ سے کہا کہ سوداگروں کا ایک قافلہ ساحل پر اُترا ہے۔ اُن کے پاس اناج ختم ہو چُکا ہے اور نوبت فاقوں تک آن پہنچی ہے۔ اُنھوں نے مُجھے اشرفیوں اور جواہرات سے بھرے ہُوئے چالیس صندُوق دِکھائے ہیں اور کہا ہے کہ اگر ہم اُنھیں اِنھی صندُوقوں میں بھر کر غلّہ دے دیں تو وہ یہ سب دولت ہمیں دے دیں گے۔

گیرنگ شاہ نے کہا۔ "فوراً واپس جاؤ اور اُن سے کہو کہ صندُوق لے آئیں اور غلّہ لے جائیں۔"

سردار واپس آیا اور اس نے کہا کہ ہمارا حاکم تمھیں غلّہ دینے کو تیّار ہے۔ ابھی یہ صندُوق میرے

ساتھ لے کر چلو۔

عُمرو نے اُس کے آنے سے پہلے ہی ہر صندُوق میں ایک ایک زبردست پہلوان چُھپا دیا تھا۔ اُن میں امیرِ حمزہ کے علاوہ لنڈھور بھی تھا اور بہرام خاقانِ چین بھی۔ سُلطان بخت مغربی، استفتا نوش، صدف نوش، حارث، طائل زنگی اور مُقبل وفادار بھی شامل تھے۔ یہ صندُوق ایسے تھے کہ اُوپر سے نہ کُھل سکتے تھے۔ البتّہ اندر سے کُھل سکتے تھے۔ عمرو نے ان پہلوانوں سے کہا تھا کہ جب تک میں سیٹی نہ بجاؤں۔ تُم صندُوقوں سے باہر نہ آنا۔

غرض صندُوق اُونٹوں پر لد کر شہر کورانیہ میں پہنچے۔ گیرنگ بے چینی سے اِنتظار کر رہا تھا۔ عمرو کے شاگرد مزدُوروں کا لباس پہنے ہُوئے، لیکن کپڑوں میں ہتھیار چُھپائے ہُوئے ساتھ ساتھ تھے۔

عمرو نے جاتے ہی گیرنگ کو جُھک کر سلام کیا اور کہا " حضُور کی جان و مال کو ہم غریب سوداگر سدا دُعائیں دیں گے کہ اس نازک موقع پر ہمیں غلّہ عطا کر کے ہماری جانیں بچائیں۔ ورنہ ہم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے۔"

گیرنگ نے مکّاری سے مُسکرا کر کہا: "اگر ہم تمھیں غلّہ نہ دیں اور سب صندوق چھین لیں تو تُم کیا کرو گے۔"

"حضُور، آپ مائی باپ ہیں۔ ہم غریب سوداگر بھلا کیا کریں گے۔ مگر اب مذاق موقُوف فرمائیے، اور غلّہ دیجیے۔"

"ابے چِڑ کٹے۔ ہم تجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔" گیرنگ نے ناراض ہو کر کہا۔ "کیا تُو نے ہمیں کوئی مسخرا سمجھا ہے؟ لگا دو ان سب صندُوقوں میں آگ۔"

یہ سُنتے ہی غُلام دوڑے اور خُشک لکڑیاں جمع کر کے صندُوقوں کے نیچے رکھیں اور آگ لگانے کی تیاریاں کیں۔ یہ دیکھ کر عَمرو گھبرایا اور کہنے لگا:

"حضُور، میں اِس گُستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔ میرا مقصد آپ کی توہین کرنا نہ تھا۔"

"اچھّا، یہاں سے بھاگ جا۔ ہم نے تیری جان بخشی کی۔"

"مگر حضُور...... وُہ غلّہ......"

"ابے بھاگتا ہے یا نہیں؟" گیرنگ شاہ نے جھلّا

کر کہا " نہ جانے یہ سوداگر کہاں سے آن مرتے ہیں۔ کھانے کو دانہ نہیں اور چلے ہیں تجارت کرنے۔ چلو دفان ہو جاؤ یہاں سے "

اب تو عمرو کے تلووں میں آگ لگی اور کھوپڑی تک پہنچی۔ دانت پیس کر کہنے لگے " ابے او گیرنگ شاہ۔ دیکھ ابھی تجھے بے رنگ کرتا ہوں۔ تو ہماری کیا جان بخشی کرے گا۔ خبردار ہو جا۔ میں تیرے واسطے عزرائیل بن کر آیا ہوں "

" پکڑو اس بدمعاش کو۔ بچ کر نہ جانے پائے" گیرنگ شاہ چلایا۔

غلام تلواریں سونت کر عمرو کی طرف لپکے، مگر اس نے انگلیاں منہ میں ڈال کر زور سے سیٹی بجائی سیٹی کا بجنا تھا کہ کھٹا کھٹ تمام صندوقوں کے ڈھکنے اندر سے کھل گئے اور پہلوان ہاتھوں میں خنجر لیے باہر نکلے۔ گیرنگ شاہ کی سٹی گم ہو گئی۔ مگر اس نے سنبھل کر نعرہ لگایا " کوئی زندہ نہ بچے۔"

اس کی فوج آناً فاناً پہلوانوں پر بجلی بن کر گری اور جنگ شروع ہو گئی۔ کہاں ہزاروں ہتھیار بند سپاہی اور کہاں چالیس پہلوان اور چند عیار۔ لیکن پھر

بھی اِن بہادروں نے تھوڑی دیر میں دُشمن کے چھکّے چُھڑا دِیے۔ گیرنگ شاہ نے عَمرو کو تاڑا اور اس کی طرف لپکا۔ عَمرو وہاں سے بھاگا۔ گیرنگ اس کے پیچھے گیا۔ عَمرو گھبرا کر ایک پہاڑ پر چڑھ گیا اور اُوپر سے پتّھر پھینکنے لگا۔ دو ایک پتّھر گیرنگ کی کھوپڑی پر لگے اور وہ زخمی بھی ہُوا لیکن عَمرو کو پکڑنے کی نیّت سے پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ اب عَمرو کہاں بھاگتا۔ ڈر کر خُدا سے دُعا مانگنے لگا کہ یا الٰہی، تُو ہی اِس مُوذی سے بچانے والا ہے۔

اِتنے میں گیرنگ تلوار ہاتھ میں لیے دانت پِیستا ہُوا عَمرو کے بالکُل نزدیک آن پہنچا۔ یکایک عَمرو نے دیکھا کہ ایک دیو قامت حبشی نمُودار ہُوا۔ اُس نے آتے ہی عَمرو کو سلام کیا۔ عَمرو اِس حبشی کا ڈیل ڈول اور صُورت دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگا۔ دِل میں کہا، یا الٰہی، میں نے تو گیرنگ سے بچنے کی اِلتجا کی تھی تُو نے اُلٹا ایک دُشمن اور بھیج دِیا۔

حبشی نے کہا۔" جناب، مُجھ سے خوف نہ کھائیے میں آپ کا غُلام ہُوں۔"

یہ کہہ کر اُس نے گیرنگ کو پکڑ لیا اور تلوار چھین کر پھینک دی۔ پھر اُسے اُٹھا کر پہاڑ سے نیچے گرا دیا۔ گیرنگ کی ہڈی پسلی ایک ہو گئی۔ عمرو حبشی کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی سے اُتر کر میدان میں آیا۔ وہاں ابھی تک جنگ جاری تھی۔ امیر حمزہ لندھور اور بہرام وغیرہ سر دھڑ کی بازی لگائے دُشمن سے لڑ رہے تھے۔ حبشی نے آتے ہی ایک زبردست نعرہ لگایا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں کو جہنّم رسید کر دیا۔ وہ اتنی بہادری اور بے خوفی سے لڑ رہا تھا کہ لندھور بھی لڑائی بھول کر اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

اِتنے میں ایک اور فوج نمودار ہوئی۔ اِس کے آگے آگے نقاب دار پلنگینہ پوش گھوڑے پر سوار بڑی شان سے اُڑا آتا تھا اور اُس کے پیچھے بیس ہزار نقاب پوش تھے۔ اُنھوں نے آتے ہی گیرنگ شاہ کی بچی کُھچی فوج کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر ڈال دیا۔ آخر دُشمن نے ہتھیار پھینکے اور امان طلب کی۔ امیر حمزہ نے سب کو امان دی پھر اِدھر اُدھر دیکھا۔ عمرو عیّار کہیں نظر نہ آیا۔ کسی نے بیان

رکیا کہ عَمرو پہاڑ پر چڑھا تھا اور گیرنگ شاہ اُس کے پیچھے لپکا تھا۔ اِتنے میں دُور سے عَمرو آتا دِکھائی دیا۔ اس نے دوڑ کر سب سے پہلے نقاب دار بلنگینہ پوش کی رکاب کو بوسہ دیا اور پُوچھا:

"خُدا جانتا ہے آپ جیسا بہادُر میں نے اِس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا مگر چہرے سے نقاب تو اُٹھائیے اور ہمیں بتائیے کہ آپ ہیں کون؟ مُجھے تو غیبی فرشتے معلُوم ہوتے ہیں۔"

نقاب دار نے غمگین لہجے میں جواب دیا "بس اِتنا جان لیجیے کہ ہم بھی تمھاری طرح مردِ مومن ہیں اور وہ ہیں کہ جِس کا کوئی پُوچھنے والا نہیں — مُصیبت ہر وقت ہمارے ساتھ رہتی ہے۔ اسی صحرا میں رہتے ہیں۔"

"حضرت، جب تک آپ اپنا کام نہ بتائیے گا۔ میں آپ کو چھوڑنے والا نہیں۔" عَمرو نے کہا، مگر نقاب دار نے کچھ جواب نہ دیا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر آناً فاناً ہَوا ہو گیا۔ اِس کے بیس ہزار نقاب پوش سوار بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ عَمرو حیرت سے اُنھیں جاتے دیکھتا رہا۔ اِتنے میں امیر حمزہ خُود وہاں

آ گئے اور عمرو سے پوچھا:

"یہ نقاب دار کون تھا؟ ہم سے ملاقات کیے بغیر ہی چلا گیا۔"

"اے امیر، مجھے شک ہے کہ یہ تمھارا فرزند قباد تھا۔" عمرو نے کہا۔ تب امیر حمزہ آب دیدہ ہوئے اور کہنے لگے:

"ہاں، اِس کے لڑنے کے انداز سے کچھ شک تو مجھے بھی ہوا تھا۔"

قصّہ مختصر سب فاتح بن کر شہر کورانیہ میں داخل ہوئے۔ امیر حمزہ نے گیرنگ کے محل میں اپنی بارگاہ قائم کی۔ سب پہلوانوں کو درجہ بدرجہ کرسیاں اور تخت عطا کیے گئے اور شہر کا انتظام ہونے لگا۔ یکایک عمرو عیّار کو اُس دیو جیسے حبشی کا خیال آیا جس نے پہاڑ پر اس کی جان بچائی تھی۔ وہ اُسے ڈھونڈنے نکلا تو دیکھا کہ وہ محل کے بڑے دروازے پر بیٹھا ہے اور ہاتھ میں دس من وزنی گرز ہے وہ عمرو کو دیکھتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا اور سلام کر کے بولا:

"اُستاد، میں تو آپ کی تلاش میں تھا۔"

"ارے بھائی، میں خود تمھیں ڈھونڈ رہا ہوں۔"
عمرو نے کہا۔" آؤ تمھیں حمزہ کی خدمت میں لے
چلوں۔ تم نے آج مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔
گیرنگ کے ہاتھوں میری جان بچائی۔"

عمرو اُسے لے کر امیر حمزہ کے پاس آیا اور
ساری داستان کہہ سُنائی۔ امیر نے پسندیدہ نظروں سے
حبشی کو دیکھا اور اِتنی عزّت کی کہ اپنے قریب
ہی بٹھا لیا پھر پُوچھا۔" کیوں بھائی، تمھارا نام کیا
ہے اور اِس مُلک میں کیسے آئے؟"

حبشی نے ٹھنڈی آہ بھری اور اپنا حال یُوں
بیان کرنے لگا:

"اے امیر، میرا نام ریحان حبش ہے۔ میرا باپ
مُلک حبش کا بادشاہ تھا اور میری شادی اپنے چچا
کی بیٹی سے ہونے والی تھی۔ یکایک ناگہانی موت
سے میرا باپ مر گیا اور چچا نے تخت پر قبضہ
جمایا۔ اب چچا کی نیّت خراب ہُوئی۔ اپنی بیٹی کی
شادی مجھ سے کرنے کے بجائے میری موت کی
سازش کرنے لگا لیکن مجھے کسی طرح پتا چل گیا۔
میں نے دو ٹوک اپنے چچا سے کہا کہ مجھے تخت،

و تاج کی حاجت نہیں۔ تُو صرف مُجھے اپنے قدموں میں پڑا رہنے دے۔ مگر وُہ ظالم کِسی طرح نہ پسیجا اور میری جان کے درپے رہا۔ آخر ایک اندھیری رات میں چار غُلام مُجھے مارنے کے لیے بھیجے لیکن میں اُن کے قابُو میں نہ آیا اور وہاں سے فرار ہو کر صحرا میں پہنچا۔ موت کے خوف سے غاروں اور ویرانوں میں چھُپتا پھرتا تھا۔ آخر ایک دِن اس زِندگی سے تنگ آ کر خُودکُشی کا ارادہ کر کے گلے میں پھندا ڈالا اور درخت سے لٹک گیا۔ اِتنے میں ایک نُورانی شکل کے بُزرگ نمُودار ہُوئے۔ تلوار سے رسّا کاٹ ڈالا اور مُجھے کہنے لگے:

"اے نوجوان، کیوں اپنی جان کا دُشمن ہُوا ہے؟ جا، ہم نے تجھ پر نظرِ کرم کر دی ہے۔"

"یہ کہہ کر اُن بُزرگ نے اپنے مُبارک ہاتھ سے پٹکا میری کمر میں باندھا اور کہا۔" آج سے تیری پیٹھ زمین پر کوئی نہ لگا سکے گا۔"

"میں نے بڑی عاجزی سے پُوچھا۔" حضرت، اپنا نامِ نامی تو بتاتے جائیے۔ اُنھوں نے فرمایا میرا نام مردان شاہ ہے۔ اب تُو یہاں سے مُلک فرنگستان کی

جانب روانہ ہو۔ وہاں ایک پہاڑ پر، جو شہر کورانیہ کے قریب ہے، تیری مُلاقات عیّاروں کے شہنشاہ عَمرو بن اُمیّہ ضمیری سے ہو گی۔ تُو فوراً اُس کا شاگرد بن جائیو اور جب حمزہ سے مُلاقات ہو تو میرا سلام کہیو۔ وہی تیری شادی کرائیں گے اور تیری سلطنت تُجھے واپس دِلائیں گے۔ پس میں بہت دِن سے خواجہ عَمرو کی مُلاقات اور آپ کی زیارت کے اِنتظار میں تھا۔ آج اپنی مُراد کو پہنچا۔ اب مُجھے دینِ اِبراہیمی میں داخل فرمائیے۔"

امیر حمزہ نے اس کی خواہش پُوری کی۔ پھر عَمرو نے اُسے اپنی شاگردی میں لیا اور سارے لشکر میں مِٹھائی بانٹی گئی۔ ریحان حبش کو تخت پر دربار میں بیٹھنے کا حُکم دِیا گیا اور یہ بہت بڑا اِعزاز تھا۔

ایک دِن اُس نے عَلم شاہ کا ذِکر امیر حمزہ سے کیا اور کہا کہ میں نے اِس بہادُر نوجوان کو دیکھا ہے۔ واقعی رُستم کا خطاب اِسی پر سجتا ہے۔ آج کل وُہ قلعۂ آہن حصار میں رہتا ہے اور اُس نے سمینہ بانو دُختر مالا گرد پہلوان سے شادی کر لی ہے۔

امیر حمزہ اپنے بیٹے عَلَم شاہ کا ذِکر سُن کر بے حد خُوش ہُوئے۔ پھر سعد کا حال دریافت کیا۔ ریحان حبشی نے اُس کی بھی بے حد تعریف کی۔ لیکن جب قباد کا نام آیا تو اُس نے گردن ہلا کر کہا "افسوس کہ اس نام کے کسی شہزادے سے واقف نہیں ہُوں"

امیر حمزہ نے عَمرو عیّار کو عَلَم شاہ اور سعد کے پاس روانہ کیا اور کہلوایا کہ بابا ہم تو تُمھارے واسطے اِتنی دُور سے آئے ہیں اور تُمھیں خبر نہیں۔

عَمرو تیزی سے سفر کرتا ہُوا قلعۂ آہن حصار میں پہنچا۔ دیکھا کہ کئی لاکھ فوج قلعے سے باہر پڑی ہے۔ دروازوں پر ہتھیار بند چوب دار مُستعد پہرے پر کھڑے ہیں۔ عَمرو نے ایک چوب دار سے کہا:

"بھائی، ہمیں قلعے کے اندر جانے دو۔ ہم عَلَم شاہ کے باپ کا ایک پیغام لے کر آئے ہیں۔"

چوب دار نے گھُور کر عَمرو کو دیکھا اور کہا ــــ "زبان سنبھال کر بات کر۔ عَلَم شاہ کا نام کِس بدتمیزی سے لیتا ہے۔ وہ ہمارا بادشاہ ہے۔ اگر تُو اِس مُلک میں اجنبی نہ ہوتا تو ابھی گردن اُڑا دیتا۔"

"اچھّا بھائی اچھّا۔ مُجھ سے غلطی ہُوئی۔ معافی چاہتا

ہُوں ۔ اب مہربانی کر کے اپنے بادشاہ رستمِ فیل تن جناب عَلَم شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کرو کہ امیر حمزہ کی جانب سے عَمرو درِ دولت پر حاضر ہے۔ اور باریابی کی اجازت کا طلب گار ہے۔"

"ہاں ، یُوں بولو نا " چوب دار نے کہا اور عَلَم شاہ کو خبر دینے کے لیے قلعے کے اندر گیا۔ اُدھر عَلَم شاہ دربار لگائے بیٹھا تھا ۔ چوب دار نے عَمرو کے آنے اور امیر حمزہ کا پیغام لانے کا ذکر کیا تو وُہ تخت سے اُترا اور بھاگتا ہُوا دروازے پر آیا ۔ آتے ہی عَمرو کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور ادب سے بولا :

"آئیے چچا جان ، اندر تشریف لے چلیے "

چوب دار نے جب عَمرو کی یہ عزّت دیکھی تو دِل میں بے حد خوف زدہ ہُوا اور سوچنے لگا اگر اس نے بادشاہ سے میری شکایت کر دی تو مارا جاؤں گا ۔ کیا تدبیر کروں ۔ عَمرو نے بھی کنکھیوں سے چوب دار کو دیکھا اور سمجھ گیا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے ۔ تب عَمرو نے عَلَم شاہ سے کہا :

"میں ذرا اِس چوب دار سے ایک بات کر لُوں ۔ پھر آپ کے ساتھ چلتا ہُوں "

پھر عَمرو اس چوب دار کو ایک طرف لے گیا۔
اور کہنے لگا۔ "کیوں میاں، اب بولو کیا کہتے ہو
تُم نے جو بدتمیزی میرے ساتھ کی ہے۔ اس کی شکایت
کروں عَلَم شاہ سے ؟"

چوب دار کا کلیجا مُنہ کو آ گیا۔ بے چارہ تھر تھر
کانپنے لگا۔ یہ دیکھ کر عَمرو نے کہا۔ "تُمھارے بچاؤ
کا ایک ہی طریقہ ہے۔ کُچھ مال وال ہے تُمھارے
پاس ؟"

"ج .... جی .... جی ..... ہاں ..... ہاں ... میرے
پاس سونے کی ایک انگوٹھی ہے۔" چوب دار نے
ہکلاتے ہُوئے جواب دیا۔

لاؤ جلدی سے وُہ میرے حوالے کرو۔" عَمرو نے
انگوٹھی اُس سے ہتھیائی اور عَلَم شاہ کے ساتھ دربار
میں گیا۔ پھر زُمرّد کے بنے ہُوئے ایک قیمتی تخت
پر آلتی پالتی مار کر بیٹھنے کے بعد کہنے لگا:

"اے عَلَم شاہ، مُجھے تُجھ سے بڑا خوف آتا ہے۔
تیرے ایک طمانچے میں سلطنت جاتی رہتی ہے۔"

یہ سُن کر عَلَم شاہ نے ندامت سے گردن جُھکائی
پھر کہا۔ "چچا جان، اللہ جانتا ہے میں اپنی اس

حرکت پر بے حد شرمندہ ہُوں کہ ایک معمُولی سی بات پر قباد کو طمانچہ مار بیٹھا۔ نہ معلُوم پیارے ابّا میرے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اُنھیں اپنی صُورت دِکھانے کے قابِل نہیں رہا۔"

"نہیں بیٹا، وُہ تُم سے ناراض نہیں ہیں۔" عَمرو نے کہا۔" بلکہ وہ تُم سے مُلاقات کے لِیے فرنگستان میں آئے ہیں اور تُمھیں یاد کرتے ہیں۔"

عَلَم شاہ نے خُوش ہو کر کہا۔" اگر اُنھوں نے مُجھ رُوسیاہ غُلام کو یاد فرمایا ہے تو حاضِر ہونے میں کیا عُذر ہے۔ اِنشاءَ اللہ ایک ہفتہ میں حاضِر ہوتا ہُوں آپ اُن کی خِدمت میں میرا سلام پہنچا دِیجیے۔"

"سُلطان سعد کو بھی ساتھ لے کر آنا۔" عَمرو نے تاکید کی اور عَلَم شاہ نے وعدہ کر لِیا۔

دُوسرے روز عَمرو واپس امیر حمزہ کے پاس آیا اور اِطّلاع دی کہ عَلَم شاہ نے ایک ہفتے بعد حاضِر ہونے کا وعدہ کِیا ہے۔ امیر بے چینی سے ایک ایک دِن گِننے لگے۔ آخر ساتواں دِن بھی گُزر گیا، اور عَلَم شاہ نہ آیا۔ تب اُنھوں نے عَمرو سے پُوچھا" کیا

بات ہے، عَلَم شاہ نہیں آیا ؟"

"میں خود حیران ہُوں۔ وہ تو قول کا بڑا پکّا ہے۔ ضرور کوئی خاص وجہ ہو گی" عمرو نے جواب دیا۔

اب ذرا عَلَم شاہ اور سُلطان سعد کا حال سُنیے۔ ساتویں روز یہ دونوں امیر حمزہ سے مِلنے کے لیے قلعۂ آہن حِصار سے نکلے۔ جب آدھا راستہ طے کر لیا تو ایسے مُقام پر پہنچے جہاں سے دائیں بائیں دو اور راستے نکلتے تھے۔ اب یہ پریشان ہُوئے کہ کِس راستے پر جائیں۔ اِتّفاق سے ایک اور مُسافر مِل گیا۔ اُس سے پتا پُوچھا تو اُس نے کہا کہ دایاں راستہ قریب کا اور بایاں دُور کا ہے لیکن مُصیبت یہ ہے کہ قریب کے راستے میں ایک دِیوانہ رہتا ہے جِس کا نام نہنگ ہے۔ مرزُوق فرنگی نے اُسے ہلاک کرنے کی بڑی کوشِش کی۔ ہزار بار فوجیں بھیجیں مگر وہ کسی طرح قابُو میں نہ آیا۔ آخر عاجز آ کر اِعلان کرا دیا کہ اِس راستے سے کوئی نہ گُزرے اب اگر کوئی گُزرتا ہے تو دِیوانہ نہنگ اُسے مار ڈالتا ہے۔

یہ قصّہ سُن کر عَلَم شاہ نے کہا میں تو اِسی راستے سے جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ وُہ دیوانہ میرا کیا بگاڑتا ہے۔ غرض سعد اور عَلَم شاہ گھوڑے دوڑاتے ہُوئے اسی راہ پر ہو لیے۔ جب کُچھ دُور گئے تو دیکھا بہُت سے وحشی اور ننگ دھڑنگ آدمی جمع ہیں اور جانوروں کا شکار کر رہے ہیں۔ عَلَم شاہ نے اُن کے نزدیک جا کر گھوڑا روکا اور ایک وحشی سے پُوچھا:

"تُم لوگ کون ہو اور تمُھارا حاکم کہاں ہے؟"

اُس نے جواب میں کہا "ہم سب دیوانے ہیں اور نہنگ کے ساتھی ہیں — تُم یہاں کیوں آئے؟ جلد واپس جاؤ ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

عَلَم شاہ نے اس کے سر پر زور سے دھپ مارا وُہ لُڑھکتا ہُوا دُور جا گِرا۔ یہ حرکت دیکھ کر دُوسرے دیوانے طیش میں آ گئے۔ اُنھوں نے سعد اور عَلَم شاہ کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی مگر اِتنی ہی دیر میں اِن دونوں نے پانچ چھ دیوانوں کو زخمی کر دیا۔ باقی ڈر کر پیچھے ہٹ گئے۔ تب

عَلَم شاہ نے للکار کر کہا :

"اے دیوانو ، جاؤ اور اپنے آقا نہنگ کو خبر کرو کہ تیرا وقت آن پہنچا ۔ فوراً ہماری خدمت میں حاضر ہو اور اطاعت قبول کر ورنہ اِتنا ماروں گا کہ سب چوکڑی بھول جائے گا ۔"

دیوانوں نے یہ بات نہنگ کے کانوں تک پہنچائی وُہ گینڈے پر سوار ہُوا اور مُنہ سے جھاگ اُڑاتا ہُوا آیا ۔ عَلَم شاہ اور سعد نے ایسا گرانڈیل اور کالا بھُجنگ آدمی اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا ۔ نہنگ نے آتے ہی گرج کر کہا ۔" کون ہے وُہ گستاخ جس نے ہماری سلطنت میں قدم رکھنے کی جُرأت کی ہے ۔"

"جناب ، یہ گستاخ میں ہُوں ۔ میرا نام ہے رُستم ۔"

عَلَم شاہ نے مُسکرا کر جواب دیا ۔" تُو خُدا کی مخلُوق کا خُون بہانا چھوڑ دے ۔ آدمی بن ...... ورنہ ماروں گا ۔"

اب تو دیوانے کے غیظ و غضب کا آتش فشاں دھماکے سے پھٹا اور اُس نے عَلَم شاہ پر حملہ کیا بھلا گھوڑے اور گینڈے کا کیا مُقابلہ ۔۔ پہلے ہی حملے میں عَلَم شاہ کا گھوڑا دم توڑ گیا ۔ جب نہنگ نے

اپنے دُشمن کو پیدل دیکھا تو خُود بھی گینڈے کی بیٹھ سے کُود کر زمین پر آیا اور عَلَم شاہ کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ کہتے ہیں کہ تین دِن اور تین راتیں لگاتار اِن دونوں میں کُشتی ہُوئی ـــــ آخر عَلَم شاہ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر نہنگ کو پکڑا اور سر سے اُونچا اُٹھا کر زمین پر دے مارا نہنگ کی ہڈیاں کڑکڑا گئیں اور اُس نے چلّا کر کہا:

"اے رُستم، ہاتھ روک لے۔ میں تیری اِطاعت قبول کرتا ہُوں"

غرض نہنگ اور اُس کے تمام دیوانے دینِ ابراہیمی میں داخل ہُوئے۔ تب عَلَم شاہ اور سعد وہاں سے رُخصت ہُوئے اور کورانیہ میں آئے۔ امیر حمزہ کے لشکر نے بڑی دُھوم دھام سے اُن کا اِستقبال کیا۔ خُود امیر حمزہ اُن کو لینے کے لیے بارگاہ سے باہر آئے اور دونوں کو باری باری سینے سے لگایا۔

طلسمی شہر

جب شہزادہ قباد کیشنہ فرنگی سے جُدا ہو کر اژدہے
کی تلاش میں روانہ ہُوا تو کیشنہ شہر قرشیہ میں آیا
اور موتِ اعظم پہلوان سے ہنس کر کہنے لگا "میں
شہزادے کو صحیح رستے پر لگا کر واپس چلا آیا ہُوں
اُمّید تو یہی ہے کہ وُہ اژدہے کو مار ڈالے گا"
موتِ اعظم نے غُصّے سے بل کھا کر کہا "اے
کیشنہ، میری بات غور سے سُن لے۔ اگر قباد کا ایک
رونگٹا بھی میلا ہُوا تو یاد رکھنا تیری بوٹیاں کر کے
چیل کوّوں کو کھلاؤں گا۔"
"خیر، دیکھا جائے گا" کیشنہ نے جواب دیا،
اور وہاں سے چلا گیا۔
اُدھر شہزادہ قباد شہر یار اُس مُقام کے نزدیک
پہنچا جہاں اژدہا رہتا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ کوسوں

تک گھاس جلی ہوئی ہے، درخت جھلسے ہوئے ہیں اور پتھروں کا رنگ بھی کالا پڑ چکا ہے۔ حتیٰ کہ زمین کی مٹی بھی جل جل کر بھورے رنگ کی ہو چکی تھی۔ جب قباد کچھ اور آگے بڑھا تو آگ کے شعلے بھی نظر آئے جو اژدہے کے منہ سے نکل رہے تھے۔ اس نے اندازہ کیا کہ بڑا زبردست اژدہا ہے اور ایک ہزار گز کے لگ بھگ لمبا ہے۔ جب سانس کھینچتا ہے تو تمام کنکر، پتھر اس کے منہ میں چلے جاتے ہیں اور جب سانس چھوڑتا ہے تو تین تین چار چار کوس کے فاصلے پر جا کر گرتے ہیں۔

تب قباد کو وہ اژدہا یاد آیا جو امیر حمزہ نے بیشۂ فیض رساں میں ہلاک کیا تھا۔ اس خوف ناک اژدہے کے ہلاک کرنے کا واقعہ خود امیر حمزہ نے ایک مرتبہ قباد کو سنایا تھا۔ قباد نے اسی طرح پینترا بدل کر اژدہے پر تیر چلایا۔ تیر لگتے ہی اژدہے نے دم جو کھینچا تو شہزادہ بے اختیار اژدہے کے منہ کی طرف چلا مگر فوراً سنبھل کر دوسرا تیر مارا جو اژدہے کی داہنی آنکھ میں لگا۔ اژدہے

نے ایسی چیخ ماری کہ تمام صحرا کانپ اُٹھا اور اسی بے چینی کی حالت میں اس کا مُنہ بھی پھر گیا۔ شہزادے نے موقع پا کر تیسرا تیر مارا۔ وُہ بائیں آنکھ میں لگا۔ اب تو اژدہا اِس بُری طرح تڑپنے اور چیخنے لگا کہ خُدا کی پناہ۔ معلُوم ہوتا تھا کہ کوئی ہولناک طُوفان آ گیا ہے۔ آخر تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اژدہے کے چیخنے کی آوازیں شہر فرشتیہ تک گئیں اور کیشہ بد اندلیشہ نے سمجھا کہ اژدہا مارا گیا اُس نے گھر سے نکل کر صحرا کی راہ لی۔

اُدھر قباد نے نشانی کے لیے اژدہے کے کئی دانت اُکھاڑ کر اپنے پاس رکھے اور واپس شہر کی طرف چلا۔ تھوڑی دُور چل کر ایک خوش نُما باغ میں پہنچا اور ایک درخت کی چھاؤں میں لیٹ کر سستانے لگا۔ گھوڑے کو کُھلا چھوڑ دیا تا کہ گھاس چرتا رہے۔ چند لمحے بعد وُہ غافل ہو کر خرّاٹے لینے لگا۔

اِتنے میں کیشۂ فرنگی وہاں آیا۔ دیکھا کہ شہزادہ درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں گہری نیند سوتا ہے

اور اُس کا وفادار گھوڑا اِدھر اُدھر مزے سے گھاس چر رہا ہے۔ کیشنہ نے اپنی تلوار سے گھوڑے کی گردن کاٹ لی اور پھر خُون سے بھری ہُوئی وہی تلوار ہاتھ میں لیے قباد کی طرف دبے پاؤں بڑھا۔ جب اُس کے سرہانے پہنچا اور تلوار مارنے کے لیے ہاتھ اُوپر اُٹھایا تو ایک جانب سے آواز آئی :

" اے قباد ، ہوشیار ہو۔ کیشنہ جفا پیشہ تلوار مارتا ہے۔"

یہ آواز سُنتے ہی کیشنہ کا دم نکل گیا۔ پلٹ کر دیکھا۔ مگر آواز دینے والا نظر نہ آیا۔ اپنا وہم سمجھ کر پھر تلوار اُٹھائی اور وار کرنے کا اِرادہ کیا۔ اتنے میں پھر وہی آواز پہلے سے زیادہ بُلند یہ کہتی سُنائی دی کہ قباد ، خبردار ہو۔ کیشنہ تجھ پر حملہ کرتا ہے اس مرتبہ شہزادے نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ دیکھا کہ مُوذی کیشنہ تلوار لیے کھڑا ہے۔ اُس نے قباد کو بیدار ہوتے دیکھا تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ قباد اپنے گھوڑے کی طرف لپکا تاکہ کیشنہ کو پکڑے مگر گھوڑے کو مرا ہُوئے پایا۔ اِتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ سامنے سے نقاب دار پلنگینہ پوش

چلا آتا ہے۔ قباد کے نزدیک آ کر وہ اپنے گھوڑے سے اُترا اور کہا:

"کیوں میاں قباد، اِسی برتے پر عُلم شاہ سے مُقابلہ کرنے کی ٹھانی ہے۔ ایک معمُولی شخص تُمھارے گھوڑے کو قتل کر کے بھاگ گیا اور تُم کھڑے مُنہ دیکھتے رہے۔ اب سوچتے کیا ہو۔ جلد میرے گھوڑے پر بیٹھ کر جاؤ اور اس کو پکڑ لاؤ۔"

تب شہزادہ گھوڑے پر سوار ہو کر کیشہ کے پیچھے روانہ ہُوا۔ اُسے بھی یقین ہو گیا تھا کہ قباد ضرور پیچھے آئے گا۔ اس لیے اندھا دُھند بھاگا اور بھاگتے بھاگتے ایسے مُقام پر پہنچا جہاں کوئی لشکر اُترا ہُوا تھا۔ کیشہ نے ایک آدمی سے پُوچھا کہ یہ فوج کس کی ہے؟ اُس نے بتایا کہ شاہ صفا تُرک اس فوج کا مالک ہے۔ کیشہ مکّار نے جھٹ صفا تُرک کے سامنے جا کر ادب سے سلام کیا، اور کہنے لگا:

"اے بادشاہ، میرے تعاقُب میں وہ شخص آتا ہے جس نے موت اعظم پہلوان کو زیر کیا ہے۔ میری جان بچائیے۔"

صفا تُرک نے کیشہ سے کہا "ہرگز نہ گھبرا۔ اُسے یہاں آنے دے۔ ہم خُود نپٹ لیں گے"

اُدھر نقاب دار پلنگینہ پوش شہر قریشیہ میں پہنچا اور موتِ اعظم پہلوان سے سارا واقعہ کہا۔ موتِ اعظم نے ارشی تاجدار اور قریشی تاجدار کو اِطّلاع دی اور وُہ دونوں اپنی فوج لے کر قباد کی مدد کو روانہ ہُوئے۔

تھوڑی دیر بعد شہزادہ قباد کیشہ کو ڈُھونڈتا ہُوا صفا تُرک کے لشکر میں آیا۔ سپاہیوں نے ہرچند اُسے روکنے کی کوشش کی مگر قباد انھیں مارتا کاٹتا برابر آگے بڑھتا چلا گیا۔ آخر صفا تُرک کے سامنے پہنچا اور تلوار سے اِشارہ کر کے کہا:

"جلد بتا۔ وُہ مردُود کیشہ فرنگی کہاں ہے؟"

کیشہ وہیں ایک ستُون کے پیچھے چُھپا کھڑا تھا۔ صفا تُرک نے قباد کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ اِس جوان سے مُقابلہ کرنا جان جوکھوں کا کام ہے اور یُوں بھی کیشہ فرنگی اُس کے دُشمنوں میں سے تھا۔ اِس لیے صفا تُرک کو اُس کے مُقابلے میں قباد کی دُشمنی مول لینے کا کوئی فائدہ نظر نہ آیا۔ وُہ اپنے تخت سے

اُٹھا اور مُسکرا کر کہنے لگا :

"آئیے آئیے ۔ مجھے تو خود آپ کی مُلاقات کا شوق تھا ۔ میری انتہائی خُوش نصیبی ہے کہ آپ تشریف لائے ۔ کیشہ فرنگی تو کیا چیز ہے ، میرا سر بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہے ۔"

صفا تُرک کے اچھے رویّے سے قباد بہت خُوش ہُوا اور اُس کے برابر تخت پر جا بیٹھا ۔ ابھی کچھ باتیں ہُوئی تھیں کہ موتِ اعظم ، ارشی اور قرشی تاجدار بھی آن پہنچے ۔ صفا تُرک نے ان کا بھی استقبال کیا اور احترام سے بٹھایا ۔ پھر کیشہ فرنگی کو طلب کیا ۔ وُہ ہاتھ جوڑے ، نظریں جُھکائے تھر تھر کانپتا ہُوا سامنے آیا ۔ صفا تُرک نے قباد سے کہا :

"اے شہزادے ، یہ اپنی خطا پر نادم ہے ۔ آپ سے معافی چاہتا ہے ۔"

"اے صفا تُرک ، مجھے اِس پر بالکل اعتماد نہیں ۔ یہ پھر دغا کرے گا ۔"

"دوبارہ ایسی حرکت کرے تو آپ کو اختیار ہے جو چاہے سلوک کریں ۔ اس وقت تو اسے معاف کر دیں ۔"

یہ کہہ کر صفا تُرک نے کیشہ کو اِشارہ کیا۔ اُس نے جھٹ جُھک کر قباد کے پَیر پکڑ لیے ــــ آخر شہزادے نے مجبُور ہو کر اُسے معاف کر دیا اور شہر نرشیہ کی طرف واپس ہُوا۔

عَلَم شاہ اور سُلطان سعد کے آنے سے امیر حمزہ کو اتنی خُوشی ہُوئی تھی کہ اُنھوں نے سات دِن تک جشن منانے کا حُکم دِیا تھا۔ اِس کے بعد عَلَم شاہ اور سعد، امیر حمزہ سے اِجازت لے کر قلعہ آہن حِصار کی جانب روانہ ہو گئے۔ شاید ہم آپ کو یہ بتانا بھُول گئے کہ اِس دوران میں نوشیرواں اور بختک وغیرہ بھی مُلکِ فرنگستان میں پہنچ چُکے تھے۔ مرزُوق فرنگی نے نوشیرواں کو اپنے محل میں پناہ دی اور تسلّی دی کہ اب گھبرانے کی ضرُورت نہیں۔ حمزہ کو اُس کی موت میرے پاس کھینچ لائی ہے۔ اب وُہ فرنگستان سے زِندہ بچ کر نہیں جا سکتا۔

آپ کو یاد ہو گا کہ آلا گرد نے اپنے بھائی مالا گرد کو دھوکے سے قید کر لیا تھا۔ لیکن مالا گرد نے آزاد ہو کر آلا گرد سے جنگ کی اور اُسے شکست

دے کر گرفتار کیا اور اُسے ساتھ لے کر عَلم شاہ کے پاس آیا۔ آلا گرد بھی دینِ ابراہیمی میں داخل ہو گیا اب یہ دونوں بھائی عَلم شاہ کے جان نثاروں میں شامل ہیں۔ اب آگے سُنیے کہ کیا ہُوا۔

امیر حمزہ نے جب شہر کورانیہ سے کُوچ کیا تو لوگوں سے پُوچھا کہ اس سے آگے کون سا شہر ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ آگے شہر انوریہ ہے جس کا حاکم انور بادشاہ ہے اور پیکبہ بن اسلم پہلوان اُس کا سپہ سالار ہے۔ تب امیر نے عَمرو سے کہا: "اے خواجہ! اب تم مرزوق فرنگی کے شہر میں جاؤ اور وہاں کی خبر لاؤ۔ ہم شہر انوریہ کی جانب چلتے ہیں۔ ہم سے وہیں آن کر مِلنا۔"

عَمرو عیّار نے سیّارہ رُومی کو اپنے ساتھ لیا اور مرزُوق کے شہر میں داخل ہُوا۔ گھوم پھر کر خُوب سیر تفریح کی۔ اِس اثنا میں معلُوم ہُوا کہ مرزُوق کے اصطبل میں ایک گھوڑا اور شتر خانے میں دو اُونٹ بہترین نسل کے موجُود ہیں۔ عَمرو نے اِن جانوروں کو ہتھیانے کا اِرادہ کیا۔ سیّارہ رُومی کو کُچھ تدبیریں سمجھانے کے بعد رات کے وقت اصطبل کی جانب بھیجا اور خُود شتر خانے کی طرف چلا۔

سیّارہ رُومی جب اصطبل کے دروازے پر پہنچا

تو اندر سے ایک سائیس باہر آیا۔ ستیارہ نے اُسے سلام کرکے کہا۔" کیوں اُستاد، کدھر جاتے ہو؟ خیریت تو ہے؟"

سائیس سمجھا کہ یہ شخص میرا جاننے والا ہے۔ اس نے کہا۔" ارے بھائی، میں اپنے گھر کھانا کھانے جاتا ہوں۔ دو گھنٹے بعد واپس آؤں گا۔"

یہ کہہ کر وُہ چلا۔ ستیارہ اُس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا اور راہ میں ایسی باتیں کیں کہ سائیس ناخوش ہوا اور چیخ کر بولا۔" ابے تُو ہے کون جو میرے ساتھ چمٹا ہُوا ہے؟ میں نے آج سے پہلے تیری شکل نہیں دیکھی۔ جا اپنا راستہ لے۔"

تب ستیارہ عُدمی نے ایک طمانچہ سائیس کے مُنہ پر مارا۔ وُہ بے ہوش ہو کر گرا کیوں کہ ستیارہ نے اپنے ہاتھ پر بے ہوشی کی دَوا مل رکھی تھی۔ اُسے گھسیٹ کر ایک موری میں ڈال دیا۔ اُس کے بعد اپنی صُورت اور حُلیہ اس جیسا بنایا اور تین گھنٹے بعد اصطبل میں گیا۔ وہاں دُوسرے سائیسوں نے اُس سے پُوچھا۔" اِتنی دیر میں واپس آئے ہو۔ خیر تو ہے؟"

نقلی سائیس نے جواب میں کہا۔" ارے یارو، کیا

بتاؤں ۔ میرے بھائی کی سسرال سے چند عورتیں آگئی تھیں ۔ اُن سے باتیں کرنے میں دیر ہو گئی ۔ کچھ مٹھائی ساتھ لائی تھیں ۔ لو تمہارے لیے بھی لایا ہوں ۔"

یہ کہہ کر ایک پوٹلی کھولی اور مٹھائی کی دو دو ڈلیاں سب میں تقسیم کر دیں ۔ سبھوں نے یہ ڈلیاں منہ میں رکھ لیں تو تھوڑی دیر بعد ہر سائیس کو پیاس لگی ۔ اُن میں سے ایک پانی پینے کے ارادے سے اُٹھا مگر اُٹھتے ہی غش کھا کر گرا ۔ باقی سائیس اُسے اُٹھانے کے لیے لپکے لیکن سبھی غش کھا کر دھڑام زمین پر گرے ۔ اب میدان صاف تھا ۔ ستارہ نے گھوڑے پر قبضہ کیا پھر اپنی اصلی صورت پر آیا اور اُسی گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا ۔ ایک جگہ عمرو نے تجویز کر دی تھی کہ وہاں رُک کر میرا انتظار کرنا ۔ چنانچہ ستارہ وہاں پہنچ کر عمرو کا انتظار کرنے لگا ۔

اب عمرو کی سنیے ۔ جب وہ شتر خانے کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ اس کی حفاظت کا بڑا زبردست انتظام ہے اور دروازے سے اندر گھسنا محال ہے ۔ چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھا کہ کدھر سے راستہ ملتا ہے ۔ آخر دیوار پھاند کر اندر پہنچا ۔ وہاں ایک ساربان سو

رہا تھا۔ عَمرو نے دَوائے بے ہوشی کا فلیتہ اُس کی ناک سے لگایا۔ وُہ بے چارہ بے ہوش ہُوا۔ عَمرو نے اُسے تو ایک تاریک گوشے میں ڈالا اور خُود اُس کی صُورت بنا کر شُتر خانے میں داخل ہُوا۔ دیکھا کہ بہُت سے ساربان بیٹھے حُقّہ پی رہے ہیں اور باتیں کرتے جاتے ہیں۔ عَمرو بھی ان میں شامل ہو گیا اور جب باری پر حُقّہ اس کے پاس آیا تو ایک دو کش لینے کے بعد چلم میں دَوائے بے ہوشی مِلا دی۔ اس کے بعد جس ساربان نے بھی دم کھینچا، اسی وقت آنکھیں بند کر کے ایک طرف لُڑھک گیا۔ تب عَمرو نے دونوں اُونٹوں کی مُہار ہاتھ میں لی اور دروازے کی طرف بڑھا۔ وہاں ہتھیار بند پہرے داروں نے پُوچھا:

"اے ساربان، اس وقت اُونٹوں کو کہاں لیے جاتے ہو؟"

نقلی ساربان نے جواب میں کہا۔ "تُم کو معلُوم نہیں بادشاہ سلامت نے حُکم دیا تھا کہ دو پہر رات گئے دونوں اُونٹ درِ دولت پر آئیں۔ ہم نے اُڑتی سی خبر سُنی تھی کہ کوئی شخص امیر حمزہ نامی اپنی فوج لے کر فرنگستان میں آیا ہے اور ہمارے بادشاہ سے لڑنا

چاہتا ہے۔ چُناں چہ بادشاہ اور وزیر دونوں جائیں گے اور حمزہ کا سر کاٹ کر لائیں گے۔ خبردار، یہ بات کسی سے نہ کہنا۔ بالکل راز میں رکھنا۔ ورنہ غضب ہو جائے گا۔"

ساربان کی یہ بات سُن کر تمام پہرے دار دنگ رہ گئے اور اُنھوں نے اُونٹوں کو لے جانے کی اِجازت دے دی۔ اب عَمرو عیّار وہاں آیا جہاں سیّارہ رُومی اِنتظار کر رہا تھا۔ دونوں نے اپنی صُورتیں سوداگروں کی سی بنائیں اور امیر حمزہ کے لشکر کی جانب روانہ ہُوئے۔ صُبح سویرے وہاں پہنچ گئے۔ یہ جانور اِتنے خُوب صُورت تھے کہ جس کی نظر ان پر پڑی، وہی اِنھیں خرید لینے کے لیے بے چین ہُوا۔ آخر گھوڑا بہرام خاقانِ چین نے اور اُونٹ لندھور نے مُنہ مانگی قیمت دے کر لے لیے۔ عَمرو نے اس مال کا چوتھائی حِصّہ سیّارہ کو دیا اور باقی اپنی اَنٹی میں دبایا۔

اب اُدھر کی سُنیے۔ جب سائیسوں اور ساربانوں کو ہوش آیا تو دیکھا کہ گھوڑا اور اُونٹ غائب ہیں اُنھوں نے غُل مچایا۔ پہرے داروں تک خبر پہنچی تو اُنھوں نے کہا کہ ایک ساربان آدھی رات کے بعد

دونوں اُونٹوں کو لے کر بادشاہ کے محل کی جانب گیا تھا۔ ہوتے ہوتے مرزُوق فرنگی تک خبر پہنچ گئی۔ اس نے جاسُوسوں کو حُکم دیا کہ جس شخص نے یہ حرکت کی ہے، اُسے تلاش کر کے ہمارے سامنے پیش کرو۔ بختک نامُراد بھی اُس وقت مرزُوق کے پاس بیٹھا تھا۔ جب اُس نے سارا قصّہ سُنا تو کھلکھلا کر ہنسا اور کہنے لگا:

"یہ حرکت عمرو کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی اور اس کا گرفتار ہونا محال ہے۔"

بختک کا یہ کلمہ سُن کر مرزُوق کو جلال آیا۔ اپنے عیّار برق فرنگی کو طلب کر کے حُکم دیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو، عمرو عیّار کو گرفتار کر کے لا۔ اِنعام سے مالا مال کر دُوں گا۔

برق فرنگی اسی وقت اپنے شاگردوں سمیت عمرو کی تلاش میں روانہ ہُوا اور سیدھا امیر حمزہ کے لشکر میں آیا۔ اُن سے مُلاقات کی اور کہا "میں مرزُوق فرنگی کا درباری عیّار برق فرنگی ہُوں۔ ہمارے بادشاہ کو شکایت ہے کہ آپ کا عیّار عمرو ہمارے دو قیمتی اُونٹ اور ایک گھوڑا چُرا لایا ہے۔ براہِ کرم یہ تینوں

جانور واپس کیجیے۔ شریفوں کو اُچکا پن زیب نہیں دیتا۔"

برق کے یہ کلمات سُن کر امیر حمزہ کو تاؤ آیا۔ اُسی وقت عمرو کو بُلا کر پُوچھا کہ برق فرنگی کیا کہتا ہے۔ امیر کو جلال میں دیکھ کر عمرو کو غلط بیانی کی جُرأت نہ ہوئی۔ مُنہ بنا کر یُوں کہا:

"صاحب، لعنت ہے اِس مردُود مرتدق فرنگی پہ گدھا کہیں کا ـــــ ایک خچر اور دو مریل سے اُونٹوں پر اس کا دم نکلا جاتا ہے۔"

"میں پُوچھتا ہُوں یہ جانور کہاں ہیں؟ جلد حاضر کرو۔" امیر حمزہ نے کہا۔

"جانور اب میرے پاس رکھے ہیں جو حاضر کروں" عمرو نے کہا۔ "گھوڑا بہرام نے اور اُونٹ لندھور نے خرید لیے تھے۔ اِنھی کے پاس ہوں گے۔"

تب امیر نے بہرام اور لندھور کو بُلایا اور اُن سے کہا کہ عمرو نے یہ شرارت کی ہے۔ بولو، تم کیا کہتے ہو؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ ہم جانور واپس کیے دیتے ہیں۔ مگر عمرو سے ہمارا روپیہ واپس دلوائیے۔ عمرو یہ سُن کر طیش میں آیا اور کہنے لگا

یارو، کیا مذاق ہے؟ میں روپیہ کہاں سے دُوں؟ وُہ تو میں نے سب قرض میں ادا کر دیا۔"

آخر امیر حمزہ نے بہرام اور لندھور کو اپنے پاس سے رقم ادا کی اور یہ جانور برق فرنگی کے حوالے کر کے کہنے لگے۔ "اپنے آقا مرزُوق سے کہنا کہ میں بہُت جلد اس کی خبر لینے کے لیے آ رہا ہُوں۔ تیّار رہے۔"

برق فرنگی وہاں سے چلا اور سیدھا مرزُوق کے پاس آیا۔ اس نے جانور اصطبل میں بھجوائے اور برق سے پُوچھنے لگا کہ امیر حمزہ کا لشکر کس مُقام پہ ہے اس نے بتایا کہ وُہ قلعۂ انوریہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مرزُوق کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی سخت گھبرایا اور اپنے سرداروں سے کہا:

تُم میں سے کوئی لشکر لے کر جائے اور حمزہ کا راستہ روکے۔ ورنہ وہ شہر اور قلعۂ انوریہ پر قبضہ کر لے گا۔"

یہ سُنتے ہی سریہ آہن اور فریہ آہن نام کے دو پہلوان اُٹھ کھڑے ہُوئے اور کہنے لگے۔ "جہاں پناہ، اگر اجازت ہو تو ہم دونوں غُلام اِس خدمت کے

لیے حاضر ہیں۔"

"اجازت ہے۔ ہم تمھاری اس مستعدی پر خوش ہوئے۔" مرزوق نے کہا۔ پیکر بن اسلم بھی جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ برق فرنگی نے بھی جانے کا ارادہ ظاہر کیا اور دعویٰ کیا کہ میں ضرور عمروِ عیار کو باندھ کر لاؤں گا۔

غرض یہ سب پہلوان کئی لاکھ سپاہی لے کر امیر حمزہ کو روکنے کے لیے روانہ ہوئے۔ اُن کے آنے کی خبر اپنے جاسوسوں کے ذریعے امیر کو بھی معلوم ہوئی۔ انھوں نے جھٹ لندھور کو حکم دیا کہ اپنی فوج لے کر تیز رفتاری سے آگے بڑھو اور قلعۂ الوریہ پر قبضہ کر لو۔ لندھور نے اپنی مدد کے لیے عادی پہلوان اور استفتا نوش کو ساتھ لیا اور آندھی کی طرح شہر الوریہ پر آیا لیکن دشمن بھی تیز رفتار نکلا جب لندھور شہر کے نزدیک پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ مرزوق کی فوج اس سے پہلے ہی شہر کے قریب آ چکی ہے اور ایک وسیع میدان میں اُن کے خیمے لگے ہیں۔ لندھور نے بھی کچھ فاصلے پر ڈیرے ڈال دیے اور زور شور سے جنگ کی تیاری ہونے لگی۔

ساری رات دونوں طرف کے سپاہی اپنے اپنے ہتھیار صاف کرتے رہے۔ صُبح مُنہ اندھیرے سریہ آہن اور فریہ آہن نے طبلِ جنگ بجوایا۔

لندھور نے جب یہ آواز سُنی تو اپنی فوج کو بھی نقّارے بجانے کا حُکم دیا۔ نقارچیوں نے حُکم کی تعمیل کی اور نقّاروں پر زور شور سے چوب پڑنے لگی۔ آخر دونوں فوجیں میدان میں آئیں اور صفیں باندھنے لگیں۔ تب پیکر بن اسلم پہلوان ایک سیاہ ہاتھی پر سوار ہو، بارہ من کا گرزِ فولادی سنبھالے نعرے لگاتا سامنے آیا اور پُکار کر کہا:

"جس کو موت کی آرزُو ہو، وُہ میرے مُقابلے میں آئے۔ دم بھر میں دُوسری دُنیا تک پہنچا دیتا ہُوں۔"

سب سے پہلے استغنا نوش مُقابلے پر آیا۔ اسلم اور استغنا نوش کی خوف ناک جنگ دو روز تک ہُوئی آخر استغنا نوش زخمی ہو کر واپس آیا۔ اگلے دِن عادی پہلوان میدان میں نکلا۔ اُسے دیکھ کر پیکر بن اسلم نے قہقہہ لگایا اور کہا۔"ابے او، گوشت پوست کے پہاڑ تُو کون ہے؟"

عادی نے توند پر ہاتھ پھیرتے ہُوئے جواب دیا،
"تُم مجھے نہیں پہچانتے؟ افسوس کیا زمانہ آیا ہے۔"
یہ سُن کر پیکر کو طیش آیا۔ بارہ من کا گُرز گُھما کر عادی کے سر پر مارا۔ عادی نے اپنے پیٹ پر یہ وار روکا اور اس کی ضرب سے ایسی ہولناک آواز پیدا ہُوئی جیسے آسمان پھٹ پڑا ہو۔ عادی نے زبردست قہقہہ لگایا اور اسلم سے کہا:
"جا، تُو بھی کیا یاد کرے گا۔ تجھے دو وار اور دیے۔"
اسلم نے پُوری قُوّت سے دو حملے اور کیے۔ لیکن عادی چٹان کی مانند اپنی جگہ جما رہا اور جب اُس نے دیکھا کہ اسلم بُری طرح ہانپ رہا ہے، تب اُس نے اُچھل کر ایسی لات اُس کے سینے پر جمائی کہ اُس نے بہتر لُڑھکنیاں کھائیں اور اُس کا سر پھٹ گیا۔ اِس سے پہلے کہ وُہ اُٹھ کر عادی کے سامنے آتا، ایک دو لاتیں اور چار پانچ گھُونسے اور پڑ گئے۔ اسلم غش کھا کر گرا اور تڑپنے لگا۔
یہ دیکھ کر سریرِ آہن اور فریبِ آہن نے اپنی فوج کو عام حملے کا حُکم دیا۔ اِدھر لندھور کی فوج بھی تیار

تھی ۔ غرض دونوں فوجوں میں وہ گھمسان کی لڑائی ہوئی کہ بیان میں نہیں آ سکتی ۔ سر، دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے ۔ زخمیوں کی چیخ پکار ۔ ہاتھیوں کی چنگھاڑ ۔ اور مرنے والوں کی فریاد نے مل جل کر ایسا شور پیدا کر دیا تھا کہ جس کے سامنے قیامت کا شور بھی ماند پڑ جائے ۔

لندھور جدھر کا رُخ کرتا تھا پرے کے پرے صاف کر دیتا ۔ کبھی گُرز سے لڑتا ، کبھی تلوار چلاتا ۔ اُس نے لاشوں پر لاشیں بچھا دیں ۔ جو سامنے آیا بچ کر نہ گیا ۔ آخر سریر آہن اور فریر آہن بھی لندھور کے ہاتھوں مارے گئے ۔ تب اُن کی فوج نے راہِ فرار اِختیار کی اور لندھور نے بڑھ کر قلعۂ اندریہ پر قبضہ کر لیا ۔ اس کے بعد امیر حمزہ کے پاس ایک قاصد فتح کی خوش خبری لے کر روانہ ہُوا ۔

کیشہ زنگی نے یہ عہد کیا تھا کہ آئندہ کوئی شرارت نہ کرے گا لیکن وُہ اپنے عہد پر قائم نہ رہ سکا ۔ اور شہزادہ قباد کو نیچا دکھانے کی تدبیریں سوچنے لگا آخر ایک دن اُس نے قباد سے کہا :

اِس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ آپ نہایت تندرست اور جی دار آدمی ہیں۔ مگر ہم نے سُنا ہے کہ آپ کے والد امیر حمزہ نے کوہ قاف میں دیووں اور پریوں سے جنگ کی تھی اور شدّاد جادُوگر کو بھی مارا تھا۔"

"ہاں، ساری دُنیا امیر حمزہ کے اِس کارنامے سے واقف ہے۔" قباد نے جواب دیا۔

"کیا آپ بھی جادُوگروں کا مُقابلہ کر سکتے ہیں؟ میرا تو خیال ہے کہ آپ میں یہ حوصلہ نہ ہو گا۔" کیشہ نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔

"چُپ گستاخ ۔ زبان بند کر۔" قباد نے گرج کر کہا۔" ہمارے سامنے جادُو اور جادُوگر کیا حقیقت رکھتے ہیں؟"

"گستاخی کی معافی چاہتا ہُوں حضوؔر۔" کیشہ نے سر جُھکا کر مکّاری سے کہا۔" مگر مُنہ سے دعویٰ کر دینا اور بات ہے اور عمل کر کے دکھا دینا کچھ اور معنی رکھتا ہے۔"

اب تو شہزادہ قباد کے صبر کی اِنتہا ہو گئی۔ سمجھ گیا کہ کیشہ زنگی کے دِل میں بُرائی ہے اور یہ اِنتقام لینے پر تُلا ہُوا ہے۔ اُس نے دانت پیس کر کہا۔

"زیادہ بک بک نہ کر ورنہ زبان کھینچ لوں گا۔ تُو اگر میرا امتحان لینا چاہتا ہے تو لے لے۔"

"حضور، میری کیا مجال کہ آپ کا اِمتحان لوں۔ وہ تو میں نے یُونہی ایک بات کہی تھی۔"

"نہیں نہیں۔ ہم تیری بات خُوب سمجھتے ہیں۔ اب تجھے بتانا ہو گا کہ تُو چاہتا کیا ہے۔" قباد نے کہا۔

"بہت بہتر جناب والا۔ عرض کرتا ہُوں۔" گیشنہ نے کہنا شروع کیا۔ "یہاں سے ہزار کوس شمال کی جانب ایک بہت بڑا پہاڑ ہے۔ کہتے ہیں اُس پر ایک طلسم بنا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وُہ طلسم کیا ہے۔ اور کِس نے بنایا ہے۔ صرف اِتنا معلُوم ہے کہ جو شخص اِس طلسم میں گرفتار ہو جاتا ہے پھر صحیح سلامت واپس نہیں آتا۔ آپ وہاں جا کر اِس طلسم کی خبر لائیے۔"

"اچھا، ہم تیری یہ خواہش بھی پُوری کریں گے۔" قباد نے کہا۔ "لیکن شرط یہ ہے کہ تجھے ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا۔"

یہ سُنتے ہی گیشنہ زنگی کے اوسان خطا ہُوئے۔ قدم چُوم کر بولا۔ "حضور، مُجھے وہاں نہ لے جائیے۔ میرے چھوٹے چھوٹے بال بچے ہیں۔ میں واپس نہ

آیا تو اُن کی پرورش کون کرے گا۔ ہاں، شاہ صفا تُرک کو لے جائیے تو کچھ مضایقہ نہیں۔"

موتِ اعظم پہلوان کو جب یہ باتیں معلوم ہُوئیں تو اس نے قباد کو روکنے کی کوشش کی مگر وُہ ضد کا پکّا تھا ایک نہ سُنی۔ آخر موتِ اعظم خاموش ہو رہا۔ تین دِن بعد ارشی، قرشی، موتِ اعظم، شہزادہ قباد اور شاہ صفا تُرک اِس عجیب طلسم کی خبر لانے کے لیے شمال کی جانب روانہ ہُوئے۔ ان کے ساتھ فوج کا ایک دستہ بھی تھا۔

تین ماہ دِن رات سفر کرنے کے بعد یہ قافلہ اس عظیم پہاڑ کے دامن میں پہنچا جس کی چوٹی پر وُہ طِلسم بنا تھا۔ قریب ہی لکڑی کی ایک تختی پر یہ الفاظ لکھے نظر آئے۔

"اے شخص اِس پہاڑ کی چوٹی پر جانے کا ارادہ چھوڑ دے۔ کیوں کہ یہ ایک خوف ناک جگہ ہے۔ تُو آفت میں گھر جائے گا اور پھر تجھے اپنے گھر جانے کی مُہلت نہ مِلے گی۔ اِس کا نام طِلسم ضحاکیہ ہے۔"

قباد نے تلوار مار کر یہ تختی درمیان میں سے

چیر دی۔ تختی کے ٹوٹتے ہی ایک تڑاخا سا ہُوا اور اِس میں آگ لگ گئی۔ قباد حیران رہ گیا۔ اب ان لوگوں نے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنا شروع کر دیا۔

اوپر پہنچ کر دیکھا کہ ایک تاریک اور گہرا غار ہے۔ جس میں نیچے اُترنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہُوئی ہیں۔ لیکن غار کے اندر دھواں سا اُٹھ رہا ہے۔ قباد نے فوج کے ایک سپاہی کو غار میں اُترنے کا اِشارہ کیا۔ جُونہی اُس نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا، آسمان پر ایک گُونج سی ہُوئی، پھر ایک بہت بڑا فولادی پنجہ تیزی سے نیچے آیا اور اس سپاہی کو دبا کر دوبارہ آسمان کی طرف اُڑ گیا۔

یہ تماشا دیکھ کر قباد کے رونگٹے کھڑے ہُوئے اپنے ساتھیوں کی جانب دیکھا۔ وُہ بھی خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ آخر ارشی اور قرشی تاجدار نے کپکپاتے ہُوئے کہا:

"جہاں پناہ، یہاں سے فوراً نکل چلیے۔ ہم سب کسی مُصیبت میں گھِر جائیں گے۔"

"ہرگز نہیں" قباد نے کہا۔" میں اِس طلسم کو

فتح کر کے رہوں گا۔ ایسے شعبدے مجھے ڈرا نہیں سکتے۔"

پھر اُس نے موتِ اعظم، صفا تُرک اور ارشی د قرشی کو غار کے دہانے سے پرے ہٹ جانے کی ہدایت کی اور اُس کے بعد ایک پتھر پر بیٹھ کر خُدا کو یاد کیا۔ اس کیفیت میں آنکھ لگ گئی۔ قباد نے خواب میں ایک نُورانی بُزرگ کو دیکھا کہ وُہ قریب آئے اور شفقت سے سر پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگے:

"اے قباد، ہرگز ہرگز اِس غار میں مت اُترنا البتّہ یہاں سے کچھ دُور دائیں ہاتھ پر ایک اور غار ہے۔ اُس میں چلا جا۔ وہاں ایک کنواں ملے گا۔ اس کنویں کے اندر اُتر جانا۔ تہہ میں ایک دروازہ نظر آئے گا۔ جب تُو اِس دروازے کو کھولے گا تو ایک پُرفضا باغ میں اپنے آپ کو پائے گا۔ اِس باغ کو عبُور کر کے آگے چلے جانا۔ خبردار، کبھی پھُول یا پھل کو توڑنے کی کوشش مت کیجیو۔ ورنہ آفت میں پڑ جائے گا۔ باغ کے آخری کونے پر ایک عالی شان مینار بنا ہُوا ہے۔ اُوپر جانے کے لیے ایک سو سیڑھیاں ہیں۔ ایک ایک سیڑھی چھوڑ کر

اُوپر چڑھ جانا۔ خبردار، اگر کبھی دُوسری سیڑھی پر پاؤں رکھا تو جل کر خاک ہو جائے گا۔" یہ کہہ کر وُہ بُزرگ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

شہزادے کی آنکھ کُھلی، دوستوں سے خواب کا ذکر کیا اور رُخصت ہو کر غار کی تلاش میں چلا۔ جیسا کہ اُس بُزرگ نے کہا تھا، دائیں ہاتھ پر ایک گہرا غار دِکھائی دیا۔ قباد اُس کے اندر گیا۔ پھر کنواں نظر آیا اُس کے اندر اُترنے کے لیے دیواروں میں میخیں لگی ہُوئی تھیں۔ قباد خُدا کا نام لے کر کنوئیں میں اُترنے لگا لیکن تہہ کا کہیں پتا نہ تھا۔ چاروں طرف گہری تاریکی تھی اور بدبُو ۔۔۔ بہت دیر بعد قباد کے پاؤں زمین سے لگے اور ہلکی ہلکی روشنی نظر آنے لگی۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک دروازے کے قریب کھڑا ہے۔ قباد نے دروازہ کھولا تو حیرت سے دانتوں میں اُنگلی داب لی۔

ایسا خُوش نُما اور پُر فضا باغ اُس نے زندگی میں پہلے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ اِس باغ کی ہر شے نرالی اور عجیب تھی۔ گھاس اور پودوں کا رنگ چمک دار سُنہری تھا۔ پھُول ایسے کہیں دیکھے نہ سُنے۔ کوئی اُلّو

کی شکل کا تھا تو کوئی چمگادڑ کی صورت کا۔ اِن کے رنگ بھی دُنیا سے نرالے تھے۔ درختوں پر سُرخ، سیاہ اور پیلے رنگ کے عجیب عجیب پھل لٹک رہے تھے اور ان پھلوں سے جو رس نکل رہا تھا وُہ خُون کی طرح سُرخ اور گاڑھا تھا۔ قباد کو بعض پھل اِتنے اچھے لگے کہ بے اختیار توڑ کر کھانے کو جی چاہا مگر اُسی وقت بُزرگ کی نصیحت یاد آئی اور اُس نے اپنا اِرادہ بدل دیا۔

غرض باغ کی سیر کرتا ہُوا اور حیران ہوتا ہُوا شہزادہ قباد اُس عالی شان مینار کے نزدیک پہنچا جس کا گنبد آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ اِس مینار میں خاص بات یہ تھی کہ جب زور سے ہَوا چلتی تو وُہ کانپنے لگتا اور یُوں محسوس ہوتا جیسے ابھی گر پڑے گا۔ قباد اِس کے اندر گیا اور نہایت اِحتیاط سے ایک سیڑھی چھوڑ کر اگلی سیڑھی پر قدم دھرتا ہُوا اُوپر چڑھنے لگا۔ جُونہی آخری حصّے میں پہنچا، ایک ہولناک شور برپا ہُوا اور سُرخ آندھی آئی۔ قباد نے دونوں ہاتھوں میں اپنا مُنہ چھپا لیا۔ آندھی دیر تک چلتی رہی اور ایسی آوازیں آئیں جیسے ہر طرف ہاتھی چنگھاڑ

ہوں اور شیر گرج رہے ہوں۔

آخر شہزادے نے آنکھیں کھولیں اور دیکھا کہ وہاں نہ باغ ہے نہ مینار۔ بلکہ ایک لق و دق صحرا ہے۔ شہزادہ ایک طرف کو چل پڑا اور نہایت مصیبت اُٹھاتا ہُوا کئی دِنوں میں ایک نخلستان کے نزدیک پہنچا۔ وہاں ایک چشمہ رواں تھا۔ اس میں سے پانی پیا اور آگے چلنے کی تیاری کی۔ اِتنے میں گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز کان میں آئی۔ دیکھا کہ درخت سے ایک خوب صُورت سیاہ گھوڑا بندھا ہے۔ اور محبّت کی نظروں سے قباد کو دیکھ رہا ہے۔

قباد نے اُس کی گردن پر تھپکی دی۔ گھوڑا خوشی سے اُچھلنے کُودنے لگا۔ تب قباد نے اُسے کھولا اور خُدا کا نام لے کر اُس کی پیٹھ پر سوار ہُوا۔ گھوڑے پر بیٹھنا تھا کہ وُہ سرپٹ دوڑا، اور آناً فاناً کوسوں دُور نکل گیا۔ شہزادہ اُس کی ایال تھامے پیٹھ سے چمٹا رہا۔ آخر صحرا کی حد ختم ہُوئی اور ایک سنگین قلعے کے آثار دِکھائی دیئے۔ گھوڑے نے ایک دروازے کے قریب شہزادے کو پٹخا اور جدھر سے آیا تھا، دوڑتا ہُوا اُسی طرف کو

چلا گیا۔

شہزادہ قباد نے قلعے کو دیکھا۔ اس کی لمبائی چوڑائی کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ جا بجا لوہے کے دروازے لگے ہوئے تھے اور اونچی بُرجیوں میں سپاہی پہرا دے رہے تھے۔ ابھی قباد حیران و پریشان کھڑا یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کروں کہ اِتنے میں مشرق کی جانب سے گرد کا ایک بادل اُٹھا اور ایک لشکرِ جرّار نمودار ہُوا۔ اس لشکر کے آگے آگے ایک جوان چہرے پر نقاب ڈالے اور سُرخ جھنڈا ہاتھ میں لیے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا آ رہا تھا۔ قباد کے نزدیک پہنچ کر یہ نقاب پوش رُکا۔ گھوڑے سے اُتر کر سلام کیا اور کہنے لگا:

"حضُور، میں آپ کا خادم ہُوں۔ میرا نام یاقُوت پوش ہے اور یہ چالیس ہزار سوار میرے غلام ہیں۔"

"مرحبا۔ خُوش آمدید۔" قباد نے جواب دیا۔

اِتنے میں مغرب کی جانب سے گرد اُڑی اور ایک عظیم فوج آتی دِکھائی دی۔ اس فوج کے آگے بھی ایک نقاب پوش تھا جس کے ہاتھ میں نیلے

رنگ کا جھنڈا تھا۔ یہ نقاب پوش بھی قباد کے قریب آن کر گھوڑے سے اُترا۔ سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر بولا:

"جہاں پناہ، میرا نام فیروز پوش ہے اور یہ اسّی ہزار جوان میرے غلام ہیں۔"

"مرحبا۔ اے فیروز پوش، مرحبا!" قباد نے کہا۔ اتنے میں شمال کی طرف سے ایک اور لشکر آیا جو پہلے دونوں لشکروں سے بڑا تھا

اِس کی رہنمائی نقاب دار سبز پوش کر رہا تھا اس نے بھی شہزادے کو سلام کیا۔ پھر جنوب کی طرف سے ایک اور فوج آئی جس کے جوانوں کی تعداد اَن گنت تھی۔ اس کا سردار نقاب دار سفید پوش تھا جس کے ہاتھ میں سفید پھریرا لہرا رہا تھا۔ اِن چاروں نے قباد سے کہا:

"ہم آپ کو یہاں کی بادشاہت ملنے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ کئی روز ہوئے یہاں کا بادشاہ مر گیا۔ کئی آدمی بادشاہ بنائے گئے مگر کوئی بھی بادشاہت کے لائق نہیں تھا اس لیے سب کو ہم نے مار ڈالا ہے۔ اب ایک میدان میں جشن منایا

جائے گا جس میں رسمیں ادا کرنے کے بعد آپ کے سر پر تاجِ شاہی رکھا جائے گا۔ اگر آپ نے ہماری باتیں مان لیں تو خیر ورنہ اِسی تاجِ شاہی میں سے ایک شعلہ نکلے گا اور آپ کو جلا کر کوئلہ کر ڈالے گا۔"

شہزادہ دِل میں حیران ہُوا اور سوچنے لگا کیا جواب دُوں کہ یکایک ایک پُراسرار آواز کان میں یہ کہتی ہُوئی سُنائی دی۔" شہزادے، سوچنا کیا ہے سب شرطیں مان لے۔"

تب قباد نے مُسکراتے ہُوئے اِن چاروں نقاب پوشوں سے کہا۔" بادشاہت کو کون چھوڑتا ہے۔ مجھے آپ کی سب شرطیں منظور ہیں۔"

نقاب پوش شہزادے کو ساتھ لے کر قلعے کے اندر گئے اور ان کے لشکر باہر ہی ٹھہرے۔ قلعے کے اندر ایک دُنیا آباد تھی۔ آسمان سے باتیں کرتی ہُوئی عمارتیں، خُوب صُورت باغ، صاف سُتھرے بازار دُکانوں میں ہر قسم کا مال بھرا ہُوا۔ گلی کُوچوں میں لوگوں کا ہجُوم۔ نقاب پوشوں نے ایک عالی شان محل میں شہزادے کو رکھا۔ خدمت کے لیے نوکر

چاکر مقرر کیے اور ہر طرح کے آرام کا سامان بہم پہنچایا۔ کہتے ہیں شہزادہ بہت دن تک اِس عجیب شہر میں رہا۔ اِس دوران میں چالیس نقاب پوش باری باری شہزادے کی خدمت میں حاضر رہے آخر ایک دن قباد نے پُوچھا:

"وُہ جشن کب ہو گا اور ہمیں بادشاہ کب بنایا جائے گا؟"

نقاب پوشوں نے جواب میں کہا "اے شہزادے اِتنی جلدی کیا ہے؟ سب انتظام ہو جائے گا۔ چند روز قلعے کی سیر کیجیے۔ اپنا دل شاد رکھیے۔"

یہ سُن کر قباد خاموش ہو رہا۔ ایک روز قلعے کے مشرقی حصّے کی سیر کو نکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سُرخ پتھروں کا بنا ہُوا ایک عالی شان مکان ہے جس کی کھڑکیوں اور دروازوں پر کمخواب اور ریشم کے خُوب صُورت پردے پڑے ہیں — شہزادہ بے تکلّف اس مکان میں چلا گیا۔ ایک بہت بڑے کمرے میں بیش قیمت قالین بچھا تھا۔ جا بجا خادمائیں ادب سے کھڑی تھیں۔ درمیان میں ایک سُنہری تخت پر شہزادی خورشید جہاں اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ

میں یوں بیٹھی تھی جیسے ستاروں کے درمیان چاند۔
جب اُنھوں نے قباد کو دیکھا تو اِستقبال کو آئیں
اور لے جا کر تخت پر بٹھایا۔ شہزادی کے دائیں بائیں
دو بوڑھی عورتیں بھی بیٹھی تھیں۔ یہ دونوں جادوگرنیاں
تھیں۔ ایک کا نام سمن جادو اور دُوسری کا یاسمن جادو
تھا۔ شہزادی نے کہا:
"ہم نے آپ کی بڑی تعریف سُنی تھی۔ آج اپنی
آنکھوں سے دیکھ بھی لیا۔ جیسا سُنا تھا، اُس سے بڑھ
کر پایا۔"
شہزادہ یہ سُن کر خوش ہُوا اور اُس کا شکریہ ادا
کر کے بولا۔ "مجھے یہاں آئے ہُوئے اِتنے دن ہو
گئے ہیں اور ابھی کچھ معلوم نہیں کہ کتنا عرصہ اور
رہنا پڑے گا۔" پھر اُس نے چاروں نقاب پوشوں
کا قِصّہ سُنایا۔ تب شہزادی نے سرد آہ بھری اور
کہنے لگی:
"اے شہزادے، میں بادشاہ فیروز کی بیٹی ہُوں
میرا باپ اس طِلسم کا مالِک تھا۔ جب وُہ مر گیا
کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔ اب جو شخص اِس طِلسم
آتا ہے اُس کے سر پر تاج رکھ کر تخت پر بٹھا

ہیں۔ چند دن بعد ضحاک جادو دیو بن کر اور ہاتھ میں کمان لے کر آتا ہے اور اسے مار ڈالتا ہے۔ کبھی زمانے میں یہ مردود میرے باپ فیروز شاہ کا وزیر تھا۔ اب وہ خود تخت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔"

یہ کہہ کر شہزادی رونے لگی۔ قباد کو اُس پر بڑا ترس آیا۔ تسلّی دیتے ہوئے بولا۔" اے شہزادی، غم نہ کر۔ خدا نے چاہا تو میں ضحاک جادو کو جہنم رسید کروں گا۔"

سمن جادو اور یاسمن جادو نے جب یہ الفاظ سُنے تو غصّے سے لال پیلی ہو گئیں۔ دراصل اِن دونوں کو ضحاک نے یہاں بھیج رکھا تھا تاکہ شہزادی کی حفاظت کرتی رہیں۔ قباد نے نیام سے تلوار کھینچی اور اِن دونوں کے سر قلم کیے۔ ان کا مرنا تھا کہ مکان خُشک پتّے کی طرح کانپنے لگا۔ کنیزیں اور خادمائیں مارے ڈر کے چیخنے چِلّانے لگیں۔ پھر ایک بھیانک گرج سُنائی دی دُھویں کا ایک ہیبت ناک بادل آسمان سے آیا اور اس کے اندر سے ضحاک جادو، کانے دیو کی شکل میں برآمد ہُوا اُس کے ہاتھ میں بارہ گز

چوڑی کمان اور چار گز لمبا تیر تھا۔

اِس جادوگر نے کمان میں تیر جوڑ کر قباد پر چلایا۔ قباد نے اسی وقت اسمِ اعظم پڑھ کر پھونک ماری تیر آدھے راستے ہی سے پلٹ گیا اور ضحاک دیو کے حلق پر لگا۔ وہ اُسی وقت دھم سے زمین پر گرا اور تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ ضحاک جادو کا مرنا تھا کہ قلعے میں ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ چاروں نقاب پوشوں نے آن کر قباد کے قدموں کو بوسہ دیا اور اس کی تاج پوشی کے اِنتظامات کرنے لگے۔ اگلے روز نہایت دُھوم دھام سے قباد کی تاج پوشی ہُوئی۔ اب قباد کو اپنے ساتھی یاد آئے، جنھیں غار کے مُنہ پر چھوڑ آیا تھا۔ اُسی وقت نقاب پوشوں کو روانہ کیا۔ وہ گئے اور اپنے ساتھ قرشی، ارشی، صفا تُرک اور موتِ اعظم پہلوان کو لے آئے۔ موتِ اعظم نے قباد کے کان میں کہا:

"حضُور، آپ تو یہاں آرام فرما رہے ہیں اور اُدھر شہزادی ماہ سیما کا نہ جانے کیا حال ہُوا ہو گا۔" "اُف، ہم سے بڑا قصُور ہُوا۔ اب فوراً وہاں

پہنچنا چاہیے۔" قباد نے کہا۔ پھر شہزادی خورشید جہاں سے کہا کہ ہم کچھ عرصے کے لیے ایک مہم پر جاتے ہیں۔ خدا نے چاہا تو جلد واپس آئیں گے۔ جب تک تم سلطنت کا کاروبار سنبھالو۔ شہزادی نے جانے کی اجازت دے دی۔ تب قباد سوا لاکھ فوج لے کر وہاں سے چلا اور شہر فرشیہ میں آن کر ماہ بیمار سے ملا۔ وہ قباد کو زندہ سلامت دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ کیشہ فرنگی بھی خوف سے ہانپتا کانپتا حاضر ہوا اور قباد کے پیروں پر گر کر کہنے لگا:

"جہاں پناہ، آپ واقعی شہ زور ہیں۔ میں سچے دل سے آپ کی اطاعت قبول کرتا ہوں۔"

چند دن بعد قباد نے سنا کہ امیر حمزہ بھی ملکِ فرنگستان میں آئے ہیں۔ یہ خبر سن کر قباد کے خون نے جوش مارا۔ باپ سے ملنے کو دل تڑپنے لگا اسی وقت اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیا تاکہ امیر حمزہ کے پاس جلد از جلد پہنچ جائے۔ ایک رات صحرا میں قیام ہوا۔ صبح ہونے میں ابھی کچھ دیر تھی کہ نقاب دار پلنگینہ پوش نمودار ہوا اور قباد کی فوج سے لڑنے لگا۔ آناً فاناً سینکڑوں سپاہی کاٹ

کر ڈال دیے۔ قباد کو خبر ہوئی تو غیظ و غضب میں آن کر کہنے لگا:

"میں ابھی اِس نقاب دار کی گردن تن سے الگ کرتا ہوں۔"

وُہ ہتھیار باندھ کر میدان میں آیا اور نقاب دار پلنگینہ پوش کے سامنے پہنچ کر کہا۔ "او بے ادب، خبردار۔ میں آن پہنچا۔"

یہ کہہ کر قباد نے تلوار ماری۔ نقاب دار کے گھوڑے کی گردن کٹ کر دُور جا گری۔ نقاب دار اُلٹ کر نیچے گرا۔ قباد بھی اپنے گھوڑے سے زمین پر کُودا، تلوار پھینک دی اور نقاب دار کو کمر سے پکڑ لیا۔ دونوں میں کُشتی ہونے لگی۔ کہتے ہیں تین دن اور تین راتیں لگاتار کُشتی ہوتی رہی آخر نقاب دار کے بازو شل ہو گئے۔ وُہ کہنے لگا:

"اے قباد، میں فقط تیرا اِمتحان کرتا تھا۔ اب تُو بے شک عَلَم شاہ سے مُقابلہ کرنے کے لائق ہو گیا ہے۔"

تب قباد نے نقاب دار کی آواز سُن کر اُس کو پہچانا اور کہنے لگا۔ "جناب، یہ سب آپ ہی کی

مہربانی ہے ۔ نہ آپ مجھے طعنہ دیتے اور نہ حضرت آدم کی طرف سے مجھے یہ قوّت عطا ہوتی ۔"

"اچھّا ، اب ہم رخصت ہوتے ہیں ۔" نقاب دار نے کہا ۔

"خدا کے واسطے اپنی صورت تو دکھاتے جائیے ۔ اور یہ بھی بتائیے کہ آپ کا نام کیا ہے ؟"

نقاب دار نے قباد کو ٹالنے کی بڑی کوشش کی مگر وہ نہ مانا ۔ آخر نقاب دار اسے ایک طرف لے گیا اور اپنے چہرے سے نقاب اُٹھائی ۔ قباد نے دیکھا کہ عامر بن حمزہ کھڑے مُسکرا رہے ہیں ۔ قباد روتا ہُوا عامر کے سینے سے چمٹ گیا ۔ عامر کی آنکھیں بھی تر ہو گئیں ۔ تب عامر نے قباد سے قسم لی کہ وہ یہ راز کسی کو نہیں بتائے گا ۔ اس کے بعد عامر وہاں سے غائب ہو گیا ۔

برق فرنگی کی عیّاریاں

قباد کو فی الحال راستے میں چھوڑ کر ہم کچھ حال برق فرنگی کا بیان کرتے ہیں۔

آپ کو یاد ہو گا کہ ارشیون کو امیر حمزہ نے مرزوق کا حال معلوم کرنے کے لیے روانہ کیا تھا۔ اُس نے واپس آن کر تمام حالات بیان کیے۔ اُدھر مرزوق فرنگی نے برق کو ہدایت کی تھی کہ امیر حمزہ اور اُن کے تمام پہلوانوں کو کسی طرح گرفتار کر کے لا۔ برق فرنگی اپنے عیّاروں کو لے کر امیر حمزہ کے لشکر کی جانب روانہ ہو گیا۔

وُہ ایک ہولناک صحرا میں پہنچ کر رُکا، اپنے سب عیّاروں کو کچھ سکھایا پڑھایا اور پھر کہنے لگا "جو کچھ میں نے سمجھایا ہے، اس پر عمل کرنا۔ تبھی کامیابی کا مُنہ دیکھنا نصیب ہو گا۔" یہ کہہ کر اپنے

سامان میں سے ایک کُتّے کی کھال نکالی۔ اُس میں چوراسی گھُنگرو لگے ہوئی تھیں جنھیں برق فرنگی کے سوا کوئی اور نہ کھول سکتا تھا نہ بند کر سکتا تھا۔ اس نے کُتّے کی یہ کھال اپنے جسم پر پہنی، عیّاری کے ذریعے اپنی صورت بھی کُتّے کی سی بنائی اور بھونکتا ہُوا روانہ ہُوا۔ جب امیر حمزہ کے لشکر میں آیا تو سب نے دیکھا اور کہنے لگے۔ کیسا خوب صورت کُتّا ہے اسے پکڑنا چاہیے لیکن کُتّا کسی طرح قابو میں نہ آیا۔ جو اُسے پکڑنے کو جاتا اسی کی ٹانگ لیتا اور بُری طرح کاٹتا۔ غرض پھرتے پھراتے عیّاروں کے دستے میں آیا۔ عَمرو نے بھی اُسے دیکھا اور اپنے شاگردوں ابُوالفتح اور گلباد سے کہنے لگا:

"اِس کُتّے کو پکڑ کر ہمارے پاس لے آؤ۔"

ابُوالفتح اور گُل باد کُتّے کی طرف لپکے اور جان توڑ کوشش کے بعد کُتّے کو پکڑ لینے میں کام یاب ہو گئے۔ عَمرو نے کُتّے کی گردن میں پٹّا ڈال کر اپنے پلنگ کے پائے سے باندھ دیا۔ پھر شاگردوں سے کہا:

"اب تمھیں میرے خیمے پر پہرا دینے کی ضرورت

نہیں۔ یہ کُتّا ہی بہت ہے۔"

غرض سب غافل ہو گئے۔ آدھی رات ہُوئی تو برق نے کھال سے باہر آکر عمرو کو بے ہوش کیا۔ پُشتارہ باندھ کر پیٹھ پر اُٹھایا اور صحرا میں پہنچ کر یہ پُشتارہ اپنے شاگردوں کے حوالے کیا۔ پھر صُبح ہونے سے پہلے واپس آکر دوبارہ کھال پہنی اور جہاں بندھا ہُوا تھا، وہیں آکر بندھ گیا۔

جب سُورج نکل آیا اور امیر حمزہ کے لشکری بیدار ہُوئے تو معلوم ہُوا کہ عمرو عیّار غائب ہیں۔ بہت ڈھونڈھا لیکن عمرو کا کہیں پتا نہ پایا۔ امیر حمزہ کہنے لگے:

عمرو جیسے عیّار کو بھلا کون پکڑ کر لے کر جا سکتا ہے۔ وہ ضرور اپنی مرضی سے کہیں گیا ہو گا۔ فکر کی کیا ضرورت ہے۔ خود ہی آ جائے گا۔" سب لوگ یہ سُن کر مطمئن ہو گئے۔

آدھی رات ہُوئی تو پھر برق فرنگی نے کُتّے کی کھال اُتاری اور عادی پہلوان کے خیمے میں جا گھسا۔ اُسے بھی بے ہوش کیا اور پُشتارہ باندھ کر جب کمر پر لادا تو نانی یاد آئی۔ عادی جیسے پہاڑ کو پیٹھ

پر اُٹھانا آسان کام نہ تھا۔ بتق فرنگی بڑی مُشکل سے ہانپتا کانپتا اپنے شاگردوں کے پاس پہنچا اور پُشتارہ اُن کے حوالے کیا۔

اگلے روز امیر حمزہ کے لشکر میں پھر غُل مچا کہ عادی پہلوان غائب ہے۔ اب تو سب کو تشویش ہُوئی مگر کچھ پتا نہ چلا۔ قصّہ مختصر بتق فرنگی نے چند دِن کے اندر اندر عمرو اور عادی کے ساتھ ساتھ بہرام، مالک اژدر، مندیل اور مہلبل کو بھی اُڑا لیا، اور شاگردوں کے ذریعے مرزوق فرنگی کے پاس روانہ کر دیا۔ ساتھ ہی کہلا بھیجا کہ جب تک میں امیر حمزہ کو گرفتار کر کے نہ بھیجوں، اِن قیدیوں کو ہرگز قتل نہ کیا جائے۔ مرزوق نے حُکم دیا کہ تمام قیدیوں کو قلعۂ آہن حِصار کے قید خانے میں رکھا جائے۔ اِس قید خانے کا داروغہ مملُوک نام کا ایک ہوشیار آدمی تھا۔ اُس نے حفاظت کا ایسا کڑا اِنتظام کیا کہ قید خانے کے قریب پرندہ بھی پر نہ مار سکتا تھا۔

عمرو کو جب ہوش آیا تو اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑے ہُوئے پایا۔ دائیں طرف نگاہ دوڑائی تو دیکھا کہ بہرام، عادی، مالک اژدر، مندیل اور مہلبل

بھی اسی حال میں پڑے ہیں۔ بہرام نے کہا:
"اے عمرو، یہ ماجرا کیا ہے؟ ہمیں یہاں کون لایا۔
عمرو نے سر پیٹتے ہوئے جواب دیا۔" میری عقل خود چکر میں ہے کہ کس بدمعاش نے یہ حرکت کی ہے۔ ہو نہ ہو یہ برق فرنگی کی عیّاری ہے۔ میں نے سُنا تھا کہ مرزوق نے اُسے ہماری گرفتاری پر مقرّر کیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُسی نے یہ دام بچھایا ہے۔ خیر، میرے ہاتھوں بچ کر کہاں جائے گا۔ دیکھتے جاؤ، کیسی گُدّی ناپتا ہوں۔"
"بار باتیں بناتے جاؤ گے یا کچھ کام بھی کرو گے" عادی نے اپنی توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑی بیزاری سے کہا۔" بھوک کے مارے میرے پیٹ میں جنگلی چوہے دوڑ رہے ہیں۔"
"خدا تمھیں غارت کرے۔ آؤ مجھے کھا جاؤ۔" عمرو نے جھلّا کر کہا۔ اُس کی اِس جھنجلاہٹ پر سب بے اختیار ہنس پڑے۔ آخر عمرو نے کہا:
"یہ ہنسنے کا نہیں، رونے کا مقام ہے کہ ایک معمولی عیّار نے چوہوں کی طرح ہم سب کو پکڑ لیا ہے۔ اب جان بچانے کی کچھ فکر کرنی چاہیے۔ اچھّا، ایک

تدبیر میرے ذہن میں آئی ہے۔ اِس پر عمل کرو تو ممکن ہے قید سے رہائی مل جائے۔"

"یار، اب بنا بھی چکو ۔ بکواس کیے جا رہے ہو" عادی نے کہا۔

عمرو نے گھور کر عادی کو دیکھا اور کہنے لگا "میری طرف سے جہنّم میں جاؤ۔ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے۔ کہ تم جیسے بے مروّتوں کے لیے اپنا سر کھپاؤں"۔

"ارے نہیں عمرو بھائی، تم بھی کس کی بات پر ناراض ہو رہے ہو۔" بہرام نے کہا "عادی تو مذاق کر رہا ہے۔ چلو غصّہ تھوک دو۔"

سب نے عمرو کی خوشامد کی تو وہ کہنے لگا "میں اب مُردہ بن کر لیٹ جاتا ہوں۔ تم زور زور سے روؤ اور شور مچاؤ۔ اُمید ہے رہائی کی کوئی صورت نکل آئے گی۔"

یہ کہہ کر اُس نے سانس روک لیا اور یوں بن گیا جیسے مر گیا ہو۔ پہلوانوں نے رونا پیٹنا شروع کیا۔ مملوک خود حال دریافت کرنے آیا اور پوچھا کیا بات ہے؟ تم لوگ کیوں روتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا" ہم کیوں نہ روئیں، ہمارا جان سے

زیادہ عزیز دوست عمرو چل بسا۔"

یہ سُن کر مملوک حیران ہُوا، تالا کھول کر قید خانے میں آیا۔ دیکھا کہ واقعی عمرو مر چکا ہے۔ آنکھیں پتھرائی ہُوئی ہیں، کانوں کی لویں مُڑ چکی ہیں اور ناک کا بانسا پھرا ہُوا ہے۔ بدن سے عجیب طرح کی بُو آتی ہے۔ تب مملوک نے بھی کہا، ہاں، یہ مر گیا ہے اسے جنگل میں پھنکوا دینا چاہیے تاکہ جنگلی جانور ہڑپ کر جائیں۔ اسی وقت سپاہیوں کو حکم دیا کہ عمرو کی لاش کو لے جاؤ اور جنگل میں پھینک دو۔ سپاہی لاش کو اُٹھا کر جنگل میں پہنچے۔ وہاں ایک ویران کنواں نظر آیا۔ اُنھوں نے آپس میں کہا کہ لاش خواہ دوست کی ہو یا دُشمن کی، اس کی مٹّی خراب نہیں ہونی چاہیے۔

بہتر ہے اسے رسّی سے باندھ کر کنویں میں لٹکا دیں۔ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔

مملوک نے عمرو کے مرنے کی خبر مرزوق کو بھجوائی اتّفاق سے بختک نامُراد بھی اُس وقت مرزوق کے دربار میں حاضر تھا۔ اس نے عمرو کے مرنے کی خبر سُنی تو اُچھل پڑا اور کہنے لگا:

"عمرو نکل گیا ۔ اب وہ اپنے ساتھیوں کو بھی رہا کرا لے گا ۔ یقین نہ ہو تو کنویں میں سے اُس کی لاش نکلوا کر دکھا دو ۔ وہاں کچھ نہ ہو گا "۔

مرزوق نے فوراً مملوک کو لکھا کہ عمرو بڑا عیّار ہے ۔ اس نے تمہیں دھوکا دیا ہے ۔ جلد اس کی خبر لو ۔ مملوک تک یہ پیغام پہنچا تو اُس کے ہوش اُڑے فوراً سپاہیوں کو لے کر اسی کنویں پر پہنچا اور حکم دیا کہ رسی کھینچو ۔ سپاہیوں نے رسی کھینچی تو وزن محسوس ہوا ۔ کہنے لگے :

" جناب ، رسّی بہت وزنی ہے ۔ ہمیں یقین ہے کہ لاش ابھی تک بندھی ہوئی ہے "۔

لیکن لاش کی بجائے جب دو من وزنی پتھّر رسّی سے بندھا ہوا برآمد ہوا تو مملوک کا خون خشک ہو گیا ۔ سمجھا کہ عمرو جُل دے گیا ۔

اب عمرو کا حال سُنیے ۔ اُس نے کنویں سے نکل کر رسّی میں پتھّر باندھا اور اُسے کنویں میں لٹکا دیا پھر دوڑتا ہوا اپنے لشکر کی طرف چلا ۔ راستے میں اس مقام سے گزرا جہاں برق کے شاگرد چھپے ہوئے تھے ۔ عمرو ایک جھاڑی میں چھپ کر اُن کی باتیں

سُننے لگا۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا:

"ہمارا اُستاد برق فرنگی بھی اپنے فن میں طاق ہے عَمرو جیسے عیّار تو اس کی جیب میں پڑے رہتے ہیں دیکھ لو چند دنوں کے اندر اندر عَمرو سمیت امیر حمزہ کے کئی نام ور پہلوان کو پکڑ کر لے آیا۔ اب کوئی دن جاتا ہے کہ حمزہ بھی ہماری قید میں ہو گا مگر وُہ بہُت ہوشیار آدمی ہے۔ آسانی سے ہتھے نہ چڑھے گا۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک کُتّا وہاں آیا۔ اُس کی پیٹھ پر ایک گٹھڑ سا بندھا ہُوا تھا۔ تب عَمرو نے پہچانا کہ یہ وُہی کُتّا ہے جسے ابُوالفتح اور گلباد عراقی نے باندھا تھا۔

عَمرو نے زنبیل میں ہاتھ ڈال کر کمندِ عیّاری کے کئی حلقے نکالے اور پہلا حلقہ کُتّے پر پھینکا۔ وُہ اس میں پھنس گیا۔ عَمرو نے برق کے شاگردوں کو بھی ایک ایک کر کے پکڑ لیا۔ پھر پُشتارہ کھول کر دیکھا تو لندھور کو بے ہوش پایا۔ یہ دیکھ کر عَمرو کو تاؤ آیا۔ زنبیل سے چمڑے کا تازیانہ نکالا اور بے تحاشا کُتّے کو پیٹنے لگا۔ کُتّا بُری طرح چیخنے

چلّانے لگا۔ عمرو نے کہا:
"بیٹا، ہم سے بھی عیّاری کرتے ہو۔ مار مار کر کُتّے سے سُؤر نہ بنایا تو میرا نام بھی عمرو نہیں۔"
برق کو جب چار چوٹ کی مار پڑی تو سب عیّاری بھول کر عمرو کے قدموں میں لوٹنے لگا۔ عمرو نے لات مار کر کہا۔" اپنی اصلی صُورت دکھا۔ ورنہ مارتے مارتے ہڈّیاں الگ اور بوٹیاں الگ کر دُوں گا۔"
مار کے آگے تو بھُوت بھی بھاگتے ہیں۔ برق بے چارہ فوراً اپنی اصلی صُورت میں آیا۔ عمرو اِن سب کو زنبیل میں ڈال کر امیر حمزہ کے پاس لے گیا اور سارا واقعہ سُنایا۔ امیر حمزہ نے برق فرنگی سے کہا۔" جا، ہم نے تجھے آزاد کیا۔"
برق پر امیر کے اِس سلُوک کا یہ اثر ہُوا کہ وہ سچّے دِل سے کلمہ پڑھ کر دینِ اِبراہیمی میں داخل ہُوا لیکن عمرو نے اُسے قید کر لیا اور امیر حمزہ سے کہا کہ جب تک سب پہلوانوں کو رہا نہ کرا لُوں گا برق کو قید میں رکھوں گا۔
اِس کے بعد عمرو نے اپنی صُورت برق فرنگی

کی سی بنائی۔ قلعۂ آہن حصار میں آیا اور مملوک کوتوال کو ایک رُقعہ دیا جس پر مرزُوق فرنگی کی مُہر لگی تھی۔ اس رُقعے کا مضمون یہ تھا:

"مملوک کوتوال کو حکم دیا جاتا ہے کہ تمام قیدیوں کی نگرانی کا کام برق فرنگی کے سپُرد کر دے اور اس کے کام میں کسی قسم کا دخل نہ دے۔"

مملوک نے نقلی برق کو سلام کیا اور قید خانے کی چابیاں اس کے حوالے کر دیں۔ نقلی برق نے کہا "میں چاہتا ہُوں کہ اگر یہ قیدی خُداوند زرّیں تن پر ایمان لے آئیں تو مرزُوق سے سفارش کر کے ان کی جان بخشی کرا دُوں اور اگر ایمان نہ لائیں تو اپنے ہاتھ سے قتل کر دُوں گا۔ اب تم مہربانی کر کے ان سے پُوچھو کہ وُہ زرّیں تن پر ایمان لانے کو تیار ہیں؟"

مملوک نے یہی بات قیدیوں سے جا کر کہی۔

عادی پہلوان نے نفرت سے زمین پر تھُوک کر کہا:

"ہم تمھارے خُداوند زرّیں تن پر ہزار ہزار لعنت بھیجتے ہیں جاؤ اس سے کہہ دو کہ ہم اس پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔"

مملوک نے واپس آن کر نقلی برق کو بتایا کہ تمام قیدی پہلوان خُداوند زرّیں تن پر لعنت بھیج رہے ہیں۔ یہ سُن کر نقلی برق طیش میں آیا اور کہنے لگا۔ "اچھا، تو یہ بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے ان کی قضا آ گئی ہے۔ میں ایک بار خُود اُن سے پُوچھ لُوں، پھر انکار کیا تو ان کے قتل کا بندوبست کروں گا۔"

یہ کہہ کر وہ قید خانے میں گیا اور چُپکے سے کہا۔ "یارو، گھبراؤ مت میں عمرو ہُوں۔ اب تمہیں آزاد کرتا ہُوں۔" یہ کہہ کر سب کی زنجیریں کھول دیں۔ زنجیروں کا کُھلنا تھا کہ سب پہلوان بھُوکے شیروں کی طرح مملوک کے سپاہیوں پر جا پڑے اور اُنھی کے ہتھیار چھین کر قتلِ عام شرُوع کر دیا۔ عادی پہلوان نے مملوک کی گردن ناپی اور اس زور سے دبایا کہ بدنصیب کی سب ہڈّیاں پسلیاں ایک ہو گئیں۔

چند لمحوں بعد قلعے پر ان پہلوانوں کا قبضہ ہو چُکا تھا۔ چند ایک سپاہی بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے اور اُنھوں نے مرزوق کے دربار میں پہنچ کر

دُہائی دی۔ اس اِتنا میں مرزُوق کو برق فرنگی کے دینِ ابراہیمی میں داخل ہو جانے کا حال بھی معلُوم ہو چُکا تھا۔ جب یہ تازہ خبر اُس نے سُنی تو رنج کے مارے بُرا حال ہُوا۔ غُصّے سے پیچ وتاب کھانے لگا۔ اسی وقت اپنے لشکر کو لے کر شہر سے نکلا نوشیرواں اور بختک نامُراد بھی ساتھ تھے ___ آندھی طُوفان کی طرح راستہ طے کرتا ہُوا اُس عِلاقے میں آیا جہاں امیر حمزہ کا لشکر رُکا ہُوا تھا۔ ایک منزل دُور ہٹ کر مرزُوق نے بھی فوج کو رُکنے کا حُکم دیا۔ پھر رات کے وقت طبلِ جنگ بجوایا۔ امیر حمزہ کے جاسُوسوں نے مرزُوق کے آنے کی خبر دی۔ اُنھوں نے بھی اپنے نقارچیوں کو حُکم دیا کہ طبلِ جنگ پر چوٹ پڑے۔

اگلے دِن سُورج نکلنے کے فوراً بعد دونوں فوجیں ایک دُوسرے کے سامنے آن کھڑی ہُوئیں۔ یکایک شمال کی جانب سے گرد اُٹھی اور اِس میں سے نقاب دار فیروزہ پوش چالیس ہزار سواروں کے ساتھ آیا۔ اس کے دائیں بائیں ارشی تاجدار اور قرشی تاجدار پالکیوں میں سوار آ رہے تھے۔ نوشیرواں نے مرزُوق

سے پُوچھا:

"یہ لشکر کس کا ہے اور پالکیوں پر سوار یہ نوجوان کون ہیں؟"

"حضور، یہ میرے فرزند ارشی اور قرشی ہیں۔ اِن کے آگے نقاب دار فیروزہ پوش ہے۔ یہ شاید میری مدد کو آئے ہیں۔" نوشیرواں یہ سُن کر خُوش ہُوا اور بغلیں بجانے لگا۔

اِتنے میں ایک اور عظیم لشکر نمُودار ہُوا۔ اُس کے آگے آگے صفا تُرک، موتِ اعظم پہلوان، فیروز زر خوار اور کیشہ فرنگی سفید گھوڑوں پر سوار بڑی شان و شوکت سے چلے آ رہے تھے۔ اس لشکر نے بھی میدان کے ایک حِصّے پر قبضہ جما لیا۔ مرزوق نے اپنے بیٹوں کو پیغام بھیجا کہ تُمھارے آنے سے میں خُوش ہُوا۔ اب خُدائے زرّیں تن کی مدد شامل ہو تو ہم دُشمن پر فتح یاب ہوں گے۔ اِس پیغام کے جواب میں ارشی اور قرشی نے اپنے باپ کو یہ کہلوایا کہ ہم دینِ ابراہیمی میں داخل ہو چکے ہیں، اس لیے خُداوند زرّیں تن پر لعنت بھیجتے ہیں۔ ہم سے مدد کی کوئی اُمّید نہ رکھنا بلکہ تُمھارے حق میں بہتر ہے کہ امیر حمزہ کی اطاعت قبُول کرو۔

مرزوق کو جب یہ جواب ملا تو سناٹے میں آ گیا
پیشانی پسینے سے تر ہو گئی - پھر نوشیرواں سے کہا کہ
میرے بیٹوں نے بغاوت کر دی ہے - وہ اپنے
مذہب سے پھر گئے ہیں - اب ہمیں اپنی کامیابی مشکوک
نظر آتی ہے - یہ سن کر نوشیرواں بدحواس ہوا اور
بختک اچھل اچھل کر کہنے لگا :

"میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ امیر حمزہ جادوگر ہے
باپ سے بیٹے کو جدا کر دیتا ہے - اس پر قابو پانا
مشکل ہے"

نوشیرواں اپنا غصّہ ضبط نہ کر سکا - ایک چانٹا بختک
کے گال پر اس زور کا مارا کہ اس کا منہ چرخی کی
طرح گھوم گیا - پھر بادشاہ نے کہا :

"اے بے حیا، یہ سب کیا دھرا تیرا ہے - کاش،
میں تیرے فریب میں نہ آتا اور حمزہ سے صلح صفائی
رکھتا تو یہ برا دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا"

بختک نے نادم ہو کر گردن جھکا لی اور کچھ جواب
نہ دے سکا -

جب مرزوق کی فوج نے صفیں جما لیں تب آفرین
پہلوان مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا مرزوق کی جانب

سے نکلا اور میدان میں آ کر پکارا :

"اے حمزہ، اگر جرأت رکھتے ہو تو مجھ سے مقابلہ کرو۔"

آفرین پہلوان کی اس للکار کے جواب میں نقاب دار فیروزہ پوش میدان میں آیا اور ہنس کر کہنے لگا۔

"اے آفرین، تیری جرأت پر آفرین ہے کہ حمزہ کو اپنے مقابلے میں طلب کر کے موت کو دعوت دیتا ہے۔ تُو ابھی حمزہ سے لڑنے کے قابل نہیں ہے بہتر ہے مجھ سے دو دو ہاتھ کر لے۔"

آفرین پہلوان نے نفرت کی نگاہ سے فیروزہ پوش کو دیکھا اور کہا "میں نہیں جانتا کہ تُو کون ہے، تاہم ابھی تیرا قصّہ پاک کیے دیتا ہُوں۔ لے سنبھل" یہ کہہ کر اُس نے اپنی تلوار گھمائی اور پُوری قوّت سے فیروزہ پوش پر حملہ کیا۔ یہ حملہ اِتنا زور دار تھا کہ فیروزہ پوش کی جگہ کوئی اور ہوتا تو کبھی نہ بچ سکتا۔ مگر اُس نے کمال دلیری سے یہ وار روکا، اور ہنس کر بولا :

"آفرین..... آفرین..... معلوم ہو گیا کہ تُو واقعی پہلوان ہے اور لڑنا جانتا ہے۔ میں نے تجھ کو دو وار اور دیے

اپنا حوصلہ نکال لے۔"

آفرین پہلوان نے اب تلوار پھینک کر نیزہ سنبھالا دُور سے دوڑتا ہُوا آیا اور نیزے سے حملہ کیا۔ فیروزہ پوش نے ڈھال آگے بڑھائی لیکن آفرین کا نیزہ ڈھال چیرتا ہُوا فیروزہ پوش کے کندھے میں لگا۔ اسی وقت خُون کا فوّارہ اُبل پڑا اور فیروزہ پوش کی زرہ خُون میں لت پت ہو گئی۔ یہ دیکھ کر مرزُوق کی فوج نے خُوشی سے نعرے لگائے اور اُسی وقت امیرِ حمزہ کے ہاتھ دُعا کے لیے اُٹھ گئے۔

ایک لمحے کے لیے فیروزہ پوش کچھ بدحواس سا نظر آیا۔ پھر اُس نے آفرین سے کہا "اگرچہ تُو نے مُجھ کو زخمی کر دیا ہے لیکن میں تجھے زبان دے چکا ہُوں۔ تیرا ایک وار ابھی باقی ہے وُہ بھی کر لے۔"

اِس مرتبہ آفرین نے فولادی گرز سنبھالا جس کا وزن دس من سے کم نہ تھا۔ فیروزہ پوش نے دِل میں خُدا کو یاد کیا اور وُہی ٹُوٹی ہُوئی ڈھال اپنے بچاؤ کے لیے آگے بڑھائی۔ آفرین کا گرز جب دھماکے سے ڈھال پر پڑا تو آگ کا ایک شعلہ اُٹھا اور آسمان تک گیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ فیروزہ پوش کا بچنا اب

مُحال ہے۔ مگر چند لمحوں بعد جب گرد صاف ہُوئی تو دیکھا کہ فیروزہ پوش اپنی جگہ چٹان کی طرح جما ہُوا ہے اور آفرین کے گُرز نے اُس کا بال بھی بیکا نہیں کیا۔

اب تو آفرین پر ہیبت طاری ہُوئی۔ بھاگنے کا ارادہ کرنے لگا مگر فیروزہ پوش نے اُس کا اِرادہ بھانپ لیا اور آگے بڑھ کر اِس زور کا گھُونسا اس کی چھاتی میں مارا کہ اس کے حلق سے خُون اُبل پڑا اور وُہ چکرا کر گرا۔ اس سے پہلے کہ وُہ اُٹھ سکے، فیروزہ پوش نے اس کے بال پکڑ لیے اور دُوسرا گھُونسا اُس کی ٹھوڑی پر مارا۔ آفرین پہلوان کا جبڑا لہُولُہان ہوا اور کئی دانت ٹُوٹ کر باہر آن گرے۔ پھر تو فیروزہ پوش نے گھُونسے مار مار کر اس کا پلیتھن نکال دیا۔ حتّٰی کہ آفرین پہلوان بے ہوش ہو گیا۔ تب فیروزہ پوش نے اُسے باندھ کر اپنے عیّار کے حوالے کیا۔

اب مرزُوق نے دُوسرے پہلوان زرّیں بال کو میدان میں جانے کا حُکم دیا۔ اُس نے بھی آتے ہی زور کا نعرہ لگایا اور کہا "کوئی ہے جو میرے مُقابلے

پر آئے اور موت کا مزا چکھے۔"

موتِ اعظم پہلوان لپک کر آگے آیا اور گرج کر بولا۔" تُو نے موت کو پکارا ہے۔ میں آگیا ہُوں"

زرّیں بال نے جب موتِ اعظم کو اپنے رُوبرو دیکھا تو خوف سے کانپنے لگا۔ وُہ پہلے بھی کئی بار موتِ اعظم پہلوان سے بُری طرح پِٹ چُکا تھا۔ فوراً قدموں میں جا گِرا اور کہنے لگا:

"اِس گستاخی کی معافی چاہتا ہُوں۔ مرزُوق نے مجھے میدان میں نکلنے کا حُکم دیا تھا۔ اس کی بات نہ مانتا تب بھی مارا جاتا۔ آپ سے لڑتا ہُوں تب بھی مرتا ہُوں۔ لہٰذا یہی بہتر ہے کہ اِطاعت قبُول کرُوں۔"

موتِ اعظم نے اسے باندھ کر اپنے عیّار کے حوالے کیا۔

مرزُوق نے جب یہ صُورتِ حال دیکھی تو واپسی کا طبل بجوایا۔ وُہ سمجھ چُکا تھا کہ امیرحمزہ سے لڑنا بے کار ہو گا اور ہار کے سِوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

اُدھر رات کے وقت امیرحمزہ نے اپنی بارگاہ میں عمروِ عیّار کو طلب کیا اور کہا۔" ذرا اِس نقاب دار فیروزہ پوش کی خبر تو لاؤ کہ کون ہے اور کہا

لیے یہاں آیا ہے۔"

عمرو بھیس بدل کر فیروزہ پوش کے لشکر میں پہنچا اور موقع پا کر اُس کے خیمے میں جا گھسا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہاں ارشی اور قرشی تاجدار بھی موجود ہیں۔ ایک طرف موت اعظم پہلوان اور کیشہ پہلوان بھی بیٹھے ہیں۔ آپس میں گفتگو ہو رہی ہے۔ اتنے میں غُل مچا کہ آفرین پہلوان آزاد ہو گیا ہے یکایک خیمے کا دروازہ کھلا اور آفرین پہلوان ہاتھ میں خون آلود خنجر لیے نمودار ہُوا اور سیدھا فیروزہ پوش کی طرف بڑھا اور خنجر سے حملہ کیا۔ فیروزہ پوش نے وار بچا کر ایک لات آفرین کے پیٹ میں ماری۔ وہ تکلیف سے پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ پھر فیروزہ پوش نے سرہانے سے اپنی تلوار اُٹھائی اور چشم زدن میں آفرین کو دو ٹکڑے کر دیا۔ پھر حُکم دیا کہ دیکھو دشمن کا کوئی جاسوس بھیس بدل کر نہ آیا ہو۔ عمرو یہ سُنتے ہی وہاں سے کھسک گیا اور بھاگم بھاگ اپنے لشکر میں آیا۔ امیر حمزہ نے پُوچھا کیا خبر لائے۔ عمرو نے ہانپتے ہُوئے کہا:

"بھائی حمزہ، وہ نہ جانے کون ہے۔ ابھی میرے سامنے آفرین پہلوان کو تلوار مار کر دو ٹکڑے کر دیا۔

میں وہاں سے ڈر کر بھاگا ۔ کیا پتا مجھے بھی جاسوس سمجھ کر پکڑ لیتا ۔"

یہ بات سُن کر امیر حمزہ حیران ہوئے اور سوچنے لگے آخر یہ نقاب پوش ہے کون ؟ خیر، پتا چل ہی جائے گا ۔

اُدھر مرزُوق فرنگی کو معلوم ہُوا کہ آفوین پہلوان مارا گیا تو غم و غُصّہ سے اُس کا بُرا حال ہُوا ۔ کئی روز تک طبلِ جنگ نہ بجوایا ۔ آخر نقاب دار فیروزہ پوش سے ضبط نہ ہو سکا ۔ میدان میں آکر طبل بجوایا اور للکار کر کہا :

" اے مرزُوق، جسے موت کی تمنّا ہو اُسے میرے مُقابلے میں بھیج ۔"

مرزُوق نے دائیں بائیں دیکھا اور مہلال بن خُوں خوار کو اشارہ کیا کہ میدان میں نکل ۔ وُہ سر سے پیر تک فولاد کی بنی ہُوئی زرہ میں چھُپ کر سامنے آیا اور تلوار سے حملہ کیا ۔ نقاب دار نے نہایت آسانی سے اس کا وار روکا اور جواب میں اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر تلوار ماری ۔ مہلال نے اپنی ڈھال آگے کر دی لیکن نقاب دار کی تلوار ڈھال کو کاٹتی ہُوئی مہلال کی

کھوپڑی میں اُتر گئی۔ ایک ہولناک چیخ مار کر وُہ گھوڑے سے گرا اور تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

مہلال کا مرنا تھا کہ مرزُوق کا جی چھُوٹ گیا۔ اِدھر پھر نقاب دار نے للکار کر کہا۔" اے مرزُوق، سوچتا کیا ہے۔ جلد کسی اور کو مرنے کے لیے روانہ کر۔"

مرزُوق نے اِس مرتبہ فرنگی مہیار پہلوان کو بھیجا۔ لیکن نقاب دار نے پلک جھپکتے ہی اُسے بھی کاٹ کر ڈال دیا۔ یہ دیکھتے ہی مرزُوق نے واپسی کا طبل بجوایا اور میدان چھوڑ گیا اب نقاب دار فیروزہ پوش نے امیر حمزہ کے لشکر کی جانب رُخ کیا اور بُلند آواز سے کہنے لگا۔

" اے امیر، آج سے آپ کی باری ہے۔ کسی بہادُر کو میدان میں بھیجیے تا کہ مُجھ سے لڑے۔"

فیروزہ پوش کی یہ للکار سُن کر امیر حمزہ حیران ہُوئے اور کہنے لگے" ہم تو سمجھے تھے کہ نقاب دار ہماری مدد کو آیا ہے مگر اب تو وُہ ہم ہی سے لڑنے کو تیّار ہے۔"

" فکر نہ کرو حمزہ بھائی، میں اِس کے مُقابلے کو جاتا

ہوں" عادی پہلوان نے سینہ تان کر کہا اور جھومتا ہوا میدان میں آیا۔ نقاب دار فیروزہ پوش نے عادی کو دیکھتے ہی قہقہہ لگایا اور کہا:

"ارے تم تو آدمی نکلے۔ میں پہلے یہ سمجھا تھا کہ کسی پہاڑی ٹیلے میں جان پڑ گئی ہے۔"

اس مذاق پر عادی پہلوان نے خوب پیچ و تاب کھایا۔ پھر دانت پیس کر بولا۔ "کر لو مذاق۔ ابھی آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔"

"آہاہا...." نقاب دار نے ایک اور قہقہہ لگایا۔ "معلوم ہوتا ہے عادی پہلوان نسل کا بنیا ہے۔ تبھی آٹے دال کا ذکر کرتا ہے۔"

اب تو عادی کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔ شیر کی طرح دہاڑ کر نقاب دار کی طرف لپکا اور گرز سے حملہ کیا۔ نقاب دار نے نہایت آسانی سے حملہ روکا۔ اور دوسرے ہی لمحے گرز چھین کر دور پھینک دیا۔ عادی ہکا بکا رہ گیا۔ کچھ اور نہ سوجھا تو جنگلی بھینسے کی طرح خوں خوں کرتا ہوا دوڑا اور نقاب دار کے سینے میں اس زور کی ٹکر ماری کہ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو خون تھوکنے لگتا مگر نقاب دار ہنستا ہی رہا۔ یہ دیکھ

کر عادی کے حواس گم ہوئے۔ دل میں کہا، بُرے پھنسے۔ یہ آدمی نہیں جن ہے۔ اتنے میں نقاب دار نے ایک نعرہ مار کر عادی پہلوان کی کمر تھام لی اور آناً فاناً سر سے اُونچا اُٹھا کر زمین پر دے مارا۔ عادی کے حلق سے چیخیں نکل گئیں۔ نقاب دار نے اُسے باندھ کر اپنے آدمیوں کے حوالے کیا۔ جہاں عادی گرا تھا، وہاں خاصا گہرا گڑھا بن گیا تھا۔

نقاب دار فیروزہ پوش نے عادی پہلوان کو جس طرح گرفتار کیا، اُسے دیکھ کر امیر حمزہ نہایت حیران ہوئے۔ اتنے میں فیروزہ پوش نے پھر للکار کر کہا۔

"اے امیر، اب دُوسرے کو بھیجیے۔"

اِس مرتبہ خاقانِ چین بہرام سامنے آیا۔ فیروزہ پوش نے بہرام کی صُورت پر غیظ و غضب دیکھا تو ہنس کر کہا۔ "اے بہرام، تجھ سے لڑنے کی بڑی آرزو تھی۔ کوئی شک نہیں کہ تُو نامی گرامی پہلوان ہے۔"

"اے نقاب دار، زیادہ باتیں نہ بنا اور جو حملہ رکھتا ہے، وُہ کر۔" بہرام نے کہا۔ تب نقاب دار نے تلوار سے حملہ کیا۔ بہرام نے اپنی تلوار پہ یہ وار روکا پھر اِس شدّت سے جوابی حملہ کیا کہ ایک لمحے کے لیے

نقاب دار بھی گھبرا گیا لیکن اُس نے سنبھل کر ایسے وار کیے کہ بہرام آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ یکایک نقاب دار نے نعرہ مار کر تلوار پھینک دی اور دوڑ کر بہرام سے لپٹ گیا۔ بہرام نے بھی تلوار پھینکی اور دونوں میں کُشتی ہونے لگی۔ یکایک نقاب دار نے ایسا اڑنگا دیا کہ بہرام چاروں شانے چت ہو گیا۔ تب نقاب دار نے اُسے باندھا اور اپنے آدمیوں کے حوالے کیا۔

کہتے ہیں دو ماہ تک نقاب دار لگاتار میدان میں آکر للکارتا رہا اور امیر حمزہ اپنے سرداروں اور پہلوانوں کو اُس کے مُقابلے میں بھیجتے رہے۔ اِس مُدّت میں نقاب دار نے حمزہ کے تین سو اُنچاس پہلوان گرفتار کیے حتّٰی کہ سلطان سعد کو بھی باندھ لیا۔ اب حمزہ نے خُود میدان میں نکلنے کا اِرادہ کیا لیکن نقاب دار نے بُلند آواز سے کہا :

"اے حمزہ، خُود آنے کا اِرادہ نہ کیجیے۔ ذرا ہیل تن عَلَم شاہ کو بھیجیے جو اپنے آپ کو رُستم کہتا ہے ذرا میں بھی اُس کا کَس بَل دیکھوں۔"

عَلَم شاہ حمزہ کے قریب ہی کھڑا تھا۔ نقاب دار کی

یہ طعنہ سُن کر اُس کا خُون کھَول اُٹھا۔ امیر حمزہ سے اِجازت لے کر میدان میں آیا اور آتے ہی گرز سے حملہ کیا۔ نقاب دار نے وار روکا اور کہا :

" اے رُستم، آفرین ہے۔ واقعی تُو جان رکھتا ہے مگر میرا حملہ بھی روک۔"

یہ کہہ کر نقاب دار نے اپنا گرُز گھُمایا۔ اُس کا شور اِتنا تھا کہ عَلَم شاہ کو کانوں کے پردے پھٹتے محسُوس ہُوئے۔ پھر اُس نے عَلَم شاہ کے سر پر گرُز دے مارا۔ عَلَم شاہ نے ڈھال آگے کرکے اپنا سر بچایا ورنہ ہزار ٹکڑے ہو جاتے۔ گرُز کا ڈھال پر پڑنا تھا کہ ایک دھماکہ ہُوا۔ گرد کا بادل اُٹھا اور عَلَم شاہ اِس بادل میں چھُپ گیا۔ نقاب دار نے اپنے عیّاروں کو بُلایا۔ اُنھوں نے پانی کے چھینٹے دِیے۔ جب گرد بیٹھ گئی تو دیکھا کہ رُستم کے گھوڑے کی کمر ٹُوٹ گئی ہے اور خُود رُستم کا بدن پسینے میں تر ہے۔ نقاب دار نے قہقہہ لگایا اور کہا :

" اُٹھو میاں رُستم، کچھ ہمّت کرو۔ حوصلہ نہ ہارو۔"

یہ کہہ کر نقاب دار نے ایک گھُونسا عَلَم شاہ کی گردن پر مارا۔ عَلَم شاہ نے نقاب دار کی ٹانگ پکڑی

اور دھکّا دے کر پرے پھینک دیا۔ تین پہر تک دونوں میں کُشتی ہُوئی نہ وُہ جیتا نہ یہ ہارا۔ آخر عَلَم شاہ نے نقاب دار کے گھُونسا مارا۔ اُس کی گردن پھر گئی۔ نقاب دار نے جھُنجھلا کر طمانچہ مارا۔ عَلَم شاہ کی ناک سے خُون جاری ہُوا۔ وہ بدحواس ہو کر پیچھے ہٹا مگر نقاب دار نے طمانچے مار مار کر عَلَم شاہ کو بے حال کر دیا۔ امیر حمزہ نے دِل میں کہا کہ یہ نئی جنگ ہے۔ اب دونوں یُونہی ہلاک ہو جائیں گے غرض خُود میدان میں آئے۔ دونوں کو الگ الگ کیا پھر فیروزہ پوش کی نقاب کو جھٹکا دیا۔ نقاب کے سب بند ٹُوٹ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ شہزادہ قباد شہر یار سامنے کھڑا ہے۔ امیر حمزہ نے جھپٹ کر اُسے گلے سے لگایا۔ پھر عَلَم شاہ سے کہا کہ اپنے بھائی کو سینے سے لگاؤ۔ عَلَم شاہ نے حُکم کی تعمیل کی۔ دونوں بچھڑے ہُوئے بھائی گلے ملے۔

شہزادہ قباد نے تمام پہلوانوں کو رہا کیا۔ امیر حمزہ نے قباد کی آمد پہ شاندار جشن منانے کا حُکم دیا عَلَم شاہ کو دِل میں بڑا صدمہ تھا کہ ایک طمانچے کے بدلے میں قباد نے اِتنے طمانچے مارے۔

اِدھر تو یہ جشن برپا تھا اور اُدھر مرزُوق فرنگی نئے ساز و سامان سے لیس ہو کر دوبارہ نمُودار ہُوا اور طبلِ جنگ بجوایا۔ جاسُوسوں نے امیر حمزہ کو خبر پہنچائی۔ اُنھوں نے اپنے لشکر کو تیاّری کا حُکم دیا۔ صُبح کو دونوں فوجیں میدان میں آمنے سامنے آن کھڑی ہُوئیں۔ سب سے پہلے مرزُوق کے لشکر سے پیکر بن اسلم پہلوان برآمد ہُوا اور اپنے مُقابلے کے لیے آدمی طلب کیا۔ ابھی امیر حمزہ کے لشکر سے پیکر کے مُقابلے میں کوئی پہلوان نہ نِکلا تھا کہ بیابان میں گرد اُڑی اور نقاب دار پلنگینہ پوش آتا دِکھائی دیا۔ وُہ سیدھا پیکر کے سامنے آیا اور کہنے لگا:

"جو ضرب رکھتا ہے۔ لا —— میں مُقابلے کے لیے آیا ہُوں۔"

پیکر نے اُوپر سے نیچے تک پلنگینہ پوش کو دیکھا اور کہا "پہلے اپنا نام پتا تو بتا تاکہ بے نشان نہ مارا جائے۔"

"اے پہلوان، لڑنے والے نام پتے نہیں پُوچھا کرتے۔" پلنگینہ پوش نے جواب دیا۔

یہ سُن کر پیکر نے تاؤ کھایا اور نیزے سے حملہ

گیا۔ پلنگینہ پوش نے تلوار مار کر پیکر کا نیزہ دو ٹکڑے کر دیا۔ پھر چیتے کی طرح اپنے گھوڑے سے اُچھل کر آیا۔ پیکر کی گردن پکڑ کر یُوں اُٹھا لیا جیسے بلّی چُوہے کو مُنہ میں دبا لیتی ہے اور اِس سے پہلے کہ پیکر بن اسلم اپنے بچاؤ کا کوئی سامان کر سکے، پلنگینہ پوش نے اُسے باندھا، اپنے گھوڑے پر بیٹھا اور چشم زدن میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

مرزُوق کی فوج میں دہشت پھیل گئی۔ امیر حمزہ بھی پلنگینہ پوش کی قُوّت اور پھُرتی دیکھ کر تعجّب کرنے لگے۔ اُنھوں نے عُمرو سے کہا۔"اے خواجہ، جلد جاؤ اور اِس نقاب دار پُراسرار کی خبر لاؤ کہ کون ہے؟"

عُمرو عیّار ہَوا کی رفتار سے نقاب دار کے تعاقُب میں روانہ ہُوا۔ تھوڑی دیر بعد پیچھے سے کُچھ آوازیں سُنیں۔ مُڑ کر دیکھا تو کئی ہزار گھُڑ سواروں کو آتے پایا۔ یہ سب مرزُوق کے سپاہی تھے اور پیکر بن اسلم کو چھُڑانے کے لیے آ رہے تھے۔ عُمرو اُنھیں دیکھ کر ڈرا اور ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ ان سواروں نے نقاب دار کو گھیر لیا اور کہنے لگے:

"اگر تُو نے ہمارے سپہ سالار پیکر بن اسلم کو رہا نہ کیا تو یہیں تیری ہڈی بوٹی کر ڈالیں گے۔"

پلنگینہ پوش نے قہقہہ لگایا اور کہا "جس میں ہمّت ہو وُہ آگے آئے اور مُجھ سے اپنے سپہ سالار کو چھین لے۔"

چند سپاہی جُراَت کر کے تلواریں چمکاتے ہُوئے آگے بڑھے اور پلنگینہ پوش پر حملہ کیا مگر اُس نے چند لمحوں میں سب کو گاجر مُولی کی طرح کاٹ دیا۔ پھر للکار کر بولا۔ "خیر اسی میں ہے کہ واپس چلے جاؤ ورنہ ابھی پیکر کو قتل کر دُوں گا۔"

نقاب دار کے تیور دیکھ کر سپاہیوں کو کچھ اور حرکت کرنے کی جُراَت نہ ہُوئی۔ جدھر سے آئے تھے اُدھر واپس چلے گئے۔ پلنگینہ پوش اپنے لشکر میں داخل ہُوا۔ عُمرو بھی کچھ فاصلہ دے کر پیچھے لگا رہا۔ نقاب دار جب لشکر میں داخل ہُوا تو اس کے ساتھیوں نے پیکر کو بندھے ہُوئے دیکھ کر کہا:

"حضور، آپ تو شکار کھیلنے کے ارادے سے گئے تھے۔ یہ شخص کہاں ہاتھ لگا؟"

نقاب دار نے ہنس کر جواب دیا۔ جنگل میں سبھی

قسم کے جانور ہوتے ہیں۔ اُنھی میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اسے لوہے کے پنجرے میں بند کر دو۔" پیکر کو لوہے کے پنجرے میں بند کر کے پلنگینہ پوش اپنے خیمے میں چلا گیا۔

عمرو نے دل میں کہا ذرا اس کے لشکر کی سیر کرنی چاہیے۔ شاید کوئی مفید بات معلوم ہو۔ گھومتے گھومتے ایسے حصّے میں آیا جہاں ایک کبابی بیٹھا کباب بھون رہا تھا۔ عمرو نے ایک مسافر کا بھیس بدلا اور کبابی کے پاس آن کر بولا:

"کیوں میاں کبابی، یہ نقاب دار پلنگینہ پوش کون ہے؟"

کبابی نے عمرو کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور کہنے لگا: "معلوم ہوتا ہے تو کوئی جاسوس ہے جو ایسی بات پوچھتا ہے۔ سودا لینا ہے تو لے ورنہ اپنا راستہ ناپ۔"

یار، ناراض کیوں ہوتے ہو۔ میں نے یونہی ایک بات کہی تھی۔ لاؤ کچھ کباب کھلاؤ۔"

کبابی نے ایک طشتری میں دو کباب رکھ کر عمرو کو دیے۔ وہ کھانے میں مشغول ہوا۔ کبابی نے قریب

کی چمک غائب ۔ سب نے باری باری دیکھا اور یہی کہا کہ دہشت سے مر گیا ہے ۔ تب نقاب دار نے تلوار بُلند کرتے ہُوئے کہا :

" خواہ یہ مرے یا جیئے ، جب میں اس کو قتل کرنے کا ارادہ کر چُکا ہُوں تو ہر حال میں اپنا ارادہ پُورا کروں گا ۔"

یہ سُن کر مُردے نے جھٹ کلمہ پڑھا اور اُٹھ کر بیٹھ گیا ۔ سب تماشائی ڈر کر بھاگے لیکن پلنگینہ پوش وہیں کھڑا رہا ۔ اُس نے کہا ۔" مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ مُسافر کے بھیس میں خواجہ عَمرو ہیں ۔"

یہ جُملہ سُن کر عَمرو نے پلنگینہ پوش کے قدم چُومے اور کہا ۔" اے بہادر ، خُدا کے واسطے اپنی صُورت مجھے دِکھا دے ۔"

نقاب دار نے غم زدہ لہجے میں جواب دِیا ۔" اے خواجہ ، میری صُورت دیکھ کر کیا کرو گے ۔ میں وُہ شخص ہُوں جس کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ۔"

عَمرو نے بہت اِصرار کِیا ۔ آخر نقاب دار مجبُور ہُوا اور کہنے لگا ۔" اے خواجہ ، وعدہ کرو کہ میرے پاس سے نہ جاؤ گے اور میرا راز ظاہر نہ کرو گے ؟"

عمرو نے وعدہ کیا۔ تب پلنگینہ پوش اُسے ایک گوشے میں لے گیا۔ نقاب کے بند کھولے اور اپنی صورت دکھائی۔ عمرو نے دیکھا کہ عامر بن حمزہ ہے۔ نہایت حیران اور پریشان ہوا۔ کچھ پوچھنا چاہتا تھا کہ عامر نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر کہا:

"اے خواجہ، یہ قدرت کے بھید ہیں۔ ان میں دخل نہ دو۔ اپنے کام سے کام رکھو۔ جب وقت آئے گا تمھیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

عمرو چند دن نقاب دار کے پاس رہا۔ آخر جی اُکتایا اور بھاگنے کا ارادہ کیا مگر موقع نہ پایا۔ ایک رات لشکر میں غُل مچا کہ پیکر بن اسلم پنجرے سے آزاد ہو گیا ہے۔ پلنگینہ پوش اُسے پکڑنے کو روانہ ہُوا۔ عمرو کو بھی فرار ہونے کا موقع مِلا۔ جھٹ وہاں سے نکلا اور امیر حمزہ کے لشکر میں پہنچ کر سارا حال کہہ دیا۔ عامر کا ذکر سُن کر امیر حمزہ کی محبّت نے جوش مارا۔ اسی وقت چند سرداروں کو لے کر عامر سے ملنے کے لیے روانہ ہُوئے۔ اُس نے جب امیر حمزہ کے آنے کی خبر سُنی تو اِستقبال کو آیا۔ امیر نے سینے سے لگایا اور کہا:

"بیٹا، تیرے غم میں ہم اس حال کو پہنچے۔"

"ابّا جان، آپ نے بھی تو پلٹ کر خبر نہ لی۔"

قصّہ مختصر امیر حمزہ نے عامر کو ساتھ لیا اور اپنی بارگاہ میں آئے۔ بیٹے پر سے بہت سا زر و جواہر نثار کیا۔ پھر شہزادہ قباد سے ملاقات کرائی۔ قباد نے کھڑے ہو کر تعظیم دی اور اپنی مسند پر بٹھایا۔ غرض عامر کے آنے کی سب نے خوشی منائی۔

طلسم نادرِ فرنگ

پیک بن اسلم پہلوان پنجرے سے نکل کر بھاگنے میں کامیاب ہُوا تو سیدھا مرزُوق فرنگی کے پاس آیا اور ساری داستان کہہ سُنائی۔ مرزُوق سخت بدحواس ہُوا سر پیٹ کر بولا "سمجھ میں نہیں آتا اب کیا تدبیر کروں کہ حمزہ سے نجات ملے"

بختک نامُراد قریب ہی بیٹھا تھا۔ جھٹ بول اُٹھا:
"حضور، فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنی سلطنت حمزہ کے حوالے کیجیے اور خُود چین کی بنسی بجائیے"

یہ سُن کر مرزُوق کی کھوپڑی بھنّا گئی۔ بے اختیار ایک ہاتھ اِس زور کا بختک کے گال پر مارا کہ وُہ لُڑھکتا ہُوا دُور جا گرا اور خُون تھُوکنے لگا۔ مرزُوق نے پہرے داروں کو حُکم دیا کہ اس بدبخت کو میری نظروں سے دُور کرو ورنہ اِس کا خُون پی جاؤں گا۔

نوشیرواں کو جب یہ معلوم ہُوا تو اُسے بھی طیش آیا - ہنٹر نکال کر بختک پر پل پڑا اور مار مار کر بُھتنا بنا دیا - آخر بختک نے قدموں پر گر کر معافی مانگی اور خواجہ بزرجمہر نے سفارش کی - تب کہیں جان بخشی ہُوئی -

پیکر بن اسلم پہلوان نے سینہ تان کر کہا "حضور طبلِ جنگ بجوائیے - وہ تو اتّفاق تھا کہ پلنگینہ پوش نے مجھے باندھ لیا ورنہ امیر حمزہ کے لشکر میں ایک پہلوان بھی میرا مقابلہ نہیں کر سکتا "

غرض اُس نے ایسی ڈینگیں ماریں کہ مرزوق خوش ہو گیا - طبلِ جنگ بجوایا اور پیکر بن اسلم دو سو ہتھیار بدن پر سجا کر بڑی دُھوم سے میدان میں نکلا - اُس نے غرور سے چاروں طرف دیکھا اور للکار کر کہا :

" اے حمزہ ، جُرأت ہے تو میرے مُقابلے میں آؤ - کہاں چُھپے بیٹھے ہو ؟"

یہ للکار سُنی تو امیر حمزہ سے ضبط نہ ہُوا - اُسی وقت اشقر دیو زاد پر سوار ہُوئے اور میدان میں آئے - پیکر بن اسلم نے اِس سے پہلے امیر حمزہ کو کبھی دیکھا نہ تھا - اُس نے اپنے سامنے جب ایک

درمیانے قد اور معمولی جسم کے آدمی کو دیکھا تو چلّا اُٹھا :

"اے شخص، تُو کون ہے جو یہاں چلا آیا؟ کیا تُو زندگی سے تنگ آ چُکا ہے۔ مَیں نے حمزہ کو بُلایا تھا۔ اُس کی جگہ تُجھے کِس بے وقوف نے بھیج دیا ہے؟"

"اے پیکر، زیادہ باتیں نہ بنا، ہوش میں آ۔ میرا ہی نام حمزہ ہے۔"

اب تو پیکر کا خُون خُشک ہُوا۔ آنکھیں پتھرا گئیں اور دہشت سے خُشک تنکے کی طرح کانپنے لگا۔

"اے پیکر، پتھّر کا بُت کیوں بن گیا؟ مَیں مُنتظر ہُوں۔ حملہ کر۔" امیر حمزہ نے کہا۔

یہ سُن کر پیکر نے جُھرجُھری لی اور تلوار تول کر حمزہ پر ماری۔ اُنھوں نے ڈھال پر وار روکا اور جواب میں اللہ اکبر کا نعرہ مار کر اپنی تلوار نیام سے کھینچی۔ پیکر لرز کر پیچھے ہٹا مگر قضا سر پر کھیل رہی تھی۔ امیر حمزہ کا وار اُس نے بھی ڈھال پر روکنا چاہا مگر تلوار ڈھال کو خربُوزے کی طرح کاٹتی ہُوئی اس کے سر پر پڑی۔ سر کو بھی دو حِصّوں میں تقسیم کیا۔ پھر سینے پر آئی اور پسلی میں سے ہو کر نکل

گئی۔ پیکر پہلوان کی لاش دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گری۔

امیر حمزہ کے سپاہیوں نے زندہ باد کے نعروں سے زمین کا کلیجا ہلا دیا۔ مرزوق نے جب پیکر کو مرتے دیکھا تو اُس کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ اپنی فوج کو عام حملے کا حکم دیا۔ اِدھر بھی تلواریں کھنچ گئیں۔ امیر حمزہ کے پہلوان اور سپاہی شیروں اور چیتوں کی طرح مرزوق کی فوج پر جا پڑے اور ایسی تلوار چلی کہ خدا کی پناہ ــ چشم زدن میں لاشوں کے انبار لگ گئے۔ کہتے ہیں۔ تین پہر خوں ریزی رہی۔ آخر مرزوق کی فوج پسپا ہونے لگی۔ بختک تو منتظر تھا ہی، اُس نے جلدی سے واپسی کا طبل بجوا دیا۔

مرزوق اور نوشیرواں اپنی بچی کھچی فوج کو لے کر خداوندِ زرّیں تن کے ایک باغ میں آئے۔ اِس باغ میں ایک سنگین قلعہ بھی بنا ہُوا تھا۔ ان دونوں نے اس قلعے میں پناہ لی۔

اگلے روز صبح امیر حمزہ کو معلوم ہُوا کہ مرزوق اور نوشیرواں قلعہ بند ہو گئے ہیں۔ اُنھوں نے اپنے چند سرداروں کو قلعہ فتح کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔ فو

کے ساتھ عَلَم شاہ اور سُلطان سعد بھی گئے۔ انھوں نے جو دُور سے قلعہ دیکھا تو ہوش جاتے رہے۔ دِل میں کہنے لگے۔ یہ قلعہ کس صُورت سے فتح ہو سکتا ہے؟ اُس کی فصیل بے حد مضبُوط تھی اور اِتنی اُونچی کہ آسمان سے باتیں کرتی تھی۔ فصیل کی بے شمار بُرجیوں میں مرزُوق اور نوشیرواں کے ہزاروں تیر انداز مورچے سنبھالے بیٹھے تھے۔ غرض ان کو نہایت تشویش تھی۔ اُدھر امیر حمزہ کو بھی ایک ایک لمحے کی خبریں مِل رہی تھیں حتیٰ کہ جاسُوسوں نے یہ خبر بھی دی کہ عَلَم شاہ اور سُلطان سعد مایُوس ہو گئے ہیں کہ قلعہ فتح نہ ہو گا۔

امیر حمزہ نے اُسی وقت عَمرو عیّار کو روانہ کیا اور پیام دیا کہ جب تک ہم نہ آئیں۔ اُس وقت تک ہرگز قلعے پر حملہ نہ کیا جائے۔ جب عَمرو نے عَلَم شاہ اور سعد کو امیر حمزہ کا یہ پیام دیا تو اُن کو یہ گمان ہُوا کہ امیر حمزہ نے اُنھیں بُزدلی کا طعنہ دیا ہے۔ عَلَم شاہ نے عَمرو سے کہا:

"اچھّا چچّا جان، آپ ایک رات تو ہمارے پاس ٹھہریے صُبح واپس چلے جائیے گا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہُوں، کہ کل فردوس اِس قلعے پر قبضہ کر لُوں گا۔"

عمرو نے ہنس کر کہا ۔ "پیارے بھتیجے ، جہالت اور چیز ہے تدبیر اور شے ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ بغیر تدبیر کیے یہ قلعہ فتح نہ ہو گا ۔ اگر کچھ روپیہ خرچ کرو تو میں تدبیر کروں ۔"

علم شاہ نے اشرفیوں کی تھیلیوں کے منہ کھول دیے عمرو نے یہ سب مال زنبیل میں ڈالا اور بستر پر لیٹ کر کہنے لگا ۔ "پیارے بھتیجے ، رات بہت آ گئی ہے ، اب سو جاؤ ۔ تدبیر کل بتائیں گے ۔"

یہ سن کر علم شاہ کو غصّہ آیا کہ اشرفیاں آج اینٹھ لیں اور تدبیر کل بتائیں گے ۔ اُس نے عمرو کا لحاف کھینچ لیا اور کہنے لگا ۔ "چچا جان ، آپ کو اسی وقت تدبیر بتانی ہو گی ۔ ورنہ ساری رات سونے نہ دوں گا ۔"

"اچھا بابا اچھا ۔" عمرو نے منہ بنا کر کہا ۔ "کل صبح اپنے کاریگروں سے کہو کہ لوہے کا ایک بہت بڑا صندوق بنائیں ۔ اس صندوق میں اوپر کی طرف ایسے سوراخ رکھیں جن میں سے تیر پھینکے جا سکیں ۔ پھر اس کے نیچے پہیے لگا کر رات کے اندھیرے میں قلعے کی فصیل تک لے جاؤ اور تیروں میں آتش گیر مادہ لگا کر پھینک دو ۔ اس تدبیر سے فصیل پر پہرا دینے

والے سپاہی بھاگ اُٹھیں گے اور ممکن ہے آگ لگنے
کے ڈر سے وُہ اِتنے بدحواس ہو جائیں کہ مُقابلہ بھی
نہ کر سکیں۔"

عَمرو کی یہ تدبیر عَلَم شاہ اور سعد کو بے حد پسند
آئی۔ اگلے روز لوہے کے ایک بہُت بڑے
صندُوق پر مستریوں اور لوہاروں نے کام شرُوع کر دیا
تین دن کے اندر اندر یہ صندُوق تیار ہو گیا اور
اس کے اندر ایک ہزار تیر انداز بھر دیے گئے۔ پھر
سپاہی رات کی تاریکی میں اسے دھکیلتے ہُوئے لے
گئے اور فصیل کے بالکُل برابر کھڑا کر دیا۔ صبح سویرے
مرزُوق نے یہ عجیب و غریب صندُوق دیکھا تو سر پیٹ
لیا اور کہنے لگا۔ خُداوند کی قسم، یہ تدبیر کِسی عالی
دماغ شخص کی ہے۔ اب ہمارا قلعہ محفُوظ نہیں رہا۔
کیا تدبیر کروں؟ سوچتے سوچتے ایک جادُوگر کا خیال
آیا جو وہیں خُداوند زرّیں تن کے باغ میں رہتا تھا۔

مرزُوق نے اُسے طلب کیا اور سارا قصّہ سُنایا۔
جادُوگر ہنسا اور کہنے لگا:

"اے بادشاہ، غم نہ کر۔ میرے پاس ایسا جادُو ہے
کہ امیر حمزہ تو ایک طرف، کوئی پرندہ بھی قلعے میں

پر نہیں مار سکتا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ پکیر بن اسلم کی بیٹی سے میری شادی کر دے۔"

مرزوق نے جادوگر کی یہ خواہش پوری کر دی، تب اس نے جادو کے بہت سے پتلے بنائے اور ہر پتلے کے ہاتھ میں ایک مشعل روشن کر کے تھما دی۔ اِن مشعلوں کی یہ تاثیر تھی کہ جہاں تک روشنی جاتی تھی، وہاں تک کوئی شخص قلعے کے قریب نہیں آ سکتا تھا۔ بلکہ بے ہوش ہو کر گر پڑتا۔ جونہی یہ مشعلیں روشن ہوئیں اور ان کی روشنی لوہے کے صندوق تک پہنچی، اس میں چھپے ہوئے تمام تیرانداز بے ہوش ہو گئے۔ عمرو، عَلَم شاہ اور سعد کو پتا بھی نہ چلا کہ مرزوق کے جادوگر نے کیا کارروائی کی ہے جب تیر انداز بے ہوش ہو گئے تو فصیل پر سے مرزوق کے سپاہی اُترے اور اِن سب کو باندھ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ اِتنے میں برق فرنگی دوڑا ہوا آیا۔ اُس نے یہ مشعلیں جلتے دیکھیں تو فوراً سمجھ گیا کہ یہ جادوگر کی حرکت ہے۔ برق سیدھا عمرو کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"اے اُستاد، غضب ہو گیا۔ مرزوق کے جادوگر نے

قلعے کی فصیل پر جادُو کے پُتلے بٹھائے ہیں اور اُن کے ہاتھوں میں جلتی ہُوئی مشعلیں تھما دی ہیں، جس شخص پر ان مشعلوں کی روشنی پڑتی ہے، بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہے۔ میں ابھی ابھی قلعے کی جانب گیا تھا۔ تب یہ معاملہ سمجھ میں آیا۔ ہمارے سب تیرانداز ان کے قبضے میں جا چُکے ہیں۔ جب تک سُورج طلُوع نہیں ہوتا، اِس جادُو کا اثر برابر جاری رہے گا۔"

عَمرو نے دانت پیس کر کہا "میں نے بڑے بڑے جادُوگروں کو خدا کے فضل سے جہنّم رسید کیا ہے مرزُوق کے اِس جادُوگر کی تو ہستی ہی کیا ہے۔"

ابھی یہ گفتگُو ہو رہی تھی کہ امیر حمزہ کی آمد کا شور بلند ہُوا۔ عَمرو، عَلَم شاہ اور سعد دوڑ کر امیر کی خدمت میں پہنچے۔ اُنھوں نے سب حال پُوچھا عَمرو نے جواب میں جادُوگر کے پُتلوں اور جادُو کی مشعلوں کا ذکر کر کے کہا:

"اے حمزہ، اب ایک ہی تدبیر ہے اور وُہ یہ کہ آپ اسمِ اعظم کا حِصار قلعے کے گرد کر دیں۔ میں جا کر عیّاری کرتا ہُوں۔"

اگلے روز جب سُورج نِکلا تو یہ مشعلیں خُود بخُود

بُجھ گئیں۔ تب امیر حمزہ قلعے کے نزدیک گئے، اور گُھوم پھر کر اسمِ اعظم کا حِصار اُس کے گِرد کر دیا۔ اس کے بعد عمرو عیّار قلعے کی پُشت پر آیا۔ خُداوند زرّیں تن کے باغ کا دروازہ ہر وقت کُھلا رہتا تھا۔ عَمرو نے اپنی صُورت سو برس کے بُڈّھے کی سی بنائی جِس کی کمر جُھک کر کمان بن گئی تھی۔ ڈاڑھی، مُونچھوں بھَوؤں اور پلکوں کے بال تک سفید۔ لباس تار تار اور بوسیدہ۔ گُھٹنوں، کُہنیوں اور سِینے پر زخم جِن سے خُون رِستا ہُوا نظر آتا تھا۔ لاٹھی ٹیکتا اور کھانستا ہُوا دروازے پر آیا، دربانوں کے پاس پہنچ کر رُکا اور ہانپتے ہُوئے کہنے لگا:

"پانی ..... پانی ..... میرا دم نِکلا جاتا ہے، خُداوند کے واسطے مُجھے پانی پلاؤ ....."

ایک دربان بھاگا ہُوا گیا اور آب خورے میں پانی لا کر بُڈّھے کو پلایا۔ جب پانی پی کر اُس کے اوسان بحال ہُوئے، تو دربانوں نے پُوچھا:

"اے بُڈّھے، تُجھ پر کیا آفت آئی کہ اِس عُمر میں اِتنی دُور کا سفر کر کے یہاں آیا؟"

"بیٹو، کیا بتاؤں۔" عَمرو نے روتے ہُوئے کہا۔ "مُجھے

گھر چھوڑے ہُوئے آٹھ مہینے ہو گئے ہیں۔ میں نے منّت مانی تھی کہ اگر میری شادی ہو گئی تو پیدل چل کر خُداوندِ زرّیں تن کے باغ میں جاؤں گا اور رات بھر اس کی عبادت کروں گا۔"

دربانوں نے حیرت سے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا اور اِشاروں میں کہا بُڈھا پاگل ہے۔ بھلا اِس عُمر میں بھی کِسی کو شادی کی سُوجھتی ہے۔ پھر کمال دیکھیے کہ بڑے میاں نے شادی کی منّت بھی مانی ہے اور اب اُسے پُورا کرنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ دربانوں کے سردار نے کہا:

بڑے میاں، ہم مُبارک باد دیتے ہیں کہ آپ کی منّت پُوری ہُوئی۔ رات کے وقت کِسی کو باغ میں اندر رہنے کی اِجازت تو نہیں ہے لیکن آپ چُوں کہ بہُت دُور سے آئے ہیں۔ اِس لیے ہم اِجازت دے دیتے ہیں۔ صِرف ایک رات کے لیے آپ باغ میں ٹھہر کر خُداوند کی پُوجا کر سکتے ہیں۔"

"ارے بیٹو، جیتے رہو۔ آباد رہو۔" عَمرو نے پوپلے مُنہ سے دُعائیں دیتے ہُوئے کہا۔ پھر اپنی گُدڑی ٹٹول کر اس میں سے لال رنگ کا ایک سیب نِکالا۔ اِسے

کاٹ کر چار حِصّوں میں تقسیم کیا اور دربانوں کو دیتے ہُوئے کہا :

میرے پاس تمھارے لیے اِس سے زیادہ اور کوئی سوغات نہیں۔ میرے بیٹو، اِسے قبول کر لو۔"

دربانوں نے سیب کی قاشیں لے لیں اور اُنھیں کھانے کے لیے جُونہی مُنہ میں رکھا، بے ہوش ہو کر گِرے۔ عَمرو نے اِن سب کے ہاتھ پیر باندھ کر ایک گڑھے میں ڈال دیا اور خُود باغ کے اندر داخل ہو گیا۔ دیکھا کہ نہایت بے نظیر اور سرسبز باغ ہے۔ ہزاروں قِسم کے پھل دار درخت اور پودے وہاں لگے ہیں۔ دُودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ پرندے چہچہاتے ہُوئے باغ کی فضا میں پرواز کر رہے ہیں۔

اِتنے میں شام ہو گئی۔ دیکھا کہ تمام باغ میں آپ ہی آپ روشنی ہُوئی۔ اب عَمرو ایک عالی شان بارہ دری میں آیا۔ اس کے اندر سونے چاندی کے ہزاروں چھوٹے بڑے بُت سجے ہُوئے تھے۔ درمیان میں رکھا ہُوا سونے کا بُت سب سے بڑا تھا اور اُس کے اُوپر اَن گنت یاقُوت، لعل، مرجان اور موتی جڑے تھے۔ اسی بڑے بُت کا نام خُداوندِ زرّین تن تھا اور باقی

بُت اُس کے غلام تھے۔ عمرو نے سُنا تھا کہ خداوند کا بُت باتیں بھی کرتا ہے اور جو لوگ اُس کے لیے ہزاروں من کھانے پینے کی چیزیں لاتے ہیں، وہ بھی چٹ کر جاتا ہے۔

عمرو نے جونہی خداوند زرّیں تن کے بُت میں سے قیمتی پتھّر اُکھاڑنے کی کوشش کی، بُت کا دایاں ہاتھ بلند ہوا اور اس زنّاٹے کا طمانچہ عمرو کے گال پر پڑا کہ وہ پھرکی کی طرح گھوم گیا۔ پھر بُت کے حلق سے ایک بھیانک آواز نکلی:

"اے عمرو، تُو بے شک عیّاروں کا شہنشاہ ہے۔ لیکن میں بھی خداوند کہلاتا ہوں۔ تیری کیا مجال جو مجھے تنگ کرے۔ خیر اسی میں ہے کہ اس باغ سے نکل جا ورنہ کُتّے کی موت ماروں گا۔"

اپنا نام سُن کر عمرو بھونچکا رہ گیا۔ پھر سنبھل کر بولا "اے خداوند، میں تو تجھ پر ایمان لانے کے لیے آیا تھا۔ مگر بُرا ہو لالچ کا کہ پتھّر اکھاڑنے لگا۔ آیندہ ایسی گستاخی نہ کروں گا۔"

"ہم تیری عیّاری خُوب جانتے ہیں۔" بُت میں سے آواز آئی۔ "اب بھی موقع ہے یہاں سے نکل جا۔

ورنہ پچھتائے گا۔"

"میں نہیں جانتا۔ تجھ سے جو ہو سکتا ہے، کر لے۔"
عمرو نے کہا۔

اتنا کہا تھا کہ بت کا قد اونچا ہونا شروع ہوا اس کی سرخ آنکھیں انگاروں کی مانند دہکنے لگیں۔ پھر وہ پیروں پر چلتا ہوا عمرو کو پکڑنے کے لیے آگے بڑھا۔ اس کے بازو اتنے لمبے تھے کہ عمرو کہیں بچ کر نہ جا سکتا تھا۔ اس نے جھٹ زنبیل میں سے سبز کمبل نکالا اور اوڑھ کر بت کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ باغ سے نکل کر امیر حمزہ کے پاس آیا اور ساری داستان سنائی۔ امیر حمزہ نے لندھور، عالم شاہ، سعد اور بہرام کو ساتھ لیا اور خداوند زریں تن کے باغ میں آئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ بت اپنی جگہ موجود ہے۔ جونہی امیر حمزہ اس کے قریب گئے، بت نے چلّا کر کہا:

"اے حمزہ، وہیں رک جا۔ میرے نزدیک نہ آئیو ورنہ جلا کر خاک کر دوں گا۔"

امیر حمزہ نے اسمِ اعظم پڑھ کر گرز سنبھالا اور آگے بڑھ کر بت پر وار کیا۔ ایک ہولناک دھماکہ

ہُوا۔ بُت کے سر سے نارنجی رنگ کے شعلے نکلنے لگے
پھر وہ ہزار ٹکڑے ہو کر بکھر گیا۔ ناگہاں ایک آواز
آسمان کی جانب سے آئی:

"اے حمزہ، سامری نامے میں درج تھا کہ تُو ایک
دن یہاں آئے گا۔ میں تیرے ہی خوف سے یہاں
طلسم بنا کر پڑا ہُوا تھا۔ اب جاتا ہُوں۔ سُن لے کہ
میرا اصل نام بلقیا دیو ہے اور میں کبھی کوہ قاف کی
آٹھ سلطنتوں کا بادشاہ تھا۔ میرا عہد یہ ہے کہ تجھے
نہ چھوڑوں گا اور جب موقع ملے گا، ہلاک کر دُوں
گا۔"

خُداوند زرّیں تن کے بُت کا پاش پاش ہونا تھا
کہ دُوسرے سب بُت اوندھے مُنہ گر گئے۔ عمَرو
اُنھیں اُٹھا اُٹھا کر زنبیل میں ڈالنے لگا۔ اُدھر مرزوق
کے جادُوگر کے بنائے ہُوئے پُتلے ٹُوٹے اور اُن کی
شمعیں بھی اچانک بُجھ گئیں۔ اسی وقت امیر حمزہ کے
لشکر نے قباد کی کمان میں قلعے پر زور دار حملہ کیا
مرزُوق اور نوشیرواں جان بچا کر بھاگے۔ نوشیرواں اور
بختک تو نکل گئے مگر مرزُوق بھاگتے ہُوئے جب خُداوند
کے باغ میں آیا تو عَلَم شاہ نے اُسے دیکھ لیا۔ اُسی

وقت گردن دبوچی اور گلا گھونٹ کر مار دیا۔

جب مرزوق کے مرنے کی خبر مشہور ہوئی، تو اس کی فوج نے ہتھیار ڈال دیے۔ قلعے پر امیر حمزہ کا قبضہ ہو گیا۔ تب انھوں نے مسروق دیوانے کو طلب کیا اور کہا "مرزوق کا تخت ہم نے تجھے عطا کیا۔ خدا کی مخلوق پر کبھی ظلم نہ کرنا اور ہمیشہ عدل و انصاف سے کام لینا۔" مسروق نے وعدہ کیا کہ ایسا ہی کرے گا۔

سلطنتِ فرنگ کو خاک میں ملا کر امیر حمزہ اب بالکل فرصت میں تھے۔ قباد اور علم شاہ کی صلح ہو چکی تھی اور عامر بن حمزہ بھی مل گئے تھے۔ ایک دن غل مچا کہ مرتاد شاہ نام کا ایک شخص دو لاکھ سواروں کے ساتھ امیر حمزہ کی ملاقات کو آیا ہے۔ حمزہ نے اپنے چند سرداروں کو اس کے استقبال کے لیے بھیجا۔ جب مرتاد شاہ بارگاہ میں آیا تو امیر حمزہ نے کرسی سے اٹھ کر اس کا ہاتھ تھاما۔ مرتاد نے حمزہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور سر جھکا کر کہنے لگا:

"میں بہت عرصے سے آپ کی ملاقات کا شوق

رکھتا تھا۔ خدا نے آج یہ آرزو پوری کی۔"

"خوش آمدید۔ خوش آمدید۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "ہم تمھارے آنے سے خوش ہوئے۔"

اِس کے بعد اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔

یکایک امیر حمزہ نے دیکھا کہ مرتاد شاہ کے گلے میں ایک تعویذ سا پڑا ہے جس پر کالے حروف میں کوئی عبارت لکھی ہے۔ اُنھوں نے پوچھا:

"اے مرتاد، یہ تعویذ کیسا ہے اور اِس پر کیا لکھا ہے؟"

یہ سُن کر مرتاد نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہنے لگا۔

"اے امیر، اس کی کہانی عجیب ہے۔ آپ سُننا پسند کریں تو عرض کرتا ہوں۔ میرے گھر میں اولاد نہ ہوتی تھی۔ بڑی دُعائیں کیں اور منتیں مانیں۔ آخر خدا نے میری دُعا سُن لی۔ مدّت بعد ایک بیٹا ہوا۔ میں اُسے نہایت عزیز رکھنے لگا۔ آہستہ آہستہ یہ لڑکا جوان ہوا تو اُسے شکار کھیلنے کا جنون ہو گیا۔ دن رات جنگلوں اور صحراؤں کی خاک چھانتا۔ ایک دن جنگل میں شکار کھیل رہا تھا کہ ایک ہرن سامنے آیا۔ میرے بیٹے نے اُس پر تیر چلایا۔ ہرن زخمی ہو کر بھاگا۔ یہ بھی

اُس کے تعاقب میں چلا۔ میرے شہر سے کوئی پچاس میل دُور ایک سرسبز باغ ہے۔ اُس کے چاروں طرف ایک عجیب طلسم بنا ہُوا ہے۔ جسے "نادرِ فرنگ" کہتے ہیں۔ میرا بیٹا اِس طلسم میں داخل ہو گیا۔ مجھے خبر لگی تو سخت تشویش ہُوئی اور میں بھی وہاں چلا گیا۔ اس طلسم میں سامنے سے ایک قلعہ دِکھائی دیتا ہے۔ جس میں تین درجے ہیں۔ پہلا لوہے کا، دُوسرا چاندی کا اور تیسرا سونے کا ہے۔ اِس درجے میں سینکڑوں خُوش نُما مکان ہیں۔ بیچ میں ایک مکان نہایت وسیع ہے۔ ہر مکان پر ایک مور بیٹھا ہے۔ سب سے بڑے مکان پر ایک بڑا مور ہے اور الماس کا بنا ہُوا ایک چاند اس مکان پر چمکتا ہے جس کی روشنی بارہ میل تک پھیلتی ہے۔ کوئی شخص اس روشنی کے سامنے آنکھیں نہیں کھول سکتا۔ مکان کے چاروں طرف ایک گہری خندق ہے جس میں پارے کی مانند سُفید پانی ہر وقت موجیں مارتا ہے۔ سُنا ہے کہ جو جان دار اِس پانی میں گر جائے، آناً فاناً بُھن جاتا ہے۔ اِسی خندق کے ایک کِنارے لکڑی کا تختہ لگا ہے۔ جس پر لِکھا ہے:

اے راہ گیر، یہ طلسم نادرِ فرنگ ہے۔ اِس میں ہزاروں قسم کے عجائبات اور خزانے جمع ہیں۔ جو شخص اِس طلسم کو فتح کرے گا، یہ تمام عجائبات اور خزانے اسی کی ملکیّت ہوں گے۔ اے راہ گیر، اگر تُو اِس طلسم کو فتح کرنا چاہتا ہے تو دائیں جانب رکھے ہُوئے تاشے پر لکڑی مار۔ پھر اس خندق پر ایک پُل نمُودار ہو گا اور تُو باغ کے اندر جا سکے گا۔

"اے امیر، اس وقت تک میرا بیٹا طلسم میں نہ گیا تھا بلکہ خندق کے کنارے کھڑا یہ تحریر پڑھ رہا تھا، میں وہاں پہنچ گیا۔ میں نے اُسے سمجھانے اور روکنے کی بڑی کوشش کی مگر وُہ نہ مانا اور تاشے پر چوٹ مار دی۔ ڈھول کی آواز ابھی فضا میں گونجی ہی تھی کہ خندق پر ایک خُوب صُورت پُل خُود بخُود بن گیا اور میرا بیٹا اِس پل پر سے گزرتا ہُوا دُوسری جانب پہنچ گیا۔ اُس وسیع مکان کی کئی سیڑھیاں تھیں جو باغ کے بالکل بیچ میں بنا ہُوا تھا۔ جُونہی میرے بیٹے نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا، — ہزاروں

سپاہی تلواریں ہاتھوں میں لیے نمودار ہوئے۔ اُن کی وردیاں سُرخ بانات کی تھیں جن پر کلابتوں کا اعلیٰ کام تھا۔ دُھوپ میں یہ وردیاں خُوب چمک رہی تھیں اِن سپاہیوں نے میرے بیٹے کو سلامی دی۔ اِس کے بعد جب اُس نے دُوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو یہ سپاہی غائب ہو گئے اور ان کی جگہ دُوسرے سپاہی نمودار ہوئے جن کی وردیاں سیاہ مخمل کی تھیں اور کے ہاتھوں میں ہزارہا قسم کے عجیب وغریب باجے تھے۔ اِن سپاہیوں نے بھی میرے بیٹے کو سلامی دی اور باجے بجانے لگے۔ جب اُس نے تیسری سیڑھی پر پاؤں رکھا تو یہ سپاہی بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے اور آسمان سے ایک سُنہری تخت اُترا جس کے پائے چار پریوں نے تھام رکھے تھے۔ اِس تخت پر جواہرات سے بنی ہُوئی ایک کُرسی پر کوئی شہزادی بیٹھی تھی جس کا حُسن چاند تاروں کو شرماتا تھا۔ دو خادمائیں اس شہزادی کے پیچھے ادب سے کھڑی مورچھل جھل رہی تھیں اور ایک کنیز قدموں میں بیٹھی پیر دبا رہی تھی۔

شہزادی میرے بیٹے کی طرف دیکھ کر ہنسی، اور

اشارے سے کہا کہ اگلی سیڑھی پر قدم رکھو۔ اُس نے چوتھی سیڑھی پر پیر رکھا۔ اسی لمحے مکانوں کی چھتوں پر رکھے ہُوئے مور پَر اور دُمیں پھیلا کر ناچنے لگے پھر ان کی دُموں سے آتش بازی سی چھُوٹنے لگی اور چونچوں سے پانی کے قطرے موتی بن بن کر گرنے لگے۔ جو مور سب سے بڑا تھا، اس کے مُنہ سے انڈے کے برابر موتی گر رہے تھے۔ پھر گھوڑوں پر سوار ایک فوجی دستہ آیا اور اُس کے افسروں نے اپنی اپنی ٹوپیاں اُٹھا کر میرے بیٹے کو سلام کیا۔

"اس کے بعد یہ منظر غائب ہو گیا اور میرے بیٹے نے پانچویں سیڑھی پر قدم رکھا۔ یکایک آسمان پر ایک روشنی سی کوندی اور اس میں سے چاندی کی مانند سفید ایک کشتی نمُودار ہو کر نیچے آئی۔ اس میں سے بھی ایک شہزادی اُتری۔ وُہ پہلی شہزادی سے بھی زیادہ خُوب صُورت تھی۔ کشتی سے اُتر کر اُس نے میرے بیٹے کا ہاتھ پکڑا اور مکان کے اندر لے گئی یہ نہایت عالی شان مکان تھا۔ جس کے صحن میں سینکڑوں فوّارے چل رہے تھے۔ اسی صحن میں اِس

شہزادی نے میرے بیٹے کو ایک تخت پر بٹھایا اور اس کے سامنے کچھ پھل رکھے۔ میرے بیٹے نے جونہی ایک پھل اُٹھا کر منہ میں رکھا، ایک دھاکہ ہُوا ہر طرف اندھیرا چھا گیا اور ایسا بھیانک شور سُنائی دیا کہ میرا رُواں رُواں کانپنے لگا۔ بہت دیر بعد وہ اندھیرا دُور ہُوا لیکن مجھے نہ وہ شہزادی نظر آئی نہ میرا بیٹا دِکھائی دیا۔ البتّہ جو منظر پہلے سے موجود تھا وُہی دِکھائی دیا۔ خندق پر بنا ہُوا پُل بھی غائب ہو چکا تھا۔ تب میں روتا اور خاک اُڑاتا ہُوا شہر میں واپس آیا اور یہ تمام داستان اپنی زبان میں لکھوا کر اس تعویذ کے اندر رکھی تا کہ بھول نہ جاؤں — ایک روز کسی سوداگر نے آپ کا ذِکر کیا۔ میں حضُور کی تعریف سُن کر بے چین ہُوا اور یہاں تک پہنچا۔ اگر میری قسمت میں ہو گا تو آپ ضرور مدد فرمائیں گے اور میرے فرزند کو مجھ سے مِلائیں گے۔"

امیر حمزہ نے مرتاد شاہ کو بہت دلاسے دیئے اور کہا "بھائی، غم نہ کرو۔ اللہ نے چاہا تو ہم تُمھارے بیٹے کو تُم سے مِلائیں گے اور اس طِلسم کو فتح کریں گے۔"

مرتاد شاہ امیر حمزہ کے قدموں کو چوم کر بولا ۔
"آپ کا یہ اِحسان مرتے دم تک نہ بھول سکوں گا ۔"

چند روز بعد امیر حمزہ نے طِلسم نادِر فرنگ کی جانب کُوچ کرنے کا حُکم دیا ۔ مرتاد شاہ بھی ہمراہ تھا۔ جب اُس خندق کے پاس پہنچے تو امیر نے وہی منظر دیکھا جو مرتاد شاہ نے بیان کیا تھا ۔ اُنھوں نے ایک فرنگی قیدی کو طلب کر کے حُکم دیا :

"اس ڈھول کو لکڑی سے بجا دے ۔"

اُس نے ایسا ہی کِیا ۔ فوراً خندق پر پُل نمودار ہُوا اور اس کے بعد وُہ تمام واقعات پیش آئے ۔ جو مرتاد شاہ نے سُنائے تھے ۔ آخری منظر میں جُونہی اِس فرنگی نے پھل اُٹھا کر مُنہ میں رکھا ، وہی دھماکہ ہُوا اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا ۔ بہت دیر بعد اندھیرا دُور ہُوا تو دیکھا ۔ نہ وُہ فرنگی ہے اور نہ وُہ شہزادی امیر حمزہ سوچ میں پڑ گئے کہ یہ کیا جادُو ہے اور اسے کیوں کر فتح کِیا جا سکتا ہے ۔ اسی اُدھیڑ بن میں کئی دِن نِکل گئے ۔ چوتھے روز امیر حمزہ نے خُودِ ڈھول پر لکڑی مارنے کا اِرادہ کیا ہی تھا ، کہ

عمرو قدموں میں لیٹ گیا اور کہنے لگا:

"اے حمزہ، جلد بازی سے کام نہ لو۔ اگر اس طلسم کی فتح تمھارے مقدّر میں لکھی ہے تو ضرور کوئی بشارت ہو گی۔ جب یہ بشارت مل جائے تب اس طلسم کے اندر جانے کا ارادہ کرنا ورنہ تم ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو جاؤ گے۔"

امیر حمزہ کو عمرو کی بات میں کچھ وزن محسوس ہوا کہنے لگے "اے عمرو، تو ٹھیک کہتا ہے۔ ہم بشارت کا انتظار کریں گے۔"

رات ہوئی تو امیر حمزہ نے زمین پر کپڑا بچھایا اور عبادت میں مصروف ہوئے۔ صبح ہونے نہ پائی تھی کہ اُن کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان کی جانب سے زمین پر ایک تخت آیا۔ اُس پر ایک نورانی صورت بزرگ بیٹھے تھے۔ امیر حمزہ نے اُنھیں سلام کیا۔ اُن بزرگ نے سلام کا جواب دیا، اور پوچھا:

"اے فرزند، کیا ارادہ ہے؟"

امیر حمزہ نے عرض کی "حضرت، طلسم نادر فرنگ کو فتح کرنے کا خیال ہے۔ آپ یہ ارشاد فرمائیں کہ میرے

نام اس کی فتح ہے یا نہیں ؟"
بزرگ نے مُسکرا کر کہا " بے شک، یہ طلسم تمہارے
نام پر فتح ہو گا، کیوں کہ اسے فتح کرنے والے
میں جن خوبیوں کا ہونا ضروری ہے، وہ سب تم میں
موجود ہیں۔ مگر ایک خاص تختی تمہارے پاس نہیں
ہے۔ اِس تختی کے بغیر اگر ایک لاکھ آدمی بھی
طلسم کو فتح کرنے جائیں گے تو ناکام ہوں گے۔
بہرحال، تم گھبراؤ نہیں۔ یہ ایک خط تمہیں دیتا ہوں
اِسے سنبھال کر اپنے پاس رکھو اور دائیں جانب سفر
کرو۔ جب کئی کوس دُور نکل جاؤ تو ایک بلند
ٹیلا ملے گا۔ اِس ٹیلے پر ہاتھ رکھ کر اس خط کا
پہلا اسم تین سو مرتبہ پڑھنا۔ یکایک وہ ٹیلا اُڑ جائے
گا اور اس کی جگہ ایک غار نمودار ہو گا۔ تم بلا
کھٹکے اِس غار میں داخل ہو جانا۔ پھر ایک صحرا نظر
آئے گا۔ جس کے درمیان ایک لمبا چوڑا تالاب ہو
گا۔ پانی کے اندر بے شمار مگرمچھ مُنہ کھولے تیر رہے
ہوں گے۔ تالاب کے بالکل بیچ میں ایک مینار ہے۔
تُم اپنے آپ کو اِن مگرمچھوں سے بچا کر ایسی
چھلانگ لگانا کہ اِس مینار تک پہنچ سکو۔ اگر تمہارے

جسم کا یا کپڑوں کا کوئی حصّہ بھی اِن مگرمچھوں سے چھُو گیا تو قیامت تک تمھاری رہائی مُحال ہے۔"

یہ کہہ کر وہ بزرگ غائب ہو گئے۔ امیر حمزہ کی آنکھ کھُل گئی۔ دیکھا کہ سرہانے ایک خط پڑا ہے۔ اُنھوں نے اِس خط کو چُوما اور حفاظت سے اپنے پاس رکھ لیا اور سب دوستوں سے اِس مُبارک خواب کا حال بیان کیا۔ سب کو خوشی ہُوئی۔ امیر حمزہ نے کہا:

"اچھّا دوستو، اب میں جاتا ہُوں۔ خُدا حافظ۔"

طِلسم نادِر فرنگ کی حیرت انگیز دُنیا — امیر حمزہ آفتوں میں پھنس جاتے ہیں — شہزادہ عَلَم شاہ اُن کی مدد کو پہنچتا ہے — اِنتشار شاہ اور شُعلہ جادُو کی موت۔ عَمرو کی عیّاریاں — اِس داستان کے دسویں اور آخری حِصّے

"امیر حمزہ کی آخری مُہم"

میں پڑھیے۔

آخری مُہم

تخت کی کرامت

امیر حمزہ گھوڑے پر سوار ہو کر دائیں جانب چلے۔ کئی کوس جا کر وہ ٹیلا نظر آیا۔ اُس پر ہاتھ رکھ کر تین سو مرتبہ اسمِ اعظم پڑھا۔ ایک دم ٹیلا دھواں بن کر اُڑ گیا اور امیر حمزہ نے اپنے آپ کو ایک غار کے دہانے پر کھڑے پایا۔ خدا کا نام لے کر غار کے اندر داخل ہوئے۔ ایک لق و دق صحرا دکھائی دیا۔ اِس میں سفر کرتے ہوئے تالاب کے کنارے پہنچے۔ اِس میں بڑے بڑے مگرمچھ تیر رہے تھے۔ ان کے کھلے جبڑے دیکھ کر امیر حمزہ کو خدا یاد آیا۔ تالاب کے درمیان میں ایک خوب صورت سفید مینار

بنا ہُوا تھا۔ امیر حمزہ نے کپڑے سمیٹ کر زور سے چھلانگ لگائی۔ زمین پر پاؤں لگے۔ آنکھیں کھول دیں کیا دیکھتے ہیں کہ نہ وُہ تالاب ہے نہ وُہ مگرمچھ اور نہ وُہ بیمار۔۔ ایک ہولناک صحرا ہے۔ جس میں آدمی نہ آدم زاد۔۔ حیران ہُوئے کہ اب کِدھر جائیں۔ یکایک اُس خط کا خیال آیا جو بُزرگ نے عطا کِیا تھا۔ جیب سے نِکال کر اُسے دیکھا۔ اُس میں لِکھا تھا:

"اے حمزہ! اِس صحرا میں جس طرف تیرا جی چاہے چل پڑ۔ جلد ہی ایک سواری مِلے گی۔"

امیر حمزہ حیران ہُوئے۔ دِل میں کہا عجیب بات ہے۔ سواری کا ذکر تو کِیا ہے لیکن یہ نہ بتایا کہ سواری پر بیٹھوں یا نہ بیٹھوں۔۔ کئی مرتبہ اُس خط کو کھولا اور بند کِیا۔ ہر بار یہی جُملہ لِکھا پایا۔ آخر اپنے آپ کو تقدیر کے حوالے کرکے ایک جانب چل پڑے۔ چلتے چلتے پیروں میں چھالے پڑ گئے مگر صحرا کِسی طرح ختم ہونے ہی میں نہ آتا تھا۔ شام کے وقت ایک نخلستان کے نزدیک پہنچے۔۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے سے ایک ہزار سپاہی گھوڑوں پر سوار چلے آتے ہیں۔ امیر حمزہ کے قریب آ کر یہ

سپاہی گھوڑوں سے اُترے اور قطار میں کھڑے ہو کر سلامی دی - پھر اُن کا سردار آگے بڑھا اور ایک گھٹنا زمین پر رکھ کر ادب سے کہنے لگا :

"ہمارے بادشاہ اِنتشار شاہ نے آپ کو طلب کیا ہے - وہی اِس طلسم کا مالک ہے - میں اِس طلسم کا وزیرِ اعظم ہُوں اور میرا نام شُعلہ ہے - میرے دائیں بائیں جو تین آدمی کھڑے ہیں ، یہ بھی وزیر ہیں"

"ہم تُمھارے ساتھ چلنے کو تیّار ہیں" امیر حمزہ نے کہا -

یہ سُن کر شُعلہ نے چُٹکی بجائی - اُسی لمحے ایک جڑاؤ تخت فضا میں نمُودار ہُوا اور امیر حمزہ کے قریب آن کر رُک گیا - امیر تخت پر بیٹھے اور وُہ ہوا کے دوش پر اُڑتا ہُوا روانہ ہُوا - امیر نے نیچے جھانک کر دیکھا تو ہزار سوار گھوڑے دوڑائے ساتھ ساتھ آ رہے تھے -

ایک عظیمُ الشّان شہر میں پہنچ کر تخت شاہی محل کے اندر اُتر گیا - اِنتشار شاہ خُود اپنے وزیروں ، امیروں اور شہزادوں سمیت اِستقبال کو آیا ، امیر حمزہ کو سلام کیا اور اپنے ساتھ تخت پر بیٹھنے کی

درخواست کی لیکن اُنھوں نے اِنکار کر دیا — تب اِنتشار شاہ ہنس کر کہنے لگے :

"تخت لینے کے اِرادے سے تو آپ آئے ہیں، اور تخت پر بیٹھنے سے پرہیز ہے۔ آئیے تشریف رکھیے زیادہ اِنکار نہ فرمائیے۔"

غرض اُس نے ایسی خُوشامد کی کہ امیر حمزہ راضی ہو گئے۔ پھر اِنتشار شاہ نے کہا "میں آپ کو خُوب جانتا اور پہچانتا ہُوں۔ آپ بڑی قُوّت اور شجاعت رکھتے ہیں۔ اگر آپ اِس طلِسم کو فتح کرنے کے اِرادہ سے باز آئیں تو ہم سب آپ کے غُلام بننے کو تیّار ہیں۔"

امیر یہ سُن کر ہنسے اور کہنے لگے "اے اِنتشار شاہ میں نے ایک مُصیبت زدہ شخص سے وعدہ کیا ہے، کہ اِس طلِسم کو ضُرور فتح کروں گا۔ اب اگر میں یہ اِرادہ چھوڑتا ہُوں تو وُہ شخص کیا کہے گا اور دُنیا میرے بارے میں کیا سوچے گی کہ حمزہ وعدہ خلافی کرتا ہے۔ لہٰذا اِس اِرادے سے باز آنا مُمکن نہیں۔"

اِنتشار شاہ چند لمحے گردن جُھکائے کُچھ سوچتا رہا پھر اپنے وزیرِ اعظم سے کہا۔ "اے شُعلہ، معلُوم ہوتا

ہے حمزہ اپنی ضد سے باز نہ آئیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ تو انھیں اس طلسم کی ساری کیفیت سُنا دے۔"

شُعلہ نے اپنے بادشاہ کا حُکم پا کر یوں کہنا شروع کیا:

"اے امیر، طلسم نادرِ فرنگ جب تیّار ہو چکا تو کاہنوں اور جادُوگروں نے حساب لگا کر بتایا کہ ایک زمانے میں ایسا شخص اِدھر آئے گا جو اس طلسم کو تباہ کر دے گا۔ چنانچہ لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے طلسم میں داخلے کی ایسی راہ بنائی کہ اُدھر سے اگر کوئی شخص لاکھ جانیں بھی رکھتا ہو گا تو ایک بھی سلامت لے کر نہ جائے گا۔ اس کے علاوہ دُوسری راہ وُہ بنائی جدھر سے آپ تشریف لائے ہیں۔ جس تالاب میں آپ کُودے تھے، اُس میں جو مگرمچھ ہیں۔ وُہ سب کے سب نہایت زبردست جادُوگر ہیں۔ اُنھیں اِس واسطے تالاب میں رکھا گیا ہے کہ اگر کوئی ایسا آدمی جو طلسم کو برباد کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، اِدھر سے آ جائے تو یہ جادُو گر اُسے قید کر لیں۔ آپ خُوش قسمتی سے قید تو نہ ہُوئے مگر آپ کا اسمِ اعظم اُنھوں نے بند کر لیا ہے۔ اِس کے علاوہ عُقرب سلیمانی

بھی بے کار ہے۔ آپ کو اپنی دو چیزوں پر زیادہ بھروسا تھا۔ اب ذرا یاد کیجیے کہ اسمِ اعظم آپ کے پاس ہے یا نہیں؟"

شُعلہ کی یہ بات سُن کر امیر حمزہ نہایت پریشان ہُوئے۔ اسمِ اعظم یاد کرنے کی بہتیری کوشش کی، مگر وُہ کسی طرح یاد نہ آتا تھا۔ اُن کی پیشانی پسینے سے تر ہُوئی۔ تب شُعلہ نے قہقہہ لگا کر کہا:

"اے امیر، آپ کو اسمِ اعظم اُسی وقت یاد آئے گا جب تالاب کے وُہ مگر مچھ مر جائیں گے اور اُن کے مرنے کی کوئی تدبیر فی الحال آپ کے پاس نہیں ہے اس لیے یہی مُناسب ہے کہ ہماری میزبانی قبُول فرمائیے جب تک جی چاہے یہاں رہیے۔ جو شے پسند ہو، شوق سے لے جائیے۔ جہاں جی چاہے سیر کو جائیے آپ پر کوئی پابندی نہ ہو گی۔ مُجھے اُمید ہے کہ آپ کا دِل یہاں ایسا لگے گا کہ سب کچھ بھُول جائیں گے۔"

امیر حمزہ نے مصلحت اِسی میں دیکھی کہ اِنتشار شاہ کی میزبانی قبُول کر لیں۔ اُنھوں نے اپنی رضا مندی ظاہر کر دی۔ اِنتشار شاہ بہت خُوش ہُوا۔ ایک عالی شان

اور سجا سجایا محل امیر حمزہ کو رہنے کے لیے دیا۔ چالیس غُلام اور چالیس لونڈیاں باندیاں خدمت گزاری کے لیے مُقرّر کیں۔ ان کے علاوہ گانے بجانے میں ماہر گویّے بھی لائے گئے۔ شکار کے واسطے ایک وسیع جنگل دیا گیا جس میں ہر طرح کے چھوٹے بڑے جانور کثرت سے تھے۔

چند دِن کے اندر اندر امیر حمزہ اس شہر کی دِل چسپیوں میں ایسے کھوئے کہ کچھ یاد نہ رہا۔ اسی طرح ایک سال گُزر گیا۔ سال کے سال اس شہر میں ایک عظیم الشّان میلا ہُوا کرتا تھا۔ جب وُہ زمانہ آیا اور میلے کا سامان ہونے لگا تو اِنتشار شاہ نے امیر حمزہ کو بُلوایا اور کہنے لگا :

"اے امیر، آپ بھی اِس میلے کی سیر کریں۔ ایسا تماشا کبھی آپ کی نظر سے نہ گُزرا ہو گا۔"

امیر حمزہ نے ہنس کر جواب دیا "میں نے کوہ قاف کے عجائبات دیکھے ہیں۔ اُن کے سامنے اِن کھیل تماشوں اور میلوں ٹھیلوں کی کیا حقیقت ہے۔ میں اپنے محل میں آرام سے رہتا ہُوں۔ میلے میں آنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتا۔" اِنتشار شاہ خاموش ہو

رہا اور امیر حمزہ اپنے محل میں چلے آئے۔

میلے کا آخری دن تھا کہ آسمان پر ایک کالی گھٹا نمودار ہوئی۔ پھر گھٹا میں سے ایک تخت نیچے اُترا اس پر ایک بوڑھا شخص بیٹھا تھا جس کی سفید ڈاڑھی ناف تک لمبی تھی اور ایک کتاب اُس کی بغل میں دبی ہوئی تھی۔ اس بُڈّھے کو انجُم کتاب خواں کہتے تھے۔ وُہ غبور جادوگر کی جانب سے سال میں ایک مرتبہ اِس میلے میں آتا تھا اور اپنی کتاب میں سے منتر پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سُناتا تھا۔

جب وُہ زمین پر اُترا تو تھوڑی دیر بعد ایک بلّوریں گُنبد بھی آسمان سے آیا اور اِس بُڈّھے کے تخت کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ انتشار شاہ بھی اس کے استقبال کو آیا تھا۔ بُڈّھے نے پُوچھا:

"اے اِنتشار، تُو نے حمزہ کو نہیں بُلوایا؟"

"حضُور، میں نے اُسے بُلوایا، مگر اُس نے آنے سے اِنکار کر دیا۔"

"اچّھا، اب دوبارہ پیغام بھیجو اور کہو کہ یہاں آئے۔"

"بہت بہتر۔" اِنتشار شاہ نے کہا اور شعلہ وزیرِاعظم کی طرف دیکھا۔ وُہ اُسی وقت امیر حمزہ کے محل میں

پہنچا اور ساتھ چلنے کی درخواست کی۔ اُس نے اِس انداز میں خوشامد کی کہ امیر حمزہ اِنکار نہ کر سکے اور کہا کہ اچھا، ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ وُہ میلے میں آئے۔ دیکھا کہ ہزاروں قسم کے عجائبات میلے میں مُہیّا ہیں اور گُنبدِ بلّورین کے اندر ایک مردِ ضعیف کتاب بغل میں لیے بیٹھا ہے۔ اُس نے جُونہی امیر حمزہ کو دیکھا۔ پُکار کر کہا:

"اے حمزہ، اِدھر میرے قریب آئیے۔"

امیر حمزہ اُس کے نزدیک گئے تو بُڈّھے نے اُنھیں اُوپر سے نیچے تک دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔ "یہاں کا دستُور ہے کہ جو شخص طلِسم کو فتح کرنے کے اِرادے سے آتا ہے۔ اس کے سر پر ایک خاص قسم کا تاج رکھتے ہیں اگر یہ تاج اُس کے سر پر ٹھیک ٹھیک آتا ہے تو سمجھتے ہیں کہ یہی شخص طلِسم کا فاتح ہو گا۔ پھر اُسے مُبارک باد دیتے ہیں اور اگر تاج ٹھیک نہ بیٹھا تو اس شخص کو بھیانک سزا دیتے ہیں۔ لہٰذا اب وہی تاج آپ کے سر پر رکھا جائے گا۔"

"بہُت خُوب۔ میں اِس اِمتحان کے لیے تیار ہُوں۔" امیر حمزہ نے کہا۔

اُنجم کتاب خواں نے اِنتشار شاہ کو حکم دیا کہ تاج منگوایا جائے۔ آناً فاناً ایک الماسی تاج لایا گیا۔ اور زربفت کے ایک شامیانے میں الماس ہی کا بنا ہُوا تخت بچھایا گیا۔ کتاب خواں نے امیر حمزہ کو اِس تخت پر بٹھایا اور تاج اُن کے سر پر رکھا۔ تاج اُن کے سر پر ایسا ٹھیک آیا گویا اِنہی کے لیے بنا تھا۔ تب بُڈّھے نے امیر حمزہ کو مُبارک باد پیش کی اور کہنے لگا:

"اے امیر، ہزار ہزار مُبارک باد قبول فرمائیے۔ اِس طلسم کے فاتح آپ ہی ہیں۔ اب یہ تخت اور تاج آپ کا ہے۔ اِن دونوں پر کوئی جادُو اثر نہیں کرتا اِنھیں لے کر باغِ کرامت میں چلے جائیے۔"

اِس کے بعد اُس نے کتاب کھول کر اپنا وعظ شرُوع کیا اور لوگوں سے کہا "اے لوگو، جو شخص اس عرب کی اِطاعت کرے گا، وُہ بچ جائے گا اور جو اِس کے حُکم سے سرتابی کی جُرأت کرے گا، اپنی سزا کو پہنچے گا۔"

یہ سُنتے ہی اِنتشار شاہ نے چلّا کر کہا "او بُڈّھے میں نے بہت تیری بکواس سُنی۔ اب یہ ٹرٹر بند کر ورنہ زبان کاٹ ڈالوں گا۔ میں اِتنا بڑا بادشاہ ہو کر

ایک معمولی عرب کی اطاعت کیوں کر قبول کر لوں۔"
"اے اِنتشار شاہ، غرور نہ کر اور عاجزی اختیار کر۔"
الجُم الکتاب خواں نے کہا۔" ورنہ برباد ہو جائے گا۔"
اب تو اِنتشار شاہ کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔ نیام
سے تلوار کھینچ کر بُڈّھے کی طرف لپکا۔ بُڈّھے نے چلّا کر کہا:
"اے حمزہ، یہ تختی مجھ سے لے لو، تمھیں اس کی
ضرورت پڑے گی۔ یہ اب میرے لیے بے کار ہے۔ دس
ہزار دیو اور دس ہزار پریاں اس تختی کے تابع ہیں۔"
یہ کہہ کر اُس نے اپنے سینے کے اندر سے سونے
کی بنی ہوئی ایک چھوٹی سی تختی نکال کر امیر حمزہ کی
طرف پھینکی۔ اُنھوں نے تختی پکڑ کر اپنی جیب میں رکھ
لی۔ اُسی وقت اِنتشار کی تلوار بُڈّھے کی گردن پر پڑی
اور وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرا۔ بُڈّھے کے مرتے
ہی سُرخ آندھی آئی۔ بڑے بڑے درخت جڑوں سے
اُکھڑ کر آسمان میں اُڑنے لگے۔ تمام میلا درہم برہم ہو گیا
اس کے بعد گھُپ اندھیرا چھا گیا۔ یہ حالت بہت دیر
تک قائم رہی اور جب فضا صاف ہوئی تو امیر حمزہ
نے اپنے آپ کو اُسی تخت اور تاج سمیت ایک پُرفضا
باغ میں پایا۔ اِرد گرد بہت سی پریاں اور دیو ہاتھ

باندھے کھڑے تھے۔

یکایک اِن دیووں اور پریوں کا سردار آگے بڑھا اور امیر حمزہ کو جھک کر سلام کرنے کے بعد بولا:

"اے امیر، جب تک وہ طلسمی تختی آپ کے قبضے میں ہے، ہم سب آپ کے تابع دار ہیں۔ آپ اِس وقت باغِ کرامت میں تشریف رکھتے ہیں۔ یہاں اِنتشار شاہ اور شعلہ جادو کا اثر نہیں ہے۔ لیکن اِس طلسم کی فتح کے ابھی بے شمار دشوار مرحلے باقی ہیں۔ جو آپ کو طے کرنے پڑیں گے۔ حوصلہ نہ ہاریے، ہمّت برقرار رکھیے۔ سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ ایک نصیحت یہ ہے کہ ہر کام شروع کرنے سے پہلے اِس تختی پر ضرور نظر ڈال لیجیے۔ آپ کے لیے جو مناسب ہو گا، وہ اِس تختی پر ظاہر ہو جائے گا۔ اب ہم اجازت چاہتے ہیں ضرورت کے وقت خود بخود حاضر ہو جائیں گے۔"

یہ کہتے ہی تمام پریاں اور دیو عقابوں اور شاہینوں کی شکل بن کر اُڑے اور نظروں سے غائب ہو گئے۔ امیر اُس باغ میں اکیلے رہ گئے۔ تھوڑی دیر بعد اُنھوں نے تختی پر نگاہ ڈالی۔ اُس پر لکھا تھا:

"اے حمزہ، اب تم جلد اِس باغ سے نکل کر

دائیں جانب روانہ ہو جاؤ۔"

امیر حمزہ نے ایسا ہی کیا۔ باغ سے نکلتے ہی نتھے کہ زبردست آگ نے اُسے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا باغ جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ امیر حمزہ چلتے گئے۔ آخر ایک لق و دق صحرا میں پہنچے۔ گرمی کے مارے بُرا حال تھا۔ جھاڑیاں، درخت اور پودے سب کے سب سیاہ پڑ چکے تھے۔ گرم ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے۔

امیر حمزہ سائے کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑنے لگے اچانک ایک بڑا سا ریت کا ٹیلا دِکھائی دیا۔ اُس کے نیچے پناہ لینے کا اِرادہ کیا۔ جُونہی اِس ٹیلے کی آڑ میں آئے، یکایک زمین میں دھنسنے لگے۔ باہر نکلنے کے لیے جتنے ہاتھ پاؤں مارتے تھے، اُتنا ہی اور زمین میں دھنستے تھے۔ حتّٰی کہ گھٹنوں تک زمین میں سما گئے۔ اوسان خطا ہُوئے اور سمجھے کہ موت نے گلا دبا لیا۔ اچانک اُس تختی کا خیال آیا۔ جلدی سے اُس پر نگاہ ڈالی لکھا تھا:

اے فاتحِ طلسم نادرِ فرنگ، اگر ریت کے بیابان سے گزر ہو تو ہوشیار رہنا۔ وہ ریت نہیں، چھوٹی

چھوٹی مچھلیاں ہیں۔ اگر تم زمین میں دھنس گئے تو ایک
بہت بڑی مچھلی پر ایک چھوٹی مچھلی سوار ہو کر آئے
گی اور تمہارے سینے کو توڑ کر دوسری طرف نکل جائے
گی۔ پھر سب مچھلیاں مل کر تمہارا جسم چھلنی کر دیں گی
اگر تم اس آفت میں پھنس جاؤ تو لازم ہے کہ اپنے تیر
پر یہ اسم پڑھ کر پھونکو اور جو مچھلی بڑی مچھلی پر
سوار ہو، اُس پر مارو۔"

اس عبارت کے نیچے وہ اسم بھی درج تھا۔ امیر
حمزہ نے اُسے یاد کیا۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک
بہت بڑی مچھلی کی پیٹھ پر سوار ایک چھوٹی سی سنہرے
رنگ کی مچھلی چلی آ رہی ہے۔ امیر حمزہ نے جلدی سے
تیر پر اسم پڑھ کر پھونکا اور اس مچھلی پر مارا۔ جونہی
یہ تیر مچھلی کو لگا، تاریکی چھا گئی۔ پھر ایک آواز یہ
کہتے ہوئے سنائی دی:

"میرا نام حُوت جادوگر تھا۔ آج تین ہزار برس
بعد حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا۔"

تھوڑی دیر بعد تاریکی دور ہوئی۔ تب امیر حمزہ نے
دیکھا کہ نہ وہ صحرا ہے نہ دھوپ کی شدّت۔ بلکہ ایک
دریا کے کنارے کھڑے ہیں۔ یکایک آواز آئی:

"اے آقا، اِس طلسم کا ایک مرحلہ آپ نے فتح کر لیا۔ مُبارک ہو۔ بارگاہِ زربفتی حاضر ہے۔ تشریف لے چلیے"
امیر حمزہ نے چونک کر اپنے پیچھے دیکھا تو دیووں کے سردار کو موجود پایا۔ امیر حمزہ اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے "یہ عجیب طلسم ہے کہ ہماری بارگاہ اِس میں محفوظ رہتی ہے"
غرض اُس دیو کے ہمراہ بارگاہ میں تشریف لائے۔ وہاں دستر خوان پر ہزار ہا قسم کے لذیذ پھل، بھنا ہُوا گوشت اور روٹیاں سجی تھیں۔ امیر حمزہ نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ کچھ دیر آرام کیا۔ پھر دیووں کے سردار سے کہنے لگے:
"اب دُوسرا مرحلہ کب شروع ہو گا؟"
"میرے آقا، تختی پر نگاہ ڈالیے۔ اِس سوال کا جواب وہیں سے ملے گا"
اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ تختی پر لکھا تھا:
"اے حمزہ، خُدا کے فضل و کرم سے پہلا مرحلہ طے ہُوا۔ اب دُوسرے کی تیاری کر۔ اِس مرتبہ بائیں جانب روانہ ہو اور خُدا کی قُدرت کا تماشا دیکھ"
اگلے روز امیر حمزہ صُبح سویرے وہاں سے روانہ

ہوئے۔ اِس مرتبہ ایسے علاقے میں پہنچے جہاں حدِّ نظر تک برف ہی برف تھی۔ اِتنے میں آسمان سے بھی برف کے گالے گرنے لگے۔ پھر بڑے بڑے اولے برسے کوئی سیر بھر کا تھا کوئی پانچ سیر کا۔ اگر امیر حمزہ اپنی ڈھال سر پر نہ رکھ لیتے تو یہ اولے اُن کا سر پھاڑ ڈالتے۔ جب اُنھوں نے ڈھال بُلند کی تو اِتّفاق سے اُسی ہاتھ میں وُہ تختی بھی تھی۔ جُونہی یہ تختی اُونچی ہوئی برف باری موقُوف ہو گئی اور بادل پھٹ گئے۔ امیر حمزہ نے دیکھا کہ فضا میں ایک جادُوگر موجُود ہے جو یہ جادُو کر رہا ہے۔ اُنھوں نے تختی پر نگاہ ڈالی۔ لکھا تھا:

"اے حمزہ، اِس جادُوگر کا نام تگرنگ جادُو ہے۔ وہی اِسم پڑھ کر تیر چلا۔"

امیر نے تیر مارا۔ جادُوگر زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑاتا ہُوا نیچے آن گرا اور جہنّم رسید ہُوا۔ اُس کے مرتے ہی آندھی آئی اور ایک آواز بُلند ہوئی:

"میرا نام تگرنگ جادُو تھا۔ آج پانچ ہزار برس بعد حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا۔"

جب آسمان صاف ہُوا تو ایک پری زاد نے اُن

کر امیر کو سلام کیا اور کہا "تشریف لائیے، بارگاہ تیار ہے۔"

امیر حمزہ بارگاہ میں آئے، آرام کیا۔ اِتنے میں ایک اور پریزاد حاضر ہُوا اور کہنے لگا "اے آقا، طلسم کا دُوسرا مرحلہ بھی آپ نے فتح کر لیا۔ مُبارک ہو۔ حُوت جادُوگر کی موت کی خبر سُن کر اِنتشار شاہ کو بے حد صدمہ ہُوا ہے اور اُس نے اپنے ساحروں کو حُکم دیا ہے کہ جس شخص نے حُوت کو ہلاک کیا ہے۔ اُسے مار ڈالو۔ جادُوگر آپ سے اِنتقام لینے کے لیے روانہ ہو چُکے ہیں۔ تختی دیکھے بغیر کوئی کام نہ کیجیے۔"

اگلے روز امیر حمزہ نے تختی دیکھی۔ اُس پر لکھا تھا:
"اے حمزہ، اِس مرتبہ تیرا مُقابلہ ایک زبردست جادُوگر سے ہے۔ اُس کا نام ترغان بن غول خوار ہے۔ اس کے پاس سپاہی بھی ہیں اور جادُوگر بھی۔ لیکن تُو حوصلہ رکھیو اور ہر مرحلے میں تختی ضرور دیکھتا رہیو۔ اب جدھر تیرا جی چاہے، چل دے۔"

تب امیر حمزہ اللہ کا نام لے کر مشرق کی جانب چل پڑے۔ دوپہر گزرنے کے بعد ایسے مُقام پر آئے جہاں دو ویران باغ تھے۔ ایک دائیں ہاتھ دُوسرا بائیں

ہاتھ۔ اِن باغوں کے دروازوں پر دو عجیب و غریب پرندے بیٹھے تھے۔ ایک عُقاب تھا، دُوسرا سُرخاب۔ امیر حمزہ کو دیکھ کر یہ پرندے یُوں باتیں کرنے لگے:

"اگر یہ شخص میرے دروازے کے قریب سے گزرے تو طلسم فتح ہو جائے گا۔" سُرخاب نے کہا۔

"اور اگر تختی دیکھ کر کوئی فیصلہ کرے گا تو مارا جائے گا۔" عُقاب نے کہا۔

امیر حمزہ اُن کی باتیں سُن کر حیران ہوئے اور سوچنے لگے کیا کروں۔ یکایک تختی پر نگاہ کی۔ لکھا تھا:

"اے حمزہ، یہ دونوں پرندے جادُو گر ہیں۔ ایک کا نام کاؤس اور دُوسرے کا نام فنُون ہے۔ اِن کے مکر میں نہ آنا۔"

جادُوگر پرندوں نے جُونہی امیر حمزہ کے پاس سونے کی یہ تختی دیکھی، وہاں سے اُڑے اور سیدھے نرخان کے پاس پہنچے۔ اُسے خبر دی کہ اِس طلسم کا فاتح ہمارے جال میں نہ پھنسا۔ نرخان کئی ہزار جادُو گروں کو لے کر مقابلے میں آیا۔ راستے میں امیر حمزہ سے آمنا سامنا ہُوا۔ تلوار چلنے لگی۔ اگرچہ امیر نے کشتوں کے پُشتے لگا دیے، لیکن اُن کی تعداد میں کُچھ کمی دکھائی نہ دی۔ آخر گھبرا کر تختی کو دیکھا۔ اس میں لکھا تھا:

"اے حمزہ، ترخان کو قتل کرنے کی کوشش کر۔ جب تک ترخان نہ مارا جائے گا، اُس کی فوج میں ہرگز کمی نہ ہو گی۔"

تب امیر نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ ایک بلند ٹیلے پر ترخان کھڑا تھا۔ اُس کی شکل بڑی بھیانک تھی اور جسم کا رنگ توے کی مانند کالا تھا۔ وُہ ٹیلے پر کھڑا زور زور سے منتر پڑھ رہا تھا اور اس کے منتر کا اثر یہ تھا کہ امیر حمزہ کے ہاتھ سے اس کا جو بھی جادُو مارا جاتا، تھوڑی دیر بعد خود بخود زندہ ہو کر دوبارہ لڑنے لگتا۔

قصّہ مختصر امیر حمزہ نے نعرہ مار کر زبردست حملہ کیا جادُوگر خوف زدہ ہو کر اِدھر اُدھر سمٹنے لگے۔ امیر حمزہ نے ترخان تک پہنچنے کا راستہ بنایا اور ٹیلے پر چڑھ گئے۔ ترخان کے ہوش اُڑے۔ بھاگنے کی کوشش کی، اور اپنے آپ کو ایک بڑے گدھ کی صورت میں بدل کر اُڑنا چاہا مگر امیر حمزہ نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اُس کا جسم دو برابر کے ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ ترخان کے مرتے ہی قیامت کا شور برپا ہُوا۔ ہر طرف وہی گھُپ اندھیرا چھا گیا۔ پھر آواز آئی:

"میرا نام ترخان جادُو تھا۔ آج بیس ہزار برس بعد حمزہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گیا۔"

جب تاریکی دُور ہُوئی تو دیووں کا سردار ہاتھ باندھے سامنے آیا اور عرض کیا "اے آقا، فتح کا تیسرا مرحلہ طے ہو گیا۔ مُبارک ہو۔ آئیے بارگاہ میں چل کر آرام کیجیے۔"

اگلے روز امیر حمزہ نے تختی پر نگاہ ڈالی۔ لکھا تھا:

"اے حمزہ، آگے نیرنگ جادُو کا باغ ہے اور اسی باغ سے طلسم فرنگ کو راستہ جاتا ہے۔ آج کا دِن بھی اپنی بارگاہ میں آرام کر۔ اگلے روز یہاں سے جانا اور خبردار، تختی دیکھے بغیر کوئی قدم نہ اُٹھانا۔"

غرض امیر حمزہ تیسرے دِن وہاں سے روانہ ہُوئے دُور سے نیرنگ جادُو کا باغ دِکھائی دیا۔ اس میں سینکڑوں عورتیں موجُود تھیں جو ہاتھوں میں رنگ سے بھری پچکاریاں تھامے ایک دُوسرے پر رنگ پھینک رہی تھیں امیر حمزہ نے تختی کی طرف دیکھا۔ لکھا تھا:

"اے حمزہ، اِن عورتوں کو اِس طرح ہلاک کرو کہ اِن کی پچکاریوں کا رنگ تُم پر نہ پڑنے پائے۔

ورنہ پتھر ہو جاؤ گے اور تختی بھی کام نہ دے گی۔ اِن جادوگر عورتوں کی ملکہ درمیان میں کھڑی ہے۔ اِس کا لباس سُرخ رنگ کا ہے۔ اگر تُم اِسے مار ڈالو تو دُوسری تمام عورتیں غائب ہو جائیں گی۔"

امیر حمزہ یہ سوچتے ہُوئے آگے بڑھے کہ کس حربے سے اِن عورتوں کی ملکہ کو ماروں کہ رنگ کا ایک قطرہ بھی مجھ پر نہ پڑے۔ یہ سوچتے ہُوئے باغ کے اندر داخل ہُوئے۔ ایک عورت نے انھیں دیکھ کر اپنی ملکہ نیرنگ جادو سے کہا: "ذرا دیکھیے تو یہ کون آدمی ہے جو ہم عورتوں میں یُوں گھس آیا ہے"

نیرنگ جادو نے مُڑ کر دیکھا اور کہنے لگی "اس کا نام حمزہ ہے اور یہی وُہ بدبخت ہے جو اس طلسم کو فتح کرنے آیا ہے میں ابھی اِسے سزا دیتی ہُوں۔"

یہ کہہ کر اپنی کنیز کے ہاتھ سے رنگ کی پچکاری چھینی اور امیر حمزہ کی طرف دوڑی۔ اُنھوں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا: "اے نیرنگ، پچکاری چلانے سے پہلے میری ایک بات سُن لے۔ پھر تجھے اختیار ہے جو چاہے کر۔"

"اے آدم زاد، جلد بتا کیا بات ہے۔" نیرنگ نے پُوچھا۔

"کیا تیرے اِس باغ میں مہمانوں کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہے۔ میں اِتنی دُور سے چل کر آیا ہُوں۔

پیاس کے مارے دم لبوں پر ہے، ایک گھونٹ پانی کی درخواست ہے۔"

"بہت بہتر- میں ابھی تجھ کو پانی پلاتی ہوں۔" یہ کہہ کر ملکہ نیرنگ جادُو نے اپنی ایک کنیز سے کہا کہ ٹھنڈا پانی لے آ- وہ پیالے میں پانی لے کر آئی- امیر حمزہ نے دائیں ہاتھ سے پیالہ پکڑا اور پانی پینے لگا- ایک لمحے کے لیے نیرنگ جادُو کی توجّہ دُوسری طرف ہُوئی اور اُسی لمحے امیر حمزہ نے اپنے بائیں ہاتھ میں چھپا ہُوا خنجر اُس کے سینے میں اُتار دیا-

ایک ہولناک چیخ مار کر نیرنگ جادُو زمین پر گری گرتے ہی اُس کے بدن میں آگ لگی اور جل کر راکھ ہو گئی- یہی حشر اُس کی سب کنیزوں اور خادماؤں کا ہُوا- پھر سیاہ آندھی میں سے آواز آئی:

"میرا نام نیرنگ جادُو تھا- آج پچیّس ہزار برس بعد حمزہ کے ہاتھوں قتل ہُوئی۔"

اِس کے بعد امیر نے تین دِن بارگاہ میں آرام کیا چوتھے روز تختی دیکھی- اُس پر لکھا تھا:

"اے حمزہ، اب شمال کی جانب روانہ ہو- چند کوس پر آگ کا ایک دریا ملے گا- اُس کے شُعلے آسمان

سے باتیں کرتے ہوں گے۔ لیکن تُو بے خوف ہو کر اس میں کُود جائیو۔"

امیر حمزہ وہاں سے چلے۔ شمال کی طرف بہت دُور چلنے کے بعد دُور سے نارنجی اور نیلے رنگ کے اُونچے اُونچے شُعلے اُٹھتے دکھائی دیے۔ جب قریب پہنچے تو آگ کی تیزی اتنی زیادہ تھی کہ حمزہ کا جسم جلنے لگا۔ آگ کا ایسا عظیم دریا اُنھوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا اُنھوں نے پھر تختی پر نگاہ ڈالی۔ لکھا تھا:

"اِس تختی کو گلے میں ڈال لے اور دریا میں کُود جا۔"

اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ آنکھیں بند کر کے دریا میں کُود ے۔ یُوں محسُوس ہُوا جیسے کسی گہرے کنُویں میں گِر رہے ہوں۔ خاصی دیر بعد زمین پر پاؤں ٹِکے۔ آنکھیں کھولیں۔ دیکھا کہ ایک چٹیل میدان ہے۔ جس کے درمیان میں ایک مست ہاتھی کھڑا جھُوم رہا ہے۔ اُس کے پیروں میں لوہے کی بڑی بڑی زنجیریں پڑی ہیں امیر حمزہ نے تختی کو دیکھا۔ اِس میں لکھا تھا:

"اے حمزہ، خبردار، یہ ہاتھی نہیں ہے۔ اِس کا اصل نام فیلان جادُوگر ہے۔ جب وُہ تیرے پیچھے

دوڑے تو سیدھا نہ بھاگنا ، ورنہ اُس کی سُونڈ سے نہ بچے گا اور اگر اُس کی کوئی زنجیر چھُو گئی تو فوراً جل کر خاک سیاہ ہو جائے گا - اِسے مارنے کی یہی صُورت ہے کہ کسی طرح اپنی تلوار کی نوک سُونڈ میں چبھُو دینا پھر یہ ساحر آتش بازی کے انار کی مانند چھُوٹ جائے گا - جہاں یہ کھڑا ہے ، وہیں ایک غار ہے - اِس کے مرنے کے بعد جب اندھیرا پھیلے تو تُو اُس غار میں اپنے آپ کو گرا دینا"

امیر حمزہ نے تختی کو چوم کر جیب میں رکھا اور ہاتھی کی طرف بڑھے - وُہ انھیں قریب پاکر بُری طرح سے چنگھاڑنے لگا - اُس کی آواز ایسی بھیانک تھی کہ کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے - کالا پہاڑ سا جسم جب حرکت کرتا تو یُوں نظر آتا جیسے کوئی آتش فشاں پھٹنے والا ہے - یکایک لوہے کی زنجیریں چٹ چٹ ٹُوٹ گئیں اور ہاتھی چنگھاڑتا ہُوا امیر حمزہ کی طرف لپکا - وُہ دائرے کی شکل میں بھاگنے لگے - پھر پلٹ کر نہایت پھُرتی سے اُنھوں نے اپنی تلوار کی نوک ہاتھی کی سُونڈ میں چبھُو دی - تلوار کا لگنا تھا کہ ہاتھی دھڑام سے زمین پر گرا اور اُس میں آگ لگ گئی - پھر رنگ

بڑے شعلے نکلنے لگے جن کی اُونچائی ہزاروں گز تک تھی۔ اس کے بعد گھُپ اندھیرا چھا گیا۔ امیر حمزہ نے جلدی سے اپنے آپ کو غار میں گرایا۔ عین اُسی لمحے سو من وزنی پتھّر فضا میں اُڑتا ہُوا آیا اور وہاں آن گرا جہاں کچھ دیر پہلے حمزہ کھڑے تھے۔ اُس پتھّر کے گرنے سے زلزلہ آیا۔ پھر آواز آئی :

"مارا مُجھ کو کم نے، میرا نام رفیلان جادُو تھا۔"

زنور جادوگر کی عیّاری

اِنتشار شاہ نے دربار میں سب جادوگروں پر گھومتی ہوئی نظر ڈالی اور دانت پیس کر بولا "تعجّب ہے، ایک آدم زاد اتنی دُور سے چل کر یہاں آیا ہے اور اب ہمارا یہ پچاس ہزار برس پُرانا طلسم برباد کرنے پر تُلا ہُوا ہے، مگر ہم اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ کتاب خواں انجم نے ہماری نافرمانی کی اور وہ قیمتی تختی امیر حمزہ کے حوالے کر دی۔ اِس سے پہلے وہ طلسمی تاج اور زرلفتی بارگاہ بھی اُنھیں دے چُکا ہے۔ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ کِسی جادُوگر کی اِن کے سامنے پیش نہیں جاتی۔ اب میں اعلان کرتا ہُوں کہ تُم میں سے جو جادُوگر امیر حمزہ سے تختی چھین لائے گا، اُسی کو اپنا وزیرِ اعظم بناؤں گا۔"

اِنتشار شاہ کی یہ تقریر سُن کر سب کو سانپ سُونگھ گیا۔ بہت دیر تک کوئی نہ بولا۔ آخر "زنور" جادُو ابی

جگہ سے اُٹھ کر آداب بجا لایا اور کہنے لگا :
"حضور، میں اس کام کا بیڑا اُٹھاتا ہوں اور حمزہ سے تختی چھین کر لاتا ہوں۔"
"آفرین - آفرین -" انتشار شاہ نے خوش ہو کر کہا۔ پھر تزویر جادُو کی پیٹھ ٹھونکی، خلعت عطا کیا اور اس مُہم پر جانے کی اجازت دی - تزویر جادُو روانہ ہُوا، اور اسی باغ میں آیا جس میں امیر حمزہ ٹھہرے ہُوئے تھے - اتّفاق ایسا تھا کہ اس باغ کا مالک بھی تزویر جادُو ہی تھا -

ایک دن امیر حمزہ شام کے وقت ٹہلتے ہُوئے تالاب کے کنارے پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ آبنُوس کی بنی ہُوئی ایک خوبصورت چوکی پر سو سال کا ایک بُڈّھا بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا ہے۔ شکل ایسی نُورانی کہ بس دیکھتے ہی رہو - امیر حمزہ نے خیال کیا کوئی بُزرگ ہیں - ان سے ملنا چاہیے - قریب جا کر ادب سے سلام کیا - اُس نے نظر اُٹھائی - مُسکرا کر بڑی محبّت سے سلام کا جواب دیا اور کہا :

"آؤ میاں حمزہ، میں تُمھارا ہی انتظار کر رہا تھا - کہو خیریّت سے تو ہو ؟"

"جی ہاں حضرت، ابھی تک تو اللہ کے فضل سے خیریت سے ہوں۔" امیر حمزہ نے جواب دیا۔ "لیکن یہ تو فرمائیے کہ آپ کون ہیں اور میرے نام کا آپ کو کیسے علم ہوا؟"

"ارے میاں، میں کتاب خواں انجم کا بڑا بھائی ہوں تمھیں ایک تحفہ دینے آیا ہوں۔ اِس طلسم کے چار مرحلے تُم نے فتح کیے۔ اب پانچواں در پیش ہے۔ اِس لیے یہ کاغذ پیش کرتا ہوں۔ اب وُہ تختی بے کار ہو گئی ہے، اُس کی جگہ یہ کاغذ کام دے گا۔"

"میں آپ کا بہت بہت شکر گزار ہوں" امیر حمزہ نے کہا۔ "آپ کے بھائی انجم کے بھی مجھ پر احسانات ہیں کہ یہ تختی اُنھی نے مجھے دی تھی۔ لائیے یہ کاغذ جیب میں رکھ لوں۔"

"کاغذ لینے سے پہلے غُسل کرنا ضروری ہے۔" بڈّھے نے کہا۔

"بہت بہتر۔ آپ کے اِرشاد کی تعمیل کرتا ہوں۔" امیر حمزہ نے کپڑے اُتار کر ایک طرف رکھے۔ صرف لُنگی باندھے رہے۔ پھر تاج بھی سر سے اُتار کر ایک جانب رکھا اور تالاب میں نہانے لگے۔ تنویر جادو،

جو بڈّھا بنا ہُوا تھا، فوراً موقع پا کر آگے بڑھا اور امیر حمزہ کے کپڑوں میں سے تختی نکال کر اپنے قبضے میں کر لی۔ پھر قہقہہ لگا کر کہنے لگا:

"اے حمزہ، تجھ جیسا احمق بھی رُوئے زمین پر کوئی نہ ہو گا۔ دیکھ میں اِس تختی کو لیے جاتا ہُوں۔ میرا نام تزویر جادُو ہے۔ تجھ سے ہو سکتا ہے تو یہ تختی چھین لے۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ کے ہوش اُڑ گئے۔ فوراً تالاب سے باہر آئے، تاج سر پر رکھا اور تلوار کھینچ کر تزویر کے پیچھے لپکے مگر وہ فوراً دُھواں بن کر غائب ہو گیا۔ امیر مایُوس ہو کر واپس آئے۔ اِتنے میں اِس تاج کے غُلام دیو حاضِر ہُوئے۔ امیر حمزہ نے اُن سے سارا ماجرا کہا۔ دیو افسوس کرنے لگے اور کہا:

"اے حمزہ، یہ بھی غنیمت ہے کہ اُس نے تاج پر ہاتھ نہ ڈالا، ورنہ آپ کی زندگی محال تھی۔"

اُدھر تزویر جادُو وہ تختی لے کر اِفسار شاہ کے پاس پہنچا۔ اُس نے خُوش ہو کر گلے سے لگایا اور وزارت کا عُہدہ دیا۔ پھر کہنے لگا:

"اب میں دیکھتا ہُوں کہ حمزہ کیا کرے گا۔ ناکوں

چھنے نہ چبوا دیے ہوں تو میرا نام بھی اِنتشار نہیں، کچھ اور ہے۔"

اِس کے بعد اِنتشار شاہ نے ماش کے آٹے میں یہ تختی رکھی۔ پھر سوزن جادُو کو طلب کر کے ایک منتر پڑھا۔ کھوپڑی سوزن جادُو کے تن سے الگ ہُوئی انتشار نے اِس کھوپڑی کو تراشا اور تختی اُس کے اندر رکھ کر کچھ اور منتر پڑھا۔ وُہ کھوپڑی پھر ویسی ہی ہو گئی اور سوزن جادُو کے بدن سے جا لگی۔ اِس کے بعد اِنتشار شاہ نے ایک اور منتر پڑھا۔ اُس کے پڑھتے ہی زمین شق ہُوئی اور سوزن جادُو اس میں سما گیا اِنتشار شاہ قہقہہ لگا کر کہنے لگا:

"میں نے اِس تختی کو زمین کے سب سے نچلے حِصّے میں پہنچا دیا ہے۔ اب وہاں سے اس کا نکلنا ممکن نہیں — افسوس اِس بات کا ہے کہ اب بھی اِس کے پاس وہ تاج اور زرلفتی بارگاہ موجُود ہے۔ ورنہ میں اُسے ضرور مار ڈالتا۔"

یہ سُن کر ارجل جادُو اپنی جگہ سے اُٹھا اور آداب بجا لا کر بولا "حضُور، اگر اِجازت ہو تو یہ غُلام جائے اور حمزہ کو ہلاک کرے۔"

"اجازت ہے ۔ اپنے ساتھ ایک ہزار جادُوگر لے جائے" اِنتشار شاہ نے کہا۔

ارجل جادُو جادُوگروں کی فوج لے کر چلا اور باغِ کرامت کے برابر میں آن کر ڈیرا ڈال دیا پھر ایک قاصد کو پیغام دے کر امیر حمزہ کے پاس بھیجا جس کا مطلب یہ تھا کہ اے حمزہ، اگر تُو اُس تختی کے بھروسے پر یہ طلسم فتح کرنے آیا تھا تو کوئی کمال نہیں کیا۔ وُہ تختی تُجھ سے چھن چُکی۔ اب بارگاہِ زرلفتی اور طلسمی تاج کے بل پر لڑتا ہے تو یہ بھی بہادُری نہیں۔ اگر واقعی جوان مرد ہے۔ اِن کے بغیر ہم سے آن کر لڑ۔

یہ پیغام سُنتے ہی امیر حمزہ کو تاؤ آیا۔ غلام دیووں کو حُکم دیا کہ ہمارا خیمہ باغِ کرامت سے باہر لے جا کر نصب کیا جائے۔ پری زادوں اور دیووں نے بہت منع کیا مگر امیر حمزہ نے کسی کی نہ سُنی۔ آخر مجبُور ہو کر پری زادوں نے حمزہ کا خیمہ باغ سے باہر لگا دیا۔ رات کے وقت ارجل جادُو کے جادُوگروں نے طبلِ جنگ بجایا۔ صُبح کو امیر حمزہ میدان میں آئے۔ ارجل جادُو مُقابلے پر آیا۔ اُس نے حمزہ پر جادُو

کے کئی تیر چلائے مگر تاج کی برکت سے سب کے سب خالی گئے۔ یہ دیکھ کر ارجل نے بھاگنے کی کوشش کی مگر حمزہ نے نیام سے عقرب سلیمانی کھینچ کر اُس کے سر پر ماری۔ ارجل دو ٹکڑے ہو کر گرا۔ اُس کے شاگرد چاروں طرف سے امیر حمزہ پر ٹوٹ پڑے مگر اُنھوں نے ایک ہاتھ میں چار چار کو جہنّم رسید کیا۔ آخر وُہ وہاں سے بھاگے، اور ارجل جادُو کی لاش لے جا کر انتشار شاہ کے سامنے رکھ دی۔ اُسے بے حد صدمہ ہُوا۔ تزویر جادُوگر کی طرف مُنہ کر کے کہنے لگا:

"اے بے وقوف، تُو نے حمزہ سے تختی تو چھین لی مگر تاج پر قبضہ نہ کیا۔ اسی تاج کی وجہ سے وُہ کسی کے قابُو میں نہیں آتا اور اُس پر کوئی جادُو اثر نہیں کرتا۔" تزویر نے شرمندہ ہو کر گردن جھکا لی اور کچھ جواب نہ دیا۔

ارجل کا بھائی مرجل جادُو اُس وقت دربار میں موجُود تھا اور اپنے بھائی کے مارے جانے پر اُس کی آنکھوں میں خُون اُتر آیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور کہنے لگا: "جہاں پناہ، میں اپنے بھائی کے خُون

کا بدلہ حمزہ سے لینے جاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے مکان پر آیا۔ بہت سے سُور منگوا کر کاٹ ڈالے۔ اُن کے خون سے ایک حوض بھر گیا۔ پھر اُس نے ایک طِلسم پڑھا اور خون کے اس حوض میں کود گیا۔ تھوڑی دیر بعد باہر آیا تو سارا جِسم تانبے کی مانند سخت اور سُرخ ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے کئی شاگردوں کو بھی خون کے اِس حوض میں غُسل دے کر تانبے کا بنایا اور ساتھ لے کر باغِ کرامت پر آیا۔

اِنتشار بادشاہ کی ایک بیٹی تھی جس کا نام شہزادی فتانہ گوہر تھا۔ اپنے باپ کے برعکس شہزادی فتانہ نہایت رحم دِل اور نیک لڑکی تھی۔ اُس نے امیر حمزہ کی بہادری اور شجاعت کے بہت قِصّے سُنے تھے اور اُنھیں دیکھنے کی خواہش مند تھی۔ جب اُسے پتا چلا کہ امیر حمزہ اِس طِلسم کو فتح کرنے کے لیے آئے ہیں تو بہت خوش ہوئی اور اُس نے اپنے باپ سے کہا کہ امیر حمزہ کو کوئی نقصان نہ پہنچائے یہ سُن کر اِنتشار شاہ ناراض ہوا اور شہزادی کو ایک ویران قلعے میں قید کر دیا۔ ایک دِن شہزادی کو پتا

چلا کہ اِنتشار شاہ نے تزوبر جادُوگر کے ذریعے امیر حمزہ سے مُقدّس تختی چھین کر زمین کے ساتویں طبقے میں دفن کرا دی ہے۔ اُسے اِس خبر سے بے حد رنج ہُوا۔ کھانا پینا چھوڑ دیا۔ کئی دن گزر گئے۔ ساتویں روز شہزادی کی بُوڑھی انّا وہاں آئی۔ تب شہزادی نے اُسے الگ لے جا کر کہا:

"انّاں، غضب ہو گیا۔ امیر حمزہ سے مُقدّس تختی چھن گئی ہے اور ابّا جان نے زمین کے سب سے نچلے حصّے میں دفن کر دی ہے۔ اب تمام جادُو گر مِل کر امیر حمزہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ تُم بھی بہت بڑی جادُوگر ہو۔ کِسی طرح حمزہ کو بچاؤ اور وُہ تختی زمین سے نکال کر اُس تک پہنچا دو۔"

بُڑھیا نے دانتوں تلے اُنگلی دبائی اور کہنے لگی۔ "اے بیٹی، یہ کیا کہتی ہے۔ ہوش کی دوا کر۔ کِسی نے سُن لیا تو میری ناک چوٹی کٹوا دی جائے گی۔ اب اُس تختی کا دوبارہ مِلنا مُحال ہے۔ جب تک تیرا باپ قتل نہ ہو گا، اُس وقت تک تختی کِسی کے ہاتھ نہ آئے گی۔ ہاں، میں نے ایک تلوار بنائی ہے اگر وُہ مرجل جادُو پر پڑے تو یُوں کٹ جائے

جیسے ہیرے کی کَنی سے شیشہ کٹ جاتا ہے۔"
شہزادی فتانہ نے بُڑھیا کے گلے میں محبّت سے
باہیں ڈال کر کہا ۔" پیاری امّاں ، یہ تلوار ہی امیر حمزہ
کو دے آؤ ۔ اگر وُہ زندہ رہیں گے تو تختی ملنے کی توقع
تو رہے گی۔"

بُڑھیا نے پھر کانوں کو ہاتھ لگایا اور بولی "معلوم
ہوتا ہے تُم اپنی ضد سے باز نہ آؤ گی اور میرا چونڈا
مُنڈوا کر رہو گی ۔ ارے بے وقُوف ، قدم قدم پر
بادشاہ کے جاسُوس لگے ہُوئے ہیں ۔ ایک ایک لمحے
کی خبر ہر دم بادشاہ تک پہنچتی ہے ، میں تلوار حمزہ
کو کیسے پہنچاؤں گی ؟"

شہزادی نہایت مایُوس ہُوئی اور اُس کی آنکھوں
سے ٹپ ٹپ آنسُو گرنے لگے ۔ آخر شہزادی کی ایک
راز دار کنیز گوہر جادُو ہاتھ باندھ کر سامنے آئی اور
کہنے لگی :

" اے ملکۂ عالَم ، اگر مجھے حُکم ہو تو یہ تلوار امیر
حمزہ تک پہنچا دُوں ؟"

شہزادی نے خُوش ہو کر اجازت دی ۔ بُڑھیا نے
وُہ تلوار لا کر گوہر جادُو کے حوالے کی اور وُہ تلوار

لے کر باغِ کرامت کی طرف چلی۔ اُدھر مرجل جادُو نے طبلِ جنگ بجوا دیا تھا۔ امیر حمزہ بھی اپنی بارگاہ سے نکلے اور نقّارہ بجایا۔ تب مرجل کیل کانٹے سے لیس ہو کر حمزہ کے مُقابلے میں آیا اور اپنے تیر دِل پر منتر پڑھ کر امیر حمزہ پر چلائے۔ مگر اُن پر کوئی اثر نہ ہُوا اور تمام تیر آپ ہی آپ ٹُوٹ کر گر پڑے۔ یہ دیکھ کر مرجل جادُو نے تلوار سُونت لی اور حمزہ کی طرف لپکا۔ اُنھوں نے بھی اپنی تلوار کھینچی اور جنگ شرُوع ہُوئی۔ مرجل کے کئی وار روک کر امیر حمزہ نے ایسا وار کِیا کہ تلوار مرجل کی کھوپڑی پر پڑی۔ مگر اُچٹ گئی اور ایسی آواز آئی جیسے لوہے پر ضرب پڑی ہے۔ یہ دیکھ کر امیر حمزہ حیران ہُوئے۔ پھر سنبھل کر اُنھوں نے کئی وار کِیے لیکن بے سُود۔ ہر مرتبہ تلوار اُچٹ جاتی۔ ایسا معلُوم ہوتا تھا کہ مرجل جادُو کا جسم لوہے کا بنا ہُوا ہے اور اُس پر تلوار ہرگز اثر نہ کرے گی۔ امیر حمزہ نے اپنے دِل میں کہا کہ اب کیا کروں؟ اِس جادُو سے کہاں تک لڑوں گا؟ جُونہی میرے بازُو شَل ہوں گے۔ یہ مُوذی مجھے کاٹ کر ڈال دے گا۔ یا الٰہی، تو ہی

کرنے والا ہے۔

مرجل نے جب امیر حمزہ کو سُست دیکھا تو بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگا۔ امیر وار بچانے گئے۔ ناگاہ ایک ہاتھ نمودار ہُوا۔ اس ہاتھ میں ایک تلوار تھی وُہ پُراسرار ہاتھ امیر حمزہ کی طرف بڑھا۔ اُنھوں نے بائیں ہاتھ سے یہ تلوار پکڑ لی۔ اِتنے میں مرجل آگے آیا امیر حمزہ نے بائیں ہاتھ کی تلوار سے وار کیا۔ اُس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور اندھیرا چھا جانے کے بعد آواز آئی :

"میرا نام مرجل جادُو تھا۔ آج دس ہزار برس بعد حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا۔"

مرجل کے مرتے ہی اُس کے تمام شاگرد بھی خُود بخُود فنا ہو گئے۔ امیر حمزہ نے وُہ پُراسرار تلوار اپنے پاس رکھی اور دل میں کہا کہ یہ ضرور کسی دوست نے مدد کی ہے۔ پری زادوں نے زرلفتی بارگاہ قائم کی اور امیر حمزہ نے اُس میں آرام کیا۔

اُدھر مرجل جادُو کی لاش جب اِنتشار شاہ کے سامنے گئی تو سخت بدحواس ہُوا اور کہنے لگا "حمزہ نے میرے اس زبردست جادُوگر کو بھی مار ڈالا۔ ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ وُہ ہار ماننے والا نہیں ہے۔ ایسا
ہو کہ کسی روز وُہ میرا ہی کام تمام کرے ۔۔۔ کسی
تدبیر سے اُس کو باغِ گرامت کے اندر ہی قید کر دینا
چاہیے۔"

یہ سُن کر دو جادُوگر سر جُھکا کر سامنے آئے اور کہنے
لگے ۔" عالی جاہ! یہ ہمارا ذمّہ ہے کہ حمزہ باغِ گرامت
ہی سے نکلنے نہ پائے گا اور وہیں قید رہے گا۔"

یہ دونوں جادُوگر بھی سگے بھائی تھے۔ ایک کا نام
خُوں خوار جادُو اور دُوسرے کا خُوں ریز جادُو تھا۔ یہ
دونوں دربار سے نکل کر اپنے مکان پر آئے۔ آٹھ روز
تک چِلّہ کھینچنے کے بعد باغِ گرامت کے نزدیک پہنچے
اور ایسا منتر پڑھا کہ ایک عظیم قلعہ باغ کے چاروں طرف
خُود بخُود بن گیا اور اس قلعے کی دیواریں اِتنی اُونچی
ہو گئیں کہ آسمان کو چھُونے لگیں۔

دیووں اور پری زادوں نے فوراً امیر حمزہ کو خبر کی۔
وُہ بارگاہ سے نکلے اور دیکھا کہ باغ کے چاروں طرف
نہایت اُونچی دیواریں کھڑی ہیں جنھیں ہٹانا یا پار کرنا
مُمکن نہیں ہے۔

کہتے ہیں امیر حمزہ مُدّت تک اِسی باغ میں قید

ہے۔ رہائی کی سینکڑوں کوششیں کیں۔ مگر بے کار۔ آخر تنگ آ کر رونے لگے اور روتے روتے ہی نیند آ گئی خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا جو فرماتے تھے:

"اے حمزہ، تو نے تختی ضائع کر دی۔ اب کیوں کر اس طلسم کو توڑے گا؟"

امیر حمزہ نے ان بزرگ کے ہاتھ چومے اور کہا۔ "حضرت، مجھ سے خطا ہوئی مگر اب یہ وقت بڑا سخت ہے۔ آپ ہی کرم فرمائیے۔"

تب ان بزرگ نے ایک خنجر آب دار عنایت کیا اور کہا۔" اس تختی کا کام یہ خنجر دے گا۔ اسے حفاظت سے رکھنا۔"

یہ کہہ کر وہ غائب ہو گئے۔ امیر حمزہ کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ایک خنجر سرہانے رکھا ہے۔ انھوں نے یہ خواب پری زادوں سے بیان کیا۔ سب بہت خوش ہوئے اور مبارک باد دینے لگے۔ امیر حمزہ نے خنجر کو بوسہ دیا اور اس کے پھل کو غور سے دیکھا۔ اس پر لکھا تھا:

"اے حمزہ، اس خنجر کی نوک سے قلعے کی شمالی دیوار کو کھودنا شروع کر۔ خدا نے چاہا تو تجھے باہر

جانے کا راستہ مل جائے گا۔"

امیر حمزہ نے ایسا ہی کیا۔ وہ قلعے کی شمالی دیوار کو کھودنے لگے۔ تھوڑی دیر میں اتنا راستہ بن گیا کہ ایک آدمی اس میں سے آسانی سے گزر سکتا تھا۔ قلعے سے باہر نکلے تو ایک بڑی خندق نظر آئی جو لبالب خون سے بھری ہوئی تھی۔ امیر حمزہ نے پھر خنجر کو دیکھا۔ اس پر لکھا تھا:

"اے حمزہ، خون ریز جادو فلاں درخت کے نیچے کمبل اوڑھے لیٹا ہے۔ اسے جا کر مار دے۔ یہ خندق غائب ہو جائے گی۔"

امیر حمزہ اس درخت کے نزدیک گئے۔ خون ریز جادو نے قدموں کی آہٹ پا کر آنکھ کھولی۔ دیکھا کہ حمزہ سر پر آ گئے ہیں۔ بدحواس ہو کر طرح طرح کے منتر پڑھنے لگا مگر خنجر اور تاج کی برکت سے کسی منتر نے اثر نہ کیا۔ آخر عقاب کی شکل بن کر اڑا لیکن حمزہ نے وہی خنجر کھینچ کر مارا ۔۔ عقاب قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے آیا اور مر گیا۔ اس کے مرتے ہی زمین کانپنے لگی، آسمان گھومنے لگا، تاریکی چھا گئی۔ پھر ایک بھیانک شور میں سے یہ آواز سنائی

دی :

"میرا نام خُوں ریز جادُو تھا - آج بیس ہزار برس بعد حمزہ کے ہاتھ سے اپنے انجام کو پہنچا ۔"

جب اندھیرا دُور ہُوا تو وُہ فصیل بھی غائب تھی اور خُون سے بھری ہُوئی خندق بھی - امیر نے خنجر کو دیکھا تو اُس پر لِکھا تھا :

" خُوں خوار جادُو بھی قریب ہی چھُپا ہُوا ہے - اُسے جانے نہ دینا ورنہ مُشکل میں پھنس جاؤ گے ۔"

امیر حمزہ نے دیکھا کہ خُوں خوار جادُو باغِ کرامت کے باہر ایک جگہ چھُپا ہُوا ہے - جب امیر نے اُسے مارنے کے لِیے تلوار اُٹھائی تو وُہ خُوشامد کرنے لگا کہ اے حمزہ ، مجُھے مت مارنا - میں تمُھاری اِطاعت قبُول کرتا ہُوں ۔"

امیر حمزہ نے اُسے چھوڑ دینے کا اِرادہ کِیا تو اچانک خنجر ہاتھ میں کانپا - حمزہ نے اُسے دیکھا تو لِکھا تھا :

" اے حمزہ ، اِس جادُوگر کے فریب میں نہ آ اور فوراً اُسے قتل کر ۔"

ابھی حمزہ خنجر کی یہ عبارت پڑھ ہی رہے تھے۔

کہ خوں خوار جادو نے موقع پا کر طلسمی پنجہ اُن کی طرف پھینکا مگر تاج کی برکت سے امیر حمزہ کو کوئی گزند نہ پہنچا۔ اُنھوں نے تلوار خوں خوار کے سینے میں گھونپ دی۔ وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

اتنے میں پری زادوں نے بارگاہ زرلفتی لا کر آراستہ کی۔ امیر حمزہ نے خنجر کو دیکھا۔ اِس پر لکھا تھا :

"بارگاہ میں ہرگز نہ جانا۔ بائیں طرف کا راستہ پکڑو۔"

امیر بائیں طرف چل پڑے۔ کچھ دُور گئے تھے کہ آگ کا دریا نظر آیا۔ خنجر نے ہدایت کی کہ آنکھیں بند کر کے بے دھڑک اِس دریا میں کُود جاؤ۔ امیر حمزہ نے ایسا ہی کیا۔ یُوں محسوس ہُوا جیسے کسی سرد اور تاریک کُنوئیں میں پھینک دیے گئے ہوں۔ مُدّت بعد زمین پر پیر ٹکے۔ آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو ایک پُرفضا باغ میں کھڑے پایا۔ سامنے ایک بارہ دری میں کئی سیاہ فام دیو بیٹھے گوشت دانتوں سے بھنبھوڑ بھنبھوڑ کر کھا رہے تھے۔ امیر نے خنجر کی طرف دیکھا۔ اُس پر لکھا تھا :

"اے حمزہ، یہ سب جادُوگر ہیں۔ جادُو کے زور پر دیو بنے ہُوئے ہیں۔ ان میں جو سب سے بڑا دیو ہے، اس کا نام سوزن جادُو ہے اور اسی کی کھوپڑی کے اندر انتشار شاہ نے وُہ تختی چھپائی ہے۔"

اِن دیووں نے جب امیر حمزہ کو باغ میں دیکھا، تو چاروں طرف سے ہلّا بول دیا۔ حمزہ نے تلوار اور خنجر سے ان کا صفایا کرنا شروع کیا۔ دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر سوزن جادُو مارا گیا۔ امیر حمزہ نے اُس کا سر تن سے جُدا کیا اور اپنی بارگاہ میں آئے۔ خنجر کو دیکھا، اُس پر لکھا تھا:

"اے امیر، اِس کھوپڑی کو احتیاط سے تراش کر تختی نکال۔ کھوپڑی کے ٹکڑے بھی حفاظت سے رکھنا۔ وقت پر کام دیں گے۔ جس کو دے گا، اُس پر جادُو اثر نہ کرے گا۔" امیر حمزہ نے اِس ہدایت پر پُورا پُورا عمل کیا اور تختی نکال کر اپنے قبضے میں لے لی۔

اُدھر انتشار شاہ کو خبر ملی کہ سوزن جادُو مارا گیا اور تختی امیر حمزہ کے پاس پہنچی۔ اُس نے سر پیٹ لیا۔ دُم کٹی چھپکلی کی طرح پھڑکنے لگا۔ آخر شُعلہ وزیر

سے کہا :

"اب تیری باری ہے - حمزہ کے مُقابلے میں جا ا
اُسے کِسی طرح آگے بڑھنے سے روک "

حُکم پاتے ہی شُعلہ وزیر ہَوا کی تیزی سے روا
ہُوا ۔ باغِ کرامت کے نزدیک آکر اپنا ٹھکانا فضا
میں بنایا اور وہیں سے ماش کے دانوں پر جادُو پڑھ
پڑھ کر پھینکنے لگا ۔ جس دیو یا پری زاد پر دانہ پڑ
وہی پتھّر ہو جاتا ۔ چند لمحوں کے اندر اندر شُعلہ نے
طِلسم کے ذریعے امیر حمزہ کی بارگاہ کے تمام غُلاموں کو
پتھّر کے بُتوں میں تبدیل کر دیا ۔ امیر حمزہ حیران پریشان
تھے کہ یہ کیا تماشا ہے ۔ آخر سر اُٹھا کر دیکھا تو
فضا میں شُعلہ وزیر نظر آیا ۔ اُنھوں نے فوراً کمان میں
تیر جوڑا اور چاہا کہ ماریں مگر شُعلہ نظروں سے اوجھل
ہو گیا ۔ پھر اُس نے ایسا منتر پڑھا کہ پُورے باغ
میں آگ لگ گئی

اور فقط اتنی جگہ باقی رہ گئی جہاں امیر حمزہ بیٹھے تھے
تمام باغ میں دُھواں ہی دُھواں اور شُعلے ہی شُعلے
نظر آتے تھے ۔

امیر نے تختی کو دیکھا ۔ لکھا تھا :

"اے حمزہ، یہ جادو شعلہ وزیر نے کیا ہے۔ تُو اس اسم کو پڑھ کر کنکریوں پر دم کر اور پھر یہ کنکریاں آگ میں پھینک دے۔ ایک دروازہ نمودار ہو گا۔ تو اس دروازے میں سے نکل جائیو۔ جب تک شعلہ وزیر نہ مارا جائے گا، اُس وقت تک تیرے غلاموں میں سے کوئی بھی اصلی صورت پر نہ آئے گا۔"

غرض امیر نے وُہ اسم پڑھ کر سنگ ریزوں پر دم کیا اور آگ میں پھینکا۔ فوراً ایک دروازہ دکھائی دیا۔ امیر حمزہ اس دروازے سے نکل کر باغ سے باہر آئے۔ پھر تختی پر نظر ڈالی لکھا تھا:

"اب جس طرف جی چاہے چلا جا۔ مگر کبھی کبھی تختی کو ضرور دیکھتے رہنا۔"

امیر حمزہ خدا کا نام لے کر دائیں جانب روانہ ہوئے۔ ایک صحرا میں پہنچ کر چار دیواری نظر آئی اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ بے دھڑک اندر چلے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خوش نما اور پُرفضا باغ ہے۔ جواہر نگار میزیں اور کرسیاں جا بجا رکھی ہیں یاقوت کے ایک بیش قیمت تخت پر کوئی شخص

بیٹھا کتاب پڑھ رہا ہے اور قریب ہی دُوسرا شخص کھڑا غور سے سُن رہا ہے ۔

امیر حمزہ کے قدموں کی آہٹ پا کر اُس شخص نے نظریں اُٹھائیں اور جلدی سے کتاب بند کر دی ۔ کتاب بند کرتے ہی باغ میں گھُپ اندھیرا چھا گیا ۔ امیر کا دم گھُٹنے لگا ۔ دِل میں کہنے لگا بڑا غضب ہُوا تختی کو نہ دیکھ سکا ۔ اب اس اندھیرے میں پتا کیسے چلے گا کہ تختی پر لکھا کیا ہے ۔ یہ بات سوچ ہی رہے تھے کہ کسی نے آن کر تختی پر ہاتھ ڈالا ۔ امیر حمزہ نے ایک ہاتھ سے تختی کو سنبھالا اور دُوسرے سے تاج کو مضبُوطی سے پکڑا ۔ تاج کے اندر گوہرِ شب چراغ لگا تھا ۔ اُس کی روشنی میں تختی کو دیکھا لکھا تھا :

" جہاں تک مُمکن ہو ، اُس کتاب پڑھنے والے آدمی کو قتل کر اور اگر یہ مُمکن نہ ہو تو جواہر نگار میز اور یاقُوت کے تخت کو اُلٹ دے ۔ اِس کے نیچے ایک نقب ہے ۔ نقب کے اندر چلا جا ۔ پھر تختی کو دیکھ لینا ۔ "

امیر حمزہ نے گوہرِ شب چراغ کی روشنی میں یاقُوتی

تخت اور جواہر نگار میز کو تلاش کر کے اُلٹ دیا۔
ایک دروازہ دِکھائی دیا۔ اُس میں سیڑھیاں بنی ہُوئی
تھیں۔ سیڑھیاں اُتر کر ایک اور باغ میں پہنچے۔ دیکھا
کہ ایک تین منزلہ مکان ہے جس کے سامنے سینکڑوں
بگھیاں کھڑی ہیں اور ہزاروں مرد عورتیں وہاں جمع ہیں۔
سب کی نظریں اس مکان پر جمی ہُوئی ہیں۔ امیر
حمزہ نے چاہا کہ اِن لوگوں سے کچھ پُوچھیں، پھر خیال
آیا کہ تختی دیکھ لُوں۔ اُس پر لِکھا تھا:

"اِن میں سے کسی شخص سے بات نہ کرنا ورنہ آفت
میں پھنس جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ اس مکان میں
داخل ہو کر دُوسری منزل پر چلا جا۔"

امیر حمزہ نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ مکان کی طرف
چلے تو سب نے راستہ دے دیا اور کسی نے نہ روکا
وہ دُوسری منزل پر آئے۔ دیکھا کہ بڑی تیاریاں ہیں
سینکڑوں صندُوق برابر برابر رکھے ہیں۔ قریب ہی
سونے کا ایک گھڑیال اور ایک مُوگری رکھی ہے۔
یکایک ایک صندُوق کا ڈھکنا آپ ہی آپ کھل گیا،
اور اس میں سے سُرخ رنگ کا ایک خُوب صُورت
پرندہ باہر آیا۔ تین مرتبہ افسوس ... صد افسوس کہہ

کر پکارا - اس عجیب پرندے کی آواز پر گھڑیال بھی
تین مرتبہ بجا - پھر وہ پرندہ واپس صندوق میں چلا گیا
اور ڈھکنا بند ہو گیا - امیر حمزہ حیران ہوئے اور دل
میں کہا شاید یہ سب لوگ اسی پرندے اور گھڑیال کا
تماشا دیکھنے جمع ہوئے ہیں - اسی سوچ میں ایک گھنٹا
گزر گیا - وہ پرندہ پھر نکلا ، اُسی طرح بولا - جواب میں
گھڑیال بھی بجا - پھر پرندہ صندوق میں چلا گیا - اب
امیر حمزہ نے اپنی تختی پر نگاہ ڈالی - لکھا تھا :

"اے حمزہ ، کس سوچ میں کھڑا ہے ؟ اگر یہ پرندہ
تین مرتبہ آواز لگا کر صندوق میں چلا گیا تو کام بہت
دشوار ہو جائے گا - تجھے چاہیے کہ جونہی یہ تیسری
مرتبہ صندوق سے باہر نکلے ، کمان میں تیر جوڑ کر مار ۔"

ایک گھنٹا گزرنے کے بعد وہ پرندہ پھر باہر آیا -
امیر حمزہ نے اُسی وقت تیر مارا - تیر اُس کی گردن
میں لگا اور پار نکل گیا - چشم زدن میں وہ باغ اور
مکان غائب ہو گیا - دیکھا کہ ایک بیابان ہے - ہُو کا
عالم ہے - آدمی نہ آدم زاد — امیر حمزہ ایک طرف چلے
راستے میں ایک فقیر ملا - حمزہ نے اُسے سلام کیا -
فقیر نے سلام کا جواب دے کر کہا :

"آؤ بیٹا حمزہ، میں تمھارا ہی اِنتظار کر رہا تھا۔ قریب آن کر بیٹھو تاکہ تمھیں کچھ نصیحت کروں۔"
امیر نے جب اُس کی شکل غور سے دیکھی تو معلوم ہُوا کہ یہ وہی شخص ہے جو یاقُوتی تخت پر بیٹھا کِتاب پڑھ رہا تھا۔ تب اُنھوں نے گرج کر کہا:
"او ملعُون، میں تُجھے خُوب پہچانتا ہُوں۔ تُو وہی ہے جو باغ میں بیٹھا کِتاب پڑھتا تھا۔ اب میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا۔"
فقیر نے باز بن کر اُڑنے کی کوشش کی۔ مگر امیر حمزہ کی تلوار نے اُس کا کام تمام کِیا۔ اِس کے بعد وُہ آگے بڑھے۔ کُچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک نخلستان میں سے گُزر ہُوا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ نُورانی صُورت کے ایک بُزرگ بیٹھے تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ امیر حمزہ نے قریب جا کر سلام کِیا۔ اُن بُزرگ نے کُچھ جواب نہ دِیا اور آنکھیں بند کیے تسبیح پڑھتے رہے۔ آخر امیر نے خیال کِیا کہ یہ کوئی بہُت بڑے بُزرگ ہیں۔ خُدا کی یاد میں اِتنے غرق ہیں کہ میرے آنے اور سلام کرنے کی خبر بھی نہ ہُوئی۔ یکایک تختی پر نظر پڑی۔ لِکھا تھا:

"اے حمزہ، اِن بُزرگ کی نُورانی صُورت پر نہ جانا یہ دراصل تزویر جادُو ہے۔ اِس نے مکّاری سے تیری یہ تختی چھینی تھی۔ فوراً اِس کو جہنّم رسید کر۔ اگر اس کا ہاتھ تسبیح کے آخری دانے تک پہنچ گیا تو تیرا کام تمام ہے"

یہ دیکھ کر امیر حمزہ نے تلوار کا ہاتھ مارا۔ تزویر جادُو کی گردن کٹ کر دُور جا گری۔ ایک زبردست غُل مچا۔ پھر تاریکی میں سے آواز آئی:

"میرا نام تزویر جادُو تھا۔ آج پچاس ہزار برس بعد حمزہ کے ہاتھوں ہلاک ہُوا"

جب روشنی ہُوئی تو دیکھا کہ آگے آگے ایک جوان اور اس کے پیچھے کئی آدمی چلے آتے ہیں۔ جوان نے قریب آکر امیر حمزہ کو سلام کیا اور کہنے لگا۔ "خُدا اس شخص کا بھلا کرے جس نے تزویر جادُو کو ہلاک کر کے اُس کی قید سے رہائی دلائی۔ آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟"

"میرا نام حمزہ ہے اور میں نے تزویر جادُو کو مارا ہے۔ مرزاد شاہ نے مجھ سے کہا تھا کہ اِس طِلسم کو فتح کروں۔ میں اپنا وعدہ پُورا کرنے کے لیے یہاں

آیا ہُوں۔"

یہ سُنتے ہی وُہ جوان دوڑ کر امیر حمزہ کے قدموں پر گرا اور کہنے لگا۔" میں ہی مرتاد شاہ کا بیٹا ہُوں ملک زادہ میرا نام ہے۔" امیر حمزہ نے اُسے گلے سے لگایا اور تسلّی دی کہ گھبراؤ مت، ابھی اِس طِلسم کے کئی مرحلے باقی ہیں۔ خُدا نے چاہا تو عنقریب اِنھیں بھی فتح کروں گا۔ پھر تُمھیں مرتاد شاہ کے پاس لے چلوں گا۔ پھر اُنھوں نے اِس جوان کے ساتھیوں کے بارے میں پُوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ ملک زادہ نے بتایا کہ یہ سب وُہ بدنصیب ہیں جو مُجھے ڈُھونڈنے کے لیے اِس طِلسم میں داخل ہُوئے اور تزویر جادُو کے ہتھے چڑھ کر قید ہو گئے۔

امیر نے اُن سب کو وہیں نخلستان میں رہنے کی ہدایت کی اور خُود آگے بڑھے۔ رات بھر سفر کرنے کے بعد ایک پہاڑ کے سامنے پہنچے۔ اُس کی چوٹی آسمان کو چُھو رہی تھی۔ تختی کے ذریعے ہدایت ملی کہ اس پہاڑ پر چڑھ جا۔ امیر حمزہ پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ جب چوٹی پر پہنچے تو کیا دیکھا کہ ایک شخص زنجیروں میں جکڑا ہُوا ہے۔ بدن پر جا بجا

زخم ہیں جن سے خون رِس رہا ہے۔ چہرے پر مُردنی سی چھائی ہے اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی ہیں۔ امیر حمزہ کو دیکھتے ہی اُس نے پُکار کر کہا :
"اے حمزہ، خُدا کے واسطے مجھے رہا کراؤ۔ میں مُدّت سے اس طِلسم میں پھنسا ہُوا ہُوں۔"

امیر حمزہ نے چاہا کہ تختی دیکھ کر ہدایت لیں۔ مگر اُس شخص نے پھر دردناک لہجے میں فریاد کی۔ امیر حمزہ نے تختی نہ دیکھی اور جلدی سے اس کی زنجیریں کاٹ کر آزاد کر دیا۔ آزاد ہوتے ہی وُہ شخص زور سے ہنسا اور کہنے لگا۔

"اے حمزہ، خبر دار ہو جا۔ میرا نام فتنس جادُو ہے۔"

یہ کہتے ہی اُس نے تلوار سے حملہ کیا۔ امیر حمزہ نے اس کا وار روکا اور عقرب سُلیمانی کا ایک ہاتھ مارا فتنس جادُو کے دو ٹکڑے ہو گئے لیکن دیکھتے ہی دیکھتے یہ دونوں ٹکڑے لوٹ پوٹ کر دو فتنس بن گئے۔ امیر حمزہ نے اِن دونوں کو قتل کیا پھر دو کے چار ہو گئے۔ غرض اِسی طرح ہزاروں پر نوبت پہنچی۔ اب تو حمزہ سخت پریشان ہُوئے کہ یہ کیا

مُصیبت ہے ۔ تلوار چلاتے چلاتے اُن کے بازو شل ہو گئے مگر دُشمنوں کی تعداد گھٹنے کی بجائے برابر بڑھتی ہی جاتی تھی ۔ آخر اُنھوں نے تختی کی طرف دیکھا ۔ لِکھا تھا :

"اے حمزہ ، اگر تُو اِس فتنس جادُو کی زنجیریں کاٹنے سے پہلے تختی کو دیکھ لیتا تو یہ مُصیبت نہ اُٹھانی پڑتی ۔ یہ سب فتنس جادُو کے غُلام ہیں ۔ جہاں تک قتل کرے گا ، دُگنے تِگنے چوگُنے ہوتے چلے جائیں گے ۔ فتنس جادُو اِس وقت ابر میں پوشیدہ ہے اور وہیں سے جادُو کر رہا ہے ۔ تُو اِس تختی کو اُونچا کر اور پھر تماشا دیکھ ۔"

امیر حمزہ نے ایسا ہی کیا ۔ جُونہی تختی اُونچی کی ، آسمان پر چھائی ہُوئی کالی گھٹا دُور ہو گئی اور سُورج کی روشنی میں فتنس جادُو کا تخت نظر آیا ۔ امیر حمزہ نے اُسی وقت تیر مارا اور وُہ زمین پر گر کر فنا ہو گیا ۔ اُس کے مرتے ہی دُوسرے تمام فتنس خُود بخُود غائب ہو گئے ۔ پھر کالی آندھی آئی اور اُس میں سے یہ آواز بُلند ہُوئی :

"میرا نام فتنس جادُو تھا ۔ آج پچّیس ہزار سال بعد

مارا گیا۔"

امیر حمزہ نے ایک دن اور ایک رات اُس پہاڑ پر بسر کی۔ اگلے روز وہاں سے چلے اور ایسے علاقے میں آئے جہاں جُھلسا دینے والی گرم ہَوا چل رہی تھی۔ امیر جُوں جُوں آگے بڑھتے گئے۔ فضا میں گرمی بڑھتی چلی گئی۔ امیر حمزہ کی زرہ آگ کی مانند جلنے لگی۔ وہ بہت گھبرائے۔ تختی کو دیکھا۔ اس میں لکھا تھا:

"اے حمزہ، ڈر نہیں۔ آگے جا۔"

امیر آگے بڑھے۔ کچھ فاصلے پر ایک درخت نظر آیا جو جڑ سے لے کر پھُنگی تک آگ کا بنا ہُوا تھا اور اس میں سے جُگنوؤں کی مانند شرارے اور پتنگے پھُوٹ رہے تھے۔ تختی پر لکھا تھا:

"اے حمزہ، یہ آگ کا درخت نہیں، شُعلہ جادُو ہے اسی نے تیرے غلاموں کو پتھّر کا بنا دیا ہے اور یہ تیری تلوار سے نہیں مرے گا۔ جو تلوار اُس کے پاس ہے، اس کی قضا اسی تلوار سے لکھی ہے۔ تُو قریب جا کر یہ تختی اِس درخت پر دے مار۔"

امیر حمزہ جُونہی اِس آگ کے درخت کی جانب بڑھے

ایک ہولناک آواز کانوں میں آئی :

"اے حمزہ ، خبردار ، اِدھر نہ آنا ورنہ جلا کر راکھ کر دوں گا ۔"

لیکن حمزہ نے اس دھمکی کی پروا نہ کی اور قریب جا کر تختی درخت پر دے ماری ۔ تختی کا لگنا تھا کہ نہ وہ آگ رہی نہ وہ شعلے ۔ سب کچھ ختم ہو گیا اور شُعلہ جادُو کھڑا دکھائی دیا ۔ اُس کے ہاتھ میں دو دھاری تلوار تھی ۔ غیظ و غضب سے گالیاں بکتا ہُوا امیر حمزہ کی طرف لپکا اور تلوار سے حملہ کیا ۔ اُنھوں نے وار خالی دے کر قبضے پر ہاتھ ڈالا اور جھٹکا مار کر شُعلہ کی تلوار چھین لی ۔ وہ ملعُون بھاگا اور تھوڑی دُور جا کر منتر پڑھنے لگا مگر امیر حمزہ نے اُس کو زیادہ مُہلت نہ دی ۔ اُس کے پیچھے لپکے اور تلوار کا ایسا ہاتھ دیا کہ وہ تربُوز کی پھانک بن گیا ۔ اُس کے مرتے ہی تاریکی چھا گئی اور ایک آواز آئی :

میرا نام شُعلہ جادُو تھا ۔ افسوس ، صد افسوس ۔ آج پچاس ہزار سال بعد حمزہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچا ۔"

شُعلہ کے مرتے ہی دیو اور پری زاد اپنی اصلی

صُورتوں پر آئے اور فوراً بارگاہِ زرلفتی لے کر امیر حمزہ کی خدمت میں حاضر ہُوئے ۔ سب نے مُبارک باد پیش کی اور خُوب خوشیاں منائیں ۔

امیر نے رات بھر بارگاہ میں آرام فرمایا اور صُبح ہوتے ہی آٹھویں مرحلے کی فکر میں روانہ ہُوئے ۔ تھوڑی دُور گئے تھے کہ ایک جنگل دِکھائی دِیا ۔ جا بجا تالاب اور نہریں جاری تھیں ۔ خُوش الحان پرندے نغمے گا رہے تھے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہَوا چل رہی تھی ۔ کچھ فاصلے پر ایک شخص آگ کے الاؤ کے نزدیک بیٹھا تسلے میں آٹا گُوندھ رہا تھا ۔ امیر حمزہ نے تختی سے مشورہ لیا ۔ لکھا تھا :

"یہ اِسم پڑھ کر سنگ ریزوں پر دم کر اور ہر تالاب میں پھینک ۔"

اُنھوں نے ایسا ہی کیا ۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سب تالاب ایک ایک کر کے غائب ہو گئے مگر ایک تالاب باقی رہ گیا ۔ اُس کے اندر نہایت بُلند مینار بنا ہُوا تھا اور جو شخص آٹا گُوندھتا تھا وہ اس مینار کا مُحافظ تھا ۔ جب اُس نے امیر حمزہ کو وہاں کھڑے دیکھا تو گالیاں دیتا ہُوا آیا ۔ امیر نے جلدی سے تختی پر نگاہ

دیڑائی۔ لکھا تھا:

"اسے فوراً مار ڈال۔ ذرا نہ سوچ کہ کون ہے اور کیا کرتا ہے۔"

جونہی وہ قریب آیا، امیر حمزہ کی تلوار اُس کے سر پر پڑی اور پلک جھپکتے میں وہ جہنّم کی طرف روانہ ہُوا۔ تاریکی میں سے آواز آئی:

"آہ، آج بیس ہزار برس بعد مارا گیا کہ نام میرا بُحران جادُو تھا۔"

جب روشنی ہُوئی اور بارگاہِ زرلفتی نہ آئی تو امیر حمزہ نے تختی کو دیکھا۔ اس میں لکھا تھا کہ تالاب کے داہنی طرف جا لیکن قدم بہت آہستہ آہستہ رکھنا ایک شخص جس کا رنگ چاندی کی مانند سفید ہے، ایک بگل مُنہ سے لگائے بیٹھا کتاب پڑھ رہا ہو گا چُپکے سے جا کر کتاب اُٹھا لینا۔ وُہ اندھا ہو جائے گا۔ تُو اُسے فوراً قتل کر دینا۔ اگر سامنے سے جائے گا تو وُہ بگل بجا دے گا۔ جس سے تمام بیابان میں آگ لگ جائے گی اور اُس وقت یہ تختی بھی کام نہ دے گی۔

امیر نے جا کر دیکھا تو ہُو بہُو وہی نقشہ پایا جو

تختی میں بتایا گیا تھا۔ چپکے سے جا کر وہ کتاب اُٹھا لی۔ وُہ شخص ہاتھ بڑھا بڑھا کر ہر طرف ٹٹولنے لگا امیر حمزہ نے تلوار کا ہاتھ مارا۔ اُسی وقت بُھتّا سی گردن اُڑ گئی۔ آواز آئی :

"میرا نام بابل جادُو تھا۔ آج پندرہ ہزار برس بعد مارا گیا۔"

تھوڑی دیر بعد روشنی ہُوئی اور بارگاہ آئی۔ امیر اس میں تشریف لے گئے۔ تختی کو دیکھا، لکھا تھا :

"اے حمزہ، جو مرحلے اس طلسم میں تھے، سب تُو نے فتح کیے۔ اب تُو باغِ کرامت میں جا اور راستے میں سے ملک زادہ بن مزناد شاہ کو بھی لے لے۔"

امیر نے ایسا ہی کیا اور سب کو لے کر باغِ کرامت میں آ گئے۔

اُدھر انتشار شاہ کو پل پل کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ جب شُعلہ وزیر کے ہلاک ہونے کی خبر سُنی تو گریبان چاک کیا اور دیواروں پر سر مارنے لگا۔ تمام بدن پر رعشہ طاری تھا۔ چیخ چیخ کر کہنے لگا :

"ہمارے مُلازم سب نمک حرام ہیں۔ اُنھوں نے غفلت کر کے ہمیں اِس حالت کو پہنچایا ہے۔ خیر

اب یا تو ہم اپنی جان دے دیں گے یا امیر حمزہ کو قتل کریں گے۔"

اتنے میں ایک جاسوس نے آن کر یہ خبر سُنائی۔ کہ شہزادی فتانہ نے قلعے سے نکل کر باغ کرامت میں پناہ لی ہے اور امیر حمزہ نے اُس کی حفاظت کا ذمّہ لیا ہے۔ اب تو انتشار شاہ کے غم اور غُصّے کی اِنتہا نہ رہی۔ اُسی وقت اُٹھ کھڑا ہُوا اور کہنے لگا:

"کوئی ہے جو اِس غدّار شہزادی کو پکڑ کر لائے۔ میں اُسے اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ تاکہ میرے دل کو ٹھنڈک پہنچے۔ معلوم ہو گیا کہ یہ سارا طلسم اسی نے درہم برہم کرایا ہے۔"

ایک جادُوگر نے اُٹھ کر انتشار کے تخت کو بوسہ دیا اور کہنے لگا "حضور اِطمینان رکھیں۔ میں شہزادی کو گرفتار کر کے لاتا ہُوں۔"

طلسم فتح ہو گیا

امیر حمزہ کو تو باغ کرامت میں آرام کرنے دیجیے اور اب ذرا اُن کے ساتھیوں کی خبر لیجیے ۔ امیر حمزہ یہ وعدہ کر گئے تھے کہ چالیسویں روز واپس آ جاؤں گا لیکن جب اِکتالیسواں دِن بھی گزر گیا اور امیر حمزہ کی صُورت نظر نہ آئی تو سب پریشان ہُوئے ۔ آخر عَلَم شاہ نے قباد سے کہا :

"اے شہر یار ، میں اُمیّد وار ہوں کہ رُخصت مِلے تو جا کر امیر کی خبر لاؤں ۔"

قباد نے رُخصت کا خلعت عطا کیا اور عَلَم شاہ اُسی راہ پر چلا جدھر پہلے بھی بہُت سے لوگ طِلسم فتح کرنے کے اِرادے سے گئے تھے مگر لوٹ کر نہ آئے تھے ۔

جب عَلَم شاہ چلا گیا تو عمرو عیّار کے دِل میں خیال

آیا کہ میں کبھی امیر سے جُدا نہیں ہُوا۔ افسوس کہ عَلَم شاہ تو امیر حمزہ کی تلاش میں جائے اور میں یہیں بیٹھا مزے اُڑاوں۔ یہ خیال کر کے عمرو نے بھی قباد سے جانے کی اجازت طلب کی اور اسی راہ پر چلا جس راہ پر عَلَم شاہ گیا تھا۔

اُدھر عَلَم شاہ کو طلسم میں داخل ہوتے ہی پنجہ اُٹھا کر لے گیا۔ یہ پنجہ دراصل میمون جادو تھا۔ اُس نے عَلَم شاہ کو اِنتشار کے سامنے حاضر کیا اور کہا:

"جہاں پناہ، یہ امیر حمزہ کا بیٹا عَلَم شاہ ہے۔ طلسم میں آتے ہوئے گرفتار ہُوا۔"

اِنتشار بے حد خُوش ہُوا اور کہنے لگا۔"اب حمزہ مجھے کیا ایذا پہنچا سکتا ہے؟ اگر وُہ مجھے نُقصان پہنچانے کا قصد کرے گا تو میں عَلَم شاہ کو قتل کروں گا۔"

یہ کہہ کر حُکم دیا کہ عَلَم شاہ کو قید خانے میں لے جاؤ اور دن رات نگرانی کرو۔

تھوڑی دیر بعد میمون جادُو پھر آیا اور آداب بجا لانے کے بعد بولا۔"جہاں پناہ، میں عمرو عیّار کو پکڑ کر لایا ہُوں۔"

انتشار شاہ یہ سُن کر خُوشی کے مارے ناچنے لگا۔ میمون جادُو کو بڑی شاباش دی۔ پھر عمرُو کی طرف دیکھ کر کہنے لگا:

"او عیّار، تیری شکایت جمشید اور سامری جادُو گر اپنی اپنی کتابوں میں لکھ گئے ہیں۔ تُو بڑی بلا ہے اب میں تجھے عذاب میں مُبتلا کر کے ماروں گا۔" عمرُو نے کچھ جواب نہ دیا اور عَلَم شاہ کو دیکھنے لگا جو برابر ہی میں کھڑا تھا۔

اتنے میں انتشار شاہ نے منتر پڑھنے شرُوع کیے یکایک زمین شق ہُوئی اور عَلَم شاہ زمین میں دھنستا چلا گیا۔ پھر زمین ہموار ہو گئی۔ تب انتشار نے چیخ کر زمین مرتبہ کہا:

"یا جدّاہ، اس سے خبردار رہیے گا اور بہت احتیاط سے رکھیے گا۔ میں نے اس کے لیے یہی قید خانہ پسند کیا ہے۔"

عمرُو نے جب عَلَم شاہ کو یُوں زمین میں غائب ہوتے دیکھا تو کانپنے لگا، انتشار شاہ کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ "اے بادشاہ، معلُوم ہوتا ہے کہ تُو نے میرے بارے میں غلط خبریں سُنی ہیں۔ میں عیّار وِیّار بالکل

نہیں ہوں، بلکہ مجھ جیسا بے وقوف تو رُوئے زمین پر کوئی نہ ہو گا۔ آج سے تیرا تابع دار ہوں۔ تُو جو کہے گا۔ وہی کروں گا۔"

انتشار یہ سُن کر ہنس پڑا اور بولا "کیوں مجھے فریب دیتا ہے۔ میں نے تیرے بارے میں جو کچھ سُنا ہے، وُہ سب سچ ہے۔ خیر یہ باتیں تو بعد میں ہوں گی۔ پہلے کوئی گانا سُنا۔ تیرے گانے کی بڑی تعریف سُنی ہے۔"

عمرو نے روتے ہُوئے جواب دیا "اے بادشاہ، موت میرے سر پر کھڑی ہے۔ کوئی دم میں قتل ہو جاؤں گا۔ ایسے وقت میں کیا گانا گاؤں؟"

"اب زیادہ باتیں نہ بنا اور جلد گانا شرُوع کر۔ ورنہ یہ خنجر تیرے پیٹ میں گھونپ دُوں گا" میمون جادُو نے خنجر دِکھاتے ہُوئے کہا۔

اب تو عمرو کی سٹی گُم ہُوئی۔ ڈر کے مارے گانے لگا اور ایسا گایا کہ تمام درباری اور خود انتشار شاہ جھُومنے لگا۔ تب عمرو نے کہا:

"حضور، اگر میرا ایک ہاتھ کھُل جاتا تو میں بانسری بھی بجاتا اور نئے نئے راگ سُناتا۔"

"اس کا ایک ہاتھ کھول دیا جائے۔" اِنتشار شاہ نے حُکم دیا۔
غُلاموں نے اُسی وقت عمرو کا ایک ہاتھ کھول دیا عمرو نے زنبیل میں سے بانسری نکالی اور بجانی شروع کی۔ تمام محفل جھوم اُٹھی اور سب نے آنکھیں بند کر لیں۔ عمرو نے زنبیل میں سے بے ہوشی دُور کرنے کی رُوئی نکال کر اپنے نتھنوں میں دے لی۔ پھر عطرِ بے ہوشی نکال کر ایک ہاتھ سے اپنے بدن پر ملا اُس کی خُوشبُو جُونہی درباریوں اور اِنتشار شاہ کی ناک میں پہنچی، سب کے سب چھینکیں مار مار کر بے ہوش ہُوئے۔ عمرو نے سب سے پہلے میمون جادُو کے خنجر سے اُسی کی گردن تن سے جُدا کی۔ پھر اُسترا نکال کر اِنتشار شاہ کی ڈاڑھی، مونچھیں، بھویں اور سر کے بال بھی مُونڈ دیے۔ مگر دائیں مُونچھ باقی رہنے دی۔ پھر ایک رُقعہ لکھ کر اِس مُونچھ میں باندھا اِس میں لکھا تھا:
"اے اِنتشار شاہ، تُو نے دیکھا کہ ہم پر تیرا جادُو نہیں چلتا۔ فی الحال تیری اِتنی ہی گت بنا کر چھوڑے دیتا ہُوں۔ چاہتا تو میمون جادُو کی طرح تُجھے بھی ان

کی آن میں جہنّم رسید کر دیتا۔"

اِس کے بعد عمرو نے کِسی درباری کا مُنہ کالا اور کِسی کا لال کِیا۔ دربار کا سب قیمتی سامان سمیٹ کر زنبیل میں ڈالا اور وہاں سے رفو چکّر ہُوا۔

اب کچھ حال عَلَم شاہ کا سُنیے۔

عَلَم شاہ جب زمین میں دھنسا تو بے ہوش ہو گیا تھا۔ بہت دیر بعد آنکھیں کُھلیں تو اپنے آپ کو ایک پُر فضا گلشن میں پایا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سیاہ رنگ کی ایک بُڑھیا، جس کی عُمر چار سو برس سے کم نہ ہو گی، ایک بارہ دری میں گاؤ تکیے سے لگی بیٹھی ہے۔ بُڑھیا عَلَم شاہ کو دیکھ کر ہنسی اور فوراً ایک منتر پڑھا۔ اُسی وقت لوہے کا ایک پنجرا ہَوا پر اُڑتا ہُوا آیا اور بُڑھیا کے قریب آن کر رُکا بُڑھیا نے عَلَم شاہ کو اُٹھا کر اس پنجرے میں پھینکا اور ایک غُلام کو طلب کر کے حُکم دیا کہ اِسے قید خانے میں لے جا کر رکھ دے۔ غُلام وُہ پنجرا کندھے پر اُٹھا کر چلا اور ایک عالی شان مکان میں آیا جس کی چھت پر ویسے ہی بے شُمار پنجرے لٹک رہے تھے۔ اُس نے عَلَم شاہ کا پنجرا بھی چھت میں

لٹکایا اور چلا گیا۔

عَلَم شاہ کے برابر جو پنجرا لٹکا ہُوا تھا، اُس میں ایک مردِ ضعیف قید تھا۔ عَلَم شاہ نے اُس سے پُوچھا "بڑے میاں، آپ کون ہیں اور کِس لیے قید کیے گئے ہیں؟"

بُڈھے نے نظر اُٹھا کر عَلَم شاہ کو دیکھا اور کہا۔ "اے جوان پہلے تُو اپنی رام کہانی سُنا۔ میں اپنا حال بعد میں کہوں گا۔"

تب عَلَم شاہ نے اپنی تمام حقیقت اور گرفتار ہونے کا ماجرا بیان کیا۔ آخر میں کہا کہ میں امیر حمزہ کا بیٹا ہُوں اور اُنھی کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔ یہ قِصّہ سُن کر بُوڑھے کی آنکھیں بھر آئیں۔ محبّت کی نظروں سے عَلَم شاہ کو دیکھ کر بولا:

"اے شہزادے، میرا نام شہریار شاہ ہے، اور پہلے میں ہی اِس طِلسم کا بادشاہ تھا۔ اِنتشار شاہ کو میں نے اپنا وزیر بنایا۔ ہمارے خاندان میں سینکڑوں سال سے ایک سیاہ مُہرہ چلا آتا ہے۔ اِس کی خاصیّت یہ ہے کہ وُہ جس کے قبضے میں آ جائے، وہی شخص اس طِلسم پر حکومت کرے۔ وُہ سیاہ فام بُڑھیا، جس

نے آپ کو پنجرے میں بند کر کے یہاں بھیجا ہے ۔
اِنتشار شاہ کی نانی ہے ۔ میرے محل میں بہت عزّت
کی نظر سے دیکھی جاتی تھی ۔ ایک دن موقع پا کر سیاہ
مُہرہ اس نے چُرا لیا اور اِنتشار شاہ کے حوالے کیا ۔
وہ اِسی مُہرے کی برکت سے بادشاہ ہو گیا اور میرے
تمام رشتے داروں کو قتل کر ڈالا ۔ اب مُجھے عرصے
سے اُس مکّار بُڑھیا نے اس پنجرے میں قید کر رکھا
ہے ۔ میرے علاوہ جتنے اور قیدی ہیں ، وُہ بھی کسی
نہ کسی جُرم میں قید کیے گئے ہیں ۔ اب آپ یہ
فرمائیں کہ جب امیر حمزہ اس طِلسم کو فتح کریں گے
تو میری سلطنت مجھ کو واپس مِل جائے گی ؟"
علم شاہ نے کہا :" اگر آپ دینِ ابراہیمی پر ایمان
لائیں تو پھر میں اِقرار کروں گا ۔"
شہریار شاہ اِیمان لایا ۔ تب علم شاہ نے اُس
سے پُوچھا :" آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ سیاہ مُہرہ
اب کہاں ہو گا ؟"
"میرا خیال ہے وُہ مُہرہ ابھی تک اُسی بڑھیا کے
پاس ہو گا یا اِنتشار شاہ نے کہیں چھپایا ہو گا ۔"
ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک خُوب صُورت

لڑکی وہاں آئی ۔ اس کا نام زلالہ جادُو تھا اور یہ اژدشار شاہ کی بھتیجی تھی ۔ اس نے جب عَلَم شاہ کو پنجرے میں دیکھا تو قریب آئی اور کہنے لگی "اے نوجوان مُجھے تجھ پر رحم آتا ہے ۔ اگر تُو مُجھ سے شادی کا وعدہ کرے تو تجھے ابھی رہا کرا دُوں "۔

عَلَم شاہ نے ہنس کر جواب دیا "وعدہ تو نہیں کرتا مگر مُجھے تیری بات پر اس وقت یقین آئے گا جب تُو وہ سیاہ مُہرہ مُجھے لا کر دے گی "۔

زلالہ جادُو نے عَلَم شاہ کی یہ بات سُنی تو سوچ میں پڑ گئی ۔ پھر مُسکرا کر بولی "مُہرہ لانا تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے ۔ ابھی تُمھاری یہ خواہش پُوری کرتی ہُوں "۔

یہ کہہ کر وہ بُڑھیا کے پاس آئی ۔ وہ اس وقت پلنگ پر پڑی خرّاٹے لے رہی تھی ۔ زلالہ نے خنجر نکال کر بُڑھیا کی گردن تن سے جُدا کی اور تکیے کے نیچے سے سیاہ مُہرہ نکال کر عَلَم شاہ کے پاس لائی عَلَم شاہ نے مُہرہ ہاتھ میں لیتے ہی اُسے پنجرے سے لگایا ۔ ایک ایک کر کے تمام سلاخیں ٹوٹ گئیں اور عَلَم شاہ آزاد ہو گیا ۔ پھر اُس نے شہریار

شاہ اور دُوسرے قیدیوں کو بھی آزاد کرایا۔

اُدھر اِنتشار شاہ ہوش میں آیا اور اپنے آپ کو زمین پر پڑا دیکھ کر حیران ہُوا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اِتنے میں ایک ایک کر کے سب درباری بھی ہوش میں آئے۔ کِسی نے کہا:

"جہاں پناہ، ذرا آئینے میں اپنی صُورت تو مُلاحظہ فرمائیے۔"

اِنتشار شاہ نے سر ہلایا۔ چھُن چھُن کی سی آواز آئی۔ گھبرا کر آئینہ طلب کیا۔ صُورت دیکھی تو بہُت ہنسا۔ سر، ڈاڑھی، بھویں اور ایک مُونچھ صفا چٹ۔ چہرے پر سیاہی پُتی ہُوئی۔ ایک مُونچھ میں چند گھُنگھرو اور ایک پرچہ بندھا ہُوا۔ اِنتشار شاہ نے پرچہ کھول کر پڑھا اور مارے غُصّے کے تھر تھر کانپنے لگا۔ جادُوگروں کو حُکم دیا کہ عَمرو عیّار کو پکڑ کر لاؤ۔ جادُوگر عَمرو کی تلاش میں چلے۔ لیکن عَمرو بھلا اُن کے ہتھّے کیسے چڑھتا۔ وُہ تو مِیلوں دُور نِکل گیا تھا۔ آگے چل کر اُسے ایک عالی شان باغ نظر آیا جس کے اندر بارگاہِ زرلفتی میں مسندِ جواہر نِگار پر امیر حمزہ

بیٹھے تھے ۔ عمرو اُنھیں دیکھ کر بے حد خوش ہُوا مگر فوراً ہی سامنے جانا مُناسب نہ سمجھا اور ایک کنیز کی صُورت بنا کر بارگاہ میں داخل ہُوا ۔ اِتنے میں ایک دیو نے آن کر سلام کیا اور امیر حمزہ سے کہا :

"حضُور، ہمیں خبر ملی ہے کہ آپ کے بیٹے عَلَم شاہ طلِسم میں داخل ہُوئے تھے ، اِنتشار شاہ نے اُنھیں گرفتار کرکے زمین کے ساتویں طبقے میں قید کیا ہے ۔ اِس کے بعد عمرو عیّار گیا ۔ وہ بھی پکڑا گیا ، مگر اپنی عیّاری سے اِنتشار شاہ اور اُس کے جادُوگروں کو بے ہوش کرکے نِکل گیا ۔"

امیر حمزہ یہ خبر سُنتے ہی بے تاب ہو کر اُٹھ کھڑے ہُوئے اور کہنے لگے ، "مجھ پر اب آرام اور چَین حرام ہے ۔ عَلَم شاہ کو جب تک آزاد نہ کرا لوں گا ، کھانا نہ کھاؤں گا ۔"

اُن کی یہ بات شہزادی فتانہ نے بھی سُن لی ۔ کہنے لگی ۔ "بہتر ہے کہ پہلے تختی سے مشورہ کر لیجیے ، پھر کہیں جانے کا اِرادہ کیجیے ۔"

امیر حمزہ نے تختی نکال کر دیکھی ۔ اُس پر لِکھا تھا :

"اے حمزہ، گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے عَلَم شاہ اور خواجہ عَمرو دونوں خیریت سے ہیں۔ عن قریب تُم سے مُلاقات ہو گی۔"

یہ حال معلُوم کر کے امیر حمزہ کو اِطمینان ہُوا۔ تمام پریشانی کافُور ہُوئی۔ خوشی خوشی اپنے تخت پر جا بیٹھے۔ اِتنے میں عَمرو عیّار نے سبز کمبل اوڑھ کر آواز دی:

"او عرب! تیری مروّت اور دوستی دیکھی۔"

امیر حمزہ نے آواز پہچان لی اور ہنس کر کہا: "اے خواجہ، اگر یہاں آئے ہو تو چھپے کیوں کھڑے ہو۔ ذرا سامنے آؤ۔ صُورت دِکھاؤ۔"

تب عَمرو عیّار ایک بن مانس کی شکل بنا کر سامنے آیا۔ شہزادی قتانہ بن مانس کو دیکھ کر ڈر کے مارے چیخنے لگی۔ تمام خواصیں اور کنیزیں بھاگ گئیں۔ شہزادی کہنے لگی:

"یا امیر، اِنتشار شاہ نے شاید آپ کو ہلاک کرنے کے لیے یہ بن مانس بھیجا ہے۔ مُجھے اِس کی صُورت سے خوف آتا ہے۔"

امیر حمزہ نے کہا۔ "شہزادی، ڈرو نہیں۔ یہ آدمی

ہے اور ہمارا دوست ہے۔"

عَمرو نے مُنہ بنا کر کہا "آپ کی عنایت ہے جو مجھے آدمی سمجھتے ہیں مگر آج آپ کی دوستی کی حقیقت کھُل گئی۔ بیٹے کی گرفتاری کا حال سُن کر بے تابانہ دوڑے اور ہماری خبر بھی نہ لی۔"

امیر حمزہ نے مُسکرا کر جواب دیا "اے خواجہ، زیادہ بدگمانی ٹھیک نہیں ہوتی۔ ہم نے تُمھاری رہائی کی خبر بھی تو سُن لی تھی۔"

اِتنے میں ایک پری زاد نے اِطّلاع دی کہ ایک عظیم لشکر آتا ہے جس میں ایک لاکھ جادُوگر ہیں۔ شاید اِنتشار شاہ نے حملہ کیا ہے۔ یہ سُنتے ہی عَمرو عیّار بارگاہ سے نِکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ واقعی جادُوگروں کا لشکر چلا آتا ہے۔ آگے آگے عَلَم شاہ گھوڑے پر سوار ہیں اور پیچھے ایک مردِ ضعیف شیر پر بیٹھا آ رہا ہے۔ باقی جادُوگر اُونٹوں اور گدھوں پر سوار ہیں اور اُن کے مُنہ سے آگ کے شُعلے نکلتے ہیں۔

عَمرو نے جلدی سے امیر حمزہ کو خبر دی کہ عَلَم شاہ آتا ہے۔ امیر حمزہ دوڑے ہوئے آئے۔ عَلَم شاہ نے جُونہی امیر حمزہ کو دیکھا، جھٹ گھوڑے سے اُترا

اور قدموں پر گرا - امیر حمزہ نے اُسے سینے سے لگایا
اتنے میں شہریار شاہ نے آن کر سلام کیا - امیر حمزہ
نے اُس سے مصافحہ کیا اور عزّت سے بارگاہ میں لے
گئے - عَلَم شاہ نے تعارُف کرایا اور سارا حال کہا کہ
یہی اِس طلسم کا اصل مالک ہے - اِنتشار اِس کا مُلازم
تھا - اس نے نمک حرامی کی اور خُود بادشاہ بن بیٹھا
امیر حمزہ نے کہا:

"اے شہریار! تُم تسلّی رکھو - خُدا نے چاہا تو میں
بہُت جلد اِس شیطان کو سزا دیتا ہُوں اور تُمھارا
تخت تُمھارے حوالے کرتا ہُوں"

اگلے روز امیر حمزہ نے تختی پر نگاہ ڈالی - لکھا تھا:

"اے حمزہ، اِنتشار شاہ کی فِکر نہ کرو - اُسے زلالہ
جادُو نے ہلاک کر دیا ہے - چند روز میں وُہ خُود
تُمھارے پاس آئے گی - اور اِطاعت قبُول کرے گی -
تب تُم شہریار شاہ کو اُس کی سلطنت سونپ دینا -
اب طلِسم کو باقی رہنے دو - تُمھارا فرزند اِسے فتح
کرے گا - تُم اپنی مُراد کو پہنچ گئے - اب تُم چلے
جاؤ - راہ کھُل گئی ہے"

امیر حمزہ نے یہ عبارت سب کو سُنائی - تیسرے

ہی دن زلالہ جادُو وہاں آئی اور دینِ ابراہیمی میں داخل ہو گئی ۔ امیر حمزہ نے اُس کی شادی مزاد شاہ کے بیٹے سے کردی ۔ پھر شہریار شاہ کی رسمِ تاج پوشی ادا کی ۔ شہزادی ماہ سیما اور شہزادی فتانہ سے رُخصت لی اور اپنے لشکر کی جانب کُوچ کیا ۔

خُداوندِ ثمرات

فرنگستان پر اپنا پرچم لہرانے کے بعد امیر حمزہ نے بہُت دِن تک آرام کیا اور جشن مناتے رہے۔ ایک روز وُہ بارگاہ میں تشریف رکھتے تھے کہ اِطّلاع مِلی کہ قاصِد آیا ہے۔ امیر حمزہ نے قاصِد کو طلب کیا۔ اُس نے ایک خط پیش کیا۔ یہ خط حلَب کے حاکِم جبّار کی طرف سے آیا تھا اور اس میں لکھا تھا:

"امیر حمزہ کی خِدمت میں سلام کے بعد عرض ہے کہ ہم ایک بھیانک مُصیبت سے دوچار ہیں۔ ہیکلان عاد مغربی نے اپنے ایک پہلوان ظالم شاہ کو عظیم لشکر کے ساتھ بھیجا ہے اور کہلوایا ہے کہ یا تو خُداوندِ ثمرات کو سجدہ کرو اور یا ہم سے جنگ کرو۔ ہم میں اُس سے لڑنے کی قُوّت نہیں ہے، اِس لیے کسی بہادُر کو بھیجیے کہ وُہ آن کر ہماری جان اور ایمان

بچا لے۔"

امیر حمزہ نے سب دوستوں اور پہلوانوں کو یہ مضمون سُنانے کے بعد اعلان کیا کہ کون ایسا بہادر ہے جو حلب جائے اور ظاہر شاہ کو شکست دے عَلَم شاہ فوراً اُٹھا اور دو لاکھ فوج ہمراہ لے کر روانہ ہو گیا۔

اگلے روز امیر حمزہ نے پھر کہا کہ کوئی اور بہادر ہے جو حلب جائے یہ سُنتے ہی سُلطان سعد اُٹھا اور دو لاکھ سپاہی لے کر حلب روانہ ہو گیا۔ تیسرے روز امیر حمزہ نے پھر یہی کہا۔ اِس مرتبہ لندھور اُٹھ اور دو لاکھ بہادر سپاہی ساتھ لے کر چلا۔

اُدھر ہیکلان نے ظاہر شاہ کو ہدایت کی تھی کہ جاتے ہی قلعے کا مُحاصرہ کر لینا اور حلب کے شہر اور قلعے میں سے کسی آدمی کو بچ کر نکلنے کا موقع نہ دینا۔ ظاہر شاہ نے ایسا ہی کیا۔ وہ آندھی طوفان کی طرح آیا اور قلعے کو گھیر لیا۔ آنے جانے کے تمام راستوں پر اپنے سپاہی بٹھا دیئے۔ پھر دروازے پر آن کر آواز دی کہ اے قلعے والو، تُم میں سے کوئی جی دار ہے تو باہر نکل کر مُجھ سے مُقابلہ کرے

مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ قلعے کا حاکم جبّار مدد کا انتظار کر رہا تھا۔

اگلے روز ظاہر شاہ نے اپنے ایک ایلچی کو قلعے کے اندر جبّار کے پاس بھیجا اور کہا کہ اے احمق، کیوں جان دینے پر آمادہ ہے۔ مجھ سے لڑنا موت کے فرشتے سے پنجہ لڑانا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ خداوندِ ثمرات کو سجدہ کر اور قلعہ میرے حوالے کر دے۔ ورنہ سب کو گن گن کر ماروں گا۔ ایلچی نے یہ پیغام جبّار کو پہنچایا۔ اُس نے کہا

"میں خداوندِ ثمرات پر ہزار ہزار لعنت بھیجتا ہُوں ظاہر شاہ سے کہہ دو کہ میں خُدائے واحد کی پرستش کرنے والا ہُوں اور اِس راہ میں اگر جان بھی چلی جائے تو کچھ پروا نہیں ہے۔"

ایلچی نے واپس آ کر یہ جواب ظاہر شاہ کو سُنایا وہ آگ بگولا ہو گیا اور قلعے پر حملہ کر دیا۔ پھر خُود بھی بتّیس من وزنی گرز اُٹھا کر قلعے کے دروازے پر آیا اور اُسے توڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ تمام شہر میں رونا پیٹنا مچ گیا اور حلب کے لوگ رو رو کر خُدا سے مدد کی دُعائیں مانگنے لگے۔

خود جبّار بھی سجدے میں گرا ہُوا تھا۔ اچانک بیابان کی جانب سے گرد اُٹھی اور جب گرد کا دامن چاک ہُوا تو دیکھا کہ ایک بہُت بڑا لشکر قلعے کی طرف تیزی سے آ رہا ہے۔ جب یہ فوج قریب آئی تو جبّار نے پہچانا کہ امیر حمزہ کا لشکر ہے۔ آگے آگے عَلَم شاہ سفید گھوڑے پر سوار بڑی شان سے چلے آتے ہیں۔ اب تو جبّار کی خُوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا اُس نے سپاہیوں کو حُکم دیا کہ نقّارے بجاؤ۔

جب قلعے میں نقّارے بجے تو ظاہر شاہ نے حیران ہو کر کہا "معلُوم ہوتا ہے جبّار کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ خواہ مخواہ نقّارے بجا رہا ہے۔"

اِتنے میں کسی نے آن کر خبر دی کہ غضب ہو گیا۔ عَلَم شاہ ایک عظیم فوج لے کر مُقابلے پر آ گیا ہے۔ یہ سُنتے ہی ظاہر شاہ کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ جھٹ میدان میں آیا اور عَلَم شاہ کو دیکھ کر کہنے لگا:

"اے رُستم، میں نے تیری بڑی تعریف سُنی ہے۔ مگر یہ تو بتا کس اِرادے سے آیا ہے؟"

عَلَم شاہ نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔ "تُو اِس قلعے

پر قبضہ کرنے کے اِرادے سے آیا ہے اور میں تجھے
موت کے گھاٹ اُتارنے کے اِرادے سے آیا ہُوں۔"
یہ سُن کر ظاہر شاہ کی کھوپڑی گرم ہُوئی۔ آگے
بڑھ کر فولادی گُرز گھُمایا اور عَلَم شاہ پر دے مارا۔
اُس نے ڈھال پر روکا۔ ایک ہولناک دھماکا ہُوا۔ عَلَم
شاہ کے گھوڑے کی کمر ٹُوٹ گئی اور وہ مُنہ کے
بل زمین پر گرا۔ یہ دیکھ کر ظاہر شاہ کے لشکر نے
آفرین کے نعروں سے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔
عَلَم شاہ جلدی سے اُٹھ کھڑا ہُوا اور کہنے لگا۔
"اے پہلوان، میں تیری قُوّت اور ہمّت کی داد
دیتا ہُوں، مگر اب میرے وار سے بچ۔"
یہ کہہ کر عَلَم شاہ نے تلوار کھینچی اور ظاہر شاہ پر
حملہ کیا۔ ظاہر شاہ نے گُرز پھینک کر ڈھال آگے بڑھائی۔
عَلَم شاہ کی تلوار ڈھال کو کاٹتی ہُوئی ظاہر شاہ کی
پیشانی پر لگی اور تین اُنگل تک اُتر گئی۔ خُون کی
چادر ظاہر شاہ کے ماتھے اور چہرے پر آ گئی۔ اُس
نے رُومال سے چہرے کا خُون صاف کر کے پھر تلوار
سے وار کیا۔ ہاتھ اوچھا پڑا۔ مگر عَلَم شاہ کا سر
بھی زخمی ہو گیا۔ اِتنے میں ظاہر شاہ کی فوج نے

بلّہ بول دیا اور عَلَم شاہ کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ عَلَم شاہ کی فوج بھی غافل نہ تھی۔ وُہ بھی دشمن کے مُقابلے میں آ گئی اور تلوار چلنے لگی۔

اُدھر قلعے میں سے جبّار اور اُس کا دوست پیر فرخاری بھی اپنی اپنی فوج لے کر نکلے اور ظاہر شاہ پر دھاوا بول دیا۔ کہتے ہیں تین پہر تک تلوار چلی کُشتوں کے پُشتے لگ گئے اور جا بجا لاشوں اور زخمیوں کے انبار نظر آنے لگے۔ ظاہر شاہ کی فوج پسپا ہونے کو تھی کہ وُہ واپسی کا طبل بجوا کر اپنے خیمے میں چلا گیا۔ اُدھر عَلَم شاہ بھی قلعے میں آئے۔ زخم میں ٹانکے لگوائے، زخمیوں کی مرہم پٹّی کروائی۔

دو پہر رات گُزری تھی کہ سُلطان سعد کی فوج آ گئی اور آتے ہی ظاہر شاہ کی فوج پر ٹُوٹ پڑی۔ یہ خبر جبّار کو بھی پہنچی۔ وُہ بھی اپنی فوج لے کر نکلا۔ پیر فرخاری نے بھی تلوار کھینچی۔ عَلَم شاہ زخموں کی تکلیف کے باعث بے ہوش پڑا تھا، اُسے خبر بھی نہ ہُوئی کہ جنگ دوبارہ شرُوع ہو چُکی ہے۔ غرض دو دِن اور دو راتیں مُسلسل تلوار چلتی رہی، حتیٰ کہ سُلطان سعد اور پیر فرخاری گرفتار ہو کر ظاہر شاہ کے

قبضے میں چلے گئے ۔ جبّار واپس قلعے میں آیا اور دروازے بند کر لیے ۔

اگلے روز عَلَم شاہ ہوش میں آیا ۔ سعد کے قید ہونے کی خبر سُنی ۔ نہایت رنج ہُوا اور اِرادہ کیا کہ ابھی جاؤں اور سعد کو چُھڑا کر لاؤں لیکن جبّار نے قدموں پر سر رکھ کر روکا اور کہنے لگا کہ اے رُستم آپ کا حال بہُت خراب ہے ۔ خُون بڑی مقدار میں ضائع ہُوا ہے ۔ آپ پر کمزوری غالب ہے ۔ ایسا کیجیے کہ سب حال امیر حمزہ کی خدمت میں لکھ بھیجیے وہاں سے جو ہدایت ملے ، اُس پر عمل کیجیے ۔ عَلَم شاہ نے یہ تجویز پسند کی اور ایک خط اُسی وقت لکھ کر امیر حمزہ کے پاس بھیجا ۔

اِدھر ظاہر شاہ کو جب معلُوم ہُوا کہ سُلطان سعد اور پیر فرغاری گرفتار ہُوئے ہیں تو بے حد خُوش ہُوا سب سے پہلے سعد کو اپنے سامنے طلب کیا اور کہنے لگا :

” اے جوان ، ہم تیری بہادری اور شجاعت کے قائل ہیں ۔ اگر تُو خُداوندِ ثمرات کو سجدہ کرے تو ابھی رہا کر دُوں اور اِنعام سے مالا مال کر دُوں “

سعد کا چہرہ غُصّے سے تمتمانے لگا - گرج کر جواب دیا۔" او کافر، تُو میرا ایمان خریدنا چاہتا ہے - میں تجھ پر اور تیرے خُداوندِ ثمرات پر لاکھ لاکھ لعنت بھیجتا ہُوں -"

یہ سُن کر طاہر شاہ بہت جھنّایا اور حُکم دیا کہ سعد پیر فرخاری اور اُن کے ساتھ جتنے آدمی گرفتار ہُوئے ہیں، سب کو ابھی قتل کردو - یہ سب لوگ قتل گاہ میں لے جائے گئے اور جلّاد کندھے پر بارہ من وزنی کُلھاڑا رکھ کر آیا - اِتنے میں طاہر شاہ کے دو نائب سپہ سالاروں ہلال عاد اور انصار عاد نے کہا :

" ہمارے خیال میں سعد اور پیر فرخاری کے قتل کی ذمّہ داری آپ اپنے سر نہ لیں بلکہ اِنھیں ہبکلان کے پاس بھجوا دیجیے - وُہ جو چاہے سلوک کرے -" یہ بات طاہر شاہ کو پسند آئی - اُس نے اُسی وقت قیدیوں کو تین سو سواروں کی حفاظت میں دے کر ہبکلان کے پاس روانہ کیا -

آپ کو یاد ہو گا کہ ایک مُہم میں عادی پہلوان نے معرُوف شاہ کی بیٹی عادیہ بانو سے شادی کی تھی - اِس

شادی کے بعد عادیہ بانو کے ایک لڑکا پیدا ہُوا۔ معرُوف شاہ نے اس کا نام کرب غازی رکھا۔ ماں اور نانا اس لڑکے سے بہت محبّت کرتے تھے۔ اس کی پرورش اور دیکھ بھال کے لیے سینکڑوں نوکرانیاں اور غُلام ہر وقت حاضر رہتے۔ بچپن ہی سے کرب غازی نہایت سر پھرا اور شہ زور لڑکا تھا۔ اپنے سے دوگنی قوّت اور عُمر کے لڑکوں کو اُٹھا کر پٹخنی دینا اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ بات بات پر لونڈی غُلاموں کی مرمّت کر دیتا۔ ہر وقت کُچھ نہ کُچھ کھاتے اور ٹُونگتے رہنا اُس کی عادت تھی۔ جب بارہ برس کا ہُوا تو اپنے نانا معرُوف شاہ کے دربار میں آن کر بیٹھنے لگا۔ اب اُس کی طاقت کا یہ عالم تھا کہ گھوڑے کو گھونسا مار کر مار ڈالتا اور لوہے کے بڑے بڑے گولے ہاتھ میں لے کر توڑ مروڑ دیتا۔ اُس کی دیوانگی کے باعث ہر شخص خوف کھاتا تھا اور کسی کی ہمّت نہ تھی کہ اُس کی بات کو ٹال دے۔

ایک دن وُہ اپنی ماں اور نانا سے کہنے لگا کہ ہم کو رُخصت کرو۔ اب ہم امیر حمزہ کے پاس جائیں گے اور اپنے باپ عادی پہلوان کو دیکھیں گے۔ یہ سُن کر

ماں اور نانا پریشان ہوئے - کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کرب نازی کو کیسے روکیں - آخر عادیہ بانو نے پیار سے کہا :

"بیٹا ، ابھی تم امیر حمزہ کے پاس جانے کے قابل نہیں ہوئے ہو - تمھاری عمر تھوڑی ہے - جب کچھ اور بڑے ہو جاؤ گے - تب میں خود تمھیں اپنے ساتھ لے چلوں گی "

کرب نازی چپ ہو رہا - ایک دن اپنے نانا کے دربار میں بیٹھا تھا کہ سامنے سے کوئی سوداگر روتا پیٹتا آیا - معروف شاہ نے پوچھا " اے سوداگر ، تجھ پر کیا بپتی جو یوں چیختا چلاتا ہے - جلد بیان کر-سوداگر نے کہا " جہاں پناہ ، یہاں سے چار منزل دور میرا قافلہ اترا تھا کہ رات گئے کوئی ڈاکو ، جس کو لوگ فتاح کہتے ہیں ، قافلے پر آن گرا اور سب کچھ لوٹ کر لے گیا - میں اسی کی فریاد لے کر آیا ہوں "

یہ سن کر معروف شاہ نے گردن جھکا لی - پھر کہنے لگا " اے سوداگر ، اس معاملے میں تیری مدد کرنے سے ہم مجبور ہیں - فتاح کے پاس چالیس ہزار ہتھیار بند ڈاکوؤں کا لشکر ہے اور اس سے لڑنا محال

ہے۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

یہ کورا جواب سُن کر سوداگر زار زار رونے لگا۔ کرب نازی سے اُس کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ معروف شاہ سے کہنے لگا۔" نانا جان، آپ اس مُلک کے بادشاہ ہیں، اپنی رعیّت کی دیکھ بھال اور اس کے جان و مال کی حفاظت آپ کا فرض ہے۔ آپ نے اِس سوداگر کو بہت مایوس کیا ہے۔"

کرب نازی کی اس بات پر معروف شاہ کو غصّہ آیا جھلّا کر کہنے لگا۔" میں اِس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتا ہُوں، تُم سے کچھ ہو سکتا ہے تو ضرور کرو۔"

" بہُت بہتر۔ اب مجھے ہی ہاتھ پیر ہلانے پڑیں گے۔" کرب نازی نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر کہا۔ پھر سوداگر کا ہاتھ پکڑ کر دربار سے باہر آیا اور کہنے لگا:

" چل، مجھے بتا کہ کس جگہ پر ڈاکوؤں نے تیرے قافلے کو لُوٹا ہے۔ ہم تیرا سب مال اُس سے واپس دلائیں گے۔"

سوداگر نے اُوپر سے نیچے تک کرب نازی کو دیکھا اور نادان بچّہ سمجھ کر بولا۔" میاں صاحب زادے، یہ دھندا آپ کے بس کا نہیں ہے۔ جائیے، اپنی امّاں کے

کھمبے سے لگ کر بیٹھیے ۔ اس ڈاکو کا نام سُن کر بڑے
بڑے جی دار تھرّاتے ہیں ۔ آپ کی بھلا کیا حیثیت ہے"
کرب غازی کا چہرہ لال بھبوکا ہو گیا ۔ اس نے سوداگر
کی گردن اتنی زور سے دبائی کہ اس کی زبان باہر نکل
آئی ۔" تُو مجھے بچّہ سمجھتا ہے ۔ تیرے جیسوں کی تو ایک
ہی ہاتھ میں ہڈّیاں پسلیاں توڑ دُوں ۔ دیکھ ، سچ کہتا
ہُوں اگر تُو مجھے اس جگہ نہ لے گیا تو ابھی جان سے
مار ڈالوں گا ۔"

سوداگر کی چیخ پُکار سُن کر کرب غازی کے دونوں
ماموں ہام پہلوان اور سام پہلوان محل میں سے نکل
آئے ۔ دیکھا کہ بھانجے نے ایک شخص کی گدّی ناپ
رکھی ہے اور مار ڈالنے کی دھمکیاں دے رہا ہے ۔ انھوں
نے سوداگر کو چُھڑایا اور پُوچھا کہ ماجرا کیا ہے ، تب
سوداگر نے سارا قصّہ سُنایا ۔ ہام اور سام کرب غازی کو
سمجھانے لگے کہ بیٹا ، اِس خیال سے باز آؤ ۔ اپنی عُمر
دیکھو ۔ نتاح سے مُقابلہ کرنا تُمھارا کام نہیں ہے ۔

کرب غازی نے لال پیلی آنکھوں سے ہام اور سام
کی جانب دیکھا اور کہنے لگا ۔" ماموں جان ، آپ مہربانی
فرما کر اِس مسئلے میں نہ بولیے ۔ اِطمینان سے محل میں

بیٹھے۔ میں قتّاح سے دو دو ہاتھ کیے بغیر نہ مانوں گا۔"
یہ کہہ کر گھوڑے پر سوار ہُوا۔ سوداگر کو بھی اپنے
پیچھے بٹھایا اور چل دیا۔

ہام اور سام نے نادیہ بانو کو خبر کی۔ وُہ بے چاری
رونے پیٹنے لگی اور اپنے باپ معرُوف شاہ سے کہلا
بھیجا کہ جس طرح ہو سکے، میرے بیٹے کو واپس بُلاؤ۔
نہیں تو میں خُود اُس کے پیچھے جاؤں گی۔ معرُوف شاہ
کے وہم و گماں میں بھی نہ تھا کہ کرب غازی چلا جائے
گا۔ اِس خبر سے وُہ بے حد گھبرایا۔ فوراً ہام اور سام کو
دس ہزار جوانوں کا لشکر دے کر کرب غازی کے پیچھے
جانے کا حُکم دیا۔ اُنھوں نے آدھی رات کے وقت ایک
صحرا میں کرب غازی کو جا لیا اور بڑی دیر تک سمجھاتے
رہے کہ اِس ارادے سے باز آ جائیے۔ آخر کرب نے
عاجز آن کر اُن کی بات مان لی اور کہا کہ اب مجھے
سونے دیجیے۔ باقی باتیں صُبح ہوں گی۔

یہ سُن کر ہام اور سام بے حد خُوش ہُوئے اور اپنے
اپنے خیموں میں جا کر سو گئے۔ تھوڑی دیر بعد کرب
غازی سب کو غافل پا کر اُٹھا، سوداگر کو بھی خنجر دکھا
کر اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کیا اور گھوڑے پر بیٹھ

کر روانہ ہُوا۔

وُہ سُورج نکلنے سے کُچھ پہلے ایک پہاڑ کے قریب پہنچا جس کی چوٹی پر ایک عظیمُ الشّان قلعہ بنا ہُوا تھا۔ سوداگر نے بتایا کہ یہی وُہ قلعہ ہے جس میں ڈاکو اپنے لشکر کے ساتھ رہتا ہے۔ کرب نے سوداگر کو ایک درخت کے نیچے ٹھہرنے کی ہدایت کی اور خُود گھوڑا دوڑاتا ہُوا پہاڑ کی طرف گیا۔

اُدھر قلعے کی فصیل پر سے پہرے داروں نے دیکھا کہ ایک نو عمر لڑکا گھوڑے پر بیٹھا چلا آتا ہے اُنھوں نے فتّاح کو خبر کی۔ وُہ کہنے لگا:

"چار سپاہی جائیں اور اِس لڑکے کا گھوڑا چھین کر لے آئیں۔"

قلعے کا دروازہ کُھلا۔ چار سپاہی باہر نکل کر کرب غازی کے پاس گئے اور کہنے لگے "اے لڑکے، تُجھے یہاں آتے ہوئے خوف نہ آیا؟ ہمارے سردار کو تُجھ پر رحم آیا۔ اِس لیے تیری جان بخشی کی جاتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اپنا گھوڑا ہمارے حوالے کر دے اور یہاں سے نو دو گیارہ ہو جا۔"

کرب غازی نے ہنس کر کہا "یہ گھوڑا دینے کے لیے

میں بالکل تیّار ہُوں مگر شرط یہ ہے کہ تمھارا سردار خُود آن کر مُجھ سے درخواست کرے۔"

سپاہیوں نے یہ عجیب بات سُنی تو حیران ہو کر ایک دُوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔ "تُو پاگل ہُوا ہے جو ایسی بات مُنہ سے نکالتا ہے ہمارے سردار کا نام سُن کر تو بڑے بڑے پہلوان تھر تھر کانپتے ہیں۔ تیری کیا حیثیّت ہے۔ وُہ بھلا گھوڑے کے لیے تُجھ سے درخواست کرنے یہاں آئیں گے؟"

"نہیں آتے تو نہ آئیں۔ یہ گھوڑا میں تمھیں نہ دُوں گا۔" کرب غازی نے کہا۔

"معلُوم ہوتا ہے یہ یُوں نہ مانے گا۔" ایک سپاہی نے کہا۔ "میں اِسے ابھی گھوڑے سے اُتار کر زمین پر ناک رگڑواتا ہُوں۔ پھر کُچھ ہوش آئے گا۔"

یہ کہہ کر سپاہی آگے بڑھا اور کرب غازی کا ہاتھ پکڑنا چاہا۔ مگر اُس نے اِس زور کا گھُونسا مارا کہ بے چارہ سپاہی چرخی کی طرح گھوم کر دھم سے زمین پر گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ یہ دیکھ کر باقی سپاہیوں کی ڈر کے مارے گھگھّی بندھ گئی۔ تب کرب نے نعرہ مار کر کہا:

"آؤ بُزدِلو۔ اگر ہمّت ہے تو مُجھ سے گھوڑا چھین لو۔"
یہ سُن کر دُوسرا سپاہی جوش میں آیا اور نیزہ تان کر حملہ کرنے کے اِرادے سے لپکا لیکن کرب غازی نے وہی نیزہ چھین کر اُس کی گردن پر مارا۔ وُہ بھی تڑپ کر نیچے گرا اور دم توڑ دیا۔ باقی دونوں سپاہی سر پر پیر رکھ کر بھاگے اور فتّاح کو خبر کی کہ وُہ لڑکا تو کوئی بڑی بلا ہے۔ دیکھتے دیکھتے اُس نے ہمارے دو آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

یہ سُن کر فتّاح حیران بھی ہُوا اور اُسے غُصّہ بھی آیا۔ سپاہیوں سے کہنے لگا "تُم بکواس کرتے ہو۔ بھلا دس بارہ برس کا لڑکا کیوں کر تمھارے قابُو میں نہ آیا۔ خیر، میں خُود جاتا ہُوں۔

وُہ دس ہزار آدمیوں کا لشکر لے کر قلعے سے باہر آیا اور کرب غازی کی طرف بڑھا۔ کرب نے دل میں دُعا کی کہ یا الٰہی، اب تیری مدد کی ضرُورت ہے۔ تُو ہی اِس ظالِم کے ہاتھ سے مُجھے بچانے والا ہے۔ اِتنے میں فتّاح نزدیک آیا اور قہر آلُود نگاہیں کرب غازی پر ڈال کر بولا:

"او لڑکے، تُو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ جلد

بتا ورنہ بے نام و نشان مارا جائے گا۔"

"مارنا اور جلانا تو خدا کے ہاتھ میں ہے" کرب نے اطمینان سے جواب دیا۔" لیکن میں تجھ سے یہ پوچھتا ہوں کہ بے گناہ مخلوق کو ستانا اور اُن کا مال و اسباب لوٹنا کہاں کی بہادری ہے۔ تجھے اِن حرکتوں پر شرم نہیں آتی ؟"

یہ الفاظ سُن کر فتاح کا خُون کھول گیا اپنے سپاہیوں سے کہا پکڑو اِس بدمعاش کو ـــ سپاہی چاروں طرف سے جھپٹے، مگر کرب غازی نے تلوار نکال لی اور جو قریب آیا۔ اُسے کاٹ کر رکھ دیا۔ اس کی یہ شجاعت اور مہارت دیکھ کر فتاح کی آنکھیں کھلیں۔ اپنے آدمیوں سے للکار کر کہا کہ سب پرے ہٹ جاؤ۔ فتاح کا حکم سنتے ہی اُس کے آدمی پیچھے ہٹ گئے۔ تب وُہ خود آگے بڑھا اور کہنے لگا:

"اے لڑکے، تُو مجھے کسی اچھے گھر کا معلوم ہوتا ہے۔ میں تیری بے خوفی اور جی داری دیکھ کر بہت خُوش ہُوا ہوں۔ بے شک بہادر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اب بول کیا ارادہ ہے؟"

"ارادہ یہ ہے کہ اُس سوداگر کا مال واپس کر جسے

تیرے آدمیوں نے چند روز پہلے لُوٹا تھا۔ پھر اور بات کروں گا۔"

یہ کہہ کر کرب نے سوداگر کو آواز دی۔ وُہ لرزتا کانپتا سامنے آیا۔ فتّاح نے اُس کا مال اسباب واپس کیا اور کرب غازی کو نہایت عزّت سے ساتھ لے کر قلعے میں آیا۔ خُوب خاطر تواضُع کی، پھر اپنے حالات سُنانے لگا کہ اے دوست، کسی زمانے میں مَیں ہیکلان کا سپہ سالار تھا۔ اُس نے وعدہ کیا تھا کہ وُہ اپنی لڑکی سے میری شادی کر دے گا مگر دُشمنوں کے بھکانے پر میرا دُشمن بن گیا اور میری جان کے درپے ہو گیا تب میں اپنے ساتھیوں کو لے کر یہاں آیا اور اُس وقت سے قزّاقی کا پیشہ اِختیار کیا ہے۔ اگر تُم ہیکلان کا دِل میری طرف سے صاف کر دو تو آیندہ سے قزّاقی نہ کروں گا اور اس کام سے توبہ کر لُوں گا۔"

کرب غازی نے کہا کہ اگر تُو دینِ ابراہیمی پر ایمان لے آئے تو میں تیری مدد کا وعدہ کرتا ہُوں۔

غرض فتّاح اپنے چالیس ہزار سپاہیوں سمیت ایمان لایا۔ اِس دوران میں اُس سوداگر نے تمام واقعات کی خبر ہام اور سام کو پہنچا دی۔ وُہ دونوں حیران ہُوئے

اور قلعے میں آئے۔ دیکھا کہ کرب غازی قلعے کا حاکم بنا بیٹھا ہے اور فتّاح غلاموں کی طرح اس کی خدمت میں لگا ہُوا ہے۔

چند دِن بعد کرب غازی نے فتّاح کو اپنے ساتھ لیا اور سب سے پہلے اپنے نانا معرُوف شاہ کے پاس شہر اندرُوس میں آیا۔ فتّاح نے معرُوف شاہ کو سلام کیا کرب غازی کو دیکھ کر معرُوف شاہ بہت خُوش ہُوا۔ سینے سے چمٹا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور کہنے لگا:

"بیٹا، میں نے تو ہنسی ہنسی میں ایک بات کہی تھی اور تُم ناراض ہو کر چل دیے۔ تمھاری ماں نے رو رو کر بُرا حال کر لیا ہے۔"

"نانا جان، دیکھ لیجیے۔ ہم نے اُس سوداگر کا مال واپس دِلوا دیا۔ اس کے ساتھ فتّاح کو اُس کے تمام آدمیوں سمیت دینِ ابراہیمی میں بھی داخل کیا۔ کیا میں اب بھی اِس قابل نہیں ہُوا کہ امیر حمزہ کی خدمت میں حاضر ہو سکوں اور اپنے والد عادی پہلوان کے سامنے جا سکوں؟"

"نہیں بیٹا، تُم ہر طرح قابل ہو۔" معرُوف شاہ نے کہا۔ تب کرب غازی اپنی ماں عادیہ بانو کے

پاس آیا۔ ماں نے کلیجے سے لگا کر پیار کیا اور ہزار ہزار دُعائیں دیں۔ کرب غازی کہنے لگا۔

"امّاں جان، ہم نے فتّاح سے وعدہ کیا ہے، کہ ہیکلان سے اُس کی صُلح کروا دیں گے۔ اب ہم اُس کے ساتھ مغرب کی جانب جاتے ہیں۔ تُم ہماری کامیابی کی دُعا کرنا۔"

یہ سُن کر عادیہ بانو کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ اُس نے ہر چند سمجھایا اور روکا مگر کرب غازی نے ایک نہ سُنی اور چند روز بعد فتّاح اور اندلیس عیّار کو ساتھ لے کر شہر ثمرات کی جانب روانہ ہُوا۔ یہ لوگ ایک ماہ بعد ثمرات میں پہنچے اور سرائے میں اُترے۔ اندلیس عیّار نے فتّاح کی صُورت بدل دی تا کہ کوئی اُسے شناخت نہ کر سکے۔

اگلے روز سرائے میں بیٹھے ناشتا کر رہے تھے کہ بازار میں سے غُل غپاڑے کی آواز آئی۔ کرب نے ایک شخص سے پُوچھا یہ شور کیسا ہے۔ اُس نے بتایا کہ چند قیدی لائے گئے ہیں۔ اِن میں سے ایک امیر حمزہ کا پوتا ہے اور دُوسرا اس کا کوئی دوست۔ یہ سُنتے ہی کرب غازی نے ناشتے سے ہاتھ اُٹھایا اور فتّاح سے کہا

چلو ہم بھی دیکھیں کون لوگ ہیں ۔ وہ اُسی وقت اُٹھ کر بازار میں آئے ۔ گلی کوچوں میں لوگوں کا ہجوم تھا ۔ کھوے سے کھوّا چھل رہا تھا ۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دو قیدی بیل گاڑی پر سوار ہیں ۔ اُن کے گرد ہتھیار بند سپاہیوں کا پہرا ہے ۔ قیدیوں کے ہاتھ اور پاؤں زنجیروں سے بندھے ہوئے ہیں اور وہ بے چارے حرکت بھی نہیں کر سکتے ۔ معلوم ہوا کہ اِن میں سے ایک کا نام سُلطان سعد ہے اور دوسرا پیر فرخاری ہے ۔

اِتنے میں یہ جلوس ہیکلان کے محل میں پہنچا ۔ کرب نے اپنے ساتھیوں سے کہا ہم بھی اندر چلیں ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں تلوار چلے اور امیر حمزہ کے پوتے کا ہم ساتھ نہ دے سکیں ۔ فتّاح نے منع کیا ۔ مگر کرب نہ مانا ۔ آخر یہ تینوں بھی اِس ہجوم کے ساتھ ہیکلان کی بارگاہ میں پہنچے ۔ دیکھا کہ ایک جواہر نگار عالی شان تخت پر ہیکلان نہایت شان و شوکت سے بیٹھا ہے ۔ برابر میں سونے کی ایک کرسی دھری ہے ۔ اُس پر ہیکلان کا بھائی سکندر براجمان ہے ۔ جب قیدی ہیکلان کے سامنے پیش کیے گئے تو اُس نے حقارت کی نظر سے سُلطان سعد کو دیکھا اور کہنے لگا :

"اے حمزہ کے پوتے، کیا تجھ کو مجھ سے خوف نہ آیا؟ اب بہتر یہ ہے کہ خُداوندِ ثمرات کو سجدہ کر تاکہ میں تجھے رہا کروں اور اپنا سپہ سالار بناؤں۔"

سعد نے جواب دیا "اے ہیکلان تُو کس کھیت کی مولی ہے۔ میں تجھ پر اور تیرے خُداوندِ ثمرات پر ہزار ہزار لعنت بھیجتا ہوں۔ تجھ سے جو ہو سکتا ہے کر لے۔ میں اُس مردود شیطان کو ہرگز ہرگز سجدہ نہ کروں گا۔"

یہ سُن کر ہیکلان آگ بگولا ہوا اور جلاّد کو حکم دیا کہ اس گستاخ کا سر تن سے جُدا کرو۔ جلاّد اپنا کُلہاڑا سنبھال کر سعد کی طرف بڑھا۔ اُسی وقت کرب غازی نے میان سے تلوار کھینچی۔ فتاّح نے بڑی مشکل سے اُسے روکا اور کہا۔ ابھی لڑنے کا وقت نہیں آیا دیکھتے جائیے کیا ہوتا ہے۔ اتنے میں سکندر نے ہیکلان سے کہا:

"بھائی صاحب، میرا خیال ہے پہلے اس قیدی کو خُداوندِ ثمرات کے حضور میں بھیجیے۔ خُداوند جو فیصلہ کرے، اس پر عمل کرنا ٹھیک ہو گا۔"

یہ مشورہ ہیکلان کو پسند آیا۔ پہرے داروں سے

کہا کہ قیدی کو خُداوندِ ثمرات کے باغ میں لے جاؤ۔
اور کہنا کہ یہ امیر حمزہ کا پوتا ہے۔ اب آپ کو
اختیار ہے کہ جو چاہیں اس سے سلوک کریں۔

سپاہی سُلطان سعد اور پیر فرخاری کو خُداوندِ ثمرات
کے باغ میں لے گئے۔ کرب غازی، فتّاح اور اندلیس
بھی چلے مگر دروازے پر اس قدر ہجُوم تھا کہ باغ
میں داخل نہ ہو سکے اور باہر ہی رہ گئے۔

باغ میں سیاہ پتھر کا تین منزلہ مکان تھا۔ جس
کے دالانوں اور کمروں میں ہزارہا سونے چاندی کے
بت رکھے تھے۔ لوگ اِن بُتوں کے آگے سجدہ کرتے
اور نذریں چڑھاتے۔ ایک بہت بڑا بُت مکان کے
درمیانی صحن میں رکھا تھا اور اس کے آگے ڈھیروں
میوے، مٹھائیاں اور طرح طرح کے کھانے دھرے تھے۔

ہیکلان کے آدمی سعد اور پیر فرخاری کو گھسیٹتے ہُوئے
اس بُت کے آگے لے گئے اور کہنے لگے

"اے خُداوندِ ثمرات، یہ امیر حمزہ کا پوتا سُلطان سعد
ہے۔ ہیکلان نے اِسے تیرے پاس بھیجا ہے"
یکایک اِس بُت کے حلق میں سے آواز آئی۔
"اے حمزہ کے پوتے، ہم نے تم کو یہ شان و شوکت

عطا کی اور ایسا زور بخشا کہ تمام دُشمنوں پر تُم نے فتح پائی۔ نوشیروان کی ساری سلطنت پر تُم نے قبضہ جمایا، کوہ قاف فتح کیا، ہزاروں جنوں، دیووں اور پری زادوں کو مُطیع کیا، فرنگستان میں جادُوگروں کے ہاتھ سے تُم کو اور تُمھارے دادا حمزہ کو محفُوظ رکھا، اور اب اِس کا صِلہ یہ ہے کہ مُجھے سجدہ کرنے سے اِنکار کرتے ہو؟"

سعد نے بُت پر تھُوکا اور جواب میں کہا۔" او شیطان، تجھ پر خُدا کی لعنت ہو۔ تُو لوگوں کو بہکاتا ہے۔"

یہ سُنتے ہی بُت نے پہرے داروں سے کہا۔" اِس گُستاخ کو ابھی قتل کرو اور وُہ سامنے جو دو شخص کھڑے ہیں، اُنھیں بھی پکڑ لو۔ اِن میں سے ایک ابُوالفتح اور دُوسرا گُل باد عراقی ہے۔ امیر حمزہ نے اِن کو جاسُوسی کے لیے یہاں بھیجا ہے۔"

بُت کا اِشارہ پاتے ہی سپاہی دوڑے۔ گُل باد اور ابُوالفتح واقعی وہاں موجُود تھے۔ اُنھوں نے جب دیکھا کہ راز فاش ہو گیا ہے تو جلدی سے خنجر نکالے اور آناً فاناً دس سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

مگر وہاں تو ہزارہا آدمیوں کا ہجُوم تھا ۔ کِس کِس کو کو مارتے ۔ آخر پکڑے گئے ۔ خُداوندِ تمرات نے حُکم دیا کہ اب رات ہو گئی ہے ۔صُبح مُنہ اندھیرے ہی اِن سب کو قتل کر دینا ۔

اِن چاروں کو قید خانے میں بند کر دیا گیا ۔کرب غازی نے لوگوں کی زبانی سب حالات معلوم کیے اور پُوچھا کہ یہ قیدی کِس جگہ قتل ہوں گے ۔ ایک نے کہا کہ وُہ سامنے میدان میں قتل گاہ بنی ہُوئی ہے وہیں ان کی گردنیں اُتاری جائیں گی ۔کرب غازی سخت پریشان ہُوا ۔ سوچنے لگا کیا تدبیر کروں کہ اِن کی جانیں بچیں ۔تینوں سرائے میں واپس آئے ۔ فتّاح نے کہا :

"بھائی کرب ، کھانا تیّار ہے ۔ چند لُقمے کھا لو ۔"

کرب نے کہا ۔" میری بھُوک پیاس سب اُڑ چُکی ہے ۔ ہائے ، صُبح امیر حمزہ کا پوتا اور اُس کے دوست قتل ہوں گے ۔ خیر ، میں نے بھی فیصلہ کر لیا ہے کہ اِن کے ساتھ ہی مروں گا ۔"

"کرب بھائی ، فکر نہ کرو ۔ میں بھی تُمھارے ساتھ ہی جان دُوں گا ۔ تُمھیں اکیلا نہ جانے دُوں گا ۔"

ابھی صُبح ہونے میں کُچھ دیر تھی کہ مُنادی کرنے

والے بازاروں میں آ گئے اور اُنھوں نے ڈھول پیٹ پیٹ کر اعلان کیا کہ سُورج نکلنے کے فوراً بعد امیر حمزہ کے پوتے سُلطان سعد اور پیر فرخاری کو سُولی پر لٹکایا جائے گا۔ ہر خاص و عام کو بادشاہ کی طرف سے اجازت ہے کہ قتل گاہ میں آ کر یہ تماشا دیکھے۔

یہ اعلان سُنتے ہی کرب غازی اُٹھ کھڑا ہُوا۔ فتّاح کو بھی جگایا۔ اُس نے بھی مُنادی سُنی۔ کرب کہنے لگا:
"میری ہزار جانیں سُلطان سعد کے ایک ناخُن پر نثار ہیں۔"

کرب نے اندلیس کو سرائے میں ٹھہرنے کی ہدایت کی اور فتّاح کے ساتھ قتل گاہ میں پہنچا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ چاروں طرف سے خُدا کی مخلُوق کھنچی چلی آتی ہے۔ ایک دُنیا وہاں جمع ہے۔ میدان میں سُولی گڑی ہُوئی ہے اور مزّنخ عاد نامی ایک پہلوان پچّاس ہزار سپاہیوں کے ساتھ انتظام کر رہا ہے۔

اتنے میں غُل مچا کہ قیدی قتل گاہ میں لائے جا رہے ہیں۔ مزّنخ عاد نے قیدیوں کو سُولی کے پاس کھڑا کیا اور جلّادوں کو حُکم دیا کہ فوراً اُن کو پھانسی دو۔ جُونہی جلّاد سعد کی طرف بڑھے، کرب غازی نے

طیش میں آن کر نعرہ مارا اور تلوار کھینچ کر جلّاد کی طرف لپکا ۔ فتّاح نے بھی تلوار نکالی اور آن کی آن میں جلّادوں کو کاٹ کر ڈال دیا ۔ پھر سعد اور پیر فرخاری کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کاٹ کر اُنھیں آزاد کیا ۔ اِن دونوں نے بھی دُشمن کے سپاہیوں کو مار کر اُن کی تلواریں اور ڈھالیں قبضے میں کیں اور لڑائی پر کمربستہ ہُوئے ۔

یہ دیکھ کر تماشائیوں میں ہل چل مچ گئی ۔ جس کا جدھر مُنہ اُٹھا ، اُدھر بھاگ نکلا ۔ ہیکلان کے سپاہیوں پر بھی ہراس طاری ہُوا ۔ چار آدمیوں کے مُقابلے میں پچّاس ہزار سپاہی آگے بڑھنے سے کترانے لگے ۔ اچانک ہیکلان کا بھائی سکندر عاد میدان میں آیا اور اپنے سپاہیوں سے کہا ۔ بُزدِلو ، اِن چار سپاہیوں کے سامنے جاتے ہُوئے گھبراتے ہو ۔ فوراً اِنھیں گھیر لو اور کام تمام کرو ۔

غرض یہ چاروں بہادر لڑتے لڑتے دُشمنوں کے گھیرے میں آ گئے ۔ لیکن اِتنی ہی دیر میں اُنھوں نے سینکڑوں کو موت کا راستہ دِکھا دِیا ۔ آہستہ آہستہ اِن میں تھکاوٹ کے آثار نمُودار ہونے لگے اور تلوار چلانے

چلاتے بازُو شل ہُوئے ۔تب پیر فرغاری نے حسرت بھری نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور دِل میں دُعا کرنے لگا کہ یا الٰہی ، تو ہی ہم بے کسوں کی مدد کرنے والا ہے ۔ ہم تیرے آگے گڑگڑاتے ہیں ۔ ہماری فریاد سُن اور جلد مدد بھیج ۔

ابھی یہ دُعا مُشکل سے ختم ہُوئی تھی کہ بیابان میں ایک لشکرِ جرّار نمُودار ہُوا ۔ اِس لشکر کی راہنمائی ایک سُفید پوش نقاب دار کر رہا تھا ۔ اُس نے آتے ہی پلک جھپکتے میں دُشمنوں کو تلوار کی باڑھ پر رکھ لیا ۔ اور ایسا قتلِ عام کیا کہ ہر طرف لاشوں کے ڈھیر لگ گئے ۔ ہبکلان کی بچی کھُچی فوج ہتھیار پھینک ، سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ اُٹھی ۔ اِتنے میں آسمان پر سیاہ آندھی پیدا ہُوئی ۔ ایسا گرد و غُبار اُٹھا کہ قریب کی چیز بھی دِکھائی نہ دیتی تھی ۔ تھوڑی دیر بعد جب آندھی کا زور ختم ہُوا تو کرب غازی ، فتّاح ، سُلطان سعد ، اور پیر فرغاری نے دیکھا کہ سفید پوش نقاب دار کا لشکر غائب ہے ۔ اِن سب نے اس غیبی مدد پر خُدا کا شُکر ادا کیا ۔ پھر آپس میں باتیں کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے سعد نے کرب غازی پر محبّت کی نظریں ڈال

کر کہا :

"بھائی، تُم دیکھنے میں تو بہت چھوٹی عُمر کے نظر آتے ہو مگر خُدا کی قسم لڑتے ہیں کسی بڑے سے بڑے شہ زور پہلوان سے کم نہیں۔ بھائی، تُمھارا نام کیا ہے اور یہاں کیسے آئے؟"

کرب غازی نے جواب دیا۔" بس یہ سمجھ لیجیے کہ آپ کا غُلام اور جان نثار ہُوں۔ نام پُوچھ کر کیا کیجیے گا۔ خُدا نے چاہا تو پھر کبھی عرض کروں گا۔ اِس وقت موقع نہیں ہے۔ اب مُجھے اِجازت دیجیے۔"

یہ کہہ کر فتّاح کو چلنے کا اِشارہ کیا۔ دونوں گھوڑوں پر سوار ہُوئے اور وہاں سے چل دیے۔ سعد اور بہر فرخاری حیرت سے مُنہ کھولے اِنھیں جاتے ہُوئے دیکھتے رہے۔ اِس کے بعد اُنھوں نے بھی دُشمن کے لشکر کے دو گھوڑے پکڑے اور سوار ہو کر بصرے کی جانب روانہ ہُوئے۔ کیوں کہ اُن دِنوں امیر حمزہ کا لشکر وہیں رُکا ہُوا تھا۔

امیر حمزہ کو جاسُوسوں نے خبر دی کہ سُلطان سعد اور فرخاری حاضر ہوتے ہیں۔ وُہ بہت خوش ہُوئے اپنے کئی سرداروں کو سعد کے اِستقبال کے لیے روانہ کیا اور وہ بڑی دُھوم دھام سے سعد کو بارگاہ میں لائے۔ سعد نے قباد کے پائے تخت کو بوسہ دیا،

امیر حمزہ کی خدمت میں تسلیم بجا لائے اور اپنی کُرسی پر جا بیٹھے۔ پیر فرخاری نے بھی ادب سے سب کو سلام کیا اور حسب مرتبہ اپنی جگہ جا بیٹھا۔ امیر حمزہ نے سعد سے حال پُوچھا۔ سعد نے ہیکلان، سکندر عاد اور خُداوندِ ثمرات کا سب حال بیان کیا۔ پھر بتایا کہ ایک کم سِن نوجوان ہماری مدد کو آیا اور جلّادوں کو مار کر ہمیں سُولی سے بچایا۔ امیر حمزہ نے کہا تُم اُسے اپنے ساتھ کیوں نہ لائے۔ سعد نے عرض کیا کہ یا امیر، میں نے ہر چند اُس نوجوان سے درخواست کی مگر وہ کسی صُورت سے نہ آیا اور اپنا نام بھی نہ بتایا۔ البتّہ اِتنا کہا کہ اگر زندگی رہی تو بہت جلد امیر کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔

اِتنی باتیں کر کے سعد نے کہا "یا امیر، جس روز میں شہرِ ثمرات میں قید تھا۔ اُسی روز معلُوم ہُوا کہ نوشیرواں کا خط ہیکلان کے پاس آیا ہے اور اس نے مدد مانگی ہے۔ ہیکلان نے سکندر عاد کو حکم دیا ہے کہ پانچ لاکھ سپاہی لے جاؤ اور شہنشاہ نوشیرواں کی مدد کرو۔"

امیر حمزہ یہ سُن کر مُسکرائے اور کہنے لگے "اللہ مالک

ہے۔ اگر ہم سچائی اور حق کے راستے پر ہیں تو فتح ہماری ہو گی۔"

پھر اُنھوں نے عَمرو عیّار کی طرف دیکھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہُوا تھا۔ امیر حمزہ نے کہا "اے خواجہ کس فکر میں ہو؟ بہت دیر سے چُپ چاپ بیٹھے ہو۔"

تب عَمرو نے انگڑائی لی اور کہنے لگا۔"جب سے میں نے خُداوندِ ثمرات کا ذِکر سُنا ہے، طبیعت بے چین ہے۔ سعد نے بتایا ہے کہ باغِ ثمرات میں ہزاروں بُت سونے اور چاندی کے دھرے ہیں۔ جب سے میرے مُنہ میں پانی بھر آیا ہے۔ کاش، یہ سب بُت میرے قبضے میں آ سکتے۔"

"اے عَمرو، خُدا تُم پر رحم کرے۔ تُمھاری زنبیل میں جتنے خزانے بھرے ہیں، اِتنے رُوئے زمین پر کِسی اور کے پاس نہ ہوں گے۔ مگر تُمھارے لالچ میں کمی نہ آئی۔" یہ سُن کر سب ہنس پڑے اور عَمرو شرمندہ ہو کر وہاں سے اُٹھ گیا۔

طلسم کرب نوس عاد

سُلطان سعد اور پیر فرخاری سے رُخصت ہو کر کرب غازی اپنے ساتھیوں کو لے کر شہر ثمرات کی طرف آیا راستے میں کیا دیکھتا ہے کہ وہی سُفید پوش نقاب دار ایک جگہ اکیلا موجُود ہے۔ کرب غازی اور فتّاح اُسے دیکھ کر بہت خُوش ہُوئے اور قریب جا کر پُوچھنے لگے کہ اے نقاب دار، تیری جُرأت اور ہمّت پر آفرین ہے۔ اگر تُو مدد کے لیے نہ آتا تو اب تک ہم خاک خُون میں پڑے لوٹ رہے ہوتے۔ اپنا نام بتا۔"

تب نقاب پوش نے اپنے چہرے سے نقاب اُٹھایا اور فتّاح اُسے دیکھتے ہی حیرت سے چلّا اُٹھا "اے گُل چہرہ، یہ تُم ہو.....؟"

گُل چہرہ نے شرما کر سر جُھکا لیا۔ یہ دراصل ہیکلان کی بیٹی تھی اور اُسے کسی ذریعے سے شہر ثمرات میں

فتّاح کے آنے کا پتا چل گیا تھا اور جب اُس نے سُنا کہ کرب غازی اور فتّاح قیدیوں کو رہا کرانے گئے ہیں تو بے تاب ہو کر اپنے لشکر کے ساتھ میدان میں آ گئی۔

کرب غازی نے اُسے دینِ ابراہیمی میں داخل کیا اور شہر اندرُوس میں پہنچ کر فتّاح سے اُس کی شادی کرا دی۔ معرُوف شاہ اور عادیہ بانو نے کرب غازی کے کارنامے سُنے تو خُوشی سے پھُولے نہ سمائے اور جشن منانے کا حُکم دیا۔ فتّاح نے بھی شہر اندرُوس میں سکُونت اختیار کی اور آسائش و آرام سے رہنے لگا۔

بہُت دن اسی طرح گزر گئے۔ ایک دن کرب غازی اپنے ماموُوں ہام اور سام کے ساتھ صحرا میں شکار کھیلنے گیا۔ وہاں کالے پتھّر کا قلعہ نظر آیا۔ جس پر نظر ڈالنے سے دِل خوف کھاتا تھا۔ کرب غازی نے ہام سے پُوچھا۔ "ماموُں جان، یہ قلعہ کِس نے بنوایا ہے اور اِس کے اندر کون رہتا ہے"؟

ہام نے جواب دیا۔ "اِس کے بارے میں کچھ نہ پُوچھو۔ یہ طِلسم کرب نوس عاد ہے۔ اِس میں جو داخِل ہُوا۔ پلٹ کر نہیں آیا۔ ہم نے اپنے بُزرگوں سے

سُنا ہے کہ اِس قلعے کے اندر ایک سو تیس بُرج ہیں۔ ہر بُرج کی اُونچائی تین سو ساٹھ گز ہے۔ تمام بُرجوں پر ایک ایک دیو مُنہ سے نفیری لگائے کھڑا ہے۔ جُونہی کوئی شخص اِس طلسم میں داخل ہوتا ہے، ایک شیر دھاڑتا ہُوا آتا ہے اور اُس آدمی کو مُنہ میں دبا کر لے جاتا ہے۔ اِس موقع پر یہ تمام دیو زندہ ہو کر نفری بجانے لگتے ہیں۔ اِس آواز سے کوہ و بیابان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔"

یہ قصّہ سُن کر کرب نے کہا "مُجھے قسم ہے اُس ذات کی جس نے پیدا کیا۔ اِس طِلسم کو توڑے بغیر یہاں سے نہ جاؤں گا۔"

سام اور ہام کہنے لگے "اے لڑکے، کچھ سودائی ہُوا ہے جو ایسی باتیں کرتا ہے؟ کئی سُورما اس آرزُو میں قلعے کے اندر گئے اور لوٹ کر نہ آئے۔ تُو کیا تیر مارے گا۔ بس چُپکا ہو جا اور ہمارے ساتھ شہر واپس چل۔"

کرب غازی کا چہرہ طیش کے مارے لال ہو گیا۔ مگر اس نے ہام اور سام سے صرف اِتنا کہا "آپ میرے بُزرگ ہیں، یہی کلمے کسی اور کے مُنہ سے نِکلے ہوتے

تو گُدّی سے زبانیں کھینچ لیتا۔ اب بہتر یہی ہے کہ آپ تشریف لے جائیں۔ میں آج کی رات اسی صحرا میں آرام کروں گا۔"

ہام اور سام نے بہتیرا سمجھایا مگر کرب غازی ٹس سے مَس نہ ہُوا۔ آخر اُنھوں نے اُسے وہیں صحرا میں چھوڑا اور خود شہر واپس چلے گئے اور فتّاح سے ذکر کیا۔ وہ دوڑا دوڑا آیا اور کرب غازی کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اس بیہودہ خیال سے باز آؤ، نقصان اُٹھاؤ گے لیکن غازی نے اُسے ڈانٹا اور کہنے لگا۔ کہ میں جو ارادہ کر چکا ہُوں، خُدا نے چاہا تو اُسے پُورا کر کے رہُوں گا۔ تب فتّاح ناچار ہُوا اور اُس نے بھی وہیں صحرا میں خیمہ لگایا۔

آدھی رات کے وقت کرب نے خواب میں دیکھا کہ ایک بُڈّھا آیا ہے۔ اُس کی لمبی سفید ڈاڑھی زمین کو چھُو رہی تھی۔ کرب نے اُس پیر مرد کو سلام کیا اور پُوچھا۔ آپ کون ہیں؟ اُس نے بتایا کہ میرا نام کرب نوس عاد ہے۔ جس وقت میں اِس دُنیا میں جیتا تھا تو میں نے سینکڑوں پہلوانوں اور جادُوگروں کو قتل کیا۔ سارے عالَم میں میری بہادری کی دُھوم

تھی، بڑے بڑے بادشاہ اور راجہ مجھے خراج ادا کرتے اور میری غلامی کا دم بھرتے تھے۔ قصّہ مختصر یہ کہ میں نے برسوں کی محنت کے بعد یہ طلسم بنایا تا کہ میرا نام باقی رہے۔ اب میں اِس طلسم کی فتح تجھے بخشتا ہُوں کرب غازی یہ سُن کر خوش ہُوا اور کہنے لگا۔

"مگر یہ تو بتائیے کہ طلسم آخر فتح ہو گا کیسے ؟"

کرب نوش باد بولا "سُورج نکلنے کے فوراً بعد گھوڑے پر سوار ہو کر دائیں جانب روانہ ہو جائیو قلعے کو بائیں ہاتھ چھوڑ دیجیو۔ بیابان میں ایک جگہ نہایت سرسبز درخت ملے گا جس کی شاخیں زمین کو چھُوتی نظر آئیں گی۔ ہر شاخ میں سے خُون کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے۔ خنجر سے اِس درخت کی جڑ کو کھودنا، ایک یاقُوت ملے گا۔ اِس کے اندر سُوراخ ہو گا اس میں دھاگہ پرو کر یہ یاقُوت اپنے دائیں بازو پہ باندھ لینا۔ ہر آفت سے محفُوظ رہے گا۔ پھر اِس درخت سے آگے پانچ سو قدم دُور چل کر ایک بڑا کالا پتھّر زمین پر پڑا ہو گا، اُسے اُٹھانا۔ اِس کے نیچے ایک گہرا اور اندھیرا کنُواں ہو گا۔ تُو بے خطر اِس کنُویں میں اُتر جائیو۔ ہرگز خوف نہ کھائیو۔ اِس

کنویں میں اُترنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوں گی۔
کنویں کی تہہ میں پہنچ کر کچھ روشنی نظر آئے گی۔
ایک بند دروازہ ملے گا۔ اُسے کھول لینا۔ اپنے آپ کو
ایک پُر فضا باغ میں پائے گا۔ وہاں ایک بارہ دری
یاقوت اور الماس کی بنی ہو گی۔ اس کے اندر فولاد
کا ایک صندوق دھرا ہے۔ اس کو ہاتھ سے مت چھونا
بلکہ اپنا خنجر اُس کے ڈھکنے پر رکھ دینا۔ اُسی وقت
صندوق کھلے گا۔ اُس کے اندر حکیم جالینوس کا آئینہ
رکھا ہے۔ بس یہ آئینہ اُٹھا لینا۔ یہ تجھے ہر مرحلے
پر مشورہ دے گا۔ بغیر آئینہ دیکھے کوئی کام نہ کرنا
ورنہ آفت میں پھنسے گا اور ہرگز رہا نہ ہو گا۔"

یہ کہہ کر کرب نوس غائب ہو گیا۔ غازی کی
آنکھ کھلی۔ بدن پسینے میں تر پایا۔ سانس پھولا ہوا
تھا۔ اُسی لمحے فتّاح کو جگا کر یہ خواب سُنایا۔ اُس
نے مُبارک باد پیش کی۔

غازی سُورج نکلنے کے فوراً بعد گھوڑے پر بیٹھ
کر دائیں جانب چلا۔ جیسا کہ کرب نوس نے بتایا تھا
وہی حالات پیش آئے۔ کنویں میں اُتر کر بارہ دری
کے اندر داخل ہوا۔ فولادی صندوق میں سے جالینوس

کا آئینہ حاصل کیا۔ اُس کے اُوپر موٹے موٹے حرُوف میں لکھا تھا:

"جو شخص اِس آئینے کو پائے تو چند باتوں کا خیال رکھے۔ اوّل تو یہ کہ اس طِلسم کی بربادی کا خیال دِل میں نہ لائے۔ کیوں کہ اس کی بربادی آسان نہیں ہے۔ دُنیا کے چالیس حکیموں کی رائے اور مشورے سے یہ عجیب و غریب طِلسم تیّار کیا گیا ہے اور دوبارہ اسے بنانا ممکن نہیں۔ دوم اگر اِسے فتح کرنے کا پکّا اِرادہ کر ہی لیا جائے تو پھر ضرُوری ہے کہ اِس بارہ دری کے مغرب کی جانب سفر کرے۔ کچھ فاصلے پر سیاہ رنگ کی ایک عمارت نظر آئے گی۔ بے دھڑک اُس میں چلا جائے۔ اس کے درمیان میں ایک حوض پانی سے لبالب بھرا مِلے گا۔ اِس میں خُوب نہائے۔ پھر ایک جانب بیٹھ کر اِنتظار کرے۔ تھوڑی دیر بعد آسمان پہ ایک بہُت بڑا پرندہ نمُودار ہوگا۔ اِسے فِیل مُرغ کہتے ہیں۔ اِس پرندے کی ٹانگوں سے چمٹ جائے۔ یہ پرندہ اُسے لے کر اُڑ جائے گا۔ پھر حسبِ ضرُورت اِس آئینے سے مشورہ کرے۔"

کرب غازی تو اس طِلسم کو فتح کرنے کی نیّت

سے آیا ہی تھا - فوراً مغرب کی طرف چل پڑا - ایک
کوس دُور کسی عمارت کے آثار دکھائی دیے - یہاں
ایسی وحشت اور ویرانی تھی کہ رونگٹے کھڑے ہوتے
تھے - عمارت ہزاروں برس پُرانی معلوم ہوتی تھی اور
اُوپر سے نیچے تک کالے پتّھر کی بنی ہوئی تھی -
اس کا دروازہ بھی نہایت عالی شان تھا - کرب غازی
خُدا کا نام لے کر اندر گیا - حوض میں نہایا - پھر باہر
آکر بیٹھا - چند لمحے بعد آسمان پر ایک گُونج دار
آواز سُنائی دی - نگاہیں اُٹھا کر دیکھا - ایک دیو جیسا
پرندہ پر پھڑپھڑاتا ہُوا وہاں اُتر رہا تھا - اُس کی
ٹانگیں درخت کے تنے کی مانند موٹی موٹی اور مضبُوط
تھیں - پروں کی پھڑپھڑاہٹ سے آندھی سی آ گئی -
کرب غازی لپک کر گیا اور پرندے کی ایک ٹانگ
سے چمٹ گیا - وُہ اُسے لے کر اُڑا اور اِتنی اُونچائی
پر پہنچا کہ جب غازی نے نیچے جھانکا تو زمین ایک
گیند کی مانند نظر آنے لگی - بہت دیر تک یہ پرندہ
آسمان کی وُسعتوں میں اُڑتا رہا - پھر آہستہ آہستہ نیچے
اُترنے لگا - بے چارہ کرب غازی آنکھیں بند کیے
خُدا کو یاد کر رہا تھا -

یکایک فیل مرغ نے ایک جھٹکا مارا اور کرب غازی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہوا میں اڑتا اور قلابازیاں کھاتا نیچے آیا اور ایک درخت کی شاخوں میں اُلجھ گیا۔ جب حواس ٹھیک ہوئے تو جیب سے جالینوس کا آئینہ نکال کر دیکھا۔ اس پر لکھا تھا:

"اِس طلسم کو فتح کرنے والے شخص پر لازم ہے کہ تھوڑی دیر تک آرام کرے۔ اِس کے بعد ایک دیو اسی درخت کے نیچے سے نکلے گا اور لڑائی کے لیے للکارے گا مگر تُو اس کی طرف ہرگز توجّہ نہ دیجیو، اور اس کی بات کا جواب دینے سے پرہیز کیجیو۔ وُہ دیو ناراض ہو کر درخت پر چڑھے گا۔ اُس وقت تُو موقع پا کر چھلانگ لگائیو اور اُس دیو کی گردن پر سوار ہو جائیو۔ اگر اس کی ہیبت تیرے دل پر طاری ہوئی تو سمجھ لے کہ وہ دیو تجھے چٹ کر جائے گا اور ہرگز زندہ نہ چھوڑے گا۔"

کرب غازی نے چند لمحے درخت پر آرام کیا۔ اِتنے میں زمین ایک شور سے پھٹی اور سُرخ رنگ کا ایک خوف ناک دیو نمودار ہوا۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ اور لمبے لمبے سفید دانت

مُنہ سے باہر نکلے ہُوئے تھے ۔ ہاتھ میں چمکتی ہُوئی تلوار تھی ۔ کرب نے دیو کو دیکھ کر خوف سے آنکھیں بند کر لیں ۔ یکایک دیو نے گرج دار آواز میں کہا :

"اے آدم زاد، نیچے اُتر اور مُجھ سے مُقابلہ کر۔ ورنہ درخت پر چڑھ کر تیرے جسم کا ایک ایک حصّہ تلوار سے کاٹ ڈالوں گا "۔

کرب غازی نے کوئی جواب نہ دیا ۔ دیو نے کئی بار اُسے مُقابلے کے لیے للکارا مگر بے سُود ۔ آخر دیو درخت پہ چڑھنے لگا ۔ کرب غازی نے موقع پا کر چھلانگ لگائی اور اس کی گردن پر سوار ہو گیا ۔ دیو ہَوا کی رفتار سے اُڑا اور کرب کو ایک دریا کے کنارے اُتار کر غائب ہو گیا ۔ اِس دریا میں سے طرح طرح کی خوف ناک آوازیں پیدا ہو رہی تھیں ۔ دلیر ہونے کے باوجُود کرب غازی کا دِل تھرّا گیا ۔ دریا کے دونوں کناروں پر نہایت گھنا جنگل تھا ۔ یکایک ایک ہولناک شور کے ساتھ جنگل میں سے سینکڑوں شیر، چیتے، بھیڑیے، ریچھ، بن مانس اور گینڈے دوڑتے ہُوئے آئے ۔ غازی بدحواس ہو گیا لیکن اِتّفاقاً آئینے پر نظر پڑ گئی ۔ اس پر لِکھا تھا :

"اے کرب، ان درندوں سے ڈرنے کی ضرورت
نہیں ۔ ان میں کالے رنگ کا ایک شیر ہے ۔ جب
وہ تیرے نزدیک آئے تو اچھل کر اس کی پیٹھ پر
سوار ہو جا۔"

غازی نے کالے شیر کو دیکھ لیا ۔ وہ تمام درندوں
میں سب سے بڑا اور اونچا تھا ۔ جونہی وہ دوڑتا
ہوا قریب آیا، غازی اچھل کر اس کی پشت پر سوار
ہوا اور دونوں کان پکڑ لیے ۔ شیر پہلے تو خوب
اچھلا کودا اور غازی کو گرانے کی کوشش کی مگر غازی
اس کے بدن سے اس بری طرح چمٹا ہوا تھا گو
شیر ہی کے جسم کا کوئی حصہ ہے ۔ اچانک شیر در
میں کود گیا ۔ تب کرب غازی کی آنکھوں تلے اندھیر
چھایا اور کچھ ہوش نہ رہا ۔ جب آنکھیں کھلیں تو
اپنے آپ کو ایک عالی شان مکان میں پایا ۔ قریب
ہی کالا شیر مرا پڑا تھا ۔ غازی نے اسے غور سے
دیکھا تو حیران ہوا ۔ معلوم ہوا کہ یہ مصنوعی شیر ہے
کھال کے اندر گھاس پھوس بھرا تھا ۔ دل میں سوچنے
لگا یا الٰہی یہ کیا تماشا ہے ۔ اس مکان میں خوب
گھوما پھرا مگر کسی کو نہ پایا ۔ اتنا بڑا مکان خالی

پڑا تھا۔ البتّہ جا بجا شیروں اور چیتوں کے مجسّمے وہاں رکھے تھے اور اُن کے جبڑوں میں اِنسانی ہاتھ پاؤں دبے ہُوئے تھے۔ کرب غازی اِن سب کو حیرت کی نظروں سے دیکھتا بھالتا چلا جا رہا تھا کہ ناگہاں آسمان کی جانب سے ایک دیو نے آواز دی:

"او آدم زاد، کِدھر جاتا ہے؟ دیکھ، ابھی تجھے ہڑپ کرتا ہُوں۔"

یہ کہہ کر دیو نیچے اُترا۔ اس کی آنکھوں سے شُعلے نکل رہے تھے اور ہاتھ میں کُلہاڑا تھا۔ کرب نے بھی جلدی سے اپنی تلوار کھینچی اور لڑنے کے لیے مُستعد ہُوا۔ یہ دیکھ کر دیو نے مُنہ کھول کر ایسا قہقہہ لگایا کہ مکان خُشک پتّے کی طرح کانپنے لگا۔ کرب غازی نے بڑھ کر تلوار ماری۔ اِتنے میں وُہ دیو دُھواں بن کر تمام مکان میں پھیل گیا اور ایسا اندھیرا چھایا کہ قریب کی چیز بھی نظر نہ آتی تھی۔ بے چارہ کرب غازی پریشان ہُوا اور گھٹنوں میں سر دیے کر بیٹھ رہا۔

بہُت دیر بعد تاریکی دُور ہُوئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ نہ وہ مکان ہے نہ دُھواں، ایک لق و دق صحرا

ہے جس میں دُور دُور تک ریت کے ٹیلے اور پہاڑ بکھرے ہُوئے ہیں۔ کچھ دُور ایک مکان نظر آیا۔ اُس کے قریب ہی ہزاروں آدمی چلتے پھرتے اور کام کاج میں مصروف دِکھائی دیے۔ کرب غازی خُوشی خُوشی اُس طرف چلا۔ ایک شخص کے پاس جا کر سلام کیا۔ مگر اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔ دُوسرے سے بات کرنا چاہی مگر اُس نے بھی توجّہ نہ دی۔ غرض کرب نے جسے بھی مُخاطب کیا، وہی انجان بن گیا۔ آخر کرب نے چیخ کر کہا:

"معلُوم ہوتا ہے تم سب بہرے ہو۔ میری آواز نہیں سُنتے۔"

اِس پر سب ہنسنے اور قہقہے لگانے لگے۔ پھر کوئی مُنہ چِڑانے لگا اور کوئی گالیاں دیتا تھا۔ یہ حرکتیں دیکھ کر کرب کو طیش آیا۔ تلوار نکال کر اُنھیں مارنے کے لیے جھپٹا مگر یک لخت وُہ سب کے سب غائب ہو گئے اور کرب اِس صحرا میں اکیلا رہ گیا۔ آئینے میں دیکھا لکھا تھا:

"اے کرب، اِن شُعبدوں سے بدحواس نہ ہو۔ ... کی سیدھ میں چلا جا۔"

وہ آگے بڑھا - ایک کنواں ملا - کمند کے ذریعے اُس کے اندر اُتر گیا کیا دیکھتا ہے کہ کنویں کی تہہ میں ایک چراغ روشن ہے اس کی روشنی میں ایک دروازہ نظر آیا - اُسے کھولا تو ایک میدان میں داخل ہُوا - وہاں دو گائیں آپس میں لڑ رہی تھیں - دونوں کے سینگ ایک دُوسرے میں گُتھے ہُوئے تھے - کرب نے آئینے سے مشورہ لیا - لکھا تھا - " اپنی قُوّتِ بازُو سے کام لے اور دونوں کو الگ الگ کر -

کرب غازی آستینیں چڑھا کر گایوں کی طرف بڑھا اور اُن کو الگ الگ کیا - اب جو غور سے دیکھا تو یہ گائیں بھی گھاس پھُوس کی بنی ہُوئی ہیں - دِل میں کہنے لگا یہ طلِسم جن حکیموں نے بنایا ہے وُہ بھی عجب مسخرے تھے - ظالموں نے جو چیز بنائی ایسی ہی بنائی ــــ آگے بڑھا تو دیکھا دو مینڈھے لڑتے ہیں اُنھیں بھی آئینے کی ہدایت پر الگ الگ کیا - اب جو دیکھا تو یہ مینڈھے بھی موم اور اُون کے بنے ہُوئے تھے - وہاں سے آگے چلا - ایک باغ میں سے گزر ہُوا - یکایک سپاہیوں کا ایک غول نمُودار ہُوا اِن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں ــــ ایسا

معلوم ہوتا تھا کہ وہ کرب پر حملہ کرنے آ رہے ہیں
اُس نے آئینہ میں دیکھا۔ لکھا تھا:
یہ سب کے سب موم کے بنے ہوئے ہیں۔ جلدی
سے یہ آئینہ زمین پر پھینک دے اور تماشا دیکھ۔
کرب نے ایسا ہی کیا۔ آئینہ پھینکتے ہی
آگ کا ایک شعلہ بھڑکا اور اِن سپاہیوں کی طرف
بڑھا۔ آناً فاناً یہ سب پگھل گئے اور وہ منظر غائب
ہو گیا۔ کرب نے دیکھا کہ پھر وہی صحرا ہے۔ چند
قدم پر دو دروازے برابر دکھائی دیے۔ ایک بند
اور دوسرا کھلا تھا۔ آئینے کی ہدایت پا کر کرب غازی
نے بند دروازہ کھولا اور کھلے دروازے کو بند کر
دیا۔ اس میں دو قالین رکھے تھے ایک تہہ کیا ہوا
دوسرا بچھا تھا۔ کرب نے آئینے میں دیکھ کر تہہ کیے
ہوئے قالین کو بچھایا اور جو بچھا ہوا تھا، اُسے
تہہ کر دیا۔ پھر آگے بڑھا۔ ایک باغ کے اندر آیا
دیکھا کہ ایک حوض خالی پڑا ہے۔ قریب ہی کنواں
ہے جس میں سے ایک دیو پانی کھینچ کر حوض میں
بھر رہا ہے۔ ایک طرف کوئی بڑھیا چرخا کات رہی
ہے۔ اس کے سامنے ایک بڈھا کسی کتاب کا مطالعہ

کر رہا ہے۔

دیو نے کرب غازی کو دیکھ کر کہا۔" اے جوان، جلد آ اور مجھے اس عذاب سے نجات دلا۔"

"تجھ پر کیا عذاب ہے اور تجھے کیوں کر اس سے نجات دلاؤں۔" کرب نے پوچھا، تب دیو نے جھلّا کر کہا۔" اے آدم زاد، یہ میں نہیں جانتا۔ مگر تجھے میری مدد کرنی پڑے گی۔"

کرب نے اس کی نگاہ بچا کر آئینے پر نظر ڈالی۔ لکھا تھا۔" اس دیو کے فریب میں نہ آئیو۔ ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ فوراً تیر کمان میں جوڑ کر اس کے منہ پر مار۔"

کرب غازی نے اس پر عمل کیا۔ تیر دیو کا تالو توڑ کر گدی میں سے گزر گیا۔ ایک دھواں سا پیدا ہوا۔ جب یہ دھواں دور ہوا تو دیکھا کہ وہ بڈھا بیٹھا کتاب پڑھ رہا ہے اور بڑھیا اسی طرح چرخا کات رہی ہے۔ آئینے نے ہدایت دی کہ بڑھیا کا چرخا اور پیر مرد کی کتاب اٹھا کر حوض میں پھینک دے۔ جونہی کرب نے ایسا کیا ایک دھماکا ہوا۔ زمین کانپنے لگی اور سرخ آندھی آئی۔ باغ کے درخت اور پودے

اُکھڑ اُکھڑ کر فضا میں رُوئی کے گالوں کی طرح اُڑنے لگے۔ خاصی دیر بعد یہ کیفیّت ختم ہُوئی۔ اب کرب غازی نے ایک بُلند مینار دیکھا جس کے ساتھ لوہے کی زنجیر لٹک رہی تھی۔ کرب نے آئینے کو دیکھا۔ لِکھا تھا:

"زنجیر پکڑ کر اِس مینار پر چڑھ جا"

کرب غازی مینار پر چڑھا اور جب گنبد میں داخل ہُوا تو دیکھا کہ ایک دروازہ ہے۔ اِسے کھولا تو نیچے اُترنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہُوئی تھیں۔ خُدا کا نام لے کر اُترا۔ مینار کی تہہ میں ایک تخت پڑا پایا جس پر ایک شہزادی زنجیروں میں جکڑی ہُوئی بیٹھی تھی۔ قریب ہی ایک ہیبت ناک شکل کا دیو پڑا خرّاٹے لے رہا تھا۔ کرب غازی نے شہزادی سے پُوچھا تُو کون ہے اور اِس دیو نے تجھے کِس لیے قید کیا؟ وُہ روتے ہُوئے بولی۔ اے جوان، یہ کہانی بڑی لمبی ہے۔ تُو فوراً واپس چلا جا ورنہ یہ دیو جاگ اُٹھا تو تیرا خُون پی جائے گا۔ یہ نہ جانے کتنے آدمیوں کو اب تک ہلاک کر کے کر چُکا ہے۔ ان سب کی ہڈّیاں اور کھوپڑیاں اُس

کرنے میں جمع ہیں ۔ کرب نے پلٹ کر دیکھا ۔ واقعی مینار کے ایک گوشے میں انسانی ہڈیوں اور کھوپڑیوں کا ایک انبار لگا تھا ۔

کرب غازی نے شہزادی کو تسلّی دی اور تلوار کی نوک دیو کے گلے میں چبھوئی ۔ وہ نعرہ مار کر اُٹھا اور آدم زاد کو قریب پا کر دانت نکال دیئے گویا خوش ہو رہا ہے ۔ پھر کرب کو پکڑنے کے لیے جھپٹا ۔ مگر اس نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ دیو کی گردن کٹ کر دُور جا گری ۔ دیو کے مرتے ہی وہ مینار دُھواں بن کر غائب ہو گیا اور وہ شہزادی بھی دکھائی نہ دی کہ کہاں ہے ۔ تب کرب نے اپنے آپ کو ایک لمبے چوڑے قلعے میں پایا جس میں لعل ، یاقوت ، الماس اور زمرّد کے چالیس مکان بنے ہُوئے تھے ۔ ان سب مکانوں میں بے اندازہ دولت بھری ہُوئی تھی ۔ کرب غازی نے آئینے میں دیکھا لکھا تھا :

" اے کرب ، تُو نے اس طلسم کو فتح کر لیا ہے ۔ اب یہ سب مال تیرا ہے ۔ تیرے ساتھی طلسم کے باہر کھڑے انتظار کر رہے ہیں "

اِتنے میں فتّاح، ہام اور سام اپنے لشکروں کو لے کر وہاں آئے۔ کرب غازی کو مُبارک باد دی پھر یہ سب مال اُونٹوں پر لادا اور شہر اندرُوس میں آن کر معرُوف شاہ کو دیا۔ وہ بے حد خُوش ہُوا کہ میرے نواسے نے اِتنا بڑا طِلسم فتح کر لیا۔ اِس خُوشی میں کئی دِن تک غریبوں اور مسکینوں کو کھانے کِھلائے گئے اور خیرات بانٹی گئی۔

اُدھر قلعۂ حلب پر ظاہر شاہ کی فوجوں کا دباؤ روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ آخر لندِھور نے آن کر اُسے شکست فاش دی۔ عِلم شاہ کا زخم بھر چُکا تھا لیکن اُسے یہ معلُوم کر کے سخت صدمہ ہُوا کہ سُلطان سعد اور پیر فرخاری ہیکلان کی قید میں آ گئے ہیں۔ اُس نے کئی مرتبہ اِرادہ کیا کہ سعد کو جا رہا کرایا جائے لیکن لندِھور نے جانے نہ دیا اور کہا کہ ہیکلان کی کیا مجال ہے جو سعد کو کوئی تکلیف دے۔ وُہ عنقریب رہا ہو کر آ جائے گا اور ایسا ہی ہُوا۔ چند دِن بعد امیر حمزہ کی طرف سے قاصد آیا اور اُس نے یہ خُوش خبری سُنائی کہ سعد اور پیر

فرخاری آزاد ہو کر واپس آ گئے ہیں۔ یہ سُن کر عَلَم شاہ اور لندھور نے شُکر کا کلمہ پڑھا۔

اُدھر ہیکلان کے پاس نوشیرواں کا خط مدد کے لیے پہنچ چُکا تھا۔ اس نے اپنے بھائی سکندر کو حُکم دیا کہ فوراً نوشیرواں کی مدد کو پہنچے۔ سکندر ایک لشکرِ جرّار ساتھ لے کر چلا۔ راستے میں تمام سلطنتوں اور حکُومتوں کو بھی مجبُور کیا کہ وُہ اپنی اپنی فوجیں سکندر کے سپُرد کر دیں تا کہ لشکر کی تعداد زیادہ ہو جائے۔ اسی مقصد کے لیے اندرُوس کے حاکِم معرُوف شاہ کے پاس بھی سکندر کا خط آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ امیر حمزہ اور اُن کے ساتھیوں نے شہنشاہ نوشیرواں کو بہُت پریشان کیا ہے، اب اُن کی حرکتیں حد سے بڑھتی جا رہی ہیں۔ نوشیرواں نے ہیکلان سے مدد طلب کی ہے اور ہیکلان نے مجُھے سپہ سالار بنا کر روانہ کیا ہے۔ لہٰذا تجُھ پر بھی لازِم ہے کہ اپنے لشکر سمیت میرے ساتھ شامل ہو۔ سکندر کا یہ خط کمیں نام کا ایک زبردست پہلوان لے کر آیا تھا۔ وُہ معرُوف شاہ کے دربار میں آیا اور دُعا سلام کیے بغیر یہ خط معرُوف شاہ کو دیا۔ وُہ

پڑھنے میں مشغول ہُوا اور اِدھر کمیل پہلوان کرب غازی
کی کُرسی پر جا بیٹھا ۔ کرب شکار کھیلنے جنگل میں گیا
ہُوا تھا ۔ اِس دوران میں وُہ بھی واپس آ گیا ۔ کیا
دیکھتا ہے کہ میری کُرسی پر ایک اور شخص بیٹھا ہے
اور معرُوف شاہ نہایت پریشانی کے عالَم میں کوئی خط
پڑھ رہا ہے ۔

کرب غازی نے کمیل پہلوان سے کہا ۔" اے شخص
تُو کون ہے کہ بہادُروں کی جگہ پر یُوں بے خوف
بیٹھا ہے ؟"

اس نے کرب غازی کو حقارت سے گھُورا ۔ پھر
ہنس کر بولا ۔" اے لڑکے ! ابھی تیرے دُودھ کے دانت
بھی نہیں ٹُوٹے ۔ کیا تُجھے موت کا ڈر نہیں ؟ خبردار
اگر آیندہ ایسا کلمہ مُنہ سے نکالا تو زبان کاٹ ڈالوں گا۔

تب کرب کا چہرہ غُصّے سے لال ہو گیا اور کہنے لگا ۔" اے بدبخت
اگر تو اس وقت بادشاہ کے دربار میں نہ ہوتا تو چھٹی کا دُودھ یاد دلا دیتا
اب زیادہ بدزبانی نہ کر اور چُپ چاپ میری کُرسی پر سے اُٹھ
جا ورنہ ہاتھ پکڑ کر اُٹھا دُوں گا ۔"

یہ سُنتے ہی کمیل پہلوان طمانچہ مارنے کے لیے
آگے بڑھا ۔ مگر کرب غازی نے پہلے ہی اُچھل کر

ایسا طمانچہ کمیل کے گال پر مارا کہ پانچوں انگلیوں کا نشان اُبھر آیا اور طمانچے کی آواز سارے دربار نے بخوبی سُنی ۔ اب تو کمیل پہلوان کے طیش کی انتہا نہ رہی۔ خنجر نکال کر کرب غازی پر حملہ کیا۔ اُس نے وار بچایا اور اُچھل کر ایسی دولتّی ماری کہ کمیل پٹخنیاں کھاتا ہُوا دُور جا گرا۔ کرب غازی چیتے کی طرح لپکا اور کمیل کے سینے پر بیٹھ کر اُس کی گردن دونوں ہاتھوں میں دبا کر اتنا زور لگایا کہ اُس کا دم نکل گیا۔

تمام دربار میں سناٹا چھا گیا۔ لوگ خوف سے کانپنے لگے ۔ کمیل پہلوان کے ساتھ چار سپاہی بھی آئے تھے وُہ بھی دربار میں ایک طرف کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے ۔ جب کمیل پہلوان مر چکا تو وُہ سپاہی خوف زدہ ہو کر بھاگے اور سکندر کو خبر کی ۔اور کہا کہ یہ وہی کرب غازی ہے جس نے فتاح کو زیر کیا اور پھر ہیکلان کی بیٹی گل چہرہ کی شادی اُس کے ساتھ کر دی ۔ اسی نے کرب نوس جادو کا طلسم فتح کیا اور تمام مال دولت سمیٹ کر لے گیا۔ سکندر ہیکلان نے یہ باتیں سُنیں تو اُس کے تلووں

میں آگ لگی اور کھوپڑی تک پہنچی۔ نعرہ مار کر اُٹھ کھڑا ہُوا اور کہنے لگا، اِس چھوکرے کی یہ مجال کہ ہمارے قاصِد کو ہلاک کرے۔ میں ابھی اندرُوس جا کر معرُوف شاہ کو تہس نہس کرتا ہُوں۔ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجاتا ہُوں۔ کسی کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔

یہ کہہ کر فوج کو کُوچ کا حُکم دیا۔ اُدھر معرُوف شاہ کو جاسُوسوں نے اطّلاع دی کہ سکندر غیظ و غضب کی تصویر بنا آتا ہے۔ معرُوف شاہ نے فوراً کرب غازی کو اپنے پاس بُلایا اور کہا:

"بیٹا، اِس وقت مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ تُم شکار کے بہانے شہر سے نکل کر جنگل میں چلے جاؤ۔ سکندر ہیکلان بہت طیش میں ہے۔ اِس وقت اُس سے مُقابلہ کرنے میں ہمارا نُقصان ہے۔"

کرب غازی ہنس کر کہنے لگا۔ نانا جان، آپ خواہ مخواہ ڈرتے ہیں۔ ایک سکندر کیا ہزار سکندر ہوں تب بھی میں اُن کے سامنے ڈٹ جاؤں گا اور کبھی مُنہ نہ موڑوں گا۔"

معرُوف نے بہت مِنّت سماجت کی تو کرب غازی

مجبور ہوا اور شکار کھیلنے جنگل میں چلا گیا - اس کے جانے کے بعد معروف شاہ اپنے لشکر کو لے کر نکلا اور سکندر ہیکلان کا استقبال کیا - اُس نے معروف شاہ کو دیکھتے ہی للکار کر کہا :

" او بدبخت، تُو نے ہمارے قاصد کو کیوں قتل ہونے دیا - اُسے بچانے کی کوشش کیوں نہ کی ؟"

معروف شاہ نے ہاتھ باندھ کر عرض کی :" جناب والا، میں آپ کا غلام ہوں - بے شک یہ جُرم ایسا ہے کہ میری گردن اُڑا دی جائے لیکن یہ واقعہ یکا ایکی پیش آیا اور میں زبان بھی نہ ہلا سکا ۔"

یہ سُن کر سکندر کا غصہ کچھ دھیما پڑا - کہنے لگا :" اچھا، ہم تجھے معاف کرتے ہیں مگر اُس چھوکرے آفت کے پرکالے کرب غازی کو فوراً ہمارے سامنے حاضر کرو - میں اُسے اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا - اس کے بعد وُہ تمام مال دولت میرے حوالے کر جو وُہ طلسم کرب نوس عاد سے لُوٹ کر لایا ہے - میں نے سُنا ہے کہ میری بھتیجی شہزادی گُل چہرہ بھی اسی شہر میں موجود ہے - فوراً اسے بھی حاضر خدمت کرو ۔"

معروف شاہ نے گردن جھکا کر جواب دیا۔ "جناب والا! کرب غازی میرا نواسا ضرور ہے مگر اُس کی حرکتوں سے میں خود بھی پریشان ہوں۔ ہر چند سمجھاتا ہوں مگر کوئی نصیحت اس کی کھوپڑی میں نہیں سماتی۔ قصّہ یہ ہے کہ جس روز اُس نے آپ کے قاصد کمبل پہلوان کو قتل کیا، اُسی روز آپ کے خوف سے اپنا تمام مال اسباب، فتّاح اور شہزادی گُل چہرہ کو لے کر اپنے باپ کے پاس چلا گیا۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ اُس کے باپ کا نام عادی پہلوان ہے۔ اور عادی امیر حمزہ کا دودھ شریک بھائی اور اس کے لشکر کا سپہ سالار ہے۔"

"خیر، میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا۔" سکندر نے کہا۔ "میں امیر حمزہ کے لشکر میں جا کر اُسے موت کے گھاٹ اُتاروں گا۔ اب تُو تیّار ہو جا اور میرے ساتھ چل۔"

معروف شاہ میں اِنکار کی جُرأت نہ تھی۔ کان دبا کر چُپ چاپ سکندر کے ساتھ شامل ہو گیا لیکن موقع پا کر ایک آدمی کے ذریعے کرب غازی کے پاس خط بھیج دیا کہ میں سکندر کے ساتھ جاتا ہوں

تو اپنی حفاظت کرتا رہیو۔ جب یہ تحریر کرب غازی
کے پاس پہنچی تو وہ نہایت پریشان ہوا۔ اندروس
میں واپس آ کر نئی فوج بھرتی کی اور تیس ہزار
سوار اپنے ساتھ لے کر تیز رفتاری سے امیر حمزہ کے
لشکر کی جانب روانہ ہوا۔ چلتے وقت وزیروں سے
کہہ گیا کہ میرے جانے کے دو دن بعد طلسم کرب
نوس کا تمام مال اونٹوں پر لدوا کر امیر حمزہ کے
پاس بھجوا دیا جائے۔

اگرچہ کرب غازی کئی روز بعد اندروس شہر سے
روانہ ہوا تھا مگر اتنی تیز رفتاری سے گیا کہ سکندر
کے لشکر کو جا لیا۔ آدھی رات کے بعد اچانک اُس کی
فوج پر شب خون مارا اور پو پھٹنے سے پہلے پہلے
بیس پچیس ہزار سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اُتار
کر جنگل میں جا چھپا۔ جاسوسوں نے سکندر کو بتایا
کہ یہ شب خون امیر حمزہ کے کسی پہلوان نے اُنھی
کی اجازت سے مارا ہے۔ یہ سُن کر سکندر کہنے لگا
کہ میں نے تو یہ سُنا تھا کہ حمزہ بہت بہادر ہے
مگر اب پتا چلا کہ یہ غلط تھا اگر وہ دلیر ہوتا تو
آدھی رات کے وقت چوروں کی طرح چھپ کر مجھ

پر حملہ نہ کرنا۔ اُس نے اپنے لشکر کا مُعاینہ کیا دیکھا کہ جتنے سپاہی مارے گئے ہیں یا زخمی ہُوئے ہیں۔ سب اپنے ہی ہیں۔ دُشمن کا ایک سپاہی بھی اِن میں شامِل نہیں۔

اگلے روز پھر کرب غازی اپنے لشکر کو لے کر آیا اور شب خون مارا۔ سکندر ہیکلان کے سات ہزار آدمی مارے گئے اور کرب غازی کے آدمیوں میں سے کِسی ایک کی نکسیر بھی نہ پھُوٹی۔ یہ ماجرا دیکھ کر سکندر نے گلیم گوش عیّار کو بُلایا اور حُکم دیا کہ دُشمن کی خبر لاؤ۔ گلیم گوش عیّار نہایت ہُنبار اور چالاک آدمی تھا۔ فوراً روانہ ہُوا۔ اِتّفاقاً اُس روز کرب غازی ایک درخت کے سائے میں پڑا سو رہا تھا اور اُس کے ہمراہی اپنے ہتھیار صاف کر رہے تھے اور کچھ دُھوپ میں بیٹھے سستا رہے تھے۔ گلیم گوش یہ سب حالات دیکھ گیا اور سکندر کو خبر دی کہ فلاں مُقام پر دُشمن کا لشکر ٹھہرا ہُوا ہے اور اِس وقت سب غافل پڑے ہیں۔ سکندر نے اپنے سرداروں اور پہلوانوں سے مشورہ کیا۔ اُنھوں نے کہا کہ اِس جنگل میں آگ لگا دی جائے اور ہماری فوج جنگل کا مُحاصرہ

کر لے تاکہ دُشمن اگر آگ سے بچ کر نکل آئے تو ہماری تلواریں اس کا خون چاٹنے کو تیار ہوں۔

سکندر کو یہ تدبیر پسند آئی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو حُکم دیا کہ جنگل میں آگ لگا دی جائے۔ آگ کے شُعلے بُلند ہوئے تو فتّاح نے غازی کو جگایا۔ وہ فوراً ہتھیار بدن پر سجا کر گھوڑے پر سوار ہُوا اور لشکر کو حُکم دیا کہ آگ کی پروا نہ کرو اور خُدا کو یاد کرتے ہُوئے جنگل سے نکل چلو۔ اُس کے فوجیوں نے ایسا ہی کیا اور جلتی آگ میں کُود کر زندہ سلامت نکل گئے۔ مگر سکندر گھیرا ڈالے ہُوئے چوکنّا تھا۔ اس نے کمیل پہلوان کے بھائی کفیل کو اُس فوج کا سالار بنایا تھا جو کرب غازی سے مُقابلہ کرنے والی تھی۔

اِتّفاق ایسا ہُوا کہ سب سے پہلے کفیل کا سامنا کرب غازی ہی سے ہُوا۔ اُس نے آناً فاناً کفیل کو قتل کر دیا اور اس کے بہُت سے سپاہیوں کو بھی خاک و خُون میں تڑپایا۔ کفیل کے مرنے کی خبر سکندر کو پہنچی تو حیرت سے دانتوں میں اُنگلی دبا لی اور کہنے لگا:

معلوم ہوتا ہے حمزہ کے آدمی گوشت پوست کے بجائے فولاد کے بنے ہوئے ہیں۔ ان پر آگ اثر کرتی ہے نہ پانی۔ انھوں نے میرے ہزاروں سپاہیوں اور پہلوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور ان کا ایک آدمی بھی زخمی نہ ہوا۔ اگر حالات یہی رہے تو حمزہ کا مقابلہ کیوں کر ممکن ہو گا۔"

یہ سوچ کر اُس نے اپنے بھائی ہیکلان کو خط لکھا کہ حمزہ کے آدمیوں نے شب خون مار مار کر مجھے سخت بدحواس کر دیا ہے۔ ان لوگوں پر کوئی حربہ اثر نہیں کرتا۔ آپ کا نہایت کرم ہو گا اگر خداوندِ ثمرات کا تخت میرے پاس بھجوائیں۔ ممکن ہے خداوند کے قدموں کی برکت سے میں دشمن پر قابو پا لوں۔"

ہیکلان نے یہ خط پڑھا تو بہت تعجب کیا کہ حمزہ جیسا بہادر اور یوں چھپ کر حملے کرے۔ پھر وہ خداوندِ ثمرات کے باغ میں گیا اور بُت کے آگے گردن جھکا کر سب ماجرا بیان کیا۔ بُت کے اندر سے آواز آئی کہ "اے ہیکلان، اگر تو مجھے سکندریہ کے پاس بھجوا دے تو میں حمزہ کے لشکر کو تہس نہس کر دوں گا اور پھر اُسے شب خون مارنے کا حوصلہ

نہ ہو گا۔

ہبکلان نے خُداوندِ ثمرات کے بُت کو سکندر کی طرف روانہ کر دیا۔ جس روز خداوندِ ثمرات سکندر کے لشکر میں آیا، اُسی روز کرب غازی نے پھر شب خُون مارا اور اس شدّت سے قتلِ عام کیا کہ سکندر بڑی مُشکل سے اپنی جان سلامت لے کر بھاگا۔ کرب غازی اپنے نانا معزوق شاہ اور اپنے ماموؤں ہام اور سام کو ساتھ لے گیا۔

جب کرب غازی اپنی فوج لے کر چلا گیا تب سکندر واپس آیا اور محلول عاد پہلوان کو حُکم دیا کہ دُشمن کا پیچھا کر اور معزوق شاہ کو چُھڑا کر لے آ۔ محلُول عاد بڑا جی دار آدمی تھا۔ اُس نے پانچ ہزار سپاہی اپنے ہمراہ لیے اور کرب غازی کے تعاقُب میں روانہ ہُوا۔ اُدھر جاسُوسوں نے کرب غازی کو خبر دی کہ محلُول عاد آپ کے نانا کو رہا کرانے آتا ہے یہ سُن کر کرب غازی ہنسا اور اپنی فوج سے کہنے لگا۔" تُم لوگ یہیں ٹھہرو، میں اکیلا محلُول کے مُقابلے میں جاتا ہُوں۔" گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہُوا واپس گیا اور پُکار کر کہا:

"اے محلُول، بہتر یہ ہے کہ تُو میرے مُقابلے میں آ۔ اگر تُو نے مجھ پر فتح پائی تو وعدہ کرتا ہُوں کہ آیندہ سے سکندر پر شب خُون نہ مارُوں گا۔"

یہ سُن کر محلُول میدان میں آیا۔ دیکھا کہ بارہ چودہ برس کا ایک لڑکا گھوڑے پر سوار تلوار اور ڈھال ہاتھوں میں سنبھالے مُسکرا رہا ہے۔ وُہ حیران ہُوا، اور کہنے لگا:

"معلُوم ہوتا ہے حمزہ بھی کوئی مسخرا ہے۔ اِس لڑکے کو میرے مُقابلے میں بھیجا ہے۔ اگر یہ میرے ہاتھ سے مارا گیا تو لوگ کہیں گے کہ محلُول پہلوان نے ایک لڑکے کو مار کر کون سی بہادری دِکھائی۔"

"اے پہلوان زیادہ باتیں مت بنا اور وقت ضائع نہ کر۔" کرب غازی نے کہا۔ "تُجھ جیسے پہلوانوں کے لیے مُجھ سے لڑکے ہی کافی ہیں۔"

اب تو محلُول صبر نہ کر سکا۔ آگے بڑھ کر اپنا گُرز کرب پر مارا۔ اُس نے ڈھال پر روکا اور جواب میں تلوار تول کر ایسا ہاتھ مارا کہ محلُول کا جسم خربوزے کی پھانک بن گیا۔ یہ دیکھ کر اُس کی فوج بھاگ کھڑی ہُوئی۔ کرب غازی اپنی فوج میں چلا آیا۔

رات کے وقت سکندر کے لشکریوں نے خوشی کے نعرے لگائے اور ہزاروں مشعلیں روشن کیں۔ کرب غازی نے اپنے جاسوسوں کو خبر لینے کے لیے بھیجا کہ معلوم کرو ان کی خوشی کا سبب کیا ہے۔ جاسوس خبر لائے کہ خداوندِ ثمرات سکندر کے لشکر میں آیا ہے۔ اور یہ خوشی اس کی آمد کے سلسلے میں ہے۔ یہ سُن کر کرب غازی کے خون نے جوش مارا۔ اپنی فوج کے چند دستے لے کر گیا اور سکندر پر جا گرا۔ ایسی تلوار چلائی کہ سب حواس کھو بیٹھے۔ سکندر کے بہت سے سپاہیوں کو قتل کیا اور واپس اپنے لشکر میں آ گیا۔ تب سکندر نے خداوندِ ثمرات کے سامنے سجدہ کیا اور فریاد کرنے لگا کہ اے خداوند، حمزہ نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔ روز و شب خون مارتا ہے اور میرے آدمیوں کو فنا کے گھاٹ اُتارتا ہے۔

خداوندِ ثمرات نے ناراض ہو کر کہا "اے سکندر، تیری سزا یہی ہے۔ تُو نے میری اجازت کے بغیر سفر کیوں کیا۔ اس کا ثمرہ میں نے دیا ہے۔ اب سزا بھگت"

یہ سُن کر سکندر رونے اور گڑگڑانے لگا ۔ تب خُداوندِ ثمرات نے کہا ۔" اچھّا ہم تیری خطا معاف کرتے ہیں ۔ فکر نہ کر ۔ اب حمزہ ہرگز تجھ پر فتح یاب نہ ہو گا ۔"

سکندر خُوش خُوش اپنے خیمے میں آیا اور سو رہا لیکن دُوسرے روز آدھی رات کو لشکر میں پھر غُل مچا ۔ معلُوم ہُوا کہ دُشمن نے شب خُون مارا ہے ۔ اپنے عیّاروں کو بُلا کر کہا معلُوم کرو کہ دُشمن کِدھر سے آتا ہے اور کِدھر جاتا ہے ؟ اُنھوں نے بتایا کہ مشرق سے آتا ہے اور جنُوب کی جانب چلا جاتا ہے ۔ سکندر جنُوب کی طرف چلا ۔ کرب نے اُس کے آنے کی خبر سُنی تو جلدی سے اپنے لشکر کو شمال کی طرف بھیج دیا ۔ سکندر ناکام ہو کر واپس چلا گیا اور اپنے عیّاروں کو خُوب مارا پیٹا کہ تُم مُجھے غلط خبریں دیتے ہو ۔ اِس کے بعد وہ خُداوندِ ثمرات کے حضُور میں گیا اور فریاد کی کہ دیکھیے دُشمن نے پھر شب خُون مارا ہے اور کئی ہزار آدمیوں کو زخمی کر کے بھاگ گیا ہے ۔ خُداوندِ ثمرات کے مُنہ سے شُعلے نکلے اور آواز آئی :

"اے سکندر، تُو سخت نافرمان ہے۔ بھلا کس کی اجازت سے دُشمن کا پیچھا کر لے گیا تھا؟"

سکندر پھر رونے اور معافیاں مانگنے لگا۔ خُداوند ثمرت نے کہا: "جب تک تُو یہاں پڑا رہے گا حمزہ شب خُون مارتا چلا جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ جلد نوشیرواں کی طرف کُوچ کر۔"

غرض سکندر نے ڈیرے خیمے اُٹھانے کا حُکم دیا اور نوشیرواں کے مُلک کی طرف چلا۔

جب کرب غازی کو معلُوم ہُوا کہ سکندر نوشیرواں کے مُلک کی سرحد پر پہنچ گیا ہے تو اپنے دوستوں سے کہنے لگا کہ ایک آخری شب خُون مارا جائے۔ سکندر بھی کیا یاد کرے گا کہ کس سے پالا پڑا ہے۔ اِس مرتبہ اِتّفاق سے خُود سکندر کرب غازی کی تلوار کی زد میں آ گیا اور سر پر زخم کھا کر بھاگا۔ کرب واپس چلا آیا۔

نوشیرواں کو سکندر کے آنے کی خبر پہنچی۔ اُس نے خواجہ بزرجمہر اور بختک وغیرہ کو اِستقبال کے لیے روانہ کیا۔ عَمرو عیّار کو بھی معلوم ہُوا۔ وُہ شکل بدل کر آیا اور سکندر کی بارگاہ میں جا کھڑا ہُوا۔ سکندر

نے خواجہ بزرجمہر اور بختک کی تعظیم کی۔ پھر باتوں باتوں میں کہا:

"اے خواجہ بزرجمہر، میں نے سُنا تھا حمزہ بڑا بہادر ہے مگر یہ کون سی بہادری ہے کہ شہر اندرُوس سے لے کر یہاں تک اُس نے میری فوج پر رئیس شب خُون مارے ہیں اور کل رات مجھے بھی اس کے ایک سپاہی نے زخمی کیا ہے۔"

یہ سُن کر خواجہ نے کہا۔ "اے سکندر، تجھے غلط فہمی ہُوئی ہے۔ یہ شب خُون حمزہ کے بجائے کسی اور نے مارے ہوں گے۔ ہمارے کئی عیّار اور جاسُوس روزانہ حمزہ کی بارگاہ سے خبریں بھیجتے ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ حمزہ کسی وقت بھی اپنے لشکر سے باہر نہیں گیا۔"

اب تو سکندر کے ہوش اُڑ گئے۔ اِتنے میں بختک نامُراد نے عَمرو کو دیکھا اگرچہ عَمرو بھیس بدل کر آیا تھا مگر بختک کی نگاہوں سے چھُپ نہ سکا۔ وُہ عَمرو کو دیکھتے ہی چلّا اُٹھا۔ "اے سکندر، عَمرو عیّار تیری بارگاہ میں موجُود ہے۔"

بختک کا یہ کہنا تھا کہ عَمرو عیّار نے چھلانگ لگائی پہلے تو بختک کے گال پر ایسا طمانچہ رسید کیا کہ دُور

تک سب نے اُس کی آواز سُنی۔ پھر سکندر کے سر سے تاج اُتار کر اُسے بھی دُھول ماری اور رفو چکّر ہُوا۔ سکندر کے غُلام اور عیّار عَمرو کو پکڑنے کے لیے دوڑے مگر وُہ کِس کے ہاتھ آتا۔ ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتا ہُوا صاف نِکل گیا اور اپنے لشکر میں جا کر امیر حمزہ سے سب حال کہا۔ وُہ حیران ہُوئے کہ آخر ایسا کون شخص ہے جو میرے نام سے سکندر کی فوج پر شب خُون مار تا رہا ہے۔

اُدھر بختک اور خواجہ بُزرجمہر سکندر کو نوشیرواں کی بارگاہ میں لائے۔ اُس نے بھی سکندر کی بہت خاطِر تواضُع کی۔

ایک دن عَمرو عیّار صحرا کی سیر کو نِکلا۔ تھوڑی دُور چلا تھا کہ ایک پہاڑ کی گھاٹی میں فوج کا پڑاؤ دیکھا۔ عَمرو بہت خُوش ہُوا اور دِل میں کہا اے عَمرو چل کر کُچھ روز گار کا دھندا کر۔ مُمکن ہے مال ہاتھ آئے۔ دراصل یہ لشکر کرب غازی کا تھا۔ جب عَمرو وہاں آیا تو کِسی سے پُوچھا کہ کیوں بھائی، یہ لشکر کِس کا ہے؟ اُس نے عَمرو کو پکڑ کر غُل مچایا کہ میں نے چور پکڑا ہے۔ لوگ دوڑے ایک عجیب شکل و

صُورت کا آدمی نظر آیا سب نے کہا۔ اسے چھوڑ دو۔ یہ کوئی بلا ہے۔ کبھی آدمی بھی اِس صُورت کا ہُوا ہے۔ لیکن جس شخص نے عمرو کو پکڑا تھا، وُہ کسی طرح چھوڑنے پر رضامند نہ ہُوا اور کہنے لگا۔ ہمارے مالک کا حکم ہے کہ جو غیر آدمی لشکر میں آئے اُسے گرفتار کر لو۔

غرض عمرو عیّار کو وُہ کرب غازی کے سامنے لے گیا۔ عمرو نے دیکھا کہ ایک خُوب صُورت اور نا تجربہ کار لڑکا نہایت شان و شوکت سے تخت پر بیٹھا ہے اور ایک بُڈّھا اُس کے برابر کُرسی پر براجمان ہے۔ یہ بُڈّھا معرُوف شاہ تھا۔ نہ عمرو نے معرُوف شاہ کو پہچانا اور نہ معرُوف شاہ نے عمرو کو شناخت کیا۔

کرب غازی نے غور سے عمرو کی صُورت دیکھی اور کہنے لگا "اے شخص، تُجھے قسم ہے اُس ذات کی جس نے یہ کائنات پیدا کی۔ سچ سچ بتا کہ تیرا نام کیا ہے؟"

یہ سُن کر عمرو خُوش ہُوا کہ لڑکا خُدائے واحد پر ایمان رکھتا ہے۔ اِس سے کُچھ چُھپانا ٹھیک نہ ہو گا۔ مسکین شکل بنا کر کہنے لگا "میاں صاحب زادے،

میرا نام کیا پُوچھتے ہو۔ ایک غریب آدمی ہُوں۔ میرا نام عمرو ہے اور میں امیر حمزہ کا عیّار ہُوں۔"

یہ سنتے ہی کرب غازی اور معرُوف شاہ اُچھل پڑے کرب نے فوراً عمرو کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ اپنے پاس عزّت سے بٹھایا اور بہت کچھ مال نذر کیا۔ عمرو نے سب مال زنبیل میں ڈالا اور کرب غازی کی تعریفیں کرنے لگا۔ جب اُسے یہ پتا چلا کہ کرب غازی عادی پہلوان کا بیٹا ہے تو خُوش ہو کر غازی کو سینے سے لگا کر پیار کیا اور کہنے لگا:

"اے کرب غازی، آج سے تُو میرا بیٹا ہے۔ اب میں تیری عزّت بڑھانی چاہتا ہُوں اور امیر حمزہ کو یہاں لاتا ہُوں۔"

یہ سُن کر کرب غازی نہایت خُوش ہُوا۔ عمرو وہاں سے رُخصت ہو کر اپنے لشکر میں آیا اور سیدھا عادی پہلوان کے خیمے میں جا گھسا۔ وہ مسہری پر پڑا خرّاٹے لے رہا تھا اور خرّاٹوں کی آواز سارے لشکر میں گُونج رہی تھی۔ عمرو نے لوہے کی ایک مُگری اُٹھا کر عادی کے پیٹ پر دے ماری مگر اس پر کچھ بھی اثر نہ ہُوا۔ پھر عمرو نے رُوئی کی بتّی بنا کر اُس

کی ناک میں رکھی۔ عادی نے ایسی زبردست چھینک ماری کہ عمرو کی ٹوپی اُڑ کر خیمے سے باہر جا گری۔ "لعنت ہے ایسی نیند پر"۔ عمرو نے بڑبڑا کر کہا۔ پھر عادی کے تلووں میں گدگدی کرنے لگا۔ اس مرتبہ عادی نے ایسی لات چلائی کہ عمرو اگر اُچھل کر ایک طرف نہ ہٹ جاتا تو اُس کی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔ آخر عمرو نے سبز کمبل اوڑھا اور کُود کر عادی کی چھاتی پر سوار ہو گیا۔ پھر اس کا ٹینٹوا دبایا۔ عادی نے ایک ہولناک چیخ کے ساتھ آنکھیں کھول دیں۔ تب عمرو نے اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ عادی ناراض ہو کر کہنے لگا:

"دیکھو بھائی عمرو، زیادہ بدتمیزی اچھی نہیں ہوتی۔ کیسا سُہانا خواب دیکھ رہا تھا۔ جیسے بریانی، پُلاؤ اور قورمے کی دیگیں میرے سامنے آتی ہیں اور میں کھانے پر پل پڑا ہُوں۔ مگر عین اُسی وقت یہ سب منظر غائب ہو جاتا ہے اور تمھاری منحوس شکل نظر آتی ہے۔"

عمرو نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "بلّی کو خواب بھی چھیچھڑوں ہی کے نظر آتے ہیں۔ اچھا اب اُٹھ کر آدمیوں کی طرح بیٹھو۔ میں تمھیں ایک خوش خبری سُناتا ہُوں۔"

"مر گئے خوش خبری سنانے والے"۔ عادی نے منہ بنا کر کہا۔" ضرور کوئی مکاری مجھ سے کرنے آئے ہو۔"

"ارے نہیں عادی بھائی، ڈرو نہیں۔ بخدا خوش خبری ہے اور وہ یہ کہ تمہارا بیٹا کرب غازی یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک فوج لیے موجود ہے اُس نے اپنی بہادری سے دنیا میں نام پیدا کیا ہے۔ طلسم کرب نوس عاد بھی اسی نے فتح کیا ہے اور بے انداز مال دولت لایا ہے۔ یار، تم ہو بہت خوش نصیب"۔

عادی پہلوان مارے خوشی کے بے حال ہو گیا۔ عمرو کے ہاتھ چوم کر بولا۔" بھائی عمرو، میری گستاخی معاف کر دو۔ میں نے تم کو بہت برا بھلا کہا ہے اب میرے ساتھ چلو اور مجھے کرب غازی سے ملاؤ"۔

اتنے میں امیر حمزہ بھی وہاں آ گئے۔ عمرو نے انھیں سارا قصہ سنایا پھر کہا کہ میں کرب غازی سے وعدہ کر آیا ہوں کہ حمزہ کو تمھارے پاس لے کر آؤں گا۔ اب تم پر لازم ہے کہ یہ وعدہ پورا کراؤ"۔

امیر حمزہ یہ سن کر خوب ہنسے اور بلند آواز سے

کہا۔ "جو کوئی میری خاطر سے کرب غازی کے پاس جائے گا، اُسے میں اپنا دوست سمجھوں گا اور جو نہ جائے گا، اُسے اپنا دُشمن جانوں گا۔ وُہ میرے سپہ سالار کا فرزند ہے اور سپہ سالار بھی وُہ جو ایک زمانے سے میرا جان نثار ہے۔"

اِس اعلان پر سب چلنے کے لیے راضی ہُوئے علَم شاہ اور لندھور بھی وہاں آئے ہُوئے تھے۔ علَم شاہ کو یہ بات سخت ناگوار گزری کہ ایک معمُولی لڑکے سے ملنے اِتنے عظیم پہلوان اور خُود امیر حمزہ بھی جا رہے ہیں۔ مگر موقع دم مارنے کا نہ تھا۔ البتّہ اُس نے عَمرو سے کہا:

"اے خواجہ، معلُوم ہوتا ہے کرب غازی سے تُم کُچھ لے کر کھا گئے ہو۔"

عَمرو نے ہنس کر جواب دیا: "اے علَم شاہ، حقیقت تو یہ ہے کہ کرب غازی بڑا سخی ہے۔ تیری طرح کنجوس مکھّی چُوس نہیں ہے۔ وُہ تو تیرے واسطے بھی کُچھ تحفے لایا ہے۔"

"مُجھے اُس کے تحفوں کی ضرورت نہیں۔ اپنے پاس ہی رکھے۔" علَم شاہ نے جل کر کہا۔

"بہت بہتر، اگر تمھیں ضرورت نہیں تو میرے نام ہی لکھ دو۔ میں لے لوں گا۔" عمرو کہنے لگا۔

علم شاہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اتنی دیر میں امیر حمزہ اور دوسرے تمام لوگ کرب غازی سے ملنے روانہ ہوئے۔ عمرو آگے آگے چلا۔ جب پہاڑ کی گھاٹی قریب آئی، تب دوڑ کر گیا اور کرب غازی کو خبر کی کہ امیر حمزہ آتے ہیں۔ وہ خوش ہو کر معروف شاہ کو لے کر باہر آیا۔ دور سے امیر حمزہ کو آتے دیکھا تو فوراً گھوڑے سے کود کر اُن کی طرف دوڑا اور قدموں پر گرا۔ امیر نے سینے سے لگایا اور پیار کیا پھر ایک ایک کر کے سب سرداروں سے ملایا۔ جب علم شاہ سے ملنے کی نوبت آئی تو اُس نے رکاب سے پاؤں نکال کر کرب غازی کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے علم شاہ کے پاؤں پر بوسہ دیا مگر اِس سلوک پر دل میں سخت حیران ہوا اور اپنی ذلت محسوس کی۔ اس کے بعد اُس نے سب سرداروں کو طرح طرح کے تحفے پیش کیے۔ سب نے خوشی خوشی لیے۔ مگر علم شاہ نے اپنے تحفے چھوئے بغیر اپنے ایک عیار کے حوالے کر دیے۔ اِس حرکت سے بھی کرب غازی

کو دُکھ ہُوا لیکن چُپ ہو رہا۔

معرُوف شاہ نے بھی امیر حمزہ کی قدم بوسی کی۔ اُس کے بعد وہ کرب غازی کے خیمے میں تشریف لا۔ کئی دن وہاں رہے۔ اِس کے بعد کرب غازی اور معرُوف شاہ کو لے کر اپنی بارگاہ میں آئے۔ ایک عالی شان کُرسی کرب غازی کے لیے رکھوانے کا حُکم دیا اور اُسے نہایت محبّت سے اپنے پاس بٹھایا۔ عَلَم شاہ کو یہ بات بھی سخت ناگوار گزری کہ کہاں ایک ادنیٰ نوکر یعنی سپہ سالار کا لڑکا اور کہاں ہم لوگ۔ لیکن زبان سے کچھ نہ کہا۔

چند روز بعد امیر حمزہ نے سکندر کے نام ایک خط لکھا اور بُلند آواز سے کہا "کون ہے جو اِس خط کو حفاظت سے سکندر کے پاس لے جائے؟"

کرب غازی نے فوراً اُٹھ کر سلام کیا اور کہا۔ "یہ خدمت غُلام کے سپُرد کی جائے تو بڑا کرم ہوگا۔"

یہ سُن کر سب سردار ہنسنے لگے۔ امیر حمزہ نے بھی کرب غازی کی طرف کچھ توجّہ نہ دی۔ اُنھوں نے دوبارہ پُوچھا کہ میرا خط کون سکندر کے پاس لے جائے گا؟ اِس مرتبہ پھر کرب نے درخواست کی۔ تب عَلَم شا

نے جھنجھلا کر کہا :
"اے لڑکے ، تو ابھی نادان ہے ۔ یہ کام بڑے جان جوکھوں کا ہے ۔ ذرا سوچ کر بول "
کرب غازی نے آگے بڑھ کر خط امیر حمزہ کے ہاتھ سے لے لیا ۔
اُنھوں نے کہا "کرب غازی، ہم تیری ہمّت سے خوش ہُوئے مگر مناسب یہ ہے کہ تو فوج کے چند دستے اپنے ساتھ لے جا ۔ میں نے سُنا ہے کہ سکندر بڑا موذی ہے ۔ ایسا نہ ہو کہ تیرے ساتھ کوئی شرارت کرے ۔"
"میرے لیے حضور کا اقبال ہی کافی ہے ۔" کرب نے جواب دیا ۔ پھر زرہ پہنی ، لوہے کی ٹوپی سر پر رکھی ، تلوار ۔ ڈھال ۔ کمان ۔ ترکش اور خنجر جسم پر باندھے پھر تین مرتبہ تالی بجائی ۔
عَلَم شاہ نے کہا ۔" اے لڑکے ، یہاں بارگاہ میں تالیاں بجانے کا کون سا موقع ہے ؟"
کرب غازی نے جواب دیا ۔" جناب ، یہ میری فوج کا دستور ہے ۔ جب میں ایک تالی بجاؤں تو پانچ ہزار ہتھیار بند جوان تیار ہوتے ہیں ۔ دوسری تالی بجاؤں تو یہ جوان گھوڑوں پر سوار ہو جاتے ہیں اور تیسری تالی بجتے ہی بارگاہ پر حاضر ہوتے ہیں ۔ اب حضور خود بارگاہ سے باہر نکل کر ملاحظہ فرمائیں کہ ہیں ۔

غلط کہتا ہُوں یا سچ ۔"

سب کو بے حد تعجّب ہُوا ۔ امیر حمزہ نے بارگاہ کا پردہ اُٹھوا کر دیکھا تو حقیقت میں پانچ ہزار ہتھیار بند سوار وہاں حاضر تھے ۔ امیر حمزہ نہایت خوش ہُوئے اور فرمایا کہ اے کرب ، اِن سب کو اپنے ساتھ لے جاؤ ۔ اُس نے کہا آپ کے حُکم کی تعمیل کرنا میرا فرض ہے ۔

کرب بارگاہ سے باہر آیا اور سکندر کی طرف چلا ۔ اِتنے میں عُمرو عیّار بھی بھیس بدل کر نکلا ، کرب غازی سے پہلے ہی سکندر کے دربار میں جا پہنچا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا ۔ جب کرب غازی سکندر کے لشکر سے ایک کوس دُور رہ گیا تو اپنے لشکریوں کو وہیں چھوڑا اور کہا جب میرے نعرے کی آواز تُمھارے کانوں میں آئے تو تُم سب آ جانا ۔ یہ کہہ کر اکیلا روانہ ہُوا ۔ بارگاہِ سکندری کے نزدیک پہنچا تو طلُوع نام کے ایک پہرے دار نے روکا اور کہا اے لڑکے تُو کون ہے ، کہاں سے آیا ہے ۔ غازی نے جواب دیا کہ میں امیر حمزہ کا قاصِد ہُوں ۔ سکندر کے نام اُن کا خط لے کے آیا ہُوں ۔ طلُوع کہنے لگا "یہیں رُک

پہلے میں بارگاہ میں تیرے آنے کی خبر کروں" کرب غازی نے طیش میں آ کر کہا ۔" میں تیرا نوکر نہیں ہُوں کہ یہاں رُکا رہُوں ۔ میں ضرور جاؤں گا ۔" اب تو طلُوع کو بھی تاؤ آیا ۔ کہنے لگا ۔" اے لڑکے ، ذرا مُنہ سنبھال کر بات کر ۔ نہیں جانتا میں کون ہُوں؟" کرب نے کہا ۔" شاید تُو مجھ کو نہیں پہچانتا کہ میں کون ہُوں ۔ سُن ، میرا نام کرب غازی ہے ۔"

طلُوع نے غصّے سے بَل کھا کر کہا ۔" معلُوم ہوتا ہے تیرے سر پر بھُوت سوار ہے ۔ ابھی چند لمحوں میں یہ بھُوت اُتارے دیتا ہُوں ۔"

کرب نے کہا ۔" اور میں چند لمحوں میں گستاخی کرنے والے کی گردن اُتار لیا کرتا ہُوں ۔"

طلُوع نے جھٹ تلوار کھینچی اور کرب پر حملہ کیا اس نے وار بچا کر دائیں ہاتھ کا ایک گھُونسا دیا کہ طلُوع کی گردن ٹُوٹ گئی اور وُہ دھڑام سے زمین پر گر کر مر گیا ۔ یہ تماشا دیکھ کر دُوسرے پہرے دار خوف زدہ ہو کر بھاگے اور سکندر کو خبر کی کہ کرب غازی نام کا ایک لڑکا امیر حمزہ کا خط لے کر آیا ہے اور اُس نے ہمارے سردار طلُوع کو گھُونسا مار کر

مار ڈالا ہے۔ یہ سنتے ہی سکندر آگ بگولا ہو گیا۔ کہنے لگا:

"حمزہ نے بیکار مجھے خط لکھا ہے۔ خداوندِ ثمرات کی قسم ہے کہ جب تک حمزہ کو باندھ کر ہیکلان کے پاس نہ لے جاؤں گا، مجھے قرار نہ آئے گا۔"

بختک نے یہ بات سن کر کہا "اے سکندر! اس عرب کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی بہادر اُس سے لڑنے آتا ہے تو یہ خط لکھ کر اُس پر رعب ڈالتا ہے اور اَن دیکھے خدا کی عبادت کرنے کو کہتا ہے۔ اُس نے کوئی دینِ ابراہیمی بھی ایجاد کر رکھا ہے۔ اگر کوئی اس دین پر ایمان نہ لائے تو اُسے مار ڈالتا ہے۔"

"اب حمزہ کی یہ حرکتیں نہ چلیں گی۔ میں اُسے ایسا سبق دوں گا کہ تمام عمر یاد رکھے گا۔"

"حضور، میری رائے یہ ہے کہ حمزہ کے قاصد کو یہاں سے ذلیل کر کے واپس بھیجیے۔" بختک نے کہا۔

یہ بات سکندر کو پسند آئی۔ حکم دیا کہ دربار سے سب کی کرسیاں اُٹھا لی جائیں۔ صرف پہلوان طال گرہ کی کرسی رہنے دی جائے۔ طال گرہ سکندر

فوج میں سب سے طاقت ور پہلوان تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک ہاتھ سے شیر کا گلا گھونٹ کر مار ڈالتا تھا۔ سکندر کا خیال تھا کہ کرب غازی جب بیٹھنے کی جگہ نہ پائے گا تو کھڑے کھڑے خط پیش کرے گا اور یہی اُس کی ذلّت ہے۔

جب سب کُرسیاں ہٹا لی گئیں۔ تب سکندر نے حُکم دیا کہ حمزہ کے قاصد کو دربار میں بھیجو۔ کرب غازی سینہ تانے دربار میں آیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا مگر بیٹھنے کے لیے کوئی کُرسی نظر نہ آئی۔ سکندر کے تخت کے ساتھ صندلی کُرسی بچھی تھی جس پر طال گرد پہلوان بیٹھا تھا۔ کرب نے جاتے ہی للکار کر کہا:
"اے پہلوان، اِس کُرسی کو فوراً خالی کر دے تاکہ میں بیٹھوں۔"

طال گرد کا چہرہ غُصّے سے سُرخ ہو گیا۔ آنکھیں نکال کر بولا۔" اے لڑکے، تجھے کس بے ادب نے تعلیم دی ہے؟ کیا تُو بہادروں کے رُتبے سے آگاہ نہیں ہے۔ تُو نہیں جانتا کہ میرا نام سُن کر پہاڑ بھی کانپنے لگتے ہیں؟"

یہ کہہ کر اُس نے کرب غازی کو دھکّا دینے کی

کوشش کی مگر کرب نے اُس کا وہی ہاتھ پکڑ کر جو جھٹکا دیا تو طال گرہ پہلوان کرسی سمیت لڑھکتا ہُوا سیڑھیوں پر گرا اور جب اُس نے اُٹھنے کا اِرادہ کیا تو کرب کا گھونسا اُس کی کھوپڑی پر پڑا - یہ ضرب ایسی سخت تھی کہ طال گرہ کا مغز ناک کی راہ سے بہہ گیا -

یہ دیکھ کر دربار پر ہیبت طاری ہُوئی - سکندر کا کلیجا بیٹھنے لگا - بختک نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں - سکندر سوچنے لگا کہ یہ آدمی ہے یا جن - اِتنے بڑے پہلوان کو اِس آسانی سے مار لیا - وُہ بولا :

"اے قاصِد ، کیا حمزہ نے تُجھے کُچھ ادب تمیز سِکھا کر نہیں بھیجا ؟ اِس سے پہلے تُو نے ہمارے ایک پہرے دار کو ہلاک کیا اور اب اِس پہلوان کو مارا"

کرب نے طال گرہ کی کُرسی پر اِطمینان سے بیٹھ کر جواب دیا "اے سکندر ، میں ادب تمیز سب جانتا ہُوں لیکن موقع دیکھ کر سلُوک کرتا ہُوں - کیا تُو نہیں جانتا کہ میں کون ہُوں - میں ہی وُہ آدمی ہُوں جس نے شب خُون مار مار کر تیرا ناطقہ بند کر دیا تھا

عمرو عیّار ایک غُلام کی شکل بنائے سکندر کے

دربار میں موجود تھا اور سب تماشا دیکھتا تھا۔ کرب غازی کی یہ دلیری اُسے بہت پسند آئی۔ سکندر نے حیرت سے غازی کو دیکھا اور کہنے لگا:

"اے لڑکے، تجھے دیکھ کر میری عقل چکّر میں ہے اگر تُو نے ہمارے پہرے دار طلُوع اور نامی گرامی پہلوان طال گرہ کو میرے سامنے نہ مارا ہوتا تو میں تجھے جھوٹا سمجھتا۔ مگر اب تیری بات پر یقین کرتا ہُوں۔"

اِتنے میں کرب غازی نے طال گرہ کی کُرسی پر بیٹھے بیٹھے سکندر سے کہا۔ "یہ امیر حمزہ کا خط ہے ــــ دونوں ہاتھوں میں ادب سے تھام اور اسے بوسہ دے آنکھوں سے لگا۔ پھر پڑھ۔"

سکندر پر کرب غازی کی کچُھ ایسی ہیبت چھائی کہ اس کے ہر حُکم کی تعمیل کی۔ جب اس نے امیر حمزہ کا خط چُوما اور آنکھوں سے لگایا، تب بختک کے دل میں حسد اور رنج کی آگ بھڑک اُٹھی۔ سکندر سے کہنے لگا۔ "حضُور، یہ آپ کیا کرتے ہیں۔ اِس چھوکرے سے ڈر گئے؟"

"چُپ رہ بدمعاش، ورنہ تیرا بھی وہی حشر کروں

گا جو ابھی طال گرہ کا کر چکا ہوں۔" کرب نے بختک کو تلوار دکھاتے ہوئے کہا اور وہ سہم کر خاموش ہو گیا۔ سکندر نے امیر حمزہ کا خط خواجہ بزرجمہر کی طرف بڑھایا اور کہا کہ آپ بلند آواز سے پڑھ کر سنائیے۔ بزرجمہر نے خط سنانا شروع کیا:

"سکندر ہیکلان کو معلوم ہو کہ نوشیرواں سے میرا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ میں ہمیشہ سے اُس کی عزّت کرتا آیا ہوں اور اب بھی عزّت کرنے کو تیار ہوں۔ مگر وہ دُشمنوں کے بھکانے میں آکر مجھ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ میں نے آج تک خُدا کے فضل سے ہر دُشمن کو نیچا دکھایا ہے اور کبھی کسی سے شکست نہیں کھائی ہے۔ اسی طرح تُو بھی مجھ پر کبھی فتح نہ پا سکے گا۔ خُدا کی مخلوق کو بے جا قتل کرانے سے کیا فائدہ۔ بہتر یہ ہے کہ کافروں کا مذہب چھوڑ دے اور دینِ ابراہیمی میں داخل ہو کر ہماری امان میں آجا۔ ہم نے تیری بہادری کی تعریف سُنی ہے۔ اس لیے یہ خط بھیجتے ہیں۔ اگر تُو نے ہماری بات نہ مانی اور لڑنے پر ہی تُلا رہا تو بعد میں شکایت نہ کیجیو۔ ہم پھر جو چاہیں گے۔ تجھ سے سلوک کریں گے۔"

سکندر ہیکلان یہ خط سُن کر آگ بگولا ہو گیا۔ چِلّا کر بولا "ختم کرو۔ مُجھ میں اب اور کُچھ سُننے کی تاب نہیں۔ خداوندِ ثمرات کی قسم ہے۔ میں حمزہ کو اِس گُستاخی کی سزا دیے بغیر نہ مانُوں گا۔ مگر اِس سے پہلے ضرُوری ہے کہ اس کے قاصد کو کچھ سبق دُوں۔"

یہ کہہ کر غُلاموں کو حُکم دِیا کہ مردُم خور کو فوراً یہاں لاؤ۔ مردُم خور کوئی شیر یا چیتا نہ تھا بلکہ سکندر ہیکلان کے ایک بھائی کا نام تھا۔ اُسے مردم خور یُوں کہتے تھے کہ وُہ اپنے دُشمن کو مارنے کے بعد اُس کا خُون پی جاتا تھا اور جسم کی بوٹیاں بوٹیاں کر ڈالتا تھا۔

حُکم کی دیر تھی کہ مردُم خور دربار میں نمُودار ہُوا۔ سُرخ چہرہ، سر پر گھنے اور اُلجھے ہُوئے بال، خُون خوار آنکھیں، بڑے بڑے دانت۔ لوہے کی زنجیروں میں بندھا ہُوا تھا۔ ایک مرتبہ تو کرب غازی کا کلیجا بھی ہِل گیا۔ غُلاموں نے مردُم خور کی زنجیریں کھول دیں اور سکندر نے کرب کی طرف اِشارہ کر کے کہا:

"اس لڑکے نے مجھے بہُت ستایا ہے۔ اِسے مزا

چکھا دے۔"

یہ اشارہ پاتے ہی مردم خور غرّاتا ہُوا کرب غازی کی طرف جھپٹا۔ بختک نامراد خوشی سے بغلیں بجانے لگا۔ مگر خواجہ بزرجمہر اور عمرو عیّار نے آواز دے کر کرب کو خبردار کیا۔ جونہی مردم خور نزدیک آیا اور اپنے غلیظ ناخن کرب کی گردن کی طرف بڑھائے۔ کرب نے اُچھل کر اُس کی ناک پر ٹکّر ماری۔ مردم خور کی نکسیر پھوٹ گئی اور وہ لڑھکنیاں کھاتا ہُوا، سکندر کے قدموں میں جا گرا لیکن وہ بے حد وحشی اور قوی آدمی تھا۔ اس معمولی چوٹ کا اُس پر کچھ خاص اثر نہ ہُوا۔ لوٹ پوٹ کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ پھر جنگلی بھینسے کی طرح ڈکراتا ہُوا آیا اور کرب غازی سے لپٹ گیا۔ دونوں میں کشتی ہونے لگی۔ کرب غازی نے لاتیں اور گھونسے مار مار کر مردم خور کا حلیہ بگاڑ دیا، اتنا مارا کہ پوری بتّیسی باہر آگئی۔ ایک آنکھ بھی پھوٹ گئی اور سارا بدن خون میں لت پت ہو گیا۔ کرب غازی کے بھی کئی زخم آئے۔ مگر اُس نے ہمّت نہ ہاری اور آخر وقت تک مقابلہ کرتا رہا۔ جب اُس نے دیکھا کہ مردم خور کا دم پھُول گیا

ہے اور وہ لڑائی سے کترا رہا ہے۔ تب کرب غازی نے ایک زبردست نعرہ مار کر اُسے کمر سے پکڑ کر اُٹھایا اور زمین پر دے مارا۔ مردُم خور کی ریڑھ کی ہڈّی ٹوٹ گئی اور خون کی اُلٹی کر کے اُس نے دم توڑ دیا۔

سکندر نے جب دیکھا کہ مردُم خور کا کام تمام ہُوا تو اُس نے للکار کر اپنے سپاہیوں سے کہا کہ پکڑ لو اس لڑکے کو، خبردار بچ کر جانے نہ پائے۔ سکندر کے ہتھیار بند غُلاموں اور سپاہیوں نے ہر طرف سے کرب کو گھیر لیا لیکن وہ ذرا نہ گھبرایا اور نہایت دلیری سے لڑنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے اُس نے کئی سو آدمیوں کو گاجر مُولی کی طرح کاٹ کر ڈال دیا۔ پھر اپنے پانچ ہزار آدمیوں کو بُلانے کے لیے خاص نعرہ لگایا۔ کرب کی آواز سُنتے ہی یہ نوجوان بلائے ناگہانی کی طرح سکندر کے سپاہیوں پر آن گرے۔ آخر سکندر کے آدمی بے تحاشا بھاگے۔ تب کرب نے اپنے آدمیوں کو بھی واپس جانے کا حُکم دیا۔

اتنی دیر میں عمرو عیّار امیر حمزہ کے لشکر میں واپس آ چُکا تھا۔ اس نے سب کے سامنے کرب غازی کی

شجاعت اور دلیری کی بے حد تعریف کی۔ یہ بات عَلَم شاہ کو ناگوار ہُوئی۔ وُہ کہنے لگا:

"اے خواجہ، ایک معمولی سپاہی زادے کی اتنی تعریف تمہارے مُنہ سے اچھّی نہیں لگتی۔"

عمرو نے کہا "اے شہزادے، سچ تو یہ ہے کہ حمزہ کے پُورے لشکر میں کوئی دلیر ایسا نہیں جو کرب غازی کے مُقابلے کا دعوٰی کرے۔ جس بہادری سے اُس نے طال گرہ پہلوان کو مارا ہے، وُہ بے مثال ہے۔"

عَلَم شاہ نے کوئی جواب نہ دیا اور بیزاری سے مُنہ پھیر کر بیٹھ گیا۔ امیر حمزہ البتّہ کرب کی بہادری سے نہایت خُوش تھے۔ اِتنے میں کرب غازی بھی دربار میں داخل ہُوا۔ اُس نے آداب بجا لا کر سکندر کے دربار کی تمام کیفیت عرض کی۔ امیر حمزہ نے بہُت شاباش دی۔ پھر ہنس کر کہنے لگے:

"اے فرزند، تُم نے سکندر کی فوج پر اتنے شب خُون مارے اور ہم سے ذِکر تک نہ کیا۔"

کرب غازی نے شرماتے ہُوئے جواب دیا "حضور یہ کون سی بڑی بات تھی جس کا ذکر کیا جاتا۔"

اِس جواب سے امیر حمزہ اور خُوش ہُوئے اور اُنھوں نے کرب کو اپنے لشکر کا نائب سپہ سالار مُقرّر کر دیا۔

آخری کارنامہ

کئی دن بعد سکندر نے رات کے وقت طبلِ جنگ بجوایا۔ امیر حمزہ کے لشکر میں بھی جنگ کا نقّارہ بجا۔ صُبح کو دونوں لشکر میدان میں آئے۔ سکندر کا بیٹا فیروز سیاہ رنگ کے گھوڑے پر سوار ہو کر نمُودار ہُوا اور درمیان میں کھڑے ہو کر پُکارا :

"کوئی ہے جو میرے مُقابلے میں آئے؟ آن کی آن میں دُوسری دُنیا کی سیر کرا دُوں گا۔"

تب سُلطان سعد نے امیر حمزہ سے اجازت لی، اور مُقابلے کو اُترے۔ فیروز نے سعد پر نیزے سے حملہ کیا۔ اُس نے ڈھال پر روکا۔ فیروز نے جھُنجھلا کر تلوار ماری۔ سعد نے خالی دی۔ پھر فیروز نے گرز مارا۔ سعد نے ڈھال مار کر گرز گِرا دیا۔ یہ دیکھ کر فیروز کو تاؤ آیا۔ اُس نے اپنی ڈھال سعد پر کھینچ

ماری۔ سعد کے سر پر گہرا زخم آیا۔ اب تو وہ بھوکے چیتے کی طرح فیروز پر جھپٹا۔ تلوار سے اُس کے گھوڑے کی گردن اُڑا دی۔ فیروز دھڑام سے نیچے گرا۔ سعد بھی اپنے گھوڑے سے کُودا، فیروز کی کمر سے بندھی ہُوئی پیٹی تھام کر اُسے سر سے اُونچا اُٹھایا اور زمین پر دے مارا۔ فیروز کی کھوپڑی اور ہڈیاں چُورا چُورا ہو گئیں۔

فیروز کے مرنے کا شور سکندر کی فوج میں برپا ہُوا سکندر کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ فوجوں کو حُکم دیا کہ سعد کو زندہ بچ کر نہ جانے دو۔ سکندر کی تمام فوج سعد پہ آن پڑی۔ سعد نے دونوں ہاتھوں میں تلواریں پکڑیں اور سرگرمی سے لڑنے لگا۔ اِدھر سے امیر حمزہ، لندھور، عَلَم شاہ اور کرب غازی بھی اپنی اپنی فوجیں لے کر سکندر پر ٹُوٹ پڑے۔ ایسی خوف ناک جنگ ہُوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ امیر حمزہ، لندھور، عَلَم شاہ اور کرب غازی نے سکندر کی تمام فوج کو پامال کر ڈالا۔ قریب تھا کہ دُشمن ہتھیار پھینک کر بھاگ نکلیں کہ سکندر نے واپسی کا طبل بجوا دیا۔ اِس دوران میں سعد زخمی ہو کر گھوڑے سے گرا۔ سکندر کے

سپاہیوں نے موقع پا کر اُسے گرفتار کر لیا اور اپنے ساتھ لے گئے۔

جب دونوں لشکر اپنے اپنے خیموں میں واپس آئے تب امیر حمزہ نے سعد کو بُلایا۔ معلُوم ہُوا کہ سعد لشکر کے ساتھ واپس نہیں آیا۔ امیر حمزہ نہایت پریشان ہُوئے اور فرمایا "اے عَمرو تُم جا کر سعد کو تلاش کرو عَمرو بہُت سے عیّاروں کو لے کر میدان میں گیا اور سعد کو تلاش کرنے لگا۔ تمام لاشیں اُلٹ پُلٹ کر دیکھ ڈالیں مگر سعد کی لاش کا کہیں نشان نہ مِلا۔ تب عَمرو نے آن کر قسم کھائی اور امیر حمزہ سے بیان کِیا کہ جو سپاہی مارے گئے ہیں۔ اُن میں سعد شامل نہیں ہے۔ معلُوم ہوتا ہے دُشمن کے ہاتھ میں پڑ گیا ہے۔ امیر حمزہ نے عَمرو سے کہا کہ اگر سعد کو سکندر نے گرفتار کر لیا ہے تو اُسے رہا کرانا تُمھارا کام ہے۔ عَمرو عیّار اُسی وقت سعد کو چُھڑانے کے لیے روانہ ہُوا۔

اُدھر سعد کو زنجیروں میں باندھ کر سکندر کے سامنے پیش کِیا گیا۔ سکندر نے حُکم دیا کہ فیروز کی لاش اور سُلطان سعد کو ہیکلان عاد کی خدمت میں روانہ کر دو۔

تاکہ وُہ اِس سے اپنے بھتیجے کے قتل کا بدلہ لے سکے۔ ناشاد پہلوان پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ قیدی کو ہیکلان کے پاس لے گیا۔

چند روز بعد عَمرو عیّار بھیس بدلے ہُوئے سکندر کے لشکر میں پہنچا۔ وہ اس وقت خُداوندِ ثمرات کے حضُور میں حاضر تھا۔ عَمرو بھی اسی باغ میں گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سونے کا ایک خُوب صُورت بُت درمیان میں دھرا ہے۔ اِس پر بے شُمار قیمتی جواہر اور موتی جڑے ہیں۔ عَمرو کے مُنہ میں اتنی دولت دیکھ کر پانی بھر آیا۔ دِل میں سوچنے لگا کہ موقع پاؤں تو اس خُداوند کو اُٹھا کر اپنی زنبیل میں ڈالوں۔

عَمرو اِنھی خیالوں میں گُم تھا کہ اس بُت میں سے آواز آئی "اے غُلامو، فلاں گوشے میں سبز کپڑے پہنے جو شخص کھڑا ہے، اُسے جلد گرفتار کرو۔ یہ عَمرو عیّار ہے۔" خُداوندِ ثمرات کی آواز سُنتے ہی غلام دوڑے عَمرو وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ تھوڑی دیر بعد پھر باغ میں آیا۔ خُداوند ثمرات نے پھر آواز دی۔ لیکن عَمرو بچ کر نکل گیا۔ کئی مرتبہ ایسا ہُوا۔ جب تو عَمرو حیران ہو کر امیر حمزہ کی خدمت میں آیا اور

سارا حال بیان کیا۔ اُنھوں نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس بُت کے اندر کوئی شیطانی رُوح چھُپی ہُوئی ہے۔

اُدھر خُداوندِ ثمرات نے سکندر سے کہا۔ "آج رات کو طبلِ جنگ بجواؤ۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ کل فتح تُمھارے نام کی ہے۔"

سکندر نے خوش ہو کر طبل بجوایا۔ امیر حمزہ کو بھی خبر ہُوئی۔ فرمایا کہ ہمارے لشکر میں بھی طبل بجایا جائے۔ غرض تمام رات دونوں طرف جنگ کی تیّاری ہوتی رہی۔ صُبح کو فوجیں میدان میں آئیں۔ صفیں درُست ہونے لگیں۔ سکندر کے لشکر میں سے اُس کا بھانجا پرتاش عاد کیل کانٹے سے لیس ہو کر باہر آیا اور مُقابلے کے لیے للکارنے لگا۔ امیر حمزہ کے لشکر میں سے کرب غازی دہاڑتے ہُوئے شیر کی مانند برآمد ہُوا۔ پرتاش نے اُسے حیرت سے دیکھا اور کہا:

"اے جوان، اپنا نام بتا کہ میرے ہاتھ سے بے نشاں نہ مارا جائے۔"

"بہادروں کا نام سُورج کی طرح روشن ہے۔ ہم تجھے کیا بتائیں۔" کرب نے جواب دیا۔

یہ سُن کر پرتاش عاد کو غصّہ آیا۔ اُس نے دوڑ کر کرب کے نیزہ مارا۔ کرب نے نیزے کو نیزے پر روک کر اپنا گرز اِس زور سے گھمایا کہ پرتاش کا گھوڑا ڈر کر بھاگا۔ اُس نے ہر چند باگ کھینچی۔ مگر وُہ نہ رُکا اور سیدھا خُداوندِ ثمرات کے پاس جا کر رُکا۔ پرتاش نہایت شرمندہ ہُوا اور خُداوند سے کہا:

"کیوں جناب، کیا میری تقدیر میں آپ نے یہی لکھا تھا کہ یُوں ذلّت اُٹھاؤں؟"

خُداوندِ ثمرات نے جواب دِیا: "تُو میرا خاص بندہ ہے۔ اس وقت تُو اس ولیری سے لڑ رہا تھا، کہ بے اختیار تجھ پر پیار آیا۔ میں نے تیری تقدیر اُلٹ دی تاکہ تُو تھوڑی دیر میرے پاس آن کر ٹھہرے۔"

پرتاش اِس بات پر سخت ناراض ہُوا اور کہنے لگا: "اے خُداوند، تیری تو دل لگی ہُوئی اور یہاں میرا کباڑا ہو گیا۔ اب مہربانی فرما کر مجھے اِجازت دے تاکہ دُشمن سے مُقابلہ کروں۔"

"اے بے وقُوف ابھی تیری تقدیر سیدھی نہیں ہُوئی صبر سے کام لے ورنہ مارا جائے گا۔" خُداوند نے کہا۔

اُدھر کرب غازی نعرے پہ نعرہ بلند کر رہا تھا

اور اِدھر خُداوندِ ثمرات پرتاش عاد کو جانے کی اِجازت نہیں دیتا تھا۔ اُس نے خاصی دیر بعد کہا کہ اچھّا، اب جا اور مُقابلہ کر۔ پرتاش نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا ایسا ڈرا ہُوا تھا کہ تھوڑی دُور تک تو میدان میں آیا مگر جب کرب غازی کا سامنا ہُوا تو پلٹ کر اندھا دُھند بھاگا۔ اور پھر اُسی مُقام پر جا کر ٹھہرا۔ امیر حمزہ کے لشکریوں نے قہقہے لگائے اور پرتاش ایسا شرمندہ ہُوا کہ اپنے پیٹ میں خنجر گھونپ کر مر جانے کی ٹھان لی۔ اتنے میں خُداوندِ ثمرات نے آواز دی:

"اے پرتاش، تُو میرا خاص بندہ ہے۔ کیوں پریشان ہوتا ہے۔ یہ تو میری محبّت ہے کہ تُجھے دوبارہ بُلوایا۔ خیر، اب کی بار مُجھے سجدہ کرکے دُوسرے گھوڑے پر سوار ہو۔ تیرا یہ پہلا گھوڑا کسی گدھے کی نسل سے ہے۔"

پرتاش عاد دُوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آیا۔ کرب غازی نے اُس کے وار روکتے روکتے خنجر کا ایک ہاتھ جو مارا تو کمر تک اُتر گیا۔ پرتاش گھوڑے سے زمین پر گرا اور دم توڑ دیا۔ سکندر نے

رنج کے مارے سر پیٹ لیا اور واپسی کا طبل بج
گیا۔ وہ شام کے وقت خداوندِ ثمرات کے پاس گیا
اور رو کر کہنے لگا :

"اے خداوند، جس روز سے میں نے شہر اندرُوس
کو چھوڑا ہے، ایک لمحے کے لیے بھی چین نصیب
ہُوا۔"

"اے سکندر، ہماری آزمائش کڑی ہوتی ہے۔ صبر
کر۔ تجھے میٹھا پھل ملے گا۔"

"خداوند، صبر کی بھی انتہا ہوتی ہے۔ پہلے میرا
جوان بیٹا موت کے مُنہ میں گیا۔ پھر بہادر بھتیجا مارا
گیا اور تُو ابھی تک صبر صبر کی رٹ لگائے جاتا
ہے۔"

خداوندِ ثمرات نے گرج کر کہا "او گستاخ، یہ کیا
بکتا ہے۔ جی چاہتا ہے تجھے ابھی ملیامیٹ کر دوں
میری آنکھوں کے سامنے سے دُور ہو جا اور کسی اچھے
وقت کا انتظار کر۔"

سکندر مایوس ہو کر واپس چلا آیا اور اپنے بھائی
ہیکلان کو سب حال خط میں لکھ کر روانہ کیا۔

اب ہم یہاں کچھ حال عامر بن حمزہ کا بیان کرتے ہیں۔ ایک دن وہ شکار کھیلنے لگا۔ کچھ لوگ اس کے ساتھ تھے۔ ایک ہرن پر تیر چلایا۔ وہ زخمی ہو کر بھاگا۔ عامر بن حمزہ اس کے پیچھے لپکا۔ ہمراہی پیچھے رہ گئے۔ زخمی ہرن کسی صحرا میں پہنچ کر ایک گہری کھائی میں گر گیا۔ عامر نے بہتیرا تلاش کیا مگر ہرن کا کہیں نشان نہ پایا۔ تھک ہار کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ سورج آسمان سے آگ برسا رہا تھا۔ چھاگل میں پانی کا ایک قطرہ نہ پایا۔ پیاس کے مارے جان لبوں پر آئی۔ لیکن اس ریگستان میں پانی کہاں ملتا عامر پانی کی تلاش میں پاگلوں کی طرح ادھر سے اُدھر دوڑنے لگا۔ ایک مقام پر جھونپڑی سی دکھائی دی۔ اُس کے اندر گیا کیا دیکھتا ہے ایک ننگ دھڑنگ فقیر گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا ہے۔ عامر کے قدموں کی آہٹ پا کر فقیر نے گردن اُٹھائی اور پوچھا۔

"کیوں صاحب، آپ یہاں کیسے آئے؟"

"بابا، پیاس کے مارے دم نکلا جاتا ہے۔ یہاں کہیں کنواں ہے؟"

فقیر یہ سُن کر ہنسا اور کہنے لگا۔" صاحب، اِس

ویرانے میں کنواں کہاں ؟ ہاں ، پیاس بجھنے کی ایک ہی سبیل ہے ۔ اگر تو انکار نہ کرے تو بیان کروں“۔

”بابا، ضرور بیان کیجیے وہ کیا سبیل ہے ۔“

تب اُس فقیر نے اپنی جھولی ٹٹول کر کوئی بوٹی نکالی اور عامر کو دیتے ہوئے بولا ”اِسے کھالے ۔ تین حصے پیاس جاتی رہے گی ۔ ایک حصہ باقی رہے گی ۔“

عامر نے سوچے سمجھے بغیر بوٹی کھالی ۔ کچھ سکون ہُوا ۔ چند لمحے بعد فقیر سے کہنے لگا ”اے درویش مجھے اِس وقت سخت نیند آ رہی ہے ۔ دو گھڑی آرام کرتا ہوں ۔ اِس کے بعد مجھے جگا دینا ۔ پھر میں تجھے امیر حمزہ کی خدمت میں لے جاؤں گا اور وہ تجھے بے اندازہ زر و مال عطا کریں گے ۔“ یہ کہہ کر عامر وہیں لیٹ گیا اور خرّاٹے لینے لگا ۔

اب سنیے ۔ وہ فقیر اصل میں عیّار گلیم گوش تھا ۔ اس نے فوراً عامر کو ایک سفوف سنگھا کر بے ہوش کیا اور عیّاری کی کمبلی میں باندھ کر اپنے لشکر میں آیا ۔ اُس وقت اتّفاق سے عمرو عیّار بھی بھیس بدل کر سکندر کے دربار میں آیا ہُوا تھا ۔ اُس نے جو گلیم

گوش کو دیکھا کہ کمر پر ایک بڑا پُشتارہ لادے آ رہا ہے تو ہوش جاتے رہے۔ دل میں کہا خُدا خیر کرے۔ یہ گلیم گوش کسے پکڑ لایا ہے۔ اتنی دیر میں اُس نے سکندر کے روبرو پُشتارہ کھولا اور کہنے لگا:

"حضور، مجھے انعام دلوائیے۔ ایک موٹی مُرغی پھانس کر لایا ہوں۔ یہ امیر حمزہ کا بیٹا، شہزادہ قباد شہر یار کا سگا بھائی عامر ہے۔"

سکندر یہ دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔ اپنے گلے سے قیمتی ہار اُتار کر گلیم گوش کو دیا اور حکم جاری کیا کہ اس قیدی کو پہلے زنجیروں سے باندھو اور پھر ہوش میں لاؤ۔

عامر نے آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو ایک نئی جگہ پایا۔ سامنے تخت پر سکندر اور اس کے برابر میں نوشیرواں بیٹھا تھا۔ نوشیرواں کے پیچھے بختک اور خواجہ بزرجمہر کھڑے دکھائی دیے۔ تب عامر سب کچھ سمجھ گیا اُس نے اُونچی آواز سے کہا۔ "میرا سلام پہنچے خواجہ بزرجمہر کو۔"

"اے فرزند، تجھے بھی میرا سلام ہے۔" بزرجمہر نے جواب دیا۔ یہ دیکھ کر سکندر بول اُٹھا۔ "حمزہ کے

بیٹے بڑے جی دار ہیں - انھیں اپنی جان کا بالکل خوف نہیں ہے"

بختک کہنے لگا "اے سکندر، حمزہ کا یہ بیٹا بڑا منچلا ہے - اس نے بڑے بڑے کارنامے کیے ہیں"

"ابھی سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے" سکندر نے کہا - پھر عامر کی طرف دیکھ کر بولا - "اے قیدی اگر اپنی جان بچانے کی آرزو ہے تو خداوندِ ثمرات کے آگے گردن جھکا دے"

"خداوندِ ثمرات اور اس کے پرستاروں پر لعنت بھیجتا ہوں" عامر نے کہا -

تب سکندر نے ناراض ہو کر کہا - "اس بدبخت کو خداوند کے حضور میں لے جاؤ - ممکن ہے اس کا جلال دیکھ کر سجدہ کر لے"

ہتھیار بند سپاہی عامر کو خداوندِ ثمرات کے سامنے لے گئے - اس نے شکل دیکھتے ہی آواز دی "اے حمزہ کے بیٹے، مجھے جلد سجدہ کر - پھر دیکھ، میں تیری کتنی شان بڑھاتا ہوں"

"لعنت ہے تجھ پر اور تیری دی ہوئی شان پر اور تجھے سجدہ کرنے والے پر" عامر نے کہا -

خُداوندِ ثمرات جلال میں آیا - چلّا کر کہنے لگا "اِس گُستاخ کو ابھی میرے سامنے موت کے گھاٹ اُتار دو -"

اِس حُکم پر عامِر تو بے خوفی سے مُسکراتا رہا - مگر عَمرو عیّار کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی - وُہ باغ سے نکل کر اپنے لشکر کی جانب بھاگا - راستے میں عَلَم شاہ سے مُلاقات ہُوئی - اُس نے پُوچھا "اے خواجہ، خیر تو ہے؟" عَمرو نے کہا "خیر ہی تو نہیں ہے - جلد چلیے نہیں تو عامِر قتل ہُوا چاہتا ہے"

اب تو عَلَم شاہ بھی چونکّا ہُوا اور عَمرو کے ساتھ گھوڑا اُڑاتے سیدھا خُداوندِ ثمرات کے باغ میں آیا - دیکھا کہ جلّاد کلہاڑا تولنے کی فکر میں ہے اگر عَلَم شاہ کے پہنچنے میں ایک ساعت کی بھی دیر ہو جاتی تو عامِر کا کام تمام ہو چُکا تھا -

عَلَم شاہ نے جاتے ہی جلّاد کو للکارا - جلّاد یہ گرج سُن کر رُک گیا اور مُڑ کر عَلَم شاہ کی طرف دیکھا ہی تھا کہ اُس نے تلوار کا ہاتھ مارا - جلّاد کا سر کٹ کر خُداوندِ ثمرات کے قدموں میں گرا - جلّاد کے قتل ہوتے ہی باغ میں بھگدڑ مچ گئی - سکندر

کے جو سپاہی عَلَم شاہ کو جانتے پہچانتے تھے۔ اُنھوں نے رُستم آیا رُستم آیا کا غُل مچایا اور لپیٹ اپنے ہتھیار پھینک کر وہاں سے رفو چکر ہُوئے۔ خُداوندِ شرارت چیختا ہی رہا۔ مگر کِسی نے اُس کی چیخ پُکار پر کان نہ دھرا۔

عَلَم شاہ نے جلدی سے عامر کی زنجیریں کاٹ کر اُسے آزاد کِیا اور اُسے ساتھ لے کر اپنے لشکر میں چلا آیا۔ عَمرو عیّار نے امیر حمزہ کے سامنے سب کیفیت بیان کی۔ وُہ نہایت خوش ہُوئے اور عَلَم شاہ کو سینے سے لگایا۔

اُدھر سکندر کو جب اِس حادثے کی اِطّلاع مِلی تو اُس نے سر پیٹ لیا۔ اِتنے میں اُس کا بیٹا عاد وہاں آیا۔ اُس نے اپنے باپ کو غمگین پایا تو حال پُوچھا۔ اُس نے روتے ہُوئے جواب دیا۔ "اے بیٹا تُم تو شِکار کھیلنے نِکل گئے اور یہاں یہ ستم ہُوا۔"

عاد نے کہا: "آبا جان، آپ فِکر نہ کریں۔ میں اِن دونوں کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

صُبح کو سکندر نے طبلِ جنگ بجوایا۔ اُدھر امیر حمزہ کے لشکر میں سے بھی نقّارے بجنے کی آواز

آئی - پھر دونوں لشکر میدانِ جنگ میں اُترے - اِتنے میں عاد بن سکندر اپنی فوج سے نکلا - گھوڑے کو ایڑ لگا کر میدان میں گھوما اور پھر ایک جگہ رُک کر بلند آواز سے کہنے لگا :

"اے لوگو ، سُنو کہ میں وُہ بہادر ہُوں - جس کی مثال رُوئے زمین پر کہیں نہیں ملے گی - اگر کسی کو قُوّت و شجاعت کا دعویٰ ہے تو میرے سامنے آئے ابھی دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی ہُوا جاتا ہے"-

وہ دیر تک اِسی طرح کی شیخی بگھارتا رہا - حتّیٰ کہ عَلَم شاہ کا خُون غُصّے کے مارے کھولنے لگا - زیادہ صبر کی تاب نہ رہی - امیر حمزہ سے اجازت لے کر میدان میں آیا - عاد بن سکندر نے آہنی گُرز گھما کر اِس زور سے عَلَم شاہ کے مارا کہ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ہڈّیاں سُرمہ بن جاتیں مگر عَلَم شاہ نے ڈھال کی بجائے اپنی ہتھیلی پر یہ وار روکا -

عَلَم شاہ کی قُوّت کا یہ عالم دیکھ کر عاد بن سکندر کا دِل بیٹھ گیا - کانپتے ہاتھوں سے دوبارہ گُرز اُٹھایا اور عَلَم شاہ پر حملہ کیا - اِس مرتبہ وُہ پیچھے ہٹ گیا اور عاد بن سکندر اپنے ہی زور میں منہ

کے بل زمین پر گرا ۔ دونوں لشکروں کے سپاہیوں نے قہقہے لگائے ۔ عاد زمین سے اُٹھا ۔ اس کی آنکھوں کے سامنے چنگاریاں سی اُڑ رہی تھیں ۔ اِس مرتبہ اُس نے تلوار سے حملہ کیا ۔ مگر عَلَم شاہ نے کچھ اِس انداز سے تلوار ماری کہ عاد کے ہاتھ سے تلوار نکل کر دُور جا گری اور وہ خالی ہاتھ میدان میں کھڑا احمقوں کی طرح آنکھیں جھپکاتا نظر آیا ۔ اب عَلَم شاہ نے اُس کے برابر آن کر نعرہ لگایا اور کہا " اے عاد ، ہوشیار ہو جا کہ تیری موت آن پہنچی " یہ کہہ کر گُرز مارا تو عاد کی ہڈیاں چُور چُور ہو گئیں ۔ اُس کے مرتے ہی سکندر کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا ۔ اُس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ سب مل کر عَلَم شاہ کو گھیر لو اور زندہ بچ کر نہ جانے دو ۔ عَلَم شاہ پر دُشمنوں نے دباؤ ڈالا اور تلوار چلنے لگی ۔ امیر حمزہ نے جو یہ حالت دیکھی تو اپنے سرداروں سمیت سکندر کی فوج پر ٹُوٹ پڑے ۔ آناً فاناً ہر طرف لاشوں کے انبار دِکھائی دینے لگے آخر سکندر نے واپسی کا طبل بجوایا ۔ دونوں لشکر اپنے اپنے خیموں میں واپس آئے ۔

سکندر نے اپنے بیٹے کے غم میں سیاہ لباس پہن لیا۔ سکندر نے عاد کی لاش بھی ارغاد پہلوان کے ذریعے ہیکلان کے پاس بھجوا دی اور پیغام دیا کہ بہت جلد کمک بھیجی جائے ورنہ ایک روز میں بھی مارا جاؤں گا۔

اُدھر امیر حمزہ کے لشکر میں جشن منایا جا رہا تھا، کہ کسی نے سُلطان سعد کا ذکر چھیڑ دیا۔ سب سردار اُس کی جُدائی کے سبب رونے لگے۔ عُمرو عیّار کہنے لگا "آپ صاحبان بالکل فکر نہ کریں۔ میں جاتا ہُوں۔ اور اُس بہادُر کو رہا کرا کر لے آتا ہُوں۔" یہ کہہ کر عُمرو روانہ ہُوا اور نوشیرواں کی بارگاہ میں دربان کی صُورت بن کر آیا۔ تھوڑی دیر بعد بختک کِسی ضرُورت سے باہر آیا تو دربان نے اُس سے کہا :

"جناب، ذرا ایک طرف چلیے۔ مُجھے علیحدگی میں آپ سے ایک ضرُوری بات عرض کرنی ہے۔"

بختک دربان کے ساتھ ایک گوشے میں چلا گیا۔ دربان نے جھٹ خنجر نکال کر بختک کی توند پر رکھ دیا اور اپنی اصلی صُورت دِکھائی۔ بختک نے جُونہی عُمرو کی صُورت دیکھی۔ اُس کے دیوتا کُوچ کر گئے۔ سمجھا کہ

آج عمرو کی شکل میں موت کا فرشتہ نازل ہُوا۔ خوف سے ہکلاتے ہُوئے بولا "کیوں خواجہ صاحب، خیر تو ہے؟ مجھ بے گناہ کو خنجر سے کس لیے ڈراتے ہو؟"

"بے حیا، تُو ہی اِس فساد کی جڑ ہے۔ آج تیرا تیا پانچا کیے بغیر نہ مانوں گا۔ سچ سچ بتا کہ سعد کو کہاں رکھا گیا ہے؟"

"وُہ قلعہ جلبک کوہ میں قید ہے۔ بختک نے کانپتے ہُوئے جواب دیا۔

عمرو نے بختک کو چھوڑا اور سیدھا امیر حمزہ کے پاس آن کر کہا کہ سعد قلعہ جلبک کوہ میں قید ہے اور ہیکلان نے ایک بڑی فوج اُس کی حفاظت کے لیے مقرّر کی ہے۔ امیر حمزہ نے کہا کہ کوئی بہادر جائے اور سعد کو لے آئے۔ یہ سُنتے ہی کرب غازی نے اُٹھ کر سلام کیا اور اجازت چاہی۔ امیر حمزہ نے بڑی خُوشی سے اجازت دی لیکن یہ بات علم شاہ کو ناگوار ہُوئی۔ دل میں کہا یہ ادنیٰ سا لڑکا روز بروز سر پر چڑھتا جاتا ہے اور ہمیں نیچا دکھانے کی فکر میں رہتا ہے۔ واپس آئے تو اسے ایسی سزا دُوں کہ تمام عمر یاد رہے۔

کرب غازی نے تیس ہزار ہتھیار بند سوار اپنے ساتھ لیے اور قلعۂ جلیک کوہ کی طرف چلا۔ جب رات ہوئی تو علم شاہ کو حسد کی آگ نے بے چین کیا۔ بستر سے اُٹھا، کپڑے پہنے، گھوڑے پر سوار ہوا اور کرب غازی کے تعاقب میں روانہ ہوا لیکن اِتّفاق سے راستہ بھول کر کسی اور طرف جا نکلا۔

اُدھر ہیکلان کے حکم سے پہلوان ارغاد بھی اپنے لشکر کے ساتھ قلعہ جلیک کوہ کی طرف جا رہا تھا۔ اُس کے جاسُوسوں نے کہا کہ اے پہلوان، ذرا ہوشیار رہنا۔ تمھارے پیچھے کئی ہزار سپاہی آتے ہیں۔ ارغاد پہلوان کی سِٹّی گم ہوئی۔ موت کا فرشتہ سر پر منڈلاتا نظر آیا۔ آدھی رات کے وقت کرب غازی نے زبردست شب خُون مارا۔ دوپہر تک تلواریں خُون میں نہاتی رہیں۔ جب مشرق سے سُورج نے سر نکال کر دیکھا تو عجب تماشا نظر آیا۔ ارغاد کی فوج کا کوئی سپاہی زندہ نہ بچا تھا۔ اور ارغاد کا یہ حال ہُوا کہ ہاتھ کہیں پڑا تھا اور پاؤں کہیں۔ گھوڑوں نے جسم کو کُچل کر قیمہ بنا دیا تھا۔

جب کرب غازی قلعے کے قریب پہنچا تو معلوم ہُوا کہ ناشاد پہلوان نے حفاظت کا بڑا سخت اِنتظام

کر رکھا ہے ۔ قلعے کے چاروں طرف تین ہاتھ گہری اور سو ہاتھ چوڑی خندق پانی سے لبالب بھری ہوئی ہے اور پُل اُٹھا لیے گئے ہیں ۔ کرب نے ساتھیوں سے کہا پُل کے بغیر خندق کو پار کرنا ممکن نہیں ہے ۔ قلعے پر کیوں کر قبضہ کیا جائے ؟" تاہم اُس نے سب کو چوکنّا رہنے کی تاکید کی اور کہا کہ ہوشیار رہنا نہایت ضروری ہے ۔ ایسا نہ ہو کہ رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر ناشناد پہلوان سعد کو لے کر کہیں اور نکل جائے اور ہم خالی ہاتھ واپس جائیں ۔ سپاہیوں نے عرض کیا کہ آپ بے فکر رہیں ۔ قلعے سے باہر ایک مکھّی بھی ہماری نظروں سے بچ کر نہیں جا سکتی ۔

اب کچھ عَلَم شاہ کا حال سُنیے کہ راستہ بھُولنے کے بعد اُس پر کیا گزری ۔

ایک ہولناک بیابان میں پہنچ کر عَلَم شاہ کو احساس ہُوا کہ وُہ راستہ بھُول گیا ہے ۔ اِس اثنا میں رات بھی سر پر آئی ۔ اب تو بہت پریشان ہُوا ۔ ایک جگہ رُک کر آہ وزاری میں مصروف ہُوا ۔ روتے روتے نیند آ گئی ۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ نُورانی شکل کے ایک بزرگ

کہہ رہے ہیں :- اے عَلَم شاہ ، تُو نے کرب غازی سے حسد کیا ۔ تجھے اسی کی سزا خُدا نے دی ہے ۔ بہتر ہے کہ یہ حسد اپنے دل سے نکال دے ورنہ ساری عُمر اسی بیابان میں بھٹکتا پھرے گا اور یہاں سے نکلنے کی راہ نہ پائے گا ۔

عَلَم شاہ نے بزرگ کے قدموں پر سر رکھا اور کہا حضرت ، میں اپنی غلطی پر پشیمان ہُوں ۔ آج سے کرب غازی کو اپنے سگے بھائی کے برابر سمجھوں گا ۔ یہ اقرار کیا تو بُزرگ نے عَلَم شاہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا ہم تُم سے خُوش ہیں ۔ اس کے بعد عَلَم شاہ کی آنکھ کُھل گئی ۔ دیکھا کہ وُہ بیابان غائب ہے اور سامنے ایک عظیم قلعے کے آثار نظر آتے ہیں ۔ عَلَم شاہ نے خُدا کا شکر ادا کیا جب قریب پہنچا تو مشعلوں کی روشنی نظر آئی اور بہُت سے سپاہی چلتے پھرتے دکھائی دیے ۔ عَلَم شاہ سمجھ گیا کہ یہ کرب غازی کا لشکر ہے جو قلعے کا محاصرہ کیے ہُوئے ہے ۔ تب اُس نے ایک سپاہی سے پُوچھا کہ کرب غازی کہاں ہے ؟ اتّفاق سے غازی کچھ فاصلے پر کھڑا تھا ۔ اُس نے عَلَم شاہ کی آواز پہچان لی ۔ بے اختیار دوڑتا ہُوا آیا اور عَلَم شاہ کے ہاتھوں پر بوسہ دے کر بولا :

"بھائی جان، آپ کیسے تشریف لائے؟ خیر تو ہے؟"
"اے بھائی، کچھ پوچھو نہیں۔ میں اپنی نادانی پر پشیمان ہو کر آیا ہوں۔ میں تمہیں اچھا نہ سمجھتا تھا اور کئی بار تمہارا دل دکھایا۔ اس کی سزا مجھے خدا نے دی۔ اب تم بھی مجھے معاف کر دو۔" یہ کہہ کر کرب غازی کو سینے سے لگا لیا اور رونے لگا۔

جب دونوں کے دل صاف ہو گئے تو عَلَم شاہ نے پوچھا کہ قلعہ فتح ہونے میں کیا دیر ہے؟ کرب غازی نے بتایا کہ ناشاد پہلوان نے اپنے بچاؤ کا ہر طرح انتظام کر رکھا ہے۔ قلعے پر دھاوا بولنے کا کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ عَلَم شاہ نے کہا فکر نہ کرو، خدا مالک ہے۔ وہ ضرور کوئی تدبیر سجھا دے گا۔

اُدھر امیر حمزہ کے لشکر میں عَلَم شاہ کے غائب ہو جانے کا غل مچا۔ امیر حمزہ نے خیال کیا کہ کرب غازی سے مقابلہ کرنے نہ نکل گیا ہو۔ گھبرا کر کہنے لگے۔ کوئی بہادر جائے اور دونوں کو لڑنے سے باز رکھے۔ یہ سن کر عامر بارہ ہزار سوار لے کر قلعۂ جلیک کوہ پر آیا۔ دیکھا کہ عَلَم شاہ یہاں موجود ہے اور کرب غازی سے گہری دوستی ہو چکی ہے۔ عامر کے آنے سے ان دونوں

کو بے حد خُوشی ہُوئی۔

دو مہینے تک قلعے کا مُحاصرہ جاری رہا۔اس دوران میں قلعے کے اندر خُوراک کے ذخیرے ختم ہو گئے۔ اور ناشاد کی سپاہ بھُوکی مرنے لگی۔تب اُس نے فصیل پر سفید جھنڈا لہرایا۔ تھوڑی دیر بعد خندق پر پُل ڈالا گیا۔ قلعے کا دروازہ کھُلا اور ایک سپاہی کرب غازی کے لشکر کی طرف آتا دِکھائی دیا۔ اُس نے ناشاد پہلوان کا پیغام دیا کہ ہم اِس شرط پر ہتھیار ڈالنے کے لِیے تیّار ہیں کہ ہمارے کسی آدمی کو قتل نہ کیا جائے۔ سُلطان سعد خیریّت سے ہے اگر آپ کو یہ شرط منظُور ہے تو اُسے ابھی یہاں بھیج دیا جائے گا۔

کرب غازی نے عَلَم شاہ اور عامر کے مشورے سے یہ شرط منظُور کی۔ ناشاد پہلوان نے قلعے کے سب دروازے کُھلوا دِیے۔کرب غازی کی فوج نے قلعے پر قبضہ کر کے اپنا جھنڈا لہرا دیا۔ سُلطان سعد سے مُلاقات ہُوئی۔ وُہ کرب غازی، عَلَم شاہ اور عامر کو دیکھ کر بہُت خُوش ہُوا۔ فتح کی خُوشی میں کرب غازی نے جشن منانے کا حُکم دیا۔

اُدھر ہیکلان کو کِسی نے خبر دی کہ ناشاد پہلوان نے

نہ صرف ہتھیار ڈال دیے ہیں بلکہ دو ہزار سپاہیوں سمیت دینِ ابراہیمی میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ خبر سُن کر ہیکلان کے غم و غُصّہ کی حد نہ رہی۔ فوراً سکندر کے پاس اسّی ہزار فوج کی کمک روانہ کر کے حُکم دیا کہ قلعۂ جلیک کوہ پر حملہ کرو اور اُسے دوبارہ اپنے قبضے میں لاؤ۔

سکندر نے کُوچ کی تیّاری کی۔ پھر خُداوند ثمرات کے پاس جا کر خُوب رویا پیٹا اور کہنے لگا کہ اے خُداوند، جس روز سے میں یہاں آیا ہُوں۔ ایک لمحے کے لیے بھی رنج و غم سے فرصت نہ ملی۔ ثمرات نے کہا۔ اے بے وقُوف، اگر تو پہلے ہی ہم سے مشورہ کر لیتا تو یہاں تک نوبت نہ پہنچتی۔ بہر حال تھوڑی سی تکلیف اور باقی ہے، اِسے کسی نہ کسی طرح سے برداشت کر لے۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ عَمرو عیّار بھیس بدلے ہُوئے وہاں آیا۔ اُسے دیکھتے ہی خُداوند ثمرات نے غُل مچایا کہ لینا پکڑنا یہ عَمرو عیّار ہے۔ سپاہی عَمرو کو پکڑنے کے لیے دوڑے مگر وہ بھاگ نکلا۔ کہتے ہیں اس روز عَمرو عیّار اِکاون مرتبہ صُورت بدل کر آیا اور ہر مرتبہ ثمرات نے اُسے پہچان کر غُل مچایا۔ آخر عَمرو

نے ایک اور تدبیر کی۔ وُہ باغ کے اُس حصّے میں آیا
جہاں خُداوندِ ثمرات کے لیے باورچی کھانا پکاتا تھا۔
عمرو نے باورچی کو کسی حیلے سے بے ہوش کیا اور
ایک گڑھے میں پھینک کر اُوپر سے مٹّی ڈال دی۔
پھر خُود باورچی بن کر کھانا پکانے لگا۔ کھچڑی کی تین
سو ننادن دیگیں اور سات سو پُلاؤ کی دیگیں پکتی
تھیں۔ اِن سب میں بے ہوشی کی دَوا مِلائی۔ پھر وُہ
سب دیگیں ثمرات کی بارگاہ میں بھیجی گئیں۔ عمرو
عیّار بھی دیگوں کے ساتھ گیا اور سبز کمبل اوڑھ کر
ایک جگہ بیٹھ رہا۔ جب بارگاہ کا دروازہ اندر سے بند
ہو گیا اور باغ میں کوئی شخص نہ رہا، تب عمرو نے
دیکھا کہ ثمرات کے بُت میں سے ایک خوف ناک دیو
برآمد ہُوا اور تمام دیگیں چٹ کر گیا۔ دیو نے اُس
روز شربت نہ پیا۔ کہتے ہیں اُس کے لیے سات سو
من قند کا روزانہ شربت بنتا تھا۔ وُہ یُونہی رکھا رہا۔
جب عمرو کو یقین ہو گیا کہ اب دیو بے ہوش
ہو چُکا ہو گا، تب کمبل اُتار کر سامنے آیا۔ بُت کو
کمر پر لادا اور بارگاہ کا دروازہ کھول کر اپنے لشکر
میں چلا آیا۔

اُس نے امیر حمزہ کے سامنے خُداوندِ ثمرات کو لے جا کر رکھ دِیا اور بے ہوشی دُور کرنے کا فتیلہ جلا کر ثمرات کی ناک میں رکھا۔ اُس نے چھینک مار کر آنکھیں کھول دیں اور چِلّا کر بولا۔" اے حمزہ، مجھے فوراً سجدہ کر ورنہ تیرے لشکر کو جلا کر خاک کر دُوں گا۔" امیر حمزہ نے لندھور کو اِشارہ کیا اور کہا۔"بھائی لندھور، ذرا خُداوند کی طبیعت تو صاف کرو۔ ایک گُرز اس کے سر پر مارو۔" لندھور نے پچیس من وزنی فولادی گُرز اُٹھا کر مارنے کا اِرادہ کیا ہی تھا کہ بُت کے مُنہ سے دُھواں نِکلنا شُروع ہُوا اور پھر وُہ دُھواں جمع ہو کر ایک خوف ناک دیو کی شکل اِختیار کر گیا۔ اس وقت امیر نے پہچانا کہ یہ ثمرات دیو ہے جو کوہ قاف سے جان بچا کر بھاگا تھا۔ اِتنے میں دیو نے آواز دی:

"اے حمزہ، میں تیرے ہاتھوں کہاں کہاں بھاگتا پھرتا ہُوں۔ مگر تُو میری جان نہیں چھوڑتا۔ حیران ہُوں کہ تجھ سے بچنے کی کیا صُورت کروں۔"

خُداوندِ ثمرات کا یُوں غائب ہو جانا کوئی معمُولی بات نہ تھی۔ سکندر نے یہ تمام واقعہ ہیکلان کو لکھ بھیجا۔

اُس نے پہلے اسّی ہزار سپاہیوں کا لشکر بھیجا تھا ، اِس مرتبہ ایک لاکھ سپاہی روانہ کیے - اِس فوج کا سپہ سالار الکوش نام کا ایک پہلوان تھا - جاسوسوں نے امیر حمزہ کو خبر دی کہ سکندر کی فوج نے ڈیرے خیمے اُٹھا لیے ہیں اور وُہ قلعۂ جلیک کوہ پر حملہ کرنے لگی ہے - امیر حمزہ نے بھی اپنی بارگاہ سمیٹنے کا حُکم دیا اور سکندر کے پیچھے پیچھے روانہ ہُوئے - اس مرتبہ اُنھوں نے عہد کیا تھا کہ روز روز کی یہ لڑائیاں ختم کر کے ہی رہیں گے اور اگر نوشیرواں نے اِطاعت نہ قبول کی تو اُسے ہمیشہ کے لیے قید خانے میں ڈال دیا جائے گا -

سکندر جب عظیم فوج کے ساتھ قلعۂ جلیک پر آیا تو کرب غازی ، عَلَم شاہ اور عامر جنگ کے لیے تیّار ہُوئے - اگرچہ سکندر کے مُقابلے میں اُن کے پاس فوج بہُت کم تھی - مگر حوصلے اور ولولے کی کوئی کمی نہ تھی - جب دستُور کے مُطابق دونوں لشکر میدان میں آمنے سامنے ہُوئے تب معیار عاد نام کا ایک سُورما سکندر کی فوج میں سے نِکلا اور مُقابلے کے لیے للکارنے لگا - اِدھر عامر میدان میں آیا - معیار عاد نے زور کر

نیزہ مارا۔ عامر نے تلوار سے اس کا نیزہ کاٹ ڈالا اُس نے جھنجھلا کر تلوار ماری۔ عامر نے اُس کی تلوار بھی چھین لی۔ پھر معیار نے گرز سے حملہ کیا۔ عامر نے گرز بھی چھین کر دُور پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر معیار نہایت کھسیانا ہُوا اور گھوڑے سے کُود کر زمین پر آیا۔ عامر بھی گھوڑے سے اُترا۔ دونوں میں داؤ پیچ ہونے لگے آخر عامر نے اُسے پکڑ کر سر سے اُونچا اُٹھایا اور کہا ”اے پہلوان، اگر جان عزیز رکھتا ہے تو خُدائے واحد کو سجدہ کرنا قبول کر ورنہ تیری زندگی مُحال ہے اُس نے کہا۔ اے عرب، یہ بات میں نے آج ہی سُنی ہے۔ اگر خُدائے واحد ہمارے خُداوندِ ثمرات کی طرح کسی بُت میں ہوتا تو میں ضرور سجدہ کر لیتا۔

آخر عامر نے اُس کو زمین پر دے مارا۔ اُس کی ہڈیاں کڑکڑا گئیں اور دُوسرا سانس نہ لے سکا۔ اُس روز سکندر کی فوج کے باون پہلوان عامر کے ہاتھ سے مارے گئے۔ سکندر غم و غُصّے سے دیوانہ ہو گیا۔

اگلے روز پھر طبلِ جنگ بجا اور اس مرتبہ شعور حاد میدان میں آیا اور شیخیاں بگھارنے لگا۔ اِدھر سے کرب غازی نکلا اور دیر تک جنگ کرنے کے بعد شعور

کو جہنم کی طرف روانہ کر دیا۔ اُس روز کرب نے بھی سکندر
کے تقریباً پچاس پہلوان تہ تیغ کیے اور اُس کی بہادری
کا سکّہ دُشمن کے دِل پر بیٹھ گیا۔

تیسرے دِن سکندر کا ایک اور نامی گرامی پہلوان
شُتران ہاد مُقابلے کے لیے للکار رہا تھا کہ امیر حمزہ
اپنے لشکر کے ساتھ آن پہنچے۔ کرب، غازی، عَلَم شاہ
اور عامِر اُن کے اِستقبال کو گئے۔ اُنھوں نے سب کو
گلے سے لگایا اور جنگ کا حال دریافت کرنے لگے۔
عامِر نے سارا واقعہ کہہ سُنایا۔

جب شُتران کو امیر حمزہ نے دیکھا تو خُود اُس کے
مُقابلے میں جانے کا اِرادہ کیا۔ مگر لندھور اپنا ہاتھی
بڑھا کر امیر حمزہ کے سامنے آیا اور شُتران کے مُقابلے
میں جانے کی اِجازت طلب کی۔ امیر حمزہ نے اِجازت
دیتے ہُوئے کہا: "اے لندھور، تُمھیں خُدا کے سپُرد
کیا۔ ذرا دیکھ بھال کر لڑنا۔ میں نے سُنا ہے یہ نہایت
ملعُون پہلوان ہے۔"

لندھور اِس شان سے میدان میں آیا کہ دوست
دُشمن سب نے بے اِختیار واہ وا کی۔ شُتران نے
بھی اِس کو اُوپر سے نیچے تک دیکھا اور دِل میں کہا

اِس دیو کے ہاتھ سے بچنا دشوار نظر آتا ہے۔

لنڈھور نے ڈپٹ کر کہا۔ "اے نشتران، سوچتا کیا ہے؟ آگے بڑھ اور حملہ کر۔"

تب نشتران نے اپنا گرز سنبھالا اور گیارہ مرتبہ لنڈھور پر حملہ کیا۔ لنڈھور نے ہر وار اپنی ڈھال پر روکا۔ پھر نعرہ مار کر اپنا گرز گھمایا۔ اس کی شائیں شائیں سے نشتران کا ہاتھی ڈر کر بھاگا۔ مگر لنڈھور نے بھاگنے کی مہلت نہ دی۔ اُس کے گرز کی ایک ہی ضرب میں نشتران کا ہاتھی گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا اور خود نشتران گوشت کا ایک لوتھڑا بن کر نیچے گرا۔ امیر حمزہ نے لنڈھور کی اِس ضرب کو دیکھ کر فرمایا یہ حقیقت میں رستمِ ہند ہے۔

نشتران کے مرتے ہی سکندر کا دل بیٹھ گیا اور اُس نے واپسی کا طبل بجوایا۔ یہ دیکھ کر بختک نامُراد تالی پیٹ پیٹ کر ناچنے لگا اور کہا:

"میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ امیر حمزہ کا رُعب آپ کے دِل پر بیٹھ گیا ہے۔ یہ بہادروں کا شیوہ نہیں ہے کہ اپنے اِتنے آدمیوں کو حمزہ کے ہاتھوں فنا کرانے کے بعد یُوں چُپ بیٹھ جائیں۔"

اُس نے سکندر کو خوب اُبھارا اور جوش دِلایا۔ آخر دُوسرے ہی روز اُس نے پھر طبلِ جنگ بجوایا۔ اِس مرتبہ لشکر کا سپہ سالار الکوش میدان میں نِکلا۔ اس کا ڈیل ڈول ایسا تھا کہ کیا دوست اور کیا دُشمن سبھی نے تعریف کی الکوش کے مُقابلے میں عَلَم شاہ نے نِکلنا چاہا۔ مگر امیر حمزہ نے روک دِیا اور کہا۔ "اے رُستم، الکوش کے مُقابلے میں مَیں جاؤں گا۔ تُم پیچھے ہٹ جاؤ۔"

امیر اشقر دیوزاد پر سوار ہو کر میدان میں آئے الکوش نے حقارت کی نظر سے دیکھا اور بولا: افسوس ہے حمزہ پر کہ میرے مُقابلے کے لیے ایسے ایسے لوگوں کو بھیجتا ہے جن کے جسم پر ہڈّی ہے نہ بوٹی۔"

امیر حمزہ نے مُسکرا کر کہا۔ "اے الکوش، تجھے ہڈّی بوٹی سے کیا مطلب۔ میں تیرے مُقابلے میں آیا ہُوں۔ اگر ہمّت ہے تو مجُھے مار ڈال۔"

"تجُھ جیسے پہلوانوں سے لڑنا میری شان کے خِلاف ہے۔" الکوش نے کہا۔ "جانتا نہیں کہ میں سکندر کی فوج کا سپہ سالار ہُوں۔ تُو اپنی جان سلامت لے کر چلا جا اور حمزہ کو یہاں بھیج۔"

"اے الکوش، میرا ہی نام حمزہ ہے۔"

اِتنا کہنا تھا کہ الکوش کی گِھگھی بندھ گئی - پھٹی پھٹی آنکھوں سے امیر کی طرف دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا "قسم ہے خُداوندِ ثمرات کی، مُجھے یقین نہیں آتا کہ اِس قد کاٹھ کا شخص حمزہ ہو سکتا ہے۔"

جب الکوش کی حیرت دُور ہُوئی اور اُسے ہوش آیا تو اُس نے بڑھ کر حملہ کیا - امیر حمزہ اپنے گھوڑے سے کُود پڑے اور الکوش کی ٹانگیں پکڑ کر اُسے بھی گھوڑے سے اُتار دیا - پھر بغل میں دبا کر اپنے لشکر کی طرف چلے - الکوش نے آزاد ہونے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے مگر ناکام رہا پھر حمزہ نے اُسے پچھاڑا اور خنجر سینے پر رکھ کر پُوچھا:

"اگر دینِ ابراہیمی پر ایمان لائے تو چھوڑ دُوں گا"

"یا امیر میں ایمان لاتا ہُوں" الکوش نے کہا -

امیر حمزہ نے اُسے چھوڑ دیا - وُہ سچّے دِل سے کلمہ پڑھ کر ایمان لایا - کافروں کے لشکر میں الکوش کے ایمان لانے سے اوس پڑ گئی اور حق پرستوں کی خُوشی کا ٹھکانا نہ رہا - الکوش نے امیر حمزہ سے کہا "یا امیر، اب میری یہ خواہش ہے کہ میدان میں جاؤں اور سکندر کو مُقابلے کے لیے للکاروں" امیر حمزہ نے

اُسے اجازت دے دی - جب الکوش میدان میں نمودار ہُوا اور سکندر کو پکارا تو اُس کے خُون میں بھی حرارت پیدا ہُوئی - بے شُمار ہتھیار بدن پر سجا کر سامنے آیا اور کہنے لگا :

"اے الکوش ، تجھ جیسا غدّار اور نمک حرام آج تک پیدا نہ ہُوا ہو گا - تُو نے حمزہ کے ساتھ مل کر ہماری ساری عزّت آبرُو خاک میں ملا دی - یہی وجہ ہے کہ میں تیرے مُقابلے میں آیا ہُوں اور اب دیکھ کہ تیرا کیا حشر کرتا ہُوں "

یہ کہہ کر سکندر نے نیزے سے حملہ کیا - الکوش نے وہی نیزہ چھین کر اِس زور سے مارا کہ اُس نے پہلے سکندر کی ڈھال توڑی - پھر سینے کو چھیدتا ہُوا نکل گیا - ایک ہولناک چیخ کے ساتھ سکندر نیچے گرا اور تڑپ تڑپ کر مر گیا - اِس کے مرتے ہی بختک اور نوشیرواں نے فوج کو عام حملے کا حُکم دے دیا - پھر تو ایسی جنگ ہُوئی کہ بیان سے باہر ہے - تین پہر کی لڑائی کے بعد کافروں کی فوج ہتھیار پھینک کر بھاگی - نوشیرواں اور بختک بھی جانیں بچا کر بھاگے اور مدائن پہنچ کر سانس لیا - لیکن امیر

حمزہ جو عہد کر چکے تھے، اُس پر قائم رہے۔ آندھی کی رفتار سے نوشیرواں کے تعاقب میں آئے۔

نوشیرواں سمجھا کہ موت آئی۔ بختک سے کہا "یہ سب کیا دھرا تیرا ہے۔ تُو نے مُجھے اِس جنجال میں پھنسایا۔ اب تُجھے اپنے ہاتھ سے قتل کرتا ہوں۔"

یہ کہہ اُس نے تلوار کھینچی اور چاہتا تھا کہ بختک کی گردن تن سے جُدا کرے کہ خواجہ بزرجمہر بادشاہ کے قدموں میں گر پڑے اور کہنے لگے:

"حضور صبر سے کام لیجیے۔ اِس بے حیا کے خُون سے اپنی تلوار کو داغ دار نہ کیجیے۔"

یہ کہہ کر اُنھوں نے بختک کو اِشارہ کیا۔ وُہ دوڑ کر آیا اور نوشیرواں کے قدموں پر سر رکھ کر رونے لگا۔ تب بادشاہ نے اُسے معاف کیا۔

کئی دِن بعد مدائن میں غُل مچا کہ امیر حمزہ آتے ہیں۔ سارا شہر اُن کے آنے کی خُوشی میں دِیوانہ ہو رہا تھا۔ لوگوں نے جھٹ پٹ شہر میں چراغاں کا اِنتظام کیا۔

نوشیرواں خواجہ بزرجمہر کو لے کر خُود امیر حمزہ کے اِستقبال کو آیا اور اُن کے ہاتھ چُومنے لگا۔

امیر نے کہا ۔" اے بادشاہ ، میرے ہاتھ چُوم کر کیوں مجھے شرمندہ کرتا ہے ۔ تیرے مُجھ پر بڑے اِحسانات ہیں ۔ میں اِنہیں بھُولا نہیں ہُوں ۔ مگر افسوس اِس بات کا ہے کہ تجھے دوست دُشمن کی پہچان نہیں ہے ۔"

نوشیرواں نے شرمندہ ہو کر گردن جُھکا لی اور کچھ نہ کہا ۔ تب خواجہ بزرجمہر نے سب کو دُعائیں دیں ۔ نوشیرواں نے قباد اور عامر کو گلے لگا کر پیار کیا تمام پہلوانوں کو خلعتیں اور کُرسیاں عطا کیں ۔ اور تمام رنجشیں دلوں سے دُور ہو گئیں ۔ مگر ایک شخص ابھی ایسا تھا جس کے دِل میں رنج اور حسد کی آگ تیزی سے بھڑک رہی تھی ۔ اُس نے سوچا کہ حمزہ اور نوشیرواں کی صلح ہو گئی تو میں کہاں جاؤں گا ۔ میرے گُناہوں کی فہرست اِتنی لمبی ہے کہ اگر حمزہ نے ترس کھا کر مُجھے چھوڑ بھی دیا تو عمرو عیّار ہرگز نہ چھوڑے گا ۔ کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ اچھّے دِل بُرے ہوں ۔

آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ نامُراد شخص بختک کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا ۔ امیر حمزہ اور اُن کے دوستوں کی آؤ بھگت دیکھ کر اُس کے سینے پر سانپ لوٹ رہا تھا ۔ آخر سوچ سوچ کر ایک تدبیر اُس نے

ذہن میں آئی۔ عیّار گلیم گوش کو اس سازش میں شریک کیا اور اُس سے کہنے لگا۔" اگر تُو کسی طرح امیر حمزہ کو قتل کر دے تو ایک لاکھ سونے کی اشرفیاں اِنعام میں دُوں گا اور نوشیرواں سے سفارش کر کے تمام عیّاروں کا سردار بنوا دُوں گا۔"

عیّار گلیم گوش یہ سُن کر بے حد خُوش ہُوا بولا۔" آپ فکر نہ کیجیے۔ حمزہ کو قتل کرنا میرے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ آج رات ہی اس کا قِصّہ تمام کرتا ہُوں۔"

رات کو وُہ امیر حمزہ کی بارگاہ میں آیا اور کھانے کے دوران میں پانی کی صُراحیوں میں سفوف بے ہوشی ملا دیا۔ یہ سفوف آہستہ آہستہ اثر کرتا تھا۔ رات کے پچھلے پہر بارگاہ کی محفل برخاست ہُوئی۔ سب تعجّب میں تھے کہ آج ایسی سخت نیند کیوں آ رہی ہے۔ غرض سب اپنے اپنے خیموں کی طرف گرتے پڑتے چلے۔ اب اِتّفاق دیکھیے کہ امیر حمزہ تو قباد کے بستر پر جا سوئے اور قباد امیر حمزہ کے بستر پر لیٹ کر غافل ہو گیا۔

تیسرے پہر وُہ مُوذی گلیم گوش اپنے دامن میں خنجر چھُپائے امیر حمزہ کی بارگاہ میں آیا۔ دیکھا کہ امیر کمبل

اوڑھے بے خبر سوتے ہیں۔ گلیم گوش عیّار اُن کے سرہانے جا کھڑا ہُوا اور خنجر اُٹھایا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ امیر حمزہ کے بجائے شہزادہ قباد شہریار ہے۔

گلیم گوش نے خنجر اُٹھایا اور آنکھیں بند کر کے پُوری قوّت سے قباد کے سینے میں گھونپ دیا۔ بے چارے قباد نے جُنبش بھی نہ کی اور ختم ہو گیا گلیم گوش نے اس کا سر تن سے جُدا کر کے ٹوکری میں رکھا اور بختک کے مکان کی طرف بھاگا۔ وُہ ابھی تک عیّار کے اِنتظار میں جاگ رہا تھا۔ گلیم گوش کے کپڑوں پر خُون کے چھینٹے دیکھ کر بختک نے بے تاب ہو کر پُوچھا "کیا حمزہ کو قتل کر دیا؟"

"جی ہاں، یہ دیکھیے۔ اس کا سر بھی اپنے ساتھ لایا ہُوں۔ اب اِنعام دِلوائیے۔"

یہ کہہ کر اُس نے ٹوکری میں سے کٹا ہُوا سر نکالا اور بختک کے سامنے رکھ دیا۔ بختک نے چراغ کی روشنی تیز کر کے سر پر نگاہ ڈالی تو سر پیٹ کر بولا۔" ابے نامُراد، ذرا غور سے دیکھ۔

یہ حمزہ نہیں، شہزادہ قباد ہے۔ تُو نے حمزہ کے دھوکے میں نوشیرواں کے نواسے کو قتل کر دیا ہے اب تُو مارا جائے گا۔"

بختک کو خطرہ پیدا ہُوا کہ اگر گلیم گوش گرفتار ہُوا تو سب راز اُگل دے گا۔ اِس لیے اِسے بھی ختم کر دینا چاہیے۔ یہ سوچ کر خنجر نکال کر گلیم گوش کی طرف جھپٹا، مگر وُہ بھی کچّی گولیاں کھیلے ہُوئے نہ تھا۔ بختک کی نیّت بھانپ گیا اور وہی خنجر، جس سے اُس نے قباد کو ہلاک کیا تھا۔ بڑی پُھرتی سے بختک کے کلیجے میں اُتار دیا۔ ایک خوف ناک چیخ کے ساتھ بختک اُلٹ کر گرا اور تڑپنے لگا۔ اور یُوں بختک اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔

صُبح مُنہ اندھیرے امیر حمزہ کے لشکر میں غُل مچا کہ شہزادہ قباد کو کسی نے قتل کر دیا۔ امیر حمزہ نے بیٹے کی لاش دیکھی تو پچھاڑیں کھانے لگے — نوشیرواں کو خبر کی گئی۔ وُہ ننگے سر ننگے پاؤں دوڑتا ہُوا آیا اور اِس قدر رویا کہ بے ہوش ہو گیا۔ عمرو عیّار کبھی روتا اور کبھی قاتل کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرتا۔ اِتنے میں چند سپاہی گلیم گوش کی گردن میں

رسیاں ڈالے اور اُسے مارتے پیٹتے وہاں آئے۔ معلوم ہُوا کہ کل رات اِس مُوذی نے بختک وزیر کو قتل کیا ہے اور بختک کے مکان میں سے شہزادہ قباد کا سر بھی برآمد ہو گیا ہے۔ تب لندھور، عَلَم شاہ، اکرب غازی اور عامر بن حمزہ تلواریں کھینچ کھینچ کر گلیم گوش کی طرف لپکے اور قریب تھا کہ اُس کی تِکّا بوٹی ہو جائے کہ امیر حمزہ نے اُنھیں روکا اور کہنے لگے:

"اب اِسے مارنے سے کیا فائدہ۔ قباد اِس کے مرنے سے زندہ تو نہیں ہو سکتا۔ اِسے رہا کر دو اور کہہ دو یہاں سے چلا جائے۔"

گلیم گوش آزاد ہو کر صحرا کی طرف بھاگا، لیکن عَمرو نے اُس کا پیچھا کیا اور نعرہ مار کر کہا "او بدذات، امیر نے تجھ کو چھوڑ دیا۔ مگر میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا۔"

یہ کہہ کر کمند پھینکی۔ گلیم گوش کمند میں پھنس گیا۔ عَمرو نے اُسے زمین پر پچھاڑ کر بُری طرح مارا اور جسم کا ایک ایک حصّہ کاٹ ڈالا۔

قباد کی موت نے امیر حمزہ کو بے حد نڈھال کر دیا تھا۔ سارا دِن اپنے خیمے میں پڑے رہتے۔ کھانا پینا، ہنسنا بولنا سب جاتا رہا۔ بہُت دِن اِسی طرح گزرے۔ آخر سب کچھ چھوڑ چھاڑ مکّے جانے کا اِرادہ کر لیا۔ جانے سے پہلے سب دوستوں کو نصیحتیں کیں اور سلطنتیں سپُرد کیں۔ لندھور کو ہندوستان کی سلطنت بخشی۔ بہرام کو چین اور بغداد کی حکُومت عطا ہُوئی۔ عَلَم اژدہا پیکر عَلَم شاہ کو عنایت ہُوا طبلِ سکندری اور اَشقرِ دیو زاد عادی پہلوان کو دیا گیا۔ سُلطان سعد کو قباد کی جگہ تخت پر بٹھایا مصر کا مُلک مُقبِل وفادار کے حوالے کیا۔ آخر میں عَمرِو عیّار سے کہا:

"بھائی عَمرِو، تمُھارا جی چاہے تو میرے پاس رہو، ورنہ جہاں جی چاہے چلے جاؤ — اُس علاقے کی حکُومت میں بخوشی تُم کو عطا کر دُوں گا۔"

عَمرِو بے اِختیار رو پڑا اور امیر حمزہ کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر بولا "اے حمزہ، مجھے کِسی سلطنت کی ضُرورت نہیں ہے۔ بس تمھارے

قدموں میں رہنا چاہتا ہوں ۔ عمرو کو امیر حمزہ نے اپنے ساتھ لیا اور مکّے کی طرف روانہ ہوگئے ۔ اور بقیّہ عمر خدا کی یاد میں گزار دی ۔

ختم شد